جنوبی ہند کی تاریخ

(زمانۂ ماقبل تاریخ سے وجیہ نگر کے زوال تک)

کے۔ اے۔ نیل کنٹھ شاستری

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی

جنوبی ہند کی تاریخ

(زمانۂ ما قبل تاریخ سے وجیہ نگر کے زوال تک)

مصنّف

کے۔ اے۔ نیل کنٹھ شاستری ایم۔ اے

مترجم

آر۔ کے۔ بھٹناگر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل

حکومت ہند

ویسٹ بلاک۔I، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔110066

Junoobi Hind Ki Tareekh

By : K.A. Nilkanth Shastri

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت:

پہلا اڈیشن : 1980

دوسرا اڈیشن : 1998 تعداد 1100

قیمت : -/114

سلسلۂ مطبوعات : 808

ناشر : ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔1، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066

طابع : لاہوتی پرنٹ ایڈز، جامع مسجد، دہلی۔۱۱۰۰۰۶

پیش لفظ

"ابتدا میں لفظ تھا۔ اور لفظ ہی خدا ہے"

پہلے جمادات تھے۔ ان میں نمو پیدا ہوئی تو نباتات آئے۔ نباتات میں جبلت پیدا ہوئی تو حیوانات پیدا ہوئے۔ ان میں شعور پیدا ہوا تو بنی نوع انسان کا وجود ہوا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ کائنات میں جو سب سے اچھا ہے اس سے انسان کی تخلیق ہوئی۔

انسان اور حیوان میں صرف نطق اور شعور کا فرق ہے۔ یہ شعور ایک جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔ اگر ٹھہر جائے تو پھر ذہنی ترقی، روحانی ترقی اور انسان کی ترقی رک جائے۔ تحریر کی ایجاد سے پہلے انسان کو ہر بات یاد رکھنا پڑتی تھی، علم سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں کو پہنچتا تھا، بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا تھا۔ تحریر سے لفظ اور علم کی عمر میں اضافہ ہوا۔ زیادہ لوگ اس میں شریک ہوئے اور انھوں نے نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اس کے ذخیرے میں اضافہ بھی کیا۔

لفظ حقیقت اور صداقت کے اظہار کے لیے تھا، اس لیے مقدس تھا۔ لکھے ہوئے لفظ کی، اور اس کی وجہ سے قلم اور کاغذ کی تقدیس ہوئی۔ بولا ہوا لفظ، آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ ہوا تو علم و دانش کے خزانے محفوظ ہو گئے۔ جو کچھ نہ لکھا جا سکا، وہ بالآخر ضائع ہو گیا۔

پہلے کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں اور علم سے صرف کچھ لوگوں کے ذہن ہی سیراب ہوتے تھے۔ علم حاصل کرنے کے لیے دور دور کا سفر کرنا پڑتا تھا، جہاں کتب خانے ہوں اور ان کا درس دینے والے عالم ہوں۔ چھاپہ خانے کی ایجاد کے بعد علم کے پھیلاؤ میں وسعت آئی کیونکہ وہ کتابیں جو نادر تھیں اور وہ کتابیں جو مفید تھیں آسانی سے فراہم ہوئیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اچھی کتابیں، کم سے کم قیمت پر مہیا کرنا ہے تاکہ اردو کا دائرہ نہ صرف وسیع ہو بلکہ سارے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی اس زبان کی ضرورتیں پوری کی جائیں اور نصابی اور غیر نصابی کتابیں آسانی سے مناسب قیمت پر سب تک پہنچیں۔ زبان صرف ادب نہیں، سماجی اور طبعی علوم کی کتابوں کی اہمیت ادبی کتابوں سے کم نہیں، کیونکہ ادب زندگی کا آئینہ ہے، زندگی سماج سے جڑی ہوئی ہے اور سماجی ارتقاء اور ذہنِ انسانی کی نشوونما طبعی، انسانی علوم اور ٹکنالوجی کے بغیر ممکن نہیں۔

اب تک بیورو نے اور اب تشکیل کے بعد قومی اردو کونسل نے مختلف علوم اور فنون کی کتابیں شائع کی ہیں اور ایک مرتّب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے یہ اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔ میں ماہرین سے یہ گذارش بھی کردوں گا کہ اگر کوئی بات ان کو نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں نظرِ ثانی کے وقت خامی دور کردی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائریکٹر
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، نئی دہلی

فہرست مضامین

پیش لفظ

دیباچہ

۱	تاریخی مآخذ کا جائزہ	7
2	تاریخی پس منظر میں جغرافیائی حالات	44
3	ابتدائی اقوام اور تہذیبیں	61
4	تاریخ کا آغاز۔ آریوں کا عروج	87
5	موریہ سلطنت کا زمانہ	104
6	ستواہن اور ان کے جانشین	105
7	سنگم اور اس کے بعد کا عہد	141
8	تین سلطنتوں کا تصادم	177
9	دو مملکتوں کا توازن	206
10	چار سلطنتوں کا عہد	248
11	[illegible] دیگر سلطنتوں کا عروج	264
12	[illegible] سلطنت	307
13	[illegible] زندگی	365
14	[illegible]	396
15	[illegible] و فلسفہ	490
16	[illegible] لطیفہ [illegible] تعمیر	514

تیسرے ایڈیشن کا دیباچہ

یہ ایڈیشن دو معنوں میں اپنے گذشتہ ایڈیشنوں سے مختلف ہے۔ تیسرے باب پر زیادہ توجہ سے نظرِ ثانی کی گئی ہے۔ ابتدائی قوموں اور تہذیبوں پر مشتمل ہے۔ لوتھل میں آثار قدیمہ کی کھدائی کرنے والے اور مدراس میں آرکیالوجی کے موجودہ سپرنٹنڈ ینٹ ایس۔ آر۔ راؤ اور میسور یونی ورسٹی کے میرے دوست اور سابق ساتھی ڈاکٹر ایم۔ سیشادری نے اس باب پر نظرِ ثانی کرنے میں میری گراں قدر مدد فرمائی ہے۔ نویں اور ابتدائی دسویں صدی کے پانڈیاس اور پلّو اس کی تاریخ اور کرونولوجی میں خاصی تبدیلی کی گئی ہے۔ اس تبدیلی میں مدراس یونیورسٹی کے آرکیالوجی کے پروفیسر ڈاکٹر ٹی۔ وی۔ مہالنگم نے بہت مدد کی اور 1962 میں اپنے زیرِ خطبات کا مکمل مسوّدہ مجھے دے دیا۔ ورانرائنا کی ڈلوایاگراھرم پلیٹوں کی نقلیں مجھے ہندوستان کے سرکاری لوحِ نگار ڈاکٹر جی۔ ایس۔ گائی نے مرحمت فرمائیں۔ جناب کے۔ آر۔ سرینواسن نے جو اب تک جنوبی ہندوستان میں مندروں کے سروے پروجیکٹ کے نگراں تھے اور اب نئی دہلی میں آرکیالوجی کے ڈپٹی ڈائرکٹر جنرل ہیں فن اور فنِ تعمیر کے باب کی نظرِ ثانی کے لیے اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازا اور پلّو اس کے غاری مندروں پر اپنے مونوگراف کے اصل کے استعمال کی اجازت دی۔ میں اپنے اُن سبھی دوستوں کا تہہِ دل سے شکر گذار ہوں جنھوں نے فراخ دلی کے ساتھ میری مدد کی۔ کتاب میں اس کے علاوہ بھی جہاں کہیں ضروری تھا نظرِ ثانی اور تبدیلی کر دی گئی ہے۔

کے۔ اے۔ این

باب 1

تاریخی ماخذ کا جائزہ

1۔ دائرۂ وسعت۔ جنوبی ہند کی تاریخ سے بے التفاتی۔ اس کا مقصد اور عام رجحانات کوئی تحقیقی مقالہ نہیں جس پر انحصار کیا جاسکے اور نتائج اخذ کیے جاسکیں۔ اب بھی شمالی ہند کی تاریخ کا سہارا لینا لازمی سیاسی اور تہذیبی تاریخ۔ ان کا تعلق۔

2۔ ماخذ۔ پتھر اور تانبے کے کتبے۔ سکے۔ ملکی و بیرونی ادب۔

ہمارا مقصد اس کتاب میں جنوبی ہندوستان کی قدیم تاریخ سے سترھویں صدی کے نصف تک کی مدت کا ایک مختصر جائزہ پیش کرنا ہے۔ وجیہ نگر سلطنت کے زوال کے بعد ایک نئے عہد کا آغاز ہوا۔ اس سلطنت کو بیجاپور اور گولکنڈہ کے سلطانوں نے باہم تقسیم کر لیا اور جزیرہ نما کے ساحل کے مختلف مقامات پر انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی قایم ہوئی۔ جنوبی ہندوستان سے ہماری مراد اس تمام علاقے سے ہے جو کوہ وندھیاچل کے جنوب میں واقع ہے۔ اس حصے کو عام طور سے دکھن یا دکن کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پچھلے ساٹھ سال میں ادبی اور قدیم عمارتوں کے بارے میں اہم معلومات حاصل ہوجانے کی وجہ سے اس خطہ کی تاریخ سے متعلق ہماری معلومات میں بے حد اضافہ ہوگیا ہے۔ زیادہ تر مواد آرکیولاجیکل سروے آف انڈیا کی مختلف شاخوں کی ناقابل حصول معیاری رپورٹوں میں درج ہے یا ہندوستان کی اہم ریاستوں مثلاً حیدرآباد، میسور اور ٹراونکور کے پاس ہے۔ مورخین نے جن کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے مفروضات کی تشریح کا کام اپنے ذمے لے لیا اور فاضلانہ مقالے تحریر کیے جو زیادہ تر مخصوص شاہی خاندانوں، علاقوں اور موضوعات تک محدود ہیں۔ یہ اپنی جگہ پر سب کارآمد ہیں لیکن اپنی نوعیت کی وجہ سے سیاسی اور تہذیبی تحریکوں کا عام خاکہ نہیں پیش کر سکتے۔ جنوبی ہند کی تاریخ کے لیے سر آر۔ جی۔ بھنڈارکر کی کتاب "ارلی ہسٹری آف دی ڈکن" (1895) پہلی کامیاب کوشش

ہے۔ لیکن اس کتاب کی تاریخی اہمیت اب ختم ہو چکی ہے اور اس میں جنوب بعید کی تاریخ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ڈاکٹر ایس۔ کے۔ آئنگر نے متعدد مضامین اور کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن یہ بھی اس علاقہ کی کوئی باقاعدہ تاریخ نہیں پیش کرتیں۔ پ۔ ٹی شری نواس کی کتاب "ہسٹری آف دی تاملس" (1929ء) سے صرف جنوب بعید کی ابتدائی تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔

ہندوستان کی عام تاریخی کتابوں میں زیر مطالعہ علاقہ کا بہت کم ذکر کیا گیا ہے۔ ونسنٹ اسمتھ نے صحیح کہا ہے کہ "قدیم ہندوستان کی تاریخ لکھنے والوں میں بیشتر مورخین نے ابھی تک جو کچھ تحریر کیا ہے اُس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنوب کا وجود ہی نہیں تھا۔" اس بے التفاتی کو دو طریقوں سے بیان کیا ہے۔ اُن کے بیان کے مطابق "ہندوستان کا مورخ واقعات کی نوعیت سے مجبور تھا کہ اپنی تمام تر توجہ ابتداً شمال کی جانب مبذول کرے نیز جنوبی پہاڑی علاقہ اور جنوب بعید کی تاریخ کو صرف ایک ثانوی اہمیت دے سکے۔ مزید برآں شمالی ہند سے متعلق جو تحریری دستاویزیں دستیاب ہیں وہ جنوبی جزیرہ نما کی تاریخی دستاویزوں کے مقابلہ میں نسبتاً قابلِ اعتبار ہیں۔ چھٹی صدی قبل مسیح سے جنوبی ہند کی حکومتوں کے بارے میں حقیقی طور پر معلومات کی کمی ہے جب کہ اس کے برعکس ہندوستان کی تاریخ کی ابتدا بارہ سو سال پہلے ہوئی ہے۔ جنوبی جزیرہ نما سے متعلق قدیمی تاریخی دستاویزوں کی انتہائی کمی کی وجہ سے ملک کی تاریخ میں ایک زبردست خلا پایا جاتا ہے جس کو پُر کرنا ممکن نہیں ہے"۔ جنوبی ہند کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں گو کہ ہماری معلومات بہت کم ہیں لیکن صورت حال پھر بھی اس قدر حوصلہ شکن نہیں ہے جس قدر اسمتھ نے بیان کی ہے اور جو مندرجہ ذیل تفصیلات سے واضح ہو جائے گا۔

ہر لحاظ سے جنوبی ہند کی تاریخ پورے ملک کی تاریخ کا اہم اور دل چسپ جز رہی ہے۔ دکن کا علاقہ دنیا کی قدیم ترین آبادی کے خطوں میں سے ایک رہا ہے نیز ماقبل تاریخ کے آثار قدیمہ کے عمیق مطالعہ اور اپنے ہمسایہ ملکوں سے روابط کی بنا پر یہ دنیا کی تہذیب و معاشرت کی تاریخ کا اہم باب ہے۔ پورے ملک میں ہندوستانی معاشرے کی بنیادیں ہند آریائی اور آریوں کی آمد سے قبل کے عناصر کے باہمی اتحاد سے مختلف حالات میں پڑی ہیں۔ جنوبی ہند میں زبانوں، ادب اور اداروں میں آریوں کی آمد سے قبل کے ہندوستان کی جتنی جھلک آج باقی ہے اتنی کہیں اور نہیں دکھائی دیتی۔ مغربی دکن کے مراٹھوں کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ جنوب

بلعید میں ہند آریائی زبان کے بولنے والے لوگ ہیں اور ان کے مشرق اور جنوب میں رہنے والے جو زبانیں بولتے ہیں وہ سب دراوڑ زبان میں شامل ہیں جس میں تامل قدیم ترین زبان ہے جو آج بھی بہ حیثیت ادبی زبان برقرار ہے۔ تامل ادب کا قدیم ترین حصّہ ہمیں سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں کی جانب لے جاتا ہے۔ اس ابتدائی ادب کی بنا پر سوسائٹی اور سیاسی امور کی جو تصویر تیار ہوتی ہے اُسے اپنی جگہ دل چسپ ہونا ہی چاہیے اور آریوں اور ان کی آمد سے قبل معاشرتی گتھیاں سلجھانے کے لیے کسی قدر معاون ثابت ہونا چاہیے۔ خلیج بنگال کے اُس پار مشرقی ممالک میں ہندو ریاستوں کا قیام اسی طریق عمل کی توسیع اور تسلسل کا نتیجہ ہے جس کی بنا پر جنوبی ہند اور لنکا میں نوآبادیاں قایم ہوئیں اور انھیں آریائی بنایا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ دکن اور جنوب بعید ترقی پذیر علاقے بن گئے تھے جہاں سے سنہ عیسوی سے قبل اور بعد کی صدیوں میں بحری نقل و حمل کی ابتدا ہوئی۔ جو لوگ یہاں سے انڈونیشیا اور ہند، چین گئے انھیں ویسے ہی مسائل کا سامنا کرنا پڑا جو ہندوستان میں وندھیاچل کے جنوب میں رہنے والوں کو پیش آئے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے مسائل کو تقریباً ایک ہی طریقے سے حل بھی کیا۔ یہ ابتدائی معاشرتی ربط و اتّحاد جو مختلف ممالک میں ظہور پذیر ہوا اس کی بنا پر مماثلت کی بہت ہی دل چسپ باتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان کا بالتفصیل مطالعہ نہ تو لوگوں نے ابھی تک کیا ہے اور نہ اس کتاب کے دائرۂ وسعت میں آتا ہے۔ یہ یاد رکھنا زیادہ بہتر ہوگا کہ ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ کافی عرصے تک قریب قریب علاحدگی پسندی کے رجحان سے کیا گیا ہے اور پورے برّاعظم کے نقطۂ نظر سے بحری سرگرمیوں پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ ستواہنوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تین سمندروں کے مالک تھے اور ان کے ہی عہد میں سمندر پار نوآبادیاں قایم ہوئیں اور تجارت کی ترقّی ہوئی۔ ان کے زمانہ میں بدھ فن اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا اس کے حسن و لطافت کے نمونے آج بھی مغربی ہندوستان کے غار مندروں اور امراوتی، گولی، ناگارجنی کونڈ اور دریائے کرشنا کی وادی میں مختلف مقامات کے استوپوں میں محفوظ ہیں۔ ستواہنوں کے زوال کے بعد ان کے جانشینوں نے ایک طویل عرصے تک بدھ فن کی روایات کو مشرقی اور مغربی دکن میں برقرار رکھا۔ دکن میں ستواہن حکومت کے دوسرے نصف حصّے کا دور وہی تھا جب کہ تامل میں سنگم ادب کا عہد اپنے شباب پر تھا۔ اس عہد میں ہندوستان اور مغرب میں رومن سلطنت کے درمیان تجارت کی جاتی تھی ہمارے پاس یہ یقین کرنے کے لیے دلائل موجود ہیں کہ اس زمانہ میں اور اس کے بعد بھی دکن کی بت سازی پر یونان و روم کے نمونوں اور فن کاروں کا اثر پڑا ہے

سنگم عہد کے ختم ہونے پر تیسری سے چھٹی صدی عیسوی تک تامل کی سرزمین پر کیا واقعات رونما ہوئے ان کے بارے میں قطعی معلومات نہیں ہیں۔ تیسری صدی عیسوی کے قریب یا اس کے کچھ بعد کل بھروں کی غارت گری کی وجہ سے پورا علاقہ تہ و بالا ہو گیا۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بہت بڑے حکمراں تھے۔ انھوں نے اس علاقے کے بے شمار راجاؤں (ادھیراجار) کی طاقت کو مغلوب کیا اور ملک کی سیاست اور تجارت پر قبضہ کر لیا۔ کل بھروں کی طاقت ختم ہو جانے پر چھٹی صدی کے اخیر میں پانڈیوں اور پلّوؤں کی کامرانیوں کے دور کا آغاز ہوا۔ تامل کی تاریخ کے اس تاریک زمانہ میں مخصوص دکن میں کچھ شاہی خاندان نمودار ہوئے جنھوں نے ستواہن سلطنت کے ترکے کو باہم تقسیم کر لیا۔ انھوں نے ستواہن خاندان کے بادشاہوں کے انتظامی امور اور سیاست سے متعلق طریقے کو برقرار رکھا اور تہذیبی و صنعت کارانہ روایتوں کو فروغ بخشا۔ ان شاہی خاندانوں میں دکن کے شمال مغرب میں ابھیروں اور ترے کوٹکوں، برار میں واکاٹکوں، مشرقی دکن میں اکش واکوؤں — سالنکیانوں اور وشنوکنڈ ونوں اور جنوبی دکن میں چھوٹوؤں، کدمبوں، گنگوؤں اور پلّووں کے خاندان بہت مشہور ہیں۔ اس عہد میں بدھ اور جین دھرم کو بھی کافی فروغ حاصل ہوا۔ اوّل الذکر نے دھنا، آندھرا پردیش اور سیگیریا (لنکا) میں صنعت و حرفت کو عروج بخشا اور موخر الذکر مغربی دکن اور تامل کے حکمرانوں اور ان کی رعایا کی غالب اکثریت میں بہت مقبول ہوا۔ برما، ملایا، جاوا، بورنیوا اور ہند چین میں جو قدیم ترین کتبے دریافت ہوئے ہیں وہ سب اسی عہد کے مانے جاتے ہیں — یہ کتبے اس امر کا مستند ثبوت ہیں کہ دکن اور جنوبی ہند نے ان ممالک میں نوآبادیاں قائم کرنے اور آریائی تہذیب کے پھیلانے میں اہم حصہ لیا ہے۔

دوسرے دور (600 سے 900 تک) میں نسبتاً بڑی بڑی حکومتیں قائم ہوئیں جن میں ہر ایک کی صلح و جنگ میں اپنی علاحدہ ایک تاریخ تھی۔ سب سے پہلے دکن میں بادامی کے چالوکیہ خاندان کا عروج ہوا۔ اس خاندان نے دونوں سمندروں کے درمیان کے پورے علاقہ پر قبضہ کر لیا ان کی حکومت میں مشرقی ساحل پر واقع تلگو علاقہ اور شمال مغرب میں لاٹ کا صوبہ شامل نہیں تھا۔ جہاں ایک ہی شاہی خاندان کی آزاد حکومتیں قائم ہوئیں۔ چالوکیوں نے ہرش وردھن کا مقابلہ کیا اور اسے وندھیاچل کے شمال میں اپنی سلطنت کو محدود رکھنے کے لیے مجبور کیا۔ انھوں نے شمال میں دوسری پڑوسی حکومتوں سے اور جنوب میں پلّووں سے کامیاب جنگیں کیں۔ اورائے ہول، بادامی اور پتاداکل میں پتھر کے متعدد مندر بنوائے جنھیں یا تو چٹان سے کاٹ کر بنایا گیا ہے یا یہ اپنی ساخت کے لحاظ

سے بہت خوبصورت ہیں اور چالوکیوں کے ہی مذہبی جوش اور فن تعمیر کے جذبے کا ثبوت دیتے ہیں۔ اجنتا کے غاروں اور مصوری میں جو اضافے ہوئے وہ بھی اسی عہد میں کیے گئے ہوں گے۔ آٹھویں صدی کے وسط تک چالوکیوں کی طاقت کا زوال ہوگیا اور ان کے مشہور جاگیرداروں میں سے راشٹرکوٹوں کا عروج ہوا۔ انھوں نے ایک نئی سلطنت قائم کی جس کا دارالسلطنت منایکھیتہ (مال کھیڑ) تھا۔ نظامِ حکومت اور شمال و جنوب کے پڑوسی راجاؤں کے ساتھ تعلقات رکھنے میں راشٹرکوٹوں نے بھی بادامی کے چالوکیوں کی پیروی کی۔ فرق محض یہ تھا کہ یہ لوگ مشرقی دکن میں وینگی کے چالوکیوں کے ساتھ برابر لڑتے رہے۔ ایلورا میں چٹان کو کاٹ کر کیلاش کا جو خوبصورت مندر موجود ہے وہ راشٹرکوٹ خاندان کے حکمرانوں کی شاندار یادگار ہے۔

دکن میں علاقہ پلّو اور پانڈیہ حکومتوں میں بٹا ہوا تھا اور آپس میں برابر لڑتے رہنے کی وجہ سے ان کی سرحد دریائے کاویری کے کنارے بدلتی رہتی تھی۔ پلّووں پر خاص طور پر بڑا سخت وقت تھا کیونکہ انھیں دو محاذوں پر جنگ کرنا پڑتی تھی۔ چول جو کہ سنگم عہد میں بہت مشہور تھے اور جنھوں نے آئندہ دور میں بھی ایک شاندار تاریخی حکومت قائم کی ان کا نام تامل علاقے کے سیاسی نقشے سے قریب قریب غائب ہوگیا اور یہ پتہ نہیں چلتا کہ ریناڈو کے واگذار علاقے کے تیلوگو چھوڑوں سے ان کے تعلقات اگر تھے تو کیسے تھے؟ تیلوگو چھوڑ اس زمانہ کا ایک معمولی خاندان تھا۔ انھوں نے اپنے نام تامل علاقے کے حکمرانوں کے نام پر رکھے۔ حالاں کہ یہ خود کو کری کال کے جانشین ہونے کے دعوے دار کہتے تھے جو سنگم عہد کے ابتدائی چول بادشاہوں میں بہت مشہور بادشاہ تھا۔ پانڈیوں اور پلّو بادشاہوں کے زمانۂ حکومت میں مذہب، ادب اور فنونِ لطیفہ کی نمایاں ترقی ہوئی۔ سنسکرت زبان کو بہت عزت حاصل تھی اور اسے ادبِ لطیف اور ذہنی ترقی کی زبان خیال کیا جاتا تھا۔ گنگا کا شہنشاہ دُرونیت کنٹر اور سنسکرت دونوں زبانوں کا مصنّف تھا۔ پلّو خاندان کا مہندرورمن اوّل جسے وچتر سِت (عجیب و غریب دماغ) کہا جاتا ہے۔ بیک وقت مصنّف، مصوّر، موسیقار اور ماہرِ فنِ تعمیر تھا۔ اس کے زمانۂ حکومت میں یا فوراً بعد بدھ اور جین دھرم کے بڑھتے ہوئے اقتدار کی مخالفت شروع ہوئی جس کا اظہار شیو اور وشنو دھرم ماننے والوں نے تمام بھگتی تحریک کی شکل میں کیا۔ نائنار اور آلوار اس تحریک کے مشہور رہنما تھے۔ ان کے گیت جو عبادت کے جذبے سے لبریز تھے کچھ زمانہ بعد کتابوں میں یکجا کیے گئے۔ یہ کتابیں دیوارام اور دویہ پربندھم کے نام سے مشہور ہیں۔

یہی گیت اُن تمام مقدس معبدگاہوں میں گائے جاتے تھے جہاں ان کے رہنما تبلیغ واشاعت کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے بار بار جایا کرتے تھے۔ یہی گیت تامل ادب کے جواہر پاروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ کمارل اعظم اور ان سے بھی عظیم سنکرا اسی زمانہ میں ہوئے اور تعلیم دی۔ کمارل نے اپنے ارشادات میں ویدوں کی تفسیر پر زور دیا اور قربانی کے اصول کی تائید کی۔ سنکرا نے ویدانیت سے متعلق خدا پرستی کے بنیادی اصولوں کی پوری طاقت اور بڑی وضاحت کے ساتھ تشریح کی۔ اس عہد کے مندر اور سنگ تراشی کے نمونے اس فن کی تکمیل کے مظہر ہیں جسے جنوبی ہند میں فروغ حاصل ہوا تھا۔ اس فن کے نمونے آج بھی مامل پورم (مہابلی پورم) اور کانچی پورم (کانجی ورم) کے بہترین عجائب گھروں میں رکھے ہوئے ہیں۔

وجیا آلیہ خاندان کے شاہی چولوں کا عروج نویں صدی کے وسط میں ہوا۔ گمنامی سے نکلتے ہی انھوں نے بہت جلد پلّووں کی رہی سہی طاقت کو ختم کر کے انھیں اپنے دارالسلطنت تنجور کے شمال تک محدود رہنے پر مجبور کیا جنوب اور مغرب میں انھوں نے پانڈیہ اور چیر کے علاقے جیت لیے اور لنکا پر حملہ کیا۔ راشٹرکوٹوں بالخصوص کرشنا سویم سے عداوت کی وجہ سے چولی سلطنت کو اس کے قایم ہوتے ہی (950ء) خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔ مگر کرناٹک طاقت ایک طرف تو اپنے دور دراز کیمپ سے مستقل نتائج نکالنے کی کوشاں تھی اور دوسری طرف کرشنا سویم کی لڑائیوں کی بنا پر چولوں کی بڑھتی ہوئی شہنشاہیت کو عارضی طور پر روکا جاسکا۔ لیکن اس کے نتیجہ میں خود اپنی سلطنت کے لیے بربادی مول لے لی۔ اور چولوں کے حکمران چالوکیہ حکمران قبل دویم نے راشٹرکوٹوں کے جانشینوں کو آسانی سے پسپا کر دیا۔ کرشنا سویم کی فوجوں کے ہٹتے ہی چول پھر طاقت ور بن گئے اور راج راج اوّل اور اس کے لڑکے راجیندر اوّل کے زمانہ میں گیارھویں صدی کے پہلے حصہ میں حکومت اپنے پایۂ عروج کو پہنچ گئی۔ ایسے وقت میں جب کہ شمالی ہندوستان چھوٹی چھوٹی کمزور ریاستوں میں بٹا ہوا تھا جو آپس میں لڑتی جھگڑتی رہتی تھیں اور بعض مسلمانوں کے متعدد حملوں کی بنا پر اور بھی زیادہ کمزور ہوگئی تھیں تو ان دو عظیم بادشاہوں نے جنوبی ہند کو پہلی بار سیاسی طور پر متحد کیا۔ چول حکمرانوں کے پاس بحری طاقت بھی تھی اور بحر ہند میں جہازوں کی آمد ورفت پر بھی انھیں اختیار حاصل تھا۔ یہ شہری وجیہ کی حکومت کے معاملات کو کبھی تو حملہ کر کے اور کبھی حکمتِ عملی کے ذریعہ ہی مؤثر طور پر درست کرتے تھے۔ انھوں نے مرکزی اختیار کے تحت ایک منظم نظامِ حکومت قایم کیا اور گاؤں سبھاؤں کو پہلی بار خود مختار بنایا گیا۔ راج راج اوّل نے تنجور کا عظیم مندر

تعمیر کرایا۔ یہ مندر جنوبی ہند کے خالص فنِ تعمیر کا بیش بہا جوہر ہے۔ اس کے لڑکے راجیندرا اوّل نے ترچنا پلی کے جنگلوں میں بالکل ایسا ہی دوسرا مندر تعمیر کرایا اور اس کے چاروں طرف ایک شہر آباد کیا جس کا نام گنگئی کونڈ شولا پورم رکھا اس نام کا مطلب ہے "چولوں کا شہر جنھوں نے گنگا کو حاصل کیا۔"

یہ جنوبی ہندوستان میں بقیہ ملک کے لیے ایک نئی طاقت کا بھی اعلان تھا۔ یہ اس مذہبی جوش کے احیا کا نقرئی عہد تھا جس کا آغاز پلّووں کے عہد حکومت میں ہوا تھا۔ وینکٹ مادھو نے ایک تازہ تفسیر نظم کی۔ یہ پرانتک اوّل کے زمانۂ حکومت میں دریائے کاویری کے کنارے واقع ایک گاؤں میں رہتا تھا تامل زبان میں شیو اور وشنو سے متعلق گذشتہ عہد میں جو گیت تحریر کیے گئے انھیں یکجا کرکے مقدس کتابوں کی شکل میں مرتب کیا گیا۔ آج بھی ان کتابوں کا بہت احترام کیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں ہندوؤں کے دیوتا بھگوان شیو جنھیں نٹ راج بھی کہا جاتا ہے ان کے رقص کرتے ہوئے ایک شان دار تخیّل کو کانسی کے عظیم الشان اور پائدار مجسموں میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ مجسمے اپنی تکنیکی مہارت اور فنی تکمیل کے لیے دنیا کے فنونِ لطیفہ میں ثانی نہیں رکھتے۔ کامیابی کے چالو کیے جنھوں نے راشٹر کوٹ حکومت کے ختم ہونے پر خود کو طاقت ور بنا لیا تھا گیارھویں اور بارھویں صدی میں چولوں کے ہم عصر اور ان کے مخالف تھے۔ چالوکیوں اور چولوں کی سلطنتوں کی سرحدیں بعض خونریز لڑائیوں کی وجہ سے دریائے تنگ بھدرا کے کنارے ہمیشہ غیر متعین رہیں۔ مشرقی چالوکیوں کی سلطنت وینگی ان کے درمیان بنائے مخاصمت بنی رہی۔ وینگی کے حکمران اپنا نسلی سلسلہ کلیانی کے چالوکیوں سے قایم کرتے تھے۔ لیکن یہ چولوں کے بھی مرہونِ منّت تھے کیونکہ دسویں صدی کے ختم ہونے پر جب خانہ جنگی کی بنا پر انھیں جلا وطن ہونا پڑا تھا تو چولوں کی وجہ سے ہی انھیں اپنا تخت دوبارہ حاصل ہو سکا تھا۔ یہ دونوں خاندان آپس کی شادیوں کی بنا پر اور بھی زیادہ نزدیک آگئے تھے یہاں تک کہ جب 1070 ء میں چول خاندان کے اولادِ ذکور میں کوئی وارث نہیں رہا تو وینگی کا حکمران چول سلطنت کا خود ہی وارث بن گیا۔ یہ حکمراں کلوتنگ اوّل تھا۔

کلوتنگ اوّل کا سب سے بڑا دشمن چالوکیہ خاندان کا وکرما دیتہ ششم تھا۔ تقریباً نصف صدی تک جنوبی ہند کی تاریخ ان کی باہمی رنجش کی داستانوں سے بھری ہوئی ہے۔ چنانچہ باہمی عداوت اور نا اہل جانشینوں کی وجہ سے دونوں حکومتیں کمزور ہو گئیں۔ بارھویں صدی کے دوسرے نصف حصہ میں دوار سمندر کے ہوسیل، دیوگری کے یادو اور وارنگل کے کاکتیوں نے جو سبھی کلیانی سلطنت کے پروردہ جاگیرداروں میں سے تھے۔ آبائی سلطنت کے علاقوں کو آپس

میں تقسیم کر دیا۔ ہوئسیلوں نے چول سلطنت کے متصل علاقوں میں ہی اپنا اقتدار نہیں بڑھایا بلکہ جنوب بعید کی سیاست میں بھی مؤثر طور پر دخل دیا۔ وہ چول بادشاہوں کی ان جاگیرداروں سے جو ان کے وفادار تھے مگر اب طاقت ور بن گئے تھے حفاظت بھی کرتے تھے۔ تیرھویں صدی کے شروع میں پانڈیہ خاندان میں متواتر کئی قابل اور طاقت ور بادشاہ ہوئے۔ چول سلطنت کے شمالی نصف حصے میں ایک فوجی سردار کو پیرن جنگا جو خود کو پلّو نسب کا بتاتا تھا اپنی حوصلہ مندی اور سرکشی کی وجہ سے پورے طور پر چھایا ہوا تھا۔ ہوئسیلوں کی مدد کی وجہ سے چول سلطنت کو تھوڑی سی راحت نصیب ہوئی۔ لیکن چول سلطنت کا زوال ناگزیر تھا۔ یہ بہت جلد ہو بھی گیا۔ تیرھویں صدی کے وسط تک تامل کا پورا اور مشرقی ساحل پر نیلور تک کا علاقہ پانڈیوں کے قبضہ میں آگیا۔ ہوئسیلوں نے پانڈیوں کی طاقت کو بڑھنے سے روکنے کی بے حد کوشش کی لیکن کوئی نمایاں کامیابی نہیں حاصل ہوسکی۔ تیلوگو کے چھودس بھی اس سلسلہ میں ناکامیاب رہے۔

سنسکرت ادب اور تعلیم کو ہر جگہ سرپرستی حاصل ہوئی۔ عوام کی زبانوں کی بھی اپنی اپنی جگہ تعلیم اور ترقی کے لیے ہمت افزائی کی گئی۔ چالوکیوں اور ہوئسیلوں نے کنڑ، مشرقی چالوکیوں، راشٹر کوٹوں، اگتیوں اور تیلوگو چھودس نے تیلوگو، پانڈیوں اور چولوں نے تامل زبان کی سرپرستی کی۔ مشہور و معروف شعرا نے رامائن اور مہابھارت کے تامل تیلوگو اور کنڑ زبانوں میں ترجمے کیے اس طرح دین داری اور مناظرے سے متعلق ادب فروغ پانے لگا۔ ہر بڑے دربار میں ایک ملک الشعرا ہونے لگا جس کی وجہ سے نیم تاریخی نوعیت کی غیر مذہبی کتابیں بھی بہت بڑی تعداد میں تصنیف کی گئیں۔ امور سیاسی اور قانون سے متعلق خیالات میں بھی نمایاں ترقی ہوئی جس کا اظہار طرز حکومت پر آزاد رسالوں کے ذریعہ یا قانون کی قدیم کتابیں مثلاً یگیہ واگیہ پر تفسیرات کی شکل میں کیا گیا سیاسی امور پر آزاد مقالے بھی تحریر کیے گئے۔ مذہبی فلسفہ کے سلسلہ میں رامانج نے وسشٹ ادویت کے اصولوں کو مرتب کیا۔ انھوں نے اپنشد کے اس اصول میں کہ خدا طاقت مطلق ہے۔ بیرو ِشنو دھرم کے ماننے والے اپنے پیش روؤں مثلاً آلواروں اور آچاریوں کے خدا پرستی کے رجحان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی بھی کوشش کی۔ نمبکار کے فلسفہ میں رامانج کے فلسفہ کے قریب ہونے ہوئے بھی بعض زبانوں میں زبردست اختلاف پایا جاتا تھا۔ چنانچہ نمبکار کے مذہب میں نارائن اور لکشمی کی جگہ کرشن اور رادھا کو حاصل ہوگئی۔ دونوں ہی اپنے مریدوں کے پرجوش عقیدت کا دعوا کرتے ہیں۔ تمام شاہی خاندانوں نے ملک میں جگہ جگہ پتھر کے بڑے بڑے مندر تعمیر کرائے تعمیر، بت تراشی

اور دوسرے فنونِ لطیفہ کو وسیع پیمانہ پر سرپرستی ملی۔ اور حسن و جمال و شان و شوکت کے نئے نئے نمونے پیش کیے گئے۔ چولوں اور چالوکیوں کی حکومت کا زمانہ (900 سے 1200 ء تک) متعدد صورتوں میں جنوبی ہند کی تاریخ کا عظیم ترین عہد شمار کیا جاتا ہے۔

تیرھویں صدی چار ہندو سلطنتوں کا زمانہ تھا۔ ان سلطنتوں نے اپنی پہلی دو شاہی حکومتوں کے علاقے اور روایتوں کو ترکے کے طور پر حاصل کیا یہ دونوں حکومتیں جنوب میں پانڈیہ اور ہوسیل اور شمال میں یادو اور کاکتیہ تھیں۔ ہر حکومت کے تحت جاگیرداروں کے خاندان بھی حسبِ معمول سرسبز ہوئے۔ اس ریاستی نظام کو تیرھویں صدی کے اخیر میں اور چودھویں صدی کے شروع میں باہر سے دھکا لگا۔ دلّی کے خلجی سلطانوں نے جب شمال میں اپنی طاقت کو مکمل طور پر بڑھا لیا تو انھوں نے جنوب کی جانب للچائی نگاہوں سے دیکھا۔ خلجیوں کے بعد یہی رویہ تغلق سلطانوں نے بھی اختیار کیا۔ ابتدا میں تغلق سلطانوں کا ارادہ محض لوٹ اور غارت گری ہی تھا مگر جلد ہی یہ تبلیغ اسلام اور علاقوں کی تسخیر میں بدل گیا۔ جنوب میں کافی بڑے علاقے دلّی کی برائے نام ماتحتی میں آگئے۔ مدورا تو دلّی کے پہلے صوبے دار کی جائے قیام تھی۔ وہاں کے ایک گورنر نے دلّی کے خلاف بغاوت کر کے اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی ملک کے مختلف حصّوں میں فوجی سپاہیوں اور جرنلوں کی چھاؤنیاں قایم ہو گئیں۔ یہ ملک کے انتظام پر اپنا قبضہ جمانے لگے۔ مندروں کو لوٹا اور منہدم کیا گیا۔ ان کی جگہ پر مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ ہندو سماج کو ایک نئے خطرے کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن یہ نازک حالت بہت عرصے تک قایم نہیں رہی۔ دلّی سے بہت دور ہونا ہی فوجی شہنشاہیت کے دور دراز مقامات میں قیام کے لیے ازلی کمزوری ثابت ہوا۔ اور عوام کے جذبۂ مقاومت نے ہندو مذہب کو جنوب میں مسلمانوں کے حملہ سے بچا لیا۔ محمد تغلق کی حکومت بے شمار بغاوتوں کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور چودھویں صدی کے پہلے نصف حصّہ میں دکن میں دو بڑی سلطنتیں قایم ہو گئیں جن کے دارالسلطنت وجے نگر اور گلبرگہ تھے۔

گلبرگہ کی بہمنی سلطنت ایک مسلم حکومت تھی جو شمالی دکن میں ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ شمال میں اپنے ہمسایہ مسلمان حکومتوں کی بھی اتنی ہی مخالف تھی جتنی کہ یہ اپنے جنوب میں واقع ہندو حکومت کی دشمن تھی۔ بہمنی حکومت کے سلطانوں کی تاریخ دلچسپ نہیں ہے۔ 1347 سے 1518 تک کے عرصے میں بہمنی تخت پر چودہ سلطان جلوہ افروز ہوئے۔ ان میں سے چار کو قتل کر دیا گیا۔ دو تخت سے معزول کر کے اندھے کر دیے گئے۔ قریب قریب تمام

سلطان سنگدل، خونخوار حد تک کٹر، شرابی اور عیاش تھے۔ ایک جدید مورخ کی رائے ہے کہ یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ ان کے شاہی خاندان سے ہندوستان کو کوئی واضح فائدہ بھی حاصل ہو سکا۔ مورخ کے اس فیصلہ میں جو مکمل طور پر غیر منصفانہ نہیں کہا جا سکتا۔ اعتدال کی صورت بھی پیدا کی جا سکتی ہے اگر اس سرپرستی کا خیال کیا جائے جو ان سلطانوں سے ایران کے مصنفین اور فن تعمیر کے ماہرین کو حاصل ہوئی اور بعض صورتوں مثلاً قحط کے زمانہ میں ان سلطانوں نے بالخصوص مسلم عوام کی فلاح و بہبود کا خیال کیا۔ سولھویں صدی میں بہمنی حکومت جداگانہ سلاطین کے تحت پانچ حصوں میں تقسیم ہو گئی اگرچہ یہ آپس میں باہم دست و گریباں رہتے تھے لیکن وجیہ نگر حکومت سے ان کا جھگڑا برابر چلتا رہتا تھا۔ ان میں بیجاپور اور گولکنڈہ کی ریاستیں سب سے مشہور تھیں اور سترھویں صدی کی مختلف تاریخوں پر ان تمام ریاستوں کو مغل سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔

بہمنی سلطنت کے قیام سے دس سال قبل وجے نگر کی زندگی کا آغاز ہوا۔ یہ ہندو تہذیب کی نئی زندگی کے لیے توجہ کا مرکز بنی اور اس نے جس کامیابی کے ساتھ ملک کے اس حصہ میں اسلام کی مقاومت پیش کی اتنی کہیں اور نہیں پیش کی گئی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں طویل عرصے تک فوجی چوکسی کی ضرورت تھی اور طرز حکومت کو جنگی پیمانہ پر منظم کرنا تھا۔ ایسے نظام میں کمزور اور نااہل بادشاہوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ چنانچہ جب قانونی وارثین سے کسی میں کوئی کمی پائی جاتی تھی تو اس کے بجائے کسی قابل ترین سردار کو حکومت سپرد کر دی جاتی تھی۔ ایسی حکومت کو بہت سے سرداروں کے فوجی جتھے کی طرح سمجھنا چاہیے جس میں سرداروں میں سب سے بڑے سردار کی قیادت میں بقیہ سردار تعاون کرتے تھے۔ اس پر بھی کشمکش کی نوعیت سے مجبور ہو کر وجیہ نگر کے حکمرانوں نے غیر ملکی باشندوں حتیٰ کہ مسلمانوں کو بھی توپ خانے اور گھوڑ سوار فوج میں ملازم رکھا تاکہ وہ ملک اور مذہب کے تحفظ کے لیے مکمل طور پر تیار رہ سکیں۔ اس طریق کار میں نمایاں طور پر دشواریاں بھی پیش آئیں بہرکیف یہ حقیقت ہے کہ وجیہ نگر حکومت نے کم و بیش تین صدیوں تک نمایاں کامیابی کے ساتھ لڑائی جاری رکھی اور اس کے بعد ہی اسے ان طاقتوں کے سامنے مغلوب ہو جانا پڑا۔ لیکن اس وقت تک دوسرے اسباب بھی جو آگے چل کر زیادہ فیصلہ کن ثابت ہوئے یورپی تجارتی کمپنیوں کی شکل میں نمودار ہو گئے تھے۔ اس کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ پرتگالیوں نے بہت پہلے سولھویں صدی کے پہلے نصف حصہ میں ایک عارضی بحری حکومت قایم کر لی تھی جو تھوڑے عرصے تک قایم رہی۔ اس کی سرگرمیوں کو ہندو حکومت کے لیے کوئی بھیانک خطرہ نہیں سمجھا گیا۔ اس کے

ماسوا پرتگالی حکومت ہندو ریاست کے ساتھ دوستانہ تعلقات برقرار رکھنے میں بہت محتاط رہتی تھی گو کہ وہ اس کے جاگیرداروں سے ساحل پر بالخصوص مغربی ساحل پر اکثر جھگڑتی رہتی تھی۔ انھوں نے ہندو مندروں کی دولت لوٹنے کی کوشش کی اور صدف گیری کے ساحل نیز دوسرے مقامات پر یسوع اور دوسرے پادریوں کے ذریعہ لوگوں کو عیسائی بنانے کی جو کوششیں کیں انھیں ایک دوسرے پہلو سے ہندو مذہب کے لیے خطرہ سمجھا گیا۔ چنانچہ وجیہ نگر کے بادشاہوں اور ان کے کارکنوں نے جلد قابو پاکر انھیں روک دیا۔

وجیہ نگر کی اہم ذمہ داری ہندو سماج کو محفوظ رکھنا تھا جس کے لیے اسے مختلف جانب سے دھکا دیا جارہا تھا۔ چنانچہ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں اگر اس زمانہ میں جنوبی ہندوستان کے ہندوؤں میں سماجی اور مذہبی معاملات میں تنگ نظری اور بے لچک تقلید پسندی کے نئے رجحانات پیدا ہوئے جو آج بھی اپنی پوری طاقت سے برقرار ہیں۔ ان میں وسیع اصلاح ضروری بھی ہے اور مشکل بھی۔ ادب اور فنونِ لطیفہ نے اس تقلید پسندی کے روزافزوں رجحان کو ہر صورت میں تقویت بخشی۔ ساین، مادھو اور دوسرے مصنفین نے ویدوں اور پاراشر کی اسمرتیوں پر تفسیریں تحریر کیں اور سرو درشن سنگرہ (فلسفہ کے تمام طریقوں کا خلاصہ) میں فلسفہ کے تمام طریقوں کو نئے ڈھنگ سے مرتب کیا اور ان کے ذریعہ ان نظریات کو مضبوط بنیادوں پر قایم کیا گیا۔ ملک بھر کے اہم معبدگاہوں میں نئے منڈپ، شہ نشین اور برآمدے اور گوپر تعمیر کیے گئے۔ پنڈتوں اور مندروں کو عبادت، تعلیم اور علم کی ترقی کے لیے بیشمار عطیات دیے گئے جن کا پتہ پتھر کے کتبوں اور تانبے کی تختیوں سے چلتا ہے جو پورے ملک میں دستیاب ہوئی ہیں۔ یہ اس امر کی تصدیق کرتی ہیں کہ بادشاہوں اور سرداروں نے اس تحریک کو مالی امداد دی مندر اور دربار جملہ فنون لطیفہ مثلاً مصوری، موسیقی اور ڈرامے کے مرکز بن گئے۔ اور انھیں ان دونوں جگہوں سے فراخ دلی کے ساتھ امداد حاصل ہوئی۔ ایک اہم معاملہ میں بہرکیف ترقی روک دی گئی دیہات میں کسی کام میں پیش قدمی کا جو رجحان لوگوں میں پایا جاتا تھا اس میں نمایاں کمی واقع ہوگئی۔ وہ لوگ ان ادنا سرکاری ملازمین کے رحم و کرم پر اعتماد کرنے کے عادی ہو گئے جن کا تقرر مرکزی حکومت یا اس کے نمائندے کرتے تھے۔ چولوں کے زمانہ میں دیہی حکومت کا جو قابل تعریف نظام قایم کیا گیا تھا اور جو ان کے بعد بھی کئی نسلوں تک قایم رہا اس سے اب بے التفاتی برتی گئی اور اس زمانہ میں جب کہ بادشاہوں اور ان کے جاگیری نایکوں پر فوجی ضرورت کا دباؤ پڑا تو یہ نظام بالکل ہی غائب ہوگیا۔ فوجی نظام کے قیام کی وجہ سے بعض بے حد قابل قدر اداروں کی شکست

آگئی۔

قدیم جنوبی ہندوستان کی سیاسی اور تہذیبی تحریکوں کی مختصر تاریخ بیان کرنے سے پہلے اس کتاب کے مصنف نے کوئی نظریہ قائم نہیں کیا ہے۔ اور وہ ان نتائج پر قانع ہوگا جو ان واقعات کا پڑھنے والا اخذ کرے گا۔ مصنف کی حتی الامکان یہی کوشش ہوگی کہ وہ پوری سادگی اور صفائی کے ساتھ ان تحقیق شدہ واقعات کو ایک مسلسل داستان کی صورت میں پیش کر دے اور داستان کو سمجھنے کے لیے کم سے کم تنقید بھی کرے۔ اس کی تمام تر توجہ واقعات، اشخاص اور نمایاں اہمیت کے رجحانات پر ہوگی ایسی تفصیلات کو بیان کرنے سے جو قابل غور ہوں پرہیز کیا جائے گا تاکہ پڑھنے والوں کی توجہ نام ہوں اور تفصیلات کی اس فہرست سے جو حقیقی رجحانات کو نظروں سے پوشیدہ کر دیتے ہیں نہ ہٹ سکے۔

موضوع کا مطالعہ ابھی تک ابتدائی مرحلوں میں ہی ہے اور داستان کے قریب قریب ہر مرحلہ پر مختلف خیالات اور تشریحات کے امکانات پائے جاتے ہیں۔ اس کتاب میں اس امر کی گنجائش نہیں ہے کہ ان مستند اور اختلاف رکھنے والے مورخین کے خیالات پر سیر حاصل بحث کی جائے ماخذوں کے اقتباسات پیش کیے جائیں۔ اس لیے محض اس بنا پر ہی بحث انگیز موضوعات کو مختصر اور غیر استدلالی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس امر کی بہر کیف ہمیشہ احتیاط برتی گئی ہے کہ صرف انتہائی مدلل واقعات ہی پیش کیے جائیں۔ لیکن یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ ہر پڑھنے والا ان واقعات سے مطمئن رہے گا۔ بہت سے نتائج جو پیش کیے گئے ہیں ان پر کچھ نہ کچھ بحث ان کتابوں میں کی جا چکی ہے جن کا حوالہ ہر باب کے آخر میں دیا گیا ہے۔

ونسنٹ اسمتھ کی رائے ہے کہ "کافی عرصے تک شمالی ہند میں سنسکرت کتابوں اور ہند آریائی نظریات پر توجہ دی گئی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ غیر آریائی عناصر پر بھی غور کیا جائے۔" اسمتھ سے پہلے ایک ہندوستانی ادیب پروفیسر سندرم پلے نے کہا کہ ہندوستان کے با اصول مورخ کو چاہیے کہ وہ گنگا کے میدان کے بجائے کرشنا، کاویری اور ویگئی دریاؤں کے میدانوں کا مطالعہ شروع کرے کیونکہ گنگا کے میدان کا مطالعہ کافی طویل عرصے تک کیا جاتا رہا ہے۔"

یہ مطالعہ لیکن اب بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ بھی مشکوک ہے کہ ایسے موضوع کا انقلابی مگر بلاشبہ معقول انداز سے مطالعہ کبھی ممکن بھی ہو سکے گا اس کا سبب یہ نہیں کہ مورخین ہندوستانی تہذیب کی ترقی کے بارے میں عربوں کی آمد سے قبل عناصر کے اثرات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار

نہیں بلکہ ایک واقعی مشکل ہے جسے پروفیسر سندرم پلے نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اس امر کی کوشش کے بعد کہ حقیقی ہندوستان وندھیاچل پہاڑ کے جنوب میں واقع تھا جہاں زیادہ تر لوگ اب بھی ایسے بستے ہیں جو شکل و شباہت زبان اور سماجی اداروں میں آریوں کی آمد سے قبل یہاں کے رہنے والوں سے ملتے جلتے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ "یہاں آریائی طرز زندگی کو اس حد تک شدت سے لوگوں پر لاگو کیا گیا کہ اب کسی مورخ کے لیے اس تہذیبی تانے بانے میں ہندوستانی اور بدیسی اثرات کا تلاش کرنا مشکل ہے۔ اس مسئلے کے حل کرنے کے اگر کہیں امکانات ہیں تو وہ صرف جنوب میں اور جنوب بعید میں جانے پر تو امکانات مزید روشن ہو جاتے ہیں" ہندوستانی تہذیب میں آریوں اور آریوں کی آمد سے قبل کے عناصر میں امتیاز کرنے کی دقت نے موجودہ مورخین کو آج تک چکر میں ڈالے رکھا ہے اور دراوڑ عناصر کی دریافت کے سلسلہ میں جو زبردستی کوششیں کی گئی ہیں اُن کی بنا پر عجیب و غریب نتائج برآمد ہوئے ہیں مثلاً یہ کہ ہنومان کے نام کو "آن منڈی" سے نکالنے کی کوشش الفاظ کا ایک ایسا غیر ممکن تضاد ہے جو تامل زبان میں بھی رائج نہیں ہے۔ اسی طرح سنسکرت لفظ پوجا (عبادت) کو ایک طرف تامل زبان کے لفظ "پو" جس کے معنی پھول ہیں اور "سے" جس کے معنی کرنے کے ہیں شامل کیا جاتا ہے اور دوسری طرف اسے "پوشو" (جس کا مطلب ہے قربانی کیے ہوئے جانور کا خون ملنا) سے شامل کیا جاتا ہے جو سراسر غلط ہے۔ وادیٔ سندھ میں کھدائی کرنے کے بعد جو چیزیں برآمد ہوئی ہیں ان کی بنا پر مسائل میں سلجھنے کے بجائے اضافہ ہوا ہے اور تاوقتیکہ ان بے شمار مہروں کی تحریر کو اطمینان بخش طور پر نہ پڑھ لیا جائے۔ اس تہذیب کا ہند آریائی تہذیب سے یا نام نہاد دراوڑ تہذیب سے رشتہ قائم کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ اس کتاب کے تیسرے باب میں اس خطۂ زمین کے قدیم ترین رہنے والوں اور ان کی تہذیب کے بارے میں آزمائشی طور پر مختصراً بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ بیان تحقیق کی میزان چیزوں کی شہادت پر مبنی ہوگا جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ قدیمی ہیں۔ لیکن یہ صریحاً تسلیم کر لیا جائے کہ جنوبی ہند کی تاریخ سے قبل زمانہ کا باقاعدہ مطالعہ حال میں ہی شروع ہوا ہے اور جنوبی ہند کی تاریخی ترقی کے لیے ہمیں اس وقت بھی شمالی ہند کی تاریخ کا سہارا لینا ہوگا۔

یہ شکایت اکثر سنی گئی ہے کہ تاریخ یوں تو عام طور پر لیکن ہندوستان کی تاریخ خاص طور پر شاہی خاندان کے بادشاہوں کی داستان ہے جس میں بے شمار لڑائیاں لڑی گئیں۔

لیکن بہت کم توجہ عوام اور ان کی معاشرتی تحریکوں پر دی گئی ہے جو ان کی روزمرہ کی زندگی پر اثر انداز ہوئی تھیں۔ یہ سچ ہے کہ موجودہ زمانہ میں تاریخ کا نظریہ پہلے کے مقابلہ میں وسیع تر ہو گیا ہے۔ اب مورخین کی توجہ نظام سیاست اور حکومت میں تبدیلی، سماجی اور معاشی اداروں کی ترقی نیز تہذیب اور فنون لطیفہ سے متعلق ترقی کی جانب نسبتاً زیادہ ہو گئی ہے۔ لیکن واقعات کا تاریخ وار سلسلہ تاریخ کا اہم جزو ہے اور سلسلہ وار واقعات کا تعین بڑی حد تک ملک کی سیاسی تاریخ کے مطالعہ کے بعد ہی ممکن ہو سکتا ہے چنانچہ ایسی صورت میں جب کہ تاریخ کے بڑے بڑے حصّوں کا ابھی مطالعہ ہی کیا جا رہا ہے تو ان متعدد مسائل کے بارے میں جس پر ابھی تک قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکا ہے اختلاف رائے کی گنجائش ہے۔ اس لیے اگر مورخ کی یہ خواہش ہے کہ اُس کے بیان کردہ واقعات سمجھے جا سکیں تو وہ تاریخ کے سیاسی پہلو پر زیادہ توجہ دینے کے لیے مجبور ہو گا۔ مزید براں وہ بادشاہ اور سردار جن کا مطالعہ اہمیت کا حامل ہے وہ عوام کے محافظ اور سماج کی ترقّی کے ضامن ہونے کے علاوہ تہذیب اور فنونِ لطیفہ کے زبردست سرپرست تھے۔ چنانچہ اگر ان کی تاریخ کا صحیح طریقہ پر اور تاریخی ذرائع کا پوری لیاقت کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو ایسی صورت میں عوام کی زندگی کی صحیح تاریخ ہی سامنے آئے گی جس کی خواہش کا اظہار موجودہ تاریخ کے ناقدین کرتے ہیں۔

ابھی تک جنوبی ہندوستان کی قدیم تاریخ مطالعہ کے لیے نیا موضوع ہے۔ اس سلسلہ میں کام کرنے والے بہت کم ہیں۔ تاریخی مواد کے لیے ماخذ کی کمی نہیں ہے۔ لیکن اس کی تشریح اور ترجمانی میں حسب دلخواہ ترقی نہیں کی جا سکی ہے۔ ہمیں اس کتاب میں ایسے ان تمام مسائل سے درگذر کرنا ہو گا جو ابھی تک حل نہیں کیے جا سکے ہیں اور صرف ان واقعات تک محدود رہنا ہو گا جو قریب قریب مسلّم ہیں۔ لیکن جنوبی ہندوستان کے معمولی خاکے کے بارے میں بھی اس قدر کم واقفیت ہے کہ اس سے قبل کہ اس خطۂ زمین کی مذہبی تحریکوں کے حقیقی مقاصد کا نقشہ پیش کیا جائے اس خاکے کو بھی کسی قدر مفصل طور پر تیار کرنا ہو گا۔

کتبے ہندوستان کی تاریخ کے لیے سب سے جامع اور معتبر ماخذ ہیں۔ جنوبی ہندوستان کی تاریخ کے لیے تو ان کی اہمیت بالخصوص اور بھی زیادہ ہے۔ ابتدائی کتبے براہمی تحریر میں ہیں۔ یہ کتبے اشوک کے فرمانوں کا جنوبی ہند کی زبان میں ترجمہ ہیں۔ اور ریاست میسور میں واقع سدّاپور جٹنگ رامیشور اور برہم گری، ضلع رائچور میں بمقام مسکی، ضلع کرنول میں بمقام یراگڑی اور رجولامندگری میں دریافت ہوئے ہیں۔ ان کتبوں سے جنوب میں موریہ سلطنت کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اِن

کتبوں میں جو کچھ درج ہے اس کا تعلق ہندوستان کی عام تاریخ سے ہے اور جنوب کے حالات سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ البتہ تامل کے اضلاع میں قدرتی غاروں میں جو چھوٹے کتبے دریافت ہوئے ہیں ان کے بارے میں یہ رائے نہیں قائم کی جاسکتی۔ ان غاروں کے فرش پر سنگ تراشوں یا ان غاروں میں رہنے والوں کے نام کندہ کیے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کتبے کچھ ترمیم کے ساتھ اس براہمی تحریر میں ہیں جو اشوک کے زمانہ میں مستعمل تھی۔ ان میں جس زبان کا استعمال کیا گیا ہے وہ قدیم ترین تامل زبان معلوم ہوتی ہے جو عام طور پر کتبوں میں استعمال کی جاتی تھی۔ ان کی کل تعداد بیس یا تیس ہے اگرچہ اسی طرح کے بہت سے کتبے شری لنکا کے جزیرے میں بھی پائے گئے ہیں۔ یہ مختصر دستاویزیں بعض معنوں میں ابھی تک معمہ بنی ہوئی ہیں۔ غالباً یہ جینیوں اور بدھ دھرم کے سنیاسیوں کے سلسلہ کا ثبوت ہیں جو ابتدائی صدیوں میں سن عیسوی سے قبل یہاں پھیل گئے تھے۔ دریائے کرشنا کی وادی میں بہ مقام بھٹی پرولو یادگار کے طور پر جو منقش صندوقچہ حاصل ہوا ہے اس کا تعلق بھی اسی عہد سے ہے۔ یہ تبرک اور ستواہن شاہی خاندان کے ابتدائی کتبے جو کنہیری، کرلے، ناسک اور مغربی دکن کے دوسرے مقامات میں واقع خوبصورت غار مندروں کی دیواروں اور ستونوں میں کندہ ہیں۔ اسی علاقہ میں بدھ دھرم کے مستحکم ہونے کے ابتدائی ثبوت ہیں۔ ان کتبوں میں عام طور پر مقامی پراکرت زبان استعمال کی گئی ہے۔ پراکرت سے مراد وہ زبان ہے جو سنسکرت سے ملحق ہے تحریر براہمی ہے جس میں وقت اور علاقہ کی وجہ سے فرق پایا جاتا ہے۔ سب ہی کتبے پتھر پر کندہ کیے گئے ہیں۔

پتھر کے کتبوں کے علاوہ ستواہنوں کے جانشینوں کے عہد میں عطیے کے طور پر تانبے کی تختیاں پیش کرنے کا رواج شروع ہوگیا تھا۔ ان میں بعض شاہی خاندان مثلاً برہت فلاینوں کے بارے میں واقفیت صرف ایک تانبے کی تختی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ چوتھی صدی عیسوی تک کتبے براہمی تحریر میں لکھے جاتے تھے۔ اس کے بعد کادمبوں، گنگوں اور پلوؤں نے دو تین صدیوں تک سنسکرت کو ہی سرکاری دستاویزوں کی زبان قرار دیا۔ بعد کے سکوں میں دو زبانوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ کتبے کے شروع اور اخیر میں عام طور پر سنسکرت زبان ہوتی تھی اور دستاویز کے درمیان مقامی افراد کی تقریر کنٹرا، تلگو اور تامل زبان میں ہوتی تھی۔ بالخصوص اس وقت جب کہ عطیے کی تفصیلات یا اُس قطعۂ اراضی کی حدود بیان کرنا ہوتا تھا جو مندروں اور عالموں وغیرہ کو عطا کی جاتی تھی۔ تقریباً دسویں صدی عیسوی سے کتبے عام طور پر روز مرہ کی زبان میں تیار کیے

جانے لگی۔ لیکن سنسکرت پھر بھی دوسری دستاویزوں میں یا تو مکمل یا جزوی طور پر استعمال کی جاتی تھی۔ سنسکرت کو ہر جگہ عزت کا درجہ حاصل تھا اور تہذیبی معاملات میں اسی زبان کو بہترین وسیلہ تصور کیا جاتا تھا۔ طرز تحریر میں بڑی تبدیلیاں ہوئیں اور دکن میں اس کا نشوونما جدید تلگو اور کنتڑ طرز تحریر کے اسلاف کے ساتھ ہوا جب کہ جنوب بعید میں اس کے ارتقا کی ابتدائی شکل گرنتھ تھی جس کا پتہ پلو خاندان کے ساتویں اور آٹھویں صدی کے کتبوں سے چلتا ہے۔ اس کے بعد تامل زبان کے حروف تہجی کی بنا پر اس میں ترمیم ہوئی اور اس کی دو شکلیں ہو گئیں۔ ایک تامل طرز تحریر اور دوسرا وٹیولوتو۔ ان دونوں طرز تحریر کی ابتدا کس طرح ہوئی اس کے بارے میں ابھی تک کچھ طے نہیں کیا جا سکا ہے۔ بہرکیف بوہلر کا یہ کہنا قابل غور ہے کہ تامل زبان کے حروف تہجی غالباً شمالی حروف تہجی سے چوتھی یا پانچویں صدی میں حاصل کیے گئے جن پر گرنتھ طرز تحریر کا زبردست اثر پڑا جو تامل کے اضلاع میں سنسکرت لکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ بوہلر نے یہ بھی بتایا کہ وٹیولوتو شکستہ طرز تحریر تھا جو تامل سے اسی طرح وابستہ ہے جس طرح منشیوں اور سوداگروں کے جدید نیم حروف تہجی اپنے ابتدائی حروف تہجی سے وابستہ ہیں جیسے مرہٹوں کا موڈی "بال بودھ" سے اور ڈوگروں کا ٹاکری 'شاردا' سے تقریباً دسویں صدی میں وٹیولوتو طرز تحریر تامل علاقہ میں مستعمل نہیں رہا اگرچہ مغربی ساحل پر بہت بعد تک یہ طرز تحریر مستعمل رہا۔

ابتدائی پلو گرنتھ طرز تحریر کو اس زمانہ میں جبکہ اس میں اور قدیم تلگو۔ کنتڑ طرز تحریر میں کوئی زیادہ فرق نہیں تھا۔ ہندو آبادکاروں کے ذریعہ سمندر پار مقامات جیسے مغربی جاوا، بورنیو اور ہند چین لے جایا گیا۔ اس طرز تحریر میں پتھر کے جو کتبے حاصل ہوئے ہیں وہ تقریباً تیسری صدی عیسوی کے بعد تسلیم کیے جاتے ہیں۔

چھٹی صدی کے بعد باقاعدہ طور پر پتھر کے کتبوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہوا لیکن مورخ کے لیے تانبے کی تختیوں والی دستاویزیں بلکہ اور صدیوں تک اس کا خاص ماخذ بنی رہیں اور انھیں کسی وقت بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ساتویں سے دسویں صدی عیسوی تک ابتدائی پانڈیوں کی زیادہ تر تاریخ کا انحصار تانبے کی دو بڑی تختیوں پر ہے۔ یہ دونوں تختیاں دو زبانوں میں ہیں۔ ان میں سنسکرت کے لیے گرنتھ طرز تحریر اور تامل کے حصّوں کے لیے وٹیولوتو طرز تحریر اختیار کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان کے ہم عصر پلو خاندان کے سنگھ وشنو کی تاریخ پتھر کے کتبوں کی بہ نسبت تانبے کی تختیوں سے زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ مشرقی چالوکیوں کی قریب قریب پوری تاریخ اور بادامی کے چالوکیوں کی تاریخ کے زیادہ حصّہ کا دارومدار بھی تانبے کی تختیوں کے فرمانوں پر ہے۔ چولوں کے

بعض فرمان تانبے کی تختیوں پر بہت طویل تھے جو اچھی جست کی عمدہ تختیوں پر کندہ کیے گئے ہیں یہ تختیاں بڑے بڑے چھلوں سے جڑی ہوئی ہیں اور ان پر گول مہر کندہ ہے۔ اس کی سب سے نمایاں مثال لیڈن گرانٹ ہے جو راج راج (اکیس ویں سال) کا عطیہ ہے۔ اس کا نام لیڈن گرانٹ اس لیے پڑا کہ یہ تختی ڈچ لوگوں کے ہاتھ میں آگئی جہاں سے یہ لیڈن کے عجائب گھر کے قبضہ میں پہنچ گئی۔ اس طرح دوسری مثالوں میں راجیندر اول کی تروو النگاڈو اور کرن دئی کی تختیاں (ویرپاندیہ (ساتواں سال) کی چالا تختی اور سنسکرت کی طویل پرشستی بھی شامل ہے جو اسی بادشاہ کے کنیاکماری کے کتبے کی نقل ہے۔ وجیہ نگر شہنشاہوں کی تانبے کی تختیوں میں اکثر ناگری رسم الخط کی مختلف قسمیں استعمال کی گئی ہیں جو سنسکرت کے لیے نندی ناگری کہلاتا ہے۔ بعض اوقات لیکن شاذ و نادر ہی اور وہ بھی حال کی صدیوں میں اعلانات کو کسی اور قیمتی دھات پر کندہ کیا گیا۔ تنجور کے وجیا رگھوناتھ نے 1658ء میں ڈچ لوگوں کو جو فرمان منظور کیا اور 1676ء میں ایکوجی نے اسی ڈچ طاقت کو ایک دوسرا فرمان جاری کیا جس میں پہلے والا تیلوگو اور دوسرا تامل زبان میں تھا لیکن یہ دونوں فرمان چاندی کی تختیوں پر کندہ تھے اور اس وقت جیکارتا (سابق بٹاویہ) کے عجائب گھر میں موجود ہیں لیکن قانون کی کتابوں میں جس دھات کے استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے وہ تانبا ہے۔ اس ملک کے سب سے زیادہ طاقتور بادشاہوں نے کسی اور دھات کو استعمال بھی نہیں کیا ہے۔

تانبے کی تختیاں یا تو جائداد پر حق قائم کرنے یا کسی اور دوسرے مقصد سے بنائی گئیں تھیں ایسی جعلی دستاویزیں کسی نہ کسی طرح اپنے جعلی ہونے کا ثبوت دے دیتی تھیں۔ ماہر علم کتبات کو عام طور پر کوئی دشواری اصلی اور نقلی دستاویزوں کی تمیز کرنے میں نہیں پیش آتی تھی۔ بے شمار جعلی تانبے کی تختیوں کی بنا پر میسور کے گنگاؤں کی ابتدائی تاریخ میں الجھن پیدا ہو گئی اور وہ غیر واضح بن گئی۔ اُسے اب مزید حقیقی دستاویزوں کی دریافت کے بعد واضح کیا جا رہا ہے۔

تانبے کی تختیوں کے کتبوں کی مجموعی تعداد چند سو ہی ہوگی۔ جب کہ پتھر کے کتبوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ اِن میں بیشتر مندروں کو دیے جانے والے معمولی عطیات جیسے لیمپ، بھیڑیں، آراضی وغیرہ ہیں۔ یہ کوئی خاص تاریخی اہمیت نہیں رکھتے۔ بڑے بڑے عطیات کی دستاویزیں بالخصوص جب کہ وہ حکمران شہنشاہوں نے دیے ہیں بعض اوقات غیر معمولی دل چسپی کا باعث ہوئی ہیں کیونکہ ایسی دستاویزوں میں محاصلوں کی تفصیلات کا اندراج ہوتا ہے جو عطیہ پانے والے کو حاصل ہوتی ہیں۔ یہ اُن حقوق کے بارے میں بھی بتاتی ہیں جن سے عطیہ پانے والے کو سرفراز کیا گیا ہے۔ یہ حکمت

عمل و انتظامی اداروں سے متعلق تفصیلات کا بھی پتہ دیتی ہیں۔ تنجور کے مندر کی دیوار پر تامل زبان میں چولوں کے راج راج اوّل کا کتبہ اس لیے خاص طور قابل ذکر ہے کہ یہ کندہ کرنے والے کی تکنیکی مہارت کی تکمیل اور عظیم مندر کی اقتصادی حالت کے بارے میں مکمل اور جامع تصویر پیش کرتا ہے۔ یہ عظیم مندر راج راج نے اپنی قایم کردہ حکومت کی شان و شوکت کے اظہار کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ دوسرے خاصے لمبے کتبوں کی کافی بڑی تعداد گاؤں سبھاؤں کے قیام ان کے فرائض کی انجام دہی، ملک کی معاشی اور صنعت کارانہ زندگی میں دست کاری اور تجارتی پیشہ لوگوں کی برادری کی شرکت، اہم تعلیمی مرکزوں پر اساتذہ اور طلبا کی تعداد اور طریق تعلیم وغیرہ وغیرہ کی معلومات فراہم کرتی ہیں۔ ویر راجیندر کا ترو موکوڈل کا کتبہ ان کتبوں میں عجیب و غریب کتبہ ہے کیونکہ یہ اس علاقے کے اُس اسپتال میں دواؤں کے ذخیرہ کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔ کاکینیہ گن پتی کا موٹوپلی کا کتبہ ان چند دستاویزوں میں سے ایک ہے جس میں بحری تجارت کے کچھ حالات کا پتہ چلتا ہے۔

قریب قریب پتھر یا تانبے کا ہر کتبہ جب تک کہ وہ محض نام یا چھوٹے عطیے کی مختصر دستاویز نہ ہو ایک حسن ترتیب سے آراستہ ہوتا ہے۔ عام طور پر ابتدا دعا سے کی جاتی ہے جو یا تو ایک مختصر لیکن مقررہ منتر یا نظم (اشلوک) میں یا کبھی کبھی کئی اشلوکوں میں ہوتی ہے جس میں یا تو کسی ایک دیوتا یا کئی دیوتاؤں کے نام لے کر یکے بعد دیگرے دعا مانگی جاتی ہے۔ اس کے بعد دستاویز کی تمہید (پرشستی) "Prasasti" ہوتی ہے جس میں حکمراں کا نام اس کی کامرانیوں اور اس کے آباو اجداد کا ذکر ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک مخصوص پیرایہ میں ہوتا ہے۔ یہی معلومات سیاسی تاریخ کے طالبعلموں کے لیے اہمیت کی حامل ہیں۔ اس کے بعد حقیقی عطیہ دینے والے کا ذکر ہوتا ہے اگر وہ بادشاہ کے علاوہ کوئی دوسرا ہوتا ہے تو اس کے اور اس کے آباو اجداد کی کامرانیوں کے ساتھ ساتھ عطیہ پانے والے کا اگر وہ کوئی فرد ہوتا ہے تو اسی طرح اس کا اور اس کے آباو اجداد کا عام طور پر مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔ اگر عطیہ کسی جماعت یا کسی ادارے کو دیا جاتا ہے تو اس کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ عطیے کے طور پر دیا جاتا ہے اس کا ذکر ہوتا ہے مثلاً روپیہ، مویشی، ٹیکس وغیرہ وغیرہ۔ اکثر عطیے میں زمین دی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اس کی وضاحت احتیاط کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اس کے بعد عطیہ دینے کے طریقہ کا ذکر کیا جاتا ہے جس میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ عطیہ دینے والے نے اپنے ہاتھ سے پانی عطیہ پانے والے کے ہاتھ میں انڈیلا تاکہ وہ مستقل طور پر کسی مداخلت کے بغیر عطیہ سے فیض حاصل کر سکے۔ یہ دستاویز کسی شخص کو بددعا دینے پر جو اس عطیہ کو ختم کرے

یا کسی اور طرح سے اس میں خلل ڈالے ختم کی جاتی ہے۔ ان لوگوں کی مدح کی جاتی ہے جو اس عطیہ کو مستقبل میں بھی برقرار رکھیں گے اور اس کی حفاظت کریں گے۔ اسی طرح ایک خاص کتبے کے مختلف حصوں کے تجزیہ سے سرسری طور پر مورّخ کو نسبتی قدر و قیمت کا پتہ چلتا ہے۔

بعض طویل کتبے انتسابی اور یادگار کے طور پر ہیں۔ اور اُن کی پریشستیوں میں اکثر حکمرانوں کی طویل فہرست دی ہوتی ہے۔ پل کیشن دوئم کے دور حکومت کا ایہول کا کتبہ اور کادمبوں کا تالاگنڈ ستون کتبہ اس قسم کے کتبوں کی نمایاں مثال ہے۔ چول راج راج سوئم کے دور حکومت کا تروونڈی پورم کا کتبہ ان کچھ کتبوں میں سے ایک ہے جو اپنے نفس مضمون کے لحاظ سے خالص طور پر تاریخی ہے۔ یہ واضح طور پر اس حکمراں کی پریشانیوں اور اس طریقہ کو بیان کرتا ہے جس کے ذریعہ ہوسیلوں کی مداخلت کے بعد اسے راحت نصیب ہوئی تھی۔ دو اور کتبے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک تو پودوکوٹئی علاقہ سے کڑومیاملئی کا کتبہ ہے جو ایک بڑی چٹان پر ساتویں آٹھویں صدی کے موقع پر پلّو گرنتھ میں کندہ کیا ہوا ہے۔ اس کتبے میں ایک بادشاہ نے اپنے شاگردوں کے استفادے کے لیے موسیقی سے متعلق نغمہ کے نشانات کی ترتیب دی ہے۔ یہ بادشاہ مہیشور (شو کا پجاری) تھا اور کسی اور اچاریہ کا شاگرد تھا۔ دوسرا کتبہ ضلع تنجور میں ترووِدوئی وائل مقام سے حاصل ہوا ہے۔ اس کتبے میں مقامی دیوتا کے لیے نانا سمبندر کی منظوم کردہ مناجات جس کے بارے میں کوئی علم نہ تھا پورے طور پر کندہ ہے اور وہ تمام نشانات پائے جاتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ وہی اصلی نظم ہے جو اس عظیم درویش کا نتیجۂ فکر ہے۔

تمام ابتدائی کتبوں پر بادشاہوں کے سنِ جلوس کی تاریخ کندہ ہے۔ اور اکثر تاریخوں کے قطعی طور پر شمار کرنے کے سلسلہ میں ان کتبوں کے علاوہ رہنمائی کا اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔ ان کتبوں میں ہم وقتی شاذ و نادر ہے اور اگر کسی جگہ پائی بھی جاتی ہے تو وہ قطعی طور پر فیصلہ کن بھی ہے۔ شاک سمت کا پہلی بار نام پل کیشن اوّل کے بادامی کے چٹان کے کتبے میں آیا ہے۔ اس کی تاریخ شاک 465 ہے جو سن عیسوی کے 543 کے مطابق ہے۔ اس وقت پل کیشن اوّل نے واتاپی پہاڑی کی قلعہ بندی کی تھی۔ اس دستاویز کی موجودگی کا پتہ صرف 1941 میں ہوا۔ بعد کے کتبوں میں خواہ شاک کی تاریخیں دی گئی ہوں یا نہیں اکثر فلکی تفصیلات دی ہوئی ہیں جنھیں بعض صورتوں میں اطمینان بخش طور پر نہیں سمجھا جاسکا ہے کتبوں کے تمام مفروضات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے اور ہمیں اختیار ہوگا کہ ہم امکانات پر بھروسہ کریں۔ اور کسی حد تک من مانی بھی کریں۔ جنوبی

ارکاٹ سے چولہ خاندان کے بادشاہ پران تک اوّل کی حکومت کے ایک کتبے پر جو تاریخ دی گئی ہے اس کا شمار ان دنوں کو گن کر کیا گیا ہے جو کل یُگ کے آغاز سے شروع ہوا ہے۔ اس طرح جو تاریخ حاصل کی گئی ہے اس سے کندہ شدہ دوسری تفصیلات کی اطمینان طور پر تصدیق ہو جاتی ہے۔ بادشاہوں کا سنِ جلوس کا سال دینے میں پانڈیوں کے کتبے اکثر ایک سال کو دوسرے سال کے مقابل ظاہر کرتے ہیں۔ اس طریقہ کی صحیح اہمیت نہیں سمجھی جا سکی ہے اور کتبہ خوانی کے ماہرین اس پر رضامند ہیں کہ ہندسوں کو جوڑ لیا جائے اور جو جوڑ حاصل ہو اسے حکومت کا وہ سال سمجھا جائے جب کتبہ جاری کیا گیا تھا۔

کتبوں کے بارے میں یہ کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہمیشہ سچ ہی بتاتے ہیں۔ ان میں پوری سچائی تو بہت کم ہوتی ہے۔ اکثر ان میں قصص اور روایات اور مبالغہ بھی پایا جاتا ہے جسے آسانی کے ساتھ پہچانا بھی جا سکتا ہے۔ لیکن حقیقت معلوم کرنے کا کام اس وقت اور بھی مشکل ثابت ہوتا ہے جب دستاویز تیار کرنے والے ان شاہی خاندانوں کے بارے میں حمایتی بیانات دیتے ہیں جو برابر لڑتے رہتے تھے۔ ایسی مثالوں کی کمی نہیں ہے جب دونوں فریق ایک ہی جنگ میں اپنی اپنی فتح کا اعلان کرتے ہیں اور اکثر اس دعوے کے لیے کچھ نہ کچھ معقول وجہ بھی ہوتی ہے۔ ان کتبوں میں دی ہوئی سماجی اور معاشی معلومات کے مطالعہ اور ترجمانی کا کام پھر بھی بہت زیادہ باقی رہ جاتا ہے۔ اس کام میں تاخیر کے لیے علم کتبات سے متعلق محکمہ خاص طور پر ذمہ دار ہے کیونکہ اس نے کتبوں کے متن کو شائع کرنے میں تساہل سے کام لیا ہے۔

پتھر کے کتبوں اور تانبے کی تختیوں سے جو شہادت حاصل ہوتی ہے اس سے بہت زیادہ مشابہت اُن مختصر روایتوں کو حاصل ہے جو سکّوں پر پائی جاتی ہیں۔ لیکن جنوبی ہند کے سکّے شمالی ہند کے سکّوں کی بہ نسبت طالب علم کے لیے زیادہ دقت پیش کرتے ہیں اور اسے اپنی محنت کا بہت کم صلہ حاصل ہوتا ہے۔ حقیقی طور پر قدیم ترین سکّے بہت کم یاب ہیں۔ ان میں تاریخیں نہیں ہوتیں اور ایسی روایتوں کی بھی کمی ہوتی ہے جو سمجھ میں آسکیں۔ کبھی کبھی ان سکّوں پر محض حکمراں کا نام یا خطاب ہوتا ہے اور جو بھی شکلیں بنی ہوتی ہیں وہ بے ڈھنگی اور دھندلی ہوتی ہیں۔ شمالی اور جنوبی ہند دونوں جگہوں پر غیر خالص چاندی کی مستطیل نما ٹکڑے پائے جاتے ہیں جن میں ٹھپّے کے کئی نشانات ہوتے ہیں انھیں قانون کی کتابوں میں "پران" (دھرن) کہا جاتا ہے۔ یہ سکّے یقینی طور پر زمانہ قدیم کے ہیں۔ تانبے کے سکّے بھی رائج تھے جن پر ٹھپّے لگے ہوتے تھے۔ یہ عیسیٰؑ کے تقریباً دو سو برس

بعد تک رائج رہے۔ جنوب کا خاص سکّہ بعد کے زمانہ میں چاندی کا نہ ہو کر سونے کا ہوتا تھا۔ کم قیمت کے سکّوں کے لیے تانبا استعمال کیا جاتا تھا۔ سونے کے سکّے عام طور پر دو طرح کے ہوتے تھے۔ سونے کے وراہا سکّے کا نام شاید چالوکیوں کی اس کلغی سے حاصل کیا گیا جو سور کی شکل کی ہوتی تھی۔ اسے پون، ہُن، پیگوڈا (بھگوتی سے) اور پارڈاؤس (پرتگالی) بھی کہتے ہیں۔ یہ عام طور پر ایک کلنجو (مولو کا کا بیم) کے برابر ہوتا تھا جو پچاس ساٹھ گرین کے برابر ہوتا تھا۔ فنیم سکّہ وراہا سکّے کا دسواں حصّہ ہوتا تھا۔ اور وزن پانچ سے چھ گرین تک ہوتا تھا۔ اور زمان جارٹن کے مطابق ہوتا تھا۔ سونے کے ابتدائی سکّے کسی آرائش کے بغیر سونے کے چھوٹے کرّہ کے ہوتے تھے جن میں بہت باریک ٹھپّے کا نشان ہوتا تھا۔ کچھ ہی عرصہ بعد پدم ٹنکا رائج کیا گیا جو پیالے نما پتلے ٹکڑے ہوتے تھے اور جن پر ٹھپّا کرنے کے آلہ سے مہر لگی ہوتی تھی۔ یہ شروع میں ایک طرف اور بعد میں دونوں طرف ہوتی تھی۔ راجیندر اوّل اور چول راج ادھیراج اوّل اور مشرقی چالوکیہ راج راج اوّل کے سکّے جو 1946 میں ڈوبیشورم میں دریافت ہوئے ہیں ان سب میں صرف ایک جانب مہر لگی ہوئی ہے اور ہند سے کندہ ہیں۔ اخیر میں سکّوں کو سانچوں میں ڈھالا گیا جن کے بہترین نمونے پائے گئے ہیں وہ بھاری اور چھوٹے ہیں اور وجیہ نگر کے پیگوڈاؤں کے ہیں۔ عام طور پر چھوٹے سکّے پسند کیے جاتے تھے۔ کالی کٹ کا چاندی کا سکّہ ”تارلیس“ جس کا وزن صرف ایک یا دو گرین ہوتا تھا۔ نمونے کے طور پر ان چھوٹے سکّوں میں پیش کیا جاسکتا ہے جو دریافت ہوئے ہیں۔

سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں تجارت کے دوران بہت بڑی مقدار میں رومی حکومت کے چاندی اور سونے کے شاہی سکّوں کی ملک میں درآمد ہوئی اور بلا روک ٹوک رائج بھی رہے۔ تانبے کے چھوٹے سکّے جن پر رومی شکلیں اور روائتیں تھیں مقامی طور پر ان اپدیشوں نے تیار کیے ہوں گے جو یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ ستو اہنوں نے اپنے بہت سے سکّوں میں سیسہ کا استعمال کیا ہے۔ ان کے سکّوں پر اُن بادشاہوں کے نام کی روائتیں ہوتی تھیں جو پرانوں میں دی گئی فہرست سے مطابقت رکھتی تھیں۔ ان سکّوں میں ایک سکّہ بہت دل چسپ ہے۔ اس کے دوسری جانب دو مستولوں والے ایک جہاز کی شکل ہے جو آندھروں کی بحری طاقت اور سرگرمیوں کا پتہ دیتی ہے۔ یہی نمونہ جنوب بعید کے تانبے کے سکّوں میں بھی پایا جاتا ہے جو اس کے بعد کے زمانہ کے شمار کیے جاتے ہیں۔

قدیم ترین پدم ٹنکا شاید کدمبوں نے گھڑوائے تھے۔ اِن سکّوں میں لیکن ایک سکّہ ایسا بھی ہے جس کی تاریخ اطمینان بخش طور پر بتائی جاسکتی ہے۔ یہ سکّہ خراب چاندی کا ایک

ٹکڑا ہے جس کے دوسری طرف ایک شیر کی شکل ہے اور دشم سدھی کا لقب ہے جو واضح طور پر وشنو وردھن (615 سے 633) سے متعلق ہے۔ اس نے مشرقی چالوکیہ حکمرانوں کے بڑے خاندان کی بنیاد ڈالی۔ چاندی اور تانبے کے سکّوں پر چھید کا نشان دینے کا رواج ختم ہو جانے پر بھی سونے کے سکّوں پر چھید کا نشان بنانے کا رواج باقی رہا۔ نیلور کے تلگو چھودوں نے تیرھویں صدی میں بڑی تعداد میں جو سکے گڑھوائے اور جنھیں 1113 میں یہ مقام کوڈور حاصل کیا گیا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ پدم ٹنکا کی طرح کے سکّوں کی ایک طویل تاریخ جو بہت پیچیدہ بھی ہے۔ کاکتیہ سکّوں پر ناگری روایتیں جو عام طور سے نامکمل ہوتی تھیں پائی جاتی تھیں۔ وجیہ نگر کے سکّوں پر بھی یہی کیفیت پائی جاتی تھی۔ یہ صورت کچھ اور شاہی خاندان مثلاً گوا کے کدمب اور چولوں کے سکّوں پر بھی پائی جاتی تھی۔ دوسرے شاہی خاندانوں کے سکّوں پر جو روایتیں پائی جاتی ہیں وہ کنڑ، تلگو یا تامل میں ان مقامات کے عین مطابق ہیں جہاں سکے بنائے گئے تھے۔

سکّوں پر اکثر اوقات نقش ونگار کے ذریعہ فتوحات کے بارے میں بتایا جاتا ہے چنانچہ چول سکّوں پر کھیت کے وسط میں ایک خیمے کے نیچے ایک بیٹھے ہوئے شیر کی تصویر ہے جس کے ایک جانب پانڈیہ مچھلی اور سب سے نیچے چیرہ کی کمان ہے۔ یہ دونوں نشانات شیر کے بہ نسبت چھوٹے اور کم واضح ہیں۔

وجیہ نگر کے متعدد بادشاہوں کے پگوڈا سکّوں کے بارے میں واقفیت ہے۔ یہ سکے چھوٹے اور موٹے ہوتے تھے۔ ان کے نصف اور چوتھائی سکے بھی ہوتے تھے۔ شروع میں ان پر جو روایتیں کندہ تھیں وہ کنڑ یا ناگری رسم الخط میں تھیں لیکن بعد کے بادشاہوں نے صرف ناگری رسم الخط کو ہی استعمال کیا۔

مدورا کی سلطنت کے سکے جس کی حکومت کی مدت بہت کم رہی عام طور پر تانبے اور بلن کے ہوتے تھے۔ یہ ان کے ہم عصر دلّی کے سکّوں کے نمونے پر ہوتے تھے اور جنوبی خطاطی کے علاوہ ان کو دلّی کے سکّوں سے امتیاز کرنا بہت مشکل ہے۔ بہمنی سلطانوں نے بھی اپنے سونے اور چاندی کے سکّوں میں نمایاں طور پر دلّی کا نمونہ ہی اختیار کیا۔ شروع میں کچھ سلطانوں کے سکّوں پر نقش ونگار اور ترتیب میں کچھ اختلاف پایا جاتا تھا لیکن بعد میں دونوں کے سکّوں کے لیے ایک ہی نقش ونگار کو اختیار کر لیا گیا۔ شروع میں تانبے کے جو سکے تیار کیے گئے وہ دلّی کے نمونہ

پر تھے لیکن بہت جلد ان میں ہمارت کی گئی اور تانبے کے سکوں کا معیار اکثر و بیشتر بدلتا رہا۔ بہمنی سلطنت کے بعد پانچوں سلطنتوں نے الگ الگ اپنے سکے جاری کیے لیکن یہ شکل و شباہت میں زیادہ اچھے نہ تھے۔

واقفیت حاصل کرنے کے لیے ادبی شہادت دوسرا اہم ذریعہ ہے۔ یہ شہادت ملکی اور غیر ملکی دونوں صورتوں میں ہو سکتی ہے۔ ہندوستان کے پورے ادب میں ایسی تصانیف کی بے حد کمی ہے جنھیں اعلانیہ طور پر تاریخی کہا جائے۔ مندروں سے متعلق کچھ روزنامچے ہیں جیسے مدورائی تل ورلارو اور شری رنگم کوئل اُلوگو۔ یہ مقابلتاً زمانۂ حال کے متعلق یا یوں کہیے کہ بارھویں صدی سے بعد کے اہم اشارے بہم پہنچاتے ہیں۔ لیکن ابتدائی زمانہ کے لیے ان کی اہمیت غلط سلط روایتوں سے اور زیادہ کچھ نہیں ہے۔ ان میں بے حد غلطیاں اور غلط بیانیاں موجود ہیں جنھیں وہ دوسرے قابل اعتماد ماخذ کی تصدیق کے بغیر خود ہی استعمال کرتے ہیں۔ کرنل کولن میکینزی کے حکم پر اُنیس ویں صدی کے شروع میں جو نیم تاریخی تصنیفات تیار کی گئیں ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں کیونکہ ان میں حالیہ واقعات تحریر کیے گئے ہیں جو اس کتاب کے دائرۂ وسعت میں نہیں آتے۔ کانگو دیش راجہ کل چرترم اور کیرل اوت پتی پر کئی بار نظر ثانی کرنے کے باوجود انھیں اکثر بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے جب کہ حقیقتاً وہ بہت کم کارآمد ہیں۔ اسی طرح بے شمار استھل پران بھی مقبول عام قصے کہانیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان میں بیشتر پر ابھی حال میں نظر ثانی کی گئی ہے۔ چھوٹے چھوٹے بندوں کی رزمیہ نظمیں جیسے رام اپا ین اماّنی کسی قدر بہتر ہیں لیکن ایسے مقبولِ عام نیم تاریخی مواد کا کوئی ابتدائی نسخہ محفوظ نہیں ہے۔

مگر دیکھا جائے تو تاریخ نویسی میں ادبی ذرائع سے بالواسطہ طور پر امداد کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے پھر بھی مورّخ کے لیے ملک کی مختلف ادبی تصانیف کے مطالعہ کی بلاواسطہ اہمیت کو کم نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ اس طرح صرف ایک مورّخ سماجی اور مذہبی ماحول کی تصویر کشی کرنے میں کامیاب ہوتا ہے جس میں تاریخ کے کردار زندہ رہے، گھومے پھرے اور فرائض انجام دیے۔ بلکہ مختلف تصنیفات کی تمہید، افتتاحیہ اور آخری حصّوں سے اہم ترین مفروضات حاصل ہوتے ہیں جن میں مصنّفین کے حسب و نسب، ان کی کامیابیوں اور ان کے شاہی سرپرستوں سے متعلق معلومات شامل ہیں اور اس طرح کتبوں سے جو بے جوڑ معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اُن کی ان تصنیفات کے ذریعہ تکمیل ہو جاتی ہے۔ جنوبی ہندوستان کی سنسکرت تامل، تیلوگو اور کنڑ

زبانوں میں تصنیفات کی تاریخ الگ ادب کے باب میں بیان کی جائیں گی۔یہاں محض عام دلچسپی کے محض اہم واقعات کے تذکرہ پرہی اکتفا کی جائے گی۔

ویدک عہد کے بعد کا ادب اور رزمیہ نظمیں گو کہ شمالی ہندوستان میں ہی تصنیف کی گئیں اور یہیں کے رہنے والوں کو محو خیال رکھا لیکن اُن میں شمالی ہندوستان کے اثرات کے جنوبی ہندوستان میں بہ تدریج داخلے کے لیے واضح اشارے ملتے ہیں۔ہماری واقفیت کے لیے یہی ایک ذریعہ ہے۔جس میں ہمیں تہذیب کی اہم نقل و حرکت کا پتہ چلتا ہے۔سنگم عہد کے تامل ادب کا وہ ابتدائی حصہ جو محفوظ ہے اس سے اِس نقل و حرکت کے نتائج کا نمایاں طور پر اظہار ہوتا ہے۔ اس طرح ہمیں ایک ترقی یافتہ تہذیب کے بارے میں علم ہوتا ہے جو شمالی ہند اور جنوبی ہند کی موجودہ تہذیب کے امتزاج سے پیدا ہوئی۔بنی نوع انسان کی تاریخ کے اس انتہائی دلچسپ باب کی تفصیلات یہاں بھی اور دوسری جگہ بھی ہماری نظروں سے اوجھل ہیں لیکن اِن واقعات کی اہمیت کوئی درگذر نہیں کر سکتا کہ ابتدائی تامل ادب یعنی قدیم ترین ادب جس پر ہمیں مقدرت حاصل ہے ایسے الفاظ، خیالات اور سنسکرت زبان سے متعلق اداروں سے مالامال ہے جس کی ابتدا شمال میں ہوئی ہے۔اگرچہ اس ادب کی امتیازی خصوصیت براہِ راست پُرزور اظہار خیال، بےنظیر تخیل اور حقیقت نگاری ہے جس پر کسی اور ادب کا اثر نہیں پڑا ہے۔اس زبان کا تانا بانا، اس کے الفاظ کا ذخیرہ، سماجی ادارے اور رسوم و رواج جو اس کے ادب میں منعکس کیے گئے ہیں ان پر کسی دوسرے کا اثر نہیں دکھائی پڑتا۔شمالی اور جنوبی ہند کی تہذیب کے امتزاج سے متعلق روایتیں شمالی اور جنوبی ہند کے ادب میں محفوظ ہیں۔اگرچہ قصے اور کہانیوں کو تاریخ نہیں قرار دیا جاسکتا پھر بھی ایک مورخ ان قوموں کی یاد سے قطعی بے التفاتی بھی نہیں برت سکتا جو اکثر دلکش لیکن معمہ جیسی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

تامل میں پر بندھ قسم کے ادب میں تاریخ کو محض تذکرہ کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔اس سلسلہ میں ”کلم باکم“ اولا، پرنی اور کوئی قابل ذکر ہیں۔یہ تصانیف درباری شعرا کا نتیجۂ فکر ہوتی ہیں۔اس میں شاعر اپنے سرپرست بادشاہ کو نظم کا ہیرو بنانا پسند کرتا ہے۔مشہور و معروف اوئی ینار اگپورول پر ایک قدیم تفسیر میں پانڈک کووئی سے بڑے پیمانہ پر حوالے دیے گئے ہیں اگرچہ کووئی کے اشعار میں کئی لڑائیوں کے نام آئے ہیں جو کُڈن گون شٹ ہی خاندان کے پانڈیہ حکمرانوں نے لڑیں، لیکن اس نظم کا ہیرو اس خاندان کا صرف ایک بادشاہ نہیں ہے بلکہ ایک مخلوط

ہستی ہے جس کے ساتھ شاعر نے شاہی خاندان کی تمام کامیابیوں کو منسوب کیا ہے اس طرح کی ادبی روایات اس زمانہ میں عام تھیں اور اگر احتیاط سے کام نہ لیا جائے تو ایک محقق بہ آسانی گمراہ بھی ہو سکتا ہے" نندیک کلم باکم" کا ہیرو پلو خاندان کا بادشاہ نندی وو من سویم ہے۔ یہ تصنیف کہیں زیادہ قابل اعتماد اور اس زمانہ کی تاریخ کے لیے واقعی طور پر گراں قدر ہے۔ شاہی چولوں کے عہد حکومت میں نیم تاریخی نوعیت کی بعض تصنیفات بھی تاریخی مواد کے لیے کسی قدر بیش قیمت ہیں۔ ان میں جے ان گونڈو کی کلنگ توپ پرنی اور اوٹا کوٹن کے تین اولا بہت مشہور ہیں۔ کلنگ توپ پرنی میں کلوتنگ اوّل کے دور حکومت میں چولوں کے کلنگ پر حملے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اولاؤں میں سلسلہ وار تین بادشاہ وکرم چول کلوتنگ دویم اور راج راج دویم کا ذکر کیا گیا ہے۔ کنڑ زبان کی "پمپ بھارت" اور رانا کی "گدا یدھ" مخصوص طور پر رزمیہ نظم کی موضوعات کے لیے وقف کر دی گئی ہیں۔ یہ ہم عصر راشٹر کوٹوں اور چالوکیوں کی تاریخ پر بہت خوشگوار روشنی ڈالتی ہیں کیونکہ ان کے مصنفین نے اپنے سرپرستوں اور رزمیہ نظم کے کرداروں میں مکمل اتحاد قائم کیا ہے۔ اس طرح انھیں اپنی داستان میں بعض تاریخی واقعات جن کی انھیں پورے طور پر واقفیت تھی پیش کرنے کا موقع حاصل ہو جاتا ہے۔ بلہن کی وکرم انک دیو چرت جو سنسکرت زبان میں رزمیہ نظم ہے تاریخی نقطۂ نگاہ سے اتنی کارآمد نہیں ہے جتنی کہ تامل اور کنڑ زبان کی تصنیفات جن کا ابھی ذکر کیا گیا ہے۔

وجیہ نگر کی تاریخ کے لیے ہندوستانی ادبی شہادت کافی ضخیم ہے۔ اس ادبی شہادت کا بیشتر حصہ مدراس یونیورسٹی کے پیش کردہ چیدہ ماخذ کے دو سہل مجموعے اب دسترس پذیر ہو گئے ہیں۔ اگرچہ اس قسم کی تصنیفات جیسے کال گیان جس میں روشن ضمیر افراد کے مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کی ہیں۔ حسب امید کارآمد نہیں ثابت ہو سکتیں۔ پھر بھی اس ادب کی اہمیت کا مکمل طور پر اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ یہ بہمنی سلطنت اور اس کے بعد منقسمہ ریاستوں کے مسلم مورخین کے مخالفانہ یا جانب دارانہ بیانات کی ضروری تصحیح بہم پہنچاتی ہیں۔

ہندو مورخین کی بہ نسبت مسلمانوں نے تاریخ نویسی میں حقیقی طور پر زیادہ دل چسپی کا اظہار کیا ہے۔ دکن میں مسلم شہنشاہوں کی سرپرستی میں تاریخ سے متعلق متعدد تصنیفات فارسی زبان میں کی گئیں۔ ان میں زیادہ تر یا تو ضائع ہو گئیں یا وہ ابھی منظر عام پر نہیں آئی ہیں۔ فرشتہ نے بہت سی دوسری کتابوں کا ذکر کیا ہے جنھیں اس نے اپنی عظیم تاریخ لکھنے میں استعمال بھی کیا ہے۔ لیکن وہ سب اب دسترس پذیر نہیں ہیں۔ ان میں سے بہت زیادہ اہم جو باقی رہ گئی ہیں اور اس زمانہ سے متعلق ہیں،

جس کے بارے میں یہ کتاب تحریر کی جارہی ہے مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔ بہمنی سلطنت کی تاریخ کے لیے اسامی کی فتح السلاطین صرف ایک ہم عصر کتاب ہے جو اس زمانہ کے حالات کے لیے موجود ہے۔ اس کتاب کا مصنف ایک پرانے سپہ سالار اسامی کا پوتا تھا جسے محمد تغلق نے 1327 میں دولت آباد کے لیے دلی چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ راستے میں دادا کا انتقال ہوگیا لیکن نوجوان اسامی نے وہیں سکونت اختیار کرلی۔ اس نے خود کو پہلے بہمنی سلطنت کے ساتھ شامل کیا۔ 1358 میں اپنی کتاب لکھنا شروع کی جسے اس نے اگلے سال ختم کیا۔ فردوسی کے شاہ نامہ کی طرح یہ کتاب وضاحت کے ساتھ نظم میں لکھی گئی ہے اور محمد تغلق کے زمانہ تک دلی کے سلاطین کی تاریخ بیان کرتی ہے۔ اس کے بعد اس زمانہ کی واضح تصویر کھینچی گئی ہے جب کہ دکن میں بہمنی سلطنت کے قیام سے قبل سیاسی ہنگامہ بپا تھا۔ اس کے علاوہ یہ کتاب مسلمانوں کے دکن اور جنوبی ہند پر حملہ کرنے اور بہمنی سلطانوں کے کمزور ادوار کے دورِ حکومت کے بارے میں بہت گراں قدر اور صحیح معلومات بہم پہنچاتی ہے۔ بہمنی سلطنت پر دوسری تصنیفات سلطنت کے ختم ہو جانے کے بہت بعد لکھی گئیں اور بہمنی سلطنت کی پانچ ریاستوں میں کسی ایک یا دوسری ریاست کے مخصوص نقطۂ نظر کے تحت تحریر کی گئیں۔

اس میں سب سے نمایاں تصنیف سمنان (ایران) کے رہنے والے علی بن عزیز اللہ طباطبائی کی برہانِ معاصر ہے۔ طباطبائی اپنے سے زیادہ مشہور و معروف فرشتہ کا ہم عصر تھا اور اس کی طرح ابتدا میں احمد نگر کی نظام شاہی حکومت کے یہاں درباری تھا۔ طباطبائی کی زندگی اور سرگرمیوں کے بارے میں واقفیت بہت کم ہے۔ اس نے 1591 میں کتاب لکھنا شروع کی اور ابتدا پانچ برس میں اسے ختم کیا۔ یہ کتاب نظام شاہی سلطانوں کی تاریخ ہے۔ اس کے دیباچہ میں بہمنی سلطانوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ طباطبائی نے اپنی داستان میں برابر اپنے سرپرستوں کی حمایت کی ہے۔ بعض صورتوں میں اس کے بیانات فرشتہ سے زیادہ مستند ہیں اور سکوں سے جو شہادت حاصل ہوئی ہے اس سے زیادہ مطابقت بھی رکھتے ہیں۔ اسی زمانہ کے مؤرخین میں فرشتہ کا درجہ بلا شبہ بہت زیادہ بلند ہے۔ اس کی کتاب ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کی عام تاریخ ہے۔ یہ اپنی بے پناہ وسعت اور سبک رفتاری کے لیے جس میں فرشتہ نے بہت سی مستند کتابوں کی رائے شامل کی ہے مشہور رہے اور مورخ کا عام احساس جو ظاہری تناسب برقرار رکھنے کے لیے داستان پر پورے طور پر حاوی ہے تاریخ کو ایک یادگار کردار بخشتی ہے چونکہ اس کتاب کے موضوع بہت وسیع ہیں جو اکثر اس کے ذاتی مشاہدے یا تحقیق پر مبنی نہیں ہیں اس لیے وہ کبھی کبھی تفصیلات

بیان کرنے میں غلطی بھی کرتا ہے۔ اس نے بیجاپور کے سلطان ابراہیم دوئم کے کہنے پر اس کتاب کو دربار میں تحریر کیا۔ چنانچہ اس نے دکن کے حالات کچھ اس طرح بیان کیے ہیں کہ اس کے سرپرست بہت معقول نظر آتے ہیں۔ یہ تاریخ جو 1606 تک کے واقعات بیان کرتی ہے بلا شبہ ہندوستانی اسلام کا جامع اور نہایت دلچسپ بیان ہے۔ ایرانی نژاد محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ بارہ سال کے سن میں اپنے والد کے ہمراہ 1582 میں احمد نگر آیا۔ فرشتہ کے والد نظام شاہی شاہزادے کے اتالیق مقرر ہوئے لیکن ان کا بہت جلد انتقال ہو گیا۔ نوجوان فرشتہ نے فوج میں ملازمت اختیار کر لی۔ لیکن محل میں انقلاب برپا ہو جانے کی بنا پر اسے شاہی محافظ دستہ کے کپتان کی حیثیت سے معزول کر دیا گیا۔ چونکہ وہ شیعہ تھا اور احمد نگر میں اس کے کچھ دوست بھی تھے اس لیے وہ بیجاپور چلا گیا جہاں اسے فوج میں ملازمت مل گئی۔ اس کا علم نہیں کہ اس نے کب اور کس وقت شمشیر کو قلم سے بدل کر صحیح پیشہ اختیار کر لیا۔

بیجاپور کے نقطۂ نگاہ سے لکھی گئی ایک اور کتاب تذکرۃ الملوک ہے۔ یہ شیراز کے ایک سوداگر کی تصنیف ہے۔ اسی بنا پر اسے شیرازی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ سوداگر اپنے کاروبار کے سلسلہ میں 1560 میں کرشنا ندی پر واقع ساگر آیا اور 1574 میں عادل شاہی سلطان کی ملازمت میں داخل ہوا۔ اس نے 1608 اور 1610 کی درمیانی مدت میں اپنی کتاب تحریر کی جو بہمنی معاملات کے سلسلہ میں زیادہ کارآمد نہیں ہے۔ لیکن اس میں بیجاپور کی تاریخ کے کچھ پہلوؤں کا معاصرانہ بیان ہے جس میں بہت سی ایسی تفصیلات دی گئی ہیں جن کے متعلق کوئی واقفیت نہیں تھی۔ مذکورہ بالا جن چار مؤرخین کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے تین براہِ راست ایران سے آئے ہیں۔ اور سبھی نے فارسی زبان میں لکھا ہے۔ یہ ہندو مسلم تہذیب پر ایران کے زبردست اثر کا واضح ثبوت ہے۔ عبداللہ شیرازی وصّاف ایرانی تھا جسے چودھویں صدی کی ابتدا میں جب وہ ایران میں اپنی کتاب تصنیف کر رہا تھا تو اسے تامل علاقے کے ان واقعات کی جو اس زمانہ میں رونما ہوئے واقفیت حاصل تھی۔ وہ پانڈیوں کے علاقہ میں خانہ جنگی سے متعلق بعض گراں قدر معلومات اور تجارت کے شرائط جو اس زمانہ میں معرّز تھے پیش کرتا ہے۔

غیر ملکی مصنّفین نے جنوبی ہندوستان کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ اکثر نصیحت آمیز اور دلچسپ ہیں۔ ابتدائی بیانات عام طور پر یونانی اور رومی مصنّفین کے ہیں۔ جنھوں نے ہندوستان کے بارے میں جو حوالے دیے ہیں وہ دوسری صدی عیسوی کے اخیر تک

کافی عام ہوگئے تھے اور انھیں بڑی حد تک صحیح تصور کیا جاتا تھا۔ ان کے بعد چینی سیاح اور قصہ گو آتے ہیں۔ یہ تحقیقات کا موضوع ہیں اور ان کے بارے میں تحقیقات جاری بھی ہے۔ آٹھویں صدی سے عرب سوداگروں، سیاحوں، مورخین اور ماہرین علم جغرافیہ کی تحریریں اہم ثابت ہونے لگتی ہیں۔ چینی ماخذ نسبتاً جامع اور زیادہ واضح ہو جاتے ہیں۔ یورپی سیاح جیسے ٹیوڈیلا کا بنجمین اور مارکو پولو نے بھی کبھی کبھی اظہار خیال کیا ہے۔ چودھویں صدی کے اختتام پر غیر ملکی سیاحوں اور مصنفین کی تعداد میں کافی اضافہ ہو جاتا ہے۔ شروع میں پرتگالیوں اور اطالیوں کا غلبہ رہتا ہے۔ لیکن جلد ہی ڈچ اور انگریز بھی میدان عمل میں کود پڑتے ہیں۔

کلاسیکی مصنفین میں میگیستھنیز نے جنوبی ہندوستان کے بارے میں پہلی بار براہ راست توجہ دی ہے۔ اس نے پانڈین سلطنت کے بارے میں جن پر ہیراکلس کی لڑکی پنڈیا حکومت کرتی تھی۔ عجیب و غریب کیفیت بیان کی ہے میگیستھنیز کے مطابق پنڈیا کی قلمرو میں ہندوستان کا وہ حصہ شامل تھا جو جنوب میں واقع تھا اور سمندر تک پھیلا ہوا تھا۔ سلطنت کو 365 دیہاتوں میں منظم کیا گیا تھا۔ ایک ایک گاؤں کو ہر روز خزانے کے لیے شاہی خراج لانا پڑتا تھا اور ضرورت واقع ہونے پر خراج ادا کرنے والوں سے وصولی میں بھی مدد دینا پڑتی تھی۔ یونانی زمانہ تہذیب میں جنوبی ہندوستان اور مصر کے درمیان تجارت ہوتی تھی۔ یہ رومی حکومت کے زمانہ میں بہت سرگرمی کے ساتھ جاری رہا۔ اسٹربو کے بیان کے مطابق اس زمانہ میں ہندوستان کے بارے میں رومیوں کی واقفیت میں کافی اضافہ ہوا۔ اس نے اس مہم کی کامیابی کا بھی ذکر کیا ہے جسے اگسٹس نے (25 ق۔م) گیلس کے زیر کمان اس خیال سے روانہ کیا تھا کہ عدن اور بحر قلزم کے ذریعہ ہندوستان آنے کے اس راستے پر جو تاجروں کے لیے روز بروز زیادہ مقبول ہوتا جا رہا تھا قبضہ کر لیا جائے۔ پیری پلس آف دی ایری تھیرین سی کا گمنام مصنف پلینی دی ایلڈر (75) اور پولیمی (130) مشرقی ممالک کے بارے میں رومیوں کی روز افزوں واقفیت کے مختلف پہلوؤں کی نمائندگی کرنے میں جس کے بارے میں ہمیں سب سے پہلے اسٹربو کی تصانیف میں اشارے ملتے ہیں۔ پلینی اور پولیمی نے اگرچہ دوسرے مصنفین سے معلومات حاصل کیں۔ لیکن پیری پلس کے مصنف نے مغربی ہندوستان کے مختلف بندرگاہوں کو ضرور دیکھا ہوگا اور اسے اس زمانہ کے تجارتی حالات کی براہ راست واقفیت بھی ہوگی۔ بہرکیف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے مشرقی ساحل کی زیادہ واقفیت نہیں تھی۔ اس کے برخلاف پولیمی کے جغرافیہ میں ہندوستان کے مشرقی ساحل اور اس سے بھی دور مقامات پر توجہ دی

گئی ہے۔ پانڈیچری کے نزدیک ارک میڈو اور ہند چین کے دریائے میکانگ کے ڈیلٹا میں واقع اوک ای او مقام پر ابھی حال ہی میں جو کھدائی کی گئی ہے اس کی بنا پر بحر ہند میں رومیوں کی تجارت سے متعلق کلاسیکی ذرائع کے بیانات کی مؤثر طور پر تصدیق ہو جاتی ہے۔ پولیمی کے بعد سب سے زیادہ قابل توجہ نام اس نرالے بازنطینی پادری کازمس (550) کا ہے جسے انڈی کو پلیسیٹز (وہ شخص جو سمندری راستے سے ہندوستان گیا) کہا جاتا ہے۔ یہ شخص اپنی ابتدائی زندگی میں ایک تاجر تھا۔ اس نے خلیج فارس اور ہندوستان کے مغربی ساحل پر واقع بہت سے مقامات کی سیر کی اور مشرق میں لنکا تک گیا تھا۔ اس کی کتاب کرشچین ٹاپوگرافی کو کچرے کا ایک انبار اعظم کہا گیا ہے۔ یہ کوئی زیادہ غیر منصفانہ بھی نہیں ہے۔ بہر کیف اس کتاب سے ہمیں بعض انتہائی دلچسپ جغرافیائی معلومات فراہم ہو سکتی ہیں۔

ابتدائی زمانہ میں عیسیٰ سے قبل دوسری صدی میں بحری راستے کے ذریعے چین اور ہندوستان کے باہمی میل جول کی تصدیق کا بجی (ہوانگ چی) میں چینی سفارت خانے کی دستاویز سے اور اسی زمانہ کے ایک چینی سکے سے ہو جاتی ہے جو میسور میں بہ مقام چندراولی حاصل ہوا ہے۔ تیسری، چوتھی اور پانچویں صدی میں چینی تاریخی اسناد و تحریرات سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ ہند چین کی ہندو سلطنتوں اور مجمع الجزائر کے درمیان ایک طرف تو جنوبی ہندوستان سے اور دوسری طرف چین سے مؤثر طور پر راہ و رسم تھی۔ جنوبی ہندوستان نے چین کے دربار میں متعدد مواقع پر نیم بیش قیمت پتھر، چین اور صندل اور موتی جو بالخصوص جنوبی ہندوستان میں پائے جاتے تھے، بطور تحائف پیش کیے۔ فاہیان جنوبی ہندوستان نہیں گیا۔ وہ تام لوک میں ہی جہاز پر سوار ہو کر شری لنکا چلا گیا۔ اس نے دکن اور کبوتر والی خانقاہ کا جو ذکر کیا ہے وہ محض افواہوں پر مشتمل ہے۔ جنوبی ہندوستان اور شری لنکا سے بہت سے بدھ بھکشو بحری راستے سے چین گئے اور وہاں جاکر آباد ہو گئے۔ انھوں نے بدھ دھرم کی اشاعت کی۔ بدھ دھرم کی کتابوں کا چینی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ کازمس نے ان چینی جہازوں کا ذکر کیا ہے جو شری لنکا کے لیے ریشم لاتے تھے۔ بدھ دھرم کے قانون کا ماہر مشہور و معروف یوان چوانگ نے اپنے ہم وطن لوگوں کی بہ نسبت جو اس طرح کے مشن کے لیے ہندوستان آئے۔ ملک کی وسیع پیمانہ پر سیاحت کی۔ مجموعی طور پر وہ دوسرے سنیاسیوں کی طرح نہیں تھا اس نے دکن اور جنوبی ہندوستان (641 -42) کی ریاستوں میں کئی ماہ گذارے۔ اس نے ان ریاستوں کے مذہبی اور سماجی حالات کے بارے میں اپنے تاثرات چھوڑے جو بہت دلچسپ ہیں۔

لیکن وہ بھی موجودہ دور کے طالب علم کے ذوق تحقیق کو پورے طور پر مطمئن نہیں کر پاتا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ "وہ اچھا مشاہدہ کرنے والا نہیں تھا۔ نہ ایک ہوشیار محقق اور نہ اطمینان بخش طور پر واقعات ہی قلمبند کر سکتا تھا۔ نتیجتاً اس نے بہت سی باتوں کا ذکر بھی نہیں کیا جن کا اگر وہ ذکر کر دیتا تو بہتر ہوتا۔" ساتویں صدی کی آخری چوتھائی میں آئی رسنگ ہندوستان میں کئی سال تک مقیم رہا۔ وہ جنوبی ہندوستان نہیں گیا۔ اس لیے اس کے پاس جنوبی ہندوستان کے بارے میں براہ راست کچھ کہنے کو نہیں ہے۔ لیکن اس کی تصنیفات سفر کے حالات، مختلف ممالک میں بدھ مت کے پیروکاروں کے درمیان اختلافات اور سب سے زیادہ ان ساٹھ مشہور و معروف بھکشوؤں کی سوانح حیات کے لیے قابل قدر ہیں جو اُس کے ہی زمانہ میں ہندوستان آئے تھے۔ چینی تاریخی تحریروں میں اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ آٹھویں صدی میں چین اور کانچی اور گیارھویں صدی میں چین اور چولوں کے دربار میں سفرا کا تبادلہ ہوا۔ اس کے بعد کئی صدیوں تک چین اور جنوبی ہندوستان کے درمیان بڑے پیمانہ پر تجارت ہوتی تھی۔ اور چینی جہاز آزادی کے ساتھ ہندوستان کے سمندروں میں داخل ہوتے تھے۔ عہد وسطیٰ میں جنوبی ہندوستان کی سلطنتوں کے بارے میں چاؤ جوکوا کے خیالات قابل قدر ہیں۔ یہ بیرونی تجارت کے لیے چینی انسپکٹر تھا اور تقریباً 1225 میں اپنی کتاب چو-فان-چی ختم کی۔ منگلوں کے شہنشاہ اعظم قبلائی خاں نے جنوبی ہندوستان کی کئی ریاستوں میں اپنے سفیر روانہ کیے۔ ان میں سے بعض نے مقامی سیاست پر بھی اثر انداز ہونے کی کوشش کی۔ لیکن ہم ان کے نتائج کے بارے میں اندازہ لگانے کی حیثیت میں نہیں ہیں۔ چینی سوداگر وانگ تایوآن 1330 سے 1349 کے درمیان تجارت کی غرض سے کسی بیرونی ممالک گیا۔ اس نے ایک کتاب تاؤ۔ای۔چی۔لیو (جزیروں کے وحشیوں کے بارے میں تذکرہ) تحریر کی۔ یہ تصنیف اپنے اسلوب کے لیے دو کوڑی کی ہے۔ لیکن یہ مصنف کی ہمہ گیر لیاقت اور فلسفیانہ رجحان کے لیے مشہور ہے۔ اس کتاب میں تقریباً کیا نوے ممالک، اور بندرگاہوں اور مخصوص علاقوں کا ذکر ہے۔ یہ چشم دید بیان ہونے کی وجہ سے بہت گراں قدر ہے۔ اس کتاب میں جن مقامات کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں کولمبو، مالدیو، کاین گولم، ایلی اور کالی کٹ شامل ہیں۔ پندرھویں صدی کی پہلی چوتھائی میں منگ خاندان کے تیسرے بادشاہ نے اپنے خاندان کی شہرت اور برتری قایم کرنے کے خیال سے مختلف ممالک میں متواتر کئی زبردست بحری بیڑے روانہ کیے۔ بیرونی ممالک کے کئی حکمرانوں نے متاثر ہو کر اپنے یہاں سے بھی چینی دربار کے لیے سفیر

روانہ کیے۔ چینگ ہو کے زیر کمان کم و بیش سات جہازی بیڑے جنوبی ہندوستان پہنچے۔ ان ہی لوگوں کے ساتھ فی سین Fei Hsin اور ماہوان بھی ہندوستان آئے۔ ان لوگوں نے جن ممالک کی سیر کی ان کے متعلق بیانات قلمبند کیے ہیں۔ فی سن کی کتاب 'سنگ چا سینگ لان' Hsing-cha Sheng Lan یا ڈسکرپشن آف دی اسٹارر افٹ اور ماہوان کی کتاب 'انگ۔ یی شینگ لان' Ying-Yai Shing Lan (ڈسکرپشن آف دی کوسٹس آف دی اوشن 1451) کتابیں ان خیالات کے لیے جو انھوں نے لنکا، کوچین اور کالی کٹ کے متعلق ظاہر کیے ہیں بہت قابل قدر ہیں۔ بالخصوص اس وقفے کے لیے جو ابن بطوطہ کی سیاحت اور پرتگالیوں کی امداد کے درمیان واقع ہوتا ہے

نویں صدی سے عرب سیاح اور ماہرین جغرافیہ جنوبی ہندوستان کی تاریخ کے لیے اہم ثابت ہونے لگتے ہیں۔ ہندوستان کی زیادہ تر تجارت ابتدائی زمانہ سے عربوں کے ہاتھ میں تھی عروج اسلام کے بعد اس میں مزید اضافہ ہوا اور اس کے اثرات محض مذہب اور سیاست تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ سائنس اور تجارت پر بھی پڑے۔ چونکہ پیغمبر اسلام خود تاجر رہ چکے تھے۔ اس لیے مسلم سوداگروں کی بڑی عزت تھی۔ انھوں نے نویں صدی کے اختتام سے قبل سری لنکا میں ایک نوآبادی قایم کر لی تھی اور 758 میں جو عراب اور ایرانی کینٹن میں آ کر بس گئے تھے وہ تعداد میں اتنے کافی تھے کہ شہر میں ایک ہنگامہ بپا کر سکتے تھے اور نتیجتاً پریشانی و انتشار سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ سیجین خاندان کا ایک ایرانی مسلمان ابن خورداد بہ پہلا مصنف ہے جو قابل ذکر ہے اس کی کتاب بک آف روٹس اینڈ کنگڈمس جو 844 سے 848 کے درمیان تصنیف کی گئی اور جن پر 885 میں نظر ثانی کی گئی۔ اس میں بہت سے واقعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ لیکن واقعات کو اکثر خشک اور نامکمل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد خلیج فارس میں واقع سیراف کے رہنے والے ابو زید حسن کا نام آتا ہے۔ یہ خود کوئی بڑا سیاح نہ تھا۔ لیکن اس کو ایسے تاجروں اور عالموں سے جنھوں نے کافی سیاحت کی تھی، ملنے کے بے حد مواقع حاصل تھے۔ ان میں مشہور و معروف مسعودی بھی شامل تھا۔ ابوزید نے (916) میں وضاحت کی کہ اُس کا مقصد اس کتاب میں جو ہندوستان اور چین کے بارے میں پہلے تحریر کی جا چکی ہے ان معروضات کا اضافہ کرنا ہے جو اس نے ذاتی مطالعہ کے بعد اور مشرقی ممالک کی سیر کرنے والوں سے بات چیت کے دوران فراہم کیے ہیں۔ ابوزید کے پیش رو جس نے 851 میں اپنی کتاب تحریر کی اس کو اکثر سلیمان تاجر سے

ہی شناخت کیا جاتا ہے۔ یہ بہر کیف اس غیر متارف مصنف کو اطلاعات فراہم کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔ دسویں صدی کے ابتدائی زمانہ میں ایک اور مصنف ابن ال فقیح نے، جو ابو زید اور مسعودی سے کچھ عرصہ پہلے ہوا تھا۔ اس گمنام مصنف کی کتاب سے بہت کچھ حاصل کیا۔ عرب مصنفین کی دراصل یہ ایک عام خصوصیت تھی کہ وہ بڑے پیمانہ پر ایک دوسرے کی تحریر نقل کر دیتے تھے یہی سبب ہے کہ ہم دسویں صدی کے بے شمار مصنفین کے بارے میں غور کرنے سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ مشہور و معروف البیرونی (1030) نے جنوبی ہندوستان کے بارے میں بہت کم تحریر کیا ہے نیز ممتاز مورخ اور ماہر جغرافیہ ابو الفیدا (1273 – 1331) بھی ہندوستان سے متعلق ہماری معلومات میں کوئی اضافہ نہیں کرتا۔ اس نے جنوبی ہندوستان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ بہت مختصر غیر واضح اور سنا سنایا ہے۔ حالانکہ اس نے اپنی کتاب میں تجربہ کار سیاح اور ماہر جغرافیہ ابن سعید کا بار بار حوالہ دیا ہے۔ (1214 – 86) آخری اور شاید سب سے زیادہ اہم عرب مصنف حبشی ابن بطوطہ ہے جو ملکوں کی دریافت میں انتھک تھا۔ یہ تقریباً 1300 میں تینجیر میں پیدا ہوا۔ بائیس سال کی عمر میں اپنا آبائی وطن چھوڑا اور آئندہ تیس سال تک لگاتار سفر کرتا رہا۔ 1377 میں بمقام فیض انتقال کیا۔ ابن بطوطہ کئی سال ہندوستان میں رہا۔ وہ اس وقت بھی یہیں تھا جب محمد تغلق کی مجنونانہ مطلق العنانی نے تمام صوبوں کے گورنروں کو کھلی بغاوت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور نتیجتاً سلطنت کے مختلف حصوں میں خود مختار حکومتیں قایم ہو گئی تھیں۔ پیشہ سے وہ اسلامی قانون اور روایات کا عالم تھا۔ وہ بڑا باہمت اور آدمیوں اور واقعات کا گہرا مطالعہ کرتا تھا۔ اس کی تصنیف کا کافی بڑا حصہ اس کی جنوبی ہندوستان کی سیاحت اور وہاں کے تجربات کے ذکر پر مشتمل ہے۔ ان بیانات سے اس زمانہ کے سیاسی، مذہبی اور سماجی حالات کے بارے میں بہت بڑی حد تک صحیح معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

آخر میں اُن یورپی سیاحوں کے بارے میں غور کیا جائے جو کازمس کے بعد ہندوستان آئے۔ یہ مشکوک ہے کہ ہسپانیہ سے یہودی سیاح ٹیوڈیلا کا باشندہ بنجمین (1170) کبھی ہندوستان بھی آیا گو کہ اس نے کوئلسن اور اس کی تجارت کے بارے میں بعض دلچسپ باتیں کہی ہیں۔ مارکو پولو سے جو عہد وسطی کے سیاحوں کا سرتاج تھا۔ یورپ اور مشرق کے درمیان براہ راست میل جول کے ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ مارکو پولو ایشیا کا چکر لگا کر ساڑھے تین سال کے پُر خطر سفر کے بعد کبلئی خاں کے دربار میں پہنچا۔ یہاں وہ سترہ سال تک مقیم رہا۔ وہ خان کا

منظور نظر ہو گیا۔ اور کئی اہم مشنوں کے لیے اس کی خدمات حاصل کی گئیں اخیر میں اسے خان کی ایک شہزادی کو اپنے عروسی سفر پر ایران کے بادشاہ تک پہنچانے کے لیے منتخب کیا گیا۔ وہ 1292 میں چین سے روانہ ہوا اور ہندوستان کے سمندروں سے گذرتا ہوا ڈیڑھ برس بعد ایران پہنچا اس کے بعد وہ قسطنطنیہ گیا اور 1295 میں وینس لوٹ آیا۔ ایران جاتے وقت وہ جنوبی ہندوستان کے بعض حصوں سے صرف گذرا ہی تھا لیکن اس نے جو معلومات فراہم کیں وہ واقعی بہت حیرت انگیز ہیں۔ اس کی راست گوئی اور مشاہدے کے بارے میں ایک عرصہ تک شک کیا جاتا رہا۔ لیکن اب یہ صورت نہیں ہے۔ مارکو پولو نے جنوبی ہندوستان کے لوگوں کے رہن سہن، مذہب اور رسوم و رواج اور ان کی بحری تجارت کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہندوستان کی تجارت ایک زبردست زنجیر کے مانند کبلئی خان کے صوبوں سے خلیج فارس اور بحر قلزم تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس نے دیکھا کہ ہندوستان کا سمندری ساحل اور جزیرے قدرت کی پسندیدہ پیداوار سے ڈھکے ہوئے ہیں۔۔۔ وہ ہمیں پکھراج، یاقوت احمری، زمرد اور سری لنکا کے یاقوت ارزق (نیلم) اور گولکنڈہ کے ہیروں کے بارے میں بھی بتاتا ہے۔ اگر وینس کا یہ تاجر مغرب اور مشرق کے درمیان ثقافتی تعلقات کے ایک پہلو پر روشنی ڈالتا ہے تو مارکو پولو کے فوراً بعد تین راہب جو جنوبی ہندوستان آئے دوسرے پہلوؤں کی نمائندگی کرتے ہیں۔

ان میں سب سے پہلا مانٹی کارونو کا عیسائی درویش جان تھا جو 93-1292 میں ہندوستان ہو کر چین گیا۔ اس کا مقصد چین کے وسیع مگر تاریک خیال ملک میں عیسائیت کی تبلیغ کرنا تھا جسے وہ نسطوریت سے بہتر سمجھتا تھا۔ تنہائی سے ملول اس راہب نے ہندوستان میں جو کچھ دیکھا اُس سے اسے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستانی طرز معاشرت اور عادات و اطوار کے بارے میں تنقید کے جس سیلاب کا آغاز ہوا وہ دانشمندانہ نہیں ہے۔ تقریباً تیس سال بعد پورڈی نن کا راہب اوڈورک 1321 کے فوراً بعد ہندوستان آیا۔ اس نے مغربی ساحل کے کنارے کنارے سفر کیا۔ وہ سری لنکا گیا اور میلاپور میں سینٹ ٹامس کے مزار کی زیارت کی۔ اس نے ہندوؤں کے بعض رسوم و رواج کے بارے میں جو بیان کیا ہے وہ چشم دید ہے۔ اخیر میں عیسائی درویش جورڈینس Jordanus آیا جو اوڈورک سے کچھ ہی قبل ہندوستان پہنچا ہوگا۔ جورڈینس نے 1321 اور 1324 میں ہندوستان سے دو خطوط روانہ کیے جن میں اس نے اپنی برادری والوں کو مشرق میں مشنری سرگرمیوں کے

وسیع امکانات کی جانب توجہ دلائی ہے اس نے پارسیوں کا بھی ذکر کیا اور بتایا کہ وہ کس طرح اپنے مردے کو دھوپ اور بارش میں ڈال دیتے ہیں۔ ہندوستان میں اس برادری کے بارے میں پہلی بار اس خیال کا اظہار کیا گیا ہے۔ اسے 1328 میں کولم بم (کوئلسن) کا بشپ مقرر کیا گیا۔ لیکن یہ نہیں معلوم کہ اس نے اس عہدہ کی ذمہ داری کو قبول کیا یا نہیں۔ فلورنس کے رہنے والے ایک دوسرے درویش میرگ نولی کا سرسری طور پر ذکر ضروری ہے۔ وہ خشکی کے راستہ سے چین گیا۔ مارکو پولو کی طرح پوپ کے نائب سفیر کی حیثیت سے وہ خان اعظم کے دربار میں داخل ہوا۔ 1346 میں وہ چین سے بحری راستہ کے ذریعہ ایک مشہور بندرگاہ زیتسن سے روانہ ہوا۔ اور کوئلسن پہنچا۔ یہاں وہ کچھ عرصے تک اس خیال سے مقیم رہا کہ اس کے بعد وہ کارومنڈل ساحل سے سینٹ ٹامس کے مزار کی زیارت کرے گا۔ وہ کچھ عرصہ تک شری لنکا میں بھی رہا اور اس جزیرے کے بدھ بھکشوؤں کے بارے میں دل چسپ معلومات تحریر کی ہیں۔

چودھویں صدی میں وجیہ نگر حکومت کے عروج اور اس کے کچھ بعد مشرق میں پرتگالیوں کی طاقت کے عروج کے بعد بہت سے غیر ملکی ہندوستان آئے جس کی بنا پر جنوبی ہندوستان سے متعلق غیر ملکی شہادت کی ضخامت اور دل چسپی میں زبردست اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہاں اس تمام شہادت کا بالتفصیل معائنہ ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ اپنی توجہ شہادت کے ان حصّوں تک ہی محدود رہے گی جو خاص طور پر ہمارے لیے کچھ اہمیت رکھتی ہیں۔ اٹلی کا باشندہ نکولی کونٹی پہلا یورپی سیّاح تھا جو 1420 یا 1421 میں وجیہ نگر آیا۔ اس نے یہاں کے بارے میں خود کچھ تحریر نہیں کیا ہے لیکن اپنے مشاہدات پوپ کے ایک سکریٹری کو بتائے جس نے انھیں اپنے آقا کی واقفیت کے لیے لاطینی زبان میں قلمبند کر دیے اس کے بعد اس تحریر کا پرتگالی زبان میں اور پرتگالی زبان سے اطالوی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اصل لاطینی نسخہ محفوظ نہیں ہے۔ نکولو کونٹی نے وجیہ نگر کے دربار، اس کے جشن، مروّجہ سکّوں اور دوسرے امور کا ذکر کیا ہے۔ تقریباً اسی وقت ایرانی سفیر عبدالرزاق بھی وجیہ نگر آیا۔ اسے ایران کے بادشاہ شاہ رُخ نے ایک اہم مقصد سے زمورن کے پاس بھیجا تھا۔ عبدالرزّاق 1442 میں ارمُز سے کالی کٹ کے لیے جہاز پر روانہ ہوا۔ کالی کٹ کو اس نے پسند نہیں کیا۔ اُسے اپنے قیام کی مدت میں بھی کمی کرنا پڑی۔ کیونکہ وجیہ نگر کے بادشاہ نے اسے بلا تاخیر دارالسلطنت آنے کے لیے کہا تھا۔ عبدالرزّاق منگلور ہوتے ہوئے وجیہ نگر پہنچا۔ اس کا زبردست خیر مقدم کیا گیا۔ یہاں اس نے مہانومی کا جشن دیکھا۔ ارمُز کے بعض حاسد

تاجروں کی وجہ سے جو اس کے مراسلۂ تعارف پر شک کرتے تھے اس کی گرم جوشی میں مقابلتاً کمی واقع ہوگئی۔ وہ 1443 کے اخیر میں وجیہ نگر سے منگلور کے لیے روانہ ہوا اور 1444 میں وہ منگلور سے ایران چلاگیا۔ اس تربیت یافتہ سرکاری عہدے دار نے نظام حکومت اور اس زمانہ کے سماجی حالات پیش کیے ہیں جن سے اس کے مشن کی تاریخی شہادت کی تصدیق ہوتی ہے۔

روسی تاجر ایتھے نیسیس نکیتین تقریباً 1470 کے قریب دکن میں کچھ سال تک مقیم رہا۔ وہ چول کے راستہ سے بہمنی سلطنت میں داخل ہوا۔ اس نے دربار، فوج اور بہمنی حکومت کے زمانہ میں عوام کی حالت کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ بولونا کے لیوڈووکوڈی ورتھیما ایک اطالوی رئیس اور سپاہی تھا جسے پرتگالیوں نے "سر" کے خطاب سے نوازا تھا۔ اس نے 1502 سے 1508 کے درمیان ہندوستان کی سیاحت کی اور اپنے تجربات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کی تحریر کو غلطی سے ایک مدت تک شک کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اس نے گوا، کالی کٹ اور مغربی ساحل کے دوسرے بندرگاہ اور ان مقامات پر پرتگالیوں کے اثر، وجیہ نگر سلطنت اور وجیہ نگر شہر کے بارے میں جو کہا ہے وہ کافی دلچسپ اور قابل قدر ہے۔ پرتگالی ڈوارٹے باربوسا نے تقریباً 1500 سے 1516 تک ہندوستان میں رہ کر اپنی حکومت کی خدمت انجام دیں۔ وہ ملیالم زبان سے بخوبی واقف تھا اور اپنے ہم وطنوں کے بہ نسبت اس زبان میں اچھی طرح بات چیت کرسکتا تھا۔ 1502 میں وہ کنیانور میں ایجنٹ تھا۔ اس نے 1503 میں کنیانور کے بادشاہ اور فرنیسکو البوقیرق کے درمیان ترجمان کی حیثیت سے کام کیا۔ ایک مصنف کی حیثیت سے جسپیر کوریا اس کی عزت کرتا تھا۔ الفولسنو ڈی البوقرق نے اس کی قابلیت کی بنا پر اسے اپنے یہاں ملازم رکھ لیا۔ باربوسا اپنے آقا البوقرق کی اس حکمت عملی کا حامی نہیں تھا کہ کوچین اور کنیانور کے مقابلے میں گوا کو زیادہ ترقی دی جائے۔ وہ 1517 اور 1518 کے درمیان پرتگال واپس چلاگیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی کتاب کو جو اس کی سرکاری سرگرمیوں کے حلقۂ عمل سے نسبتاً کہیں زیادہ وسیع ہے مکمل کرنے کے خیال سے نظر ثانی کی۔ اس نے اپنی کتاب میں وجیہ نگر کا مکمل حال بیان کیا ہے۔ سیویل نے اپنی کتاب "اے فارگاٹن ایمپائر" میں سولھویں صدی کی تاریخ کے لیے پرتگالی مصنفین کی اہمیت کو بخوبی تسلیم کیا ہے۔ اس کتاب میں ڈومن گاس پائس Domungos Paes اور فرناؤ نونیز کے روزنامچوں کو شامل کرلیا گیا ہے۔

نونیز گھوڑوں کا تاجر تھا۔ اس نے وجیہ نگر میں 1535 سے 1537 تک تین سال گذارے تھے۔ اس کے علاوہ سیول نے اپنی کتاب میں مینول باربوڈس کے اس خط کے بعض حصّے بھی دیے ہیں جو 12 دسمبر 1616ء کو کوچین سے لکھا گیا تھا۔ اس خط میں وجیہ نگر کی خانہ جنگی کی ابتدا کے اسباب اور واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سیزر فریڈرک جو تلی کوٹ (راکشسی ٹانگری) کی لڑائی کے بعد وجیہ نگر آیا۔ رالف پرفج جو 1583 سے 1591 تک ہندوستان میں رہا۔ یسوع فرقے کا نکولس پیمنتا جو سولھویں صدی کے آخر میں وزیر کی حیثیت سے ہندوستان آیا، اور ڈچ سیاح جان ہوئی گین وان لنکوٹن (1583) وغیرہ دوسرے مصنّف ہیں جنھوں نے جنوبی ہند کے بارے میں ہماری واقفیت میں اضافہ کیا ہے۔ جنوبی ہند سے اسی زمانہ میں عیسائی مشنریوں نے جو خطوط تحریر کیے وہ سترھویں صدی کے ابتدائی زمانہ کے سیاسی واقعات کے بارے میں سرسری مگر واضح معلومات فراہم کرتے ہیں۔ ڈچ ایجنٹ شوربیر (1615ء) اور انگریز ایجنٹ ولیم میتھوولڈ (1618 سے 1622) کی اپنی اپنی تحریروں سے گولکنڈہ کے امور اور تجارت اور اس زمانہ کے مسولی پٹم بندرگاہ کے بارے میں بہت توضیح ہوتی ہے۔ ان دونوں اور ایک گمنام ڈچ مصنّف کی تحریروں کو جو اس زمانہ میں ہندوستان آیا تھا مورلینیڈ نے ترتیب دے کر تعارف کے ساتھ شائع کیا ہے۔

غیرملکی ماخذوں کا یہ مختصر بیان پیٹرو ڈیلا ویلے کے ذکر کے بعد ختم کیا جا سکتا ہے۔ پیٹرو ڈیلا ویلے ان لوگوں میں سب سے زیادہ مشہور ہستی ہے جس نے محض تفریح کے خیال سے سفر کیا تھا۔ اس کا کوئی ارادہ تجارت یا ملازمت کرنے کا نہ تھا۔ وہ سوجھ بوجھ میں بے حد ذکی اور بیان میں انتہائی طور پر صحیح تھا۔ وہ (1586) میں روم میں پیدا ہوا اور جنوری 1623 میں بندرعباس سے ہندوستان کے لیے جہاز پر روانہ ہوا۔ وہ کامبے، احمدآباد، چاؤل، گوا، اکیری، منگلور اور کالی کٹ گیا اور نومبر 1624ء میں گوا سے مسکٹ کے لیے روانہ ہو گیا۔ اس کے خطوط ان لوگوں کے طرز معاشرت کی واضح اور جیتی جاگتی تصویر پیش کرتے ہیں جو سترھویں صدی کے ابتدائی دور میں ساحل پر واقع پرتگالی بستیوں اور ان سے متصل دیسی ریاستوں میں رہتے تھے۔

معاون کتابیں

سی۔ جے۔ براؤن :۔ دی کوائنس آف انڈیا۔ (لندن 1933)

سیر۔ ٹی دیسکاچاری :۔ساؤتھ انڈین کوائنس (ترچناپلی 1933)
کے۔اے۔این۔شاستری :۔ فارن نوٹیسز آف ساؤتھ انڈیا۔ (مدراس 1939)

اور

ایچ۔ایس۔رمنا :۔ ہسٹاریکل میتھڈ ان ریلیشن ٹو انڈین ہسٹری۔ (مدراس 1956)
وی۔اے۔اسمتھ :۔ آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا (آکسفورڈ 1923)

باب 2

تاریخی پس منظر میں جغرافیائی حالات

شمال و جنوب۔ جزیرہ نما۔ مغربی گھاٹ۔ درّے اور تجارتی راستے۔ مشرقی گھاٹ۔ دکن کا پلیٹو بارش اور نباتات۔ ساحلی سطح پر تبدیلیاں۔ پانی کی نکاسی۔ گوداوری۔ کرشنا۔ بھیم اور تنگبھدرا کاویری۔ نرمدا۔ تاپتی۔ بندرگاہ۔ مغربی ساحل کی پٹی۔ مشرقی ساحل۔ دریاؤں کے ڈیلٹے۔ کارومنڈل ساحل۔

اس باب میں ملک کا عام جغرافیہ بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی تاکہ یہ ان تاریخی ابواب کے لیے جو بعد میں پیش کیے جائیں گے بنیاد کا کام دے سکے۔ ہمارا تعلق خصوصاً اس سرزمین سے ہے جو کوہ وندھیاچل کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ ایک کھردرا پہاڑی علاقہ ہے جو بلندی اور وسعت میں بہت مختلف ہے۔ خط سرطان کے ساتھ ساتھ قریب قریب مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا ہے۔ وندھیاچل پہاڑ کا شمال کی جانب نشیب بہت کم ہے۔ پہاڑوں کے سلسلے میں نہ تو نکلے ہوئے حصے ہیں اور نہ زبردست گھاٹیاں۔ جنوب کی جانب پہاڑ کی چوٹی سے نرمدا کی گھاٹی تک نشیب بہت زبردست ہے۔ پہاڑ کی ایک دیوار سی بنی ہوئی ہے جس کی جنگلوں سے ڈھکے ہوئے نکلے حصوں نے پشتہ بندی کر رکھی ہے۔ جہاں سے دریا کا گہرا اور تنگ نشیب دکھائی دیتا ہے۔ وہاں سے اس کے جنوب میں ست پوڑا مہادیو، میکال کی پہاڑیوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ ست پوڑا کے جنوبی نشیب سے راپتی ندی دریائے نرمدا کے متوازی مغرب کی جانب بہتی ہے۔ یہ مشرق میں دریائے مہاندی کے متوازی ہے جو خلیج بنگال میں گرتی ہے۔ یہ دوسری دیوار جنوبی جزیرہ نما کو شمالی ہندوستان کے میدان سے الگ کرتی ہے لیکن اس طرح نہیں کہ دونوں علاقوں کے درمیان

رسل ورسائل کا سلسلہ ہی مفقود ہو جائے۔ تاریخ کے ابتدائی زمانہ سے اب تک ایسا کوئی دور نہیں گذرا جب ان علاقوں نے ایک دوسرے کو سیاسی اور ثقافتی طور پر متاثر نہ کیا ہو۔ برطانوی حکومت کی ابتدا سے قبل کم سے کم تین مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ شمال اور جنوب مل کر ایک قلمرو کا حصّہ بن گئے جس میں قریب قریب پورا ہندوستان شامل تھا۔

جنوبی جزیرہ نما مشرق میں خلیج بنگال اور مغرب میں بحرِ عرب کے درمیان واقع ہے مرتفع میدان کی جانب اس کے آگے کا حصّہ بحرِ ہند میں نکلا ہوا ہے۔ جو اس کاموری پر آکر تنگ ہو گیا ہے اس کاموری سے مالابار اور کارومنڈل ساحل ایک ہزار میل لمبے ہیں۔ مالابار ساحل شمال مغرب کی جانب اور کارومنڈل ساحل پہلے شمال اور پھر مشرق کی جانب پھیلا ہوا ہے۔ دونوں ساحلوں پر کچھ قدرتی بندرگاہ ہیں۔ اگرچہ اس معاملہ میں مغربی ساحل مشرقی ساحل کی بہ نسبت بہتر ہے۔ کیونکہ مغربی ساحل پر کوچین، گوا، اور بمبئی جیسے بندرگاہ واقع ہیں جس میں جہاز بہ حفاظت لنگر انداز ہو سکتے ہیں۔ بحرِ روم اور افریقہ سے چین جانے کے بحری راستوں پر بیچ درمیان واقع ہونے کی وجہ سے جزیرہ نمائے ہند نے دونوں جانب کی اقوام کے ساتھ تیزی سے تجارت میں ترقی کی اور اسے برقرار بھی رکھا اور خلیج بنگال کے اس پار مشرقی سرزمین پر نوآبادیاں قائم کرنے میں نمایاں حصّہ لیا۔ اس کے حکمرانوں میں کم سے کم کچھ حکمراں مثلاً ستواہن، پلّو اور چول ایک طاقت ور بحری طاقت کے قیام پر خصوصی توجّہ کے لیے مشہور ہیں۔ مالابار ساحل کے ملّاح کئی صدیوں تک قزاقانہ سرگرمیوں کے لیے مشہور رہے۔ چول دیش کے جہاز راں بحرِ ہند میں جہاز رانی کے تجربات کے لیے مستند خیال کیے جاتے تھے اور عہدِ وسطیٰ میں جغرافیہ کے عرب ماہرین نے ان کے اقتباسات پیش کیے ہیں۔ بحری تجارت کے حالات کا ابتدائی تذکرہ پیری پلس آف دی امیری تھیرین سی کتاب میں ملتا ہے۔

جزیرہ نما کا مرکزی حصّہ بہت زیادہ قدیم چٹانوں کا بنا ہوا مثلث نما بلاک ہے جس کے بیشتر حصّے میں ست مالا اجنتا کی پہاڑیوں کا سلسلہ جو نیلگری تک پھیلا ہوا ہے شامل ہے۔ اس مرتفع میدان کا ابھار بھی مخصوص قسم کا ہے۔ اس کی مغربی لگر ایک ڈھلوان کنارہ ہے جسے مغربی گھاٹ کہتے ہیں۔ یہ پہاڑ مغربی ساحل سے بہت زیادہ اونچے ہیں اور ایک تنگ کھردری پٹّی ہے جس کا نشیبی علاقہ پانی سے بھرا ہوا ہے۔ مشرق میں اس کی سطح سے کنارے تک کا حصّہ بہت زیادہ ڈھلوان نہیں ہے۔ اس حصّہ کو مشرقی گھاٹ کہا جاتا ہے۔ مشرقی گھاٹ اور کارومنڈل ساحل کے درمیان نشیبی علاقہ کی ایک پٹّی ہے جسے کرناٹک کہتے ہیں۔ یہ پٹّی مغربی پٹّی کی بہ نسبت

زیادہ چوڑی چکنی اور خشک ہے۔

مغرب سے گھاٹ کی طرف دیکھنے پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سمندر کی بہت بڑی دیوار ہے۔ جس میں ساحل سے اوپر تک سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اسی وجہ سے انھیں گھاٹ کہا جاتا ہے۔ یہ کئی ناہموار ڈھلوان پہاڑیاں ہیں جو سمندری سطح سے شمالی کنارے پر دو ہزار فٹ سے کچھ زیادہ بلند ہیں۔ یہ بمبئی کے خط عرض البلاد پر چار ہزار فیٹ سے زیادہ اونچی ہیں۔ یہ سلسلہ عام طور پر جنوب کی جانب اونچا ہوتا چلا گیا ہے اور نیلگری پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ نیلگر پہاڑی کی دوداتبا کی چوٹی کی اونچائی آٹھ ہزار سات سو ساٹھ فیٹ ہے اس مقام پر جزیرہ نما کی دوسری طرف سے ڈھال بناتے ہوئے مشرقی گھاٹ آ کر مغربی گھاٹ سے ملتے ہیں۔ مغربی گھاٹ کی پہاڑیوں کا سلسلہ صرف ایک ہی مقام پر ختم ہوتا ہے جو نیلگری کے مرتفع میدان سے ملا ہوا جنوب میں واقع ہے اور پال گھاٹ یا کوائمبٹور کے درّے کے نام سے مشہور ہے۔ اس درّے کی شمال سے جنوب تک چوڑائی تقریباً بیس میل ہے اور سمندری سطح سے تقریباً ایک ہزار فیٹ کی بلندی تک یہ نشیبی علاقہ کرناٹک سے مالابار ساحل تک نقل و حمل کی سہولتیں فراہم کرتا ہے۔ کوچین، کالی کٹ اور مغربی ساحل کے دوسرے بندرگاہوں سے کرناٹک میں داخل ہونے کے اس آسان راستے نے تاریخ کے ہر دور میں بہت نمایاں حصہ لیا ہے۔ اس درّہ کے جنوب میں گھاٹ کی بلندی اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس کی انائی موڈی چوٹی 8841 فیٹ بلند ہے۔ یہ جنوبی مشرقی نقطہ پر پہنچ کر جزیرہ نما کی آخری حد راس کماری پر ختم ہو جاتی ہے۔ مغربی گھاٹ کے پہاڑوں کی چوٹیاں بحر عرب سے پچاس سے سو میل کے فاصلہ پر ہوں گی۔ اگرچہ بعض مقامات پر یہ ساحل کے اتنے قریب ہو جاتی ہیں کہ ساحلی میدان کی چوڑائی پانچ میل سے زیادہ نہیں رہ جاتی ہے۔ چنانچہ عموماً ان پہاڑوں کے ابھرے ہوئے حصے اور کھردرے کنارے چٹانوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

گوا کے شمال میں گھاٹوں کی سطح نسبتاً لاوے کی بہت موٹی تہہ سے ڈھکی ہوئی ہے۔ اس حصہ کو ہندوستانی علم عرضیات میں "ٹریپ" کہا جاتا ہے۔ بمبئی کی خط عرض البلد کے نزدیک اس کی موٹائی سب سے زیادہ ہے۔ صدیوں سے موسم کے اثرات کی وجہ سے اس ٹریپ کا ڈھانچہ قدرتی قلعوں اور حصاروں میں تبدیل ہو گیا ہے۔ پہاڑ کی چوٹیوں پر اس طرح کے بے شمار قلعے ہیں جو مراہٹہ طاقت کے انتشار اور بدامنی کے زمانہ میں بے حد کارآمد فوجی مورچے ثابت ہوئے ہیں۔ پونا کے اردگرد علاقہ کا بلند حصہ آتش فشاں پہاڑ کی کالی مٹی سے ڈھکا ہوا ہے۔

یہ مٹی نرمدا اور تاپتی کی سیلابی وادیوں کی طرح بہت زرخیز ہے۔ گوا کے جنوب میں مغربی گھاٹ ابرقا اور پرت دار چٹانوں کا ایک سلسلہ بن جاتے ہیں جو لاوا سے بنی ہوئی مٹی کے مقابلہ میں کہیں زیادہ مانع ثابت ہوتے ہیں۔

بمبئی کے جنوب میں جو پہاڑیاں سمندر کے رخ ہیں گھنے جنگلوں سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ ساحل سے ملک کے اندر جانے کے لیے بہت کم راستے ہیں۔ لیکن شمال میں میدان کے اندرونی حصہ پر پہنچنے کے لیے مغربی ساحل کی پٹ سے متعدد سڑکیں ہیں جو ملک کی تاریخ میں بہت مشہور رہی ہیں۔ ان میں گوداوری کے منبع پر واقع ترمبک کا درّہ بہت مشہور ہے۔ ویترنا ندی گوداوری کے منبع کے قریب عین سامنے ایک مقام سے نکلتی ہے اور شمالی کونکن ہوتی ہوئی بحر عرب میں گرتی ہے۔ منبع کی پاکیزگی اور وادی کی اہمیت کی بنا پر یہ ندی شمالی دکن اور سمندر کے درمیان قدیمی تجارتی راستہ بن گئی ہے۔ ندی کا تحتی حصہ اپنی خوبصورتی کی بنا پر بعض ابتدائی آریائی آبادیوں کی آماجگاہ بن گیا۔ دوسرا تاریخی درّہ تھال گھاٹ ہے جس سے ہو کر بمبئی سے آگرہ کو سڑک جاتی ہے۔ اور اس وقت مغربی ریلوے کی شمالی شاخ کا مرکز ہے۔ اس کے علاوہ بھیری کا درّہ ہے جس کے ذریعہ سوپارا اور کلیان سے ناسک جانے کے لیے قدیم راستہ ہے جو نئار اور کونکن کے درمیان "نانا" درّہ واقع ہے جس کی حفاظت شونیر قلعے سے ہوتی ہے۔ بھیم ندی کے منبع پر بھیم شنکر اور چاکسن کے مشہور تاریخی قلعہ ہیں۔ بھور گھاٹ یا کھانڈلا کا درّہ (تقریباً دو ہزار فٹ) سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس کے ذریعہ بمبئی پونا سڑک اور مغربی ریلوے کی جنوبی شاخ دکن میں داخل ہوتی ہے۔ یہ قدیم فوجی راستہ ہمیشہ سے دکن کی کنجی کہا گیا ہے۔ اور اس سڑک پر یا اس کے نزدیک کونڈانے، کارلے، بھاجہ اور بیڈسا کے تاریخی غار واقع ہیں۔ درّہ امبا سے ہو کر رتناگری سے کولہاپور کو سڑک جاتی ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے کم اہم درّے بھی ہیں جن سے وینگرلا سے بیلگام اور کرد ارسے دھارواڑ کو سڑکیں جاتی ہیں۔ ایسے درّوں کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جنوب بعید میں شینکوٹہ گھاٹ اور الام بولی کے درّے ہیں۔ جو ٹراونکور اور پانڈیوں کے علاقوں میں آمد و رفت کی سہولتیں فراہم کرتے ہیں۔

مغربی گھاٹ میں کھڑی چٹانوں کی چاکور چوٹیوں کے جو مناظر اتنی عجیب و غریب صورت پیش کرتے ہیں ہر اُس جگہ پائے جاتے ہیں جہاں افق کے متوازی زمین کے طبقات اپنی مختلف درجوں کی مقاومت کے باوجود تحتی ہوا کی لرزشوں سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ ایسے مناظر "ددگو"

کے دلکش مناظر پیش برابر پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

جنوبی ہندوستان میں ان ملٹی پہاڑیوں کا سلسلہ بھی عجیب و غریب ہے۔ اس سلسلہ میں متعدد مرتفع میدان شامل ہیں جو سات ہزار فیٹ تک بلند ہیں۔ کہیں کہیں ان کی چوٹیاں اٹھائیس ہزار فیٹ تک اونچی ہیں۔ یہ سدا بہار گھنے جنگلوں سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ گہری گھاٹیوں کی بنا پر یہ ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ یہ گھاٹیاں بہت خوبصورت مناظر پیش کرتی ہیں۔ پہاڑیوں کے مغربی نچلے حصے کی بلندی اوسطاً تین چار ہزار فٹ ہے۔ اس کے ہزاروں ایکڑ علاقے میں اس وقت قہوے کی کاشت ہوتی ہے۔ اس میں ٹیک کے جنگل کی پٹی ہے جس سے بہت بڑی مقدار میں عمارتی لکڑی حاصل کی جاتی ہے۔ یہ لکڑی عام طور سے اسی اونچائی پر واقع پت جھڑ والے جنگلات سے دستیاب ہوتی ہے۔ جنگل کے بیش قیمت جانوران صحرائی میں ہاتھی بھی ہے۔ اس پہاڑی کے سلسلہ کا نام بھی اسی وجہ سے پڑا ہے۔ ان پہاڑیوں پر پہاڑی قبیلے مثلاً کادن، مُدوان اور ملٹی پلان آباد ہیں۔

مشرقی گھاٹ کے پاس وہ شان و شوکت نہیں ہے جو مغربی گھاٹ کو اس کی تناسب ساخت لیکن غیر متناسب ڈھانچے کی بنا پر حاصل ہے۔ اگر چہ علم ارضیات کے خیال سے یہ مغربی گھاٹ کے نسبتاً نمایاں طور پر زیادہ قدیم ہیں پھر بھی یہ منتشر اور ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ان کی اونچائی بھی بہت کم ہے۔ مشرقی گھاٹ اڑیسہ سے شروع ہوتے ہیں اور آندھرا ریاست تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ ساحل سے عام طور پر پچاس میل جنوب تک اور سولہ درجہ شمال میں خط عرض البلد پر متوازی ہیں۔ اس کے بعد یہ ساحل سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ اور مدراس کے خط عرض البلد تک شمال سے جنوب کی جانب قائم ہیں۔ مدراس سے یہ جنوب کی جانب چلے جاتے ہیں اور دکن کے میدان کا جنوبی کنارہ بناتے ہیں جو نیلگری میں آکر مغربی گھاٹ سے مل جاتا ہے چونکہ مشرقی گھاٹ اونچائی میں کم ہیں اور جگہ جگہ ان کا سلسلہ بھی ٹوٹ گیا ہے، اس لیے یہ ساحلی میدان اور سطح کے درمیان مغربی گھاٹ کے مانند رابطہ قائم کرنے میں مانع نہیں ہیں۔ دوسرے تمام بڑے بڑے دریا مغربی گھاٹ کی چوٹیوں سے نکل کر اپنا راستہ طے کرتے ہوئے مشرقی گھاٹ کو کاٹتے ہوئے خلیج بنگال میں گرتے ہیں اور اس طرح رسل و رسائل میں مدد دیتے ہیں۔

دکن کے پٹھار کی عام طور پر بلندی دو ہزار فیٹ ہے لیکن یہ اونچائی اس وقت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور پہاڑ مزید کھردرے ہو جاتے ہیں جب یہ مشرق سے مغرب کی جانب نزدیک

آتے جاتے ہیں۔ اس وقت اس کے جنوبی کنارے کی بلندی نیلگری میں آکر جہاں یہ دونوں گھاٹ ملتے ہیں اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً میسور کے حدب کی اوسطاً بلندی بقیہ دکن کے حدب سے نسبتاً زیادہ ہے۔ حدب کا عام نشیب جنوب مشرق کی جانب ہے جو اس جزیرہ نما کے بڑے دریا مثلاً گوداوری، کرشنا اور کاویری کے راستوں سے ظاہر ہے۔ حدب کی یکسانیت مغربی گھاٹ کی پہاڑیوں کے نکلے ہوئے متعدد حصوں اور پہاڑوں کی مختلف ہئیت کی بنا پر ختم ہو جاتی ہے۔ ان میں مخصوص طور پر پہاڑوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو جس مثلث نما پٹھار پر احمد نگر بسا ہے۔ اس کا احاطہ کرنے والی دو پہاڑیاں اور گوداوری و بھیم ندی کے درمیان پانی کی تقسیم۔ دوسرے بھیم اور کرشنا ندیوں کے پانی کو جدا کرنے والا مہادیو پہاڑ کا سلسلہ۔ مشرقی گھاٹ کی پہاڑیوں کے سلسلہ سے جڑا ہوا ایک اور سلسلہ ہے جس کے مختلف مقامی نام ہیں۔ نالاملی کی پہاڑیاں جو کرشنا ندی سے پینسر کی گھاٹی تک پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ کڑپا بلور (ایک قسم کا چمکیلا پتھر) سے بنی ہوئی ہیں۔ اور کڑپا سلیٹ (بھورے رنگ کا پتھر) سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ ان کی اوسطاً بلندی دو ہزار فیٹ سے کم ہے۔ اور انتہائی بلندی تین ہزار فیٹ سے زیادہ ہے۔ اس میں کئی مرتفع میدان ہیں لیکن پانی کی قلت کی وجہ سے یہاں آبادی نہیں ہو سکتی۔ سری شیلم کسی زمانہ میں آباد تھا اور پرانے شہروں، قلعوں، منادر، ذخیرۂ آب اور کوؤں کے جو کھنڈر پائے جاتے ہیں ان سے آبادی کے خوش حال ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ آج کل اس علاقہ میں صرف چین چو ذات کے لوگ آباد ہیں۔ بارش کی کمی کی وجہ سے یہاں جنگل نہ تو گھنے ہیں اور نہ زیادہ رقبہ میں پائے جاتے ہیں۔ چٹانوں میں بڑی بڑی دراڑیں پڑی ہوئی ہیں اور ان کی سطح پر نمی کی کمی کی وجہ سے بڑے بڑے درخت نہیں قایم رہ سکتے۔ نالاملی کے مغرب میں ضلع کرنول میں واقع ایراملی دوسرے چھوٹے چھوٹے پہاڑی سلسلہ ہیں۔ اس موقع پر ان کا مفصل ذکر غیر ضروری ہے۔

مرتفع میدان کا جنوب مشرقی اور جنوبی میسور کا نسبتاً اونچا حصہ ٹریپ کے علاقہ سے بالکل مختلف گرانیٹ نما پتھر اور ورق دار چٹان کا بنا ہوا ہے۔ پہاڑیوں کی ہموار چوٹیوں، مربع چوٹیوں اور لاوا سے ڈھکی ہوئی چپٹی چوٹیوں کا منظر جنوب میں زیادہ گول اور شان دار اور گنبد نما چوٹیوں اور ٹیلوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ان میں بہت سی گول یا قریب قریب گول پہاڑیاں ورق دار چٹانوں کے میدانوں سے بلند ہوتی نظر آتی ہیں۔ اس علاقہ کے

حکمرانوں نے ان پہاڑیوں کو فوجی نقطۂ نگاہ سے بہت اہمیت دی اور ان پر وسیع اور بعض اوقات نہایت مستحکم دفاعی دیواریں تعمیر کیں۔

جنوبی مغربی مانسون کی بحر عرب کی شاخ کے راستہ پر ہونے کی وجہ سے مغربی گھاٹ کے دونوں جانب کے علاقوں کی بارش میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ گھاٹ کے مغرب کا نشیبی کنارہ مانسون کی لائی ہوئی رطوبت کا زیادہ حصّہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور مشرقی حصہ جو ہوا کے رُخ سے محفوظ ہے۔ وہاں بادلوں کا صرف سایہ ہی ہوتا ہے۔ بارش نہ صرف کم ہوتی ہے بلکہ بہت غیر مستقل ہوتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مانسون سے مغرب میں موسلا دھار بارش ہوتی ہے۔ ساحلی میدان میں بارش کا اوسط 180 انچ ہے اور بلندی کا علاقہ مثلاً مہابلیشور میں اس کا سالانہ اوسط تین سو انچ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ مغربی گھاٹ کے مشرقی حصّہ میں بارش زیادہ تر چالیس انچ سے بھی کم ہوتی ہے۔ جس کا اثر اس مقام کی نباتات پر پڑتا ہے۔ گرمیوں کے موسم میں زبردست بارش کی وجہ سے ساحلی میدان اور ہواؤں کے رُخ پر مغربی گھاٹ کا نشیب ہونے کی بنا پر دونوں جگہوں پر سدا بہار جنگلوں کی گھنی نباتات سے زمین ڈھک جاتی ہے۔ جنگلوں میں کئی قسم کے تناور درخت پائے جاتے ہیں جو معاشی نقطۂ نظر سے بہت بیش قیمت ہیں۔ بانس کے درخت بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں اور ساگون، روز ووڈ (ایک قسم کی خوشبودار لکڑی) اور آئرن ووڈ بھی بہ کثرت پائی جاتی ہے۔ سمندر کے کنارے کنارے ناریل کے درخت پائے جاتے ہیں۔ اور دیہات تال پات، تیز پات اور الائچی کے درختوں کے جھنڈوں سے گھرے رہتے ہیں۔ جنگلوں میں دارچینی اور الائچی کے درخت خود رو ہوتے ہیں۔ ساحلی علاقوں میں قدرتی نمی کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ یہاں پر سیاہ مرچ کی کاشت بغیر پردا لگائے کی جاسکتی ہے۔ جب کہ ہندوستان کے دوسرے حصّوں میں نمی برقرار رکھنے کے لیے اس پردے کا استعمال کیا جانا لازمی ہے۔

دکن پلیٹو میں جہاں قد آور سدا بہار درختوں کی بالیدگی کے لیے کافی بارش نہیں ہوتی، وہاں پت جھڑ والے جنگل نباتات کی نمایاں خصوصیت ہیں۔ اگرچہ معاشی نقطہ نظر سے کچھ ہی مقامات پر شجر زاری کے تحت ساگون کی کاشت کی جاتی ہے لیکن یہ پورے علاقے میں جہاں نسبتاً آب پاشی کی سہولتیں میسر ہیں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر پائے جاتے ہیں۔ میسور اور اس کے متصل اضلاع میں خوشبودار صندل کے جنگل بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ مشرقی گھاٹ کی ڈھلان پر سدا بہار قسم کی نباتات پائی جاتی ہے۔ حالاں کہ بارش کی کمی کی وجہ سے اس علاقے کے درخت مالابار کے

درختوں کے مقابلہ میں چھوٹے ہوتے ہیں۔

کارومنڈل ساحل کی سطح میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ان کی تاریخی طور پر مختلف طریقہ سے تصدیق ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر تیرھویں صدی میں شمالی ساحل پر کورکئی اور کایل کے شہر تجارتی لحاظ سے کسی زمانہ میں بہت مالدار تھے۔ لیکن اس وقت سمندر سے میلوں دور ریت کے ٹیلوں کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ دوسری جانب مذکورہ بالا مقامات سے کچھ ہی فاصلہ پر واقع زمین کو سمندر نے اپنے دامن میں لے لیا اور ایسے بندرگاہ جیسے کاویری پٹینم اور مالاپورم جو ایک زمانہ میں خوشحال تھے، اب تہ آب ہو گئے ہیں۔ بعض حالات مخصوص طور پر کاویری پٹینم کے بارے میں عام روایتوں کی شکل میں لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہیں، لیکن ان کی تاریخ کے بارے میں کوئی پتہ نہیں چلتا۔ اسی طرح کی تبدیلیاں خلیج کامبے اور اس کے قرب و جوار میں بھی واقع ہوئی ہیں۔

شمال میں نرمدا اور تاپتی دو خاص ندیوں کے علاوہ جزیرہ نما کی دوسری ندیوں کا بہاؤ عام طور پر مشرق کی جانب ہے۔ نرمدا اور تاپتی ہی صرف دو ندیاں ہیں جو گہری اور تنگ گھاٹیوں میں بہنے کے بعد خلیج کامبے میں گرتی ہیں۔ یہ خلیج اب تیزی کے ساتھ نایاب ہوتی جارہی ہے۔ مغربی گھاٹ کی پہاڑیوں کا سلسلہ حدب کے مشرق اور مغربی پانی کی نکاسی کے ذرائع کو جدا کرتا ہے۔ پانی کی نکاسی کے ذرائع کو الگ کرنے والی پہاڑیوں کا سلسلہ مغربی ساحل سے کچھ زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے۔ لیکن حدب کے مخصوص دریا جو گھنے جنگلوں سے ڈھکے ہوئے ہیں جزیرہ نما کے اس پلہ تک بہہ کر خلیج بنگال میں گرتے ہیں۔ اسے زمانہ قدیم میں جغرافیائی خصوصیت کا تبرک خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی تصدیق اس امر سے ہوتی ہے کہ مغربی گھاٹ کے مشرقی حصہ سے بحر عرب میں گرنے والے دریا بہت چھوٹے اور تیزی سے بہنے والے ہیں۔ جب کہ اس کے برعکس مشرقی حصہ کے دریا آہستہ آہستہ بہہ کر کافی چوڑی اور چپٹی تل کی وادیوں سے ایک وسیع سطح یا بہت کم ناہموار راستے سے گذرتے ہیں۔ ان ندیوں کے دونوں طرف کناروں پر ڈھلوان گھاٹیاں اور ان کا بہت زیادہ گہرا ہونا نیز اپنے منبع کی جانب بہنے کا رجحان اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ بلندی اور پستی میں ابھی تک توازن نہیں قائم ہو سکا ہے۔

مرتفع میدان کی تین بڑی ندیاں گوداوری، کرشنا اور کاویری ہیں۔ مہاندی کو بھی ان میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ چھوٹی ندیوں میں پینیھر، پالر، پنیار اور ویگائی اور تامیر پرنی مشہور ہیں چونکہ یہ ندیاں چٹانوں کی گہری وادیوں میں بہت تیز بہتی ہیں اس لیے شروع میں ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ یہ ملک کو سیراب کرنے کے بجائے پانی کو اپنے ساتھ بہالے جائے گی۔ لیکن جب یہ ساحلی میدان کی سطح زمین پر پہنچتی ہیں تو ان ندیوں پر باندھ تعمیر کر دیے گئے ہیں۔ اور ان کے پانی کو آب پاشی کے کام میں لایا جاتا ہے۔ گوداوری، کرشنا اور کاویری کے ڈیلٹاؤں کا بہت بڑا رقبہ آب پاشی کی فصلوں سے ڈھکا ہوا ہے۔

گوداوری کو ایک متبرک ندی خیال کیا جاتا ہے۔ یہ بہت خوبصورت قابل دید مقامات سے ہو کر گذرتی ہے اور عوام کے لیے بے حد مفید ہے۔ تقدّس کے لحاظ سے صرف گنگا اور سندھ کو ہی اس پر فوقیت حاصل ہے۔ بحر عرب سے پچاس میل اندر واقع ضلع ناسک میں ترمبک کے پیچھے پہاڑیوں سے نکل کر نو سو میل کا سفر طے کر کے خلیج بنگال میں گرتی ہے۔ اس کے پانی سے ایک لاکھ بارہ ہزار مربع میل کے علاقہ کی سینچائی کی جاتی ہے۔ ناسک سے اوپر یہ ایک تنگ چٹانی راستہ سے گذرتی ہے۔ لیکن بہت آگے مشرق کی جانب اس کے کنارے نیچے اور زیادہ مٹی والے ہو جاتے ہیں۔ سرونچا سے نیچے بائیں جانب سے پران ہت ندی آکر ملتی ہے جس میں ومیں گنگا اور واردھا کا پانی شامل ہوتا ہے۔ یہ دونوں ندیاں ست پُرا اور ناگپور کے میدانوں کو سینچتی ہیں۔ کچھ اور دور چل کر اندراوتی ندی آکر مل جاتی ہے جو بستر میں مشرقی گھاٹ کے خودرو گھنے جنگلوں اور قرب و جوار کے علاقوں کو سینچتی ہے۔ اس سنگم کے بعد گوداوری جنوب مشرق کی جانب بہتی ہے۔ اور اسی رُخ میں بہتی ہوئی سمندر سے جا کر مل جاتی ہے۔ یہ ندی اپنا نصف راستہ طے کر لینے کے بعد آندھرا پردیش میں داخل ہونے پر ایک سے دو میل تک چوڑی اور اس کی تہہ ریتیلی ہو جاتی ہے۔ محض دو مقامات پر اس کی راہ میں چٹانیں آتی ہیں۔ اس چوڑے اور سپاٹ علاقہ میں خاشی سے بہنے کے بعد یہ مشرقی گھاٹ میں بہت تیزی کے ساتھ داخل ہوتی ہے۔ یہ محض دو گز چوڑی مگر گہری اور تنگ گھاٹی سے اپنا راستہ بناتی ہے۔ اس گھاٹی کے دونوں کنارے اونچے، ڈھلواں اور گھنے جنگلوں سے ڈھکے ہوئے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ندی کے سیاہ پانی سے سیدھے نمودار ہوتے ہیں۔ مشرقی گھاٹ پار کرنے کے بعد ندی پھر چوڑی ہو جاتی ہے۔ اس کی کئی شاخیں بن جاتی ہیں جن میں متعدد سیلابی جزیرے پائے جاتے ہیں۔ جنھیں لنک Lankas کہتے ہیں۔ راج مندری کے نیچے آکر اس کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ مشرقی شاخ کو گوتمی گوداوری اور مغربی شاخ کو وشسٹ گوداوری کہتے ہیں۔ یہ دونوں شاخیں اپنی معاون ندیوں کا پانی لے کر پنکھے کے مانند ڈیلٹا بناتی

ہیں۔ جو ندی کی لائی ہوئی مٹی سے ایک عرصہ میں بنتا ہے۔ راج مندری کے نیچے ڈولیشورم پر بند تعمیر کیا گیا ہے۔ یہاں اوپر سے گرنے والے پانی کو نہروں میں لے جایا جاتا ہے جس سے ملک کے ایک زبردست رقبہ کی آب پاشی کی جاتی ہے۔ اس کی خاص خاص نہروں کو رسل و رسائل کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

گوداوری سے سو میل کم لمبی اور گوداوری یا کاویری ندیوں کے مقابلہ میں عام عقیدے کے مطابق کم مقدس دریائے کرشنا تینوں ندیوں میں سب سے بڑی ندی ہے۔ بحر عرب سے چالیس میل اندر مہابلیشور کے ٹھیک شمال سے نکل کر راستہ میں مغربی گھاٹ کے مشرق کی جانب نکلے ہوئے مختلف حصّوں سے ٹکراتی ہوئی اور مغرب کی کئی معاون ندیوں کا پانی لے کر یہ جنوب کی جانب اپنا سفر شروع کرتی ہے۔ اور جنوبی مراہٹہ پردیش سے گذر کر میسور اور آندھرا پردیش میں داخل ہوتی ہے۔ پہاڑیوں کے نزدیک جب یہ چٹانوں سے گذرتی ہے تو اس کا بہاؤ اتنا تیز ہوتا ہے کہ اس میں کشتیاں نہیں چلائی جا سکتیں۔ لیکن ستارا ضلع اور جنوب مشرق کے زیادہ کھلے حصّہ میں اس ندی کے پانی کو بڑے پیمانہ پر آب پاشی کے کام میں لایا جاتا ہے۔ بیلگام اور بیجاپور کے ضلعوں میں اس کے کنارے کالی مٹی اور کنکڑ سے مل کر بنتے ہیں۔ یہ کنارے بیس فیٹ سے پچاس فیٹ تک اونچے ہیں۔ یہ کنارے جنوب کی جانب خاص طور پر زیادہ اونچے ہیں۔ میسور میں داخل ہو کر یہ خاص دکن کے حدب کی سخت پتھر کی اونچی پہاڑیوں کو پار کرتے ہوئے رائچور کے سیلابی دوآبے میں داخل ہوتی ہے اور سخت پتھر کی پہاڑیوں کے سلسلہ سے جو اس کی راہ میں پڑی ہوئی ہیں گذرتی ہے۔ اس جگہ دریا کا بہاؤ بہت تیز ہے کیونکہ وہ تین میل میں چار سو فیٹ کی بلندی سے گر کر ایک آبشار بناتی ہے۔ بھیم ندی سب سے پہلی ندی ہے جو اس سے آکر ملتی ہے بھیم ندی کے پانی سے احمد نگر، پونا، اور شولاپور کے علاقوں کی آب پاشی کی جاتی ہے۔ اس کے بعد تنگ بھدرا ندی اس میں آکر گرتی ہے۔ یہ کرنول اور بلاری کے اضلاع اور میسور پلیٹو کے شمالی حصّہ کو آب پاشی کے لیے پانی فراہم کرتی ہے۔ اس کے بعد کافی فاصلہ تک کرشنا ندی کی تہ گہری اور چٹانی ہے اور اس کا پانی تیزی کے ساتھ نیچے گرتا ہے۔ نل ملی پہاڑیوں کے سلسلہ کے اس پار ندی کا رخ شمال مشرق کی جانب ہو جاتا ہے۔ مشرقی گھاٹ پر پہنچنے کے بعد یہ جنوب مشرق کی جانب مڑ جاتی ہے اور سیدھی سمندر میں دو دہانوں کے ذریعہ داخل ہوتی ہے سمندر سے چالیس میل دور سیدھی لکیر میں وجے واڑہ مقام پر ورق دار چٹانوں کے ٹوٹے ہوئے سلسلہ

بیچ درمیان سے جو مشکل سے تیرہ سو گز چوڑا ہے بہتی ہے۔ اس کے فوراً بعد آب پاشی کے خیال سے اس پر باندھ تعمیر کیا گیا ہے۔ باندھ کے نیچے نہر کی سطح ارد گرد کے میدانوں کے نسبتاً قدرے اونچی ہے۔

دریائے تنگ بھدرا دریائے کرشنا کا خاص معاون دریا ہے۔ یہ کوالی مقام پر تنگ اور بھدرا دو ندیوں کے ملنے سے بنا ہے۔ یہ بابا بودن پہاڑیوں کے نزدیک جہاں میسور کی مغربی سرحد ملتی ہے نکلتی ہیں۔ دونوں ندیوں کا پانی مل کر شمال مشرق کی جانب رخ کرتا ہے اور واگذار اضلاع سے گذر کر کرنول سے کچھ فاصلہ پر بہہ کر دریائے کرشنا سے مل جاتا ہے۔ اس طرح یہ اپنا چار سو میل کا سفر ختم کرتا ہے۔ دونوں ندیوں یعنی تنگ اور بھدرا کی تہ چٹانی ہے اور پھر جس علاقے سے ہو کر بہتی ہے وہ ندی کے مقابلے میں اونچا ہوتا جاتا ہے۔ اس بنا پر اس کے پانی کو آب پاشی کے لیے استعمال کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تنگ بھدرا ندی میں برابر پانی رہتا ہے۔ برسات میں اکثر سیلاب آجاتا ہے۔ وجیہ نگر کے حکمرانوں نے ہمپی کے نزدیک اس پر اس خیال سے باندھ تعمیر کیا تھا کہ محلوں اور باغات کے لیے پانی فراہم کیا جاسکے۔

صدیوں سے تنگ بھدرا ندی تاریخی طور پر ایک قدرتی سرحد بنی رہی ہے۔ اس کے شمال میں کلیانی اور بادامی کے چالوکیے، راشٹرکوٹ، جنوب میں پلّو اور چول حکمرانی کرتے تھے۔ اس میں گنگ راجاؤں کا ذکر بیکار ہے کیونکہ وہ زیادہ تر کسی نہ کسی طاقت کے ماتحت رہے۔ انھوں نے ندی کے اُس پار اپنی حکومت کی توسیع کرنے کی بار بار کوشش کی لیکن انھیں کوئی خاص کامیابی کبھی نہیں حاصل ہوئی۔ تنگ بھدرا کے جنوبی کنارے پر وجیہ نگر کا تاریخی شہر اور اس سے بھی قبل کام پلی آباد کیا گیا تھا۔ دریائے تنگ بھدرا اور دریائے کرشنا کے درمیان رائچور دوآب کو "دکن کا اکھاڑا کہا جاسکتا ہے"۔

کاویری جو جنوبی گنگا کے نام سے موسوم ہے 475 میل لمبی ہے۔ یہ پاکیزگی، خوبصورت مناظر اور آب پاشی کے لحاظ سے بہت زیادہ مشہور رہی ہے۔ اس کی ابتدا کے بارے میں تامل ادب میں بہت سی روایتیں مشہور ہیں۔ اس کی پاکیزگی اور پانی میں حیات بخش عناصر سے متعلق مدحسرا سے تامل ادب بھرا پڑا ہے۔ یہ کرگ میں تل کاویری کے نزدیک برہم گری سے نکلتی ہے۔ اور پلیٹو سے جنوب مشرق کی جانب بہتی ہے۔ جب یہ مشرقی گھاٹ میں داخل ہوتی ہے تو بہت سے آبشار بناتی ہے۔ پھر ترچناپلی اور تنجور ہوتی ہوئی کرناٹک کے نشیبی علاقہ میں بہتی ہے۔

تنجور ضلع میں آکر مختلف شاخوں میں تقسیم ہو کر خلیج بنگال میں داخل ہوتی ہے۔ کُرگ میں اس کا راستہ بہت ٹیڑھا میڑھا ہے۔ اس کی تلہٹی بھی چٹانی ہے۔ اس کے دونوں کنارے بہت اونچے اور گھنی نباتات سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ یہاں سے گذر کر یہ ریاست میسور میں داخل ہوتی ہے اور ایک تنگ گھاٹی سے گذر کر چن چن کٹے کی ڈھلواں تلہٹی پر اس کا پانی ساٹھ سے اسّی فٹ نیچے گرتا ہے۔ اس کے بعد ندی چوڑی ہو جاتی ہے۔ یہ دوبارہ دو شاخوں میں بہتی ہے جو کچھ فاصلہ کے بعد مل جاتی ہیں۔ اس طرح اس میں پچاس میل کی دوری پر دو جزیرے شری نیگا پٹم اور شیو سندرم بنے ہیں۔ شیو سندرم کے مشہور آبشار سے بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ کولار سونے کی کان کو یہیں سے بجلی سپلائی کی جاتی ہے۔ بجلی پیدا کرنے کا یہ کارنامہ ہندوستان میں اپنی نوعیت کا پہلا کام تھا۔ 1903 میں جب یہ کام شروع کیا گیا تو اس کے لیے دنیا کی سب سے لمبی ہائی ٹینشن الکٹرک ٹرانس مشن لائن کی ضرورت ہوئی۔ میسور کی حد کے باہر کاویری میں کئی معاون ندیاں آکر ملتی ہیں۔ ان میں کبانی، ہیم وتی اور اراکاوتی بہت اہم ہیں۔ میدان میں آنے پر علاقہ کی بناوٹ کچھ ایسی ہے کہ ندی پر مضبوطی کے ساتھ قابو پالیا گیا ہے جو اس کے سیدھے راستے اور نازک موڑوں سے ظاہر ہے۔ بھوانی ندی کے سنگم کے بعد یہ اپنے جنوبی راستہ کا رُخ جنوب مشرق کی جانب موڑ دیتی ہے اور اس کے بعد مشرق و جنوب کا رستہ اختیار کرتی ہے۔ ایک بار پھر اس کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں اور شری رنگم کا جزیرہ بنتا ہے۔ شری رنگم کے فوراً نیچے پھر یہ دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک شاخ کولِ رون اور دوسری کاویری کہلاتی ہے۔۔۔ کاویری کی پھر کئی شاخیں ہو جاتی ہیں۔ اور تنجور کے ڈیلٹا کی پوری سطح پر اس کی شاخ در شاخ بنتی ہیں۔ کاویری کے پانی کو ریاست میسور، کوئمبٹور اور ترچناپلی کے اضلاع میں وسیع پیمانہ پر آب پاشی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے لیکن صرف تنجور میں اس کے پانی کو پورے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ کاویری کے سیلابی پانی کو استعمال کرنے کے لیے بہت پہلے چول خاندان کے متواتر کئی حکمرانوں نے اقدامات کیے لیکن وہ جدید انجینیروں کی کارکردگی کے معاملہ میں اتنے زیادہ مؤثر نہیں تھے۔

جب ہم ندیوں کے بارے میں غور کرتے ہیں تو ہمیں تامبرپرنی ندی ملتی ہے۔ یہ جنوبی گھاٹ کی جنگلوں سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں سے نکلتی ہے اور دونوں مانسونوں کا فائدہ اٹھاتی ہے۔ یہ تناولی ضلع میں فصلوں کو تباہ ہونے سے بچاتی ہے۔ خلیج مانر میں اس کے دہانے پر غوطہ لگا کر موتی نکالے جاتے ہیں۔ ان موتیوں کے بارے میں دوسرے ملکوں کے سیاحوں نے اکثر ذکر کیا ہے۔

ایسے دریا جو مغرب کی جانب بہتے ہیں۔ ان میں نرمدا اور تاپتی کی گھاٹیاں نمایاں طور پر بالکل سیدھی ہیں۔ دونوں ندیوں کے کنارے ڈھلان کے ساتھ اونچے ہیں اور پانی کی نکاسی کے لیے ان کے غیر معمولی راستے ارضیات کے کسی حادثہ کا ہی نتیجہ ہیں۔

دریائے نرمدا (جیسے پیری پلس میں نامناڈس اوس اور ٹولیمی نے ناماڈوس کہا ہے) ہندوستان کے سات مقدّس دریاؤں میں سے ایک ہے۔ یہ مرتفع میدان کی امرکنٹک چوٹی سے جو وسط ہند میں ست پڑا کی پہاڑیوں کے سلسلہ میں شمال مغرب کی جانب دیوا مقام پر نکلتی ہے۔ یہ 801 میل لمبا سفر طے کر کے خلیج کامبے میں گرتی ہے۔ خلیج میں گرنے سے قبل یہ بروچ کے نیچے مدوجزر کے وقت سترّہ میل چوڑا دہانہ بناتی ہے۔ بروچ پرانے زمانہ میں بھاروکچھ کے نام سے مشہور تھا۔ ندی کے پانی سے اس کے جنوب میں واقع ست پڑا پہاڑ کے شمالی حصّہ کی جو تقریباً 36 ہزار مربع میل ہے سینچائی کی جاتی ہے۔ اس ندی کی تلہٹی چٹانی ہے اور اس میں تیزی کے ساتھ سیلاب آنے کے امکانات پائے جاتے ہیں۔ یہ کشتی رانی کے لیے قطعی بیکار ہے اور اس کے اونچے کنارے بھی آب پاشی کے لیے زبردست رکاوٹ ہیں۔ اس کے منبع سے تیس میل کے فاصلہ پر بروچ تک چھوٹی چھوٹی کشتیاں استعمال کی جا سکتی ہیں۔ گو کہ مدّوجزر کا اثر 55 میل تک ہوتا ہے۔

دریائے تاپتی (436 میل لمبی) ملتائی کے نزدیک ست پڑا پہاڑ سے نکلتی ہے۔ اور ایک سیدھی گھاٹی سے ہو کر جس کے دونوں کنارے ڈھلواں ہیں بہتے ہوئے چوڑے دہانے میں داخل ہو کر خلیج کامبے میں گرتی ہے۔ تاپتی کے کناروں میں جگہ جگہ دراڑیں پڑ جانے کی وجہ سے چوڑے سیلابی میدان بن گئے ہیں۔ اس کے کنارے اونچے (تیس فیٹ سے ساٹھ فیٹ تک) ہونے کی وجہ سے اس کا پانی آب پاشی کے لیے استعمال میں نہیں لایا جا سکتا۔ ندی کے بہاؤ میں بھی پہاڑیوں کا سلسلہ پائے جانے کی وجہ سے کشتیاں چلانا غیر ممکن ہے۔ کشتیاں صرف دریائے خلیج میں داخل ہونے سے بیس میل کے اندر ہی چلائی جا سکتی ہیں۔ تاپتی کی گھاٹی کے وسط میں خاندیش کا میدان دکن کا انتہائی شمالی حصّہ ہے جو مشرق سے مغرب تک پندرہ میل تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ میدان کالی سیلابی مٹی کا بنا ہوا ہے۔ اس علاقہ میں بڑے اور خوش حال شہر آباد ہیں۔ یہ میدان مشرق کی جانب ناگپور کے میدان میں مل جاتا ہے۔ ناگپور کا میدان بھی کالی مٹی سے بنا ہوا ہے۔ تقریباً سترھویں صدی تک دریائے تاپتی سے ملا ہوا علاقہ چٹانوں اور جنگلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ان جنگلوں میں ہاتھیوں کی افزائش نسل کی جاتی تھی۔

خلیج کا ہے میں کسی وقت عرب جہاز رانی داخل ہوا کرتے تھے۔ شروع میں یہ سورت کے مقابلہ میں زیادہ مشہور تھی۔ سورت کا دو دریا نرمدا کے دہانے میں ریت جمع ہونے کی وجہ سے اولاً یورپی تاجروں کے بعد ہوا جو راس امید گھوم کر پہلی بار ہندوستان آئے تھے۔ ندیوں کے بڑے دہانوں کے علاوہ یہاں کئی جزیرے بھی ہیں جو واقعی طور پر بندرگاہ بھی ہیں جیسے ڈامن، ڈیو اور بمبئی۔ جزیرہ نما کا مغربی ساحل ڈامن سے جنوب میں تری وینڈرم تک اپنی بناوٹ، ابھار اور آب وہوا کے لحاظ سے یکساں ہے۔ ابھار کے خیال سے اسے دو حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ شمالی حصّے کو کونکن کا ساحل اور جنوبی حصّے کو مالا بار کا ساحل کہتے ہیں۔ کونکن سے مراد علاقے کی وہ پٹی ہے جو گھاٹ کے نیچے دمن گنگا کے جنوب سے شمال میں کنارا تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہ پٹی بیس سے پچاس میل تک چوڑی ہے۔ اس کے درمیان پہاڑیاں اور چوٹیاں بھی حائل ہیں جو گھاٹ سے سمندر تک چلی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی ندیاں ہیں جو برسات کے موسم میں بہت تیز بہتی ہیں اور خطرناک شکل اختیار کرلیتی ہیں۔ یہ ندیاں موسم گرما میں خشک ہو جاتی ہیں۔ سالانہ سیلاب اور تیز بہاؤ کی وجہ سے ان کے دہانوں پر کھاڑیاں بن گئی ہیں جو گہری ہونے کے باوجود مدّوجزر سے بھی متاثر ہوتی ہیں۔ یہ آبی آمدورفت کے خیال سے بہت اہم ہیں۔ مغرب کی جانب بہنے والی یہ چھوٹی چھوٹی ندیاں جنوب بعید میں بہت چوڑی ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک ندی شراوتی پہاڑوں سے آٹھ سو پچاس فیٹ نیچے گر کر گیرسوپا آبشار بناتی ہے۔ اس طرح ساحلی میدان میں آمدورفت بہت مشکل ہے لیکن جہاں میدان چپٹا ہے وہاں یہ بہت سرسبز وشاداب ہے اور چاول کی بیش قیمت فصلیں پیدا کی جاتی ہیں۔

مالا بار کا ساحل کونکن ساحل سے کئی لحاظ سے مختلف ہے۔ یہاں گھاٹ سمندر سے بہت پیچھے ہٹے ہوئے ہیں اور ساحلی پٹی زیادہ چوڑی ہے۔ پال گھاٹ درّے کی موجودگی نے اس علاقہ کو مکمل طور پر الگ ہونے سے بچالیا ہے۔ پال گھاٹ درّے کی وجہ سے کرناٹک کے میدان سے مالا بار تک بہ آسانی آمدورفت ممکن ہے۔ یہاں بمبئی کی طرح سیدھی اور لمبی ساحلی پٹی نہیں ہے بلکہ سمندر اور ساحل کو منقسم کرنے والی لکیر کے درمیان دراڑیں ہیں جن میں سمندر کا پانی بھرا رہتا ہے۔ اس طرح مالا بار ساحل کا حسن بھی نرالا ہے۔ بعض دراڑیں کافی لمبی اور ساحل کے متوازی ہیں جن کی بنا پر شمال سے جنوب تک آمدورفت ممکن ہے۔ سمندر کی جانب گھاٹ کے ڈھلان میں چائے، کافی، الائچی اور سنکونہ کی کاشت کی جاتی ہے۔ اس علاقہ میں خودرو جنگلات پائے جاتے ہیں

جو تجارتی نقطۂ نظر سے بہت اہم ہیں۔ ان میں بانس ساگون اور آبنوس کے درخت بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔

نچلا میدان جو سمندر کے کنارے کنارے پورے مغربی ہندوستان میں کاٹھیاواڑ کے بلند حصّہ زمین سے راس کامورن تک پھیلا ہوا ہے۔ عہد وسطیٰ میں یہ ہندوستان کی دولت سے مالا مال تھا اور اسے ہندوستان کی طاقت سمجھا جاتا تھا۔ یہ آج بھی بہت زرخیز ہے۔ پرانے بندرگاہ اور کارخانے (عربی پرتگالی اور ڈچ) ساحل پر جگہ جگہ قایم تھے۔ مالابار کے تاڑ کے درختوں کے جھنڈ میں اس زمانہ کے بہت سے آثار باقی ہیں جب یہ ساحل مشرقی تجارت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ تاریخ کی یہ انتہائی دلچسپ بات ہے کہ جس وقت یہ علاقہ بقیہ ہندوستان سے سیاسی طور پر الگ تھا اس وقت اس کا بیرونی اقوام مثلاً رومی سلطنت والوں عربوں، چینیوں، پرتگالیوں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ سرگرم رابطہ قایم تھا۔

مشرقی گھاٹ اور خلیج بنگال کے ساحل کے درمیان نشیبی علاقہ مہاندی سے راس کامورن تک پھیلا ہوا ہے۔ ساحل کی یہ پٹی شروع میں پچاس سے سو میل تک چوڑی ہے اور جہاں گھاٹ ساحل سے سولہ ڈگری شمال میں پیچھے ہٹ گئے ہیں وہاں یہ پٹی اور بھی زیادہ چوڑی ہو جاتی ہے۔ یہ تمام حصّہ ریتیلا اور ایک تنگ پٹی ہے جس پر چاول کی زبردست کاشت کی جاتی ہے اور کھجور کے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ان کھیتوں کے پس منظر میں جنگلوں سے ڈھکی ہوئی پہاڑیاں گھرے گھرے میں روپوش ہو جاتی ہیں اور کبھی سمندر میں اپنے نکلے ہوئے حصّوں سے اس کے سکوت کو ختم کرتی ہیں۔ اس میں مالا ساحل پر سمندر کے پانی سے بھری دراڑوں کے مانند دلدل پائے جاتے ہیں۔ ندیوں کے دہانے پر ریتیلے کناروں اور پایابی کی بنا پر کسی قسم کے جہاز بندرگاہ کے نزدیک نہیں آسکتے۔ وہ صرف اسی مقام پر لنگر انداز ہو سکتے ہیں جہاں دریا کی لائی ہوئی مٹی کی وجہ سے پایابی نہیں ہے۔ یہ صورت گڈالور اور کوکناڑا میں پائی جاتی ہے اور مصنوعی بندرگاہ بنائے جانے تک مدراس اور وزاگاپٹم میں بھی یہی صورت حال تھی۔

شمالی سرکار کا ساحل جو تاریخ میں گولکنڈہ کے ساحل کے نام سے مشہور ہے بعض معنی میں مغربی ساحل سے مشابہ ہے۔ یہاں بھی مشرقی گھاٹ اور ساحل متوازی ہیں۔ گھاٹ کے کنارے سمندر کے بہت نزدیک ہونے کی بنا پر نشیبی علاقہ کی ایک لمبی تنگ پٹی بن گئی ہے۔ جس میں گھاٹ کے ایک طرف کو نکلے ہوئے حصّے جو دونوں جانب ڈھلواں ہیں سمندر کے اندر داخل ہو کر ابھرتے

ہیں۔ جہاں یہ حصّے ختم ہوتے ہیں وہاں ڈالفن کے ابھرے ہوئے سر کے مانند نظر آتے ہیں۔ گھاٹ پر گھنے جنگل پائے جاتے ہیں اور جہاں زمین کا نچلا حصّہ چپٹا ہے وہاں جھاڑ جھنکاڑ پایا جاتا ہے بہت سے چھوٹے چھوٹے دریا گھاٹ سے نکل کر سیدھے سمندر میں گرتے ہیں۔ اس علاقہ کی اہم خصوصیات میں چلکا جھیل اور گوداوری و کرشنا کے دو بڑے ڈیلٹے ہیں جو کولیر جھیل کو ہم آغوش کیے ہوئے ہیں۔

چھوٹی چھوٹی ندیوں کے عین قرب و جوار کے علاوہ ساحل کی پٹی کا بیشتر حصّہ کنکڑ سے بھرا پڑا ہے۔ یہ حصّہ زیادہ زرخیز بھی نہیں ہے۔ لیکن گوداوری اور کرشنا کے ڈیلٹاؤں میں صورت حال بالکل مختلف ہے۔ وہاں کا پانی بہتر ہے اور ٹریپ علاقہ سے لائی ہوئی لاوا کی کالی مٹی بہت زرخیز ہے۔ ان ندیوں کے دو ڈیلٹا ہیں جو کولیر جھیل کے تین سو مربع میل کے ارد گرد دس لاکھ ایکڑ سے زیادہ علاقہ میں پھیلا ہوا ہے۔ دہانے کے علاقے میں چاول کی کاشت ہوتی ہے اور اس کے علاوہ اور بھی اہم فصلیں مثلاً تمباکو، کپاس، اور گنا پیدا کیا جاتا ہے۔ یورپیوں نے اس ڈیلٹا کے کنارے اپنی نوآبادیاں قایم کیں۔ ڈچ فرانسیسی اور انگریزوں نے اس جگہ اپنی اپنی فیکٹریاں بنائیں۔ لیکن ندیوں کی وہ شاخیں جن کے کنارے یہ فیکٹریاں بنائی گئی تھیں اب ریت اور بڑی مقدار میں مٹی جمع ہو جانے کی وجہ سے خشک ہو گئی ہیں۔

آندھرا کے ساحل پر کولیر جھیل میٹھے پانی کی بہت بڑی اکیلی جھیل ہے جس کے نصف حصّہ میں پانی اور نصف حصّہ میں دلدل ہے۔ ابتداً یہ خلیج کا ہی حصّہ تھا۔ لیکن دوسرا دہانہ بن جانے کی وجہ سے اس کا تعلق سمندر سے منقطع ہو گیا۔ ڈیلٹا ہر سال سمندر میں برابر آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ شمالی کنارے کا ایک سرا جنوبی کنارے کے دوسرے سرے سے مل گیا۔ تاریخ میں کولیر جھیل "کولانو" کے نام سے مشہور ہے اور اس کے سردار سرونا تھاؤں نے آندھرا پردیش کی تاریخ میں نمایاں حصّہ لیا ہے۔

کارومنڈل علاقہ میں جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ مشرقی گھاٹ ساحل سے ہٹ کر نیل گری میں مغربی گھاٹ کے ساتھ مکمل طور پر مل جاتے ہیں۔ ان پہاڑوں سے ہٹتے ہوئے چھوٹے چھوٹے پہاڑ مثلاً جاودی، شیو رائے پچی ملی، وغیرہ ہیں جو مرتفع میدان کی بعض خصوصیات ابھی تک لیے ہوئے ہیں۔ کرناٹک یا تامل کا میدان تیزی کے ساتھ جنوب میں زیادہ چوڑا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ کاویری کے نشیبی علاقہ میں اس کی چوڑائی تقریباً ایک سو ستر میل تک ہو جاتی ہے۔ یہ میدان اپنی بناوٹ

شکل وشباہت، آب وہوا اور تاریخی نقطۂ نظر سے ساحلی میدان کے دوسرے حصّوں سے بالکل مختلف ہے۔ حقیقی معنی میں ہندوستان کا جنوبی حصّہ یہ ہی ہے۔ اس سرزمین پر جنوبی ہندوستان کی تمام عظیم سلطنتوں نے اپنے دارالخلافے قائم کیے" اس ہی علاقہ میں بے شمار مندر ہیں جو مقامی فنونِ لطیفہ کا نمونہ ہیں۔ یہیں پر قریب قریب تاریخ سے قبل زمانہ کی صنعتیں پائی جاتی ہیں" یہاں بہت پرانے زمانہ میں مصنوعی طرز پر آب پاشی شروع کی گئی اور کرور اور تنجور کے درمیان ندی کی زرخیز پٹی میں آب پاشی کے جو طریقے رائج ہیں وہ اسی قدر قدیم ہیں جس قدر کہ خود پیشہ کاشت کاری۔

معاون کتابیں

ایس۔ ایل ہورہ ۔ :۔ آؤٹ لائنس آف فیلڈ سائنسیز آف انڈیا (سائنس کانگریس ایسوسی ایشن)

دی امپیریل گزیٹیر آف انڈیا۔ جلد 1 تا 4 (آکسفورڈ 1909)

ایل۔ ڈبلو۔ لائڈ :۔ دی کان ٹی نینٹ آف ایشیا (میکملن)

سرجے۔ ایچ میکنڈر :۔ دی سب کان ٹی نینٹ آف انڈیا (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا۔ جلد اوّل)

ڈی۔ این۔ واڈیا :۔ جیالوجی آف انڈیا (میکملن)

باب 3

ابتدائی اقوام اور تہذیبیں

نفس مضمون کی نوعیت اور ثبوت۔ قدیم پتھر کا زمانہ۔ اوسط درمیانی اور ادنا پتھر کا زمانہ۔ نیا پتھر کا زمانہ۔ چٹانوں پر مصوری۔ بڑے بڑے پتھروں کا عہد اولیں تاریخ۔ آدمیوں اور نیگری نسلوں کی اقسام۔ حبشی نسل۔ پروٹو آسٹرےلائڈ۔ پروٹو میڈی ٹیرینین۔ میڈی ٹیرینین۔ الپائن۔ آرمینائڈ۔ نارڈک زبانیں۔ ہند آریائی۔ دراوڑ۔ آسٹرو ایشیاٹک۔ مغربی ایشیا میں دراوڑ زبان سے لسانیاتی مشابہت۔ مغربی ایشیا اور جنوبی ہندوستان کے درمیان ثقافتی تعلقات۔ دراوڑی مسائل پر ہیمنڈورف کے خیالات۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جنوبی ہندوستان کے لوگوں میں نسلی امتیاز کے نشانات نمایاں طور پر واضح ہیں۔ جسمانی خیالات سے یہ لوگ پنج میل مجموعہ ہیں۔ انھیں واضح طور پر قدیم ترین زمانے کے مختلف النسلوں کی خارجی آمیزش کا نتیجہ ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس خارجی آمیزش کو الگ الگ بتانے کی جو کوشش حال میں کی جا رہی ہیں ان میں کئی معنوں میں مبہم اور پیچیدہ شہادت پر مبنی ہونے کی بنا پر اختلاف رائے کا ہونا بھی ممکن ہے۔ چنانچہ اس باب کے مواد میں قطعی نوعیت کے باوثوق دعووں کی گنجائش کم ہی ہے۔

ما قبل تاریخ کے زمانہ میں ثقافتی اور نسلی مسائل کے بارے میں تین قسم کی شہادتیں دستیاب ہیں۔ سب سے پہلے ملک کی موجودہ آبادی کے درمیان جسمانی خصوصیات کی واضح تقسیم ہے۔ جسے اگر دوسرے مقامات کے لوگوں کے اسی طرح کی خصوصیات سے با احتیاط رشتہ جوڑا جائے تو لوگوں کے ابتدائی نسب اور ان کے نقل و حرکت کے بارے میں اشارے ملتے ہیں۔ دوسرے زبان کے لحاظ سے طبقات کی تقسیم اور ان کے باہمی تعلقات ہیں۔ یہ اب تسلیم کیا جا چکا ہے کہ زبان

نکا نسل سے کوئی واضح تعلق نہیں ہوتا۔ لیکن ثقافتی تاریخ کے مطالعہ کے لیے مناسب لسانی شہادت کی اہمیت بہت زیادہ ہو سکتی ہے۔ اخیر میں آثار قدیمہ سے متعلق کھدائی کی بنا پر مختلف مقامات پر مختلف زمانہ میں لوگوں کے استعمال میں آنے والے جو اوزار اور برتن حاصل ہوتے ہیں ان کی شکل اور ساخت بالخصوص مٹی کے برتنوں کی شکل اور بناوٹ اور زمین کے نیچے جن مختلف سطحوں پر وہ پائے جاتے ہیں، مقابلہ کرنے پر لوگوں کی نقل و حرکت اور ان کی تہذیب کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔ پرانی قبروں میں آدمیوں کے ڈھانچہ سے جو کچھ بچا کھچا ملتا ہے اس سے کبھی کبھی آبادی کے نسلی اجزا کے امکانات کا پتہ چلتا ہے۔ اس قسم کی ہر ایک شہادت کا مطالعہ مشکل ہے اور اس کی صحیح ترجمانی اور بھی دشوار ہے اور جداگانہ طور پر جو نتائج برآمد کیے گئے ہیں ان میں باہمی ربط قائم رکھنا تو اور بھی زیادہ مشکل ہے۔ اس طرح کا مطالعہ اور باہمی ربط کی تلاش بہ دقت تمام شروع ہوئی ہے۔ چنانچہ ہم تفصیل میں نہ جا کر صرف ان واضح نتائج کو ہی پیش کر سکتے ہیں جو مورخین نے اخذ کیے ہیں۔

جنوبی ہند میں آدمی نے کب سے رہنا شروع کیا؟ گوداوری اور نرمدا کی گھاٹیوں اور شوالک پہاڑیوں کی بلندی پر زمین سے پتھر میں بدلے ہوئے (فاصل) جانور اور پتھر کے اوزار حاصل ہوئے ہیں۔ ان کی جانچ کے بعد اس سوال کا جواب کسی حد تک مل جاتا ہے۔ ان علاقوں میں انسانی زندگی کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ تین لاکھ برس پرانی ہے۔ لیکن کافی لمبے عرصہ تک آدمی اس زمانہ میں رہا جسے قدیم پتھر کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ وہ پتھر کے بے ڈھنگے اوزار استعمال کرتا تھا۔ اور اپنی خوراک کے لیے اپنی ضرورت کے مطابق غلّہ پیدا کرنے کے بجائے اسے جو کچھ بھی حاصل ہوتا تھا کھا لیتا تھا۔ اس کے اوزار سادہ مثلاً ہاتھ کی کلہاڑی اور چیرنے پھاڑنے والے اوزار ہوتے تھے۔ پہلے ان کے پھل کلیکٹونی یا لیولوائسی شکل کے ہوتے تھے۔ لیکن بعد میں پھل اور منبت کاری کے اوزار استعمال کیے جانے لگے۔ قدیم پتھر کے زمانہ میں ہندوستان کی صنعتوں کو درج ذیل حصوں میں رکھا جا سکتا ہے۔ (1) شمال میں (سوہن) کی کانٹے والی صنعت (2) جنوب (مدراس) کے ابے ولو ایشولین کی ہاتھ کی کلہاڑیاں اور (3) ان دونوں صنعتوں کا مروجہ امتزاج۔ اس تقسیم کو بہرکیف کسی ناقابل تبدیل اصول کے تحت نہیں سمجھنا چاہیے۔ مرزاپور (یوپی) کے نزدیک سنگرولی کے علاقہ میں، جھانسی ضلع (یوپی) میں، دیوگرھ، بیتوا کی وادی میں، چتور گڑھ راجستھان کی چمبل گھاٹی میں ضلع کوٹہ، میور بھنج کا علاقہ، گجرات میں ماہی اور سابرمتی کی گھاٹیاں اور جنوب میں کرشنا اور تنگ بھدرا کی وادیوں میں سوہن اور مدراس کے ان دونوں اوزار بنانے کی

روایتوں کے امتزاج کے نشانات دریافت ہوئے ہیں۔ کرنول اور ناگارجن کنڈ میں ہاتھ کی دو دھاری کلہاڑی جو کنکڑ کے اوزار کی طرح تھی اس کی صنعت کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ سوہن کی صنعت سے بھی جس کا پھل لیوو اوائے شکل کا ہوتا تھا قدیم ہے۔ غالب گمان یہی ہے کہ دو دھاری کلہاڑی سوہن کے گنڈاسے کی بہ نسبت زیادہ رائج تھی۔

قدیم پتھر کے زمانہ کو عام طور پر ابتدائی یا ادنا اور بعد میں آنے والے زمانہ کو اعلا پتھر کا زمانہ کہا جاسکتا ہے۔ یہ وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہندوستان میں اعلا پتھر کا زمانہ تھا بھی یا نہیں۔ موویس کے مطابق سوہن کے ترقی یافتہ اوزاروں سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں پتھر کا زمانہ تھا۔ اس کے برعکس جنوبی ہندوستان کے چھوٹے چھوٹے پتھروں سے تیار کی گئی صنعتوں کا تعلق اعلا پتھر کے زمانہ سے نہیں قایم کیا جا سکتا۔ سنیشادری اسے ایک فرضی لیولوسین پھل کی صنعت کا نتیجہ خیال کرتے ہیں۔ اس طرح اعلا پتھر کے زمانہ کو ہندوستان کے پتھر کے زمانہ کی تہذیب کا جانشین نہیں تسلیم کیا جاسکتا۔ جنوب مشرق کے ساحلی علاقہ کی ”ٹیری“ صنعتوں اور کرنول کی گپھاؤں میں بروس فوٹ کی دست یاب کردہ اشیا کی مزید تحقیق اور مطالعہ کے بعد ہی اس مسئلہ پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔

یورپ میں جب کہ اعلا پتھر کے زمانہ کے اوزاروں میں ایسے نفیس پھل دار اوزار شامل تھے جنھیں دباؤ یا چھینی کی مدد سے تیار کیا گیا تھا۔ نیز ہڈیوں وغیرہ پر نقاشی کے لیے منبت کاری کے اوزار استعمال کیے جاتے تھے۔ ہندوستان میں اس طرح کے اوزاروں کا کوئی واضح ذخیرہ کسی جگہ بھی نہیں دیکھا گیا۔ ایس۔ آر۔ راؤ نے ریاست مدھیہ پردیش کے ضلع ریوا میں واقع عطر پہاڑیں چٹانوں کی پناہ گاہوں اور ریتیلے پتھر کے غاروں کے بارے میں حالیہ جو تحقیق کی ہے اس سے متعدد کارخانوں کے قیام کی جگہوں کا پتہ چلتا ہے۔ اِن کارخانوں سے بڑی تعداد میں پھل، بلیڈ پوائنٹس کھرچنے اور سوراخ کرنے والے اوزار اور کبھی کبھی تیروں کے تبر بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ تبر بہت نفیس پتھروں سے مثلاً بلور، عقیق، یشب، چقماق نما بلور سے بنائے جاتے تھے۔ یہ شکل اور عمل دونوں کے خیال سے ان اوزاروں سے مشابہت رکھتے تھے جو مہاراشٹر، مالوہ، اور آندھرا میں پائے گئے ہیں۔ جہاں بیشتر کے بنے ہوئے لوہے کے اوزاروں کی منہد پرتوں پر ان اوزاروں کے بنانے کا تہ بہ تہ مادہ پایا گیا۔ محققین نے اس نئی صنعت کے مختلف نام دیے ہیں مثلاً نو ایشیائی سیریز نو (سلسلہ دوم) درمیانی پتھر

کا زمانہ وغیرہ۔ آثار قدیمہ کے ماہرین ابھی حال میں اسے درمیانی پتھر کا زمانہ کہنے پر متفق ہوئے ہیں۔ ایک جانب نو قدیم پتھر کے زمانہ کی صنعتوں کو ابتدائی پتھر کے زمانہ کی صنعتوں سے اور دوسری جانب چھوٹے چھوٹے پتھروں سے تیار کی جانے والی صنعتوں کو اعلا پتھر کے زمانہ کی صنعتوں سے مخصوص کر کے درمیانی پتھر کے زمانہ کا اطلاق ممکن نہیں کیونکہ ہندوستان میں اعلا پتھر کے زمانہ کے بارے میں کوئی واضح ثبوت نہیں ہیں۔ درمیانی پتھر کے زمانہ میں لوگ دریاؤں کے کنارے اور جنگلوں سے بنی پناہ گاہوں میں رہتے تھے جہاں انھیں اپنے اوزار تیار کرنے کے لیے کچا مال میسّر ہو سکتا تھا۔ وہ شکاری تھے اور زیادہ ترقی یافتہ ہتھیار مثلاً تیر، کمان اور نیزہ استعمال کرتے تھے جیسا کہ ان کے تیروں کے نوکیلے سرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ بارش کے کم ہونے کی وجہ سے ملک جنگلوں سے کم ڈھکا ہوا تھا۔

ہندوستان میں عہد حجری کے درمیانی زمانہ کے بارے میں اتنی وضاحت نہیں کی گئی ہے جتنی کہ یورپ میں۔ چھوٹے چھوٹے پتھروں سے تیار کی ہوئی مصنوعات جنھیں اب اعلا پتھر کے زمانہ کے اوزاروں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بہت دور تک شمالی مغربی سرحد میں جمال گڑھی (پشاور) سے لے کر جنوب مغرب میں سامبہ پورم (ضلع تناولی) اور مغرب میں کراچی (سندھ) سے لے کر مشرق میں سرائے کالا (بہار) تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ان صنعتوں کو صحیح معنی میں عہد حجری کے درمیانی زمانہ کا اسٹیج نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ یہ عہد متاخر حجری اور دھات کے عہد سے کسی حد تک منطبق ہوتا ہے۔ بہرکیف ڈی۔ ڈی کرشنا سوامی کی رائے ہے کہ یہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے مغربی کیسپین کے عہد حجری کے درمیانی زمانہ کے اوزاروں سے مخصوص مشابہت رکھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ مغربی عہد حجری کے درمیانی زمانہ کے اوزاروں کی بنا پر بنائے گئے ہوں کیونکہ ابھی تک برما میں اوزاروں کے تیار کرنے میں یشب، عتیق، کارنلین چقماق، چقاق بلور، بلور، سنگ مورہ اور دوسرے نیم قیمتی پتھر استعمال کیے جاتے تھے۔ اوزار شکل میں پھل، ہلال، مربع اور مثلث نما نوکیلے ہوتے تھے اور پیچ دار نقش کرنے والے اور ایک طرف سے اخیر تک کھرچنے والے ہوتے تھے۔ ان چھوٹے چھوٹے اوزاروں کو مؤثر طور پر استعمال کرنے کے لیے منفرد اوزار یا ایک ساتھ کئی اوزاروں میں لکڑی یا ہڈی کا دستہ لگا رہتا تھا جیسے تیر کا سرا یا ہنسیا کا دستہ وغیرہ۔

فوٹے کی رائے کے مطابق تناولی میں چھوٹے چھوٹے پتھروں سے تیار کیے ہوئے اوزار

اوران ریت کے ٹیلوں میں پتھر میں تبدیل ہوئے دفن پائے گئے ہیں۔ ایک عرصہ تک دبے رہنے کی وجہ سے ان میں سرخ دھبے پڑ گئے تھے۔ زیونر نے 1949 میں ٹیوٹی کورن کے نزدیک چھوٹے پتھروں سے تیار کیے ہوئے اوزار ارضیات کے ایک حصہ میں دریافت کیے جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں بعض بہت ہی قدیم تھے۔ ان حقائق اور نندی کنامااور کھانڈولی سے موصول اس ہی طرح کی شہادتوں کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ چھوٹے پتھروں سے تیار کیے ہوئے اوزار سب سے پہلے عیسیٰ سے قبل آٹھ ہزار اور چھ ہزار سال کے درمیان تیار کیے گئے ہوں گے۔

ہندوستان میں چھوٹے چھوٹے پتھروں سے تیار کی گئی صنعتوں کو دو حصوں میں رکھا جاسکتا ہے۔ (1) مٹی کے برتنوں سے پہلے کی صنعتیں اور (2) ایسی صنعتیں جو مٹی کے برتنوں سے وابستہ تھیں۔ گارڈن نے ان مقامات کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے جہاں چھوٹے پتھروں سے بنائی ہوئی اشیاء دستیاب ہوئی ہیں اس فہرست میں وہ مقامات بھی شامل کرنا ہوں گے جو ابھی حال میں دریافت ہوئے ہیں۔ زیونر اور سنگالیہ نے گجرات کی بالخصوص لنگھناج میں چھوٹے چھوٹے پتھروں سے تیار کی جانے والی صنعتوں کا اور شیشادری نے میسور کی اس ہی قسم کی صنعتوں کا مخصوص طور پر مطالعہ کیا ہے۔ میسور اور دوسرے مقامات سے جو شہادتیں موصول ہوئی ہیں ان کی بنا پر اب قطعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے پتھروں سے تیار کی جانے والی صنعتوں میں بعض دھات کے زمانہ کی صنعتوں کے ہم عصر ہیں۔ ہندوستان کی چھوٹے پتھروں سے تیار کی جانے والی صنعتوں اور جنوبی افریقہ و فلسطین کی صنعتوں میں مماثلت کا مسئلہ بہت دلچسپ ہے گو کہ اس سلسلہ میں ابھی تک کوئی تحقیق نہیں کی گئی ہے یہ کوشش کی گئی ہے کہ چھوٹے چھوٹے پتھروں سے تیار کی جانے والی صنعتوں کو دو درجوں یعنی سمندر کے ساحلی علاقہ اور ملک کے اندرونی حصہ میں رکھا جائے۔ سمندر کے ساحلی علاقے کی صنعتیں اندرون ملک کی صنعتوں کے مقابلہ میں شاید زیادہ قدیم، سادہ اور ادھوری ہیں لیکن ان کی شکلیں مختلف اور بڑی بھی ہیں۔ البتہ ایک قسم کا اوزار جو واضح طور پر اندرون ملک کے اوزاروں میں نہیں پایا جاتا ہے وہ منبت کاری کا اوزار ہے۔ ان اوزاروں کے استعمال کا جہاں تک تعلق ہے انھیں (الف) شکار اور (ب) زراعت سے متعلق درجوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

کاٹھیاوار میں بمقام رنگ پور 1954 سے 1955 میں ایس۔ آر۔ راؤ کے کھدائی کے

بعد مٹی کے برتنوں سے قبل چھوٹے چھوٹے پتھروں سے تیار کی جانے والی صنعتوں کی نچلی حد کا پہلی بار تعین کیا جا سکا ہے۔ عقیق اور یشب سے بنے ہوئے مثلث، مربع چھیدنی اور کھرچنے والے اوزار اور تیر کے سر مخصوص شکلوں میں اس علاقہ سے پائے گئے ہیں جہاں بجری کی ایک پرت کے اوپر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اور اس پر باری باری سے ہڑپا کے زمانہ کے پیشہ ورانہ تہہ نشین مادے کی پرت تھی۔ طبقات الارض کی شہادت کی بنا پر رنگ پور کے چھوٹے چھوٹے پتھروں سے تیار کی جانے والی صنعت کی تاریخ کا تعین تین ہزار برس ق۔م کہا جا سکتا ہے۔ اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مٹی کے برتنوں سے قبل چھوٹے چھوٹے پتھروں سے تیار کی جانے والی صنعت کی تاریخ چھ ہزار اور تین ہزار برس ق۔م کے درمیان ہے۔

لنگھناج کی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ چھوٹے پتھروں سے بنائے ہوئے اوزار استعمال کرتے تھے۔ وہ ریت کے اونچے ٹیلوں پر رہتے تھے جہاں سے سیلابی جھیلیں دکھائی پڑتی تھیں۔ آب و ہوا آج کے نسبتاً زیادہ تر تھی اور ریت کے ٹیلے پچھلے خشکی کے دور میں قایم ہوئے تھے۔ ان لوگوں کا خاص پیشہ شکار کھیلنا اور مچھلیاں پکڑنا تھا۔ یہ لوگ مویشی نیل گائے، ہرن اور دریائی گھوڑا، نیولا، مور، چوہے اور مچھلیوں کا گوشت کھاتے تھے اور پھل دار بیورن اور نوکیلے اوزار یا تو منفرد یا مجموعی طور پر اپنے شکار کرنے، مچھلیاں پکڑنے اور جانوروں کو چیرنے پھاڑنے کے لیے استعمال کرتے تھے لنگھناج میں کھدائی کے بعد انسانی ڈھانچے کے لمبے پتلے پیر دستیاب ہوئے ہیں۔ ان سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ شکاری اور مچھلیاں پکڑنے والے گروپ کے تھے یہ اپنے مردوں کو شمال سے جنوب کی جانب موڑ کر دفن کرتے تھے۔ نسلی اور جسمانی طور پر یہ کافی لمبے ہوتے تھے۔ ان کا سر لمبا اور نیچے کا ہونٹ کسی قدر آگے کی جانب نکلا ہوا تھا۔ یہ لوگ مصر کے حامی خاندان کے لوگوں کی یاد دلاتے ہیں۔ یہ لوگ مٹی کے برتن بنانا جانتے تھے لیکن اس کا علم نہیں کہ اناج خواہ خودرو ہی کیوں نہ ہو استعمال کرتے تھے یا نہیں۔ چھوٹے چھوٹے پتھروں سے تیار کی جانے والی صنعت کی تاریخ کا تعین بعد میں آنے والے پتھر کے زمانہ میں کیا جاتا ہے۔

یہ قابل غور ہے کہ چھوٹے پتھروں کے زمانہ کے لوگوں کا تعلق پالش دار پتھر کی کلہاڑی سے بتایا جاتا ہے۔ یہ بات ریاست میسور میں برہم گری کی کھدائی سے جو بہت احتیاط سے کی گئی ہے ثابت ہو جاتی ہے۔ یہ مقام اس خیال سے اور بھی اہم ہے کہ یہاں کھدائی کے بعد پتھر کی کلہاڑی کی تہذیب میں اور ابتدائی تاریخی تہذیب میں تسلسل پایا جاتا ہے۔ اس بارے میں مزید احتیاط

کے ساتھ تحقیق کی ضرورت ہے کہ ہندوستان میں پرانے پتھر کے زمانہ سے نام ونہاد درمیانی پتھر کے زمانہ اور بعد کے پتھر کے زمانہ میں کہیں یہ تسلسل ٹوٹا بھی کہ نہیں۔ یورپ اور دوسرے مقامات میں یہ تسلسل برقرار رہا جب کہ پتھر کے اوزاروں کو گھس کر اور پالش کرکے تیار کرنے کا ہنر سب کو معلوم تھا۔ اور جانور پالنا اور پودے لگانا بھی جانتے تھے اور درمیانی پتھر کا زمانہ پہلے پتھر کے زمانہ میں مدغم ہو چکا تھا۔ خوراک اکٹھا کرکے کھانے سے خوراک کے لیے غلّہ پیدا کرنے کا عظیم انقلاب جو نئے پتھر کے زمانہ کی خصوصیت مانا جاسکتا ہے ایک طویل عبوری دور تھا۔ فلسطین میں ہڈی کے دستے سے جڑے ہوئے چھوٹے چھوٹے پتھر کے زمانہ کی ہنسیا کے جو پھل دریافت ہوئے ہیں، اُن میں ایک خاص چمک ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا استعمال گھاس اور پودے کے کاٹنے میں ہوتا تھا۔

ہندوستان میں نئے پتھر کے زمانہ کی پیچیدگیوں کو ترتیب دینا بہت مشکل ہے۔ ان پیچیدگیوں کے بارے میں زیونر نے صحیح اشارہ کیا ہے۔ ہمارے کھدائی کے مقامات سے پودے لگائے جانے کے زیادہ ثبوت نہیں ملتے۔ اگر خودرو اور گھریلو پودوں میں امتیاز کرنے کے پیش نظر کھدائی سے حاصل کردہ انسانی پنجروں کا مطالعہ کیا جائے تو اس معاملہ پر کافی روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔ بلاری، میسور، حیدرآباد، اور دکن کے دوسرے حصّوں سے نام ونہاد نئے پتھر کے زمانہ سے متعلق کھدائی کے بعد بڑی مقدار میں پالش دار کلہاڑیاں اور بسولے اور چھینیاں ملی ہیں۔ چونکہ ان اوزاروں کے لیے کچّا مال اُن ٹریپ خندقوں میں ملتا ہے اس لیے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان اوزاروں کے استعمال کرنے والے لوگوں کے ریتیلے مقامات اور ان کی بستیاں بھی اِن خندقوں کے قرب وجوار میں ہوں گی، ابھی تک کھدائی بعض اہم مقامات تک ہی محدود رہی ہے مثلاً شمالی میسور میں سنگن کلّو، مسکی اور برہم گری، جنوبی میسور میں ٹی نرسی پور، آندھرا میں اُتنور، پیکلی ہل اور ناگارجن کونڈ اور کشمیر میں برزاہوم کی کھدائی کی گئی ہے۔ برہم گری میں مٹی کے برتن اور ایک بنجر پرت کی موجودگی کی بنا پر پالش دار پتھر کی کلہاڑی کی تہذیب کی دو صورتوں کا پتہ چلا ہے۔ اس تہذیب کے بانیوں کو صرف نئے پتھر کے زمانہ کی پالیشی دار پتھر کی کلہاڑی اور چھوٹے چھوٹے پتھروں کے اوزاروں کی ہی واقفیت نہ تھی بلکہ وہ تانبے اور کانسے کے بارے میں بھی کسی حد تک واقفیت رکھتے تھے۔ اس تہذیب سے متعلق برہم گری اور سنگن کلّو میں مٹی کے برتن حاصل ہوئے ہیں جو ہندوستان کی ابتدائی

تہذیب کے مطالعہ کے سلسلہ میں طالب علم کے لیے بے حد اہم ہیں۔ سنگن کلّو کی کھدائی میں نئے پتھر کی کلہاڑیاں چھوٹے چھوٹے پتھروں سے تیار کی جانے والی ایک نفیس صنعت، پیلے، بھورے فن کوزہ گری کے جو نمونے حاصل ہوئے ہیں وہ یقینی طور پر برہم گری تہذیب کی حاصل شدہ نمونوں سے قدیم ہیں۔ انھیں عیسیٰؑ سے ایک ہزار قبل یا اس سے بھی پہلے کا مانا جا سکتا ہے۔ سوبارا ؤ نے اسے "حقیقی نئے پتھر کے زمانہ کا سامان" بتایا ہے۔

ناگارجن کونڈ کی وادی میں نئے پتھر کے زمانہ کی ایک برادری رہتی تھی جس کے پاس کلہاڑی کی طرح کے اوزار نیز دوسری شہادتوں کی بنا پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھونڈے طریقہ پر کھیتی کرنا جانتی تھی۔ اس مقام کی نئے پتھر کے زمانہ کی تہذیب سنگن کلّو کے اعلامعیار (دو۔ ایک) اور برہم گری اوّل (الف۔ ب) کی تہذیب کے ہم زمانہ تھی۔ کے۔ وی۔ سوندر راجن کی کھدائی کے بعد سطح پر اوزار کی طرح کی جو چیزیں ملی ہیں، ان میں کلہاڑیاں، ترائی کا ایک اوزار، بجیٹر، بسولے، کدال چھینی اور ہتھوڑے شامل ہیں۔ ان میں پک ہو (بیلچہ) یا پک چیزل (کھرچنے کے لیے چھینی جن کے دونوں طرف دھار سی ہوتی تھی۔ مخصوص طور پر نمایاں ہیں اگر چہ اس وادی میں نئے پتھر کے زمانہ کی تہذیب کے قیام کی مدت کا تعین ممکن نہیں ہے لیکن پتھر کے نئے زمانہ کے کچھ بعد کے زمانہ کی چیزوں کے ساتھ لوہے کے کھنگھر کا پایا جانا ایک نئی تہذیب کی مداخلت کا اشارہ کرتا ہے جو برہم گری کی تہذیب کی مطابقت سے بڑے بڑے پتھروں کے استعمال کے زمانہ کی تہذیب کہی جا سکتی ہے۔

ضلع میسور میں واقع ٹی سرسی پور میں جو کھدائی کی گئی ہے اس سے نئے پتھر کے زمانہ کی جو چیزیں دست یاب ہوئی ہیں ان میں موٹی صیقل کیے ہوئے بھورے رنگ کے برتن اور ٹریپ چٹان کی بنی ہوئی پالش دار کلہاڑی بہت نمایاں ہیں۔ ان کلہاڑیوں کے ایک سرے پر کاٹنے والی دھار ہے اور دوسرے سرے پر دستہ ہے مغربی ہندوستان سے پتھروں پر نقش ونگار بنانے کے طریقہ کی ابتدا کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ نئے پتھر کے زمانہ کی اشیا کے ساتھ ساتھ ہلکے صیقل کیے ہوئے بھورے برتن پائے گئے ہیں۔ جن کے سرے بھال کے پیالوں کی لال بادامی رنگ سے رنگے ہوئے تھے۔ ٹونٹی دار پیالے بھی ملے ہیں جو نواسا کے پیالوں کے مانند ہیں۔ بہر کیف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ تانبے کے استعمال کے کوئی نشانات نہیں پائے گیے۔ ان مقامات پر مردوں کے دفن کرنے کا طریقہ غیر معمولی خصوصیت کا حامل ہے۔ مردے کو مشرق سے مغرب کی جانب رکھتے تھے۔ اس کے

ہاتھ پیر دو پر ہوتے تھے۔ قبر کے سامان میں ہاتھ سے بنے ہوئے دو دھیا رنگ کے برتن ایک کم گہرا پیالہ ہوتا تھا جس میں ٹونٹی لگی ہوتی تھی۔ گردوں کے آرام کے خیال سے مٹی کے برتن رکھے ہوئے پائے گئے۔

نئے پتھر کے زمانہ میں لوگوں کے رہن سہن سے متعلق اہم ترین شہادت کشمیر میں برزاہوم سے موصول ہوئی ہے۔ خزانچی نے نئے پتھر کے زمانہ میں لوگوں کے پیشہ کے بارے میں دو مدتیں مخصوص کی ہیں۔ پہلی مدت میں رہنے کے لیے گڈھے ہوتے تھے جو اوپر سے تنگ مگر نیچے کا حصہ چوڑا ہوتا تھا ان میں آنے جانے کے لیے زینہ ہوتا تھا۔ غالباً سیڑھیاں بھی استعمال کی جاتی تھیں کیونکہ زینہ گہرائی کے ایک ہی حصہ تک پہنچ سکتا تھا۔ فرش چپٹا ہوتا تھا اور دیواریں مٹی سے لپی ہوتی تھیں۔ دھوپ کے دنوں میں ان گڈھوں کے رہنے والے کھلے میدان میں رہتے تھے۔ جیسا کہ گڈھے کے فرش کی نچلی سطح پر سامان یک جا کرنے کے گڈھوں اور آتشدانوں سے معلوم ہوتا ہے۔ گڈھوں پر کبھی کبھی ضائع ہونے والے سامان سے چھت بناتے تھے جو گڈھے کو ڈھک لیتی تھی۔ دوسری مدت میں گڈھے ڈھکے ہوتے تھے اور فرش کے طور پر استعمال کیے جاتے تھے۔ سوراخوں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ کسی ضائع ہونے والے سامان سے گڈھوں کے اوپر کوئی منزل تعمیر کی جاتی تھی۔ پالش کی ہوئی کلہاڑیوں کے علاوہ فصل کاٹنے والے اوزار پالش کرنے والی چیزیں، پیسنے والی چیزیں، چھینیاں، گرز کے پتھر کے موٹھ، خنجر کی نوکیں، سوجے، چھینیاں، سوئیاں، ہڈیوں کے ہاریوں اور بارہ سنگھے کے سینگ پہلی اور دوسری مدت دونوں میں دیکھے گئے ہیں۔ نئے پتھر کے زمانہ کی تہذیب کے بعد تیسری مدت میں بڑے بڑے پتھروں کی تہذیب آئی۔ نئے پتھر کے زمانہ میں اُتنور میں جو چیزیں برآمد ہوئی ہیں۔ ان میں چودہ کاربن کی تاریخ دو ہزار برس قبل مسیح ہے۔ جب کہ برزاہوم میں دریافت شدہ چیزوں کی تاریخ سترہ سو برس ق۔م ہے۔ اس بنا پر ہم گری پتھر کی کلہاڑی کی تہذیب ایک ہزار ق۔م سے پہلے ہونا چاہیے۔ یہ بھی یقینی امر ہے کہ نئے پتھر کے زمانے کے لوگ شمالی دکن کے لوگوں سے جو ہڑپا کی تہذیب کے بعد پتھر پر نقش ونگار بنانے کی تہذیب کے زمانے میں تھے رابطہ رکھتے تھے۔ مونڈھے والی کلہاڑی کے مسئلہ کو نوکیلے کندے والی کلہاڑی سے نہیں شامل کرنا چاہیے بہت ممکن ہے کہ وہ آسٹرک لوگوں تک ہی محدود رہی ہو۔ جو ہند چین اور ملایا کے جزیرے نما کی تہذیب سے زیادہ وابستگی رکھتے تھے۔

جزیرہ نما ہند کی چٹانوں پر مصوری کی تاریخ کے متعلق کسی زمانہ میں خیال کیا جاتا تھا کہ وہ پتھر

کے زمانے سے بھی قبل کی ہے۔ لیکن حالیہ تحقیقات کی بنا پر اسے بعد کے زمانہ کا بتایا جاتا ہے۔ جب لوہے کا استعمال عام ہو چکا تھا مہادیو پہاڑیوں پر مشرق میں تامیا سے لے کر مغرب میں سیونی مالوہ کے ٹھیک جنوب تک ایسی بے شمار تصویریں حاصل ہوئی ہیں۔ ان میں جدید ترین کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ ان کا تعلق دسویں صدی عیسوی سے ہے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ ان میں سے کوئی بھی تصویر ساتویں صدی ق۔م سے پہلے کی ہو۔ بہر کیف یہ غور طلب ہے کہ ضلع ریوا میں عطر پہاڑ پر چٹانوں کی دس پناہ گاہوں میں سے جن کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ ان میں پیشینہ قدیمی مادہ دفن ہے لیکن جن کی ابھی تک کھدائی نہیں کی گئی ہے تین پناہ گاہوں سے ایس۔ آر۔ راؤ نے متعدد دھاری دار بیج دان، دوطرفہ پھل، تیر کا ایک سرا اور ایک نوک جو سب کے سب عقیق اور بلور کے بنے ہوئے تھے حاصل کیے۔ تصویروں میں جنگلی گدھا، جنگلی بھینسا، گھوڑا نیل گائے، کتا اور ہرن دکھائے گئے ہیں۔ کچھ آدمی بھی کھال کا نصف دامن پہنے دکھائے گئے ہیں۔ قدیم پوشاک، ہتھیار اور چھوٹے چھوٹے پتھروں کے اوزار جو ان غاروں کے فرش پر ڈھیر کی شکل میں حاصل ہوئے ہیں ان کی بنا پر راؤ صاحب ان تصویروں کے بارے میں یہ خیال کرنے پر مجبور ہیں کہ ان تصویروں کو چھوٹے چھوٹے پتھروں کے زمانہ کے لوگوں نے بنایا جو ان غاروں میں رہا بھی کرتے تھے۔ ریاست رائے گڑھ (مدھیہ پردیش) میں سنگھن پور اور کبرا پہاڑ کی چٹانوں کی تصویروں کا تعلق مہادیو پہاڑیوں کی ابتدائی تصویروں سے بتایا جاتا ہے۔ شاید یہ چھوٹے چھوٹے پتھروں کے زمانہ میں تیار کی جانے والی بعض اشیا کے ہم زمانہ ہیں جو بالکل قریب میں پائی گئی ہیں۔ یہی بات دریائے سون کی وادی میں پائی گئی اور یہی بات پناہ خانوں مصوری اور سنگتراشوں سے بنی ہوئی اشیا پر عائد ہوتی ہے۔

ٹی نرسی پورا اور پکلی ہل (آندھرا) دونوں جگہوں پر پائے جانے والے برتنوں پر نقش و نگار پائے گئے ہیں۔ یہ برتن کالے یا لال رنگ کے دھبے دار تھے۔ اس نئی صنعت پر ہڑپا تہذیب کی ابتری کے زمانہ کے برتنوں کا زبردست اثر پڑا ہے۔ یہ برتن گجرات میں بمقام لوتھال اور رنگ پور میں پائے گئے ہیں۔ نرمدا تاپتی اور گوداوری کی وادیاں اس صنعت کے مخصوص مرکز معلوم ہوتے ہیں۔ جنوب میں نئے پتھر کے زمانہ کی آبادیوں میں پتھر کی کلہاڑی اور پالش دار بھورے برتنوں کا استعمال اس وقت بھی کیا جاتا تھا جب کہ تانبے اور رنگے ہوئے برتن استعمال میں داخل ہو چکے تھے۔

اخیر میں بڑے بڑے پتھروں کے استعمال کے زمانہ کی صنعتیں کچھ ایسے مسائل پیش کرتی ہیں جن کا اطمینان بخش جواب ابھی تک نہیں مل سکا خیال کیا جاتا ہے کہ ان کا قیام سو برس سے زیادہ رہا اور اس صدی کے شروع میں آدیچنالور (ضلع تنادلی) پیرامبیر اور نیلگری میں کچھ تحقیقات بھی کی گئیں۔ لیکن تحقیقات کا کام جاری نہیں رکھا گیا۔ ابھی حال میں صرف 1945 سے آثار قدیمہ کے محکمے نے ان پرانی یادگاروں پر باقاعدہ کام شروع کیا ہے۔ ضلع چنگل پٹ اور اس کے مفصل علاقے پوڈوکوٹائی اور کوچین میں تفصیل کے ساتھ زمین کا سروے کیا گیا ہے اور کھدائی کے بعد قدیم دور کی چند چیزیں برآمد بھی ہوئی ہیں۔ ان علاقوں سے جو اشیا برآمد ہوتی ہیں ان میں ہر ایک بظاہر بڑے پتھروں کے زمانہ کے تہذیبی سلسلے سے متعلق ہے۔ پہلے مُردوں کو کھلے میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ تاکہ ان کا گوشت و پوست ختم ہو جائے۔ اس کے بعد ان کی ہڈیوں کو اکٹھا کیا جاتا تھا اور مختلف طریقوں سے مثلاً سنگین تابوت جن میں پائے بھی ہوتے تھے مٹکوں اور گڑھوں میں یا پتھر کے تابوت میں جس میں روشن دان بھی ہوتے تھے دفن کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ہڈیوں کو گولائی کے ساتھ کٹی ہوئی چٹانوں کے تہ خانوں میں دفن کیا جاتا تھا جس کے وسط میں کبھی کبھی ایک ستون بھی ہوتا تھا۔ (مغربی ساحل پر یہ تہ خانے مخصوص طور پر پائے جاتے تھے) تفصیلات میں پڑ کر ہم دیکھتے ہیں کہ لوہے کے اوزار اور سیاہ و لال رنگ کے پالش کیے ہوئے مٹی کے برتن عام طور پر ہر جگہ پائے جاتے تھے۔ یہ یادگاریں بلاشبہ اونچی چٹانوں پر پائی گئی ہیں جو کاشتکاری کے لیے بیکار ہیں۔ لیکن کئی پہاڑی یا آبپاشی کے تالاب کے پہلو بہ پہلو قابل کاشت زمین کے نزدیک ہوتی ہیں (شری نواس اور بینرجی) یہ شاید جنوبی ہند میں سینچائی سے چاول کی کاشت کی شروعات تھی۔

میسور میں برہم گری، رائچور میں ساکی، کیرل میں پور کالم، چنگل پٹ میں سینور، امرت منگلم اور کُنراتور مقامات پر جو ثبوت ملے ہیں ان کی بنا پر تین سو ق۔م اور پہلی صدی عیسوی کے درمیان جنوب میں لوہا استعمال کرنے والوں نے اس تہذیب کو شروع کیا ہوگا اور برہم گری پر پہلی بار قبضہ کرنے کی تاریخ آٹھ سو ق م۔ ہوگی۔ بڑے بڑے پتھروں کے زمانہ کی تہذیب کے آغاز کی تاریخ بہر کیف بہت بعد کی بتائی جاتی ہے۔ گارڈن نے یہ تاریخ سات سو اور چار سو برس ق۔م کے درمیان بتائی ہے، یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ یہ تہذیب اور قدیم ہو۔

جنوبی ہندوستان میں بڑے بڑے پتھروں کے زمانے کے بہت سے نشانات ہیں۔ دنیا کے دو بڑے حصے مثلاً بحر روم، بحر اوقیانوس اور ایران میں کوہ قاف کے سرحدی علاقے جہاں بڑے بڑے پتھروں کے استعمال کرنے کے نشانات پائے گئے ہیں۔ ان میں صرف مماثلت ہی نہیں،

بلکہ قربی تعلق کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یورپ کی یادگاروں میں پتھر کے زمانہ کے اوزار ملے ہیں جن کی بنا پر ان کی تاریخ کا تعین تقریباً دو ہزار برس ق۔م کیا گیا ہے۔ اور کوہ قاف کے علاقے میں تاریخ سے قبل ڈولمینوں کی تاریخ کسی قدر بعد کی پندرہ سو برس عیسیٰ سے قبل بتائی جاتی ہے۔ ایران اور ہندوستان کے درمیان ایک ایسا وسیع میدان بھی واقع ہے جس میں بڑے بڑے پتھروں کے استعمال کے کوئی واضح نشانات نہیں پائے جاتے ہیں تو دوسرے مقامات بالخصوص ہندوستان میں یہ تہذیب ملک کے اندرونی مقامات میں بھی داخل ہوگئی تھی اور اس سلسلہ میں صرف لوہے کے اوزار ملتے ہیں۔ تاریخ اور مکانی وقفہ بہت زیادہ ہونے کے باوجود گارڈن چائیلڈ کا کہنا ہے کہ سیالک ب (ایران کی قبریں) کو مغرب، کوہ قاف فلسطین اور ہندوستان کے ڈولمینوں کے ساتھ رشتہ قایم کرنے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے، کیونکہ انھیں بھی سوراخ اور پتھر کی سلوں کے ذریعہ داخل کیا گیا ہوگا۔ وہ مزید کہتے ہیں" لیکن وہ جزیرہ نما کے جنوب میں ایسے علاقوں میں زیادہ تر پائے جاتے ہیں جہاں خشکی کے راستے سے ایران کا اثر نہیں پڑا ہوگا۔ بلکہ بحری راستے سے ضرور پڑا ہوگا۔ اگر ان کی موجودگی پر مغرب کا اثر معلوم ہوتا ہے تو یقینی طور پر یہ اثر بحری راستے کے ذریعہ آیا ہوگا۔

کاٹھیاوار میں بمقام امریلی بڑے بڑے پتھروں کے مساروں سے متعلق دلچسپ شہادت حاصل ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تہذیب نے اُن لوگوں کو بھی متاثر کیا جو اپنے مُردوں کو جلانے میں یقین رکھتے تھے۔ امریلی میں جس وقت 1953 میں کھدائی جاری تھی تو ایس آر۔ راؤ کو ایسے متعدد ثبوت ملے جن میں لوگوں کو جلانے کے بعد دفن کیا گیا تھا۔ ان کی قبر کے چاروں طرف گول گھیرے تھے اور قبر پتھر کے روڑوں سے اونچی بنی ہوئی تھی۔ بالکل یہی صورت جنوبی ہند کے گڈھے کے گول گھیروں میں پائی جاتی ہے۔ اس طرح ہم یہاں پر پہلی بار بڑے بڑے پتھروں سے بنی ہوئی یادگاریں پاتے ہیں جنھیں دوسری یا تیسری صدی عیسوی میں جسم کے بچے کھچے حصّوں کے تحفّظ کے لیے اپنایا گیا تھا۔ یہ اس وقت بتانا مشکل ہے کہ امریلی کے لوگوں نے دفن کرنے کے اس طریقے کو ہند، ایران کی سرحد پر سنگی قبر بنانے والوں اور لوہا استعمال کرنے والوں سے یا جنوبی ہند کے بڑے بڑے پتھر کے مساروں سے حاصل کیا۔ امریلی میں گڈھے کے گول گھیروں میں لال پالش کے برتن، تیروں کے لوہے کے سرے اور چاقو کے علاوہ صدف کی چوڑیاں اور تھوڑی مقدار میں انسان کی جلی ہوئی ہڈیاں بھی حاصل ہوئی ہیں۔

ضلع تناولی کے آدی چنل لور میں مردہ دفن کرنے یا گھڑے میں رکھ کر دفن کرنے کے ایک اور قسم کے نشانات بڑی تعداد میں ملے ہیں۔ لیکن انھیں گولائی میں باندھے یا دوسرے نشانات نہیں ہیں جو بڑے بڑے پتھروں کے زمانہ میں پائے جاتے تھے۔ اگرچہ انھیں بڑے بڑے پتھروں کے زمانہ کی یادگاروں کے دائرے میں شامل نہیں کیا جاسکتا پھر بھی ان کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کا تعلق ضرور تھا کیونکہ ان دونوں میں لوہے کے اوزار، کالے اور لال برتن اور لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دفن کرنے کا طریقہ عام تھا۔ ان دونوں میں اہم اختلاف بھی پائے ہیں۔ آدی چنل لور کے مٹی کے برتن بڑے بڑے پتھروں کے زمانے کے برتنوں کے مقابلے میں جو کھدائی کے مقامات سے حاصل کیے گئے ہیں زیادہ قدیم ہیں۔ یہاں پر کانسی کے برتن، سونے کے تاج یا منہال بھی حاصل ہوئے ہیں۔ جو جنوبی ہند میں کسی اور جگہ نہیں پائے جاتے لیکن عیسیٰ سے بارہ سو برس قبل فلسطین، سیریا، اور سائپرس میں اس ہی نظریہ کی متوازی اشیا حاصل ہوئی ہیں۔ فلسطین میں عیمان کے عہد حکومت میں ابتدائی لوہے کے زمانہ کی چیزوں سے ایک خاص سہ شاخہ یا ترشول حاصل ہوا ہے۔ جو آدی چنل لور کے اسی دھات کے بنے ہوئے ترشول کے مانند تھا۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ بڑے بڑے پتھروں کے زمانے کی تہذیب کی ابتدا کسی ایک جگہ سے ہوئی ہوگی تو چائلڈ کے کہنے کے مطابق وہ مشرقی بحر روم کا علاقہ تھا۔ لیکن یہ بتانا مشکل ہے کہ کسی وقت اور کسی شکل میں گھڑے میں دفن کرنے کا طریقہ ڈالمین اور سوراخ دار پتھر کی رسلیں جزیرہ نما ہند میں آئیں۔ لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ لوہا استعمال کرنے والی تہذیب کی ابتدا پہلے پتھر کے زمانہ کی تہذیب سے نہیں ہوئی۔

آدی چنل لور میں جو ثبوت ملے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ مروگان یا ویلن جو زمانۂ قدیم سے تامل لوگوں کا مقبول عام دیوتا تھا اس کی پرستش اس وقت بھی کی جاتی تھی۔ اس دیوتا کا مقبول ہتھیار ویل (ترشول) تھا۔ اور اس کے جھنڈے پر جنگلی مرغ کا نشان ہوتا تھا۔ آدی چنل لور میں لوہے کے ترشول کے علاوہ لوہے کے جھنڈے لگانے کی جگہیں اور کانسی کے بنے ہوئے مرغ بھی ملے ہیں چہرے پر نقاب پہننے کا رواج بھی مروگان کے پرستاروں میں پایا جاتا ہے۔ یہ اپنے دیوتا کی زیارت گاہ پر جو پلینی پہاڑ پر واقع ہے کاوڑی لے جاتے تھے۔ یہ رواج تاریخ سے قبل کے زمانے سے ابھی تک چلا آرہا ہے۔

آدی چنل لور میں لوگ چاول کی کاشت کرتے تھے۔ متعدد مٹی کے پیالے جن میں دھان کی بھوسی تھی اور کانسی کے کٹورے میں چاول تھے پائے گئے ہیں۔

نیلگری میں سمادھیوں پر جو پتھر اور اسٹوپ (جس کے نیچے لاش دفن کی گئی ہو گی) ملے ہیں وہ میدانی علاقہ کے بڑے بڑے پتھر استعمال کرنے کے زمانے کے ان نشانات سے بہ لحاظ بناوٹ اور مٹی کے برتنوں کے خیال سے مختلف ہیں۔ اس جگہ کانسی کے کٹورے اور پیالے پائے گئے۔ ان کے بارے میں رچرڈ کا خیال ہے کہ ان کا نسلی تعلق اُس سونے کے کٹورے سے ہے جو وولے نے اُر میں دریافت کیا ہے۔ آثار قدیمہ کے ابتدائی ماہرین نے ان دونوں میں مشابہت کی اور باتیں بھی دریافت کی ہیں۔ لیکن تاوقتیکہ ان کی تحقیق کی دوبارہ جانچ نہیں کی جاتی اور حالیہ مطالعہ سے اس کی تصدیق نہیں ہو جاتی اس وقت تک اس قسم کے مبہم اور منتشر مفروضات سے نتائج نہیں اخذ کیے جا سکتے۔

ہم اب آبادی کی نسلی ترتیب کے بارے میں مختصر طور پر غور کریں گے۔ ہم نہیں جانتے کہ جنوبی ہندوستان میں قدیم پتھر کے زمانہ کے لوگ کس خاندان کے تھے کیونکہ ابھی تک جزیرہ نما ہند میں اس تہذیب سے وابستہ کوئی انسانی ڈھانچہ دریافت نہیں ہو سکا ہے۔ اتیرم پاکم (چنگل پیٹ) میں پنڈلی کی صرف ایک ہڈی ملی ہے۔ بڑودہ کے واڈ نگر میں 1935 میں ایک چھوٹے آدمی کا ڈھانچہ دستیاب ہوا ہے جس کا قد 30 انچ ہے۔ ہندوستان میں یہ ڈھانچہ قدیم حبشی نسل کے کسی شخص کا ہو سکتا ہے۔ نیگرو لوگ پستہ قد حبشی تھے جو حبشی کی طرح سب سے پہلے افریقہ میں ہی ہوئے اور مشرق کی جانب بڑھتے ہوئے ہندوستان سے گذرے۔ یہ انڈمان کے جزیرے میں پائے جاتے تھے اور ان کا تعلق قدیم پتھر کے زمانہ سے قبل کی تہذیب سے تھا۔ یہ یقین کرنا مناسب ہے کہ قدیم پتھر کے زمانہ کی طویل مدت میں جزیرہ نما ہند کا بڑا حصہ اس قسم کے لوگوں سے آباد تھا۔ پرم بی کلم کے کادروں اور جزیرہ نما کے جنوب بعید میں اینی ملائی پہاڑیوں سے متصل علاقہ کے رہنے والے پولئی ینوں کے لوگ پستہ قد، کم و بیش گول سر اور گھنے بال والے ہوتے ہیں۔ ان سے ابتدائی حبشی قسم کے لوگوں کے اثر کی تصدیق ہوتی ہے ملایا کے سمنگ نام کے حبشیوں کی عورتوں کی بانس کی کنگھیوں پر جو نقش و نگار بنے ہوئے ہیں بالکل ویسے ہی کادروں کی عورتوں کی کنگھیوں پر بنے ہوئے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیمنگ اور کادروں کی ابتداً ایک ہی تہذیب تھی اور نسلی اعتبار سے دونوں ایک ہی گروپ سے تعلق رکھتے تھے جو ہندوستان میں لمبے سر کے لوگوں کے بعد میں آکر ملنے کی بنا پر بدل گئے۔

برہم گری میں بڑے بڑے پتھروں کے زمانہ کے لوگوں کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ یہ قدیم ترین باشندے آسٹرالوئڈ نسل کے تھے جن کا قد کم و بیش اوسط درجہ کا ہوتا تھا۔ درمیانی سر اور چپٹی ناک والے ہوتے تھے جسمانی طور پر یہ مضبوط ہوتے تھے اور ان کے اوپر اور نیچے کے جبڑے بے حد مضبوط ہوتے تھے۔ غالباً یہ تورانی اور ایرانی نسل کے تھے۔ پتھر کی کلہاڑی کی تہذیب کے زمانے کی ایک بچے کی کھوپڑی دست یاب ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیمی باشندے آسٹرالوئڈ تھے۔

لوتھال میں آسٹرے لائیڈ اور ارمی نائڈ لوگوں کی ملی جلی آبادی ہے۔ چنانچہ یہ کہنا مشکل ہے کہ کاٹھیاواڑ میں سندھ گھاٹی کی تہذیب کے اصلی بانی کون تھے۔

اس کے بعد ابتدائی آسٹرے لائڈ لوگوں کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ ان کے سر لمبے۔ آگے کو نکلے ہوئے چہرے، چوڑی چپٹی ناک اور ابرو کی ہڈیاں نمایاں ہوتی تھیں۔ ہندوستان میں ایسی کوئی ابتدائی شہادت حاصل نہیں ہوئی جس کی بنا پر کہا جاسکے کہ یہ لوگ ہندوستان میں پائے جاتے تھے۔ لیکن ہمسایہ ممالک سے ایسے ثبوت حاصل ہوئے ہیں جو اتنے پیچیدہ ہیں کہ یہاں اُن کا ذکر نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس سے اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے کہ وہ ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ موہنجو داڑو میں رقص کرتی ہوئی جس لڑکی کا کانسے کا بُت حاصل ہوا ہے اس میں بلاشبہ ابتدائی آسٹرے لائڈ لوگوں کی جسمانی ساخت کے نشانات ملتے ہیں۔ اس لڑکی کے بال سنوارنے کا ڈھنگ دیکھ کر آج کل کے وسط ہند اور جنوبی ہند کے ابتدائی آسٹرے لائیڈ جنگلی لوگوں کی آرائش کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ عام طور پر ان اجزا سے نام نہاد خارجی ذاتیں قائم ہو چکی۔ اور چنچو، ملے ین، کادر، کرمبوں اور ایرولوں وغیرہ جنگلی لوگوں کی بنیاد ان ہی لوگوں کو مانا جاسکتا ہے۔

تیسری طرح کے لوگ بحر روم کے ابتدائی لوگوں کی قسم سے ہیں۔ ان کا سر اور چہرہ لمبا و پتلا ناک اوسط درجے کی لمبی، لیکن سیدھی یا مڑی ہوئی ہوئی اور گہرے بھورے رنگ کے بال ہوتے ہیں۔ آج کل جنوبی ہند میں دراوڑی زبان بولنے والے لوگوں میں ان کا شمار نمایاں طور پر کیا جاسکتا ہے۔

چونکہ درمیانی پتھر کے زمانے میں اور نئے پتھر کے زمانے میں تسلسل برقرار رہا اس لیے اس نتیجے پر باطمینان پہنچا جاسکتا ہے کہ نئے پتھر کے زمانہ کے لوگ بحر روم کے ابتدائی لوگوں کی نسل سے تھے۔ آدی چنل لور اور دکن کے لوہے کے زمانے کی پتھر کی قبروں کی تہذیب میں بھی ابتدائی بحر روم کے لوگ ہی اہم تھے۔

ایک اور نسل کے بارے میں پتہ چلا ہے جسے بحر رومی کہتے ہیں۔ سندھ گھاٹی کی ملی جلی آبادی میں ان لوگوں کی آبادی زیادہ تھی۔ یہ لوگ چھریرے جسم کے ہوتے تھے۔ چھوٹا اور درمیانی قد، لمبا سر، ابروؤں کی ہڈیاں چھوٹی، انڈا نما چہرہ اور ٹھوڑی نوکیلی ہوتی تھی۔ اس قسم کے لوگوں کے نمونے آج بھی بیشتر اوقات تیلوگو کے برہمن اور کلّروں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اگر ہندوستان میں بحر روم کی قسم کے لوگ ابتدائی بحر روم کے لوگوں سے نہیں پیدا ہوئے بلکہ باہر سے آئے ہوئے لوگ تھے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ نئے پتھر کے زمانے کے بعد کی مدت میں ہندوستان آئے۔

جنوبی ہندوستان کے بعض حصوں میں لمبے سر والے لوگ جو ابتدائی بحر روم اور بحر رومی لوگوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ انھیں چھوٹے سر والے لوگوں نے قابو پالیا ہے۔ یہ سب سے زیادہ مہاراشٹر میں پائے جاتے ہیں۔ اور میسور کے مرتفع میدان سے لے کر تامل ناڈو تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں نے آندھرا پردیش کو بھی کسی حد تک متاثر کیا ہے۔ لیکن کیرل کو اچھوتا ہی چھوڑ دیا ہے۔ ان چھوٹے سر والے لوگوں کی دو مخصوص قسمیں ہیں۔ ایک الپائن اور دوسری ارمینائڈ۔ ارمینائڈ الپائن کی ہی مخصوص قسم ہے۔ الپائنیوں کی ناک سیدھی یا مڑی ہوتی ہے، جبڑا چوکور ہوتا ہے اور سر گول ہوتا ہے۔ یہ لوگ تانبے اور پتھر کے زمانے میں سندھ گھاٹی میں پائے جاتے تھے۔ اور اس وقت گجرات، مہاراشٹر، کُرگ اور کرناٹک میں پائے جاتے ہیں۔

ارمینائڈ لوگوں کا سر چھوٹا ہوتا ہے۔ ناک نمایاں طور پر گول اور راستہ اونچا ہوتا ہے۔ سر گردن کے پچھلے حصے سے اوپر کو اٹھ کر آگے کو نکلا ہوتا ہے۔ ان کا نشو و نما جنوبی مغربی ایشیا میں ہوا۔ یہ خصوصیات ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں جو پامیر اور ہمالیہ کے مغربی پہلو سے لے کر اناتولیا پہاڑوں تک پھیلے ہوئے پہاڑی علاقے پائے جاتے ہیں۔

جنوبی ہندوستان میں ارمینائڈ قسم کے لوگ تامل زبان بولنے والے لوگوں کے درمیان پائے جاتے ہیں لیکن اس قسم کے لوگوں کی ابتدا جنوبی ہند سے نہیں ہوئی ہوگی۔ اس قسم کے لوگ آج کل ایشیا کے وسیع علاقے میں جو پامیر سے لیوانٹ تک پھیلا ہوا ہے پائے جاتے ہیں۔ یہی علاقہ ان لوگوں کا ابتدائی گھر یعنی اس طرح کی خصوصیات رکھنے والے لوگوں کا یہی علاقہ رہا ہوگا۔ کیتھ کا کہنا ہے کہ ایران یا اس کے متصل علاقے سے آرمینائڈ قسم کے لوگ تجارت کے سلسلے میں نقل وطن کر کے خلیج فارس ہوتے ہوئے ہندوستان آئے ہوں گے۔ تامل کے گول سر والے لوگوں کا تعلق دکن، گجرات، سندھ اور ایرانی حدب کے مشرقی حصے کے لوگوں کے ساتھ قایم کیا جا سکتا

ہے جن کے سر گول ہوتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ ایران میں میدانی علاقے کی بہ نسبت بلندی کے مقامات پر زیادہ تر پائے جاتے ہیں۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ ایران کے حدب اور بلندی کے مقامات کے گول سر کے لوگوں اور ہندوستان میں دراوڑ زبان بولنے والے لوگوں کے درمیان تعلق ہے۔ یہ تعلق اس بات سے ظاہر ہوتا کہ ایران میں بلندی کے علاقے کے ابتدائی باشندے کیسپین لوگوں کی تہذیب اور دراوڑ زبان بولنے والوں کی تہذیب میں مشابہت پائی جاتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ آندھرا دیش اور کیرل کے گول سر کے لوگ الپائنیوں اور آرمینا ئڈ کے اثر سے آزاد نہیں یہ اثر آندھرا دیش میں کم اور کیرل میں زیادہ ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ سندھ گجرات اور مہاراشٹر ہو کر آئے اور جنوبی مہاراشٹر سے تامل ناڈو میں داخل ہوئے۔ اگر تعداد کو ہی کسوٹی مانا جائے تو گول سر والے جس کی فی صد آبادی لمبے سر والوں (ابتدائی بحرِ رومی اور بحرِ رومی) کے نسبتاً کم ہے۔ ہندوستان میں بعد میں داخل ہوئے۔ اس کی تصدیق دوسرے خاندان کے سلسلوں سے ہو جاتی ہے۔

آخیر میں لمبے سر والے ایک اور قسم کے لوگ ہیں جنھیں نارڈک کہتے ہیں۔ یہ لوگ جنوبی ہندوستان میں تاریخی دور سے قبل یا ابتدائی تاریخی دور کے بعد کی مدت میں داخل ہوئے ہوں گے۔ میڈی ٹرینین اور نارڈک قسم کے لوگوں کی اصلی رہنے کی جگہ ایک ہی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے سروں میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ لیکن جہاں میڈی ٹرینین لوگوں کا سر چھوٹا ہوتا ہے نارڈک قسم کے لوگوں کا سر بڑا اور بھاری ہوتا ہے۔ جنوبی ہندوستان میں ان لوگوں کا فی صد تناسب چتپون یا کونکنستھ براہمنوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ تامل کے براہمنوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

جنوبی ہندوستان میں ایک اور قسم کے گول سر والے لوگ بھی دیکھے گئے ہیں جو الپائنوں اور آرمینائڈ سے مختلف ہیں۔ اور منگولیا کے لوگوں سے ملتے جلتے ہیں۔ یہ لوگ مشرق میں اڑیسہ سے لے کر مغرب میں مالابار تک بہت کم تعداد میں پائے جاتے ہیں جس کا سبب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ تاریخ کے دور سے قبل بحری راستے سے نقل وطن کر کے ہندوستان آئے ہوں گے۔

جنوبی ہندوستان کی زبانوں کو تین اہم حصوں میں رکھا جا سکتا ہے۔ ہند آریائی زبان جس کی نمائندگی مراٹھی زبان کرتی ہے۔ دراوڑ زبان جس میں تامل، تیلوگو، کنڑ اور ملیالم زبانوں کے علاوہ گونڈی اور دوسری بولیاں شامل ہیں۔ آسٹرو ایشیائی زبانوں میں منڈا زبانیں ہیں جن میں دکن کے شمالی مشرقی علاقوں میں کھریا، جوانگ، سوارا اور گڈبا نیز مدھیہ پردیش

کے شمالی مغربی اضلاع کی کُرُد کی زبانیں شامل ہیں۔ اگرچہ ہند آریائی خزانہ الفاظ پر مُنڈا زبان کا اثر نمایاں ہے لیکن دراوڑ زبان سے جو الفاظ لیے گئے ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ نتیجہ اخذ کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے کہ دراوڑ گروپ کی زبانوں کی ابتدا آسٹرو ایشیائی زبانوں سے نسبتاً زیادہ جدید ہے۔ چنانچہ آسٹرو ایشیائی زبانوں کے لیے عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ دراوڑ زبان سے پہلے کی زبانیں ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی زمانہ میں منڈا زبانیں پورے شمالی ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہوں گی کیونکہ ہمالیہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک یعنی پنجاب سے بنگال تک کے علاقے میں جو متعدد مخلوط زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان سب کی بنیاد یہی زبانیں ہیں لیکن دراوڑی زبانوں نے بھی شمالی مغربی ہندوستان میں ایسے اثرات چھوڑے ہیں جن میں بلوچستان کی براہوی زبان ہے جو ہند آریائی زبانوں کے سمندر میں ایک جزیرے کی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ہند آریوں کی آمدورفت دراوڑ گروپ کی زبانیں شمال مغرب میں بولی جاتی رہی ہوں گی۔ اگر یہ صحیح خیال ہے تو پورے ہندوستان میں سب سے پہلے آسٹرو ایشیائی، پھر دراوڑ اور اس کے بعد ہند آریائی زبانیں رہی ہوں گی۔ فوابرر ہیمنڈراف نے بہرکیف دلائل کے ساتھ اس خیال کی صداقت کے بارے میں شک کیا ہے۔ اس کی رائے ہے کہ دراوڑ زبانیں ہندوستان میں اپنے موجودہ علاقوں سے کبھی باہر رائج نہیں تھیں۔ ان کے بیان کے مطابق بلوچستان میں براہوی زبان بولے جانے کا سبب یہی ہو سکتا ہے کہ مغربی ممالک سے بحری یا بری راستوں کے ذریعے ساحلی علاقوں سے دراوڑ بولنے والوں نے ہجرت کی ہوگی۔

مُنڈا زبانیں آج بھی مدھیہ پردیش کی مہادیو پہاڑیوں کے علاقے میں اور جنوب میں گوداوری تک بولی جاتی ہیں۔ کسی زمانہ میں یہ پورے دکن میں بولی جاتی ہوں گی کیونکہ بھیلی زبان اور مُنڈا زبانوں میں قرابت پائی جاتی ہے۔ یہ وثوق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ زبانیں جنوب بعید تک رائج تھیں یا نہیں۔ البتہ جنوب بعید کے بعض قبائل مثلاً ٹراونکور کے کَکّلون Kakkalan کی زبانیں ان سے ملتی جلتی ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان زبانوں میں کسی حد تک مُنڈا زبانیں شامل ہیں۔

اس بات پر مورخین کے درمیان اختلاف رائے ہے کہ کس مخصوص ذات نے ہندوستان میں آسٹرو ایشیائی زبانیں شروع کیں۔ اس سلسلہ میں مورخین نے ابتدائی آسٹریلائڈ، منگولیوں اور ابتدائی بحر رومیوں کے نام پیش کیے ہیں۔ تاریخ کے دور سے قبل نسل اور

لسانیات کے درمیان باہمی تعلق قایم کرنے پر عارضی طور سے درج ذیل نتائج برآمد کیے جاسکیں گے۔
ہندوستان میں آریائی گروپ کی زبانیں سب سے اخیر میں آئیں۔ اور یہ کہنا مناسب ہو گا کہ یہ زبانیں
نارڈکوں کی تھیں کیونکہ یہی نسل ہندوستان میں سب سے اخیر میں پہنچی لیکن کسی طرح بھی یہ نہیں کہا
جاسکتا کہ ہندوستان میں داخلے کے وقت نارڈک نسل نے کسی دوسری نسل کے اثرات قبول نہیں
کیے تھے۔ انھوں نے اپنے دوران سفر یا میر اور قرب و جوار کے علاقے کے رہنے والے الپائنوں سے ضرور
اثرات قبول کیے ہوں گے۔ قریب قریب اسی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ دراوڑ گروپ کی زبانیں گول
سر والوں بالخصوص آرمینائڈ لوگوں کی رہی ہوں گی جو ہندوستان میں گول سر والوں کے دو خاندانوں
سے پہلے آئے ہوں گے۔ اور آسٹرک زبان بحر رومیوں کی رہی ہوگی۔ دوسری نسلوں کی زبان کے
بارے میں جس کا مذکورہ بالا سطور میں ذکر کیا گیا ہے کوئی واقفیت نہیں ہے۔

دراوڑ زبان اور تہذیب اناتولیہ، ارمینیا اور ایران کے بلند مقامات سے آئی ہوگی۔ یہ
آرمینائڈ قسم کے لوگوں کا علاقہ رہا ہے۔ سندھ گھاٹی میں جو مہریں دستیاب ہوئی ہیں ان کی
تحریر کے بارے میں ابھی اطمینان بخش طور پر واقفیت نہیں حاصل کی جاسکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آریوں
کی آمد سے قبل ہندوستانی تہذیب سے متعلق تمام مسائل کے بارے میں شک کیا جاتا ہے لیکن اس
بات کے اشارے ملتے ہیں کہ عیسیٰ سے تین ہزار اور دو ہزار برس قبل کے درمیان بحر روم سے سندھ
گھاٹی تک جو عظیم تہذیب پھیلی ہوئی تھی اس کا جنوبی ہند کی تاریخ کے دور سے قبل کی تہذیب
کے ساتھ تعلق تھا۔ ایشیائے کوچک کے لائی مینوں نے اپنے کتبوں میں اپنا نام ٹرملائی رکھا
ہے جو تامل زبان کے لفظ ڈرامیلا کے بہت نزدیک ہے جہاں تک ساخت کا سوال ہے سومیرین
اور دراوڑ کے درمیان تعلق کا ذکر کالڈویل نے کیا ہے۔ عام طور پر افغانستان کے قدیم مقامات
ایران کے بالائی علاقوں، دریائے فرات اور دریائے دجلہ کے میدانوں اور عراق کے قدیمی مقامات
کے ناموں کی توثیق دراوڑ ناموں سے ہوتی ہے۔ غیر آسامی اور غیر آریائی لوگ تاریخ کے دور سے
قبل دراوڑ زبان بولتے ہوں گے۔ ہریین اور کیسائٹ (Kesiti) زبانوں میں دراوڑ
زبان کے ساتھ واضح مشابہت ہے۔ ایک مؤرخ نے ایلامائٹ اور براہوی کے درمیان بھی تعلق
بتایا ہے۔ چنانچہ یہ نتیجہ نکالنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام زبانوں کے درمیان کچھ نسلی تعلق
ہے۔ چونکہ ایلامائٹ زبان کا وطن مغربی ایشیا تھا اس لیے یہ ناممکن نہیں معلوم ہوتا کہ دراوڑ یا
ابتدائی دراوڑ زبان اور اس کے بولنے والے بھی دنیا کے اس حصے سے ہندوستان آئے ہوں۔

لسانیات سے متعلق پیش کردہ مفروضات متعدد ثقافتی نتائج کی تصدیق ہیں۔ ہندوستان میں دراوڑوں کی عورتوں میں وراثت کا حق آج تک قائم ہے۔ یہ ایلامائٹ قوم میں بھی رائج تھا۔ ایلامائٹ کیسپین نسل کے لوگوں کی قدیم ترین شاخ تھی۔ پرسی پولیس میں تاریخ کے دور سے قبل سانپ کی پوجا کی جاتی تھی۔ موجودہ زمانہ میں بھی ہندوستان کے جن علاقوں میں دراوڑ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ وہ سانپ کے پجاریوں کا مرکز ہے۔ پہاڑوں پر رہنے والی دیوی ماں کی پوجا اور ہر سال اڑ کے چندر دیو کے ساتھ ان کی شادی کا جشن منانا، پاروتی کی مختلف شکلوں میں ہندوستانیوں کی عبادت سے مشابہ ہے۔ اسی طرح جنوبی ہندوستان کے شِو مندروں میں ہر سال ترک کلیانم (شِو کی شادی) کا جشن بھی اسی سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہ مشابہت دراصل اتنی قریبی ہے کہ براہ راست ثبوت کی عدم موجودگی کے باوجود اسے محض ایک اتفاق تسلیم کر لینا دشوار ہے۔ قدیم سومیریا میں عبادت کا طریقہ اور جنوبی ہندوستان کے مندروں کی تنظیم اور ساخت سے متعلق بہت سی باتوں میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ لیکن ہندوستان میں اعلا طبقے کے لوگوں میں گوشت خوری کے لیے نفرت کی بنا پر اس میں کچھ تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ لیونارڈ وولی قدیم سومیر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "وہاں قربانی کو ہی عبادت تصور کیا جاتا ہے۔ قربانی کے بعد جانور کا پکا ہوا گوشت دیوتا، پروہت اور عبادت کرنے والا کھاتا تھا۔ چنانچہ باورچی خانہ مندر کا اہم حصہ ہوتا تھا۔ ان میں ہر وقت آگ روشن رہتی تھی اور پروہت قصاب، نان بائی، برتن صاف کرنے والے اور باورچی کے فرائض انجام دینے والے غلاموں کے کام کی نگرانی کرتے تھے۔" جنوبی ہندوستان کے قرون وسطیٰ کے متعدد کتبوں سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ خود کو قریب کے مندر میں غلام کی حیثیت سے درج کراتے اور اپنی اولاد کو بھی اسی حیثیت سے پابند بناتے تھے۔ جنوبی ہندوستان میں دیو داسیوں کا جو عام رواج تھا وہی قدیم سمیریا میں بھی پایا جاتا تھا۔ وولی نے سمیریا کے مندروں میں عبادت کی جو تفصیلات پیش کی ہیں ان سے ہندوستان کے مندروں میں آج بھی عبادت کے طریقے کا اور اس جذبے کا جس کے تحت بھگوان کی مورتی کو راجہ اور بھگوان دونوں تصور کیا تھا صحیح بیان اور کیا ہو سکتا ہے؟ وہ لکھتے ہیں جس سماج میں بھگوان ہی راجہ، مذہب اور حکومت سمجھا جائے اس میں مادی کارکردگی کی عقیدے پر فتح کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔" لوگ اپنے آقا کی خدمت کے صلہ میں اس دنیا میں اپنے لیے طویل زندگی اور خیر و عافیت کی دعا مانگتے تھے۔ وہ لوگ چاند، دیوتا کی دولت اور اقبال مندی میں ہی شہر کی نجات کے لیے لازمی شرط کی شکل میں یقین کرتے تھے،، تامل زبان میں مندر اور شاہی

محل کے لیے ایک ہی لفظ "کوال" ہے۔ سنسکرت زبان میں بھی ایک ہی لفظ "پرساد" ہے۔ اس حقیقت کو عام طور پر سبھی تسلیم کر چکے ہیں کہ اصلی ویدک دھرم میں مندر پوجا شامل نہیں ہے۔

یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ ایسے بہت سے ثبوت ہیں جن کی بنا پر دراوڑوں سے متعلق مسائل کے بارے میں ہمارا قدیم نظریہ مبہم اور اتفاقیات پر مبنی تھا اور یہ کوئی قابل اعتماد تاریخ وار ڈھانچہ نہیں پیش کرتے۔ لیکن فیورر ہیمنڈراف نے دراوڑ زبان بولنے والوں اور لوہا استعمال کرنے والے بڑے بڑے پتھر کے زمانہ کے لوگوں کو برابر شمار کرنے کی حال میں ہی جو کوشش کی ہے اس کے بارے میں بھی یہی بات نہیں کہی جا سکتی۔ بڑے بڑے پتھر کے زمانہ کے لوگ مغرب سے بحری راستہ کے ذریعہ جنوبی ہندوستان میں داخل ہوئے اور شاید اس نقل وطن کے دوران اپنی ساحلی نوآبادیوں کو چھوڑ کر چلے گئے۔ کراچی کے نزدیک یادگار کے بڑے بڑے پتھر اور بلوچستان میں بروہی کی موجودگی کا بھی یہی سبب ہو سکتا ہے۔ ہیمنڈراف کا خیال ہے کہ اگر دراوڑ زبان بولنے والوں کے تبدیل وطن کی تاریخ کو تقریباً پانچ سو برس ق۔م مان لیا جائے تو اس طرح سنگم عہد کے ابتدائی تامل ادب کی ترقی کے لیے کافی وقت مل جاتا ہے۔ لیکن اس کے بارے میں بھی شک کیا جا سکتا ہے اور جن چار منظم تامل سلطنتوں کا اشوک کے کتبوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی بنا پر تبدیل وطن کی تاریخ کو اس سے بھی پہلے ملنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اس خیال کے تحت جنوبی ہندوستان میں دراوڑ تہذیب کو جس قدر جدید قرار دیا گیا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ جدید ہے۔ اور یہ کہ جس وقت آریوں نے شمالی ہندوستان پر اپنا قبضہ جمایا اس وقت دراوڑوں نے بھی جنوبی ہندوستان پر اپنا قبضہ جمایا تھا۔ ہیمنڈراف لکھتے ہیں کہ "مہاراشٹر میں بڑے بڑے پتھروں اور لوہے کے زمانہ کی تہذیب کا آریوں کی پہلی ٹولی سے جس نے دکن پر حملہ کرنے کی غرض سے جنوب کی جانب رخ کیا ہو گا تو مہاراشٹر میں ہی ان کے درمیان تصادم ہوا ہو گا"۔ اس نظریہ کو واتاپی (بادامی) سے متعلق اگستیہ رشی کی روایتوں سے بھی تقویت پہنچتی ہے جو آئندہ باب سے واضح ہو گا۔ لیکن اس مسئلہ پر مزید غور کرنے کی ضرورت ہے اور یہ فیصلہ قبل از وقت ہو گا کہ ہیمنڈراف کی رائے کو بغیر ترمیم کے قبول کر لیا جائے۔ یا مذکورہ بالا سطور میں جن نسلی اور ثقافتی مفروضات پر مختصراً تبصرہ کیا گیا ہے اس کے پیش نظر مناسب اصلاح کی جائے۔

معاون کتابیں

اے۔ اے بیبین۔ میسولتھک آرٹیفیکٹس فرام ساوریہ پورم ان تنادلی ڈسٹرکٹ ساؤتھ انڈیا

اسپولیا زیلانیکا ۔ جلد 24 جز 2 ۔ 1945)

بی ۔ سبرامنین :۔ دی انڈین مڈل اسٹون ایج (میموئیرس آف دی انسٹی ٹیوٹ آف آرکیالوجی یونیورسٹی
آف لندن نمبر 11 1989)

ایف ۔ آر ۔ آلچن :۔ دی نیولتھک اسٹون انڈسٹری آف نارتھ کرناٹک ریجن (بلیٹن آف دی اسکول
آف اوریئنٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز جلد 19 نمبر 2 1957)

ایضاً :۔ ایکس کویشنس ایٹ پکلی ہل (حیدرآباد 1960)

ایضاً :۔ اتنور ایکس کویشنس (حیدرآباد 1961)

جے ۔ سی ۔ براؤن :۔ کیٹلاگ آف پری ہسٹارک اینٹی کوئیٹیز ان دی انڈین میوزیم کلکتہ (شملہ
1917)

بشپ کالڈویل :۔ کمپیریٹو گرامر آف دی ڈراویڈین لینگویجیز لندن 1913)

ایل ۔ اے ۔ کامیاڈے :۔ ہگی ۔ ابیلی منشن آف دی لوور گوداوری (مین ان انڈیا 4)

ایضاً :۔ پری ہسٹارک مین ان انڈیا اینڈ دی کرنول بون کیوز (مین ان انڈیا جلد 7
نمبر 1 ۔ 12)

ایل ۔ اے ۔ کامیاڈے اینڈ ایم ۔ سی ۔ برکٹ :۔ فریش لائٹ آن دی اسٹون ایجیز ان ساؤتھ انڈیا
(اینٹی کوئٹی جلد 4 1930)

ایس ۔ این ۔ چکرورتی :۔ دی پری ہسٹارک پیریڈز ان انڈیا (جرنل آف دی یونیورسٹی
آف بامبے جلد دہم ۔ جز اوّل ۔ جولائی 1941)

ایضاً :۔ این آؤٹ لائن آف دی اسٹون ایج ان انڈیا (جے ۔ آر ۔ اے ۔ ایس ۔ بی
لیٹرس جلد دہم ۔ جز اوّل 1944)

ڈی ۔ گارڈن چائلڈ :۔ میگالتھس (اینشینٹ انڈیا ۔ نمبر 4 جولائی 1947
جنوری 1948)

ایچ ۔ ڈی ۔ ٹیرا اینڈ ٹی ۔ ٹی ۔ پیٹرسن :۔ اسٹڈیز ان دی آئس ایج ان انڈیا اینڈ
ایسوشی ایٹیڈ ہیومن کلچرس (کارنیگی انسٹی ٹیوٹ آف واشنگٹن پبلیکیشن نمبر 493
واشنگٹن 1939)

ایضاً :۔ دی سوانس آف انڈیا اینڈ ارلی مین ۔ (ارلی مین 1939)

آر۔ بی۔ فوٹے :۔ دی فوٹے کلیکشنس آف انڈیا۔ پری ہسٹارک اینڈ پروٹوہسٹارک
اینٹی کوئیٹیز کیٹالاگ رائے سون (گورنمنٹ میوزیم مدراس 1914)
ایضاً :۔ نوٹس ان دیر ایجیز اینڈ دسٹری بیوشن (گورنمنٹ میوزیم۔ مدراس 1916)
ڈی۔ایچ۔گارڈن :۔ ارلی یوز آف میٹلس ان انڈیا۔ اینڈ پاکستان (جرنل آف دی رایل
اینتھروپالیجیکل انسٹی ٹیوٹ 1952)
ایضاً :۔ دی اسٹون انڈسٹریز آف دی ہالوسین ان انڈیا اینڈ پاکستان (اینشی اینٹ
انڈیا نمبر 6۔ جنوری 1950)
ایضاً :۔ دی پری ہسٹارک بیک گراونڈ آف انڈین کلچر (بمبئی 1944)
بی۔ایس۔گوہا :۔ ریس ایلی منٹس آف دی پاپولیشن (بمبئی 1944)
کرسٹو فروان فوایرہیمنڈراف :۔ وہی۔ ہاؤ اینڈ فرام وہیر ڈڈ دی ڈرے وی
ڈینس کم ٹو انڈیا (دی انڈو ایشین کلچر جلد 2 نمبر 3 جنوری 1954 صفحات
238 سے 247
ایضاً :۔ نیو آسپکٹس آف دی ڈرے وی ڈین پرابلم۔ (تامل کلچر جلد 2 نمبر 3
(1953
ای۔ ہرزفیلڈ اینڈ اے۔بی۔کیتھ :۔ ایران ایز اے پری ہسٹارک سینٹر ان اے۔
یو۔پوپس سروے آف پرشین آرٹ جلد 1 باب 2 (اکسفورڈ)
جے۔ایچ۔ہٹن :۔ سنس آف انڈیا 1931 جلد 1 جز اول
آر۔ڈی۔جوشی :۔ پلیس ٹوسین اسٹڈیز ان دی مال پربھا بیسن (پونا 1955)
وی۔ڈی۔کرشنا سوامی :۔ میگا لتھک ٹائپس آف ساؤتھ انڈیا۔ (اینشی اینٹ
انڈیا۔ نمبر 5 جنوری 1949)
ایضاً :۔ پراگرس ان پری ہسٹری (اینشی اینٹ انڈیا۔ اسپیشل جوبلی نمبر 9۔
(1953
ایضاً :۔ این وائرن بلٹس اینڈ کلچر چینجز آف پری ہسٹارک مین نیر مدراس (جرنل
آف دی مدراس جیوگرافیکل ایسوسی ایشن جلد 3 صفحات 58 سے 20 1938)
ایضاً :۔ پری ہسٹارک مین راونڈ مدراس (انڈین اکیڈمی آف سائنسز مدراس

میننگ 1938)

ایضاً :۔ دی نیو لیتھک پیٹرن ان انڈیا۔ (پریزی ڈینشل ایڈریس آف دی این تھرو پالیجیکل سیکشن آف دی انڈین سائنس کانگریس۔ 1956)

بی۔ بی۔لعل :۔ پروٹوہسٹارک انویسٹی گیشن (این شی اینٹ انڈیا نمبر 9۔ 1953)

ایچ۔ ایل۔ موویس جونیر :۔ ارلی مین اینڈ پلسٹوسین اسٹریٹی گرافی ان سدرن ایسٹرن ایشیا (پی باڈی میوزیم پیپر 19 نمبر 3۔1۔ 25

اسٹوارٹ پی گٹ :۔ پری ہسٹارک انڈیا ٹو 1000 بی سی۔ (لندن 1950)

ایل۔ دی۔ راما سوامی ایر :۔ ڈرے وی ڈک پلیس نیمس ان دی پلیٹو آف پرشیا۔ کیوجے ایم۔ ایس؛ جلد 20 بنگلور 30-1929)

ایس۔ آر۔ راؤ :۔ ایکس کویشنس لوتھال (للیت کلا نمبر 3 اور 4 بمبئی 57-1956)

ایچ۔ ڈی۔ سنکالیہ :۔ انویسٹی گیشنس انٹو دی پری ہسٹارک ارکیالوجی آف گجرات (شری پرتاپ سمہا۔ مہاراج راجیہ بھیشیک گرنتھ مالا۔ میموائر 4 بردہ اسٹیٹ پریس 1946)

ایضاً :۔ ہسٹری آف پری ہسٹری ایٹ نیواسا۔ (پونا 1960)

ایضاً :۔ انڈین ارکیالوجی ٹوڈے۔ (بمبئی 1962)

ایچ۔ ڈی سنکالیہ اینڈ ایس۔ بی۔ دیو :۔ ایکس کویشنس ایٹ ناسک اینڈ جوروے پونا 1955)

ایچ۔ ڈی۔ سنکالیہ اینڈ آئی کاروے :۔ دی سیکنڈ گجرات پری ہسٹارک ایکس پی ڈیشن (نیو انڈین اینٹی کوائری جلد 4 نمبر 4)

ایضاً :۔ پریلی منری رپورٹ ان دی تھرڈ گجرات پری ہسٹارک ایکس پی ڈیشن اینڈ ہیومن ریمینس ڈسکورڈ سو فار (ٹائمز آف انڈیا پریس 1945)

وائی۔ ڈی۔ سرما :۔ راک کٹ کیوز آف کوچین (این شی اینٹ انڈیا نمبر 12۔1956)

ایضاً :۔ ایکس پلوریشن آف ہسٹاریکل سائٹس (این شی اینٹ انڈیا؛ نمبر 9۔1953)

کے۔ اے۔ این شاستری :۔ سدرن انڈیا۔ عریبیا اینڈ افریقہ (نیو انڈین اینٹی کوری جلد 1۔1938)

ایم۔ہشیادری :۔ مائکرولتھک انڈسٹریز آف میسور (اینول رپورٹ آف دی انسٹی ٹیوٹ آف ارکیالوجی لندن 1953)

ایضاً :۔ نیولائٹ ان میگالتھک ڈیٹنگ ان انڈیا۔ (جرنل آف دی میسور یونیورسٹی آرٹس 1956)

ایضاً :۔ پری ہسٹارک اینڈ پروٹو ہسٹارک میسور۔ (لندن 1956)

ایضاً :۔ دی پیلیو لتھک انڈسٹری آف کیتن ہالی۔ (میسور اسٹیٹ) ارٹی بس ایشیا 1955-18-ص 271-287)

ایضاً :۔ میگالتھک ایکس کویشنس ایٹ جادی گین ہلی (میسور 1960)

کے۔آر۔سری نواسن :۔ دی میگالتھک بریالس اینڈ ارن فیلڈز آف ساؤتھ انڈیا۔ آن دی لائٹ آف تامل لٹریچر اینڈ ٹریڈیشن (اینشی اینٹ انڈیا۔نمبر 2 - 1946)

کے۔آر۔سری نواسن اینڈ این۔آر۔بنرجی :۔ سروے آف ساؤتھ انڈین میگالتھس (اینشی اینٹ انڈیا۔نمبر 8 - 1952)

بی۔سوبا۔راؤ :۔ دی پرسنیلیٹی آف انڈیا۔ (بروڈہ۔ 1958

بی۔کے۔تھاپڑ :۔ پورکلم 1948۔ ایکس کویشن آف اے میگالتھک ارن بریال۔ (اینشی اینٹ انڈیا۔ نمبر 8 - 1952)

ایضاً :۔ مسکی 1954۔ اے چیل کو لتھک سائٹ آف دی سدرن ڈکسن (اینشی اینٹ انڈیا نمبر 3 جنوری 1957)

کے۔آر۔یو۔ٹاڈ :۔ پری ہسٹارک مین راؤنڈ بمبئی (پروسیڈنگز آف دی پری ہسٹارک سوسائٹی آف ایسٹ اینگلیا۔ جلد 7۔ اپس وچ 1932)

ایضاً :۔ پیلیو لتھک انڈسٹریز آف بمبئی (جرنل آف دی رائل اینتھروپالوجیکل انسٹی ٹیوٹ جلد LXIX لندن 1939)

ایضاً :۔ دی مائیکرولتھک انڈسٹریز آف بامبے۔ اینشی اینٹ انڈیا نمبر 6 جنوری (1950

آر۔ای۔ایم۔وہیلر :۔ برہم گری اینڈ چندراولی۔ 1947 (اینشی اینٹ انڈیا۔ نمبر 4 جولائی 1947 جنوری 1948)

ایضاً : ۔ ارلی انڈیا اینڈ پاکستان ۔ (لندن 1959)

ایف ۔ ای ۔ زیونر : ۔ دی مائکرو لتھک انڈسٹری آف لنگ نج ۔ گجرات ۔ (مین ۔ آرٹیکل نمبر 182 ستمبر 1952)

ایف ۔ ای ۔ زیونر اینڈ بری جیٹ ایلچین : ۔ دی مائیکرو لتھک سائٹس آف تناولی ڈسٹرکٹ مدراس اسٹیٹ (اینشی اینٹ انڈیا نمبر 12 ۔ 1956)

انڈین ارکیالوجی : ۔ اے ریویو اینول پبلیکیشن آف دی ارکیالوجی کل سروے آف انڈیا ۔ نئی دلی 54 ۔ 1953 آن ورڈس)

ایچ ۔ ڈی ۔ سنکالیہ بی ۔ سوبا راؤ اینڈ ایس ۔ بی ۔ دیو : ۔ ایکس کویشنس ایٹ مہیشور اینڈ نوداتولی ۔ (پونا اینڈ بروڈہ 1958)

باب 4

تاریخ کا آغاز۔ آریوں کا عروج

ثبوت۔ آریہ ورت۔ وندھیا اور پھی یاترا۔ بودربو۔ شمالی ہندوستان کے ادب میں جنوبی ہندوستان کے متعلق معلومات میں اضافہ۔ پانینی۔ کاتیاین۔ کوٹلیہ۔ یونانی بیانات۔ بودھائن۔ اشوک کے فرمان۔
اگستیا سے متعلق روایتیں اور ان کی صداقت۔ پرشورام اور مغربی ساحل۔ آریائی بنانے کی نوعیت۔ زبان کا ثبوت۔ بعد کا ردعمل اور اصول۔ شمال سے جنوب میں آنے والے راستے مغربی ممالک سے رابطہ۔ مشرقی ممالک سے رابطہ۔

شمالی ہندوستان کے مانند جنوبی ہندوستان کی تاریخ کا آغاز بھی آریوں کی آمد کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ جنوب میں آریائی بنانے کی ترقی ادب اور روایتوں میں شامل ہے۔ عیسیٰ سے چھ سو برس قبل شمالی ہندوستان کی تصنیفات میں وندھیا کے جنوب میں واقع علاقے کی بہت کم واقفیت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جیسے جیسے صدیاں گزرتی گئیں اس واقفیت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ رزمیہ نظموں اور پرانوں میں اگستیا سے متعلق جو روائتیں تحریر کی گئی ہیں وہ اس بلند اور اہم ثقافتی تحریک کو عجیب وغریب ڈھنگ سے محفوظ رکھنے کی کوشش ہے داستانوں کے دوسرے دور کا ہیرو واضح طور پر پرشورام ہے۔ یہ داستانیں کیرل پردیش اور اس کے سماجی اداروں کی خصوصیات کو مخصوص طور پر بیان کرتی ہے۔
وندھیاچل پہاڑیوں کا سلسلہ آریوں کے علاقے کی تسلیم شدہ جنوبی سرحد تھی منو نے واضح طور پر کہا ہے کہ ہمالیہ اور وندھیاچل پہاڑ نیز مغربی اور مشرقی سمندروں کا درمیانی

علاقہ آریہ ورت کہلاتا تھا جہاں آریہ رہتے تھے۔ بھنڈارکر کی رائے ہے کہ "وندھیاچل پہاڑیوں کا سلسلہ زیادہ تر شمالی اور مغربی حصّہ کو جہاں سے چمبل اور بیتوا ندیاں نکلتی ہیں "پری یاتر" کا نام دیا گیا ہے۔ اور یہ اس خیال سے کہ اُن کی یہ یاترا نقل و حمل کے علاقے کی سرحد پر واقع تھا۔" رگ وید کے نسبتاً بعد کے منتروں میں سے ایک منتر میں کہا گیا ہے کہ ایک شخص، جسے آریوں نے اپنی برادری سے نکال دیا تھا جنوب کی جانب اپنے قدم اٹھائے اور وہیں آ کر بسا۔ "ایتریہ براہمن" میں ودربھ (برار) حکومت اور اس کے حکمراں بھیم کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی براہمن اور سانکھیاین شروت سوتر میں کہا گیا ہے کہ وشوامتر نے اپنے پچاس لڑکوں کو جو "دیوتا دیوورات سے حسد رکھتے تھے۔ آریہ ورت کی سرحد پر جاکر سزا کے طور پر رہنے کا حکم دیا تھا۔ ان کی اولادیں دسیو ہوئیں مثلاً آندھر، پندر، سبارا، پلند اور موتیبا۔ ظاہر ہے ان تصنیفات کے وقت جب شمالی ہندوستان کے آریائی بنائے جانے کا کام مکمل ہو چکا تھا۔ وندھیاچل پہاڑیوں کے سلسلے کے اُس پار کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ آریوں کی قائم کردہ صرف ودربھ ہی ایک حکومت تھی جس کے بارے میں واقفیت تھی اور جنوب کے پورے علاقے پر آریوں کی آمد سے قبل رہنے والوں کا قبضہ تھا۔ یہ ممکن ہے کہ آریوں کے بعض جرأت مند افراد ان میں داخل ہو گئے ہوں، ان کی عورتوں کے ساتھ شادیاں کیں ہوں اور اس طرح مخلوط نسل کا وجود ہوا ہو۔ ان لوگوں کو شمال کے اصلی آریہ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وشوامتر کی کہانی سے یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔ یہ واقعات کب رونما ہوئے۔ ان کی واضح تاریخ کا تعین بھی مشکل ہے۔ پھر بھی عیسیٰ سے تقریباً ایک ہزار برس قبل یہ واقعات پیش آئے ہوں گے۔

دوسرے دور کی خصوصیت یہ ہے کہ ایتریا ارانیک میں تین خاندانوں کا ذکر ہے جنھوں نے بعض قدیمی امتناعی احکامات کی خلاف ورزی کی تھی۔ لیکن کتاب کی اصل عبارت مبہم ہونے کی وجہ سے صحیح مفہوم ابھی تک نہیں سمجھا جا سکا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ اس جگہ چیر خاندان کا ہی ذکر کیا گیا ہے تو پھر یہ اس بات کا واضح ثبوت ہو گا کہ مالابار میں رسوم و رواج اور عادات و اطوار میں جنوبی ہندوستان کے بقیہ حصّوں سے اختلاف پایا جاتا تھا۔ لیکن اس سلسلے میں ہمارے پاس کوئی ابتدائی ثبوت نہیں ہے۔

صرف و نحو کے ماہر پانینی کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ عیسیٰ سے تقریباً چھ سو برس قبل رہے ہوں گے۔ انھوں نے شرق میں صرف کلنگ کا ذکر کیا ہے اور مغرب میں گوداوری ندی

کے دہانے کے نزدیک واقع اسمک علاقہ کے علاوہ انھیں دریائے نرمدا کے جنوبی علاقے کے بارے میں قطعی واقفیت نہیں تھی۔ بودھ دھرم کی مذہبی کتاب "سوت نپات" میں لکھا ہے کہ بواری نام کا ایک مدرس کوسل چھوڑ کر چلا گیا اور اس نے دکشن پتھ کے اساکا علاقے میں واقع دریائے گوداوری کے کنارے ایک گاؤں میں آکر سکونت اختیار کرلی۔ اس کے شاگردوں کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ بدھ سے ملنے کے لیے شمال کی جانب روانہ ہوئے اور اپنے دوران سفر مالوا کا علاقہ میں واقع پرتشٹھان (پیٹھان) دریائے نرمدا کے کنارے واقع ماہشمتی (مان دھاتا) اور اجین کے راستہ سے گذرے۔ بواری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ویدوں کا عالم تھا۔ اور ویدک دھرم کے مطابق قربانی دیتا تھا۔ وہ غالباً ان بے شمار مدرسین میں سے ایک تھا جس نے پرامن طریقے سے جنوبی ہندوستان میں بتدریج نوآبادیاں قائم کرنے اور آریائی بنانے کے کام میں زبردست حصہ لیا۔ والمیکی رامائن میں ڈنڈک جنگل میں رشیوں کے آشرموں کا جو ذکر کیا گیا ہے، ان سے بواری کی کہانی سے قائم ہونے والے خیالات کی تصدیق ہوتی ہے۔

گرامر کا ماہر کاتیاین عیسیٰ سے قبل چوتھی صدی میں ہوا۔ یہ غالباً جنوبی ہند کا رہنے والا تھا۔ اس نے اپنے صرف و نحو کے طریقے کو جدید ترین بنانے کے خیال سے پانینی کی جامع تاویل میں اضافہ کیا۔ وہ جنوب بعید میں واقع پانڈیہ، چول، اور کیرل کا بھی ذکر کرتا ہے۔ کوٹلیہ کو ان ممالک سے بخوبی واقفیت تھی۔ اشوک کے کتبوں میں ان ممالک کا ذکر آیا ہے، ان میں لنکا کا بھی ذکر ہے اور اس کا نام تامبا پنی لکھا ہے۔ کوٹلیہ، پانڈیہ ملک کے موتیوں اور ململ کا بھی ذکر کرتا ہے۔ پانڈیوں کے دارالسلطنت مدھرا سے شمالی ہند کے متھرا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یونانیوں کے بیانات کے مطابق ہیراکلس (کرشن کے سیاق و سباق میں) اپنی بیٹی پنڈائیا کو جنوبی سمندر کے ساحل پر واقع سلطنت پر حکومت کرنے کی غرض سے دیدی۔ سری لنکا اور جاوا کے نزدیک متھرا نام کے دوسرے شہر ہیں۔ اس طرح شمالی ہندوستان سے جنوب کی جانب اور یہاں سے سمندر پار کے ممالک میں آریائی تہذیب کے پھیلنے کا اشارہ ملتا ہے۔

بودھائن قدیم ترین قانون دانوں میں سے ایک ہے۔ اس نے اپنی کتاب "دھرم سوتر" میں دکن میں مروجہ پانچ مخصوص رسوم کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ایک انوپیت ہے یعنی اُس شخص کے ساتھ کھانا جسے باضابطہ مذہب میں شریک نہیں کیا گیا ہے، عورتوں کے ساتھ کھانا، باسی کھانا کھانا، ماما کی لڑکی اور پھوپھی کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنا جائز نہیں ہے۔ ان میں آخری دو رواج آج

بھی جنوبی ہندوستان کے تمام طبقے کے لوگوں میں پوری ہمت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ بودھیائن کا یہ بیان لازمی طور پر بہت پرانے زمانے کے لیے ہے۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ صرف شمالی ہندوستان کے لوگوں کو ہی سمندر کے ذریعے دوسرے ممالک کے سفر کی اجازت تھی۔ یہ خیال اگر پہلے نہیں تو کم سے کم سن عیسوی کے شروع ہو جانے پر صحیح نہیں ہو سکتا۔

ظاہر ہے کہ عیسی سے ایک ہزار برس قبل کے آس پاس جنوبی ہندوستان میں آریوں کی آمد کم و بیش باقاعدہ اور پر امن طریقے پر جاری رہی اور موریہ سلطنت جن میں جنوب بعید کے علاوہ مکمل ہندوستان شامل تھا اس کے قیام سے کچھ ہی عرصہ قبل ختم ہوا۔ اشوک کے فرمان جنوب کے کافی دور مقامات جیسے میسور اور کرنول میں پتھر پر کندہ کیے گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان مقامات پر بھی براہمی طرز تحریر اور پراکرت زبان کے جاننے والے رہتے تھے۔ اتنا ہی نہیں اشوک کی حکومت میں جنوب کے جو علاقے شامل تھے ان کے ساتھ اشوک کے سیاسی اور سفارتی تعلقات تھے

معمولی طور سے غور کرنے پر بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ جنوب میں بڑے پیمانہ پر آریائی تہذیب کو پھیلانے کی ہی تحریک تھی جس کی بنا پر آگستیا کی روایتوں کو جس کا ذکر رزمیہ نظموں اور پرانوں میں ہی نہیں بلکہ تامل ادب میں بھی مخصوص طور پر کیا گیا ہے۔ تاریخی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ رگ وید کے مطابق آگستیا کی پیدائش ایک معجزے کے طور پر گھڑے سے ہوئی تھی۔ لیکن درحقیقت وہ ایک تاریخی شخصیت تھی جس نے مناجات تحریر کیں۔ اس کی ایک بیوی، ایک بہن اور شاید ایک لڑکا تھا۔ اس کی تعریف شاید اس سے کی جاتی ہے کہ اس نے خانگی اور زاہدانہ زندگی بیک وقت بسر کی۔ مہابھارت میں اس داستان کو وضاحت کے ساتھ اور جنوبی ہند سے اس کے تعلقات کو مخصوص طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ودربھ کی شہزادی لوپامدرا کے ساتھ اس کی شادی کے سلسلہ میں لوپامدرا کے اس مطالبے کا بھی ذکر ہے جس میں اس کے شوہر کو ازدواجی حقوق استعمال کرنے سے قبل اپنی درویشانہ زندگی پر آنچ لائے بغیر اپنی بیوی کو بیش قیمت زیورات اور تعیش کے تمام وہ وسائل فراہم کرے گا جو اسے اپنے والد کے گھر میں میسّر تھے۔ آگستیا کے سامنے اپنی بیوی کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے صرف یہی ذریعہ تھا کہ وہ کسی طرح اتنی دولت عطیے کے طور پر حاصل کرے۔ وہ آریوں کے تین بادشاہوں کے پاس یکے بعد دیگرے لے گیا۔ لیکن مطلب براری نہ ہو سکی۔ اخیر میں وہ سب مل کر منی متی کے

دیتیہ راجہ ال ول کے پاس گئے۔ اِل ول براہمنوں کا دوست نہ تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے اُن میں سے ایک براہمن نے اسے اندر کے ہم رتبہ ایک بیٹا دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے بدلہ لینے کا انوکھا ڈھنگ اختیار کیا وہ اپنے چھوٹے بھائی واتاپی کو بکرا بنا دیتا تھا اور اس کا گوشت براہمنوں کو کھانے کے لیے پیش کرتا تھا۔ اس کے بعد ال ول اپنے بھائی کا نام لے کر پکارتا تھا۔ (اس کی آواز میں اتنی طاقت تھی کہ وہ جسے بھی پکارتا، وہ یم (ہندوؤں کا موت کا دیوتا) کے یہاں سے بھی واپس آجاتا تھا اور واتاپی براہمنوں کے پیٹ کے ایک حصّے کو پھاڑ کر ہنستا ہوا باہر آجاتا تھا۔ اس طرح دونوں بھائیوں نے بہت سے براہمنوں کو مار ڈالا۔ آگستیا اور تینوں بادشاہوں کے آنے پر ال ول نے وہی چال چلنا چاہی۔ اِن لوگوں کی خاطر مدارت کے لیے اس نے واتاپی کا گوشت پکوایا۔ تینوں بادشاہوں کو جب اس کی واقفیت ہوئی تو وہ بہت غمگین ہوئے۔ لیکن آگستیا نے سب گوشت کھا لیا جب ال ول نے واتاپی کو پکارا تو آگستیا کے پیٹ سے صرف ہوا نکلی۔ کیونکہ وہ گوشت ہضم کر چکا تھا۔ اِل ول بہت اداس ہوا۔ وہ عطیہ دینے پر راضی ہو گیا بشرطیکہ آگستیا یہ بتا دے کہ اس کے (اِل ول) دل میں عطیہ دینے کے لیے کونسی شے ہے آگستیا نے یہ بھی صحیح صحیح بتا دیا اور وہ تینوں بادشاہ حسب ضرورت دولت لے کر واپس روانہ ہو گئے۔ واتاپی کے متعلق سب لوگ جانتے ہیں کہ مغربی دیش میں یہ ایک مستحکم شہر کا نام ہے جو ابتدائی چالوکیوں کا دارالسلطنت تھا۔ آج کل اس کا نام بادامی ہے۔ جیسا کہ ممکن معلوم ہوتا ہے دونوں دیتیوں کی سکونت اس علاقہ میں مان لی جائے تو یہ داستان آگستیا رشی کے جنوبی ہند سے تعلقات کی ابتدا سمجھی جا سکتی ہے۔

آگستیا رشی کے بارے میں مہابھارت میں یہ داستان بھی درج ہے کہ انھوں نے دیوتاؤں کو اپنے دشمنوں کو، جو سمندر کی تہہ میں جا کر پناہ گزیں ہوئے تھے ختم کرنے کے لیے سمندر کا پانی پی لیا تھا۔ اس کا بھی ذکر ہے کہ وہ کسی کام سے جس کی وضاحت نہیں کی گئی ہے جب جنوبی ہند گئے تو انھوں نے وندھیاچل پہاڑ کو اس کے لیے راضی کر لیا تھا کہ وہ ان کی واپسی تک اپنی اونچائی کو اور نہیں بڑھائے گا۔ وہ بہرکیف واپس نہیں ہوئے۔ تامل روایتوں کے آخری دور میں آگستیا رشی کے جنوبی سفر کا تذکرہ بہت دلچسپ داستان کی شکل میں کیا۔ گیا ہے کہ شو اور پاروتی کی شادی کے موقع پر جب شمال میں دیوتاؤں اور رشیوں کے ایک جگہ جمع ہو جانے کی بنا پر زمین کا توازن بگڑ تا گیا تو آگستیا رشی کو جنوب میں زمین کا توازن برقرار

رکھنے کے لیے روانہ کیا گیا تھا۔

وندھیاچل پہاڑ کے ساتھ معاہدہ اور سمندر کا پانی پی لینے کی داستانوں کو کنایتاً تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کے ذریعے ہندوستان میں سب سے پہلے وندھیا کے جنوب میں پھر سمندر پار مشرقی مجمع الجزائر اور ہند چین میں آریائی تہذیب کے پھیلنے کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔ یہ تشریح اپنی جگہ پر قابل اعتماد ہے لیکن اس کی مزید تصدیق آگستیا رشی اور ان کی جائے قیام کے بارے میں دوسرے واقعات سے ہوتی ہے۔

رامائن میں بیان کیا گیا ہے کہ جب رام آگستیا رشی کے آشرم کی جانب جا رہے تھے تو انھوں نے اپنے بھائی لکشمن کو بتایا کہ کس طرح آگستیا رشی نے دنیا کی بھلائی کے لیے ایک بے رحم راکشس کو مغلوب کیا تھا اور اس طرح اس کرۂ زمین کو رہائش کے قابل بنایا تھا۔ انھوں نے واتاپی کی موت کی کہانی جس طرح بیان کی وہ مہابھارت کی کہانی سے کسی قدر مختلف معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ جو بات خاص طور پر قابل ذکر ہے وہ یہ کہ اسُروں کے خلاف آگستیا رشی کی کامیابی کی وجہ سے ڈنڈ کارینہ پہلی بار انسان (یعنی آریہ) کے قبضہ کے لائق بن سکا۔ رامائن میں اگستیا رشی کی اسُروں اور راکشسوں سے لڑائی کے اور بھی اشارے ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر رشی واشوامتر رام کو وہ اسباب بتاتے ہیں جن کی بنا پر تاڑکا نے آریوں کی بستیوں کو تاخت و تاراج کیا۔ اگستیا نے تاڑکا کے خاوند سُند کو تہس نہس کر دیا تھا۔ اس وجہ سے تاڑکا اور اس کے لڑکے ماریچ نے اگستیا رشی پر حملہ کیا تھا۔ اگستیا نے دونوں کو بددعا دی۔ ماریچ کو راکشس اور اس کی ماں کو ایک بدصورت آدم خور راکششی بنا دیا تھا اور جب تک رام نے اسے مار نہیں ڈالا اس نے انتقامی جنگ جاری رکھی۔

اگستیا رشی سے متعلق روایتوں کے ایک جدید طالب علم رقمطراز ہیں کہ "یہ بالکل واضح ہے کہ اگستیا رشی سے متعلق داستانیں تاریخی تذکروں پر مبنی ہیں۔ اُن کی حیثیت جنوبی ہندوستان میں آریوں کے جنگ جو افراد میں خصوصیت کی حامل ہے۔ ان کا شمار دکن کے سب سے مشہور رشیوں میں آج بھی کیا جاتا ہے اور انھیں زمانہ قدیم کا سب سے قدیم معلم سمجھا جاتا ہے۔ آریائی تہذیب کے اس مبلغ کو بعد میں ایک تپسوی آدرش رشی قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ایک ایسا شخص جس نے دشمنوں کے درمیان رہ کر ہمیشہ اُن پر فتح پائی لازمی طور پر دلیر، تنومند، جنگ جو اور زبردست

شکاری رہا ہوگا۔ یہی اگستیا جو مشہور شکاری اور تیرانداز تھا جس کا ہرکیولس کی طرح کھانے اور پینے میں کوئی مقابل نہ تھا۔ جس کے اندرونی جوہر کی تلاش آج بھی ان قدیم توڑی مروڑی ہوئی رزمیہ نظموں میں کی جاتی ہے حقیقتاً ایک پاکیزہ ہستی تھی جو کسی قدر راون ہو کے کردار فرینک کے مانند تھی۔

اگستیا رشی کے آشرم کے بارے میں مختلف مقامات ہمالیہ پہاڑ سے راس کامورن تک اور بیرون ہند ملایا کے پہاڑوں میں بتائے جاتے ہیں۔ لیکن مغربی گھاٹ کا انتہائی جنوبی حصہ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔ آگستیا کے بے شمار آشرموں اور بھونوں سے صرف یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ محض ایک فرضی انسان تھا۔ اور اگت نام کی ایک پوری برادری ان مقامات میں جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے پھیل گئی ہے۔ یہ بات حالانکہ تسلیم کر لی گئی ہے کہ ایسا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ یہ برادری کب اور کیسے پیدا ہوئی ان حالات میں یہ تسلیم کر لینا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی تاریخی شخصیت تھی جس نے وید کے منتر تصنیف کیے اور لوپا مدرا کا شوہر تھا۔ نیز جس نے اپنے عہد میں جنوبی ہندوستان کو آریائی بنانے میں زبردست حصہ لیا تھا۔ بعد میں وقت گزر جانے پر اس شخص کو مخصوص کر کے متعدد کہانیاں فطری طور پر رائج ہوگئیں جو اس تحریک کی جس کی اس نے ابتدا کی تھی۔ مختلف منزلوں کی نمائندگی کرتی ہے۔

اگستیا سے متعلق کہانیوں میں سے ایک جو سب سے بعد میں مشہور ہوئی رامائن کے بعض ترجموں میں ملتی ہے۔ اسے اگستیا رشی نے خود رام سے بیان کیا ہے۔ بھارگو اکی بد دعا کی بنا پر دنڈک کا عظیم جنگل انسان کے رہنے کے لائق نہیں رہ گیا تھا۔ وندھیا پہاڑ کی تلہٹی سے جنوب میں بہت دور تک ہزار سال زمین بیابان پڑی رہی۔ اگستیا ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں سے وہاں گئے ساتھیوں نے وہاں بارش کرائی جس کی وجہ سے زمین دوبارہ زرخیز بن گئی۔ اس طرح سے آریہ رشیوں کی مختلف جماعتوں کے رہنے کے قابل بنایا۔

یہ کہانی رامائن کے کسی ابتدائی مسودہ میں نہیں ملتی۔ اور نہ کسی مفسر نے اس کی تشریح ہی کی ہے۔ یہ بعد کی بے تکی اختراع ہے۔ اس کے باوجود اگستیا کا صحرا کو ایک زرخیز علاقے میں تبدیل کر دینے اور اس سلسلہ میں بھارگو اکی بد دعا کا بھی کسی حد تک تعلق پرشو رام کے کیرل دیش کی تخلیق کی درج ذیل کہانی سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ کہانی بھی قریب کے زمانہ کی ہے اور اصلی

پرانوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔

پرشورام نے اپنے والد یم دگنی کے حکم سے اپنی والدہ رینو کا قتل کر دیا اور اپنے اس گناہ کے کفارہ دینے کے خیال سے براہمنوں کے دشمن چھتریوں کو نیست و نابود کر دینے کا عہد کیا۔ یہ کام انھوں نے اکیس معرکوں میں مکمل کیا اور اس کے بعد وشوامتر کے کہنے پر تمام زمین براہمنوں کو دے دی۔ چونکہ اب ان کے پاس اپنی کوئی زمین باقی نہیں رہ گئی تھی جہاں وہ سکونت اختیار کرتے ان لیے انھوں نے سبرامنیہ سے مدد مانگی اور عقوبت نفس (پراشچت) کر کے سمندر کے دیوتا ورون سے اپنے رہنے کے لیے کچھ زمین حاصل کی۔ جس کی حد کا تعین ان کے پھرسا پھینکنے کے بعد ہوتا تھا۔ پرشورام نے کنیا کماری سے گوکرنام تک پھرسا پھینکا۔ یہ پرشورام کا علاقہ تھا، جسے انھوں نے سمندر سے حاصل کیا تھا۔ اس علاقہ کو آباد کرنے کے لیے انھوں نے باہر سے براہمنوں کو بلایا اور ۶۴ گراموں میں بسایا۔ ان کے لیے نیز اسی زمانہ میں آکر بسنے والے دوسرے لوگوں کے لیے قوانین اور رسوم و رواج وضع کیے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بارھویں صدی کے ابتدائی حصہ میں کنٹر زبان کے کتبوں میں پرشورام کی اس کہانی کا ذکر کیا گیا ہے جو کونکن کی تخلیق کے بارے میں ہے۔ کونکن کیرل کے شمال میں ساحلی پٹی میں واقع ہے۔

ہندوستان کی موجودہ زبانوں کے نقشے کے مطالعہ سے جنوبی ہندوستان کے آریائی بنانے کے طریق عمل اور اس کے نتائج کے بارے میں مکمل طور پر ذہنی خاکہ تیار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ خیال رکھنا ہوگا کہ زبان کا فرق کسی بھی حالت میں نسلی اختلاف کا مظہر نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف تہذیب کے معاملے میں اختلاف واضح کرتا ہے۔ شمالی ہندوستان اور دکن میں مہاراشٹر کی زبانیں واضح طور پر سنسکرت کی بولیاں ہیں، یا کوئی ایسی بولی ہے جس میں سنسکرت کا قریبی رشتہ ہے۔ ان بولیوں کی ابتدا مختلف طبقے کے ایسے لوگوں کے لیے کی جن کی اصلی زبان سنسکرت نہیں تھی۔ ان مقبول عام بولیوں میں کافی تعداد میں ایسی آوازیں اور الفاظ ملتے ہیں جو سنسکرت میں نہیں پائی جاتی۔ یہ آوازیں اور الفاظ بلاشبہ آریوں کی آمد سے قبل یہاں کے رہنے والوں کی اصلی زبان سے حاصل کیے گئے ہیں۔ یہ زبانیں عام طور پر اس نو وارد مگر دبنگ سنسکرت کی آواز کے اثر سے ختم ہو گئیں۔ لیکن جہاں شمالی ہندوستان اور مغربی دکن میں حالات اس طرح رونما ہو رہے تھے، مشرقی ساحل اور جنوب بعید میں صورت حال بالکل مختلف تھی۔ یہاں بھی آریہ کافی تعداد میں مقامی باشندوں

کے درمیان اپنی تہذیب پھیلانے کی غرض سے آئے لیکن وہ انھیں مکمل طور پر اپنے سماج میں شامل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور نہ ان کی زبانوں اور عجیب و غریب تہذیب کو جڑ سے اکھاڑ سکے۔ ان حصّوں کی بیشتر آبادی نے اپنی زبان اور رسوم و رواج قایم رکھے۔ شمالی ہند کی تہذیب سے ربط قایم ہونے کی بنا پر دونوں کو ہی تقویت حاصل ہوئی۔ اس کے برعکس نو وارد آریوں کو اپنی سنسکرت زبان کے سنوارنے کے ساتھ ساتھ جنوبی ہندوستان کے لوگوں کی زبان بھی سیکھنا پڑی۔ انھوں نے مقامی رسوم و رواج بھی قبول کیے اور انھوں نے ان کو اس جامع سماج میں جو انھوں نے قایم کیا تھا، لازمی جزو کی حیثیت سے شامل کر لیا۔ نیز اپنی آمد سے قبل اس علاقے کے رہنے والے جن دیوی دیوتاؤں پر اعتقاد رکھتے تھے انھیں بھی مناسب مرتبے کے ساتھ اپنے لچک دار مذہب میں شامل کر لیا۔ اس طریق عمل کی تفصیلات سے ہمیں کبھی بھی واقفیت نہیں ہو سکتی۔ لیکن قدیم تامل ادب جو اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قدیم ثبوت ہے اور جس پر ہماری دسترس بھی ہے کے مطالعہ سے ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ نئے اثرات کا ہر جگہ خیر مقدم کیا گیا۔ نئے اثرات کو بہ خوشی اپنا لیا گیا اور جو تبدیلیاں واقع ہوئیں پُر امن طور پر قرینے کے ساتھ ہوئیں۔ ہمارا یہ احساس اس بنا پر بھی ہو سکتا ہے کہ تامل ادب کی ترقی نسبتاً بعد میں ہوئی۔ اور جنوبی ہندوستان پر پہلی بار آ[illegible] کی آمد کا اثر پڑا اس وقت تو اس ادب کا کہیں پتہ بھی نہ تھا۔ ابتدائی کشمکش کے بعد جب امن اور ہم آہنگی کے دور کا آغاز ہوا تو اس زمانہ میں تامل ادب کا بھی نشو و نما ہوا۔ لیکن ہمیں مشرقی نو آبادیوں اور شمالی ہندوستان میں ہند آریائی تہذیب کی جو تھوڑی بہت واقفیت ہے، اس کی بنا پر یہ قیاس کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پھر بھی رامائن میں راکشسوں کی اس مخالفت پر زور دیا گیا ہے جو انھیں آریوں کے رشیوں کے اس مذہب سے تھی جس میں قربانی دی جاتی تھی۔ راکشس یگیہ کرنے کے مقامات پر متواتر حملے کیا کرتے، شور مچاتے اور بدنظمی پیدا کرتے۔ چنانچہ رام کے ذریعہ ان کی زیادتیوں کو ختم کرنے اور آشرموں میں امن برقرار رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔ اگر داستان کے اس حصہ کی کوئی تاریخی بنیاد ہے (جو قطعی مشکوک ہے) تو اس سے ہمیں یہاں کے قدیم رہنے والوں کی نئی تہذیب کے لیے مخالفت کے کچھ ثبوت ملتے ہیں۔

روایت کے مطابق اگستیا کو بابائے تامل اور اس زبان کی گرامر کا مصنف تسلیم کیا

گیا ہے۔ وہ پانڈیہ حکمرانوں کے اتالیق کل (کل گرو) تھے۔ روایت کے مطابق پانڈیہ خاندان کے حکمران شو اور پاروتی کی نسل سے تھے۔ وہ اس مشہور خاندان کے پہلے راجہ اور رانی بننے کے لیے رضامند ہوئے۔

تامل ادب کی اس وقت تک جن تصنیفات کا علم ہے اُن میں سے کسی تصنیف میں بھی اگستیا رشی کا واضح طور پر ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اور ان کے کارناموں کا تو قطعی نہیں۔ سنگم عہد کے منتخب کلام کے مجموعہ میں صرف ایک مرتبہ "پوڈی اِل کا رشی" (پوڈی اِل۔ مغربی گھاٹ کی پہاڑیوں کا سب سے جنوبی حصہ ہے) سے خطاب کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگستیا رشی سے متعلق روایتوں کے بارے میں اس زمانہ کے تامل علاقے کو واقفیت تھی۔ "منی میکلائی" نظم کے شاعر کو اگستیا رشی کی معجزہ صفت پیدائش اور روشسٹ سے اس کے تعلقات کا علم تھا۔ اس نظم میں کہا گیا ہے کہ اگستیا چولوں کے راجہ کانت کے دوست تھے اور کانت کے کہنے پر ہی انھوں نے دریائے کاویری کو اپنے کمنڈل سے پیدا کیا تھا۔ اُن کا آشرم ملایا کے پہاڑوں میں تھا۔ انھوں نے ایک روایتی چول راجہ کو جس نے ایک معلق قلعہ کو الٹ دیا تھا، مشورہ دیا تھا کہ وہ ہر سال پوہار مقام پر اندر کی شان میں ایک جشن منائے۔ قرونِ وسطیٰ کے ایک مفسر ناچینارک کنییار (1400) نے ایک اور قدیم مصنف کی تصنیف کی بنا پر ایک دوسری کہانی بیان کی ہے جس کے مطابق ہندوستان کا انتہائی جنوبی حصہ راون کے مظالم کا شکار تھا۔ ایک مرتبہ جب راون پوڈیا پہاڑی گیا تو اگستیا نے اس سے اس علاقے کو چھوڑنے اور لنکا میں جاکر رہنے کو کہا۔ راون اس بات سے راضی ہو گیا۔

اگستیا کی تصنیف کردہ تامل زبان کی گرامر کا ذکر کچھ بعد میں آتا ہے۔ پہلی بار اس کا ذکر اڑئی نیار اگاپورول اڑئی کی تصنیف سنگم کی تین عجیب و غریب روایتوں میں آتا ہے یہ کتاب سنہ عیسوی کی آٹھویں یا نویں صدی میں تحریر کی گئی تھی۔ اس کتاب میں اگستیا کا شمار پہلے اور دوسرے سنگم کے رُکن کی حیثیت سے کیا جاتا ہے جن کے قیام کی مدت بالترتیب 4440 اور 3700 برس رہی۔ ان کی کتاب آگتیم جہاں اوّل سنگم کے لیے (نول) بتائی جاتی ہے، وہاں اس کتاب کے ساتھ ساتھ "ٹولکاپیم" اور تین دوسری سنگم کے لیے نول بتائی جاتی ہے۔

اس امر پر تامل کے سبھی حاشیہ نویسوں نے غور کیا ہے کہ اگستیا نے تامل کی گرامر پر کوئی

مقالہ تحریر کیا یا نہیں اور اگر انھوں نے تحریر کیا تو اس کا قدیم ترین کتاب ' ٹولکا پپیم ' سے کیا تعلق ہے ۔ پیراشری یار (1300) نے تحریر کیا ہے کہ اس کے زمانہ کے عالموں کی رائے تھی کہ ٹولکا پپین جس نے اپنے نام پر اپنی گرامر کا نام رکھا۔ دوسری تصنیفات کی تقلید کرتے ہوئے جو اس وقت محفوظ نہیں ہیں ۔ اگتیم سے انحراف کرتے ہوئے اپنی تصنیف کی تھی ۔ وہ لاڑئی نیار اگاپوروِل کا حوالہ دیتے ہوئے اس نظریہ کی تردید کرتا ہے اور زیادہ قدیم تحریروں کی بنا پر اس کی رائے ہے کہ اگستیا تامل زبان اور گرامر کے بانی تھے ۔ اُن کے بارہ شاگردوں میں ٹولکا پپین سب سے زیادہ مشہور تھا۔ اگتیم اصلی گرامر تھی ۔ ٹولکا پپین نے اپنی کتاب میں لازمی طور پر اس اصلی گرامر کے اصولوں کی تقلید کی ہوگی ۔ اور اگستیا کی تصنیف اس زمانہ سے پہلے کی ہوگی ۔ جب تامل کا علاقہ سیلاب کی وجہ سے وینگدم پہاڑی سے کنیا کماری تک تھا۔ جس کے بارے میں پنیم بارانار نے ٹولکا پپیم کے دیباچہ میں اشارہ کیا ہے ۔ مخالف گروپ جس نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا کہ ٹولکا پپین نے اگستیا کی کتاب سے استفادہ حاصل کیا تھا اسی بات پر ڈٹا رہا ۔ مخالف گروپ کو اس عام یقین سے انکار کرنا مشکل تھا کہ ٹولکا پپین اگستیا کا شاگرد تھا۔ اس لیے اس نے اگستیا رشی کی حد اور گرم مزاجی کو استاد اور شاگرد کے درمیان رنجش کی بنیاد قرار دیا ۔ ناچنارک کینیار نے یہ کہانی تحریر کی ہے کہ اگستیا نے جنوب میں نقل وطن کرنے کے بعد اپنے شاگرد ترینا دھوماگنی (ٹولکا پپین) کو اپنی بیوی لوپامدرا کو شمال سے لانے کے لیے روانہ کیا تو اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ سفر کے دوران اس میں اور لوپامدرا کے درمیان کافی فاصلہ برقرار رہے ۔ جب لوپامدرا ویگئی ندی پار کر رہی تھی جس میں سیلاب آیا ہوا تھا تو وہ ڈوبنے لگی ۔ ٹولکا پپین نے قریب آکر اسے بانس پکڑنے کو دیا جس کے سہارے وہ بخیریت کنارے تک پہنچ گئی ۔ چونکہ اگستیا کی ہدایات کی خلاف ورزی کی گئی اس لیے اس نے بددعا دی کہ وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہوسکیں گے ۔ ٹولکا پپین نے اس بددعا کا جواب اسی طرح کی بددعا سے دیا ۔ یہ احمقانہ روایت اس مناقشہ کے آخری دور کی نمائندگی کرتی ہے جو اہمیت کی حامل اور بڑے طویل دور کی ... ہمارے زمانہ میں بھی ختم ہونے کے نزدیک نہیں ہے ۔

یہ دونوں ... کہ بانی تامل ادب کی حیثیت سے اگستیا رشی قابل احترام ہیں یا نہیں ، یا یہ کہ ... کی کتاب ٹولکا پپیم کے لیے بنیادی طور پر ماخذ تھی یا نہیں ، دراصل اس

رجحان کی جانب اشارہ کرتی ہیں جو جنوبی ہندوستان کے لوگوں میں شمالی ہندوستان کی نو وارد سنسکرت کے اثر کی بنا پر پایا جاتا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ نہ تو ٹولکاپیم اور پنیم وارنار کی تحریر کردہ اس کتاب کے دیباچہ میں اگستیا کا کہیں کوئی ذکر کیا گیا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اگستیم کا ذکر سب سے پہلے آٹھویں یا نویں صدی میں آتا ہے یہی وہ زمانہ تھا جب پانڈیوں کے فرمانوں میں یہ اعلان کرنا شروع کیا گیا کہ اگستیا پانڈیوں کے اتالیق کل اور پانڈیہ حکمراں تامل ادب اور سنگم کے سرپرست تھے اور یہ کہ تامل کی وہ پہلی طاقت تھی جسے سیاسی توسیع میں اور تاریخ کی روشنی میں ایک سلطنت قایم کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ تامل ادب اور ٹولکاپیم سے اگستیا کی وابستگی کی تصدیق کرنے والی قریب قریب سبھی روایتوں کی وضاحت کے بعد کے زمانہ میں کی گئی ہوں گی لیکن تامل کی تہذیب کی ترقی کے سلسلہ میں اگستیا کو مخصوص حیثیت دینے کی کوشش نے چیلنج کی صورت اختیار کرلی۔ جب تک کہ آریائی اثر یعنی شمالی زبان اور تہذیب کا اثر تامل دیش میں خاموشی کے ساتھ بتدریج سرایت کرتا رہا اور مقامی عناصر میں خاموش انقلاب لانے تک محدود رہا اس وقت تک معاملات میں کچھ برہمی نہیں پیدا ہوئی۔ یہ طریق عمل بہت پہلے شروع کیا گیا تھا اور تاملوں نے اسے اس حد تک قبول بھی کرلیا کہ یہ مخلوط تہذیب جن عناصر سے مل کر بنی ہے اس میں تفریق کرنا ان کے لیے ناممکن ہوگیا تھا۔ لیکن جب یہ اصول پیش کیا گیا یعنی یہ کہ جب کسی روایت کی ایجاد یہ ظاہر کرنے کے لیے کی جاتی تھی کہ بول چال کی زبان کی شکل میں تامل دیش کا پورا کلچر ایک ویدک رشی کی رہین ہے تو فطرتاً اس کا مقابلہ مخالف دعووں اور روایتوں سے کیا گیا اور اس زمانہ میں بھی جیسا کہ بعض معاملات میں آج کل بھی روایتیں دلائل سمجھی جاتی ہیں۔

جنوبی ہندوستان کو آریائی بنانے کا طریقہ بلاشبہ سست رفتار تھا جو کئی صدیوں تک جاری رہا۔ یہ تقریباً عیسیٰ سے ایک ہزار برس قبل شروع ہوا اور چوتھی صدی ق۔م میں گرامر کے ماہر کاتیاین سے پہلے جس نے جنوب بعید تامل علاقوں کے نام [illegible] ذکر کیا ہے تکمیل کو پہنچا۔ جنوب میں آنے والے آبادکاروں نے کن راستوں کو اختیار [illegible] انتہا تک بحث کرنے والے بعض مورخین کی رائے ہے کہ وندھیاچل کی [illegible] اور گھنے جنگل ست پڑا کی پہاڑیوں کا سلسلہ [illegible] دریائے نربدا جنوب کی جانب سفر کرنے میں زبردست رکاوٹیں تھیں۔ اس لیے نتیجتاً رسل و رسائل کے مخصوص راستے مشرق میں سمندر

کے کنارے کنارے رہے ہوں گے۔ لیکن آریوں کی توسیع شمال مغرب سے شروع ہو کر مشرق اور جنوب کی جانب جاری رہی۔ شمالی ہندوستان کے مشرقی حصے میں آریوں کا اثر نسبتاً بہت بعد میں پڑا۔ اور یہ حصے مغربی نصف حصوں کے مقابلے میں مکمل طور پر آریائی نہ بن سکے۔ پانینی نے اگرچہ واضح طور پر کلنگ کا ذکر کیا ہے پھر بھی یہ تجزیہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ جنوب میں آریوں کی توسیع کا راستہ سمندر کے کنارے کنارے رہا ہوگا۔ براہمنوں، رامائن اور بدھ دھرم کی مذہبی کتابوں سے اس بات کا صاف پتہ چلتا ہے کہ وندھیاچل پہاڑ کو آسان جگہوں سے عبور کر لیا جاتا تھا۔ اور مخصوص راستے وندھیا، نرمدا اور ست پُڑا کے اس پار تھے۔ ودربھ ایک قدیم ترین حکومت تھی اور کسی نے بھی رام کے بن باس کا مقام ناگپور کے مشرق میں کسی جگہ متعین کرنے کا خیال نہیں کیا ہے بلکہ سبھی لوگوں کے نزدیک مغربی دکن میں ناسک اور اس کے قرب و جوار کا علاقہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ باوری کے شاگردوں نے اسمک سے مگدھ جانے کے لیے جو راستہ اختیار کیا ہوگا وہ اس راستے سے بالکل مختلف ہوگا جو آریوں نے جنوب میں داخل ہونے کے لیے اختیار کیا تھا۔ آریوں کا راستہ لازمی طور پر اونتی کے علاقے سے نرمدا کے کنارے واقع مندھاتا تک پہنچ کر ندی اور پہاڑ کو عبور کرنے کے بعد جنوب کی جانب رواں ہونے کا رہا ہوگا۔ ودربھ کے بعد آریوں نے جہاں جہاں اپنی بستیاں آباد کیں، ان میں مولا کا دیش جس کا خاص شہر پیتھال تھا سب سے پہلی نو آبادی ہوگی۔ اس کے بعد اسمک کی بستی بسائی گئی ہوگی۔ یہ حقیقی طور پر بتانا مشکل ہے کہ جنوب بعید میں داخل ہونے کے لیے کس راستے کو اختیار کیا ہوگا یہ کہا گیا ہے کہ جنوبی ہندوستان کے براہمنوں کے ایک طبقے کا نام " برہ چرن " تھا جس سے مراد عظیم نقل وطن کرنا ہے۔ یہ بات جنوب کی جانب ایک عظیم تحریک کی یاد دلاتی ہے۔ اگر اس خیال کو صحیح مان لیا جائے تو ایک شاخ ملاناڈو جو آگے چل کر کندرامانیکم، مان گڈی، اور ستیہ منگلم میں تقسیم ہوگئی۔ یہ دونوں مغربی گھاٹ میں واقع دیہاتوں کے نام ہیں۔ ان سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ نقل وطن کرنے والے متصل پہاڑیوں کے کنارے کنارے رہے۔ اور دوسرے مقامات میں پھیلنے سے قبل میسور، کوئمبٹور اور مدورا کے اضلاع کی سرحدوں کو آباد کیا۔ لیکن یہ سب فرضی باتیں ہیں اور اس سلسلہ میں کوئی قابلِ اعتماد ثبوت فراہم نہیں ہوا ہے۔ یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ وندھیاچل پہاڑ کو پار کرنے والے راستوں کے علاوہ دوسرے راستے بھی اختیار کیے گئے ہوں، مثلاً یہ کہ دریائے سندھ کے

وہاں سے گجرات اور شمالی بمبئی کے ساحل تک بحری راستہ یا بعد کے زمانہ میں کلنگ سے ہو کر مشرقی راستہ اختیار کیا جا سکتا تھا۔ شاید لنکا کو شمالی ہندوستان سے بحری راستہ اختیار کر کے داخل ہونے والوں نے آریائی بنایا۔ یہ بات لنکا کی سنہالی زبان سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ یہ ہند آریائی زبان کی نسل سے ہے۔

سات یا آٹھ سال کی طویل مدت میں جس میں جنوبی ہندوستان آریائی بنایا جا رہا تھا اور ایک نئی تہذیب کا نشو و نما ہو رہا تھا۔ اس وقت بھی اس علاقے کے مشرق اور مغربی ممالک سے بحری راستے کے ذریعے تعلقات برقرار تھے۔ اس سلسلہ میں ادبی اور آثار قدیمہ سے متعلق جو ثبوت موجود ہیں ان کا مختصراً ذکر درج ذیل ہے۔

سلیمان سے ملنے کے لیے ملکہ شیبا یوروشلم میں "اونٹوں کی لمبی قطار کے ساتھ چلی جو مصالہ جات بے انتہا سونا اور قیمتی پتھروں سے لدے ہوئے تھے"۔ پھر حیرم کا جہازی بیڑہ "بڑی مقدار میں اوفر سے سونا، چندن کی لکڑی اور قیمتی پتھر لاتا تھا"۔ سلیمان بادشاہ نے بھی ہاتھی دانت کا ایک بہت بڑا تخت بنوایا اور اس پر بہت عمدہ قسم کا سونا منڈھوایا۔ اس کے پاس حیرم کے جہازی بیڑے کے علاوہ تھرشیش کا بیڑہ بھی تھا۔ تھرشیش کا بیڑہ تین سال میں ایک بار سونا، چاندی، ہاتھی دانت، گوریلا اور مور لاتا تھا۔ حیرم فینیشیا کا باشندہ اور ٹایر کا بادشاہ تھا۔ سلیمان سے دوستی کی بنا پر اسے عہد حکومت میں یروشلم کی خوشحالی میں بے حد اضافہ ہوا۔ حیرم اپنے دوست سلیمان کی سلطنت سے ہو کر بحر قلزم تک جاتا تھا جہاں وہ جہاز تیار کرواتا تھا۔ اس طرح تجارت کی بہت ترقی ہوئی اور یروشلم میں بے حد دولت جمع ہو گئی۔ ممکن ہے کہ اوفر ہی آبھیر دیش ہو۔ اور اس کے دوسرے نام تھرشیش کی بھی وہیں تلاش کی جائے۔ سلیمان کو جو مور اور چندن حاصل ہوتا تھا وہ دونوں اشیا جنوبی ہندوستان میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے نام بھی جنوبی ہندوستان کے ہی ہیں۔ دوسری چیزوں میں اگرچہ چاندی ہندوستان کی پیداوار نہیں ہے لیکن کچھ مقدار میں ہاتھی دانت ہندوستان کے ہی رہے ہوں گے۔ بڑا اس بنا پر خیال کیا گیا ہے کہ ہاتھی کے لیے یہودی، مصری اور یونانی زبان میں جو لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ سنسکرت کے لفظ "ابھا" سے ہی آخر کار لیا گیا ہے۔ اس زمانہ میں خلیج فارس کے جنوبی ساحل پر واقع دیدن کے سوداگر ہندوستان سے آبنوس کی لکڑی فلسطین لے جاتے تھے۔ اسیریا اور بیبی لون کی حکومتیں اپنے

بندرگاہوں سے جو خلیج فارس میں واقع تھے۔ بحری راستے کے ذریعے ہندوستان سے تجارت کرتے تھے اور یہاں سے مصالحہ جات، سونا، اور خوشبودار لکڑی لے جاتے تھے۔ یہ صحیح کہا گیا ہے کہ عیسیٰ سے پانچ سو برس ق۔ م۔ بیبی لون میں بحری راستے کے ذریعے چاول، مور، صندل وغیرہ جن چیزوں کی بھی برآمد ہوتی تھی ان کے نام دراوڑ زبان میں موجود ہیں اور سنسکرت زبان میں نہیں ہیں۔ عیسیٰ سے قبل ساتویں صدی میں مغرب کے تاجروں نے بیبی لون کے سکوں کی بنیاد پر جنوبی چین میں منقش سکوں کا سلسلہ رائج کیا اور چین اور بیبی لون کے درمیان بحری راستے کے ذریعے تجارت میں ہندوستان کی شمولیت لازمی تھی۔ نبوکاڈنیزر (604-562 قبل مسیح) کے محل میں ہندوستانی دیودار لکڑی کا جو شہتیر پایا گیا ہے اور ''اُر'' میں واقع چندر دیو کے مندر میں ساگون کے جو لٹھے پائے گئے وہ یا تو اسی دور کے یا اس کے کچھ بعد کے زمانہ کے تھے۔ اس کے علاوہ باویرو جاتک میں بعض ہندوستانی تاجروں کے کارناموں کا ذکر کیا گیا ہے اس میں یہ ذکر بھی شامل ہے جس میں ہندوستانی تاجر سمندری راستے سے پہلی بار بیبی لون کے یہاں سے مور لے گئے تھے اس طرح ان تمام باتوں سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ جنوبی ہندوستان اور مغربی ممالک کے درمیان بحری راستوں کے ذریعے ربط قایم تھا۔ عیسیٰ سے قبل ساتویں اور چھٹی صدی میں بیبی لون اپنی شان و شوکت کے عروج پر تھا یہ مقام دنیا میں تجارت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ مختلف ممالک کے رہنے والے اس کے بازار میں آتے تھے اور ہم یہ تسلیم کر سکتے ہیں کہ ان لوگوں کے درمیان جنوبی ہندوستان کے تاجر بھی ضرور شامل رہے ہوں گے۔ بیبی لون کے زوال کے بعد تجارت موزا، مدن اور کین کے عرب سوداگروں کے ہاتھ میں آگئی۔ پیری پلس کے مصنف نے کہا ہے کہ ''موسمی ہواؤں کے بارے میں ہپ پیلسی کی دریافت سے قبل لوگ چھوٹے چھوٹے جہازوں میں سمندر کے کنارے کنارے ہندوستان آتے تھے۔ لیکن خلیج فارس سے ہندوستان آنے کا راستہ گیڈروشیا کے ناہموار کناروں کے ذریعہ کبھی نہیں رہا ہوگا۔ اور 512 قبل مسیح میں دارائے دریائے سندھ کے دہانے کے ذریعے اور تقریباً دو صدی بعد سکندر اعظم نے بحری راستہ دریافت کرنے کے لیے جن لوگوں کو روانہ کیا تھا ان سے اس راستے کی مشکلات، خطرات، مدت سفر اور جہاز رانوں کی لاعلمی کا پتہ چلتا ہے۔ ہندوستانیوں، عربوں اور ایرانیوں کے ملاحوں کو موسمی ہواؤں کے بارے میں بہت پہلے سے اچھی واقفیت ہوگی اور عیسیٰ سے قبل ساتویں

صدی میں جو جہاز راں چین پہنچے ہوں گے انھیں کھلے سمندر میں چلانے میں کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا ہوگا۔ ہپ پیلس کی دریافت (45 قبل عیسوی میں) اگر حقیقت ہے تو اس سے اس زمانہ کے رومی اور یونانی تاجر مستفید ہوتے ہوں گے۔

چینی تاریخی مواخذ میں اکثر اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ ساتویں صدی ق۔م کے قدیم زمانہ میں بھی بحری تاجر ہندوستانی مخصوص مصنوعات چین لاتے تھے۔ اگرچہ ان باتوں پر عام طور سے یقین نہیں کیا جاتا۔ لیکن عیسیٰ سے تقریباً ایک ہزار سال قبل فلپائن میں لوہے کے عہد کی جو چیزیں دریافت ہوئی ہیں ان میں اور جنوبی ہندوستان کے اسی زمانہ کی چیزوں میں مشابہت کی نمایاں طور پر تصدیق ہوتی ہے۔ ان میں لوہے کے اوزار اور ہتھیار مثلاً چاقو، کلہاڑیاں، خنجر، بھالوں کا اگلا حصہ، شیشے کے دانے (تسبیح کے دانے) ہری اور نیلی رنگ کی چوڑیاں اور نیم قیمتی پتھروں میں عقیق، کارنیلین، یاقوت حمیری اور راک کرسٹل شامل ہیں۔ ابتدائی لوہے کے زمانہ میں صرف ہرا شیشہ جو لوہے سے رنگ حاصل کرتا ہے ملتا ہے۔ لیکن اس کے بعد کے زمانے میں نیلا شیشہ بھی جو تانبے سے رنگ حاصل کرتا ہے دستیاب ہوا ہے۔ لوہے اور شیشہ کی دونوں چیزیں جنوبی ہندوستان میں تاریخ کے دور سے قبل لوہے اور شیشہ کی چیزوں کے مانند اور بعض معاملات میں تو بالکل یکساں دکھائی پڑتی ہیں۔ یہ چیزیں لاکھوں ڈالمین، سمادھیوں اور قبروں میں ملتی ہیں۔ یہ مزار اور قبریں یقینی طور پر پانڈیہ، چول اور چیرا کی تاریخی حکومتوں سے پہلے کی ہیں۔ ان حکومتوں کی تاریخی قدامت کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ سنہ عیسوی کے آغاز میں یا اس سے قبل رہی ہوں گی۔ چونکہ اسی طرح کے شیشے کے دانے اور چوڑیاں ابھی حال میں ملایا کے جزیرہ نما جاوا کی ڈالمینوں، مزاروں اور بورنیو میں دستیاب ہوئی ہیں اس لیے لازمی طور پر یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ عیسیٰ سے ایک ہزار سال قبل شمالی فلپائن اور جنوبی ہندوستان کے درمیان تجارتی طور پر ربط قایم تھا۔ سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں جنوبی ہندوستان کی حکومتوں کی بڑے پیمانہ پر تجارت، آبادکاری اور اخیر میں جاوا، سوماترا، اور ہند چین کی فتوحات کے بارے میں سبھی لوگ واقف ہیں۔ بہرکیف تاریخ کے نئے مواد سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ تعلقات کے قیام کی ابتدا نہ تھی بلکہ صدیوں پہلے جو تعلقات شمالی فلپائن تک قایم ہوچکے ان کا آخری ہی دور تھا۔

معاون کتابیں

ڈی۔آر۔بھنڈارکر :۔ لکچرس آن دی اینشی اینٹ ہسٹری آف انڈیا۔ از 650 ق م
تا 325 ق۔م (کلکتہ 1919)

آر۔جی۔ بھنڈارکر :۔ ارلی ہسٹری آف دی ڈکن۔ (بمبئی 1890)

آر۔بی۔ڈکسن :۔ ریسنٹ آرکیولاجیکل ڈسکوریز ان دی نلی پائنٹز (پروسیڈنگز آف
دی امریکن فلوزافیکل سوسائٹی۔ جلد 69 1930)

پی۔ٹی۔سری نواس اینگر :۔ ہسٹری آف دی تاملس (مدراس 1929)

جے۔کنیڈی :۔ دی ارلی کامرس آف بیبی لون ود انڈیا۔ (جے۔آر۔اے۔ایس 1898)

ڈبلو۔لوگن :۔ مالابار۔ جلد I (مدراس 1887)

ڈبلو۔ایچ۔شاف (ایڈیٹر) :۔ دی پیری پلس آف دی ایری تھیرین سی نیویارک
1912۔

باب 5

موریہ سلطنت کا زمانہ

جنوب میں نند کی حکومت۔ چندر گپت موریہ کے زوال کے بارے میں جینیوں کے بیانات۔ کتبے۔ شمالی و جنوبی ہندوستان کے درمیان تجارت کے بارے میں ارتھ شاستر کی شہادت میگستھنیز۔ اور پانڈیہ حکومت۔ اشوک کے فرمانوں میں تامل کی حکومتیں۔ ستیہ پُت۔ دکن میں اشوک کی سلطنت۔ تامل حکومتوں کا اتحاد۔ جنوبی ہندوستان کی سیاست میں موریوں کی دل چسپی۔ گپھاؤں میں براہمی کتبے اور ان کی اہمیت

عیسیٰ سے قبل چوتھی صدی میں نند شاہی خاندان کے بادشاہوں نے مگدھ کی سلطنت کو بہت فروغ بخشا۔ اس خاندان کے بادشاہ بہت طاقت ور تھے لیکن عوام میں مقبول نہ تھے۔ پرانوں کے تحریری بیانات کے مطابق انھوں نے تمام مخالف بادشاہوں کو مغلوب کر لیا تھا اور مکمل ہندوستان کے تنہا بادشاہ بن گئے تھے۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ ان کی سلطنت جنوب میں کہاں پھیلی ہوئی تھی۔ ان کی سلطنت میں کلنگ شامل تھا کیونکہ اس کی تصدیق کھاردیل کے ہاتھی گپھا کتبے سے ہوتی ہے۔ کھاردیل دوسری قبل مسیح میں کلنگ کا حکمراں تھا۔ اس کتبے میں ایک نہر کی تعمیر کے سلسلہ میں ایک نند راجہ کا ذکر ہے۔ اس کتبے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ نند راجہ کلنگ کے حکمرانوں کی رقاصائیں اور جینا کا ایک مجسمہ بھی اپنی فتح کی یادگار کے طور پر ساتھ لے گیا تھا۔ کنٹر زبان کے کتبوں میں نند راجاؤں کی کنتل دیش میں حکومت کی ایک موہوم یادگار محفوظ ہے لیکن اس روایت کی کسی طرح تصدیق نہیں ہوتی۔ گوداوری کے بالائی حصے میں واقع ناندیر کو اکثر قدیم نو نند دھیرہی خیال کیا جاتا ہے اور دکن میں نند حکومت کی سرحد سمجھا

جاتا ہے ۔ پرانوں کے ٹھپے دار سکے جو دکن جنوبی ہندوستان، لنکا، اور یہاں تک کہ شمالی ہندوستان میں بھی ہر جگہ پائے جاتے ہیں، شمال اور جنوب کے درمیان قدیم رابطے کا واضح ثبوت فراہم کرتے ہیں ۔ جن کی تفصیلات اب دستیاب نہیں ہیں ۔ ان سکوں کی بنا پر یہ تو اخذ ہی کیا جاسکتا ہے کہ شمال اور جنوب کے درمیان تجارتی تعلقات تھے ۔ لیکن نند سلطنت کی جنوبی سرحد کے تعین کے سلسلہ میں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے ۔ جنوبی ہندوستان میں اشوک کے موجودہ کتبوں کے مطابق اس کے زمانہ میں موریہ سلطنت کی جو حد مقرر کی گئی ہے ۔ اس میں کنتل دیش واضح طور پر شامل تھا ۔ اس بات کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا کہ موریہ بادشاہوں نے جنوبی حکمرانوں کو مغلوب کرنے کے لیے لڑائیاں بھی لڑیں ۔ بہر کیف یہ ممکن ہے کہ کنٹر زبان کے جن کتبوں کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے وہ اس روایت کی صداقت کو برقرار رکھتے ہوئے کہ موریوں نے نند بادشاہوں کو مغلوب کرکے اُن کے دکن کے مقبوضات پر اپنا قبضہ جما لیا ۔ قدیم تامل کے رہنے والوں کو نند بادشاہوں کی کثیر دولت کا علم تھا ۔ بلکہ ان کی بے انتہا دولت کے بارے میں ایک کہاوت بھی مشہور رہی ہے ۔ سنگم عہد کے شعرا میں سے ایک شاعر ماموں نار ایک ہجراں نصیب خاتون سے کہلوا تا ہے کہ " آخر وہ کونسی شے ہے جو میرے محبوب کے لیے میرے حسن سے بھی زیادہ دلکش ہے اور جس نے میرے محبوب کو مجھ سے اتنے عرصے تک جدا رکھا ہے ۔ کیا یہ وہ خزانہ تو نہیں جسے عظیم نند بادشاہوں نے جنگوں میں فتح یابی کی بنا پر خوش حال پاٹلی پتر میں جمع کیا اور گنگا کے پانی میں چھپا کر رکھا ہے "۔

جین روایتوں سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ ثرت کیولین فرقے کے ایک آخری درویش بھدر باہو نے جب بارہ سالہ قحط کی پیش گوئی کی تو موریہ شہنشاہ چندر گپت نے اپنا تخت چھوڑ دیا اور درویش اور اُس کے شاگردوں کے ساتھ جنوب کی جانب روانہ ہو گیا ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چندر گپت نے جین درویش کی طرح کئی برس تک میسور میں واقع شرون بیل گولہ میں قیام کیا اور آخر میں اپنے گرو کی موت کے بارہ برس بعد فاقہ کشی کے ذریعہ خودکشی کرلی ۔ شرون بیل گولہ اور اس کے قرب وجوار کے کتبوں میں بھدر باہو اور چندر گپت مُنیندر کا ذکر ملتا ہے ۔ ایک کتبہ جو 600 تک کا قدیم ہو سکتا ہے ۔ اس میں ان دونوں کا ذکر کیا گیا ہے ۔ کتبے میں کہا گیا ہے کہ ان کے اعتقاد کے بارے میں شک نہیں کیا جاتا ۔ اس سے بھی قبل ایک اور کتبے میں جو تقریباً پانچویں صدی کے بعد کا ہوگا ۔ مذکورہ بالا کہانی کی حقیقت بیان کی گئی ہے

اس کتبے کے مطابق بھدر باہو نے اجین میں بارہ سالہ زبردست قحط کی پیش گوئی کی تھی اور لعدازاں مکمل جینی سنگھ اپنے گرو کی قیادت میں شمال سے نقل وطن کر کے جنوب میں بس گیا۔ جب یہ لوگ آباد اور خوش حال دیش (میسور) میں کتاوا پر (یعنی چندر گری) پہاڑی کے پاس پہنچے۔ تو وہاں کے ایک اچاریہ نے جس کا نام پربھا چندر تھا یہ خیال کر کے کہ اسے اس دنیا میں بہت دنوں تک زندہ نہیں رہنا ہے۔ پورے جین سنگھ کو بھدر باہو کے پاس بھیج دیا اور صرف ایک شاگرد کو اپنی خدمت کے لیے پاس رکھا۔ بعدازاں اس نے ریاضت کی اور تن خاکی سے نجات حاصل کی۔ شری بنگا پٹم کے قرب و جوار سے تقریباً نویں صدی عیسوی کے دو کتبوں سے پتہ چلتا ہے کہ شرون بیل گولہ میں واقع چندر گری پہاڑی جس کی اونچائی زیادہ نہیں تھی اس کی چوٹی پر بھدر باہو اور چندر گپت منی پتی کے پیروں کے نشانات بنے ہوئے ہیں۔ شرون بیل گولہ میں جو کتبے بعد میں دریافت ہوئے ہیں ان پر بارھویں اور پندرھویں صدی کندہ ہے اور ان کتبوں میں مذکورہ بالا روایت کچھ ترمیم کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ ادبی مواخذ سے اس طرح کے ثبوت فراہم ہوتے ہیں۔ ان میں ہری شین کی (931) تصنیف برہت کتھا کوش سب سے قدیم معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ چندر گپت موریہ کے انتقال کے بارے میں کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔ اس روایت کو کسی حد تک قابل اعتماد سمجھا جا سکتا ہے حالاں کہ یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ کتبوں میں جس چندر گپت منی کا ذکر ہے اس کی اصلی شخصیت کے بارے میں ابھی تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکا ہے۔

موریہ سلطنت کے ابتدائی زمانہ میں کوٹلیہ کی کتاب ارتھ شاستر سے شمال اور جنوب کے درمیان تجارت کے بارے میں بعض اہم معلومات حاصل ہوئی ہیں خشکی کے راستوں کے بارے میں کوٹلیہ کا بیان ہے کہ "میرے گرو کا خیال ہے کہ ہمالیہ جانے تک راستہ دکھن پتھ تک جانے والے راستے سے بہتر ہے کیونکہ اس علاقے میں سبھی بیش قیمت اشیا مثلاً ہاتھی، گھوڑے، مصالحہ جات، ہاتھی دانت، کھالیں، چاندی اور سونا ملتا ہے" اس کے بعد وہ اپنی رائے کا جو بالکل مختلف ہے اظہار کرتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ "یہی" نہیں۔ اگرچہ دکھن پتھ جانے والے راستے میں اونی سامان، جانوروں کی کھالیں اور گھوڑوں کی کمی ہے۔ لیکن شنکھ، ہیرے مختلف بیش قیمت پتھر، موتی، اور سونے کی چیزیں ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ دکھن پتھ جانے والا تجارتی راستہ ایک ایسے علاقے سے ہو کر گزرتا ہے جن میں کانیں اور بیش قیمت

تجارتی سامان ملتا ہے۔ نیز وہاں بہت سے تاجر اکثر آیا کرتے ہیں اور سفر بھی دشوار نہیں ہے۔ یہی راستہ بہتر ہے۔" اس اقتباس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ نند اور موریہ سلطنتوں کے قیام کے بعد جنوب کے ساتھ بڑے پیمانہ پر تجارت کی ابتدا ہو چکی تھی۔ کوٹلیہ کے گرو (آچاریہ) نے جس خیال کا اظہار کیا تھا وہ نئے خیالات کی بنا پر تیزی کے ساتھ فرسودہ ہوتا جا رہا تھا۔ ان کے شاگرد نے تصدیق کی ہے کہ اس کے زمانہ میں جنوب میں نسبتاً زیادہ دولت اور تجارت کے امکانات پائے جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں دوسری قابل غور بات ایسی اشیا مثلاً سونا، ہیرے اور دوسرے بیش قیمت پتھر اور موتی کا تذکرہ ہے نیز اس راستے پر سفر کی سہولیات کا ذکر ہے جس پر لوگ برابر آتے اور جاتے رہتے تھے۔ کوٹلیہ نے شاہی خزانہ میں جن اشیا کے داخلے کے متعلق کہا ہے ان میں پانڈیہ دیش میں تامبرپرنی ندی پانڈیہ کواٹ (جس کے متعلق شرح میں وضاحت کی گئی ہے کہ اس علاقے میں واقع ملے کوٹی پہاڑ ہے) اور کیرل میں چورنا ندی سے مختلف قسم کے موتی شامل ہیں۔ اس نے مدورا سے ابنوائے اچھے سوتی کپڑے، مختلف رنگوں کے زمرّد (وے دریہ) اور مختلف قسم کی چندن کی لکڑی کا بھی ذکر کیا ہے یہ بھی اشیا جنوب سے حاصل ہوتی ہوں گی۔

میگستھنیز نے ہیراکلس کی لڑکی پانڈایہ کی پانڈیاں سلطنت پر فرضی حکومت کا ذکر کیا ہے۔ جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اس کہانی کو اس زمانہ کے حالات کے لیے کم اور پانڈیہ حکومت کے آغاز کے لیے زیادہ اہم قرار دینا چاہیے۔ میگستھنیز کہتا ہے کہ ہر روز ایک گاؤں اپنا خراج شاہی خزانہ میں جمع کرنے کے لیے لاتا تھا۔ خراج کی ادائیگی شاید جنس کی شکل میں کی جاتی تھی۔ یہ اس خیال سے کہ روزانہ کی ضروریات پوری کی جا سکیں۔ شلپ پادیکارم (600) میں اس قسم کے ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ مدورا کے مضافات میں ایک دودھ والے کو ایک خاص دن اپنی باری آنے پر شاہی محل میں گھی مہیا کرنا پڑتا تھا۔

اشوک کے پتھر پر کندہ دوسرے اور تیرھویں شاہی فرمان میں لنکا کے ساتھ جنوبی ہند کی حکومتوں کا ذکر ہے۔ دوسرے شاہی فرمان کی فہرست زیادہ مکمل ہے اور اس میں چول، پانڈیہ، ستیہ پُت، کیرل پت تامب پنی (لنکا) کے نام شامل ہیں۔ فرمان میں یہ واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ یہ سبھی علاقے اشوک کی قلمرو سے باہر تھے لیکن شہنشاہ اعظم کے تعلقات ان سب کے ساتھ دوستانہ تھے۔ اور اس نے ان علاقوں کے باشندوں اور جانوروں کی صحت کی مناسب دیکھ بھال کے لیے اقدامات بھی کیے۔ جہاں کہیں ضرورت ہوتی تھی وہاں دوا کی شکل میں جڑی بوٹیاں

رواج کی جاتی تھیں۔ اور مقامی طور پر ان کی کاشت بھی کرائی جاتی تھی۔ اس نے ان علاقوں کے باشندوں کو بدھ دھرم کے اصولوں کو سمجھانے کے لیے مبلغین بھی روانہ کیے۔ اس طرح وہ لوگوں کی نہ صرف جسمانی صحت کی پرواہ کرتا تھا بلکہ وہ ان کی روحانی اور اخلاقی صحت میں بھی کافی دلچسپی لیتا تھا۔ ان واقعات کا محض تذکرہ ہی یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ جنوبی ہندوستان کے رہنے والوں نے کسی حد تک عام تہذیب کا معیار حاصل کر لیا تھا۔ اور تہذیب کے مختلف فنون میں ترقی کی تھی۔ تاملوں اور سنہالیوں کا ایک معینہ نظام سیاست رہا ہوگا اور اشوک کے دوستانہ تعلقات قایم کرنے کے خیال سے بھی قبل کسی زمانہ تک یہ لوگ منظم ریاستوں میں رہے ہوں گے۔

ستیہ پُتر سلطنت کی شناخت کا مسئلہ دشوار ہے اور ایک عرصے سے بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔ اس کا نام ابھی تک ایک قبیلے کا نام خیال کیا جا رہا ہے۔ اس کے سنسکرت نام "ستیہ پتر" کا مطلب سچائی کی جماعت کے افراد سے ہے۔ قدیم تامل ادب کو صرف ایک ہی قبیلے کی واقفیت تھی جس کا نام کوشر تھا اور جو اس بیان کے پورے طور پر مطابق تھا۔ اس قبیلے کے افراد اپنے قول کے پکے ہوتے تھے اور دوران جنگ اپنی بہادری کے لیے مشہور تھے۔ ان کے وطن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کانگو دیش کے رہنے والے تھے جو آج کل سالم اور کوائمبٹور اضلاع کا علاقہ ہے۔ ان لوگوں نے عیسیٰ کی ابتدائی صدیوں میں مغربی ساحل پر واقع تولو دیش کو تہس نہس کر ڈالا تھا۔ ان لوگوں کو سنگم عہد کے ادب میں بڑی اہمیت حاصل ہے اور یہ زیادہ ممکن نظر آتا ہے کہ جنوبی ہندوستان کی تین مخصوص حکومتوں کے بعد تامل دیش کی ابتدائی سیاسی تعلیم میں ان کا شمار کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مورخین نے ستیہ پُتر کو آزمائش کے طور پر کوشر اور ان کے دیش کو کونگو تسلیم کر لیا ہے۔ جدید مراٹھا ستیہ پُتر کے بارے میں خیال کرتے ہیں کہ یہ لوگ ان لوگوں کی اولادیں ہیں جو جنوب سے مہاراشٹر میں داخل ہوئے۔ ستیہ پُتوں کو ادی یمان (ادی گئی مان یا ارنگ مان) کے ساتھ اطمینان بخش طور پر ہم پلہ سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ بات پہلی بار کے۔ جی۔ سیش آئیر نے کہی اور پی۔ برٹو نے معقول لسانی بنیاد پر اس کی تائید کی۔

ا ملاحظہ ہو بلیٹن آف دی اسکول آف اورنٹیل اینڈ افریقن اسٹڈیز لندن جلد 12۔
1948 ص 137-136-47-146

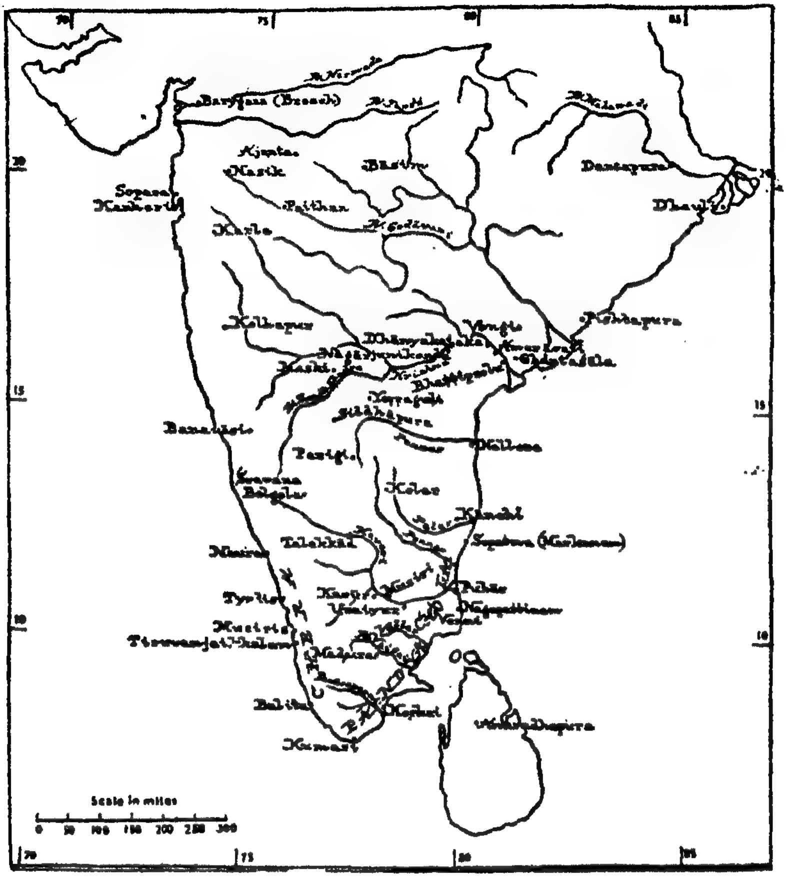

جنوبی ہندستان 300 ق م سے 500 عیسوی تک

اشوک کے عہد حکومت میں کلنگ کی فتح ایک ایسا واقعہ ہے جس کے بارے میں زیادہ تر لوگوں کو واقفیت ہے۔ یہ فتح اشوک کی روحانی زندگی میں ایک نقطۂ انقلاب ثابت ہوئی اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں اگر اس کے شاہی فرمان مہاندی کے ڈیلٹا میں واقع یقیناً بمقام دھولی اور گنجم ضلع میں واقع جوگڑھ میں پائے گئے۔ کیونکہ یہ علاقے اس وقت کلنگ میں شامل تھے۔ دھولی شاید توشالی ہی تھا۔ یہ اس زمانہ میں کلنگ کا دار الخلافہ تھا۔ بمبئی کے نزدیک سوپرا میں اشوک کے شاہی فرمان کا جو حصّہ دریافت ہوا ہے اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی

ہے کہ موریہ سلطنت میں دکن کے شمالی مغربی اور شمالی مشرقی دونوں ہی حصے شامل تھے۔ اشوک کے کتبے میسور میں واقع اضلاع رائچور اور چیتل درگ میں، آندھرا میں ضلع کرنول میں پائے گئے ہیں۔

جنوب میں موریہ سلطنت کی حد کی تعین کے بارے میں محض قیاس کیا جاسکتا ہے۔ یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ تونڈئی منڈلم کا ایک حصہ بھی شامل رہا ہوگا۔ نویں صدی کے ایک پلو کتبے (ویلور پالئی یم کی تختیوں) میں کانچی پورم کے ایک ابتدائی حکمراں اشوک درمن کا نام آتا ہے۔ پاٹلی پتر میں بدھ دھرم کی تیسری کانفرنس کے بعد دوسرے ممالک میں دھم (دھرم) کی اشاعت کے لیے مبلغ روانہ کیے گئے۔ ان مشنوں کے بارے میں شری لنکا کی کتاب مہاومس میں جو واقعات درج کیے گئے ہیں ان میں دکن کے ممالک کا بخوبی ذکر کیا گیا ہے۔ مہاومس سے معلوم ہوتا کہ ایک شخص مہادیو کو مہیش منڈل (میسور) اور ایک شخص رکھتیا کو ون واسی (جو بعد میں کدمب حکومت کا مرکز بنا) یونے دھم رکھتیا جو غالباً ایک یونانی درویش تھا کو اپرانتک (بمبئی ساحل کا شمالی نصف حصہ) اور مہارکھیتا کو مراٹھ دیش روانہ کیا گیا۔ اشوک کے لڑکے مہیندر جس نے لنکا میں بدھ دھرم کی تبلیغ کی تھی کا نام بھی چار دیگر افراد کے ساتھ فہرست میں شامل ہے۔ جنھیں لنکا میں بدھ دھرم کی اشاعت کا شرف حاصل ہے۔ اگرچہ یہ بیان اصل واقعہ کے سات آٹھ صدی کے بعد کا ہے لیکن یہ یقین کرنے کے لیے مناسب اسباب ہیں کہ روایت کو صحیح طور پر برقرار رکھا گیا ہے جس کی توثیق اشوک کے کتبوں سے ہوتی ہے۔ دکن کی جتنی ریاستوں کے بارے میں بتایا گیا ہے وہ سب اشوک کی سلطنت میں شامل نہیں۔

مغربی اور شمالی دکن کے رِتھک اور بھوج مشرقی دکن کے آندھرا اور پرداس اور پنتیک جن کی جائے قیام کے بارے میں ابھی پتہ نہیں چل سکا ہے۔ اپنی اپنی حکومتوں میں بڑی حد تک خودمختار تھے۔ انھیں پورے طور پر آزادی نہیں حاصل تھی کیونکہ اشوک کے کتبوں میں انھیں شہنشاہ کے علاقے کا عوام کہا گیا ہے۔ دکن موریہ سلطنت کا ایک اہم حصہ تھا۔ یہاں دو مقامات پر شہنشاہ کے نمائندے (وائسرائے) رہتے تھے۔ یہ مقامات توشالی اور سورن گری تھے۔ سورن گری کو اب کنک گری کہتے ہیں جو آندھرا پردیش میں ہامپی اور مسکی کے درمیان واقع ہے۔ یہ علاقہ مہاماتروں کی زیرنگرانی تھا۔ بعض مہاماتر وائسرائے کی مدد کرتے تھے اور بعض اضلاع کے حکام نیز دوسرے شہروں میں عدلیہ کے جج ہوتے تھے۔ انت مہاماتر علاقہ کی دفاع اور پس ماندہ لوگوں کی اصلاح سے متعلق فرائض انجام دیتے تھے۔

میسور اور کرنول میں اشوک کے کتبے کئی معنوں میں شمال کے شاہی فرمانوں سے مختلف ہیں۔ ان کتبوں کی تحریر کو دکن کا مخصوص براہمی طرز تحریر تسلیم کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوب میں کچھ زمانہ پہلے سے ہی یہ طرز تحریر رائج تھا جس کی بنا پر یہ فرق پیدا ہوا۔ نیز یہ کہ جنوبی ہندوستان کے لوگ اپنے ہم عصر شمالی ہندوستان کے رہنے والوں کی زبان سمجھتے تھے اور تہذیب اور مطمح نظر میں ان کے برابر تھے۔

دریائے کرشنا کے ضلع کے نزدیک بھٹی پرولو کے استوپ میں پتھر کے جو متبرک صندوقچے دریافت ہوئے ہیں ان پر کندہ عبارت غالباً اشوک کے فرمانوں سے صرف چند برس بعد کی ہے۔ یہ براہمی طرز تحریر کی جنوبی قسم میں کندہ کی گئی ہے اور اس کی زبان میں بھی مقامی بول چال کی بہت سی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ ان کتبوں میں ایک راجہ کبیرک اور اس کے والد کا ذکر ہے۔ لیکن والد کا نام نہیں دیا گیا ہے۔

کھارویل کے مشہور ہاتھی گنگف کتبے میں (عیسیٰ سے قبل دوسری صدی کا پہلا نصف حصہ) تامل ریاستوں کی ایک جماعت کا ذکر ہے جو کتبے کی تحریر کے وقت ۱۱۳ برس قدیم تھی اور کچھ عرصے تک کلنگ حکومت کے لیے خطرہ بنی رہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تامل دیش کی مختلف حکومتیں اس ابتدائی دور میں بھی دیرپا سفارتی تعلقات قایم رکھ سکتی تھیں اور نزدیک یا دور کی ہمسایہ ریاستوں کے ساتھ ایک مستحکم پالیسی کے مطابق عمل کرسکتی تھیں۔

ماموِلنار شاعر جس کا ذکر نند خاندان کی جمع کی ہوئی دولت کے سلسلہ میں پہلے کیا جاچکا ہے کا بیان ہے کہ کوشر نے اپنے دشمن کے خلاف کارروائی کرنا شروع کی اور متعدد مقابلوں میں کامیابی بھی حاصل ہوئی لیکن چونکہ موہر کے سردار نے اطاعت نہیں قبول کی۔ اس لیے موریہ نے جس کے پاس ایک بڑی فوج تھی اور جس کے ہراول دستے میں جنگ جو جادوگر تھا۔ ایک فوج مدد کے لیے جنوب میں روانہ کی۔ ماموِلنار نے موریہ سلطنت کے زوال کے چارسو برس بعد مذکورہ بالا واقعات تحریر کیے۔ اگر اس کے بیان کردہ 'ومبا موریار' کا مطلب موریوں سے سمجھا جائے، جنھوں نے حال ہی میں فروغ حاصل کیا تھا تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ کوشر کو اپنے حملوں کو کامیاب بنانے کے لیے اس کی امداد کو جو فوج اس وقت روانہ کی گئی جس وقت موریہ سلطنت کافی مضبوط اور طاقت ور تھی۔ تامل دیش کی سیاست میں موریوں کی سرگرم مداخلت کی جانب اب تک توجہ نہیں دی گئی۔ لیکن ماموِلنار کے اشعار سے یہ بخوبی واضح

ہو جاتا ہے۔ موریوں کے تحت ہندوستان کا سیاسی اتحاد ایک حقیقت تھی اور پاٹلی پتر کا دربار جنوب برصغیر کے جنوب بعید کے واقعات میں کافی دلچسپی رکھتا تھا۔ وادو گر سے مراد شمال کے باشندے سے ہے اور سنگم ادب میں یہ نام دکن میں رہنے والے تیلوگو۔ کنٹر کے اسلاف کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ دکن ٹھیک تامل دیش کے شمال میں واقع تھا اور اس کی شمالی سرحد دینگ ڈم یا تروپتی پہاڑی تھی۔ دکن موریہ سلطنت کا ایک حصہ تھا اور یہ بات کہ دکنی فوج موریہ فوج کے ہراول دستے کا کام کرتی تھی قابل فہم ہے۔

ماموانار اور دوسرے شعرائے موریوں کا ذکر کرتے ہوئے دوسرے حوالے دے کر موریوں کا چکرورتی یعنی شاہ چکر کی دیو مالائی روایتوں سے گہرا تعلق پیدا کر دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں ماموانار محولہ بالا اقتباسات کی تاریخی اہمیت کو کم نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہمیں یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ ان نظموں میں اس نظریہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے جس کا اظہار اکثر کیا جا چکا ہے کہ موریوں نے جنوبی ہندوستان پر حملہ کیا تھا اور یہ کہ وہ جنوب بعید میں پوڈیا پہاڑ تک پہنچ گئے تھے۔

جنوبی پہاڑیوں میں قدرتی طور پر بنی ہوئی چٹانی گپھاؤں میں جو مختصر برہمی کتبے ملتے ہیں۔ ان کی بہت سی خصوصیات لنکا کے ایسے ہی بے شمار کتبوں سے مشترک ہیں۔ یہ تامل دیش کی ان قدیم یادگاروں میں سے ہے جن کے وقت کا تعین کسی قدر اطمینان کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ ان کتبوں میں جو طرز تحریر اختیار کیا گیا ہے وہ بھٹی پرولو کے کتبوں کی تحریر سے ملتا جلتا ہے تحریر کے بارے میں کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ عیسیٰؑ سے قبل دوسری صدی کی ہوگی۔ ضلع کوائمبٹور کی اری چلور گپھا میں بعد کے زمانہ کا جو کتبہ دریافت ہوا ہے وہ تیسری صدی عیسوی کا ہوگا۔ ارک میڈو کی کھدائی میں برآمد مٹی کے برتنوں پر برہمی تحریر ہے۔ انھیں بھی اسی درجہ کے کتبوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ تقریباً پچاس صدی عیسوی کے ہیں اور تاریخ وار ان شہادتوں کے زمانے کی درمیانی مدت میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔ ان کتبوں کی ابھی مکمل طور پر وضاحت نہیں کی جا سکی ہے لیکن یہ زیادہ تر تو عطیوں کے بارے میں مختصر تحریریں ہیں یا ان درویشوں کے نام ہیں جو کبھی یہاں رہتے تھے۔ یہ گپھائیں جہاں پائی جاتی ہیں ان کے ایک مقام کا نام کالوگو ملائی یا گدھوں کی پہاڑی ہے جس کو تامل زبان میں گردھر کوٹ کہتے ہیں۔ یہ نام قدیم بدھ دھرم کی داستانوں میں متبرک خیال کیا جاتا ہے اس واقعہ سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ سبھی یادگاریں بدھ دھرم سے متعلق تھیں۔ لیکن اس سلسلہ میں قطعی نتائج اخذ کرنا قبل از وقت ہوگا۔ نئی نئی گپھائیں اور کتبے اب بھی دریافت کیے جا رہے ہیں

ہیں۔ جیسے ضلع نیلور میں مالکونڈیں کہتے والی قدرتی گپھا۔ اور دوسری اری چلور میں جس کے بارے میں اوپر بتایا جا چکا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ روایات بہت مضبوط ہوتی ہیں۔ جین دھرم جنوبی ہند میں اگر پہلے نہیں تو تقریباً بدھ دھرم کے ساتھ داخل ہوا۔ یہی ممکن ہو سکتا ہے کہ ان میں کچھ بدھ دھرم اور کچھ جین دھرم کی ہوں۔

اگرچہ ان کتبوں میں جنوبی قسم کی براہمی طرز تحریر ہے لیکن ایک میڈو میں پرانی گپھاؤں کی دیواروں پر پراکرت زبان کے جو کتبے دریافت ہوئے ہیں ان کے علاوہ باقی کتبوں میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ تامل زبان کی ابتدائی شکل ہے۔ تحریر حروف تہجی میں ہے اور اس میں دراوڑ زبان کے مخصوص تلفظ مثلاً یا، با۔ جیہ اور ന کے لیے علامتیں موجود ہیں۔ حروف علت قطعی طور پر معدوم ہیں اور بڑی ح کی آواز خصوصیت کے ساتھ نہیں ملتی۔ بجز دو الفاظ یعنی دھا اور تھا کے قدیمی دستاویزوں کی دو اور خصوصیات قابل غور ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایسے حروف نہیں ہیں جو تشدید کی شکل میں استعمال کیے جاتے ہیں اور ه کو کھینچ کر خاموش حرف علت کے قبل بولنا جیسے تنڈئی کو بجائے تان ڈئی کے بولنا پڑتی (اور دوسری جس کی تفصیلات نہیں دی گئی ہیں) غالباً متعدد نسلوں کے تجربوں اور غلطیوں کے عمل کے نتیجے میں آہستہ آہستہ حاصل ہوئی ہوں گی۔

ان کتبوں کا مطلب ابھی تک مکمل طور پر نہیں سمجھا جا سکا ہے۔ لیکن ان کے مطالعہ سے آزمائشی طور پر بعض باتیں واضح ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان یادگاروں میں شہروں میں متورائی سے مراد مدیورا اور کرو۔ اُر سے مراد کرور ہے۔ عطیہ دینے والی میں ایک خاتون (تاجر روا یتکاز) اور کرتی ذات کے لوگوں کے علاوہ شری لنکا کا ایک کسان کُٹم بیکا بھی تھا۔ ان میں پیشوں مثلاً پون وانی کن (یعنی سونے کا تاجر) کولا وانیکن (اناج کا تاجر) اور کیکولن (یعنی جولاہا) کا ذکر ہے۔ نیکام آثار سے مراد ایک پیشہ کے لوگوں سے ہے۔ یہ لفظ دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ ایک بار عطیہ دینے اور دو بارہ عطیہ پانے والوں کی حیثیت سے۔ لفظ کون کی جس کے معنی سردار یا بادشاہ ہیں استعمال کیا گیا ہے۔ مذہب سے متعلق الفاظ مثلاً اتیت تاکم (آشرم) دھمن (دھرم ارت تار (دھرم کے ماننے والے) تانا (عطیہ) اُپاسا (معمولی عبادت کرنے والا) پالی (جین یا بدھ دھرم کی عبادت گاہ) یا کرو (بکشو) اور کو ویر (کبیر) بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ ان مختصر کتبوں سے پتہ چلتا ہے کہ عوام کے ہر طبقے کے لوگوں کو ان درویشوں سے عقیدت تھی جو پہاڑوں اور جنگلوں کی خاموش تنہائی میں عبادت کرتے تھے۔ ان کتبوں کی سماجی اور مذہبی اہمیت پیش کرنے کے

سلسلہ میں آسانی کے ساتھ مبالغہ سے کام لیا جاسکتا ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ تامل کے لوگوں نے شروع زمانہ میں ہی جین یا بدھ دھرم قبول کرلیا ہو بلکہ بعد کے زمانہ کے سنگم ادب سے پتہ چلتا ہے کہ ویدک دھرم جس میں قربانی ایک فریضہ تھی اور مقبول عام ہندو دھرم کی بعض صورتوں نے عوام اور حکمرانوں کے دلوں میں مضبوطی کے ساتھ گھر کرلیا تھا۔

معاون کتابیں

کے۔ گوپال اچاری ۔ ارلی ہسٹری آف آندھرا کنٹری (مدراس 1941)

جی۔ جوویو ڈبریل :۔ این شی اینٹ ہسٹری آف دکن پانڈیچری 1920)

ایضاً :۔ پروسیڈنگز آف دی تھرڈ آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس 1924)

صفحہ 275

بی۔ ایل۔ رائس :۔ میسور اینڈ کرگ فرام انسکرپشنس (لندن 1909)

پی۔ ٹی۔ سری نواس اینگر ۔ ہسٹری آف دی تاملس (مدراس 1929)

باب 6

ستواہن اور ان کے جانشین

ستواہنوں کا عہد حکومت اور سلطنت کی وسعت۔ ستواہن اور آندھر۔ ستواہن طاقت کا عروج۔ ہالا۔ شکوں کی فتوحات۔ گوتمی پتر شت کرنی اور اس کے لڑکے کے تحت ستواہنوں کا احیا۔ یجن شت کرنی۔ بعد کے ستواہن۔ ستواہنوں کا نظام سیاست۔ سماج۔ شہر۔ بندرگاہ۔ تجارت۔ مذہب۔

ستواہنوں کا جانشین۔ آبھیر۔ چوٹس۔ اشیو ورکو اور ان کا انتظام سلطنت۔ ورہت پھلاینو اور ان کا نظام حکومت۔

سالنکاین۔ کلنگ کا ماٹھرس۔ وشنوکندین۔ آندھر گوتر کے حکمراں۔ برانے واکاٹک بن واسی کے کدمب۔ گنگا وادی کے گنگ۔

موریہ سلطنت کے زوال کے بعد جنوب میں ستواہنوں کی حکومت کی ابتدا ہوئی جو تقریباً 230 ق-م سے ساڑھے چار سو برس تک قایم رہی۔ ستواہن سلطنت جب عروج پر تھی تو اس کے قبضہ میں مکمل دکن تھا اور شمال میں بہت دور شاید مگدھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ عیسی کے بعد پہلی اور دوسری صدی میں گجرات کے شکوں کے ساتھ ایک طویل عرصے تک جنگ جاری رکھنے کی بنا پر ستواہن حکومت کا آخر کار خاتمہ ہو گیا اور تیسری صدی کے شروع ہوتے ہی ان کی حکومت مکمل طور پر ختم ہو گئی اور اس کی جگہ کئی چھوٹے چھوٹے خود مختار شاہی خاندان وجود میں آ گئے۔

پرانوں کی فہرست میں جن لوگوں کو آندھر یا آندھر بھرتیہ کہا گیا ہے وہ بلا شبہ ستواہن کے خاندان کے ہی تھے۔ انھیں اس خیال سے آندھر کہا جاتا تھا کہ وہ آندھر ذات کے تھے۔ اور

پرانوں کی فہرست تیار کیے جانے کے وقت غالباً ان کی حکومت محض آندھرا دیش تک ہی محدود تھی آندھرا کا دوسرا نام آندھرا بھرتیہ پڑنے کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ ستواہن بادشاہوں کے اسلاف موریہ حکومت کی ملازمت میں تھے اور اشوک کے بعد جب موریہ سلطنت کا زوال ہوا تو یہ لوگ مغربی دکن چلے گئے اور وہاں ایک خود مختار حکومت قایم کر لی۔ پلینی کے بیان کے مطابق مشرقی دکن میں آندھرا حکومت کے قبضہ میں تیس شہر اور بے شمار گاؤں تھے۔ اس کے پاس ایک زبردست فوج تھی جس میں ایک لاکھ پیادہ سپاہی، دو ہزار گھوڑ سوار اور ایک ہزار ہاتھی تھے۔ پرانوں کی فہرست میں اگرچہ اس خاندان کے تیس بادشاہ بتائے گئے ہیں جنھوں نے مجموعی طور پر 460 سال تک حکومت کی لیکن موجودہ واقفیت کی بنا پر ان کی تاریخ کو تسلسل کے ساتھ بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ پرانوں کی فہرست میں جن ابتدائی بادشاہوں کے نام دیے گئے ہیں وہ ان کتبوں اور سکوں پر بھی پائے جاتے ہیں جو مغربی دکن میں ناسک، اکارلے اور نِنے گھاٹ میں دریافت ہوئے ہیں۔ آندھرا دیش کے مشرقی ساحل پر ان ابتدائی بادشاہوں کے کوئی نشانات نہیں پائے جاتے۔ اس کے علاوہ کلنگ کے کھارویل نے واضح طور پر کہا ہے کہ ستواہن بادشاہ شات کرنی کی حکومت اس کی کھارویل سلطنت کے مغرب میں واقع تھی ان حقائق کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ستواہنوں کا عروج مغربی دکن میں تقریباً پیتھان (ہرے تشٹھان) کے قرب وجوار کے علاقے میں ہوا ہوگا۔ روایتی طور پر پیتھان کے علاقے سے ان کی وابستگی بتائی جاتی ہے یہیں سے ان کی سلطنت چاروں جانب پھیل گئی۔ سب سے پہلے انھوں نے شمالی اور جنوبی مہاراشٹر، مشرقی اور مغربی مالوہ پر جسے اب مدھیہ پردیش کہا جاتا ہے قبضہ کیا۔ رٹھکوں اور بھوجوں نے ان کی مدد کی۔ ستواہنوں نے انھیں عہدوں اور خطابات سے نوازا۔ اور ان کے ساتھ ازدواجی تعلقات بھی قائم کیے۔

ستواہن حکومت کے قیام کی صحیح تاریخ کا تعین نہیں کیا جاسکتا لیکن پرانوں کی فہرست کے مطابق اس خاندان کے پہلے بادشاہ سموک نے 23 برس ق۔م سے اپنی حکومت شروع کی۔ اس کی تصدیق اس خاندان کے دوسرے بادشاہ کا ستفاکرشن (۱ کے ناسک کے کتبے سے ہو جاتی ہے بوہلر کی رائے ہے کہ یہ کتبہ موریوں کے آخری بادشاہ یا شنگ خاندان کے سب سے پہلے بادشاہ یعنی عیسیٰ سے قبل دوسری صدی کے شروع کا زمانہ تھا۔ جینیوں کے بیانات کے مطابق سموک (جس نے تیئس برس حکومت کی) اپنی حکومت کے آخری زمانہ میں اتنا ظالم ہو گیا تھا کہ اسے تخت سے اتار کر مار ڈالا گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی کا نھا (189 سے 207 ق۔م) تخت نشین ہوا

اُس نے اپنی سلطنت کی اگر زیادہ دور تک نہیں تو کم سے کم مغرب میں ناسک تک ضرور توسیع کی ۔
اس خاندان کا تیسرا بادشاہ شری شات کرنی اوّل تھا۔ ننے گھاٹ میں خود اس کی، اس کے والد سموک، اس کی ملکہ ناگنیکا، ایک بزرگ اور تین شہزادوں کی پتھر پر ابھری ہوئی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اس نے مغربی مالوہ پر قبضہ کر لیا اور اس کی ملکہ کے ایک کتبے میں اس کے بڑے بڑے یگیہ کرنے اور پروہتوں کو دان دینے کا ذکر ہے جن میں ہزاروں گائیں اور گھوڑے، کئی ہاتھی، سالم گاؤں اور بڑی رقم (لاکھوں کارشاپن) شامل تھی۔ اس کتبے سے پتہ چلتا ہے کہ شری شات کرنی نے دو مرتبہ اشومیدھ یگیہ کر کے اپنی شہنشاہیت کا بھی اعلان کیا تھا۔ اس طرح فتح کا جو جشن منایا گیا ہوگا وہ لازمی طور پر شمالی حکمران شنگوں کی تذلیل کر کے منایا گیا ہوگا۔ کالیداس کے ایک ڈرامہ مال وِک اگنی متر میں شنگوں کی آندھروں پر فتح کا ذکر کیا گیا ہے جو بلاشبہ اس کشمکش کا ہی ایک حصہ رہا ہوگا جو آندھروں کی قطعی کامیابی پر ختم ہوئی ہوگی۔ کتبوں اور سکّوں کے ذریعے ستواہنوں کی طاقت کی توسیع کا پتہ چلتا ہے جو شروع میں پرے تشٹھان سے اجین تک اور بعد ازاں ددیسا تک پھیل گئی تھی۔ شات کرنی اول کو اس کی ملکہ کے کتبے میں "دکھن پتھ" کا مالک اور نہ رکنے والے پہیے کا چلانے والا بتایا گیا ہے
اس خاندان کا چھٹا بادشاہ شات کرنی دوئم (166 ق۔م) تھا اس نے سب سے زیادہ یعنی 56 سال تک حکومت کی اور شنگوں سے مالوہ چھین لیا۔ بہت ممکن ہے کہ یہ وہی شات کرنی ہو جس کی طاقت کو کلنگ کے حکمراں کھارویل نے اپنی حکومت کے دوسرے سال میں چیلنج کیا تھا اور اسی لیے اس نے مغرب میں ایک بڑی فوج جس میں گھوڑے، ہاتھی، پیادہ سپاہی اور رتھ شامل تھے روانہ کی تھی۔ دو برس بعد کھارویل نے دعویٰ کیا تھا کہ اس نے مہاراشٹر دیش کے رٹھکوں اور برار کے بھوجوں کو جو پرے تشٹھان کے آندھر راجاؤں کے خراج گذار تھے مغلوب کیا تھا۔ دکن کی برتر طاقت کو یہ چیلنج اس حد تک دیا گیا جس حد تک تحفظ لازمی سمجھا گیا۔ ممکن ہو سکتا ہے کہ شات کرنی دوئم کی سلطنت مدھیہ پردیش تک پھیلی ہو جو اس کے جانشین اپیلک کے ایک سکّے سے ظاہر ہے جو اس ریاست کے مشرقی حصے سے دریافت کیا گیا ہے۔ ستواہنوں کا تیرھواں بادشاہ ہالا (20 سے 24) ادب میں ست تسیؔ کی تالیف کے لیے مشہور ہے۔ اس کتاب میں مہاراشٹر کی پراکرت زبان کی آریہ بحر میں سات سو عاشقانہ کہانیاں شامل ہیں۔ اس کتاب میں دوسری یا تیسری صدی عیسوی یا اس کے بعد کے زمانہ کی لسانی خصوصیات پائی جاتی ہیں ۔
ستواہنوں کی توسیع حکومت میں مغرب کی ایک نئی طاقت نے رکاوٹ پیدا کی سیتان

کے شکوں نے تقریباً ۱۳۰ ق-م میں دریائے سندھ کے ڈیلٹا پر قبضہ کر لیا۔ اسے ہندوستانی مورخ نے بعد میں تک دیپ اور یونانی جغرافیہ داں اندوسیتھیا کہنے لگے۔ اجین کی تاریخ میں ایک فرضی واقعہ مشہور ہے جس کے مطابق شکوں اور اندھروں کے درمیان ایک طویل جنگ کی ابتدا مانی جاسکتی تھی اور کچھ بعد کے کتبوں سے واضح طور پر اس جنگ میں دونوں فریقین کی ہار جیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ داستان اسی طرح بیان کی جاتی ہے کہ اجین کے راجہ گردبھیل نے ایک جینی درویش کالکا کی بے عزتی کی جس کا بدلہ لینے کے لیے درویش نے شکوں کو اجین پر حملہ کرنے کے لیے بھڑکایا۔ گردبھیل تخت سے اتار دیا گیا۔ لیکن کچھ سال بعد اس کا لڑکا وکرمادیتہ (بہادری کا سورج) پرے تشتھان سے فوج لے کر روانہ ہوا اور حملہ آوروں کو مار بھگایا۔ اس فتح کی یاد قایم رکھنے کے لیے 57 ق-م میں ایک نیا سمبت شروع کیا۔ ان روایتوں کی ایک تاریخی بنیاد کا ہونا کوئی غیر ممکن بات نہیں ہے بالخصوص جب کہ وہ آندھروں کی تاریخ سے متعلق ہے۔ لیکن یہ یقینی امر ہے کہ مغربی ہند میں شک طاقت کو گپت بادشاہ چندرگپت دویم (414 - 388) نے قطعی طور پر ختم کر دیا۔ چندرگپت دویم بھی وکرمادیتہ تھا اور اس داستان میں چندرگپت اوّل اور چندرگپت دویم میں کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا۔

ستواہن بادشاہ ہلا کی وفات کے بعد اس کے چار جانشینوں کی مدت حکومت بہت قلیل مدت تک قایم رہی۔ مجموعی طور پر یہ مدت کل بارہ سال رہی۔ اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ حالات پرامن نہیں تھے۔ تقریباً اسی زمانہ میں مغربی شترپ (شک) زور پکڑنے لگے تھے۔ ان کا سب سے پہلا بادشاہ بھومک تھا اور نہاپان عظیم ترین فاتح تھا۔ اس کی قلمرو میں گجرات، کاٹھیاواڑ، شمالی مہاراشٹرا، کوکن اور جنوبی مہاراشٹر کے بھی کچھ حصے کچھ زمانہ کے لیے شامل تھے۔ پیری پلس کا کہنا ہے کہ ممبنس (نہاپان) کی حکومت اری ایک (قداہ مہر کا اریک) سے شروع ہوئی تھی اور ستواہنوں کے بندرگاہ کلیان میں داخل ہونے والے یونانی جہاز بھری گاذا (بھروچ) کی جانب موڑ دیے جاتے تھے۔ نہاپان کا دارالسلطنت منیاگر شاید دوہد تھا جو اجین اور بھروچ کے عین درمیان واقع تھا۔ شک طاقت میں اضافہ ستواہنوں کی تذلیل کر کے پیری پلس کے زمانہ میں 40 سے 80 کے درمیان ہوا۔

ستواہنوں کی طاقت گوتمی پتر ستکرنی (104 — 80) کے تحت دوبارہ بڑھ گئی۔ اس بادشاہ نے شکوں، پہلووں اور یونانیوں کو نیست و نابود کر دیا۔ اس نے نہاپان کو کچل

دیا اور بہت بڑی تعداد میں چاندی کے سکے ڈھلوائے۔ اس نے شکوں سے مالوہ اور مغربی راجپوتانہ کے علاوہ شمالی مہاراشٹر، کونکن، نرمدا کی وادی، اور سوراشٹر کے علاقے بھی چھین لیے۔ اس کی سلطنت ودربھ (برار) اور جنوب میں بن واسی تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اس کی سلطنت میں آندھرا دیش بھی شامل تھا۔ لیکن کلنگ کی سرحد تک ضرور توسیع ہو گئی تھی۔ اس کے انتقال کے بعد اس کی والدہ گوتمی بالاشری نے ناسک کے ایک کتبے میں اس کی کامرانیوں کا ذکر کیا ہے۔ اس وقت اس کا لڑکا اور جانشین پولومئی دویم کی حکومت کا انیسواں سال تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شک کچھ عرصے تک اپنے کھوئے ہوئے مقبوضات حاصل نہ کر سکے۔ پولومئی دویم نے چوبیس سال تک حکومت کی۔ اس کے سکے گوداوری اور گنتور کے اضلاع اور کارومنڈل ساحل پر جنوب میں کڈالور تک ملتے ہیں۔ اس کے مشرق میں مصروف رہنے کی وجہ سے شکوں کو مغربی راجپوتانہ، اور مالوہ میں کھوئے ہوئے مقبوضات پر دوبارہ قبضہ حاصل کرنے کا موقعہ حاصل ہو گیا۔ (31 — 126) شکوں کی ان فتوحات کو روکنے کے خیال سے پولومئی کے جانشین شات کرنی نے مہاشترپ ردر دامن کی بیٹی سے شادی کر لی۔ لیکن شکوں کے اس بادشاہ نے ستواہنوں کے دوسرے بادشاہ کو لڑائی میں دوبارہ شکست دی اور اس سے اپرانت۔ (شمالی کونکن) اور انوپ (نرمدا کی گھاٹی) لے لیے۔

ستواہن حکمرانوں میں شاید سب سے مشہور بادشاہ شری یگن شات کرنی (99-170ء) تھا۔ اس نے شکوں کے ساتھ دوبارہ جنگ ضرور کی ہوگی اور ان علاقوں کو جنھیں اس کے اسلاف کھو چکے تھے۔ دوبارہ حاصل بھی کر لیا ہوگا۔ اس کے چاندی کے سکے جو کمیاب ہیں اور شترپ سکوں کی نقل ہیں۔ ان مغربی اضلاع میں جنھیں اس نے حال ہی میں فتح کیا تھا۔ رائج کرنے کی غرض سے بنوائے تھے۔ اس کے جاری کردہ پوٹن دھات کے کچھ سکے چند اضلاع (مدھیہ پردیش) میں پائے گئے ہیں۔ کانسی اور سیسہ کے بنے ہوئے بے شمار سکے مشرقی صوبوں میں حاصل ہوئے ہیں۔ بعض اور سکے جن پر جہاز کی شکل بنی ہوئی ہے اسی کے دور حکومت کے ہیں اور اس امر کا پتہ دیتے ہیں کہ اس کی طاقت صرف خشکی تک ہی محدود نہیں تھی۔ مغرب میں کنہیری اور ناسک اور مشرق میں چینا گنجم میں جو کتبے دریافت ہوئے ہیں وہ بھی اسی کے دور حکومت کے ہیں۔ جہاں تک ہماری واقفیت ہے شری یگن آخری بادشاہ تھا جس کے زیر اختیار مغربی اور مشرقی دونوں صوبے تھے۔

شری یگن کے جانشینوں میں وجے، شری چندر اور پولومئی تھے۔ شری وجے کے سکے مہاراشٹر میں واقع کرلا میں دریافت ہوئے ہیں۔ شری چندر کے کتبوں میں سے ایک کتبہ کلنگ میں ہے اور اس

کے سکے گوداوری اور کرشنا کی ضلعوں میں دریافت ہوئے ہیں۔ آخری جانشین پولومئی کا ایک کتبہ ضلع بلاری میں پایا گیا ہے۔

ستواہنوں کے دوسرے بادشاہ کرن کمبھ اور شات کرنی کے بارے میں ان کے سکوں سے واقفیت ہوتی ہے۔ یہ مشرقی دکن اور مدھیہ پردیش پر حکومت کرتے تھے۔ اُن کے نام پرانوں کی فہرست میں شاید اس لیے شامل نہیں کیے جاسکے کیونکہ یہ فہرست ان کے دورِ حکومت سے قبل مرتب کی گئی تھی۔ ستواہن خاندان کے دوسرے بادشاہ دکن کے مختلف حصوں میں چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے حکمراں تھے لیکن اس کا کچھ علم نہیں ہے کہ خاندان کے زوال کے اصل اسباب کیا تھے۔

ستواہنوں کی حکومت بہت وسیع علاقے میں قایم ہونے کے باوجود اس کا نظام سلطنت نہایت سادہ تھا۔ مقامی انتظام زیادہ تر جاگیرداروں کے سپرد تھا۔ لیکن عام نگرانی سرکاری عہدے دار کرتے تھے۔ بادشاہ کا جانشین اس کا لڑکا ہی ہوتا تھا۔ حالاں کہ راجاؤں اور اُمرا کے ناموں کے شروع میں ان کی والدہ کا نام جوڑ دیا جاتا تھا۔ بادشاہ منظم سماج کا سرپرست ہوتا تھا اور یہ توقع کی جاتی تھی کہ بادشاہ محصول لگانے میں امیروں اور غریبوں دونوں کی خوش حالی میں اضافہ کے لیے انصاف سے کام لے گا۔ جاگیردار تین طرح کے ہوتے تھے۔ راجہ جو اپنے نام کے سکے جاری کر سکتے تھے۔ مہابھوج اور مہارتھی جو دکن کے کچھ خاندانوں تک محدود تھے۔ مہارتھی شادی کی بنیاد پر ستواہن کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ حکومت کی تاریخ میں مقابلتاً کچھ عرصے بعد مہاسیناپتی کا عہدہ قایم کیا گیا جو بعد کے شاہی خاندانوں میں برقرار رہا۔ بعض مہاسیناپتی سرحدی صوبوں کے حاکم ہوتے تھے۔ اور بعض مرکزی محکموں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ سلطنت اہاروں (انتظامی حصوں) میں منقسم تھی۔ ہر انتظامیہ حلقہ ایک وزیر (اماتیہ) کے تحت تھا۔ انتظامی حلقوں کے نیچے گاؤں آتے تھے۔ ہر گاؤں کا اپنا مکھیا (گرامیکا) ہوتا تھا۔ کتبوں میں جن دوسرے سرکاری افسروں کے نام دیے گئے ہیں ان میں خزانچی، کارندے، سونار، سکے بنانے والے منتظم (مہاماتر) ریکارڈ رکھنے والے نقیب اور سفیر شامل تھے۔

پیشہ پر مبنی سماج میں ضمنی ذاتیں پیدا ہو رہی تھیں۔ جیسے گوالا (گولک) اور کھیت جوتنے والا (ہلیکا)۔ اس سے بھی زیادہ غیر ملکیوں، شکوں، یونوں، کا بدھ دھرم کے ماننے والوں یا گرے ہوئے چھتریوں کی حیثیت سے ہندوؤں کے ساتھ جذب ہوتا ہے۔ ان میں متعدد لوگوں کے نام خالص طور پر ہندوستانی ہوتے تھے جیسے دھرم دیو۔ رشبھ دت اور اگنی ورمن۔ تسک وشبھدت

نے دریائے برنا سا پر واقع پشکر کی زیارت کی تھی اور برہمنوں کو گائیں اور گاؤں عطا کیے تھے۔ لیکن دوسری صدی کے بعد یہ سننے میں نہیں آتا کہ غیر ملکیوں نے مغربی دکن میں ہندوؤں کی مذہبی رسومات کو قبول کیا ہو۔ گوتمی پتر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے شکوں، یونوں اور پہلوؤں کو نیست و نابود کرنے کا کام پورے طور پر انجام دیا تھا۔ اگرچہ مشرقی دکن میں یونوں کی موجودگی کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا جاتا لیکن یہ یقینی امر ہے کہ امراوتی اور دریائے کرشنا کی وادی میں دوسرے مقامات پر جس ڈھنگ سے استوپ تعمیر کیے گئے ان میں یونانی اور رومی اثر واضح طور پر پایا جاتا ہے اور اوروے کے ایک کتبے میں یونانی (یونک) لیمپوں کا بھی ذکر ہے۔

معاشرتی زندگی میں خواتین کو مخصوص درجہ حاصل تھا۔ ان کے اختیار میں جائدادیں ہوتی تھیں اس کا ثبوت ان کتبوں سے حاصل ہوتا ہے جس میں ان کے دل کھول کر خیرات کرنے کا ذکر ہے۔ مورتیوں میں وہ بدھ نشانات کی پرستش کرتی ہوئی دکھائی گئی ہیں۔ جلسوں میں شامل ہو رہی ہیں اور اپنے خاوند کے ساتھ مہمانوں کا خیر مقدم کر رہی ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے درمیان کم سے کم لباس اور زیادہ سے زیادہ زیورات پہننے میں سبقت لے جانے کی کوشش پائی جاتی تھی۔ جھونپڑیوں میں بھی آسائش کے سامان مثلاً صراحی، مرتبان، کرسیاں، میزیں، اسٹول، پلنگ اور دوسرے خوبصورت خانگی ساز و سامان ملتے تھے۔

شہروں کی حفاظت کے لیے اونچی دیواریں، فصیلیں اور پھاٹک ہوتے تھے۔ دیواریں اینٹ اور چونے کی بنائی جاتی تھیں۔ پھاٹکوں کے اوپر سانچی کی طرح تورن ہوتے تھے۔ میدان جنگ میں سب سے آگے پیادہ فوج ہوتی تھی جس کے سپاہیوں کے پاس چھوٹی چھوٹی تلواریں ہوتی تھیں۔ ان کے پاس دشمن کے حملے سے بچنے کے لیے گول ڈھالیں اور پیٹ پر پٹیاں بندھی ہوتی تھیں۔ پیادہ فوج کے دونوں بازوؤں پر گھوڑ سوار اور ہاتھی ہوتے تھے۔ تیر انداز پیچھے ہوتے تھے۔ لڑائی کے درمیان لمبے بھالے، کلہاڑیاں، اور موسل بھی استعمال کیے جاتے تھے۔ گھوڑ سوار اور مہاوت پگڑی پہنتے تھے۔ پیدل سپاہیوں کو پگڑی پہننے کی اجازت نہیں تھی۔

مشرقی اور مغربی ساحل پر متعدد بندرگاہ تھے اور تجارت بہت زوروں پر تھی۔ بطلیمی نے گوداوری اور کرشنا کے ڈیلٹاؤں کے درمیانی علاقہ میسولیا میں کئی بندرگاہوں کا ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ان میں سے ایک بندرگاہ سے جہاز "طلائی کرائیس" جزیرہ نما ملایا اور مشرقی مجمع الجزائر کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ مغربی دکن میں بیری گازا (بروچ) زیادہ شمال میں بندرگاہ

تھا۔ سوپرا سب سے قدیم اور کلیان سب سے بڑا بندرگاہ تھا۔ اندرونی علاقہ میں پیٹھان اور تگرا کے علاوہ جونر، کرہاٹک، ناسک اور وجینتی تجارتی شہر تھے۔ مشرقی دکن کے ہر شہر مثلاً دھنیہ کٹک وجے پور اور ترسیل کم اہمیت رکھتے تھے۔ ہر طبقہ کے تاجر مثلاً اناج کے بیوپاری، ٹھٹھیرے، جولاہے پھول بیچنے والے لوہار اور کاتب اپنی اپنی انجمنوں سے وابستہ تھے۔ جو بہت منظم تھیں۔ ہر انجمن کا ایک ایلڈرمین (سیٹھی) ہوتا تھا۔ جس کا اپنا دفتر ہوتا تھا جو نگم سبھا کہلاتا تھا۔ یہ دفتر بینک کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ اور روپیہ جمع کرتا تھا اور قرض دیتا تھا۔ ملک میں باہر سے تعیش کا جو سامان آتا تھا اس میں شراب، نفیس قسم کے کپڑے پیچیدہ قسم کے مرہم، شیشہ، خوشبودار تیل اور چارے کے لیے میٹھی گھاس بھی درآمد کی جاتی تھی۔ معمولی کپڑا، کاربیلین (ایک قسم کا پتھر) ململ اور ملایم کپڑے برآمد کیے جاتے تھے۔ پہلی صدی کے اخیر میں سڑکوں کی کمی کی وجہ سے تجارت میں رکاوٹ پڑتی تھی۔ لیکن کثیر مقدار میں رائج الوقت سکوں کے میسر ہونے سے مدد بھی ملتی تھی۔ اس زمانہ میں مشرقی دکن اپنی صنعتی اور تجارتی سرگرمیوں کے دور سے گذر رہا تھا اور دوسری صدی کے اخیر میں اپنے مکمل عروج پر تھا۔

بدھ دھرم تیسری صدی ق م تک پورے طور پر رائج ہو چکا تھا اور ستواہن حکومت کے زمانہ میں اسے برابر فروغ حاصل ہوتا رہا۔ سنہ عیسوی کی پہلی دو صدیاں بدھ مذہب کا زرّیں دور رہا ہے۔ اس زمانہ میں امراوتی کے استوپ میں اضافہ کیا گیا اور اسے خوبصورت بھی بنایا گیا۔ الورہ گم دیدو، گھنٹ سال، اگودی واڑا، اور گولی میں تین استوپ بنائے گئے اور پرانے استوپوں میں اضافہ کیا گیا۔ پتھروں کو کاٹ کر نئی گپھائیں بنائی گئیں اور ناسک، کارلے، اور کنہیری کو مزید حلیے دیے گئے۔ اس عہد کے کتبوں میں متعدد مذہبی فرقوں، مختلف درجوں کے عالموں اور شہرت یافتہ مبلین کے ناموں کا ذکر ہے جو بدھ دھرم کے ماننے والوں کو اپنے آقا کے بنائے ہوئے اصولوں کے تحت۔ دت وریاضت کی تلقین میں معروف رہتے تھے۔ بدھ مذہب کے ماننے والے استوپ مقدس درخت یا مہاتما بدھ کے پیروں کے نشانات ترشول، دھرم چکر، مہاتما بدھ اور دوسرے عظیم عالم اور ناگار لجن کے متبرک نشانات اور مجسموں وغیرہ کی پرستش کرتے تھے۔ اس زمانہ کے بت تراش مرد اور عورت دونوں کی پرستش کے جذبے سے بھرپور دکھاتے ہیں اور محض ہاتھ جوڑ کر یا سجدہ ریز ہوتے ہوئے نہیں دکھائے گئے ہیں۔

ستواہنوں کے عہد حکومت میں برا ہمن دھرم کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ ستواہنوں کے

متعدد بادشاہ براہمن دھرم میں اعتقاد بھی رکھتے تھے۔ اس خاندان کے تیسرے بادشاہ نے ویدک دھرم کے مطابق قربانیاں بھی دیں (دیگیہ ہوا) اپنے لڑکے کا نام بھی ویدی سری رکھا۔ ہالا کی کتاب بہت ستی شو کی مناجات سے شروع ہوئی ہے۔ گوتمی پتر شات کرنی براہمنوں کا بہت طرفدار تھا۔ اور عظیم ہیرو رام، کیشو اور ارجن کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس زمانہ کے ہندو دیوتاؤں میں اندر، واسدیو، سورج اور چاند، شو، وشنو، کرشن، گنیش اور پشو پتی تھے۔ سپت ستی میں گوری کے مندر، اگنی دیو اور ورون دیو کے روزہ رکھنے کا بھی ذکر ہے۔

ستواہنوں کے زوال کے بعد ان کی سلطنت شمال مغرب میں آبھیروں، جنوب میں چھوتوؤں اور آندھر دیش میں اکش واکووں کے درمیان تقسیم ہو گئی۔ آبھیر تیسری صدی کے ختم ہونے پر دریائے کرشنا کے نشیب میں واقع ناگار جنی کونڈ میں بھی نمودار ہوئے۔ ستواہنوں کے بعد شمالی مدھیہ دیش میں حکومت کرتے رہے۔ اور جنوب میں مشرق میں پلّوؤں نے اقتدار حاصل کر لیا۔ دکن کا سیاسی اتحاد اس طرح ختم ہو گیا جو نندوں کے زمانے سے چھ سو برس تک قائم رہا۔

آبھیر یقینی طور پر غیر ملکی تھے۔ مہابھاشیہ میں اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری صدی عیسوی میں وہ مغربی ہندوستان کے شک شترپوں کے جنرل تھے۔ پرانوں کے مطابق آبھیر ستواہنوں کے جانشین تھے اور انھوں نے 67 سال تک حکومت کی۔ ناسک کے ایک کتبے میں آبھیر راجہ مادھری پتر ایشور سین اور اس کے ایک لڑکے شیودت کا ذکر ہے۔ یہ کتبے ستواہنوں کے کتبے سے بہت ملتے جلتے ہیں اور ان میں تاریخ بھی ستواہنوں کی ہی طرح دی گئی ہیں۔ ایشور سین شاید اس خاندان کی حکومت کا بانی تھا۔ لیکن اس کے بارے میں اس سے زیادہ واقفیت نہیں ہے کہ اس نے 49-248ء میں ایک سمبت کا اجرا شروع کیا جو بعد میں چیدی کے نام سے مشہور ہوا۔ آبھیر وسوشین کی حکومت کے تیرھویں سال میں (279) ایک کتبہ حال ہی میں ناگار جنی کونڈ میں دریافت کیا گیا ہے۔

اسی طرح چھوتوؤں کے بارے میں بھی جو مہاراشٹر اور کنتل میں حکومت کرتے تھے بہت کم واقفیت ہے۔ اس خاندان کے کچھ راجاؤں کے نام کے بارے میں میسور کے اضلاع شمالی کنارا اور چیتل درگ میں جو سکے دریافت ہوئے ہیں۔ ان سے اور کنہری بن واسی، اور مل وتی کے کچھ کتبوں سے پتہ چلتا ہے۔ اننت پور اور کڈاپا ضلعوں سے سیسے کے جو سکے دریافت ہوئے ہیں ان پر گھوڑے کی شکل اور مہارتی نام کندہ کیا ہوا ہے۔ یہ چھوتوؤں کے نام کا ایک جزو ہے۔ بعض مورخین چھوتوؤں کو ستواہن

خاندان کی ایک شاخ تصور کرتے ہیں جب کہ دوسرے انھیں ناگا نسل کا مانتے ہیں۔ کادمبوں نے انھیں تخت سے اتار کر اقتدار حاصل کر لیا تھا۔

اکشیو اکو کرشنا گنتور علاقے پر حکومت کرتے تھے۔ پرانوں میں انھیں شری پروتیہ کہا گیا ہے جو شری پروت کے حکمراں تھے۔ اور آندھر بھرتیہ یعنی آندھر کے خدمت گار کہا گیا ہے۔ اگرچہ اس خاندان کے سات راجاؤں نے مجموعی طور پر ستاون سال تک حکومت کی لیکن ان میں سے بعض کے نام کتبوں سے معلوم ہو سکے ہیں۔ ابتداً یہ لوگ ستواہنوں کے جاگیردار تھے اور مہاتلوار کا لقب اختیار کرتے تھے۔ واشتھی پتر شری چانت مول اس خاندان کا بانی تھا۔ اس نے اشو میدھ اور واجپئی یگیہ کیے تھے۔ اس کے لڑکے ویرپرش داتا کے عہد حکومت کو بدھ مذہب کی تاریخ اور حکمت عملی پر مبنی تعلقات کے قیام کی بنا پر زریں عہد کہا جا سکتا ہے۔ اس نے اجین کے شک خاندان کی ایک لڑکی سے شادی کی اور اپنی لڑکی کی شادی چھوٹوؤں کے ایک شہزادے کے ساتھ کی۔ شاہی خاندان کی قریب سبھی خواتین بدھ دھرم کو مانتی تھیں۔ ویرپرش داتا کی چچی نے محرابی مندروں یعنی وہاروں اور منڈپوں کے علاوہ گوتم بدھ کی ہڈیوں کے تحفظ کے لیے ناگارجنی کونڈ میں ایک بڑا استوپ بنوایا۔ جیسا کہ ایک خاتون بدھ شری کے حوالے سے معلوم ہوا کہ اس کی تقلید شاہی خاندان کی دوسری خواتین نے اور عام خواتین نے بھی کی۔ اس خاندان کا دوسرا راجہ ویرپرش داتا کا لڑکا اہودول چانت مول 280 میں تخت پر بیٹھا۔ 275 سے 280 تک کی درمیانی مدت میں ابھیر حکمرانوں کا قبضہ رہا۔ اہودول کے زمانۂ حکومت میں دیوی وہار ایک استوپ اور دو محرابی مندروں کی تکمیل ہوئی۔ سہالا وہار کے بارے میں بھی سنا جاتا ہے کہ اسے یاتو لنکا کے کسی باشندے نے بنوایا تھا یا زیادہ ممکن ہے کہ لنکا کے درویشوں کے قیام کے لیے بنوائی گئی ہو۔ ایک چیت گھر بھی تعمیر کیا گیا جو تامب پنی (شری لنکا) کے بدھ برادری کے لوگوں کے لیے وقف تھا۔ اس طرح شری لنکا اور آندھر پردیش کے بدھ دھرم کے ماننے والوں کے درمیان گہرا ربط و ضبط تھا۔ اہودول کی ایک شک بیوی تھی جو برہت فلائن گوتر کی تھی۔ اس کا دوسرا لڑکا جو دوسری بیوی واشسٹھی سے پیدا ہوا تھا اور جس کا نام رودر پرش دت تھا۔ اس نے گیارہ سال تک حکومت کی۔ ناگارجنی کونڈ کی مورتیاں پر جس پر مہاتما بدھ کے بڑے مجسمے بھی شامل ہیں۔ یونانیوں کا اثر اور مہاماتوں کے رجحانات واضح طور پر نمایاں ہیں لیکن ان میں گذشتہ صدی کی یادگاروں کی طرح عقیدت مندوں کی بھیڑ نہیں دکھائی گئی ہے۔

نظم و نسق اور معاشرتی زندگی میں ستواہنوں کی روایات قائم رہیں۔ اگرچہ کہیں کہیں ان میں تبدیلی پائی جاتی ہے۔ جیسے سرکاری ملازمین کے وہی خطابات قائم رہے جو ستواہنوں کے عہد حکومت میں تھے۔ لیکن اب کئی ملازمین کے فرائض ایک ہی ملازم کو انجام دینا پڑتے تھے جہاں پہلے نام کے ساتھ والدہ کا نام جوڑا جاتا تھا وہاں اب والد کا نام بھی جوڑا جانے لگا۔ کچھ عرصے بعد کدمبوں نے والدہ کا نام اور والد کے نام کے ساتھ اس کا گوتر جوڑنے کا جو طریقہ شروع کیا وہ ستواہنوں سے پلوؤں تک کے طریقے میں واضح تبدیلی تھی۔ آہار کو راشٹر کہا جانے لگا اور راجہ کے خطاب کے بجائے مہاراجہ کا خطاب جو زیادہ موثر تھا اختیار کیا جانے لگا۔

اہم عہد یشی میں اکش واکوؤں کے بعد برہت فلائن گوتر کے حکمراں ہوئے ان میں سے صرف ایک یعنی جے ورمن کا نام ہی معلوم ہے اور یہ واقفیت اس ہی خاندان کی اس تنہا تانبے کی تختی سے حاصل ہوئی جو محفوظ ہے اور جس میں عطیے کا ذکر ہے۔ اس کی سلطنت اہاروں کے درمیان منقسم تھی اور ہر ایک انتظامی عہدے دار واپتم (ویاپریت) کے ماتحت تھا۔ مذکورہ بالا تختی کے بعد سے برہم دیہہ یعنی برہمنوں کو عطیے دینا شروع ہوئے جس میں تعداد اور اہمیت کے لحاظ سے بعد کی صدیوں میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ اس سے پتہ ثابت ہوتا ہے کہ بدھ اور جین دھرم دونوں کا ہی زوال شروع ہو گیا تھا۔

سابق ستواہنوں کی سلطنت کے جنوب مشرق میں پلوؤں نے کانچی پورم میں اپنا سلطنت جمایا۔ پلوؤں کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ غیر ملکی پہلو تھے۔ یہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب نندی ورمن دوئم کو راجہ منتخب کیا گیا تو اسے ہاتھی کے سر کے مانند تاج پیش کیا گیا جو ہند یونانی راجہ ڈمی ٹریس کے تاج کی یاد دلاتا تھا۔ لیکن بادی النظر میں غور کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ کدمبوں کی طرح بلکہ ان سے بھی پہلے چھوتوؤں کی طرح یہ خاندان بھی شمالی ہندوستان سے تعلق رکھتا تھا جس نے جنوب میں نقل وطن کیا اور مقامی رسوم و رواج اختیار کیے۔ چھوتو خاندان کا شات کرنی جو بن واسی کا راجہ تھا۔ مل ہوتی کے دیوتا کی پرستش کرتا تھا اور اس کے مندر کو عطیے دیتا تھا۔ اس کا جانشین کدمب بھی ایسا ہی کرتا تھا۔ تھوڑے عرصے کے بعد کدمب کے راجاؤں نے کدمب کے درخت اور سوامی مہاسین (یعنی سبرامنیہ) کی پرستش شروع کر دی۔ سوامی مہاسین کے بارے میں تامل کی روایت ہے کہ وہ کدمب کے درخت میں رہتے تھے۔ اسی طرح پلو بھی جو کانچی پورم کے شاہی خاندان کا نام تھا تو ندئی لفظ کا پراکرت اور سنسکرت زبانوں میں ترجمہ مانا جا سکتا ہے۔ تو ندئی ایک مخصوص علاقے اور اس کے حکمرانوں کا نام ہے اور ایک بیل کو بھی کہتے ہیں۔

پلووں کی تاریخ تین تانبے کی تختیوں سے شروع ہوتی ہے۔ یہ تینوں تختیاں پراکرت زبان میں ہیں اور اسکندورمن کے عہد کی ہیں۔ سب سے پہلی تختی اس وقت کی ہے جب اسکندورمن ولی عہد تھا اور بقیہ دونوں اسی زمانہ کی ہیں جبکہ وہ راجہ بن گیا تھا۔ اسکندورمن بھاردواج گوتر کا تھا۔ اس نے اگنی اشٹوم، واجپئی اور اشومیدھ یگیہ کیے۔ مذہب کے پیے وقف شہنشاہوں کے شہنشاہ کا لقب اختیار کیا۔ اس کے عہد میں کانچی پورم دارالسلطنت تھا اور اس کی سلطنت شمال میں کرشنا اور مغرب میں بحر عرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ نہیں معلوم کہ اس کی سلطنت کس طرح قایم ہوئی۔ نویں صدی کی ایک روایت کے مطابق ایک ابتدائی پلو راجہ ویر کرورچ نے ناگ راجہ کے امتیازی نشان اور اس کی لڑکی کو چھین لیا تھا۔ یہ روایت نندی ورمن سوم کے چھٹے سال کی ایک تختی میں جو ویلورپالیم میں حاصل ہوئی درج ہے۔ یہ چھوٹوں پر پلووں کی کامیابی کی صدائے بازگشت بھی ہو سکتی ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ستواہن حکومت کے زوال کے بعد چھوٹوں نے کچھ عرصے تک مغرب میں حکومت کی تھی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ویر کرورچ کے ایک لڑکا بھی تھا جس کا نام اسکند شسشیہ تھا۔ اس نے ستیہ سین راجہ سے براہمنوں کی گھاٹیکا چھین لی تھی۔ لیکن اس واقعہ کی مزید تشریح اس وقت ناممکن ہے۔ اسکند شسشیہ کے لڑکے کمار وشنو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے بہت سی لڑائیوں میں فتح حاصل کی اور کانچی کے شہر پر بھی قبضہ کر لیا۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس نے کس سے قبضہ حاصل کیا؟ ابتدائی پراکرت زبان کے اطلاعات کے دیکھنے سے ہمیں اسکندورمن کے والد کا نام کا پتہ نہیں چلتا لیکن یہ ظاہر ہے کہ اسکندورمن میں کانچی کا پہلا پلو راجہ نہیں تھا۔ یووراج کے خطاب سے یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے اس کے والد کا نام شاید سنگم ورمن تھا۔ اس راجہ کا نام پتھر کے اس کتبے میں آیا جو پراکرت زبان میں ہے اور حال میں ہی ضلع گنٹور میں دریافت کیا گیا ہے۔ اس کے جانشینوں میں اس کا ایک لڑکا بدھ ورمن تھا جو ولی عہد بھی تھا اور اس کی ملکہ چارو دیوی سے ایک لڑکا بدھیان کور تھا۔ اسکندورمن کے تینوں فرمان چوتھی صدی عیسوی کے پہلے نصف حصہ سے متعلق ہوں گے۔ اس زمانہ میں ولی عہد کے علاوہ دوسرے شہزادے بھی حکومت کے نظم و نسق میں حصہ لیتے تھے۔ جس میں بہت سے سرکاری افسر حکومت کے مختلف علاقوں میں یا سرکاری دفتروں میں مخصوص فرائض انجام دینے کے لیے مقرر تھے۔ ان افسروں کے عہدوں کے نام اور دوسری انتظامی تفصیلات کتبوں سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

پلو براہمن دھرم کے معتقد تھے۔ انھیں اعتماد تھا کہ براہمنوں اور دیوتاؤں کو زمین کے عطیے دینے کے بعد وہ ہمیشہ صحت مند اور خوش حال رہیں گے اور لڑائی میں فتح حاصل ہوگی۔

اسکند ورمن کے عہد کی دستاویزات کے بعد جس دور کی ابتدا ہوئی اُس کے بارے میں مکمل واقفیت سمدرگپت کے جنوب پر حملہ کرنے کے اس تذکرے سے ختم ہو جاتی ہے جو اُس کے الہ آباد کے ستون کتبے میں درج ہے۔ یہ کتبہ تقریباً چوتھی صدی عیسوی کے وسطی دور کا بتلایا جاتا ہے۔ اس کتبے سے اتنا واضح ہو جاتا ہے کہ اس نے اپنے دشمن کانچی کے حکمراں وشنوگوپ سے شہر کے شمال میں کسی جگہ جنگ کی لیکن وہ پلّووں کے دارالسلطنت تک نہیں پہنچ سکا۔ سمدرگپت کے دوسرے مخالفین میں پلکّا کا اگرسین تھا جو ضلع نیلور میں کہیں حکومت کرتا تھا اور جو وشنوگوپ کا جاگیردار تھا۔

پلووں کی حکومت کی تاریخ کے دوسرے دور کا پتہ ایک درجن تانبے کی تختیوں کے فرمانوں اور ایک اور فرمان کے بچے کچھے حصے سے چلتا ہے۔ یہ سبھی فرمان سنسکرت زبان میں ہیں۔ ان میں سے بعض مشکوک بھی ہیں۔ ان سبھی فرمانوں کی تاریخیں بادشاہوں کے سنہ جلوس سے متعلق ہیں چنانچہ سلسلہ وار واقعات کے لیے ہمیں جین مسودہ "لوک وبھگ" میں درج شدہ شک تاریخ پر ہی بھروسہ کرنا پڑے گا۔ علم کائنات سے متعلق یہ تصنیف سنگھ ورمن کے عہد حکومت کے بائیس ویں سال میں اس دن ختم ہوئی ہو گی جس دن 28 اگست 458 رہا ہوگا۔ اس تاریخ کی تصدیق گنگا کے فرمانوں سے بھی ہوتی ہے اور اس بنا پر پلووں کے درج ذیل خاندانی شجرے کی تکمیل ہو سکتی ہے۔

(۱) پراکرت میں فرمان

سنگھ ورمن (300-275؟)

|

(شو) اسکند ورمن

|

بدھ ورمن

|

بدھیانکور

(2) سنسکرت میں فرمان

کمار وشنو اوّل (350-370)

اسکند ورمن (370-385)

ویرورمن (385-400)

اسکندورمن دویم (400-36)

سنگھ ورمن اوّل (436-60) — یووہاراج وشنوگوپ ورمن

اسکندورمن سویم (460-80) — سنگھ ورمن دویم

نندی ورمن (480-510) — کمار وشنو سویم (510-30) — وشنوگوپ ورمن دویم

بدھ ورمن (530-40)

کمار وشنو سویم (540-50)

یہ شجرہ جن فرمانوں کی مدد سے تیار کیا گیا ہے۔ ان میں صرف نطیوں کا ذکر کیا گیا ہے اور پلّووں کی سیاسی تاریخ کے بارے میں (350-500) تک کی مدت کے لیے قریب قریب کوئی واقفیت حاصل نہیں ہوتی بہر کیف صرف اتنا ہی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وشنوگوپ جو سمدرگپت کے مخالفین میں سے تھا وہ شاید کمار وشنو اوّل کا بھائی اور اس کا ہم عصر تھا۔ یووہاراج وشنو گوپ ورمن اول ممکن ہے اتنے دن زندہ نہیں رہا ہو کہ راجہ بن سکتا۔ اور سنگھ ورمن دویم کا دور

حکومت بہت خوشحال رہا ہوگا جیسا کہ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے بے شمار عطیے دیے۔ لیکن اس کی موت کے بعد کیا ہوا یہ واضح نہیں ہے، ممکن ہے کہ پلّو جنوب میں اپنی توسیع کے لیے تامل طاقتوں سے نبرد آزما رہے ہوں۔ وبلور پالیم کی تختی میں بدھ ورمن کو مثال کے طور پر "چول فوج کے بحر زخّار کے لیے آبدوز کشتی کی آگ" کہا گیا ہے۔ سنگھ وشنو کے والد سنگھ ورمن کو جس نے چھٹی صدی کے ختم ہونے پر پلّو حکمرانوں کے مشہور خاندان کی ابتدا کی۔ اس شجرے میں کوئی مقام حاصل نہیں ہے اور اس طرح جانشینوں کے سلسلہ میں ایک اور خلا واقع ہوتا ہے جس کا پُر کرنا ممکن نہیں ہے۔

بہر کیف ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اس دور میں پلوؤں کے نظم ونسق میں مزید ترقی ہوئی۔ راجہ نے بھٹارک کا مزید لقب اختیار کیا اور یوو راج کو یو و مہاراج کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا اور دوسرے شہزادوں کو امور سلطنت کے فرائض کی انجام دہی کے لیے مقرر کیا جاتا رہا۔ مختلف مدارج کے ضلع حکام کی فہرست مرتب کی گئی حالانکہ ان کے اعتراض کی نوعیت کے بارے میں پتہ نہیں چلتا۔ پولیس اور فوج کے منظم اداروں کے قیام کا ثبوت ملتا ہے لیکن مزدوروں کی جبریہ بھرتی کی جاتی ہوگی۔ نمک اور کبھی کبھی شکر تیار کرنے کا صرف بادشاہ کو ہی حق حاصل تھا اور دیہاتوں سے امید کی جاتی تھی کہ وہ سرکاری افسروں کے دورے کے وقت بغیر کسی معاوضے ان کے قیام وطعام کا انتظام کریں گے۔ اس کے برعکس براہمنوں کو جو آراضی عطیے کے طور پر دی جاتی تھی اس پر انھیں ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ کیا گیا تھا۔ براہمنوں کو ایسی قریب قریب اٹھارہ اشیا پر ٹیکس کی ادائیگی سے معاف کیا گیا تھا۔ اس طرح ستواہنوں کے زمانہ کے طریقوں کو جاری رکھا گیا اور ہمت افزائی بھی کی گئی۔ اس کا سبب یہی تھا کہ پلّو بھی براہمن دھرم میں یقین کرتے تھے اور شِو اور وشنو کی پرستش اور یگیہ کرتے تھے۔

جس غیر معروف مگر وسیع سیاسی انقلاب نے کلا بھیروں کو جنوبی ہندوستان کے تمام شاہی خاندانوں کا خاتمہ کرنے میں کامیاب بنایا بالکل اسی طرح اس انقلاب نے پلوؤں کو بھی متاثر کیا۔ چنانچہ پلوؤں کی تاریخ کا دوسرا دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب چھٹی صدی کے اخیر میں سنگھ ورمن کے لڑکے سنگھ وشنو نے کلا بھیروں کو مغلوب کیا۔

اس موقع پر ہم بہر کیف آندھر دیش کی جانب دوبارہ متوجہ ہوں گے۔ سمدر گپت کا ایک اور مخالف وینگی کا حکمراں ہستی ورمن تھا۔ (350ء) وینگی کو کرشنا ضلع میں ایلور کے نزدیک

پیڈاویکی سے پہچانا جاسکتا ہے۔ ہستی ورمن سے خاندان نے جسے مورخین اس کے گوتر کے نام پر سالنکا ئین کہتے ہیں۔ برہت فلائینوں اور غالباً پلّوؤں کی بھی تذلیل کر کے اقتدار حاصل کیا ہوگا۔ اس خاندان کا سب سے پہلا راجہ جس کے بارے میں واقفیت ہے دیوورمن تھا۔ اس کا والد خود مختار بادشاہ تھا کیونکہ اسے بھٹارک کا لقب دیا گیا تھا۔ دیوورمن نے یقینی طور پر ہستی ورمن سے پہلے حکومت کی لیکن ان دونوں شہزادوں کے درمیان عزیز داری کے بارے میں کوئی واقفیت نہیں ہے۔ اس کے صرف ایک کتبے میں جو محفوظ ہے مہینہ اور تاریخ (تتھی) چاند دن کے مطابق دی گئی ہے۔ اس طرح تتھی دینے کے طریقہ بعد کے شاہی خاندانوں میں رائج تھا۔ یہ طریقہ ستواہنوں کے پرانے طریقے سے مختلف تھا۔ ستواہن حکمراں سال کے تینوں موسموں میں سے کسی خاص پندرہ روزہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔

سمدرگپت نے جب ہستی ورمن کے علاقے پر حملہ کیا تو وہ (ہستی ورمن) زیادہ متاثر نہ ہوا۔ دکن میں اس وقت چھوٹی چھوٹی حکومتیں قایم تھیں۔ ان میں کوشل کی حکومت تھی جس میں آج کل کے ضلع بلاسپور، رائے پور، سنبل پور اور گنجام کا کچھ حصہ شامل تھا۔ کورال ریاست میں کولیر جھیل کے قرب وجوار کا علاقہ تھا۔ گنجام ضلع میں دو چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جن کے دارالخلافہ کوتورا اور ایرنڈپل تھے۔ گوداوری ضلع میں دو اور ریاستیں تھیں جن کے دارالسلطنت پشٹ پور اور اوامکت تھے۔ وشاکھاپٹنم ضلع میں دیوراشٹر (یعنی ایلمن چلی) اور دو ریاستیں تھیں۔ جن کے دارالسلطنت پلک اور کشتھل پور تھے۔ ہمیں ان جنوبی ریاستوں کی سیاسی حیثیت اور باہمی تعلقات کے بارے میں بہت کم واقفیت ہے۔

ہستی ورمن کے بعد اس کا لڑکا نندی ورمن اوّل 375ء میں تخت نشین ہوا اس کی سلطنت میں دریائے کرشنا کے دونوں جانب کدراہارا کا وشیہ شامل تھا۔ جنوب میں جو علاقہ واقع تھا اسے پلّوؤں نے بعد میں فتح کر لیا اور اس کا نام وینگی راشٹر رکھا۔ نندی ورمن اوّل کے بعد اس کا لڑکا ہستی ورمن دوئیم تخت پر بیٹھا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا اسکند ورمن تخت نشین ہوا۔ اسکند ورمن کے بعد نندی ورمن کا دوسرا لڑکا چاند ورمن گدی نشین ہوا۔ چاند ورمن کے بعد اس کا لڑکا نندی ورمن دوئیم 430 میں تخت پر بیٹھا۔ مورخین کی رائے ہے کہ یہ اس خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔

پلّوؤں کی طرح سالنکائنوں کے تاج پر بھی سانڈ کا نشان تھا۔ لیکن اس کے علاوہ اور کوئی بات

نہ تھی جس کی بنا پر یہ معلوم ہو سکے کہ ان دونوں خاندانوں میں قرابت تھی اور یہ کہ اس بنا پر سالنکائنوں کو اُن سے زیادہ طاقت ور ہمسایوں نے جو جنوب میں تھے پریشان کیا ہو۔ سالنکائنوں کا نظام حکومت ان کا ہم عصر پلّووں سے بہت کچھ ملتا جلتا تھا۔ گاؤں کا مکھیا مُنڈ کہلاتا تھا۔ اس لقب کا کسی اور جگہ ذکر نہیں ملتا۔ سورج اس خاندان کا سرپرست دیوتا تھا لیکن یہ شِو اور وشنو کی بھی پرستش کرتے تھے۔ ان کے فرمانوں اور ہند چین اور ملیشیا کی ہندو نو آبادیوں سے دریافت شدہ قدیمی کتبوں کی تحریر میں بہت مماثلت ہے اور یہ یقین کرنے کے لیے کافی اسباب ہیں کہ تیلوگو دیش نے غیر ممالک میں نو آبادیوں کے قیام میں نمایاں حصہ لیا۔

سمدرگپت کے حملہ کے بعد کلنگ میں ماتھر اکل کے خاندان کی حکومت شروع ہوئی۔ اس خاندان کے سات راجے جس کے نام کے اخیر میں ورمن ہوتا تھا۔ اُن کے بارے میں اُن کی تانبے کی تختیوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے گو کہ اُن کے خاندانی تجربے کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ تختیاں پشٹ پور، سنگھ پور اور دھمان پور سے جاری ہوئیں۔ اگرچہ اس خاندان کے راجہ اپنے نام کے آگے اپنی والدہ کا نام شامل کرتے تھے اور کتبوں پر بھی تاریخ دینے کے سلسلہ میں ستواہنوں کا قدیم طریقہ بھی اختیار کیا تھا۔ لیکن دوسرے معاملات میں یہ بعد کے زمانہ کے کتبوں کے لیے واضح تبدیلی کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ کتبوں کی زبان سنسکرت ہے اور راجہ اپنے کو کلنگ ادھی پتی اور پرم ماہیشور کہتے تھے۔ تخمیناً انھوں نے 375 سے 500 تک حکومت کی۔ اس کے بعد شمالی کلنگ میں گنگ راجاؤں کی حکومت شروع ہوئی اور جنوبی کلنگ وینگی کا حصہ بن گیا۔

وینگی میں سالنکائنوں کے بعد وشنوکنڈین راجہ ہوئے۔ اس خاندان کا دیوتا شری پروت سوامی تھا۔ اس خاندان کے شجرے کے بارے میں بہت اختلاف رائے ہے لیکن ان اختلاف کی تفصیلات میں نہ پڑکر جو بہترین رائے حاصل ہے اسے پیش کیا جاتا ہے۔

مادھو ورمن اوّل 440-460

وکرمیندر ورمن اوّل 460-480 — دیو ورمن

اندر بھٹارک 480-515 — مادھو ورمن 48 سال

وکرمیندر دوئم 515-535

گووند ورمن 535-556

مادھو ورمن دوئم 556-616

منچن بھٹارک

مادھو ورمن اول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے گیارہ بار اشومیدھ اور بے شمار اگنی اشتوم یگیہ کیے۔ لیکن ہمیں اسے لفظ بہ لفظ صحیح نہیں ماننا چاہیے کیونکہ مادھو ورمن دوئم (616-556) کے متعلق بھی یہی کہا جاتا ہے۔ مادھو ورمن اوّل کی شادی ایک واکاٹک شہزادی کے ساتھ ہوئی ہوگی۔ کیونکہ اس کے لڑکے وکرمیندر کے بارے میں تحریر کیا گیا ہے کہ وہ وشنوکنڈی اور واکاٹکا خاندان کا تھا۔ اندر بھٹارک نے متعدد جنگوں میں فتح حاصل کی اور ایک مرتبہ اس نے اپنے عزیز غالباً اسی خاندان کے مادھو ورمن کو جو تری کوٹ کا حکمراں تھا مغلوب کیا۔ اس نے اپنے مشرقی ہمسایہ گنگ اندر ورمن سے بھی جنگ کی اور اس کے علاقوں پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت کی توسیع کی۔ گووندورمن کو وکرم اشریہ (بہادری کی جائے پناہ) کا خطاب حاصل تھا۔ اس کا لڑکا مادھو ورمن دوئم غالباً اس خاندان کا سب سے طاقتور بادشاہ تھا۔ اس کے نام کے ساتھ بے شمار روایتیں مشہور ہوگئیں۔ مادھو ورمن دوئم کو جن آشریہ (عوام کے لیے جائے پناہ) کا خطاب حاصل تھا۔ اس نے ایک ہرینہ گربھ یگیہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مکمل عہد حکومت میں گنگ راجاؤں کے ساتھ مخالفت قایم رہی اور کہا جاتا ہے کہ مشرقی علاقے کو فتح کرنے کے لیے اس نے دریائے گوداوری کو عبور کیا۔ ساتویں صدی کے شروع میں بادامی کے چالوکیہ بادشاہ پل کیشن دوئم نے مشرقی دکن پر حملہ کیا تو وینگی اور اس کے قرب وجوار کے علاقے پر اس وقت بھی وشنوکنڈینوں کی حکومت تھی۔

چھٹی صدی کے شروع میں شمال میں وشنوکنڈینوں کی حکومت اور جنوب میں پلوؤں کی حکومت کے درمیان ایک چھوٹی سی ریاست کا عروج ہوا جس کے راجہ آنند گوتر کے تھے۔ اس گوتر کا پہلا راجہ کاندرا تھا۔ اس نے اپنی لڑکی کی شادی پلو خاندان کے ایک شہزادے کے ساتھ کردی۔ کاندرا نے وشنوکنڈینوں کے خلاف دریائے کرشنا کے کنارے متعدد جنگیں کیں اور اخیر میں وہ ان سے ''شری کٹ پردت کے مالک'' کا لقب چھیننے میں کامیاب ہوا۔ حالاں کہ اس کی سلطنت بہت چھوٹی تھی اور اس کے پاس آج کل کے گنتور اور ننادلی کے اضلاع سے زیادہ علاقہ نہیں تھا۔ اس خاندان کے دوسرے راجاؤں میں دامودرورمن تھا۔ اس کے والد نے بہت زیادہ یگیہ کیے تھے۔ اتی ورمن اور کاندرا پوتا جس کے نام کے بارے میں واقفیت نہیں ہے لیکن اس نے چیزولا مقام میں پتھر کا ایک کتبہ چھوڑا ہے جو چھٹی صدی کی آخری چوتھائی مدت کا ہوگا۔ کتبوں میں اس سلطنت سے دارالخلافہ کندرپور کا ذکر ہے۔ جسے

راجہ کندر نے بسایا ہوگا۔ اس خاندان کے راجہ شو کی پرستش کرتے تھے لیکن دامودر دو رمن بدھ مذہب کا ماننے والا تھا۔ اس خاندان کے راجہ خواہ وہ کسی مذہب کے ماننے والے تھے ہر مذہب اور ہر فرقے کی غیر جانب دارانہ طور پر سرپرستی کرتے سے۔

چوتھی اور پانچویں صدی میں مدھیہ پردیش کے واکاٹکوں کو ملک کی سیاست اور معاشرتی زندگی میں مخصوص اہمیت حاصل تھی۔ اس عہد کے سبھی شاہی خاندان مثلاً گپت، وشنوکندین اور کدمبوں کے ساتھ حکمت عملی پر مبنی ان کے تعلقات قایم تھے اور شادیوں کی وجہ سے رشتہ داری بھی تھی۔ انھوں نے غار مندروں کے مشہور دالانوں اور راجنتا کی مصوری میں نمایاں طور پر اضافے بھی کیے۔

بعض مؤرخین نے واکاٹکوں کے نام کو بندیلکھنڈ میں واقع ایک چھوٹے سے گاؤں باگت سے منسوب کیا ہے۔ لیکن دوسرے مؤرخین انھیں آندھرا دیش کا تسلیم کرتے ہیں۔ واکاٹکوں کو اس وقت اقتدار حاصل ہوا جب مدھیہ پردیش میں ستواہنوں کے آخری راجہ کی حکومت ختم ہو چکی تھی اور شک شترپوں کی طاقت بھی ستواہنوں کے ساتھ مسلسل طور پر طویل جنگ کرنے کی بنا پر زایل ہو چکی تھی۔ پرانوں میں وندھیہ شکتی کو اس خاندان کا بانی اور برار میں واقع پوریکا کو ان کا دارالسلطنت بتایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ پرانوں سے اس امر کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ وندھیاچل کے شمال میں ودیسا تک ان کی سلطنت قایم تھی۔ واکاٹکوں کا عروج کا زمانہ تیسری صدی کا آخری چوتھائی قرار دیا جاسکتا ہے۔

وندھیہ شکتی کے بعد اس کا لڑکا پرورسین اوّل (340-280) تخت نشین ہوا۔ اس نے چار شو حملہ کر کے اپنی سلطنت کی بھی توسیع کی۔ وہ اس خاندان کا واحد بادشاہ ہے جس نے سمراٹ (شہنشاہ) کا لقب اختیار کیا۔ اس کے چار لڑکے تھے جنھیں اس نے اپنے نئے مقبوضات کے انتظام کے لیے مقرر کیا۔ اس کے سب سے بڑے لڑکے گوتمی پتر کا انتقال اپنے والد کی حیات میں ہوگیا۔ دوسرا لڑکا سروسین جنوبی برار اور حیدرآباد کے مغربی حصّے پر حکومت کرتا تھا۔ چونکہ 304 سے 345 تک کی مدت کے درمیان مغرب میں شک حکمرانوں میں سے کسی نے مہاشترپ کا لقب نہیں اختیار کیا اور 332 اور 348 کے درمیان ان کے سکّے بھی جاری نہیں کیے گئے۔ اس لیے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ شکوں کے علاقوں پر واکاٹکوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ پرورسین اوّل نے اپنی فتوحات کا جشن چار اشومیدھ یگیہ اور ایک واجپئی یگیہ کر کے منایا۔ گوتمی پتر کا لڑکا رودرسین اوّل (340-360) جب اپنے دادا کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوا تو اس کے چچاؤں نے جو صوبوں کے

وایسرائے سے خود مختار ہونے کا اعلان کر دیا۔ رودرسین نے اپنے نانا بھاؤ ناگ کی مدد سے اپنے دو چچاؤں کو مغلوب کیا۔ بھاؤ ناگ خود بھار شِو خاندان کا تھا اور وسط ہند میں واقع پدماوتی کا حکمراں تھا۔ سروسین کے خاندان نے اپنی خود مختار حکومت قایم رکھی۔

گپت بادشاہوں کے ساتھ بہتر تعلقات قایم رکھنے کے سلسلہ میں رودرسین زیادہ خوش قسمت تھا۔ اس پر سمدرگپت کے حملوں کا قطعی اثر نہیں پڑا۔ شک اپنی حالت کو بہتر بنانے میں کامیاب ہوئے۔ اور 346 سے وہ مہاشترپ کا لقب دوبارہ اختیار کرسکے۔ رودرسین کے لڑکے پرتھوی سین اوّل (390 — 365) نے سروسین کے جانشینوں کو کُنتل یا جنوبی مہاراشٹر کے ایک حصّے کو فتح کرنے میں مدد کی۔ رودرسین کی حکومت کا ایک خاص واقعہ یہ ہے کہ اس کے لڑکے رودرسین دویم کی شادی چندرگپت دویم کی لڑکی پربھاوتی گپت کے ساتھ ہوئی۔ اس شادی کا مقصد شاید یہی تھا کہ گپت بادشاہ شکوں کے خلاف اپنے منصوبوں کی تکمیل کرسکیں۔ لیکن رودرسین دویم پانچ سال تک حکومت کرنے کے بعد قبل از وقت انتقال کر گیا۔ اس نے دو لڑکے چھوڑے تھے جو کم عمر تھے۔ اس کی ملکہ نے اپنے لڑکے کو بادشاہ بنایا اور خود قایم مقام کی حیثیت سے حکومت کے فرائض انجام دینے لگی۔ نابالغ بادشاہ کے چچا نے جو بسیم میں حکمراں تھا اس انتظام کی مخالفت نہیں کی۔ پربھاوتی گپت کی قایم مقامی کے زمانہ میں چندرگپت دویم نے گجرات و کاٹھیاواڑ پر قبضہ کرلیا۔ اس سلسلہ میں بیٹی نے باپ کی بہت مدد کی۔ تیرہ سال تک قایم مقامی کے بعد اس کے بڑے لڑکے دواکرسین کا انتقال ہوگیا۔ پربھاوتی گپت نے اپنے دوسرے لڑکے دامودرسین کو جو بعد میں پرورسین دویم کے نام سے مشہور ہوا گدّی پر بٹھایا اور اس طرح 410 تک قایم مقام کی حیثیت سے حکومت چلاتی رہی۔ پرورسین دویم (45 — 410) ایک امن پسند بادشاہ تھا اور جنگ کی بہ نسبت ادب اور فنونِ لطیفہ سے زیادہ دل چسپی رکھتا تھا۔ وہ وشنو کا پرستار تھا۔ اس نے پراکرت زبان میں سیتو بندھ نظم تحریر کی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کالی داس نے اس پر نظر ثانی کی۔ اس نظم میں رام کے کارہائے نمایاں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس نے پرورپور میں ایک نیا دارالسلطنت بھی آباد کیا اور اپنی حکومت کو دوسرے نصف حصّہ میں اس جگہ منتقل کر دیا۔ ولیعہد نریندرسین نے کدمبوں کی شہزادی سے شادی کی جو ککُستھ ورمن کی بیٹی تھی۔

گھرا ہوا تھا۔ نل خاندان کے راجہ بھوونت ورمن نے جو بستر ریاست کا حکمراں تھا۔ واکاٹک سلطنت پر حملہ کیا اور ایسا محسوس ہوا کہ اس کی فتح یقینی ہوگی۔ نریندر سین کے نانا کے بھائی کمار گپت کو چونکہ ہونوں کے حملہ کا خطرہ تھا اس لیے وہ (کمار گپت) اس کی کوئی مدد نہیں کر سکا۔ لیکن نریندر سین نے اپنے اکھڑے قدم دوبارہ جما لیے اور دشمن کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ کچھ عرصے کے لیے اس کا مالوہ، میکلا اور کوشل پر قبضہ ہو گیا۔ اس کا لڑکا پرتھوی سین دوئم اس خاندان کا آخری بادشاہ کہا جاتا ہے۔ اس نے اپنے خاندان کے اقتدار کو دو مرتبہ واپس لیا۔ غالباً نل خاندان کے راجہ اور جنوبی گجرات کے ترے کوٹک حکمراں اس کے دشمن تھے۔

اب واکاٹک خاندان کے ایک ہی گوتر کی اس شاخ کی تاریخ پر جو باسیم میں حکومت کرتی تھی مختصراً غور کیا جائے۔ سروسین کے بعد اس کا لڑکا وندھیہ سین یا وندھیہ شکتی تخت نشین ہوا۔ وندھیہ سین نے اصل خاندان کے پرتھوی سین کی مدد سے جنوبی مہاراشٹر فتح کیا۔ اس کا لڑکا پرور سین دوئم تھا۔ اس نے دس برس تک حکومت کی اور ایک آٹھ برس کے نابالغ لڑکے کو شاہی تخت پر بٹھا کر انتقال کر گیا۔ اس نابالغ لڑکے نے کافی عرصے تک پر امن طور پر حکومت کی۔ اس کا لڑکا دیوسین (480-460ء) عیش پسند تھا اور حکومت کا سارا انتظام اپنے ایک وزیر ہستی بھوج کے ہاتھ میں چھوڑ دیا تھا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ہری شین (510 -480) تخت نشین ہوا۔ یہ اس خاندان کا بہت طاقتور راجہ تھا اور پرتھوی سین دوئم کی وفات کے بعد واکاٹکوں کے اصلی خاندان کی سلطنت کا بھی وارث ہوا۔ اس کے اجنتا کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سلطنت میں گجرات، مالوہ، جنوبی کوشل اور کُنتل کے صوبے شامل تھے۔ اس طرح پرورسین اول کے زمانہ میں حکومت کی جو حدود تھیں۔ ان میں ہری سین کے زمانہ میں بے حد اضافہ ہو گیا۔ واکاٹکوں کا زوال 515 سے 550 کے درمیان ہو گیا۔ اس مدت میں سوم وامشیس نے چھتیس گڑھ کدمبوں نے جنوبی مہاراشٹر، کالاچوڑیوں نے شمالی مہاراشٹر اور مالوہ اور یشودھرمن نے مدھیہ پردیش کے شمالی حصہ پر اپنا قبضہ جما لیا۔ بادامی کے چالوکیہ راجاؤں نے 550ء میں اس خاندان کا بالکل خاتمہ کر دیا۔

چوتھی صدی کے نصف حصے سے سمدرگپت کے جنوب پر حملہ کرنے کے بعد پلّوؤں کی طاقت کمزور ہونے کے بعد جنوب مغربی دکن میں کدمبوں کو عروج حاصل ہوا۔ کدمبوں کا سب سے قدیم کتبہ پراکرت زبان میں ہے اور ایک ستون پر چھوٹ راجاؤں کے مختصر ریکارڈ تھے جو کندہ

کیا ہوا ہے۔ کدمب براہمن تھے۔ ان کے اسلاف کا نام ہالئی تھے اور ما نو یہ گو ترتھا۔ یہ ویدوں کا مطالعہ اور ویدک دھرم کے مطابق یگیہ کرتے تھے۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ میور شرمن بھی ویدوں کے مکمل مطالعہ کی غرض سے کانچی پورم میں واقع گھٹیکا (یونی ورسٹی) میں داخل ہوا۔ لیکن ایک پلّو گھوڑ سوار سپاہی سے زبردست جھگڑا ہوگیا جس کی بنا پر اس کی زندگی میں تغیر واقع ہوا۔ وہ تعلیم گاہ کو ترک کرکے میدان جنگ میں داخل ہوگیا۔ اس نے سرحد پر متعینہ پلّو افسروں کو مغلوب کیا اور برہد باناؤں اور پلّوؤں کے دوسرے انتظامی افسروں سے ٹیکس وصول کرنے کے بعد سری پروت کے گھنے جنگلوں میں اپنا اڈہ بنایا۔ وہ اس فوج کو جو پلّوؤں نے اس کے خلاف روانہ کی۔ برابر پریشان کرتا رہا اور لڑائی اس وقت ختم ہو سکی۔ جب کہ پلّوؤں نے اس کا اس تمام علاقہ پر جو مغربی سمندر اور پریہرا (شاید اس سے تنگ بھدرا یا مل پربھا مراد ہو) کے درمیان واقع تھا قبضہ تسلیم کرلیا۔ پراکرت زبان میں پتھر کا ایک چھوٹا سا کتبہ چندراولی میں دریافت ہوا ہے۔ اس میں میور شرمن کا ذکر ایک تالاب اور دوسرے ناموں کے ساتھ ابھیر، تک استھان، اسنیدکا، ینات اور موکری کے سلسلے میں آیا ہے لیکن اس کتبے کا مطلب واضح نہیں ہے۔

اس زمانے کے کدمب فرماں رواؤں کا شجرہ اور ان کی حکومت کی مدت کی تخمینی تاریخ درج ذیل ہے۔

بعد کی روایتوں میں میور ورمن نے جو میور شرمن کے بجائے اس نام سے مشہور تھا۔ اٹھارہ اشو میدھ یگیہ کیے اور براہمنوں کو بہت سے گاؤں خیرات میں دیے لیکن بہت سے شاہی خاندان کے ابتدائی کتبے اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ با سم شاخ کے واکاٹک راجہ دندھیہ سین کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے کنتل فتح کرلیا۔ اس کے حملہ کا مقابلہ کرنے میں کنگ ورمن کو بڑی حد تک کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ کدمب بادشاہوں کا دارالسلطنت وجینتی (بن واسی) تھا۔ اس کے علاوہ ان کا دوسرا دارالسلطنت پالاسیکا (ہلسی) میں تھا۔ ککسٹھ ورمن اس خاندان کا عظیم بادشاہ تھا۔ اس کے عہد حکومت میں سلطنت کی کافی ترقی ہوئی۔ اس کی لڑکیوں کی شادیاں مختلف مشہور شاہی خاندانوں میں ہوئیں۔ جن میں گپت شہنشاہ بھی شامل تھے۔ اس کا لڑکا شانتی ورمن بہت بااثر اور مشہور حکمراں ثابت ہوا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ تین تاج پہنتا تھا اور "اپنے دشمنوں کی خوش حالی اپنی جانب کھینچ لی تھی" اس کے زمانہ حکومت میں پلّوؤں سے خطرہ

کدمب شاہی خاندان ۔

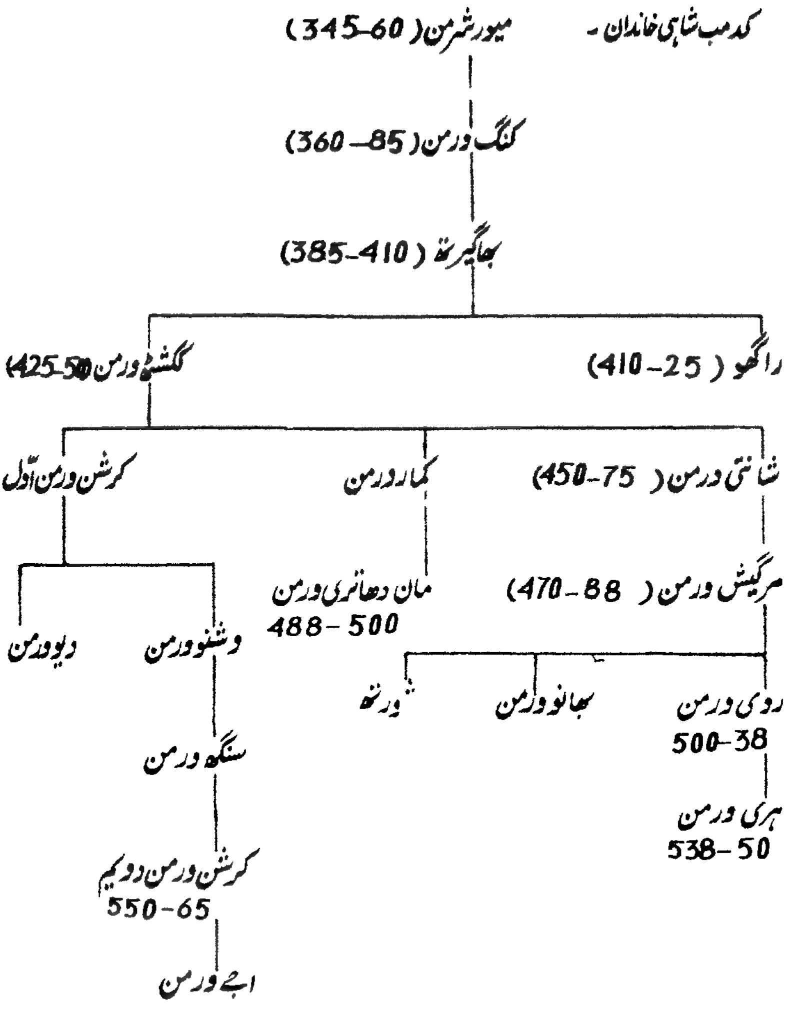

پیدا ہوگیا جس کا مقابلہ کرنے کے لیے اس نے جنوبی اضلاع کا انتظام اپنے چھوٹے بھائی کرشن ورمن کے سپرد کردیا۔ اس طرح سلطنت منقسم ہوگئی جو کرشن ورمن کے اشو میدھ یگیہ کرنے سے بھی واضح ہے کیونکہ کوئی بھی ماتحت راجہ اشو میدھ یگیہ نہیں کرسکتا۔ پلّووں کے ساتھ جنگ کرنے میں کرشن ورمن کی اہلیہ کی جائے پیدائش کیکیہ تباہ و برباد ہی نہیں ہوئی بلکہ اسے اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ اس کے لڑکے وشنو ورمن کو اپنی تخت نشینی کے لیے پلّووں سے اجازت حاصل کرنا پڑی تھی۔ اس جنگ میں جن پلّو راجاؤں نے شرکت کی ان کے نام نانک کاسا اور

شانتی ویر ہیں۔ لیکن یہ نام مشہور نہیں ہیں۔ شانتی ورمن کے بعد مرگیش ورمن نے گنگو لی اور پلوؤں کے خلاف ناکام جنگیں کیں۔ مرگیش ورمن ہاتھی اور گھوڑے کی سواری کا شوقین ہونے کے علاوہ عالم بھی تھا۔ اس نے اپنے والد کی یادگار کے طور پر پالاسیکا میں ایک جین مندر تعمیر کرایا اس مندر کو اس نے فراخ دلی کے ساتھ عطیے بھی دیے۔

روی ورمن نے لڑائی میں وشنو ورمن اور دوسرے راجاؤں کو مار ڈالا۔ اس نے کانچی کے حاکم چانداڈنڈ کو مار بھگایا اور پالاسیکا پر قابض ہو گیا۔ یہاں کانچی کے حاکم سے مراد کانچی کا راجہ نہیں ہے بلکہ پلو خاندان کے ایک فرد سے ہے۔ بہت ممکن ہے کہ چانداڈنڈ بھی پلو خاندان کی اسی شاخ کا فرد ہو جس سے شانتی ویر کا تعلق تھا جس نے وشنو ورمن کی تاج پوشی کی رسم ادا کی تھی۔ روی ورمن کی کامیابیوں کی بنا پر کدمب سلطنت اپنی ابتدائی حدود تک وسیع اور متحد ہو گئی۔

روی ورمن کے بعد ہری ورمن (538-50) تخت نشین ہوا۔ وہ ایک امن پسند راجہ تھا۔ اس کے زمانہ میں کدمبوں کو سلطنت کے شمالی حصے سے ہاتھ دھونا پڑا تھا اور پل کیشن اوّل نے بادامی میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کر کے چالوکیہ سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ کدمب نہ تو طاقت ور اور نہ متحد ہی تھے۔ کرشن ورمن نے اس خاندان کی بڑی اور چھوٹی شاخ کے درمیان جھگڑے کو اور بھی تازہ کر دیا تھا۔ اس نے دیجینتی پر حملہ کر دیا اور اس طرح بڑی شاخ کے آخری بادشاہ ہری ورمن کی حکومت کو ختم کر دیا۔ پل کیشن اوّل کے لڑکے چالوکیہ کیرتی ورمن کے حملہ کے وقت یا تو کرشن ورمن خود یا اس کا لڑکا اجا ورمن بن واسی پر حکومت کرتا ہوگا۔

گنگ حکومت مغرب میں کدمب اور مشرق میں پلوؤں کی حکومت کے درمیان موجودہ میسور کے جنوبی علاقے میں قایم تھی۔ چونکہ گنگ حکومت ایک عرصہ تک اس علاقہ میں قایم رہی تھی اس لیے اس کا نام بھی گنگا واڑی پڑ گیا تھا۔ اس خاندان کی ابتدائی تاریخ بہت کچھ داستانوں اور غیر معمولی طور پر بڑی تعداد میں پائی جانے والی جعلی تانبے کی تختیوں کی بنا پر تاریک ہو گئی ہے۔ اس زمانہ کے قابل اعتماد کتبوں کے مطابق اس خاندان کا پہلا راجہ کونگنی ورمن تھا جو جھانا دیہ کل یعنی گنگ خاندان اور کان وائین گوتر کا تھا۔ اس نے کئی لڑائیوں میں شہرت حاصل کی اور اپنے لیے ایک خوش حال سلطنت قایم کر سکا۔ اس کے "دھرم مہادھیراج" لقب سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی ایک خود مختار حکومت تھی۔ لیکن گنگ راجاؤں کی حالت

بہت جلد خراب ہوگئی اور انھیں اپنی طویل تاریخ میں ہمیشہ جنوبی ہندوستان کے کسی نہ کسی بڑے خاندان کی اطاعت قبول کرنا پڑی ۔ کونگنی ورمن کا عہد حکومت چار سو صدی عیسوی کے آس پاس مقرر کیا جاسکتا ہے ۔ اس کے دارالسلطنت کا نام کتبوں میں نہیں دیا گیا ہے گو کہ بعد کی روایتوں کے مطابق یہ پہلے کو ولل یعنی موجودہ کولار اور بعد میں تلکاڈ مقرر کیا گیا ہے ۔ یہ کدمب بادشاہوں کی سرحد کے نزدیک پڑتا تھا اور کونگنی ورمن نے پلو راجاؤں کے ساتھ مل کر سب راجاؤں کے خلاف کئی لڑائیاں بھی لڑیں ۔

کونگنی ورمن کا لڑکا اور جانشین مہا دھیرج مادھو اوّل (425) تھا ۔ وہ ایک قابل مدبر تھا ۔ بعد کی روایتوں کے مطابق اسے دتک سوتر پر شرح کا مصنف کہا جاتا ہے ۔ دتک سوتر کا عاشقانہ نظموں پر ایک مقالہ ہے ۔ اس خاندان کا دوسرا فرماں روا اس کا لڑکا ایا ورمن (450) تخت نشین ہوا ۔ وہ ایک بہادر جنگ جو ہونے کے باوجود شاستروں، پرانوں اور تاریخ کا ماہر تھا ۔ اس کی تاج پوشی کی رسم شاید کانچی کے پلو راجہ سنگھ ورمن اوّل نے ادا کی کیونکہ تخت نشینی کے سلسلہ میں ایا ورمن کو اپنے چھوٹے بھائی کرشن ورمن سے جھگڑنا پڑا تھا اور اس نے پلو راجہ سے امداد طلب بھی کی تھی ۔ بعد کے کتبوں میں اسے ہری ورمن کے نام سے جانا جاتا ہے ۔ اس نے تل کاڈ کو اپنا دارالسلطنت بنایا ۔ تخت کے لیے دونوں بھائیوں میں جو جھگڑا تھا اس کا تصفیہ اس طرح کیا گیا کہ سلطنت کو دو حصوں میں منقسم کر دیا گیا ۔ دونوں بھائیوں نے پلو حکمرانوں کے ساتھ اپنے اپنے تعلقات دکھانے کے خیال سے اپنے لڑکے کا نام سنگھ ورمن رکھا ۔ یہ بٹوارہ ان کے لڑکوں اور جانشین مادھو دوئم عرف سنگھ ورمن اور دوسرے سنگھ ورمن کے زمانہ میں بھی قایم رہا ۔ مادھو دوئم کی رسم تاج پوشی پلو خاندان کے حکمراں اسکند ورمن نے ادا کی اور اس کی شادی کدمب کے راجہ کرشن ورمن اوّل کی بہن کے ساتھ ہوگئی ۔ بعد کے عطیات کی رو سے اور اس ازدواجی اتحاد کی بنا پر مادھو دوئم کا لڑکا اوی نیت اوایل عمری میں ہی تخت کا وارث قرار دیا گیا (500 ء) گنگ خاندان کا شجرہؒ درج ذیل ہے ۔

کدمب اور گنگ حکومتوں کے زمانہ میں معاشرتی ، انتظامی اور مذہبی حالت قریب قریب وہی تھی جو ان کے ہم عصر پلوؤں کے زمانۂ حکومت میں پائی جاتی تھی ۔

ؒ شجرہ آگے صفحہ پر

شجرہ گنگ خاندان

کونکنی ورمن (400)

مادھو اول (425)

آیاورمن (450) — کرشن ورمن (450)

آیاورمن (450):
مادھو دویم عرف سنگھ ورمن (475)
اودی نیت (500)

کرشن ورمن (450):
سنگھ ورمن (475)
ویر ورمن ولی عہد

معاون کتابیں

اپی گرافیہ انڈیکا۔ جلد 33-29-21-20 اور 34 اکش واکو کتبوں کے لیے۔

کے۔ گوپال آچاری :۔ ارلی ہسٹری آف دی آندھر کنٹری۔ (مدراس 1941)

جی۔ جودیوڈبریل :۔ این شی اینٹ ہسٹری آف دی ڈکن (پانڈیچری 1920)

ٹی۔ وی۔ مہالینگم :۔ کانچی پورم ان ارلی ساؤتھ انڈین ہسٹری (میجر پبلشرس 1965)

کے۔ اے۔ این۔ شاستری :۔ دی نیو ہسٹری آف دی انڈین پیپل۔ جلد چھ باب بارہ ساؤتھ انڈیا
(لاہور 1946 بنارس 1954)

ڈی۔ سی۔ سرکار :۔ سکسیرس آف دی ستواہن (کلکتہ 1939)

باب 7

سنگم اور اس کے بعد کا عہد

کلنگ اور تامل ریاستیں۔ سنگم ادب۔ اس کا عہد۔ چیر، آلے اور پاری۔ ادی گئی ملن اجی۔ چول۔ کاریکل۔ الندرائن۔ پانڈیہ۔ تلیا لنگم کے ینڈ مجیلین۔ اس کے مورث اعلا۔ چول سلطنت میں خانہ جنگی۔ سنگم عہد کا زوال۔ سیاسی تبدیلیاں۔

معاشرتی زندگی۔ اجتماعی تہذیب۔ سرزمین۔ باشندے۔ بادشاہت۔ سبھا اور منرم۔ محاصل۔ فوج۔ جنگ۔ ادب اور فنون لطیفہ کی شاہی سرپرستی۔ شاعری۔ موسیقی اور رقص۔ کھیل و تفریح۔ مکان۔ مذہبی اعتقادات اور رواج۔ تجارت، بیرونی و داخلی۔ مذہب اور اخلاقیات۔ سنگم کے بعد تاریکی کا زمانہ۔ کلابھر۔

اشوک کے کتبوں کے بعد کھارویل کا ہی قدیم کتبہ ہمیں تامل دیش کی ریاستوں کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔ کھارویل کے کتبے کے بارے میں مختصراً پچھلے باب میں بتایا جا چکا ہے۔ کھارویل دوسری صدی قبل مسیح کے پہلے نصف حصہ میں کلنگ میں حکومت کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی حکومت کے گیارھویں سال میں (155 ق۔م) تامل ریاستوں کے جتھے کو جو 113 سال قدیم تھا اور جسے ترمے میر دیش سنگھم کہتے تھے ختم کر دیا تھا۔ کیونکہ اس جتھے کی موجودگی سے کلنگ کو برابر خطرہ لگا رہتا تھا۔ اس کتبے میں کہا گیا ہے کہ کھارویل نے پانڈیہ دیش سے کلنگ کے لیے "سینکڑوں کی تعداد میں موتی" اور شاید گھوڑے، ہاتھی، جواہرات اور لعل بھی منگوائے تھے۔ یہ کتبہ خود ایک دقیق دستاویز ہے اور جگہ جگہ دراڑیں پڑ جانے اور ٹوٹی پھوٹی حالت میں ہونے کی وجہ سے اس کا صحیح مفہوم سمجھنا ایک دقت طلب امر ہے۔ ہمیں ان سوالات کے جوابات کے لیے

مثلاً تامل ریاستوں کا جتھا اور اس کے مقاصد کے تحفے۔ کلنگ کے لیے یہ جتھا کس طرح خطرے کا باعث بنا اور کھارویل نے اس خطرے سے تحفظ کے لیے کیا تدابیر اختیار کیں اور پانڈیہ راجاؤں کے ساتھ نئے تعلقات کے قیام کے سلسلہ میں وضاحت حاصل کرنے کے واسطے کوئی اور صورت بھی نہیں ہے جس کے ذریعہ اطلاع حاصل ہو سکے۔

تامل دیش کی تاریخ میں پہلا درخشندہ عہد سنگم ادب (یعنی تیسری اور چوتھی صدی عیسوی کا ادب) میں پرتو فگن ہے۔ یہ تامل ادب کا سب سے قدیم حصّہ ہے جو اس وقت دست یاب ہے۔ سنگم ادب کم و بیش آٹھ مجموعوں میں دست یاب ہے، مثلاً نار رینائی (2) کرون دوگئی (3) اینگرو تورو (4) پدیرپتّو (5) پری پادل (6) کلت توگئی (7) اہنانورو اور (8) پرانانورو۔ ان کے علا ایک نواں مجموعہ بھی ہے جسے پتّو پتّو کہتے ہیں۔ مکمل مجموعہ میں 2279 نظمیں ہیں جنھیں 473 شعرا نے تین مصرعوں سے لے کر آٹھ سو سے زیادہ مصرعوں میں منظوم کیا ہے۔ ان شعرا میں بعض خواتین شاعرہ بھی شامل ہیں او ایک سو دو گمنام نظمیں ہیں۔ ہر نظم کے اخیر میں شاعر کا نام، موقع محل اور دوسری تفصیلات درج ہیں۔ یہ کیفیت غالباً ایڈیٹروں نے پیش کی ہے۔ اگرچہ ان کو ترتیب دینے میں دشواریاں پیش آئیں۔ پھر بھی عام طور پر انھیں صحیح روایات کے مانند سمجھا جا سکتا ہے۔

تامل گرامر پر ایک جامع کتاب تولکاپیم اسی عہد کی تصنیف ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جو کچھ ادب باقی بچ سکا ہے وہ اس قدیم زمانہ کے ادب کا محض ایک جز وہے۔ دسویں صدی عیسوی کے شروع کے ایک کتبے میں قدیم پانڈیہ بادشاہوں کی کامیابیوں کے ساتھ تامل زبان میں مہابھارت کے ترجمے اور مدورا میں ایک سنگم کے قیام کا بھی ذکر ہے۔ یہ ترجمہ ضائع ہو چکا ہے لیکن مذکرہ بالا سطور میں نظموں کے جن آٹھ مجموعوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے چھ مجموعوں کے شروع میں جو مناجات درج ہیں۔ وہ بھارتم کے گانے والے پیرن دیونار کا نتیجہ فکر ہیں۔ پیرن دیونار نام کے ایک شخص کے منظوم کردہ "تامل مہابھارتم" کے کچھ جز وہمارے پاس آئے ہیں لیکن یہ شاعر پلو راجہ نندی ورمن سویم (نویں صدی عیسوی) کا ہم عصر تھا اور غالباً سنگم کے گلدستے میں اس نام کے جس شاعر کا حوالہ دیا گیا ہے وہ اس سے قطعی مختلف شخص ہے۔

یہ بات صحیح ہو سکتی ہے کہ مدورا میں تامل شعرا کا ایک کالج (سنگم) جسے شاہی سرپرستی حاصل تھی کچھ عرصہ تک قائم رہا ہو۔ اس سلسلہ میں قدیم ترین ذکر اروئی یانار اگپ پورل کی شرح (750)

کے دیباچہ میں ملتا ہے جو روایتوں میں ملفوف ہے۔ دیباچہ میں تین سنگموں کا ذکر ہے جو طویل وقفوں کے ساتھ 9990 برس تک قایم رہے۔ اس مدت میں 8598 شعرا (جس میں شِو دھرم کے کچھ دیوتا بھی شامل ہیں) اور ان کے سرپرستوں کی حیثیت سے 197 پانڈیہ بادشاہوں کے نام گنائے جاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی من گھڑت باتوں کو واقعات کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے کوئی اہم نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا۔ نظموں کے اخیر میں جو نوٹ دیے گئے ہیں۔ ان کا اگر احتیاط کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو راجاؤں، سرداروں اور شعرا کی ہم وقتی کا اشارہ ملتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کل ادب زیادہ سے زیادہ تین چار نسلوں تک یعنی 120 یا 150 برس تک کے واقعات کو پیش کرتا ہے۔ اس طرح ہم صرف چیر خاندان کے حکمرانوں کا ایک سلسلہ وار شجرہ تیار کر سکتے ہیں اور ہمارے سامنے حکمرانوں کی دو شاخیں آتی ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ شادی یا کسی اور بنا پر شامل تھیں اور ان میں سے ہر ایک شاخ تین چار نسلوں تک قایم رہتی ہے دوسرے معاملات میں غیر متعلق ناموں کی وجہ سے اس عہد کی ایک مسلسل تاریخ کا قیام ناممکن نظر آتا ہے چناں چہ ہمیں ان شعرا کی بیان کردہ برگزیدہ ہستیوں اور ان کی کامیابیوں تک ہی قانع رہنا پڑے گا۔

تامل ریاستوں کا کل علاقہ، چیر، چول اور پانڈیہ شاہی خاندانوں کے تین تاج دار شہنشاہو اور کئی چھوٹے چھوٹے سرداروں میں بٹا ہوا تھا۔ سردار اپنے زمانہ کی سیاست کے پیش نظر کسی نہ کسی بادشاہ کی اطاعت میں رہتے تھے یا کسی بادشاہ کی طرف سے لڑائی میں شامل ہوتے تھے یا خود مختار رہ کر زندگی بسر کرتے تھے۔ شعرا نے ان سرداروں میں سے سات سرداروں کو ادب اور فنون لطیفہ کی فراخ دلی کے ساتھ سرپرستی کرنے کی بنا پر مخصوص طور سے تسلیم کیا اور دلال (سرپرست) کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ دوسری صدی ق۔م کے مختصر برہمی کتبوں کی زبان تامل تھی جو ابھی اپنی تشکیل کی منزل میں ہی تھی۔ چنانچہ کتبوں کی زبان میں سنسکرت کے الفاظ اور خیالات بخوبی شامل ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ تامل ادب معاشرتی زندگی کی عکاسی کے سلسلہ میں رسم ورواج کے قواعد وضوابط بھی منعکس کرتا ہے۔ یہ ترقی لازمی طور پر اس لمبے پروگرام کا نتیجہ ہوگی جو نسلاً بعد نسلاً جاری رہا ہوگا۔

تامل ادب کے عہد کے متعلق ایک اور اشارہ پدی روپ پتّو میں ملتا ہے جو ایک چیر

بادشاہ شینگوٹودن کا سنری لنکا کے گج باہو اوّل کے ساتھ ہم وقتی کا ثبوت ہے۔ پدی روپ پتّو نظم میں مخصوص طور پر چیر بادشاہوں کا ہی ذکر ہے۔ گج باہو اوّل کا عہد حکومت تقریباً 90 - 173ء مقرر کیا گیا ہے۔ اور شینگوٹودن کے عروج کا بھی یہی زمانہ ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر سنگم عہد کی مدت 100ء سے 250ء تک مانی جاسکتی ہے۔

یہ ہم وقتی سنگم کے کسی بھی منتخب اشعار کے مجموعوں میں نہیں پائی جاتی۔ بجز شلیپ پدی کارم کے جس میں کو ولم اور کنگّی کی مقبول عام روایتوں کی ادبی نفاست کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس تصنیف کی موجودہ شکل کی بنا پر اس کی تاریخ تصنیف کسی بھی حالت میں پانچویں صدی سے قبل نہیں مقرر کی جاسکتی بعض مورخین اس کی تاریخ اور بعد میں بھی مقرر کریں گے۔ لیکن داستان کی نیم مذہبی نوعیت اور مسلک کے قیام کے مسئلہ پر غور کرتے ہوئے یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ اس داستان کے ذریعہ تاریخی طور پر صحیح ہم وقتی کی یاد زندہ رکھی گئی ہو۔

سنگم عہد کی تاریخ مقرر کرنے کے سلسلہ میں تیسری اور اہم ترین دلیل یونوں (یونانیوں اور رومیوں) کے ساتھ تامل حکومتوں کے تجارتی اور دوسرے تعلقات سے متعلق اسی زمانہ کی نظموں اور پھر انھیں موضوع پر کلاسیکی مصنفین بالخصوص اسٹربو پیری پلیس آف دی ایری تھیرین سی کے گمنام مصنف پلینی اور ٹولیمی کی تصنیفات میں غیر متوقع مطابقت ہے۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیلات آئندہ باب میں دی گئی ہیں جن کے دیکھنے کے بعد اس قسم کے شک کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ تامل ادب کا یہ حصہ اول الذکر کلاسیکی مصنفین کا ہی زمانہ ہے۔

آثار قدیمہ سے بھی ادبی ثبوت کی تصدیق ہوتی ہے۔ پورے جنوبی ہندوستان میں رومی بادشاہوں کی پہلی دو صدیوں کے جو سکّے دستیاب ہوئے ہیں اور حال ہی میں پانڈیچری کے قرب و جوار میں رومی فیکٹری سے جو ثبوت ملتا ہے اس سے سنگم عہد کی جو تاریخ مقرر کی گئی ہے اس کی توثیق ہوتی ہے۔

اس زمانہ کی معاشرتی زندگی کے بارے میں بیان کرنے سے قبل یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی سیاسیات کی خاص خاص باتیں پیش کی جائیں۔ چیرا، چول اور پانڈیہ شاہی خاندانوں کے بارے میں یہ خیال کم سے کم بعد کے زمانہ میں کیا ہی جاتا تھا کہ وہ بہت ہی قدیم ہیں اور سنگم عہد کی نظمیں کورو پانڈو کے درمیان عظیم جنگ مہابھارت کے واقعات کے ساتھ خود کو شامل کرنے کی خواہش کا ثبوت ہیں۔ ہم چیر خاندان کے سب سے پہلے بادشاہ کا نام اودی یان جیرل (130ء

سنتے ہیں۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے کروکشیتر کی دونوں فوجوں کو بہت لذیذ کھانا کھلائے اور اسی لیے اسے عظیم دعوت کھلانے والا اودی یان جیرل کا خطاب دیا گیا۔ یہی مناسب ہوگا کہ اس واقعہ کو کسی دور دراز بزرگ کی کامیابی سمجھا جائے جسے رسمی طور پر اودی یان جیرل کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔ یہی شرف دوسری نظموں میں پانڈیہ اور چول بادشاہوں کو بخش گیا ہے۔

اودی یان جیرل کا لڑکا نیڈن جیرل آدن تھا۔ اس نے مالابار ساحل کے کسی مقامی دشمن کو بحری جنگ میں مغلوب کیا تھا اور کچھ یونان تاجروں کو بھی قیدی بنا کر لے گیا تھا۔ جن کے ساتھ وہ بہت سختی سے پیش بھی آیا۔ لیکن اس کے اس برتاؤ کا سبب واضح نہیں ہے۔ اخیر میں اس نے کافی رقم لے کر ان قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے کئی جنگیں کیں اور کئی سال اپنی فوج کے ساتھ کیمپ میں گذارے۔ اس نے تاج دار بادشاہوں پر فتح حاصل کی اور اس طرح ادھیراج کا اعلا مرتبہ حاصل کیا۔ اسے "امبہ ورم بن" کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کی سرحد ہمالیہ تک تھی۔ یہ خطاب اس دعوے کو ثابت کرتا ہے کہ اس نے مکمل ہندوستان کو فتح کر لیا تھا۔ اور ہمالیہ پر شاہی نشان "کمان" ثبت کیا تھا۔ یہ اس شاعرانہ غلو کی مثال ہے جو ان نظموں کے لیے عام ہے۔ اس کے دارالسلطنت کا نام مرن دلی تھا۔ وہ اپنے ہم عصر چول بادشاہ کے ساتھ بھی نبرد آزما ہوا۔ اس لڑائی میں دونوں بادشاہ مارے گئے اور ان کی بیویاں ستی ہوگئیں۔

آدن کا چھوٹا بھائی کٹّو ون تھا جس کے پاس بہت ہاتھی تھے۔ کٹّو ون نے کونگو کو فتح کر لیا اور ایک وقت حکومت کا بظاہر اقتدار مغربی سمندر سے مشرقی سمندر تک قایم ہوگیا۔ آدن کی دو مختلف رانیوں سے دو لڑکے تھے۔ اس میں ایک "کلنگئے ہار اور ریشے کے تاج والا چیر" کے نام سے مشہور تھا۔ کہا جاتا ہے اس نے اپنی تاجپوشی کے وقت جو تاج پہنا تھا وہ کھجور کے ریشے سے بنا ہوا تھا اور اس پر جو ہار تھا اس میں چھوٹی چھوٹی جامن لگی ہوئی تھیں۔ یہ کوئی قابل تعریف چیز نہ تھی تاج کا ڈھانچہ سونے کا بنا ہوا تھا اور اس میں بیش قیمت موتی جڑے ہوئے تھے۔ لیکن اس کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی کہ بادشاہ کو ایسا تاج پہننے کی کیوں ضرورت واقع ہوئی۔ کہا جاتا ہے اس نے اپنے ہم عصر نگدور کے ادگئی مان سردار آبجی کے خلاف کئی جنگوں میں کامیابی حاصل کی اور تولو دیش میں مالابار کے شمال میں واقع نن نن کے علاقے پر بھی حملہ کیا۔ وہ بھی ادھیراج تھا اور سات تاجوں کا ہار پہنتا تھا۔

آدن کا دوسرا لڑکا سینگوٹو ون تھا۔ اس کا مطلب منصف مزاج کٹّو (180) ہے سنگم عہد

ہے سب سے مشہور اور معتبر شاعر پرنر نے اپنے گیتوں میں سینگو ٹوون کا ذکر کیا ہے۔ سینگو ٹوون کی زندگی اور اس کی کامیابیاں آگے چل کر روایتوں کی صورت اختیار کر گئیں۔ لیکن پرنر کی اسی زمانہ کی لکھی ہوئی دو نظموں میں ان روایتوں کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ ان دونوں نظموں کے نام ہیں "دس ونٹک" جو بادشاہ سے متعلق دس نظمیں ہیں اور دوسری نظم "پرانن نورد" ہے جس میں گیت شامل ہیں۔ ان نظموں میں سینگو ٹوون کی موہر کے سردار کے خلاف جنگ میں فتح یابی کا ذکر ہے۔ پرنر یہ بھی کہتا ہے کہ سینگو ٹوون نے سمندر پر بھی اپنی توجہ مبذول کی لیکن اس کی تفصیلات نہیں دی گئی ہیں۔ اس کو ایک خطاب بھی دیا گیا تھا جس کا مطلب سمندر کو مار بھگانا تھا۔ اس کا درحقیقت مطلب یہ تھا کہ اس نے اپنے دشمنوں کے لیے جو سمندر کی وجہ سے خود کو محفوظ سمجھتے تھے۔ سمندر کی اہمیت کو ختم کر دیا تھا۔ اگر یہ سچ ہے تو اس کے پاس ایک بحری بیڑہ بھی ہوگا۔ ہم اتنا جانتے ہیں کہ وہ زبردست جنگ جو اور فنون لطیفہ کا سرپرست ہونے کے علاوہ گھوڑے اور ہاتھی کی سواری کا ماہر تھا۔ اور ادھیراج کی حیثیت سے سات تاجوں کا ہار پہنتا تھا اور قلعوں کا محاصرہ کرنے میں بھی بہت مہارت رکھتا تھا۔

ان دس نظموں کے آخری حصہ میں بہت سی نئی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سب سے اہم پتنی مسلک یعنی معیاری بیوی کی شکل میں کن نگی کی پرستش سے متعلق بیان بہت اہم ہے۔ بقیہ تفصیلات میں نن نن علاقہ میں ویالور پر حملہ (شاید کسی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے) کونگو دیش میں کوڈوکوڈ قلعہ کی تسخیر، چول حکومت میں تخت نشینی کی جنگ میں مداخلت اور نو شہزادوں کے قتل کے بعد کسی ایک شہزادے کو تخت دلانے کا ذکر شامل ہے۔ ایک آریہ سردار سے جنگ کرنے کے بعد دیوی ستی پتنی کا مجسمہ تیار کرنے کے لیے پتھر حاصل کیا گیا اور چیر دیش میں لانے سے پہلے اس پتھر کو گنگا میں نہلایا گیا۔ شلپ پدیکارم میں ان تمام واقعات کو صنائع و بدائع کے ساتھ رزمیہ نظم کی شکل میں بیان کیا گیا ہے۔ ہمارے لیے یہ بتانا مشکل ہے کہ آیا یہ نظم "دس ونٹک" کے بار رزمیہ نظم کے آخری حصہ سے لی گئی ہے۔ کن نگی اور کوولم کی داستان کی قدامت اور عام مقبولیت، نیز شیلپ پدیکارم کی تصنیف سے قبل کن نگی داستان کے وجود اور مختلف ابتدائی بیانات کے کافی ثبوت ملتے ہیں اور یہ ممکن ہے کہ شینگو ٹوون پتنی مسلک کو منظم کرنے میں پیش پیش رہا ہو۔ شیلپ پدیکارم کے مطابق پانڈیہ اور چول دیش اور شری لنکا کے ہم عصر حکمرانوں نے شینگو ٹوون کی کوششوں کی ہمت افزائی کی۔

پدیرد پتّو میں اُدی ین جیرال کے خاندان کی تین نسلوں کے مجموعی طور پر پانچ حکمرانوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ انھوں نے مجموعی طور پر دو سو ایک سال تک حکومت کی۔ اِن کے علاوہ اس خاندان کی دوسری شاخ کے تین حکمرانوں نے اٹھاون سال تک اور حکومت کی۔ ان کا دورِ حکومت سلسلہ وار نہیں رہا ہوگا۔ اور ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ ان کی حکمرانی بڑی حد تک ایک ہی وقت میں چلتی رہی ہوگی۔ چیر حکومت لازمی طور پر ایک خاندانی حکومت رہی ہوگی جس میں ہر بالغ مرد کا حصہ اور مفاد شامل ہوگا کوٹلیہ نے اسے "کل سنگھ" یا خاندانی گروپ کہا ہے اور اس نے حکومت کی تنظیم کی بہت موثر شکل کا ذکر کیا ہے۔ اسی زمانہ میں پانڈیہ اور چول حکومتیں بھی خاندانی حکومتیں رہی ہوں گی۔ چنانچہ چول حکومت میں تخت نشینی کے لیے اس خانہ جنگی میں "جس میں نوشہزادوں کی جانیں گئیں" شینگوٹوون کی مداخلت سمجھی جا سکتی ہے۔ اس بنیاد پر سنگم عہد کی نظموں میں اتنے زیادہ راجاؤں کے نام شامل کرنے کا فطری سبب بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ نام چار یا پانچ نسلوں تک شامل کیے جاتے تھے۔

"دس دتنک" کی آخری تین دتنکوں کے ہیرو اور ان کے مورث اعلا حکمرانوں کے بارے میں یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ وہ ادی ین جیرل خاندان کے بادشاہوں کے ہم عصر رہے ہوں گے۔ ان میں سب سے پہلے آندوون اور اس کے لڑکے شبل واک کڈنلو والی آدن کے نام آتے ہیں۔ شعرا نے ان دونوں کی بہادری اور فراخ دلی کی تعریف کی ہے۔ آندودن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ادیب تھا اور اس کے لڑکے نے بہت ویدک یگیہ کیے تھے۔ چھوٹے سرداروں میں جو ان کے ہم عصر تھے "آئے" اور پاری بہت مشہور ہیں اور کئی شعرا نے اپنی نظموں میں ان کی تعریف کی ہے۔ 'آئے نے اُرَئی یور کے ایک براہمن شاعر کی سرپرستی بھی کی تھی اور پاری نے کپیلا نامی براہمن شاعر کو اپنے یہاں دوست کی حیثیت سے رکھا تھا جو پاری کے انتقال کے بعد چیر دربار میں چلا گیا تھا۔ وہاں آندودن کے لڑکے نے اس کا خیر مقدم کیا اور اس نے اس کی تعریف دس دتنک کے ساتویں دتنک میں کی ہے۔

آئے تامل دیش کے مختلف حصوں میں حکومت کرنے والے ویل سرداروں میں سے ایک تھا۔ ویل شمالی ہندوستان کے ایک رشی کے ہون کنڈ سے پیدا ہونے کا دعوا کرتے ہیں اور مروّجہ روایتوں میں اپنے تعلقات کا وشنو اور اگستیا کے ساتھ اعلان کرتے ہیں۔ ان کے مورث اعلا میں سے کسی ایک کے بارے میں یہ بھی روایت ہے کہ اس نے ایک شیر کو اس وقت مار ڈالا تھا جب کہ وہ ایک رشی پر جو یادِ الٰہی میں مشغول تھا حملہ کرنے والا تھا۔ بالکل اسی قسم کی روایتیں بعد

میں ہولسیلوں کے بارے میں بھی عام ہوگئی تھیں۔ آئے کی حکومت مغربی گھاٹ کے ... ب
بعید میں پوڑ یا پہاڑی کے چاروں طرف قائم تھی۔ یونانی ماہر جغرافیہ ٹولیمی کا بیان ہے کہ آئے
ای اوئی نام کا ایک شخص اس علاقے کا حکمراں تھا جس میں کنیا کماری او ہیٹیگو پہاڑ شامل تھے۔
ایسا معلوم ہوتا ہے آئے ایک خاندانی نام تھا جسے تمام بادشاہوں نے اپنے ذاتی نام کے شروع میں
جوڑ رکھا تھا۔ اندیرن اُرئی پور کے براہمن شاعر کے سرپرست تھے۔ اندیرن سنسکرت لفظ
ہے جس کے معنی بہادر ہیں۔ اس کے علاقے کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بہت زرخیز تھا اور
بے شمار ہاتھی پائے جاتے تھے جنہیں وہ انتہائی فراخدلی سے اپنے منظور نظر افراد کو تحفہ کے طور پر دیتا
تھا۔ اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے بھگوان شو کو ایک نفیس کپڑا پیش کیا تھا
جو اسے ناگا سردار نیل سے حاصل ہوا تھا۔

اندیرن ایک امن پسند شخص تھا اس کا بذل و کرم اور ملک کی فضیلت متعدد نظموں
کے موضوع بنے لیکن میدان جنگ میں اس کی کامیابی کا صرف ایک مقام پر حوالہ دیا گیا ہے
جب کہ ایک مرتبہ اس نے کونگر کو مغربی سمندر تک بھگا دیا تھا اس کے انتقال کے بعد شاعر کہتا
ہے کہ اندیرن کا دیو پری میں استقبال کیا گیا اور اس کی آمد پر راجہ اندر کے محل میں ڈھول کی
آواز گونجنے لگی۔

پاری جس نے زندگی بھر کپیلار کے ساتھ دوستی نبھائی اور اس کی سرپرستی کی۔ دوسرا ویل سردار
تھا جو اپنی سخاوت اور بہادری کے لیے مشہور تھا۔ اس کا علاقہ پانڈیہ دیش میں کوڈنگن رام یا پیران
ملئی پہاڑی کے قرب و جوار میں واقع تھا۔ پاری کی فیاضی کی شہرت کا ذکر شیو درویش سندر
مورتی نے اپنے مرثیہ میں کیا ہے۔ سندر مورتی جو بعد کے زمانہ کا تھا کہتا ہے کہ "اگر ایک بخیل
سرپرست کو گیتوں کے ذریعے پاری کے ہم مرتبہ بنا دیا جاتا ہے تو بھی خیرات دینے کے لیے کوئی تیار
نہ ہوگا۔" کہا جاتا ہے کہ پاری کے علاقہ میں تین سو گاؤں تھے جو ایک مستحکم پہاڑی کے اردگرد واقع
تھے۔ کپیلار کے علاوہ دوسرے شعراء نے بھی اپنی نظموں میں اس علاقے کے زرخیز ہونے، پہاڑی
پر واقع قلعہ کی مضبوطی اور حکمراں کی فیاضی کی تعریف کی ... امل دیش کے جب تین تاجداروں
نے پاری کی پہاڑی کا محاصرہ کر لیا تھا ... پاری کا ہی ساتھ دیا تھا۔
اس نے اپنی ذہانت سے پاری کو بہادر ... کے ساتھ مقابلہ کرنے میں مدد دی تھی۔ مثال کے طور پر
بہت سے شعراء کا کہنا ہے کہ کپیلار نے کافی بڑی تعداد میں طیور (ایک شاعر کے مطابق طوطے) کو

پاری کے محصور قلعہ سے اڑ کر دشمن کی صفوں کے پیچھے کھلے علاقے میں جانے اور قلعہ کے فوجیوں اور شہریوں کو اس طرح کئی مہینوں تک وہاں سے اناج کے دانے چن چن کر لانے کے لیے تربیت دی تھی۔ لیکن جو اٹل تھا وہ ہو کر رہا۔ پاری کی دو بیٹیوں نے اس سانحہ پر اس طرح بین کیے ہیں۔ ''اُن دنوں ہم اپنے والد کے ساتھ چاندنی سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ دشمن ہماری پہاڑی کو فتح نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن آج اس چاندنی رات میں دشمنوں نے پہاڑی پر قبضہ کر لیا ہے اور فتح یابی کے ڈھول بجائے جا رہے ہیں اور ہم بے باپ کے رہ گئے ہیں'' یہاں فتح یابی کے ڈھول کا طنزاً استعمال کیا گیا ہے کیونکہ پاری فی الواقع لڑائی میں نہیں بلکہ دھوکے سے مارا گیا تھا۔

پاری کے انتقال کے بعد کپیلار نے اُس کی دونوں لڑکیوں کو جن کی شادیاں نہیں ہوئی تھیں۔ اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ اس نے ان لڑکیوں کے لیے مناسب رشتہ تلاش کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ لیکن وہ ناکام رہا۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آتے ہیں انھیں مختلف طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ پُرنا نورو کی ایک نظم کے اخیر میں ایک نوٹ میں کہا گیا ہے کہ پاری کی موت کے بعد کپیلار نے دونوں لڑکیوں کو براہمنوں کو سپرد کر دیا۔ اور خود فاقہ کشی سے مر گیا۔ لیکن گیارھویں صدی کے ایک چول کتبہ میں جو روایت درج ہے وہ بہرکیف بالکل مختلف ہے۔ اس میں صرف ایک ہی لڑکی کا ذکر ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ کپیلار نے جنت پانے کے خیال سے آگ میں کودنے سے قبل اس کی شادی ملئی یامان کے ساتھ کر دی تھی۔ کپیلار کی متعدد نظموں میں تلور کے ملئی یامان ترومودک کاری کے علاقے کے تحفظ کے آسان طریقوں اور شعرا اور بھاٹوں کی فیاضانہ سرپرستی کا ذکر ہے۔ کپیلار نے یہ بھی کہا ہے کہ کاری نے جنگ میں اوری نام کے ایک سردار کو مار ڈالا تھا اور اس کا پہاڑ کوئی ملئی چیروں کو دے دیا تھا۔

پاری کی لڑکی یا لڑکیوں کی شادی کے بارے میں صداقت خواہ کچھ بھی ہو لیکن یہ یقینی امر ہے کہ کپیلار نے اپنے دوست اور سرپرست کی موت کے فوراً بعد یا تو فاقہ کشی سے یا آگ میں کود کر اپنی جان دی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اندوون کے لڑکے چیر راجہ شیل داک کڈ نگو والی آدن کے دربار میں چلا گیا تھا کیونکہ اس کے متعلق مشہور تھا کہ اس میں پاری کے تمام اوصاف پائے جاتے تھے۔ کپیلار نے اپنے گیتوں میں آدن کا ذکر کیا ہے جس کے صلہ میں اسے بے شمار دولت انعام کے طور پر عطا کی گئی تھی۔

آدن کالٹر کا بیرن جیرال ارم پوری (190ء) نے ادی گئی مان کے سرداروں کے دارالسلطنت تگدور (ضلع سلیم میں دھرم پوری) کے قلعہ کو فتح کر کے بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک باغی گدڑیا سردار کلووُول کو مغلوب کیا اور اس کے قلعہ پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ وہ عالم تھا۔ اس نے کئی یگیہ کیے۔ اس کے لڑکے بہادر تھے جو آگے چل کر اس کے لائق جانشین ثابت ہوئے۔ اس کا کردار ذہانت اور دیانت داری سے اس قدر مملو تھا کہ اس کے پروہت کو بھی دنیوی اشیا سے اپنا تعلق قطع کر کے ایک درویشانہ زندگی بسر کرنے کا فیضان حاصل ہوا

ارم پوری کا مخالف اور تگدوہ کا مالک ادی گئی جو نیڈومان آنجی کے نام سے بھی مشہور ہے۔ ممتاز شاعرہ اووئی یار کا مددگار اور اس کے سات سرپرستوں میں سے ایک تھا۔ اووئی یار نے اس کے بارے میں بہت سے گیت چھوڑے ہیں۔ بعض گیت اس کے لڑکے پوگٹ تیلینی کے بارے میں بھی لکھے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں اووئی یار کے تعلقات خوشگوار نہ تھے کیونکہ شاعرہ نے اپنی ایک نظم پیشکش کے انتظار کرنے پر اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا ہے۔ یہ غلط فہمی بہت جلد دور ہوگئی اور شاعرہ اپنے ہیرو کی جنگ میں کامیابیوں کی تعریف کرتی ہے اور اس کی طرف سے ایک سفارتی مشن پر توندئی مان جاتی ہے۔ آنجی نے بھی اپنی طرف سے بیش قیمت تحائف دے کر عقیدت مندی کا اظہار کیا۔ ان تحائف میں ایک کم یاب پھل ہڑ بھی شامل تھا جس کے متعلق یقین کیا جاتا تھا کہ وہ ضعیفی کی بیماریوں کا انسداد کرتا ہے اور عمر دراز کرتا ہے۔ اووئی یار کے مطابق ادی گئی مان ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتا تھا جو پرستش اور یگیہ کے ذریعے اپنے دیوتاؤں کی عزت کرتا تھا اور اس خاندان کو ہی بہشت سے اس دنیا میں نیشکر لانے کا شرف حاصل ہے۔ اس خاندان نے قابلیت کے ساتھ طویل مدت تک حکومت کی۔ ادی گئی مان نے سات بادشاہوں کے خلاف کامیابی کے ساتھ جنگ کی اور باغیوں کے قلعے کو تباہ و برباد کیا جن میں کوویلور کا قلعہ بھی شامل تھا۔ اووئی یار نے اپنے گیتوں میں چیر راجاؤں کے تگدور پر حملہ آور ہونے کا ذکر نہیں کیا ہے۔

اس کا سبب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ (اووئی یار) اپنے سرپرست کی مصیبتوں کا ذکر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن یہ واقعہ بعد میں تگدوریاترائی نظم کا موضوع بنا۔ اس نظم کے بارے میں دوسری تصنیفات میں درج اقتباسات سے ہی واقفیت حاصل ہوئی ہے۔ چیر بادشاہوں کے خلاف لڑائی میں چول اور پانڈیہ بادشاہوں نے ادی گئی مان کی مدد کی۔ لیکن اس کے باوجود نتیجہ میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ جنگ کے بعد ادی گئی مان کو چیر کے بادشاہ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنا پڑا۔ بعد میں اسے

چیر راجاؤں کی جانب سے نن نن کے دار السلطنت پالی پر حملہ کرنا پڑا۔ دشمن کے فوجوں کو زبردست نقصان پہنچا۔ لیکن وہ جنگ میں چیر بادشاہ کے ایک دوسرے جاگیر دار آے ای نن کے ساتھ نن نن کے بہادر سپہ سالار نیمیلی یا منیلی کے ہاتھوں مارا گیا۔ اوودئی یار اس واقعہ کو بیان کرکے ادی گئی مان کی موت پر افسوس کرتی ہے۔ وہ ان دنوں کی ویرانی کا ماتم کرتی ہے۔ جب ادی گئی مان نے جام شہادت نوش کیا اور اسے چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔ ادی گئی مان نے حقیقی طور پر خود کو غازی کے لقب کا مستحق بنا لیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ میدان جنگ میں کام آیا تھا۔

دس دشک نظموں کے جو حصے دستیاب ہیں ان میں جس آخری چیر بادشاہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ تگدور کے فاتح کا چچا زاد بھائی کڈ کو البنجیرال ارم لورئی (190 ء) ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے دو بڑے بادشاہوں پانڈیہ اور چول) اور دیچی کے خلاف لڑائیاں لڑی تھیں۔ اس نے پتھر سے بنے ہوئے پانچ قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ پوتی کے چول حکمراں اور نوجوان پلیئی یان مارن کو جنگ میں مغلوب کیا۔ اور اپنی ان مہمات کے بعد کافی سامان لوٹ کر وانچی کے قدیم شہر واپس آیا۔

چیر بادشاہ کے دار السلطنت کے نزدیک وانی ندی کے پہاڑ کے ذکر سے ظاہر ہوتا ہے کہ کرو وُر ہی حقیقت میں وانچی تھا۔ اس کے قرب و جوار میں بے شمار رومی سکے برآمد ہوئے ہیں اور پٹولیمی کے اس بیان سے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کورورا شہر جو کہ ملک کے اندرونی حصہ میں واقع تھا۔ وہی چیر بادشاہوں کا دار السلطنت بھی تھا۔ حال ہی میں وانچی کی جائے وقوع کے بارے میں کافی بحث کی گئی ہے اور بعض مورخین کا یہ پختہ خیال ہے کہ (اگرچہ اس سلسلہ میں وہ واضح دلائل نہیں پیش کرتے) مغربی ساحل پر کیرل پر دیش (کوچین میں واقع ترودنجیک کلم ہی وانچی رہا ہے۔

ان کے علاوہ چیر خاندان کے ایک اور بادشاہ "ہاتھی کی آنکھ والا شے" قابل ذکر ہے۔ اس کا لقب مان دارن جیران ارم لورئی (210 ء) تھا۔ ایک لڑائی کے بعد اس کو تلیا لنگنم کے فاتح اور ہم عصر پانڈیہ بادشاہ نیڈن جیلین نے قید کر لیا۔ لیکن اس سے قبل کہ اس کے دشمن اسے تخت سے اتار دیں اس نے عین موقع پر رہائی حاصل کر لی۔

چول بادشاہوں میں کاریکل (190) کا نام سب سے نمایاں ہے۔ اس کے بارے میں

ایک نظم میں کہا گیا ہے کہ وہ ایک راجہ (نام نہیں معلوم) کے وارثین میں سے تھا۔ جو کھلے سمندر میں اپنا جہاز چلاتے وقت ہواؤں کو اپنے موافق چلنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ یہ شاید چول راجاؤں کا بحری سرگرمیوں کا حوالہ ہے۔ کاریکال کا والد الا انجیت چینی ایک جری اور جنگ جو حکمراں تھا۔ اور متعدد خوبصورت رتھوں کا مالک تھا۔" کاریکال سے مراد جھلسا ہوا پیر ہے اور آگ سے اس حادثہ کا حوالہ ہے جو اس کے بچپن میں ہوا تھا۔ بعد میں اس نام کے ساتھ متعدد روایتیں وابستہ ہوگئیں۔ یہ سنسکرت زبان کا ایک مرکب لفظ بھی ہے جس کا مطلب "کالی کی موت" یا "ہاتھیوں (دشمن) کی موت" ہے۔ اسے اپنی کم عمری میں تخت سے اتار کر قیدی بنا لیا گیا تھا۔ اس نے جس بہادری سے خود کو جیل سے آزاد کرایا اور تخت حاصل کیا اسے پٹ تنہا پالئی کے شاعر نے بہت خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ طویل نظم جو دارالخلافہ کاویری پٹنم سے متعلق ہے اور پتو پاتو (دس گیت) میں شامل ہے۔ اس کی ابتدائی کامیابیوں میں وینی کی زبردست جنگ میں فتح ہے۔ یہ تنجور سے پندرہ میل مشرق میں موجودہ کوول وینی مقام ہے۔ اس جنگ کا مختلف شعرا نے متعدد نظموں میں ذکر کیا ہے۔ اس لڑائی میں گیارہ حکمرانوں کو جن میں ویلیر اور راجہ بھی شامل تھے۔ اپنے اپنے ڈھول سے ہاتھ دھونا پڑے۔ پانڈیہ اور چیر بادشاہوں کی عزت کو زبردست دھکا لگا۔ چیر راجہ کی پیٹھ میں ایک کاری زخم آیا جو ایک جنگ جو کے لیے بڑی بدنامی کا باعث تھا۔ سخت ندامت ہوئی وہ تلوار لے کر شمال کی جانب بیٹھ کر کے بیٹھ گیا اور فاقہ کشی سے خود کو مار ڈالا۔ وینی کی فتح کاریکال کی زندگی کے لیے ایک نیا موڑ ثابت ہوئی۔ اس کی فتح کی وجہ سے اس کے مخالفین کے جتھے کا خاتمہ ہوگیا۔ اس نے دوسری اہم جنگ واہئی پارندلئی۔ واہئی درختوں کے میدان میں لڑی۔ اس جنگ میں نو چھوٹے چھوٹے سرداروں کو اپنی شاہی چھتریوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اور انھیں اس کی اطاعت قبول کرنا پڑی۔ پٹ تینا پالئی کے شاعر کا بیان ہے کہ ان فتوحات کی بنا پر بے شمار اویلا اس کے مطیع ہوگئے۔ قدیم اروالار خاندان کے لوگ اس کا حکم بجالائے۔ شمال میں رہنے والوں کی شان و شوکت ختم ہوگئی اور جنوب کے رہنے والے بدحواس ہوگئے۔ انھیں اس امر کا احساس ہوگیا کہ اس کی زبردست فوج مخالف راجاؤں کے قلعوں کو تہس نہس کر دے گی۔ کاریکال نے اپنی غضبناک آنکھیں پانڈیوں پر ڈالیں۔ پانڈیوں کی طاقت نے جواب دے دیا۔ حقیر گدڑیوں کے شاہی خاندان کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اور ارن گوول خاندان کو اکھاڑ پھینکا گیا۔ اروالار ذات کے لوگ دریائے کاویری کے ڈیلٹا کے شمال میں پنیر

کی وادی میں بمقام ارووانا ڈ رہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ کاریکال نے اپنے یہاں لوگوں کو سہولتیں فراہم کیں اور اس طرح ان کی منتقلی کو روکنے میں کامیاب ہوا۔

کاریکال کی جنگوں کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ تامل دیش کے تاجور حکمرانوں کو اس کی بالادستی تسلیم کرنا پڑی اور ان علاقوں میں بھی توسیع ہوئی جو اس کی براہ راست حکومت کے تحت آگئے۔ کاویری پٹینم اور اس کے سامنے کا ساحل کا تذکرہ پت تینا پالئی کی نظم کے بیشتر حصہ میں کیا گیا ہے جس سے اس زمانہ کی صنعت و حرفت کا ایک جامع نقشہ حاصل ہوتا ہے۔ کاریکال نے صحرا کی اراضی کو قابل کاشت بنانے اور آبادکاری کے لیے بھی اقدامات کیے۔ اس کے علاوہ آب پاشی کے لیے تالابوں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا اور اس طرح ملک کی خوشحالی بڑھانے میں حصہ لیا۔ یہ نظمیں اس امر کا ثبوت پیش کرتی ہیں کہ کاریکال ویدک دھرم کا ماننے والا تھا۔ اس نے کئی طرح کے یگیہ کیے۔ زندگی اطمینان سے بسر کی اور زندگی سے پورے طور پر لطف اندوز ہوا۔

بعد میں کاریکال شلپ پدی کارم اور گیارھویں اور بارھویں صدی کے کتبوں اور ادبی تصانیف میں متعدد روایتوں کا مرکز بن گیا۔ ان روایتوں میں کہا گیا ہے کہ اس نے ہمالیہ تک مکمل ہندوستان فتح کرلیا تھا اور اپنے جاگیرداروں کی مدد سے دریائے کاویری کے سیلاب کو روکنے کے لیے دونوں طرف پشتے بنوائے تھے۔ مشہور ادیب ناچینارک کینیار شاید ایک صحیح روایت کی بنیاد پر کہتا ہے کہ کاریکال نے نان گر کی ایک ویلی لڑکی سے شادی کی تھی۔ تردمنگئی آلوار نے اپنے گیتوں میں نان گر کے جنگجو اور بہادر لوگوں کی تعریف کی ہے۔ شلپ پدی کارم میں کاریکال کی نام نہاد لڑکی آدی منڈی اور اس کے شوہر چیر شہزادہ اتتن اتتی کے بارے میں جو کہانی بیان کی گئی ہے وہ بہت مشکوک ہے۔ اس سے قبل کی بعض نظموں میں ان کے نام دیے گئے ہیں اور کچھ واقعات کا بھی ذکر ہے۔ لیکن ان سے صرف ادی منڈی اور اتتی کے تعلقات ثابت ہوئے ہیں اور ادی منڈی اور کاریکال کے درمیان تعلقات اور اتتی کے چیر شہزادے ہونے کی تصدیق نہیں کرتے۔ قدیم شہادت کی بنا پر یہ دونوں میاں بیوی پیشہ ور رقاص تھے۔ آٹن کا مطلب ہی رقص کرنے والا ہوتا ہے۔

تو ندئی مان ارلن ڈیرین جو کانچی پورم کا حکمراں تھا۔ کاریکال کا ہم عصر تھا اور پت پتنا پالئی کے شاعر نے دس گیتوں کے مجموعہ کی دوسری نظم میں اس کی تعریف کی ہے۔ ارلن ڈیرین کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ وشنو کی نسل سے تھا اور سترے یار خاندان کا تھا اور سمندر کی لہروں

کے ذریعہ پیش کیا گیا تھا۔ اس بات کا کہیں کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ وہ کاریکال کا عزیز تھا یا سیاسی طور پر چول بادشاہ کا ماتحت تھا۔ یہ بھی واضح نہیں ہے کہ اووئی یار اس کے پاس یا شاہی خاندان کے کسی اور بادشاہ کے پاس اوی گئی مان کے سفیر کی حیثیت سے گیا تھا۔ الن ڈیرین خود ایک شاعر تھا اس کے چار گیت آج بھی مشہور ہیں۔ ان میں اس نے نظم ونسق کی کامیابی کے لیے بادشاہ کے ذاتی کردار کو بہت اہمیت دی ہے۔

پانڈیہ راجہ ینڈنجیلین اپنے لقب سے مشہور تھا۔ اس کا لقب تھا" تلیا النگنم کا فاتح" اس نے تقریباً 210 ء میں حکومت کی اس حکمراں کی تعریف دو بڑے شاعر یعنی مان گڈی مروڈن عرف مان گڈی کیلار اور نکیر رنے کی ہے۔ انھوں نے "پوڑم" اور "اہم" مجموعوں میں چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھنے کے علاوہ دیہات سے متعلق دس گیتوں (پتو پاٹو) میں بادشاہ پر ایک ایک نظم لکھ کر اس راجہ کو شہرت دلانے کی کوشش کی ہے۔

مان گڈی مروڈن کی تصنیف مدورائی کانجی اور دوسری تصنیفات سے ہمیں نیڈونجیلین کے تین مورث اعلا راجاؤں کے بارے میں جو پانڈیہ کے تخت پر بیٹھے کچھ واقفیت حاصل ہوتی ہے ان میں ایک تو روایتی کردار ہے جسے "نیڈی یون (لمبا آدمی) کہا جاتا ہے۔ اس کی کامیابیوں کے بارے میں ہمیں شیو کی " پاک تعریفوں " اور پانڈیوں سے وابستہ ان روایتوں سے جن کا شمار ویلوکڈی اور سِنّم نور کی تختیوں میں درج ہیں واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے پہرولی ندی کا وجود ہوا اور اس نے سمندر کی پرستش کو منظم کیا۔ دوسرا راجہ پالشائی مڈوکوڈومی ہے جو بلاشبہ وہی ابتدائی پانڈیہ راجہ تھا جس کا نام ویلوی کڈی کے عطیے میں شامل ہے اور جس کے بارے میں کئی نظمیں بھی لکھی گئی ہیں۔ اس کا کردار نیڈی یون کے مقابلے میں زیادہ حقیقی نظر آتا ہے۔ اس نے مقبوضہ علاقوں کے لوگوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا۔ اس نے بہت سے یگیہ کیے جس کی بنا پر " پالشائی " یعنی یگیہ منڈپوں کا لقب اختیار کیا۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ ان دو راجاؤں کے درمیان یا ان کے جانشینوں میں ایک دوسرے کے درمیان مدت میں کتنا فرق ہے۔ مدورا ایک کانجی میں جس تیسرے حکمراں کا نام دیا گیا ہے وہ دوسرا نیڈنجیلین ہے جو اپنے لقب کی بنا پر پہچانا جاتا ہے۔ اس کا لقب " وہ جس نے ایک آریہ (شمالی ہند سے مراد ہے) فوج پر فتح پائی "۔ اس کے زمانۂ حکومت میں ہی مدورا میں کوولن کے انتقال کا دردناک سانحہ پیش آیا۔ شلپ پدی کارم کے مطابق وہ اسے برداشت نہ کرسکا اور اس کے غم میں اس

کا بھی انتقال ہوگیا۔ ایک مختصر سی نظم جس کا تعلق اس راجہ سے بتایا جاتا ہے اس میں علمیت کو ذات اور نسل سے بالاتر قرار دیا گیا ہے۔

تلیالنگنم کا نیڈ نجیلین نوجوانی میں تخت نشین ہوا اور تخت نشینی کے فوراً بعد اس کو دو ہمسایہ راجاؤں اور پانچ چھوٹے سرداروں کی متحدہ طاقت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اس نے ان سب کے ناکوں چنے چبوا دیے۔ اس کے بارے میں ایک مختصر نظم ہے جو بے حد زوردار اور خوبصورت ہے۔ اس نظم میں نوجوان بادشاہ نے آئندہ جنگ میں بہادری کا مظاہرہ کرکے فتح حاصل کرنے کا عہد کیا ہے۔ اس کی کم عمری کو اس کے دشمنوں نے حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور یہ توقع کی کہ لڑائی میں بہ آسانی فتح ہوجائے گی اور بہت زیادہ مالِ غنیمت ہاتھ آئے گا۔ چنانچہ انھوں نے اس کی مملکت پر حملہ کر دیا اور کافی دور تک علاقے کے اندر داخل ہوگئے۔ لیکن نیڈ نجیلین نے ہمت نہیں ہاری اور میدان جنگ میں داخل ہوگیا۔ اس نے حملہ آور فوج کا تعاقب کیا اور دشمن کو اپنی سرحد کے اس پار چول بادشاہوں کے علاقے میں بھگا دیا اور ضلع تنجور کے شمال مغرب میں تقریباً آٹھ میل کی دوری پر واقع تلیالنگنم مقام پر دشمن کو زبردست شکست دی۔ اس جنگ میں چیر بادشاہ کو جسے "ہاتھی کا آنکھ والا" کہتے تھے قیدی بنا لیا گیا اور اسے پانڈیوں کے جیل خانہ میں ڈال دیا گیا۔ اس فتح سے نیڈ نجیلین کا اپنے آبا و اجداد کے تخت پر نہ صرف مکمل قبضہ ہوگیا بلکہ اس کا تامل دیش کے مکمل ریاستی نظام پر دبدبہ قایم ہوگیا۔ اس نے میلالئی اور متتورد کے دو دویشر نوں (گرم) پر قبضہ کرلیا۔ متتورد کو ایوی اور ایک ویلر سردار سے چھین کر اپنی قلمرو میں شامل کرلیا۔ مدورائی کانچی میں نیڈ نجیلین کی حکومت کے تحت مدورا اور پانڈیوں کے دیش کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اس نظم میں شاعر نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ اس کے سرپرست کو اپنی بہتر حکومت ہندوستان بھر میں قایم کر دینا چاہیے۔ وہ مدو ویلی لئی (شناخت نہیں ہوسکی) کے کاشت کاروں اور تاجروں کا مخصوص طور پر ذکر کرتا ہے جو کئی نسلوں سے اس کی بہت وفادار رعایا ثابت ہوئے۔ وہ آلنگانم کی جنگ کا بھی ذکر کرتا ہے اور اپنے سرپرست کو کورلئی کا مالک اور جنوبی پرادور کا سپہ سالار کہتا ہے۔ اس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ اس ساحل کے لوگ جہاں موتی اور مچھلیاں پائی جاتی تھیں اس کی فوج کا اہم حصہ تھے۔

نیڈ نجیلین کے ہم عصر پانڈیہ اور چول راجاؤں اور ان کا ذکر کرنے والے شعرا نیز ان کی

کامیابیوں کا ذکر کرنے کے بعد ہمیں اب چول حکومت کی ایک طویل خانہ جنگی کا ذکر کرنا پڑتا ہے۔ جسے کوروکیلار اور دوسرے شعرا نے بیان کیے ہیں۔ یہ خانہ جنگی نالنجلی (جسے شیت سنّی بھی کہتے ہیں) اور نید نجلی کے درمیان ہوئی تھی۔ نید نجلی نے خود کو آدور کے قلعہ میں بند کر لیا جس کا نالنجلی کے چھوٹے بھائی ماولٹ ٹان نے محاصرہ کر لیا تھا۔ کور کیلار اپنی ایک نظم میں کہتا ہے کہ اگر وہ خود کو راست باز کہتا ہے تو اسے (نید نجلی) قلعہ کا دروازہ کھول دینا چاہیے اور اگر وہ خود کو بہادر کہتا ہے تو پھر میدان جنگ میں آکر جنگ کرنا چاہیے لیکن اس نے دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہ کی اور بزدلوں کی طرح خود کو بند کر دینے کی بنا پر عوام کو زبردست مصیبتیں جھیلنا پڑیں اور ایک نظم جس میں نالنجیلی کے ارئی پور کے ضلع کے محاصرہ کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ نید نجلی یہاں بھی محصور تھا۔ زیادہ محتاط اور غیر جانب دارانہ ہے۔ اس نظم میں دونوں شہزادوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور انھیں اس تباہ کن جنگ کو ختم کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے کیونکہ ہارنے والا خواہ کوئی بھی ہو چول ہی ہوگا۔ اور آخری وقت تک جنگ قایم رکھنے کا مطلب یہی ہوگا کہ ایک فریق کو شکست ہوگی۔ ایک تیسری نظم دل چسپ صورت پیش کرتی ہے۔ اس نظم کو الن ڈامن نے منظوم کیا ہے۔ وہ نالنجیلی کے یہاں سے اورئی پور میں داخل ہوا لیکن نید نجلی نے اسے جاسوس سمجھا۔ وہ قتل کیا جانے والا ہی تھا کہ کور کیلار نے شاعر کی بے گناہی اور راست بازی پر ایک نظم کے ذریعہ سفارش کی اور اس طرح شاعر کی جان بچائی۔ ایک اور نظم اُرئی پور شاہی خاندان کے خانگی جھگڑوں کی جانب اشارہ کرتی ہے اس نظم میں نالنجیلی کے سپاہی بدشگونی کی پرواہ نہ کرکے میدان جنگ میں کود پڑے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں خانہ جنگی ہی چول حکومت کے زوال کا سبب بنی۔ ہم دیکھ چکے ہیں اس سے قبل بھی شینگو ٹودن کو ایک خانہ جنگی میں مداخلت کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔

سنگم عہد کی سیاسی حالت کا ذکر دو اور چول حکمرانوں کے ذکر کے بعد ختم کیا جا سکتا ہے۔ ان دونوں حکمرانوں نے چیروں کے خلاف جنگ کی تھی۔ نید لنگا نل کے الن جیت سینی نے چیروں سے سیروپ پالی اور پاملور کے دو قلعہ جیت لیے تھے۔ چول بادشاہ شینگ نان جو روا بتوں میں شو کی عبادت کے لیے مشہور تھا۔ اس نے چیر حکمراں کنک کال ارم پورئی کے خلاف پور کی جنگ میں فتح حاصل کی۔ چیر حکمراں کو قید کر لیا گیا جب وہ جیل میں تھا تو اس نے پینے کے لیے پانی مانگا۔ پانی ملنے میں دیر ہو گئی۔ اس نے پانی نہیں پیا اور ایک نظم میں اپنی شرمناک حالت کو بیان کیا ہے۔

اخیر میں چیر حکمراں کے دوست پوئے گیار نے چالیس بندوں میں ایک نظم کل دلی میں شینگ نان کی کامیابی کا اظہار کر کے جبر حکمراں کو رہائی دلائی۔ اس نظم کے مطابق یہ جنگ چیر دارالحکومت کروور کے نزدیک کلوملم میں ہوئی۔ شینگ نان بعد میں بہت سی روایتوں کا موضوع بنا۔ یہ ممکن ہے کہ یہ بادشاہ جس نے نرو منگئی کے مطابق شیو کے 70 خوبصورت مندر تعمیر کرائے کچھ بعد میں چوتھی اور پانچویں صدی میں ہوا ہو۔

پتو پاتو (دیہات سے متعلق دس گیت) کے گیت "شرویان آرٹ پدئی" میں جس کا مصنف نتتات نتار تھا اس امر کا واضح اشارہ ملتا ہے کہ ایک عہد ختم ہو چکا تھا اور جنوبی ہندوستان کا سیاسی نقشہ پورے طور پر بدل چکا تھا۔ نظم کا ہیرو نالیاک کودن ہے اور یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ سنگم عہد کے اخیر میں ہوا ہو گا۔ وہ جس علاقہ پر حکومت کرتا تھا اس میں تندی ونم کے نزدیک ایک گاؤں گیدا گجل، ایر پٹا نم (جدید ملاکنم) آمور اور ویلور شامل تھے۔ یہ تمام مقامات جنوبی ارکاٹ کے ضلع میں واقع ہیں۔ ہم یہ مان سکتے ہیں کہ وہ تقریباً 275ء میں ہوا ہو گا۔ شاعر کا کہنا ہے کہ اس کے زمانہ میں تامل کی تینوں حکومتوں کے دارالسلطنتوں میں عطیے دینا بند ہو گئے تھے اور علوم و فنون کے سبھی سرپرستوں میں سے اب کوئی باقی نہیں بچا تھا۔ اس میں کسی حد تک مبالغہ ہو سکتا ہے لیکن یہ صاف طور پر ظاہر ہے کہ وانجی، ارئی پور اور مدورا میں پہلی جیسی خوش حالی نہیں رہ گئی تھی۔ اور زوال شروع ہو چکا تھا۔

اس عہد کے سماجی اور اقتصادی حالات، ثقافتی تصورات اور اصول جن کو عوام نے قبول کیا اور پسند کیا نیز ان اداروں اور سرگرمیوں کی جنھوں نے ان حالات اور محرکات کو اپنایا اور سہارا دیا مکمل اور صحیح تصویر سنگم عہد کا ادب پیش کرتا ہے۔ اس تصویر کی سب سے نمایاں خصوصیت وہ مخلوط کلچر ہے جو اس میں نمایاں ہے۔ یہ اختلاط بلا شبہ اس کا نتیجہ ہے کہ دو بالاصل مختلف اور واضح کلچر جن کو ہم بلا تکلف تامل اور ایرین کہتے ہیں باہمدگر مربوط ہو گئے تھے اور یہ کام اب اس طرح بھی آسان نہیں ہے کہ ان دونوں کے اصل رنگ و روپ کو علاحدہ علاحدہ کر کے پرکھا جائے۔ ان میں بعض کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ان کا وجود شمالی ہندوستان میں ہوا اور جنوبی ہندوستان کے آریائی بنائے جانے کے زمانہ میں یا اس کے بعد جنوب میں داخل ہوئے۔ تامل کے شعرا کو رامائن اور مہا بھارت کی کہانی سے بخوبی واقفیت تھی اور ان کے واقعات کا اکثر ذکر بھی کیا جاتا تھا۔ تامل کے تینوں بادشاہوں میں سے ہر ایک کے اس دعوے کا ذکر کیا جا چکا

ہے کہ اس نے مہا بھارت کی عظیم جنگ سے پہلے مخالف فوجوں کو کھانا کھلایا تھا۔ مصنفین نے جن دوسری روایتوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے بعض درج ذیل ہیں: ۔ شیو نے اسروؤں (اثری پورا) کے دھات کے بنے ہوئے تین قلعوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ راجہ شی بی نے ایک فاختہ کو بچانے کے لیے اس گدھ کو اپنا گوشت پیش کیا جو اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ سورج پر قبضہ کرنے کے لیے کرشن اور اسروؤں کے درمیان جنگ ہوئی۔ سنسکرت خیالات کی اور بھی مثالیں ہیں جنھیں بالکل ویسے ہی سنگم عہد کے ادب میں شامل کر لیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ سمندروں کی تہہ میں زبردست آگ ہے اُترا کرو (شمالی ملک) مستقل طور پر عیش کا مقام ہے، اُرن دھتی نمونے کی ایک پاک خاتون ہے ہر شخص تین قسم کے قرض کے ساتھ پیدا ہوتا ہے، الگورا پرندہ صرف بارش کی بوند پر زندہ رہتا ہے اور کچھ حالات میں بارش کا قطرہ موتی بن جاتا ہے۔ تولکاپییم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایندر شاخ کی سنسکرت گرامر کی بنیاد پر تصنیف کی گئی۔

تولکاپییم میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ تامل دیش میں آریوں نے مختلف مذہبی فرائض کی شکل میں شادی کی رسم شروع کی تھی۔ یہ تو سبھی لوگوں کو معلوم ہے کہ ابتدائی دھرم شاستروں میں شادی کی آٹھ صورتیں بنائی گئی ہیں۔ یہ آریوں کے مجموعہ قوانین کا ایک حصہ ہے۔ یہ شمال میں آریوں اور آریوں سے قبل رہنے والے لوگوں کی باہمی آمیزش کا نتیجہ تھا۔ تولکاپییم اور مختلف دوسری تصانیف میں شادی کی ان آٹھ صورتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ انھیں تامل میں شادی کے طریقوں میں شامل کرنے کے لیے انتہائی خوش تدبیری سے کام لیا گیا ہے۔ شادی سے متعلق تاملوں کے خیالات نسبتاً سادہ تھے۔ انھوں نے مرد اور عورت کے فطری جذبے اور رابطہ محبت کے مختلف طریقوں کو تسلیم کیا ہے جو ملک کے مختلف حصوں میں جسمانی حالات میں تفریق کی بنا پر پائے جاتے ہیں انھوں نے انھیں پانچ نام سے موسوم کیا ہے۔ انھوں نے یک طرفہ محبت کو کیک کلئی اور نامناسب محبت کو پیرن دینٹی کہا ہے۔ آریوں کے مروجہ آٹھ طریقوں کو اس ڈھانچے میں شامل کرنے کی کوشش کی گئی لیکن نتائج کسی طرح بھی خوش گوار نہیں قرار دیے جا سکتے۔ دونوں تہذیبوں کے امتزاج سے دشواریاں تو ضرور پیدا ہوئیں۔ لیکن اس امتزاج کی بنا پر تامل زبان محاوروں سے مالا مال ہو گئی اور ایک ایسا ادب وجود میں آیا جس میں کلاسیکی حسن و لطافت کے ساتھ عوامی زبان کی طاقت اور گرمی عمل بھی شامل تھی۔ سنگم عہد کا یہ ادب جو آج تامل ادب کے ابتدائی سرمایہ کی شکل میں دست یاب ہے۔ بہت معنوں میں بہترین ادب ہے۔

زمین زرخیز تھی اور اناج، گوشت اور پھل کی بہتات تھی۔ چیر دیش اپنی بھینسوں، کٹہل، سیاہ مرچ اور ہلدی کے لیے مشہور تھا۔ چول دیش میں جس جگہ کاویری ندی سے آب پاشی کی جاتی تھی اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جتنی جگہ میں ایک ہاتھی بیٹھ سکتا تھا اتنی جگہ میں اتنا غلہ پیدا ہوتا تھا کہ سات ہاتھیوں کا پیٹ بھرا جا سکتا تھا۔ ایک ویلی زمین میں ایک ہزار کلم دھان پیدا ہوتا تھا۔ پاری کے چھوٹے سے علاقے میں جنگل کی مصنوعات مثلاً بانس کا چاول، کٹہل، والی کی جڑ اور شہد بہ افراط حاصل ہوتا تھا۔ سنگم عہد کی نظموں میں بہت وضاحت اور حقیقت پسندی کے ساتھ دیہات کی بہت سی سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً راگی اور نیشکر کی کاشت، نیشکر سے شکر تیار کرنا، اناج کی فصلوں کا کاٹنا اور سکھانا۔

عوام بیشتر اپنے پیشوں سے متعلق جماعتوں میں منظم تھے۔ ہر طبقہ الگ الگ رہتا تھا۔ لیکن وہ جس گاؤں یا قصبے میں رہتے تھے وہاں ایک دوسرے کے بہت نزدیک ہوتے تھے اور اُن کی زندگی سماجی اتحاد کے سرایت کُن جذبے کی پابند تھی۔ ہر شخص ذاتی حیثیت اور اقتصادی حالت کی تفریق کو سماج کے ایک لازمی جزو کی شکل میں قبول کرتا تھا۔ اس کا کہیں بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس تفریق کے خلاف بغاوت یا احتجاج کا جذبہ پایا گیا ہو۔ شعرا نے انتہائی ہمدردی کے ساتھ ان سبھی لوگوں کا ذکر کیا ہے مثلاً مالاور کے جاہل لوگ جو نامل علاقے کی شمالی سرحد پر ڈاکہ زنی کر کے پھلتے پھولتے تھے، شکاری (اینیر) جو اپنی جھونپڑیوں میں تیر اور ڈھال رکھتے تھے، یادو چرواہے جن کے گھروں میں دہی اور گھی فروخت کرنے کے لیے پیدا کیا جاتا تھا اور ان براہمنوں کا بھی ذکر ہے جو ویدوں کے عالم ہوتے تھے اور اپنے روزمرّہ کے مذہبی فرائض انجام دیتے تھے جن میں مہمانوں کی خاطر تواضع بھی شامل تھی۔ براہمن عام طور پر گوشت کھاتے اور تاڑی پیتے تھے اور اس کے لیے اُن کی مذمّت نہیں کی جاتی تھی۔ پڑنا نورد کی ایک نظم میں یہ بات دعوے سے کہی گئی ہے کہ صرف چار ذات (کُڑمی) ہیں۔ جو توڑین، پانسن، پڑے یان، اور کدمبن ہیں۔ صرف ایک دیوتا پرستش کے قابل ہے جس کے سامنے دھان چھڑک کر عبادت کرنی چاہیے۔ یہ دیوتا کوئی اور نہیں بلکہ پتھر کا ایک مجسّمہ تھا جو جنگ میں کسی جنگجو کے شہید ہونے کی یاد تازہ کرتا تھا۔ یہ چاروں ذاتیں اور عبادت کا طریقہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا تھا اور غالباً آریوں سے قبل کے زمانہ کی یادگار تھی۔ بہادر لوگوں کے پتھر کے مجسمے بنا کر ان کی پرستش کرنے کا طریقہ مکمل سنگم عہد میں اور اس کے بعد بھی کئی صدیوں تک رائج رہا۔ توندی، مشیری اور ریوہارر کا دیری پٹینم،

کے بندرگاہوں پر بڑی تعداد میں غیر ملکی رہا کرتے تھے جہاں وہ تجارت کی غرض سے آتے تھے۔ اگرچہ یہ غیر ملکی تامل زبان نہیں بول سکتے تھے لیکن انھیں مدورا کی محلوں میں دربان کی حیثیت سے اور سڑکوں پہ پولیس کے فرائض انجام دینے کے لیے مقرر کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ اپنے ساتھ جو تجارتی سامان لاتے تھے ان میں عجیب وغریب طرح کے بنے ہوئے لیمپ اور بوتلوں میں شراب ہوتی تھی۔

اس زمانہ میں حکومت کا طریقہ موروثی بادشاہت تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ تخت کے لیے جھگڑا اور خانہ جنگی ہوا کرتی تھی۔ اُن کی بنا پر عام رعایا کو کبھی کبھی بڑی مصیبت اٹھانا پڑتی تھی۔ راجہ ہر صورت میں مطلق العنان ہوتا تھا۔ کبھی کبھی علما، وزرا، شعرا اور راجہ کے دوستوں کی مداخلت کی بنا پر اس کی مطلق العنانی میں کمی ہو جاتی تھی۔ حکومت کی سرگرمیوں کا دائرہ بہت محدود ہوتا تھا اور ایک ایسے معاشرے میں جہاں رسوم ورواج کی جڑیں بہت مضبوط تھیں انتہائی طور پر خود سر بادشاہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اس زمانہ کے ادب سے حقیقتاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ عوام مطمئن تھے اور بادشاہ کو باعث فخر سمجھتے تھے اور اس کے وفادار ہوتے تھے۔ چونکہ عوام بادشاہ کو ایک نمونہ سمجھتے تھے اس لیے بادشاہ کا بھی یہ فرض ہو جاتا تھا کہ وہ ذاتی کردار کی بنا پر ایک بلند اخلاقی معیار پیش کرے۔ متعدد نظموں میں اُسے کامیاب حکومت کے لیے اپنے جذبات پر قابو رکھنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ اسے مذہب، فنونِ لطیفہ اور ادب کی سرپرستی میں فراخ دل ہونے کے لیے کہا جاتا تھا۔ اس سے درخواست کی جاتی تھی کہ وہ والدین کی طرح اپنی رعیت کی دیکھ بھال کرے اور سماج کے مختلف طبقوں کے ساتھ غیر جانب داری سے پیش آئے۔ بادشاہ ہر روز دربار (نال دی) کرتا تھا، لوگوں کی شکائتیں سنتا اور انھیں رفع کرتا تھا۔ بادشاہ کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک شاعر کہتا ہے کہ وہ اس مضبوط بیل کے مانند ہے جسے ٹمک سے لدی ہوئی گاڑی میدان سے کھینچ کر اونچے علاقے میں لے جانا پڑتی ہے۔ ایک اور شاعر کہتا ہے کہ عوام کی زندگی میں بادشاہ کی اہمیت چاول اور پانی سے بھی زیادہ ہے۔ براہمنوں کی حکومت میں اہم فرائض تفویض کیے گئے تھے۔ وہ ان سورم میں پیش پیش تھے جن کے مشورے پر بادشاہ کی روزمرہ کی زندگی کا پروگرام موقوف تھا۔ بادشاہ کی قابل ستائش بات یہی سمجھی جاتی تھی کہ وہ ایسا کوئی کام انجام نہ دے جس سے براہمن کو اذیت پہنچے۔ معاشرے کا دارومدار کھیتی پر تھا اور لڑائی بھی اسی کے سہارے جاری رکھی جا سکتی تھی۔ یہ یقین کیا جاتا تھا کہ ایک

اچھا راجہ موسموں میں اپنی حسب منشا تبدیلی کر سکے گا۔ فاتح بادشاہ (وجی گیشو) کے نصب العین کو تسلیم کیا جاتا تھا اور ہر شخص کو اس کے مطابق کام کرنا پڑتا تھا۔ سات بادشاہوں پر فتح حاصل ہونے کے بعد مخصوص مرتبہ حاصل ہوتا تھا۔ فاتح بادشاہ ساتوں مغلوب بادشاہوں کے تاج کا ہار پہنتا تھا۔ سب سے طاقت ور بادشاہ سے ڈگ وجے کرنے کی امید کی جاتی تھی ڈگ وجے کا مطلب یہ تھا کہ بادشاہ پورے ہندوستان میں بائیں سے دائیں جانب فتح کی تحریک شروع کرے گا۔ پرانا نورو کی ایک نظم میں چکرورتی بادشاہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس بادشاہ کی ڈگ وجے کی قیادت سونے کا بنا ہوا اور جواہرات سے مسجع ایک پر اسرار چکر (پہیہ) کرتا تھا جو فضا میں آگے بڑھتا جاتا تھا۔ نظموں کے اس مجموعے میں ایک اور نظم میں بادشاہ کے ان رفقا کا ذکر ہے جو بادشاہ کے انتقال پر خودکشی کر لیتے تھے۔ یہ رواج آئندہ چل کر مستقل سماجی روایت کی شکل اختیار کر گیا مثلاً باعزت رفقا (ابو زید) ویلانک کارر، گروڑ، سہ واسی، آپتو دولیگل وغیرہ وغیرہ۔

دار السلطنت میں راجہ کی سبھا یا منرم عدالتِ عالیہ تھی۔ ملئی یامن کے لڑکوں پر عدالت میں مقدمہ قایم کیا گیا اور انھیں سزا دی گئی تھی۔ بعد میں اری یور کی عدالت میں کودر کیلار کی مداخلت پر انھیں رہا کر دیا گیا۔ پوٹیار اپنے دوست کو پرانجولن کی وفات کے بعد جس میں اب اس کا دوست نہیں تھا، دیکھنا بھی گوارا نہ کر سکا۔ اس زمانہ کے بزرگوں سے امید کی جاتی تھی کہ جب وہ عدالت میں فیصلہ کے لیے بیٹھیں گے تو باہمی جھگڑوں کو خاطر میں نہ لائیں گے اس لیے ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ سبھا کے ذریعہ راجہ عام لوگوں سے مشورہ کرتا تھا۔ سنگم عہد کی تصنیف کروال میں سبھا کو واضح طور پر ایک عام مجلس قرار دیا گیا ہے جو سبھی معاملات کا فیصلہ کرتی تھی۔ اگرچہ منرم کو دیہات کی زندگی کے مذہبی اور معاشرتی ڈھانچہ کی کوئی خصوصی مہارت نہ تھی لیکن وہ اس پر بری طرح پھنسی ہوئی تھی ہر گاؤں میں ملنے جلنے کے لیے ایک عام مقام ہوتا تھا جو کسی بڑے درخت کے نیچے ہوتا تھا۔ یہاں ہر گاؤں کے مرد، عورتیں اور بچے گاؤں کی عام سرگرمیوں میں جس میں کھیل کود اور تفریح کے مشاغل شامل تھے حصہ لیتے تھے۔ اس اجتماع کا ایک سیاسی پہلو بھی ہوتا تھا۔ ان دیہی کانفرنسوں میں وہ عناصر موجود تھے جن کی بنا پر کامیاب گاؤں حکومت قایم کی جا سکی جو آئندہ چل کر بعد کے چول حکمرانوں کے زمانہ میں حسن و خوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دینے لگی۔

اراضی اور تجارت شاہی محاصل کے مخصوص ذرائع تھے۔ زمین کی پیمائش کے پیمانوں

"ما" اور "ویلی" کے بارے میں تو سب کو معلوم ہی ہے لیکن اس کی کسی جگہ صحیح طور پر وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ کھیتی کی پیداوار میں راجہ کا کتنا حصہ ہوتا تھا۔ بیرونی ممالک سے تجارت کو بہت اہمیت حاصل تھی اور ملک کے اندر جن اشیا کی درآمد ہوتی تھی ان پر جو محصول وصول کیا جاتا تھا اس سے سرکاری خزانہ کو کافی آمدنی ہوتی تھی۔ پٹینا پالئی میں پوہار (کاویری پٹینم) کی سرحد پر متعینہ سرکاری افسران کی سرگرمیوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ملک کے اندر تجارتی مال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے بھی محصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ یہ بھی آمدنی کا ایک ذریعہ تھا۔ چوری سے مال لے جانے کے لیے سپاہی دن رات سڑکوں کی نگرانی کرتے تھے۔ شعرا اپنے کلام کے ذریعے راجہ سے ٹیکس میں کمی کرنے کی درخواست کرتے تھے۔ اگر شعرا کے کلام پر اعتماد کیا جائے تو لڑائی کے زمانہ میں جو مال غنیمت حاصل ہوتا تھا وہ بھی شاہی آمدنی کا ایک ذریعہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سنگم عہد میں بمقام کمب کونم چولوں کا خزانہ تھا جس کی زبردست نگرانی کی جاتی تھی۔

دارالخلافہ کے شہروں کی سڑکوں پر رات کے وقت پہرے دار روشنی لے کر گشت کرتے تھے اور جیل بھی نظم ونسق کا ایک حصّہ تھا۔

حکمراں پیشہ ور سپاہیوں کی ایک مسلح فوج رکھتا تھا جنھیں جنگ وجدال کے اس دور میں اکثر ملازمت مل جایا کرتی تھی۔ فوج کے کپتان کو "اینادی" کا لقب ایک مخصوص اجتماع میں پیش کیا جاتا تھا۔ اس موقع پر راجہ فوج کے منتخب کمانڈر کو ایک انگشتری اور فوج کے بلند مرتبے کے مخصوص نشان پیش کرتا تھا۔ روایتی طور پر فوج کے چار بازو ہوتے تھے۔ پہلے بازو میں رتھ ہوتے تھے جنھیں بیل کھینچتے تھے۔ دوسرے میں ہاتھی، تیسرے میں گھوڑسوار اور چوتھے میں پیدل سپاہی ہوتے تھے۔ حملہ کرنے اور دفاع کے لیے جو ہتھیار استعمال کیے جاتے تھے ان میں مخصوص طور پر تلوار، کمان اور تیر، شیر کی کھال کا بنا ہوا زرہ بکتر، بھالے، بلّم اور ڈھال شامل تھے۔ ہاتھ کے اگلے حصّے پر غلاف کے طور پر کچھ پہنا جاتا تھا۔ لڑائی کے میدان میں سنکھ اور ڈھول اشاروں کے ذریعے ہدایات دینے کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ سپاہیوں کو بلانے کے لیے ڈھول بجایا جاتا تھا۔ راجہ اور سپہ سالار کے الگ الگ نشان کے طور پر ڈھول ہوتے تھے جن کی زبردست نگرانی ہی نہیں کی جاتی تھی بلکہ وقتاً فوقتاً غسل دیا جاتا تھا اور بہ آواز بلند منتر پڑھ کر پرستش بھی کی جاتی تھی۔ جنگ چھیڑنے کے بے شمار مواقع تھے اور شعرا کا یہ دعوا قابل یقین نہیں ہے کہ ایک حکمراں کا دوسرے حکمراں کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کرنے سے انکار ہی لڑائی کا اکثر سبب بن جاتا

تھا۔ دشمن کے مویشی پکڑ کر جنگ کی تحریک کا آغاز کیا جاتا تھا یا جنگ شروع کرنے سے قبل ایک برہمن کو اعلان جنگ کے ساتھ قاصد کی حیثیت سے روانہ کیا جاتا تھا۔ فوج کے پروانے کے لیے وسیع پیمانہ پر انتظامات کرنا پڑتے تھے جہاں سڑکیں اور راستے تیار کیے جاتے تھے۔ راجہ کے لیے جداگانہ طور کے انتظام ہوتا تھا جس کی مسلح خواتین نگرانی کرتی تھیں۔ فوج کے پڑاؤ کے زمانہ میں گھڑیوں کے ذریعے دن اور رات کا اعلان کیا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں پانی کی گھڑیوں سے صحیح وقت کا اندازہ لگایا جاتا تھا۔ ستون یا لوہے کی چھڑی وغیرہ سے دھوپ گھڑی کی سوئی کا کام لے کر دوپہر کا پتہ لگایا جاتا تھا۔ ہر صبح ڈھول بجایا جاتا تھا۔ سردی سے تحفظ کے لیے ضرورت پڑنے پر کیمپ میں آگ روشن کی جاتی تھی۔ اہم مقامات پر مینار ہوتے تھے جہاں سے دشمن کے حملہ کی برابر نگرانی کی جاتی تھی۔ لڑائی کے درمیان ایک سپاہی کی موت اس کے اور اس کی ماں کے لیے مبارک سمجھی جاتی تھی۔ یہ عام اعتقاد تھا کہ اس طرح سے مرنے والے کو جنت نصیب ہوتی ہے۔ ایک جنگ جو کے لیے بستر پر پرامن موت ذلت کا باعث سمجھی جاتی تھی۔ سپہ سالاروں کے خاندان میں اگر کسی شخص کی موت میدان جنگ کے علاوہ کسی اور طرح واقع ہوئی تھی تو اس کی لاش کو تلوار سے کاٹ دیا جاتا تھا اور دربھ نامی گھاس پر رکھ دیا جاتا تھا اس کے بعد منتر پڑھے جاتے تھے تاکہ جنگ جو لوگوں کی جنت (ویرسورگ) میں جگہ مل سکے۔ جو سپاہی لڑائی میں کام آتے تھے ان کے پتھر کے مجسمے تیار کیے جاتے تھے جس پر ان کے کارہائے نمایاں کندہ کیے جاتے تھے۔ ان مجسموں کی دیوتاؤں کے مانند پرستش کی جاتی تھی۔ زخمی سپاہیوں کی احتیاط کے ساتھ مرہم پٹی کی جاتی تھی۔ ان کے زخموں کو صاف کیا جاتا تھا اور ضرورت واقع ہونے پر ٹانکے بھی لگائے جاتے تھے۔

راجہ خود میدان جنگ میں جاتا تھا اور اپنی کامیابی پر عام سپاہیوں کے ساتھ جشن مناتا تھا۔ اس کے برعکس اگر کوئی راجہ لڑائی میں کام آتا یا دوران جنگ زخم کاری لگتا تھا تو اس کی فوج لڑائی بند کر دیتی تھی اور شکست تسلیم کر لیتی تھی۔ فتح کا جشن منانے میں فاتح بادشاہ شکست خوردہ بادشاہ کی سخت بے عزتی کرتا تھا۔ جس کی یاد کر کے آئندہ بھی جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے تھے اور شکست خوردہ راجہ کے تاج کے سونے سے فاتح حاکم اپنے پیروں کے لیے پازیب تیار کرواتا تھا اور شکست خوردہ فریق کو عورت کے پایل اور بنیوں کا لباس جبراً پہننا پڑتا تھا۔ راجہ کا محافظ درخت کاٹ ڈالا جاتا تھا اور اس کے تنے سے فاتح

بادشاہ کا لڑائی کا ڈھول تیار کیا جاتا تھا۔ جیتے ہوئے ملک کو اکثر بیدردی کے ساتھ تباہ و برباد کر دیا جاتا تھا حتیٰ کہ کھیت بھی نہیں بچ پاتے تھے۔

ہمارے پاس تامل دیش کی جنگوں کا جو ذکر موجود ہے اس میں کلادلی میں سب سے زیادہ تفصیلات دی گئی ہیں۔ اس نظم میں فوج سے متعلق امور بر دل چسپ معلومات سرسری طور پر فراہم کی گئی ہیں فوج میں گھوڑ سوار اور پیدل سپاہی اپنے پیروں کی حفاظت کے لیے چمڑے کے سینڈل پہنتے تھے۔ شہزادے اور امرا ہاتھیوں پر بیٹھتے تھے۔ فوج کی کمان کرنے والا سپہ سالار رتھ میں بیٹھ کر میدان جنگ میں داخل ہوتا تھا۔ رتھوں پر فوجی جھنڈے لگے رہتے تھے۔ شاعر کہتا ہے کہ جن خواتین کے شوہر لڑائی میں مارے جاتے تھے وہ کلوملم کے میدان میں آکر سوگ مناتی تھیں۔ اگر اسے مبالغہ تصور کیا جائے تو یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اونچے طبقے کی خواتین اپنے خاوند کے ساتھ اکثر میدان جنگ میں جایا کرتی تھیں۔

راجہ حکومت اور میدان جنگ کا تو صدر ہوتا ہی تھا سماج میں بھی اسے بالاترین مقام حاصل تھا۔ وہ ادب اور فنون لطیفہ کا سرپرست ہوتا تھا اور اس کے دروازے ہر ایک کے لیے کھلے ہوتے تھے جو طبقے عیش کی زندگی بسر کرتے تھے وہ جنگ اور جوا میں دل چسپی لینے کے علاوہ شراب اور رقص و سرود میں محو رہتے تھے۔ راجہ اور اُن کے "اینادی" اور سرکاری اہل کار سماج کے اعلا ترین طبقے خیال کیے جاتے تھے۔ یہ لوگ بہت زیادہ خوش حال تھے اور زندگی کی مسرتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

دعوت دینے کے کسی موقعہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا جاتا تھا۔ ان موقعہ پر شعرا بلائے جاتے تھے۔ انھوں نے لذیذ کھانوں کے بیان کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتی ہے۔ ایک شاعر اپنے سرپرست سے کہتا ہے کہ "میں اس خیال سے یہاں آیا تھا کہ ہم لوگ شوربے دار گوشت کی بوٹیاں جنھیں ابال کر ٹھنڈا کر لیا گیا ہو اور جو جولاہن کی صاف کی ہوئی روئی کی طرح ملایم ہوں گی کھا سکیں گے اور بڑے بڑے برتنوں میں بھری ہوئی تاڑی پی سکیں گے"۔ ایک دوسرا شاعر کاریکال کے دربار میں ہیرے اور جواہرات سے سجی ہوئی مسکراتی عورتوں کا طلائی میناؤں میں شراب انڈیلنے کا منظر بیان کرتا ہے ان دعوتوں میں جو لذیذ کھانے پیش کیے جاتے تھے۔ اُن میں مسلّم جانور کا گوشت مثلاً وہ سور جسے ایک عرصہ تک اپنی مادہ سے الگ رکھا جاتا تھا اور دعوت کے لیے کھلا پلا کر فربہ کیا گیا ہوتا تھا۔ دودھ سے تر حلوا (آپم) ابھموؤں کا گوشت اور مخصوص قسم کی مچھلیاں ہوتی تھیں۔ پینے

کی چیزوں میں مخصوص طور پر ہری بوتلوں میں بدیسی شراب کا ذکر کیا گیا ہے۔ مینٹر ایک قسم کے عرقیات کا مرکب ہوتا تھا جس میں ناریل کا پانی، تاڑ اور گنے کا رس شامل کیا جاتا تھا۔ اس مرکب کو تاڑی کے ساتھ ملا کر بانس کے پیپوں میں دفن کر دیا جاتا تھا جہاں وہ ایک عرصہ تک رہنے کے بعد تیار ہو جاتا تھا۔

سنگم عہد کے بعد ہی شاید چونے اور سپاری کے ساتھ پان کھانے کی ابتدا ہوئی۔ عورتوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی موت کے بعد ہری سبزی کھانا اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا بند کر دیتی تھیں۔ بیواؤں کی زندگی بہت سخت ہوتی تھی۔ چنانچہ اس میں حیرت کی کوئی گنجائش نہیں اگرچہ بعض بیویاں اپنے شوہر کے ساتھ مرجانے کو ترجیح دیتی تھیں اور اس طرح ستی ہونے کی شہرت حاصل کرتی تھیں یہ بات قابل غور ہے کہ بیواؤں کے سر منڈانے کی رسم شادی کی طرح تالی باندھ کر ادا کی جاتی تھی۔ یہ رسم واضح طور پر آریوں کی آمد سے قبل تامل میں رائج تھی اور بعد میں بھی قایم رہی۔

اس زمانہ میں اونچے طبقے کے لوگوں کی تفریح کے مشاغل میں شاعری، موسیقی اور رقص شامل تھے۔ موسیقی اور رقص عام طور پر ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ سوسائٹی کے ہر طبقے سے شاعر اور شاعرہ پیدا ہوتی تھیں ہر تقریب اور موقع کے خیال سے نظمیں کہی جاتی تھیں اور شعرا کو انتہائی فراخ دلی سے انعامات دیے جاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ کاریکال نے پٹنا پالائی کے شاعر کو سولہ لاکھ طلائی مہریں عطا کی تھیں۔ ان کی نظموں میں بالخصوص چھوٹی نظمیں اپنی رنگینی اور حقیقت پسندی کے لیے مشہور ہیں۔ یہ محاوروں سے بھرپور ہوتی ہیں اور شاعر کے مادی و روحانی تجربات کی جامع اور فصیح طور پر ترجمانی کرتی ہیں۔ ان نظموں میں بے حد وسعت پائی جاتی ہے۔ ان میں چھوٹے چھوٹے گیتوں کے علاوہ غزلیات اور مذہبی گیت بھی شامل ہیں۔ ان میں سادہ اور لچک دار بحر کا استعمال کیا گیا ہے، سنسکرت کی زیادہ تفصیلی شکلیں اس وقت تک رائج نہیں ہوئی تھیں۔

بعض شعرا مستقل طور پر دربار میں رہتے تھے اور راجاؤں و سرداروں کے رفیق اور مشیر کار کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے تھے۔ بہت سے دوسرے شعرا ایک سرپرست کی تلاش میں ایک دربار میں گھومتے رہتے تھے۔ کپیلار اور پاری، بیشتر اندئی یار وکو پرنجولن اور اوویٔ یار اور ادی گئی مان آنجی کے درمیان مستقل دوستی اس امر کی تصدیق کرتی ہیں کہ شاعر اور سرپرست کے درمیان نازلیت تعلقات قایم رہتے تھے۔ ایسے بخیل فرماں روا جو عطیے دینے میں تامل کرتے تھے

یا مریض ہوتے تھے۔ ان کے بارے میں شعرا کبھی کبھی ایسی نظمیں بھی لکھتے تھے جن میں ان کے بخل کی تشہیر کی جاتی تھی۔ ایک شاعر نے بادشاہ کے عطیے کو اس لیے قبول نہیں کیا کہ بادشاہ نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ ایسے موقعوں پر جو تحائف پیش کیے جاتے تھے ان میں زریں کنول، سوسن، زمین، رتھ، گھوڑے، اور نقد رقم شامل ہوتی تھی۔ کاریکال کے بارے میں جس طرح مبالغہ سے کام لیا گیا ہے اسی طرح کے بیانات اکثر ملتے ہیں۔ مذکورہ بالا تحفہ کی جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ ایک موقعہ پر ہاتھی کے عطیے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ شاعر کے لیے ہاتھی کس کام میں آسکتا تھا۔

دربار میں سیلانی گانے والوں کے جتھے بھی آیا کرتے تھے۔ جتھے میں عورتیں بھی ہوتی تھیں جو گانے کے ساتھ ناچتی بھی تھیں۔ انھیں پانر اور وریلیر کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ عجیب و غریب باجوں کے ساتھ ملک بھر میں گھومتے تھے۔ یہ شاید قدیم ادی واسی جتھوں کی نمائندگی کرتے تھے۔ ان لوگوں نے ابتدائی زمانہ کے لوک گیتوں اور رقص کو برقرار رکھا تھا۔ ان کی تعداد اور ان کی انتہائی غربت ان کے گیتوں کی بنیاد ہیں۔ تمام بیانات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بے حد تنگ دست رہتے تھے اور یہ بھی نہیں جان سکتے تھے کہ انھیں اگلا کھانا کس مقام پر میسر ہوگا۔ ایک سخی سرپرست کے مل جانے پر ان کی کیا حالت ہوتی تھی اسے ظریفانہ انداز میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ "چول بادشاہ نے خوبصورت اور بیش قیمت جواہرات کی شکل میں ہمیں بہت دولت بخشی لیکن یہ ہماری حالت کو دیکھتے ہوئے موزوں نہ تھا۔ ان جواہرات کو دیکھ کر ہمارے بیشتر عزیز جو انتہائی مفلسی میں زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ ان میں سے بعض عزیزوں نے انگلیوں کے زیورات کان میں پہن لیے۔ کان کے زیورات کو انگلیوں میں پہنا، کمر کے زیورات کو گلے میں اور گلے کے زیورات کمر میں پہنے۔ اس طرح ہماری حالت ان سرخ چہروں والے بندروں کی سی ہوگئی جنھوں نے رام کی بیوی سیتا کے ان زیورات کو پہنا تھا جنھیں وہ زمین پر اس وقت پھینکتی جا رہی تھیں جب زبردست راکشس راون انھیں چرا کر ایک تیز رفتار رتھ میں لیے جا رہا تھا۔ بالکل اسی طرح ہم لوگ بھی ان کی نہ ختم ہونے والی ہنسی کا سبب بن گئے تھے"۔ ادبی روایات کی بنا پر ایک مخصوص نظم اروپڈائی (کسی کو راستے پر چلا دینا) شروع ہوئی۔ اس نظم میں ایک شاعر پانن (یا دیرلی) ان تحائف کا ذکر کرتا ہے جو اسے اپنے سرپرست سے حاصل ہوئے تھے، اور وہ اپنے دوستوں سے سرپرست کے یہاں جانے کی درخواست کرتا ہے۔

س د موسیقی کے فنون بہت ترقی یافتہ اور مقبول عام تھے۔ مختلف قسم کے باجوں کا ذکر کیا گیا ہے جس میں کئی طرح کے 'یال' (وین کی طرح کا ایک تارا) اور ڈھول شامل تھے۔ کاریکال کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ موسیقی کے ساتوں سروں کا ماہر تھا۔ بانسری کے متعلق عجیب و غریب بیانات موجود ہیں۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ " یہ دہکتی ہوئی آگ سے بنائی گئی سیاہ سوراخ والی نلی ہے " موسیقی کے نغمہ کے لیے مناسب وقت اور جگہ مقرر تھی۔ ورالی کبھی کبھی رات کو روشنی میں رقص کرتے تھے اور ہندوستان کے رقص کے اصولوں کے مطابق رقص کے دوران ہاتھوں کے ذریعہ مختلف اشارے کرتے تھے۔ جن کا ذکر عبارت کے ناٹیہ شاستر میں کیا گیا ہے۔ ایسے رقص بھی تھے جن میں مرد اور عورتیں مل کر رقص کرتی تھیں۔ اس سلسلہ میں آریوں سے قبل دیسی طریقوں اور شمال کے طریقوں (مارگ) کے امتزاج کی کوشش کی گئی ہے جس کے نتائج بعد کی تصنیف شلپ پدی کارم میں بہ خوبی دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ موضوع انتہائی طور پر پیچیدہ اور ٹکنیکی ہے۔ اس لیے اسے یہیں ختم کیا جاتا ہے۔

دوسرے کھیل کود اور تفریحات کے سلسلہ میں کتوں اور خرگوش کا شکار، جنگ، جوا، افراد کے درمیان کشتیاں اور مکے بازی کے مقابلوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ بوڑھے آدمی جوا کھیلتے تھے۔ لڑکیاں اور عورتیں مکان کے چھجوں پر گولیاں اور سولو کا بیسن کھیلتی تھیں۔ نظموں میں مرد اور عورتوں کے ساتھ ساتھ غسل کرنا، پک نک کے لیے پارٹیوں کے ساتھ جانا اور منرم میں بچوں کا چھوٹے تیر اور کمان کے ساتھ کھیلنے کا ذکر ملتا ہے۔ لڑکے اور لڑکیاں ساتھ ساتھ تالاب اور ندیوں میں غسل کرتے تھے۔ رقاصہ اکثر بیوی کی رقیب ہوتی تھی۔ کوُلن اور کن نگی کی مشہور و معروف کہانی کا موضوع یہی رقابت ہے۔ واتسائن کے کام سوتر کی طرح منی میکلائی میں بھی جو سنگم عہد کے بعد کی تصنیف ہے کہا گیا ہے کہ ایک طوائف کو باقاعدہ کئی سال تک تعلیم دی جاتی تھی جس میں دربار میں رقص کرنا، لوک ناچ، موسیقی، بانسری بجانا، کھانا پکانا، عطر تیار کرنا، مصوری، پھولوں کا کام، اور مختلف فنون لطیفہ کی تربیت شامل تھی۔

امیر آدمی اینٹ اور چونے سے بنے ہوئے پختہ مکانات میں رہا کرتے تھے۔ مکانوں کی دیواروں پر اکثر دیوی دیوتاؤں اور جانوروں کی زندگی سے متعلق تصویریں بنی رہتی تھیں۔ شاہی محلات کے گرد و نواح میں باقاعدہ باغات لگائے جاتے تھے۔ مکانات اور محل شاستروں میں دیے ہوئے اصولوں کے مطابق بنائے جاتے تھے۔ تعمیر کا کام اچھی صورت پر جو پہلے سے معلوم کر لی جاتی تھی شروع

کیا جاتا تھا۔ دیہات سے متعلق دس گیتوں (ٹین آئیڈلس) کے مجموعہ میں ایک نظم نیڈنل وادی میں نیڈنجیلین کے محل میں زنانخانہ کی دیواروں، ستونوں اور دیونوں کے بنائے ہوئے فن کارانہ چراغوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر موجود ہے اس کے ساتھ شاہی محل کی خوابگاہ کا بھی ذکر ہے جس میں ہاتھی دانت کی مسہریاں اور اعلا قسم کے گدّے ہوتے تھے اس طرح اس ابتدائی زمانہ میں بھی امیر طبقہ تعیش کے سامان سے ناواقف نہیں تھا۔ گھر میں بیوی کی بہت عزت کی جاتی تھی۔ اُسے خاندان کی روشنی خیال کیا جاتا تھا۔ عام افراد شہروں اور دیہاتوں میں معمولی مکان میں رہتے تھے۔ ذات سے خارج افراد اور جنگلی قبایل جھونپڑیوں میں رہا کرتے تھے۔ ان نظموں میں ان لوگوں کے بارے میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ پولی یان رسّی کی چارپائیاں بناتے تھے۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ وہ لوگ جانوروں کی کھالیں چٹائی کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ پٹینا پالئی میں پوہار کے ماہی گیروں (پر دوار) کی زندگی اور فرصت کے اوقات میں ان کے کھیل و تفریح کے مشاغل کا وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ان نظموں میں عوام کے اعتقادات اور رسوم ورواج کے بارے میں جگہ جگہ مفید اشارے ملتے ہیں۔ لوگ علم نجوم اور شگون میں بہت یقین رکھتے تھے۔ ایک نظم میں "ہاتھی کی آنکھ والے شیبا" کی موت سے قبل برے شگون کا ذکر ہے۔ بکھرے ہوئے بال والی عورت کو برا شگون خیال کیا جاتا تھا۔ نجومیوں کا کاروبار خوب چلتا تھا۔ بچوں کو بلائے ناگہانی سے محفوظ رکھنے کے لیے تعویذ پہنائے جاتے تھے۔ راکشسوں (پے) سے محفوظ رہنے کے لیے، بارش نیز دوسری خواہشات کی تکمیل کے واسطے عبادت کی جاتی تھی۔ برگد کے درخت کے بارے میں یقین کیا جاتا تھا کہ اس پر دیوتا قیام کرتے ہیں۔ گرہنوں کے بارے میں یہ اعتقاد تھا کہ یہ اس وقت واقع ہوتے ہیں جب سانپ سورج اور چاند کو نگل جاتے ہیں۔ کوّے کے بولنے پر مہمان کی آمد کی امید کی جاتی تھی اور یہ بھی یقین کرتے تھے کہ اس کی آواز میں ہجراں نصیب خاتون کے لیے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ اس کا خاوند آنے والا ہے۔ یہی سبب تھا کہ کوّوں کو شاہی محل کے سامنے اور شاید ہر گھر میں برابر کھلایا جاتا تھا۔ غریب لوگوں کو بھی بڑی تعداد میں کھانا کھلایا جاتا تھا۔

ملکی و غیر ملکی تجارت پورے طور پر منظم تھی۔ ان دونوں کو برابر فروغ حاصل ہو رہا تھا اس امر کی تصدیق تامل زبان کی نظموں، کلاسیکی مصنفین اور جنوبی ہند کے آثار قدیمہ سے ہوتی ہے۔ یہ بڑے بڑے بندرگاہوں والے شہر بیرونی مال کی منڈیاں تھے۔ کہتے ہیں کہ پوہار بندرگاہ میں جو بڑے جہاز بادبانوں کے ساتھ داخل ہو سکتے تھے اور سمندر پار سے لایا ہوا بیش قیمت تجارتی سامان

ساحل پر اتارتے تھے۔ پوہار کے وسیع بازار میں متعدد کمروں والے بڑے بڑے مکانات ہوتے تھے جن میں دروازے، بڑے بڑے برآمدے اور آنے جانے کے لیے راستے ہوتے تھے۔ ان مکانوں کی بالائی منزل میں امیر تاجروں کے خاندان والے رہتے تھے اور نچلی منزل تجارتی کاروبار کے لیے مخصوص ہوتی تھی بندرگاہ میں کھڑے ہوئے جہازوں کے مستولوں پر پھہرانے ہوئے جھنڈوں کے علاوہ کسی اور قسم کے بھی جھنڈے تھے جو جہاز پر لدے ہوئے سامان اور پانی ملی ہوئی شراب کی فیشن ایبل دوکانوں کی تشہیر کرتے تھے۔ نظموں میں پانڈیہ دیش کے شالی پور اور چیر دیش رکھے۔ باندرا کا شمار مشہور بندرگاہوں میں کیا جاتا تھا۔ پانڈیہ سلطنت نیز دوسرے مقامات میں بحری راستے کے ذریعہ گھوڑوں کی درآمد ہوتی تھی۔ تجارتی جہازوں کی ان کے سفر کے بعد مرمت اور روشنی کے میناروں کی دیکھ بھال کرنے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ بندرگاہوں پر مختلف ممالک کے لوگوں کا اجتماع ہوتا تھا۔ ان کی زندگی حقیقی معنوں میں ایسی ظاہر ہوتی تھی کہ یہ لوگ ملک و ملت کے تعصبات سے آزاد تھے بڑے بڑے جہازوں میں سونا لادے ہوئے یون موشیری (کرنگانور) میں داخل ہوئے تھے اور چیر بادشاہ کی دی ہوئی سمندروں اور پہاڑوں کی نایاب اشیا اور سیاہ مرچ لے کر واپس جاتے تھے یہ تھے نظموں کے ذریعے حاصل شدہ ثبوت!۔

ہندوستان اور رومی حکومت کے درمیان تجارت سے متعلق اہم معلومات پیری پلس (75) کے مصنف نے فراہم کی ہیں۔ اس کے بیان کے مطابق نورا (کنانور) ٹنڈس (نظموں کا ٹونڈی جو آج کل کا پونانی ہے) موزیریس (موشیری۔ کرنگانور) اور کوٹایم کے بہت نزدیک نیل سنڈا مغربی ساحل پر بہت اہم بندرگاہ تھے۔ موزیرس میں عرب اور یونان کے سامان سے لدے ہوئے جہاز بڑی تعداد میں دیکھے جاتے تھے۔ نیل سنڈا پانڈیہ حکومت کا ایک حصہ تھا۔ بسار (پورکڈ) اسی ساحل پر دوسرا بندرگاہ تھا۔ تجارت کے بارے میں مصنف کا بیان قابل ذکر ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "ان بازاروں میں بڑی مقدار میں سیاہ مرچ اور میل بنتھرم ملتا تھا۔ جن اشیا کی ملک میں درآمد کی جاتی تھی۔ ان میں بڑی مقدار میں سکے، پکھراج، باریک کپڑے، چھپے ہوئے کپڑے، سرمہ، مونگا، خام شیشہ، تانبا، ٹین، سیسہ اور شراب (بڑی مقدار میں نہیں لیکن بیری گاذا کی ضرورت کے مطابق) مینڈھل (ایک قسم کا زہر جو آتش بازی میں بھی کام آتا ہے۔) اور ہرتال نیز جہاز کے ملاحوں کی ضرورت کے مطابق گیہوں شامل تھا کیونکہ تاجر گیہوں نہیں فروخت کرتے تھے جن چیزوں کی برآمد کی جاتی تھی ان میں سیاہ مرچ شامل تھی جو ان بازاروں کے

نزدیک صرف ایک علاقہ میں جو کوٹونارا نامی ضلع میں بڑی مقدار میں پیدا کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ بڑی مقدار میں نفیس موتی، ہاتھی دانت، ریشمی کپڑے، گنگا کے کنارے واقع علاقوں سے حاصل کی ہوئی ایک سدابہار خوشبودار بوٹی، اندرونی علاقہ سے حاصل شدہ میل بتھرم ہر قسم کے شفاف پتھر (کوائمبٹور ضلع کے مخصوص طور پر زمرد جن کی روم میں بہت مانگ تھی) ہیرے اور نیلم، گھونگے کے خول شامل تھے۔ یہ خول جزیرہ کرائسز اور ڈمیریکا کے ساحل پر واقع جزیروں سے حاصل کیے جاتے تھے۔ مصری جہاز راں ہپ پیلس کی اس دریافت کے بعد کہ موسمی ہواؤں کے سہارے بڑے بڑے جہاز سیدھے بہت دور سمندر میں لے جائے جا سکتے ہیں۔ تجارت میں مزید اضافہ ہوا۔ ہپ پیلس نے یہ بھی وضاحت کی کہ یہ صورت چھوٹے چھوٹے جہازوں کو سمندر کے کنارے کنارے لے جانے کے مقابلے میں کم خطرناک بھی ہے۔ پیری پلس نے جن دوسرے بندرگاہوں کا ذکر کیا ہے ان درج ذیل بندرگاہ شامل ہیں۔ بلتیا (وارکلئی) جو ساحل کے کنارے ایک گاؤں اور ایک بڑا بندرگاہ بھی تھا۔ کولچی (کوڑکئی) جہاں پانڈیہ حکومت کی سزا یافتہ قیدی صدف گیری کا کام کرتے تھے۔ کوماری۔ زیارت کا مقام اور ایک اچھا بندرگاہ نقصان کے علاوہ کامر (کاویری پٹینم) پوڈوکا (پانڈیچری۔ ارک میڈو) اور سوپاتم (سرکا کم) تھے۔ مشرقی ساحل پر تین طرح کے جہاز استعمال کیے جاتے تھے۔ دیسی ساخت کے جہاز سمندر کے کنارے کنارے چلائے جاتے تھے۔ لکڑی کے بڑے لٹھوں کو جوڑ کر بنائے ہوئے جہاز جنھیں سنگر کہا جاتا تھا اور وہ جہاز جو کرائز اور گنگا ندی تک کا سفر کرتے تھے اور بڑے ہوتے تھے اور کولنڈیا کہلاتے تھے۔ مصنف کے کہنے کے مطابق تمام موتی جو ساحل سے حاصل کیے جاتے تھے ارگرو (اوڑئی یار) بھیج دیے جاتے تھے۔ اسی بندرگاہ سے اور گیری ململ کی بھی برآمد کی جاتی تھی۔ مشرقی ساحل کے بندرگاہوں کے بارے میں اس کا بیان ہے کہ "ان مقامات پر ڈمریکا کی بنی ہوئی ہر چیز کی درآمد ہوتی تھی اور مصر سے جو بھی مال باہر بھیجا جاتا ہے اس کا بہت بڑا حصہ یہاں آتا ہے۔" آگے چل کر وہ یہ بھی کہتا ہے کہ مالیا (آندھرا پردیش) میں بہت بڑے پیمانہ پر ململ تیار کی جاتی تھی اور شمال میں واقع دوسرین (یعنی دشارنا۔ اڑیسہ) کی مخصوص مصنوعات ہاتھی دانت تھی۔

تامل دیش کے اندرونی علاقوں میں نیرو (45 — 68) تک رومی بادشاہوں کے چاندی اور سونے کے جو سکے بڑی مقدار میں دستیاب ہوئے ہیں اُن سے اس زمانہ کی تجارت کا پتہ چلتا ہے۔ اور بڑی تعداد میں رومی مہاجرین کے قیام کی تامل دیش میں تصدیق بھی ہوتی ہے

ان سکوں سے اس زمانہ کی سرگرم تجارت کی ترقی، انتہائی عروج اور زوال کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔ تجارت کی ابتدا اگر اور زیادہ پہلے سے نہیں تو کم از کم آگسٹس کے زمانہ سے ضرور ہوئی کیونکہ جو سکے دریافت ہوئے ہیں ان کی بہت بڑی تعداد پر آگسٹس اور ٹبیریسس کی مہر لگی ہوتی ہے۔ اس کے زمانہ حکومت میں پانڈیہ حکمرانوں کے سفیروں کے باوجود تجارت نہ تو کسی بڑے پیمانہ پر تھی اور نہ اقتصادی نقطۂ نظر کے تحت ہی اہم تھی۔ لیکن بعد میں اس میں غیر متوقع اضافہ ہوا۔ اب تجارت صرف تعیش کے سامان تک ہی محدود نہ رہی۔ نیرو کے انتقال کے بعد تجارت صرف تامل دیش تک ہی محدود نہ رہی بلکہ ہندوستانی ساحل پر واقع اور دوسرے مقامات میں بھی پھیل گئی۔ لیکن چونکہ نیرو کے بعد رومی بادشاہوں کے سکے بڑی تعداد میں دستیاب نہیں ہوتے اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سکوں کے بجائے تجارتی اشیا دوسری اشیا کے بدلے میں لی اور دی جاتی تھیں۔ دوسری صدی عیسوی کے ختم ہونے پر رومی حکومت اور یونان کے مصری باشندوں اور ہندوستان کے درمیان جو براہ راست تجارت ہوتی تھی اس میں کمی واقع ہو گئی کیونکہ تجارت عرب تاجروں اور ان سے بھی زیادہ افریقہ کے اگزیومایٹ کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ چوتھی صدی عیسوی میں قسطنطنیہ کے عروج کے بعد تجارت کے بھی نئے دور کا آغاز ہوا۔ رومی سکے جنوبی ہندوستان میں پھر سے دکھائی دینے لگے اور کانسٹین ٹائن کے دور حکومت میں دوسرے ممالک کے علاوہ مالدیو اور سری لنکا کے سفیر بھی وہاں گئے۔ بحر ہند کی تجارت میں سری لنکا کی اہمیت اس زمانہ میں بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن روم میں بازنطینی دور کی سرگرمیوں کا کوئی مقابلہ اس سے قبل کے عہد سے نہیں کیا جا سکتا جس نے رومی سلطنت کا خزانہ بالکل خالی کر دیا تھا اور سلطنت کے ماہرین مالیات اور اخلاق پرست دونوں ہی احتجاج کرنے لگے تھے۔ ابتدائی رومی سلطنت کے زمانہ میں تجارت کے مختلف شعبے تھے اور وہ یونانیوں، رومیوں اور ہندوستانیوں کے ذریعہ تحقیق و تفتیش اور آبادکاری سے وابستہ تھے۔ اسکوف کا بیان ہے کہ "سن عیسوی سے قبل اور اس کے بعد بھی بڑی تعداد میں ہندوستانیوں کا ہند چین میں نقل وطن کرنے سے اس بات کی توثیق ہوتی ہے کہ سری لنکا اور جنوبی ہندوستان کے بندرگاہ پیری پلس کے بیان کے مطابق مشرق بعید سے تجارت کے مرکز تھے اور اس سلسلہ میں مصر سے آنے والے جہازوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ بڑے بڑے جہاز تعداد میں بھی کہیں زیادہ استعمال کیے جاتے تھے"۔ ہم دیکھیں گے کہ بحری سرگرمیوں کے سلسلہ میں ایک طویل مدت تک گوشہ گمنامی میں رہنے کے بعد دسویں اور گیارھویں صدی میں جب چول بادشاہوں نے دوبارہ اقتدار حاصل کیا تو اس وقت بھی سمندر پار آنے اور جانے کا جو رجحان پایا جاتا

تھا۔ وہ معدوم نہیں ہوا تھا اور جب انھوں نے حالات سازگار پائے تو انھوں نے نسبتاً اور زیادہ دلیرانہ کام انجام دیے۔

ملک کے اندر تجارت خوب چل رہی تھی۔ گاڑیوں اور باربرداری کے جانوروں پر تجارتی سامان لدے ہوئے تاجروں کا قافلہ ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک میلے سے دوسرے میلے چلتا رہتا تھا۔ اس زمانہ میں نمک ایک اہم تجارتی شے تھی۔ اس کے تاجر بیل گاڑی پر اپنے خاندان والوں کو لادے ہوئے تجارت کرتے پھرتے تھے۔ گاڑی میں ناگہانی ضرورت کے لیے پہیے بھی رکھے ہوتے تھے تجارتی سامان دوسرے سامان کے بدلے میں لیا اور دیا جاتا تھا۔ مثلاً شہد اور جڑی بوٹیاں مچھلی کے تیل اور تاڑی کے عوض لی جاسکتی تھیں۔ گنا اور چاول کی پاپڑی (اول) ہرن کے گوشت اور نشہ لانے والی پینے کی چیز (جو مخصوص طور پر تاڑ، چاول اور شکر سے کھینچی جائے) کے بدلے حاصل کی جاسکتی تھی۔ منڈی میں دھان کے عوض مچھلی دی جاتی تھی۔ کاشت کاری پر ہی قومی معاشیات کا دارومدار تھا۔ کاشتکاری کا بیشتر کام نچلے طبقہ کی عورتیں کرتی تھیں جنھیں کڑئی شیار کہتے تھے۔ ان کی حیثیت غلاموں سے کچھ ہی مختلف ہوتی تھیں۔ اراضی کے بیشتر حصہ کے مالک ویل لالر ہوتے تھے جو کھیتی کرنے میں ماہر ہوتے تھے۔ سماج میں انھیں بلند مقام حاصل تھا۔ ان میں متمول لوگ خود ہل نہیں چلاتے تھے۔ اس کام کے لیے وہ مزدور نوکر رکھتے تھے۔ آراضی کے مالک ہونے کے علاوہ یہ لوگ انتظامیہ اور فوج میں سرکاری عہدوں پر بھی فائز ہوتے تھے۔ چول دیش میں انھیں دیل اور ارشو اور پانڈیہ دیش میں کاوڑی کا لقب دیا جاتا تھا۔ یہ لوگ شاہی خاندان کے ساتھ جوس کنوپی کا ہی لطف نہیں اٹھاتے تھے بلکہ بادشاہ کے ساتھ جنگ سے متعلق فرائض کی انجام دہی میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ شکار اور دعوتوں میں بھی بادشاہ کے ساتھ رہتے تھے۔ غریب ویل لالر جسمانی محنت کو حقیر نہیں سمجھتے تھے اور جس طرح کاشت کار ہر جگہ خود کام کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی اپنے چھوٹے چھوٹے کھیتوں پر خود ہی کام کرتے تھے۔ اونی اور ریشم کی بنائی اور کتائی کا فن تکمیل کے اعلا معیار پر پہنچ گیا تھا۔ اس زمانہ میں عورتیں کتائی اپنے خالی وقت میں کیا کرتی تھیں۔ ادب میں سوتی اور ریشمی کپڑوں کی پیچیدہ بنائی کا ذکر آیا ہے اور پیری پلس کے مطابق اری پور سوتی کپڑوں کی تجارت کا بڑا مرکز تھا۔ سوتی کپڑوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ سانپ کی کینچل یا بھاپ کے بادلوں سے بھی زیادہ باریک ہوتے تھے۔ کتائی اتنی نفیس ہوتی تھی کہ آنکھ سے دھاگا بھی نہیں دکھائی دیتا تھا۔ قینچی اور سوئی کے استعمال سے لوگوں کی واقفیت تھی۔ قینچی بال کاٹنے اور سوئی کپڑے کی سلائی میں کام آتی

تھی۔ بالوں کو چکنا رکھنے کے لیے ایک قسم کی پامیڈ (تگرمہا) کا بھی ذکر ملتا ہے۔

مذہب اور اخلاقیات پر شمالی ہندوستان کا اثر واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ راجہ کاریکال اپنے مہمان کو رخصت کرتے وقت کچھ فاصلے تک اس کے ساتھ پیدل چلتا تھا۔ سات قدم چلنے کے بعد وہ اپنے مہمان سے درخواست کرتا کہ وہ اپنے رتھ پر جس میں دودھ کے مانند سفید گھوڑے جڑے ہوئے ہیں۔ سوار ہو گائے کا ذبیحہ، اسقاط حمل اور براہمن کا قتل زبردست جرم سمجھے جاتے تھے اور اس زمانہ کے مروجہ اخلاقیات کی رو سے احسان فراموشی ان سے بھی زیادہ سنگین جرم سمجھا جاتا تھا۔

تجہیز و تکفین کا کوئی ایک طریقہ نہ تھا۔ اس طرح کا ذکر ملتا ہے جس میں مردے کو جلایا جاتا تھا یا گھڑے میں یا بغیر گڑھے کے دفن کر دیا جاتا تھا۔ ایک بیوہ عورت گھاس (دربھ) کے بستر سے اپنے متوفی شوہر کو چاول کا پنڈ دیتی تھی اور پولئی یان کو اس آخری رسم کی ادائیگی میں شریک ہونا پڑتا تھا۔ ستی کا رواج تھا مگر عام نہ تھا۔ عام طور پر اس عورت کی بہادری اور شوہر پرستی کی تعریف کی جاتی تھی جو اپنے خاوند کی نعش کے ساتھ ستی ہوتی تھی۔ ستی کا رواج نافذ کرنے پر زور نہیں دیا جاتا تھا اور ہمت افزائی بھی نہیں کی جاتی تھی۔ ایسی بیوی کو کامل سمجھا جاتا تھا جو اپنے خاوند کی چتا میں قطعی بے تعلق ہو کر اس طرح داخل ہو جاتی تھی جیسے وہ غسل کے لیے ٹھنڈے پانی میں داخل ہو رہی ہو۔

اس امر کا اکثر ذکر ملتا ہے کہ اس زمانہ کے راجہ یگیہ کرنے میں کثیر رقم خرچ کیا کرتے تھے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ویدک دھرم نے جنوبی ہند میں اپنے قدم مضبوطی کے ساتھ جما لیے تھے۔ براہمن طبقہ مذہبی کتابوں کا مطالعہ اور مذہبی رسوم کی ادائیگی میں مصروف رہتا تھا۔ انھیں سماج میں بہت عزت حاصل تھی۔ آور مولم کیلر اپنے ایک گیت میں کنڈینیا گوتر کے ایک براہمن ونن دایان کی زندگی کا تفصیل کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ یہ براہمن چول دیش کے پنجارور مقام پر رہتا تھا۔ ویدک دھرم کے ماننے والوں کو اکثر مخالف فرقوں کے ماننے والوں کے ساتھ مناظرے کرنا پڑتے تھے۔ اس طرح کے متعدد حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مناظرے اپنے اپنے جھنڈے پھیرا کر کیے جاتے تھے اور اپنے مخالفین کو سمجھانے کے لیے بار بار ہاتھوں کو جنبش دینا پڑتی تھی۔ مخالف فرقوں کے نام نہیں دیے گئے ہیں لیکن وہ بلاشبہ بدھ اور جین دھرم رہے ہوں گے۔ جنھوں نے بعد کے زمانہ میں بہت اہمیت حاصل کر لی تھی۔ اس سلسلہ میں جو بیانات موجود ہیں ان سب سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو دھرم ہی اس زمانہ میں سب سے زیادہ مؤثر دھرم تھا۔ شبرامنیہ (موروگن) کی پرستش کا اکثر ذکر ملتا ہے جس میں اس کی کامیابیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر دھرم کے دوسرے دیوتاؤں ...

وشنو اکرشن، اور وہ ناریتنور اور انت شائی سے ۔ پد یہ دپ پاتو میں وشنو کی پرستش تلسی کی پتیاں چڑھا کر اور گھنٹہ بجا کر کی جاتی تھی ۔ دیوتا کا کرم حاصل کرنے کے لیے لوگ مندروں میں روزمرہ جاتے تھے ۔ شام کے وقت عورتیں اپنے بچوں کے ساتھ مندر میں عبادت کے لیے جایا کرتی تھیں ۔ زاہدوں کی عزت کی جاتی تھی ۔ اس میں تین ڈنڈوں والے زاہدوں کا مخصوص طور پر ذکر ملتا ہے ۔ مُورُوگن کی پرستش بہت پرانے زمانہ سے کی جاتی تھی ۔ اس دیوتا کی پرستش میں کچھ مقامی خصوصیات بھی شامل تھیں ۔ مثلاً یہ کہ اس کے احترام میں ایک وجد آفریں رقص بھی کیا جاتا تھا جسے ویلن آول کہتے تھے ۔ پوہار میں اندر دیوتا کا سالانہ جشن منایا جاتا تھا ۔ اس موقع پر اس دیوتا کی مخصوص طور پر پرستش کی جاتی تھی ۔ سنگم عہد کے بعد کی رزمیہ شاعری سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ رقص و موسیقی زمانہ قدیم سے مذہبی رسوم ورواج کے ذریعے ایک دوسرے سے وابستہ تھے ۔ شکاری لوگ کورلوئی کی گڈریا عورتیں کرشن کی اور کورو امور وگن کی پرستش کرتے تھے ۔ مینی میلکئی میں سرسوتی کے مندر کا اور ساتھ ہی کنز آشو سنیاسی کپالکوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے ۔ ہندوستان کے ہر مذہب میں دوبارہ جنم لینے پر یقین کیا جاتا ہے اور ہر مرتبہ جنم لینے میں اعمال کا اثر (کرم) اور قسمت کی طاقت کو ہندوستان کے تمام مذاہبوں میں فوقیت دی جاتی تھی ۔ تامل دیس میں بھی عام طور پر یہی اصول تسلیم کیے جاتے تھے سنگم عہد کی نظموں میں زندگی بسر کرنے کا جو خوش کن اعتقاد عیاں تھا وہ بتدریج قنوطیت میں بدل گیا ۔ یہ بدھ دھرم کے اثر کا نتیجہ تھا ۔ بدھ دھرم زندگی کی مصیبتوں پر زور دیتا ہے اس کا اصول ہے کہ زندہ رہنے کی تمنا کو ختم کر دینا ہی نجات کا واحد طریقہ ہے ۔ سنگم عہد کے آخر میں یہ قنوطیت بعض نظموں میں ظاہر ہونے لگی تھی ۔ مینی ملکئی میں یہ واضح طور پر نمایاں ہے ۔ اس تصنیف میں ان احمقوں کی مذمت کی گئی ہے ۔ جو موت کے بے رحم ہونے پر غور نہیں کرتے بلکہ اپنا تمام وقت نفسانی خواہشات کے حصول میں صرف کرتے ہیں ۔

سنگم عہد کے بعد ایک ایسا دور آتا ہے جس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے ۔ اس دور کو تاریخ کی شب کہا جا سکتا ہے ۔ ہمیں سنگم عہد کے بعد کی تین صدیوں کی کوئی واقفیت نہیں ہے ۔ چھٹی صدی کے اخیر میں جب پردہ دوبارہ اٹھتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ پراسرار اور ہر جگہ موجود رہنے والے تہذیب کے دشمن اور برے حکمراں جنھیں کلابھر (کلپ پالر) کہا جاتا ہے ۔ برسر اقتدار آ گئے تھے ۔ کلابھیروں نے منظم سیاسی نظام کو الٹ دیا اور یہ اس وقت از سر نو قائم کیا جا سکا جب پانڈوؤں، پلّوؤں اور بادامی کے چالوکیوں نے انھیں کلابھیروں کو مغلوب کیا ۔ کلابھیروں کے

بارے میں ہمیں ابھی تک کوئی صحیح واقفیت نہیں ہے۔ بدھ دھرم کی بعض تصنیفات میں ہمیں کلابھر خاندان کے کسی اَچیوت وکانت کے بارے میں ذکر ملتا ہے جس کے دورِ حکومت میں چول دیش میں بدھ خانقاہوں اور بدھ مصنفین کو بہت زیادہ سرپرستی حاصل رہی۔ تامل ادب کی بعد کی روایتوں میں کہا گیا ہے کہ اس نے پانڈیہ، چول اور چیر کے تینوں تامل حکمرانوں کو قیدی بنا کر رکھا تھا۔ تامل کے صرف و نحو کے ماہر ایک جینی نے جن کا نام امیت ساگر ہے۔ دسویں صدی میں کچھ گیتوں کے اقتباسات پیش کیے ہیں۔ غالباً اَچیوت وکانت بدھ دھرم کا ماننے والا تھا اور جو انقلاب کلابھر لائے تھے اس کے پیچھے مذہب دشمنی کا جذبہ ہی کارفرما تھا۔ بہر کیف کلابھروں کو خراب حکمراں (کالی اراشر) بتایا گیا ہے۔ اسی بنا پر ان کی مذمت بھی کی گئی ہے۔ انھوں نے بہت سے ادھیراجاؤں کو نیست و نابود کر دیا۔ اور برہم دیو کے حقوق منسوخ کر دیے۔ ان زبردستی کے دخل دینے والوں اور مقبوضہ علاقوں کے عوام کے درمیان کسی قسم کا رشتۂ محبت نہیں تھا۔ اس زبردست بھگدڑ میں تامل دیش سے چول قریب قریب غائب ہو گئے۔ حالانکہ اس عہد کے ختم ہونے پر ان کی ایک شاخ کا پتہ رایل سیما میں چلتا ہے۔ یہ شاخ تیلوگو چودس کہلائی اور یوآئی چوانگ نے ساتویں صدی میں ان کی حکومت کا ذکر کیا ہے۔

کلابھروں کی وجہ سے موجودہ نظام کے درہم برہم ہونے کا اثر چیر دیش پر بھی لازمی طور پر پڑا ہوگا۔ اگرچہ اس مدت میں اِس علاقہ کے بارے میں صرف کیرل اوتپتی اور کیرل ماہاتمیا کی روایتوں کے علاوہ بہت کم شہادت میسر ہے اور انھیں ہی قابل اعتماد تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ ان کے مطابق ملک کے راجہ ہمسایہ ملکوں سے منگائے جاتے تھے اور پیرومال کا لقب اختیار کرتے تھے۔ غالباً وشنو سنیاسی کل شیکھر آلوار ان ہی پیرومالوں میں سے ایک تھا وہ اپنی نظموں میں کونگو دیش اور کولی پہاڑ کے علاوہ چیر، چول اور پانڈیوں پر بھی اپنی شہنشاہیت کا دعوا کرتا ہے۔ اس کے عہد حکومت کی مدت کے بارے میں کوئی بات یقینی طور پر نہیں کہی جا سکتی لیکن یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ چھٹی صدی میں کسی وقت حکومت کرتا ہوگا۔ یہ بھی اس خیال سے کہا جاتا ہے کہ اس مدت کے بعد اس کا یہ دعوا کہ وہ پانڈیہ اور چولوں پر حکومت کرتا تھا غلط ثابت ہوگا غالب گمان یہی ہے کہ اس کا یہ دعوا مبالغہ آمیز ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت بعد نویں صدی میں ہوا ہوگا۔

تاریخ کے اس تاریک دور میں بدھ دھرم اور جین دھرم کو بھی فروغ حاصل ہوا اور تامل

زبان کی ادبی سرگرمیوں میں بھی اضافہ ہوا۔ زیادہ تر تصنیفات جنھیں "اٹھارہ چھوٹی تصنیفات" عنوان کے تحت مرتب کیا گیا اس ہی زمانہ میں تصنیف کی گئیں۔ شاپ پاری کارم اور میمنی میکلائی دوسری تصانیف بھی اس ہی زمانہ میں مرتب ہوئیں۔ ان میں متعدد مصنّفین مذہبی عقاید کے مخالف تھے۔

معاون کتابیں

کے۔ گوپال اچاری :۔ دی ارلی ہسٹری آف دی آندھرا کنٹری۔ (مدراس 1941)

بی۔ ایل۔ رائس :۔ میسور اینڈ کرگ فرام انسکرپشن (لندن 1909)

: شنگ الکیتم (تامل میں) (مدراس 1940)

کے۔ اے۔ این۔ شاستری :۔ فارن نوٹیسز آف ساؤتھ انڈیا۔ (مدراس 1939)

کے۔ اے۔ این۔ شاستری :۔ دی چولاز۔ جلد اوّل۔ (مدراس 1936)

آر۔ ای۔ ایم۔ وہیلر۔ اے گھوش اینڈ کرشن دیو :۔ ارک میڈو اِن انڈو رومن ٹریڈنگ اسٹیشن آن دی ایسٹ کوسٹ آف انڈیا (این شی اینٹ انڈیا نمبر 2 جولائی 1946)

باب 8

تین سلطنتوں کا تصادم

عام خاکہ ۔ چالوکیہ ۔ پل کیشن اول ۔ کیرتی ورمن اول ۔ منگلیش ۔ پل کیشن دوئم ۔ اس کی فتوحات ۔ پلّو ۔ سنگھ وشنو ۔ مہیندر ورمن اوّل ۔ چالوکیوں اور پلوؤں کے درمیان جنگ ۔ نرسنگھ ورمن اوّل ۔ پلّو ۔ مہامل ۔ پل کیشن دوئم کی وفات اور بدامنی ۔ مہامل کی کامیابیاں ۔ مہیندر ورمن دوئم ۔ اور پرمیشور ورمن پانڈیہ ۔ کڈن گون ۔ مار ورمن ۔ اونی شولامنی شینڈن ۔ اری کیسری مار ورمن ۔ چالوکیہ وکرمادیتہ دوئم ۔ عربوں کے حملوں کا انسداد ۔ پلّوؤں کے ساتھ جنگ کا دوبارہ آغاز ۔ نرسنگھ ورمن دوئم ۔ راج سنگھ ۔ پرمیشور ورمن دوئم ۔ نندی ورمن دوئم پانڈیہ کوچ ڈیین ۔ مار ورمن راج سنگھ اوّل اور نندی ورمن دوئم کے خلاف اس کی لڑائیاں ۔ وکرمادیتہ دوئم کا کانچی پر حملہ ۔ کیرتی ورمن دوئم کی پانڈیہ بادشاہ راج سنگھ اوّل کے ذریعہ شکست ۔ چالوکیہ طاقت کا زوال اور راشٹرکوٹ دنتی دُرگ کا عروج ۔ نندی ورمن دوئم کی پانڈیہ طاقت کو روکنے کی کوشش ناکام ۔ ورگن اوّل ۔ شری مار شری ولبھ ۔ دنتی ورمن ۔ راشٹرکوٹ کرشن اوّل ۔ گووند دوئم ۔ دھرو ۔ گووند سوئم ۔ نندی ورمن سوئم اور اس کی لڑائیاں ۔ ترپ تنگ ۔ پانڈیہ بادشاہ شری مار کی حکومت کا خاتمہ ۔ راشٹرکوٹ اموگھ ورش اوّل ۔ جزیرہ تاریخ ۔ کلنگ کے گنگ حکمراں ۔

ریاست کا نظم ونسق ۔ عام خصوصیات ۔ گرام سماج ۔ سبھا نگرم ۔ بڑی بڑی انتظامی اکائیاں صوبے اور سرکاری اہل کار ۔ عدل وانصاف اور بادشاہ ۔ وراثت ۔ شاہی نشان ۔ رانیاں ۔ مطلق العنان کی روک تھام ۔

چھٹی صدی عیسوی کے وسط سے تین سو برس تک جنوبی ہندوستان کی تاریخ فی الواقع تین طاقتوں کی باہمی کشمکش کی داستان ہے۔ ہر ایک طاقت اپنے ہمسایہ کی تذلیل کرکے اپنی طاقت کو بڑھانے کے لیے کوشاں رہی۔ یہ تینوں طاقتیں بادامی کے چالوکیہ اکانچی کے پلّو اور مدبور کے پانڈیہ تھے۔ ان سبھی طاقتوں نے چھٹی صدی میں اقتدار حاصل کیا۔ لیکن چالوکیوں کا اقتدار بقیہ دونوں طاقتوں سے ایک صدی پہلے ہی ختم ہوگیا۔ آٹھویں صدی کے وسط سے سیاسی نقشہ پر اِن کی جگہ ان کے جانشین مانیہ کھیٹ (مال کھید) کے راشٹر کوٹوں نے کم وبیش لے لی۔ بادامی کے اصل خاندان کے علاوہ چالوکیوں کی دو شاخوں نے علاحدہ حکومت قایم کی جس کا اصل خاندان سے کم وبیش کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ شاخیں لاٹ اور وینگی کے مشرقی چالوکیوں کی تھیں۔ میسور کے گنگ راجاؤں کے ساتھ مشرقی چالوکیوں نے بھی تینوں حکومتوں کی آپسی جنگ میں کسی نہ کسی طرف سے حصہ لیا۔ اکثر ان جنگوں کے نتائج فیصلہ کن بھی رہے۔ چول حکمرانوں کا تامل دیش سے اقتدار حقیقتاً ختم ہوگیا۔ صرف تیلگو حکمرانوں کی ایک شاخ جوان کا ہی نام اختیار کیے ہوئے تھی اور ان کے دارالسلطنت اُرئی یور کے ساتھ روایتی تعلقات کا بھی دعوا کرتی تھی اس علاقہ پر حکومت کرتی تھی جسے آج کل رایل سیما کہا جاتا ہے۔

ثقافتی ترقی کی راہ میں سیاسی مخالفت کی بنا پر بہر کیف کوئی رُکاوٹ نہیں پڑی۔ ہندو مذہب کے احیا کی وسیع اور ہمہ گیر تحریک نے جین اور بدھ دھرم کی اشاعت روک دی اور بڑے پیمانہ پر روح کے اندر جوش پیدا کرنے والا پرہیزگارانہ ادب وجود میں آیا۔ اور فلسفیانہ خیالات کی ترقی ہوئی۔ اس مذہبی تحریک سے متاثر ہوکر فنِ تعمیر، بت تراشی، مصوری اور موسیقی نے نمایاں ترقی کی۔ اس تحریک سے سمندر پار کی ہندو بستیاں بھی متاثر ہوئیں۔

پُل کیشن اوّل نے چالوکیہ شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ چالوکیہ سے مراد "زبردست شیر" ہے اس نے 44-543 میں بادامی کے نزدیک کی پہاڑی کی قلعہ بندی کرکے اسے ایک مستحکم قلعہ کی شکل دے دی اور اشو میدھ یگیہ کرکے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ نیا قلعہ ورمائے مال پربھا سے تین میل کے فاصلہ پر ایک ایسی بلندی پر واقع تھا جہاں سے مکمل طور پر اس کی حفاظت ممکن تھی۔ اس کے مشرق میں جو پہاڑیاں واقع ہیں ان میں سب سے پہلی پہاڑی مہاکوٹ ہے۔ اس سمت میں پانچ میل آگے ندی کے کنارے پٹہ داکل واقع ہے اور ندی کے کنارے ہی آٹھ میل کے فاصلہ پر ایہول ہے۔ یہ سبھی پہاڑیاں اپنے مندروں اور کتبوں کے ذریعہ چالوکیہ خاندان کے اقتدار کی شہادت پیش کررہی ہیں۔ پل کیشن اوّل کے لڑکے کیرتی ورمن (67 ... 566) نے بنواسی کے

لکد مب اکوکن کے موریہ اور شاید لستر اور چاپود ایجنسی کے کافی وسیع علاقے پر حکومت کرنے والے نل راجہ کے خلاف جنگ کرکے اپنی سلطنت کی توسیع کی۔ کوکن کی فتح سے گوا کا اہم بندرگاہ

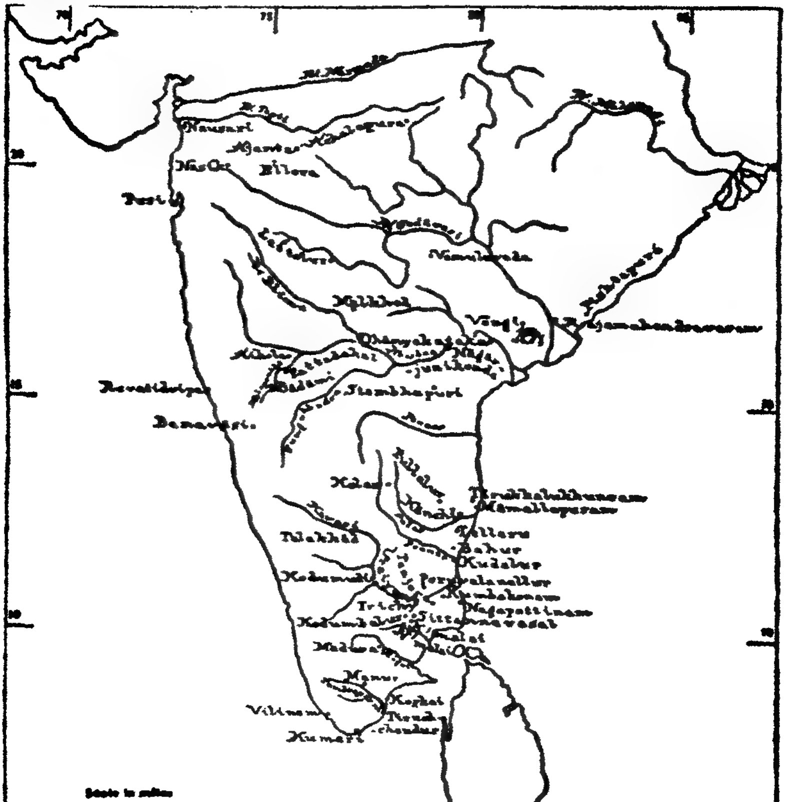

جنوبی ہندوستان 500 سے 850 عیسوی تک

جواس زمانہ میں ریوتی دیپ کہلاتا تھا اس بڑھتی ہوئی سلطنت کے قبضہ میں آگیا۔ کیرتی ورمن کے انتقال کے بعد (98 -597) اس کا لڑکا پل کیشن دوئم حکومت کرنے کے لیے کم تھا۔ چنانچہ کیرتی ورمن کے بھائی اور پل کیشن دوئم کے چچا منگلیش نے قائم مقام بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کی۔ منگلیش نے سلطنت کی توسیع کرنے کی حکمت عملی کو جاری رکھا اور کالاچری بد طاج کے علاقے پر جس میں گجرات خان دیش اور مالوہ شامل تھا حملہ کردیا۔ یہ حملہ ایک طریقہ سے چھاپا مارنا تھا کیونکہ جہاں ایک طرف بہت کافی مال غنیمت ہاتھ آیا دوسری جانب سلطنت

یں کوئی توسیع نہ ہو سکی۔ منگلیش نے ریوتی و یپ (گوا) کے گورنر کی بغاوت کو فرو کیا اور کونکن میں چالوکیوں کا دوبارہ اقتدار قایم کیا۔ جب پل کیشن دوم بالغ ہو گیا تو منگلیش نے اسے تخت سپرد کرنے کے بجائے اپنے لڑکے کو بادشاہ بنانا چاہا۔ وہ اپنی قایم مقام حکومت کی مدت کو بڑھاتا گیا۔ پل کیشن نے دربار چھوڑ دیا اور اپنے وفادار دوستوں نیز ذاتی بہادری کی بنا پر منگلیش کے خلاف جنگ کی اور اسے مار کر بادشاہ ہونے کا اعلان کیا۔ (610 - 609) اس خانہ جنگی نے چالوکیوں کی نوخیز سلطنت کو ہلا دیا۔ اس کے دشمن چاروں طرف نظر آنے لگے۔ پل کیشن نے بہت جلد اپنے کو اس خاندان کا قابل بادشاہ ثابت کیا۔ اُس نے باٹی آپ یا یکا کو دریائے بھیم رتھی کے شمال میں شکست دی اور اُس کے حلیف گووند کے ساتھ اطاعت قبول کرنے پر مہربانی کا برتاؤ کیا۔ پل کیشن نے کدمب بادشاہ کے دارالخلافہ بنواسی پر حملہ کیا اور اسے تہس نہس کر ڈالا۔ جنوبی کنارا کے آلوپوں اور میسور کے گنگ خاندان کے حکمرانوں کو اُس کی اطاعت قبول کرنے کے لیے مجبور ہونا پڑا۔ گنگ راجہ دُرونیت نے اپنی بیٹی کی شادی پل کیشن دوم کے ساتھ کر دی۔ یہ وکرمادیتہ اوّل کی ماں بنی۔ شمالی کونکن کے موریوں کے دارالسلطنت پُری پر جو ایلی فینٹا کے جزیرے پر واقع تھا اور جسے مغربی سمندر کی لکشمی بھی کہا جاتا تھا کامیاب حملہ کر کے انھیں ایک بار پھر اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ پل کیشن دوم کی فوج کی شہرت اور شمالی ہندوستان میں شری ہرش کی روز افزوں طاقت کو دیکھتے ہوئے لاٹوں، مالووں اور گروجروں نے یکے بعد دیگرے پل کیشن کی اطاعت قبول کر لی۔ اس طرح چالوکیہ سلطنت کی شمالی سرحد ماہی ندی تک پہنچ گئی۔ جب ہرش نے جنوبی ہندوستان پر حملہ کیا، تو پل کیشن نے اس کا مقابلہ کیا اور ہرش کو نرمدا کے کنارے شکست فاش برداشت کرنا پڑی۔ اس کے کئی ہاتھیوں کو پکڑ لیا گیا۔ ہرش کی فاتحانہ زندگی میں یہ پہلی شکست تھی۔ یہ تمام کامیابیاں پل کیشن دوم کو اپنی حکومت کے تین یا چار برس میں ہی حاصل ہو گئیں۔

اس کے بعد پل کیشن دوم نے اپنے چھوٹے بھائی وشنو وردھن کو ولی عہد مقرر کیا اور دارالخلافہ کی نگرانی اس کو سپرد کر کے خود مشرقی دکن کو فتح کرنے کی مہم پر روانہ ہوا۔ سب سے پہلے جنوبی کوشل اور کلنگ نے اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد پل کیشن نے پشٹا پورا پر حملہ کیا اور اسے تہس نہس کر ڈالا۔ کنال (کولیر) جھیل کے کنارے گھمسان لڑائی کے بعد وشنوکنڈینوں کی طاقت ختم کر دی گئی اور اُن کے علاقہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس کے بعد پلوشاہی خاندان کی باری آئی جس کے متعلق کچھ کہنے سے قبل اُس کے عروج پر غور کرنا ضروری ہے۔

کلابھروں کے حملے کے بعد تامل دیش میں جو سیاسی ابتری پھیل گئی تھی وہ چھٹی صدی عیسوی کی آخری چوتھائی میں پلّو بادشاہ سنگھ وشنو اور پانڈیوں کے بادشاہ کڈن گون کی کارروائیوں کی بنا پر ختم ہوئی۔ پلّووں اور پانڈیوں کے دارالخلافے بالترتیب کانچی اور مدورا تھے۔ سنگھ ورمن کا لڑکا سنگھ وشنو تھا۔ سنگھ ورمن کی ایک تانبے کی تختی جس میں اس نے اپنی حکومت کے چھٹے سال میں عطیے دیے ہیں حال ہی میں دریافت ہوئی ہے۔ اس میں ایک جینی ادارے کو عطیہ دینے کا ذکر ہے۔ (گنگ راجاؤں کی اس زمانہ کی تختی میں سنگھ وشنو کی ماں نے بھی جینیوں کو عطیے دیے ہیں)

تختی میں اس زمانہ کے بادشاہ کے بارے میں کچھ ذکر نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کے لڑکے کی کامیابیوں کا ذکر ہے جو ولی عہد رہا ہوگا۔ اس لیے ہم سنگھ وشنو کو ہی اس زمانہ میں پلّووں کے اقتدار کا بانی خیال کر سکتے ہیں۔ نئے کتبے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنگھ وشنو نے تیلوگو چوڑ کے حکمراں ایک دوسرے سنگھ وشنو کو (اور ہرا جشنو وِش (اس کے لفظی معنی ہیں چمک دار خاندان۔ شاید اولیا سے مطلب ہے) کو مغلوب کیا۔ سنگھ وشنو نے صرف کلابھروں کی طاقت کو ختم ہی نہیں کیا بلکہ کاویری تک کے مکمل علاقہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ وہ پانڈیوں اور سنہری لنکا کے بادشاہوں کے ساتھ بھی نبرد آزما ہوا۔ وہ وشنو کی پرستش کرتا تھا اور اسے اَون سنگھ (کرۂ زمین کا شیر) کا لقب حاصل تھا۔ مامّلاپورم (مہابلی پورم) کی وراہ گپھائیں اس کی اور اس کے لڑکے مہیندر ورمن اوّل کی ابھری ہوئی تصویریں ملتی ہیں۔ اس کا عہدِ حکومت 560 سے 580 کی درمیانی مدّت میں رہا ہوگا۔ سنگھ وشنو کے بعد اس کا لڑکا مہیندر ورمن اوّل تخت نشین ہوا۔ یہ غیر معمولی طور پر ذہین اور امن و جنگ دونوں ہی صورتوں میں عظیم تھا۔ اس کے بہت سے لقب مثلاً متہ وِلاس، وچِتر چِت اور گُن آبھر آتے۔ اُس نے متعدد عمارتیں بنوائیں وہ شاعر اور موسیقار بھی تھا۔ وہ کچھ عرصے تک جین دھرم کو مانتا رہا لیکن شاید اپّر کے اثر کے تحت اس نے جین دھرم کو ترک کر کے شیو دھرم قبول کر لیا۔ اپنے والد کی طرح اس کے زمانہ حکومت (630 - 580) کے شروع میں پلّو سلطنت شمال میں دریائے کرشنا اور غالباً اس سے بھی کچھ آگے تک بڑھ گئی تھی۔ وِرکند راؤں اور وِشنو کندینوں کی حکومتیں اس کی سرحد پر تھیں۔

ان حکومتوں کے ختم ہو جانے کے بعد پُل کیشن دوئم نے مہیندر ورمن اوّل کے خلاف جو اپنی طاقت بڑھا لینے کی وجہ سے اب اس کا (پل کیشن دوئم) مدّمقابل ہو گیا تھا طاقت آزمانا چاہی۔ پل کیشن دوئم کی فوجیں پلّووں کے علاقے میں داخل ہوتی چلی گئیں اور جب دارالخلافہ سے

صرف شمال میں دس میل دور واقع پالاپور میں پہنچ گیں تو اس وقت اس کا مقابلہ کیا گیا۔ گھمسان لڑائی ہوئی۔ مہیندر ورمن اپنے دار السلطنت کو بچا سکا۔ لیکن اسے اپنے شمالی صوبے دشمن کو دینا پڑے۔ یہیں سے چالوکیوں اور پلوؤں کے درمیان ایک طویل جنگ کی ابتدا ہوئی۔

پل کیشن نے واپس آنے پر (ا 662) وشنو وردھن کو آندھرا دیش میں وائے سرائے کی حیثیت سے انتظام کرنے اور ملک گیری کی مہم کی تکمیل کے لیے روانہ کیا۔ وشنو وردھن نے اس کام کو 631ء تک مکمل کر دیا۔ اس کے بعد اپنے بھائی کی رضامندی سے پل کیشن نے ایک شاہی خاندان قایم کیا جو تیلگو دیش پر پانچ سو برس سے بھی زیادہ مدت تک قابض

پل کیشن نے ایران کے بادشاہ خسرو دویم (26-625) کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا اور شاید ایران کے بادشاہ نے بھی چالوکیہ راج کے پاس اپنا ایک سفیر روانہ کیا۔

پل کیشن کی اولوالعزمی نے اسے ایک بار پھر پلوؤں پر حملہ کر کے مزید فیصلہ کن نتائج حاصل کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ مہیندر ورمن میدان سیاست سے کنارہ کش ہو گیا تھا اور اس کا لڑکا نرسنگھ ورمن اوّل مہامل (668-630) نے اپنی حکومت شروع کی تھی۔ پل کیشن نے سب سے پہلے باناؤں پر حملہ کیا جہاں وہ رایل سیما میں پلوؤں کے باج گذاروں کی حیثیت سے حکومت کرتے تھے۔ ان کی حکومت کو ختم کرنے کے بعد اس نے پلوؤں پر حملہ کیا۔ ایک بار پھر پلوؤں کے دارالخلافہ کو خطرہ پیدا ہو گیا۔ لیکن نرسنگھ ورمن نے چالوکیوں کو کئی لڑائیوں میں شکست دی جس میں کانچی پورم سے بیس میل مشرق میں واقع منی منگل کی لڑائی بھی شامل تھی۔ ان لڑائیوں میں شری لنکا کے ایک شہزادے مان ورما نے نرسنگھ ورمن کی بہت قابلیت کے ساتھ مدد کی۔ بعد میں نرسنگھ ورمن نے اس شہزادے کو تخت حاصل کرنے میں مدد دی۔ اس طرح پل کیشن کا حملہ ناکامیاب رہا۔ بہت جلد اس کا ردّ عمل بھی شروع ہو گیا۔ اپنی کامیابی سے خوش ہو کر نرسنگھ ورمن نے ایک بڑی فوج کے ساتھ چالوکیوں پر حملہ کیا اور تیزی کے ساتھ بڑھتا ہوا ان کے دارالخلافہ بادامی پہنچ گیا۔ اس نے شہر اور قلعہ دونوں پر قبضہ کر لیا پل کیشن دویم لڑتے لڑتے مارا گیا ہوگا۔ اس کے بعد چالوکیہ سلطنت کے منتشر ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ نرسنگھ ورمن نے چالوکیوں کے دار السلطنت پر قبضہ کر لیا۔ اس کی تصدیق اس کے "واتاپی کونڈ" کا لقب اختیار کرنے سے اور بادامی میں ملک ارجن دیو کے مندر کے پیچھے

ایک چٹان پر کندہ کیے ہوئے کتبے سے بھی ہو جاتی ہے۔ یہ کتبہ نرسنگھ ورمن کی حکومت کے تیرھویں برس میں قایم کیا گیا تھا۔

چالوکیہ سلطنت کی تاریخ کے سلسلہ میں یہ یقینی طور پر بحرانی دور تھا۔ سلطنت کے سرداروں نے خود مختار ہونے کا اعلان کر دیا تھا یہاں تک کہ پل کیشن دوئم کے لڑکوں نے جو وائسرائے کی حیثیت سے کام کر رہے تھے خود مختاری حاصل کر لی تھی۔ پل کیشن کا ایک اور لڑکا وکرمادتیہ اپنے نانا گنگ درونیت کی مدد سے اپنے والد کی سلطنت کو دوبارہ قایم کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس نے نرسنگھ ورمن کو بادامی سے ہٹنے کے لیے مجبور کیا اور اپنے بھائیوں اور دوسرے سرداروں کو جو سلطنت کو آپس میں تقسیم کر لینا چاہتے تھے، شکست دی۔ اس کے بعد 55-654 میں خود کو اس سلطنت کا جسے اس نے دوبارہ قایم کیا تھا فرماں روا ہونے کا اعلان کیا اور اپنے چھوٹے بھائی جے سنگھ ورمن کو جس نے ہمیشہ اُس کا ساتھ دیا تھا۔ لاٹ یا جنوبی گجرات کا وائسرائے مقرر کیا

پلّو بادشاہ 642 کے فوراً بعد اپنے دارالسلطنت واپس آ گیا ہوگا اس کے بعد اُس نے مان ورما کی مدد کے لیے دو جہازی بیڑے سری لنکا کے لیے روانہ کیے۔ اگرچہ دوسری مہم کامیاب ثابت ہوئی اور مان ورما نے اپنے مدّمقابل کو مار ڈالا اور انورا دھاپور پر قبضہ کر لیا۔ لیکن مان ورما کو ایک بار پھر جلاوطن ہونا پڑا۔ اور پلوؤں کے یہاں غالباً نرسنگھ ورمن کی موت کے بعد پناہ لینا پڑی۔

نرسنگھ ورمن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے چولوں، چیروں، کلابھروں اور پانڈیوں کو شکست دی۔ لیکن ان لڑائیوں کی تفصیلات کے بارے میں کوئی واقفیت نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نرسنگھ ورمن کے زمانہ میں پلوؤں کو وہ طاقت اور اقتدار حاصل ہوا جو سنگھ وشنو (580-560) کے زمانہ میں بھی جب کہ حکومت دوبارہ قایم کی گئی تھی نہیں حاصل ہو سکتا تھا۔ نرسنگھ ورمن کو عمارتیں بنوانے کا بے حد شوق تھا۔ اُس کے زمانہ میں سلطنت کے مخصوص بندرگاہ مامل پورم کو بہت خوبصورت بنایا گیا۔ نرسنگھ ورمن کے بادامی پر حملہ کرنے سے کچھ پہلے یوآن چوانگ نے اس کی اور پل کیشن دوئم کی سلطنتوں کا دورہ کیا تھا۔ اس نے آنکھوں دیکھے حال کا بہت دل چسپ بیان چھوڑا ہے۔ تقریباً 668 میں نرسنگھ ورمن کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا مہیندر ورمن دوئم تخت نشین ہوا۔

سے اپنی مختصر حکومت میں وکرمادیتہ اوّل کے ساتھ جنگ کرنا پڑی۔ مہیندرورمن کے بعد اس کا لڑکا پرمیشور ورمن اوّل تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانۂ حکومت میں چالوکیہ بادشاہ وکرمادیتہ نے دوبارہ لڑائی چھیڑ دی۔ اس لڑائی میں پانڈیہ حکمراں اری کیسری پرانکس مارورمن اوّل (700 - 670) بھی وکرمادیتہ کا شریک تھا۔

پانڈیہ سلطنت کے عروج کے بارے میں بھی یہاں کچھ بتانا ضروری ہے۔ پانڈیہ شاہی خاندان کی بنیاد بھی تقریباً پلّو خاندان کے ساتھ یا کچھ عرصے بعد پڑی۔ ہمیں پانڈیہ خاندان کے پہلے دو بادشاہ یعنی کڈون گون (620 - 590) اور اس کے لڑکے مارورمن اونی شولامنی (645-620) کی تاریخ کے بارے میں بہت کم واقفیت ہے اس میں شک نہیں کہ انھوں نے اپنے ملک سے کلابھروں کی حکومت ختم کردی تھی اور اپنا اقتدار دوبارہ قایم کرلیا تھا۔ اس خاندان کے تیسرے بادشاہ شیندن یا جیانت ورمن نے چیر دیش پر اپنی حکومت قایم کی اور " وان ون" کا لقب اختیار کیا۔ اس کا لڑکا اری کیسری مارورمن ایک جنگ جو تھا۔ اس نے پانڈیوں کے اقتدار کی توسیع کے لیے متعدد جنگیں بھی کیں۔ ان میں کچھ پانڈیوں کے ہی ہم عصر پلّوؤں کے خلاف تھیں یہ بہت ممکن ہے کہ اس نے پلّوؤں کے دشمن چالوکیہ راجہ وکرمادیتہ اوّل کے ساتھ ساز باز کرلی ہو۔

وکرمادیتہ اوّل اپنے ملک کو نرسنگھ ورمن کے حملے سے بچانے اور اپنی طاقت کو مضبوط بنانے کے بعد اپنے والد کا بدلہ لینے کے لیے متوجہ ہوا ہو۔ یہ مخالفت مہیندرورمن دوم کے زمانۂ حکومت میں شروع ہوچکی تھی۔ لڑائی میں مہیندرورمن ہار گیا اور گنگ دیش میں کسی جگہ میسور میں مرگیا۔ پرمیشور ورمن کی حکومت کے شروع زمانہ میں ہی وکرمادیتہ کانچی پورم کے قرب وجوار تک بڑھ آیا۔ پرمیشور ورمن کو بھاگ کر پناہ لینا پڑی۔ وکرمادیتہ نے اس کا کاویری کے کنارے تک پیچھا کیا۔ اڑئی پور میں اپنا کیمپ لگایا اور شاید یہیں اس کے حلیف پانڈیہ بادشاہ سے ملاقات ہوئی۔ پرمیشور ورمن نے اپنی جلاوطنی کے زمانہ میں ایک بڑی فوج اکٹھا کی اور وکرمادیتہ کے حلیف گنگ سردار بھووی کرم کے ساتھ ولینڈے مقام پر جنگ کی۔ پرمیشور ورمن کو اس لڑائی میں شکست ہوئی۔ اُسے اپنے تاج کا ایک بیش قیمت جواہر اور اگر اودے کا جڑاؤ ہار دشمن کو دینا پڑے۔ پرمیشور ورمن نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری اور دشمن کا دھیان بٹانے کے لیے اس نے چالوکیہ سلطنت پر حملہ کرنے کے لیے فوج روانہ کی۔ اس کے بعد اس نے اڑئی پور کے شمال مغرب میں دس میل دور پیرو ولن لور مقام پر حملہ آوروں کا مقابلہ کیا اور انھیں شکست فاش دی۔ پرمیشور ورمن کی فوج کو وکرمادیتہ کے

لڑکے اور پوتے ونے دیتہ اور وجے دیتہ سے پھر لڑنا پڑا اور انہیں پلّو دیش کو چھوڑ کر اپنی سلطنت میں واپس ہونے کے لیے مجبور ہونا پڑا۔ پر میشور ورمن کی فوج کافی مال غنیمت لے کر دارالخلافہ واپس آئی۔

وکرما دیتہ کے لڑکے ونے دیتہ (696 - 681) کے پُرامن اور بامراد دور حکومت میں چالوکیوں اور پلّوؤں کے درمیان جنگ سرد پڑ گئی۔ ونے دیتہ نے شمالی ہندوستان پر حملہ کیا اس حملہ میں اس کے لڑکے وجے دیتہ نے بڑی شہرت حاصل کی۔ اس کے علاوہ کوئی خاص بات نہیں ہوئی بادامی عہد میں وجے دیتہ نے سب سے لمبے عرصے تک حکومت کی۔ اور شاید اس کا دور حکومت بہت پُرامن اور سرسبز دور بھی رہا۔ اس ہی زمانہ میں بہت سے مندر تعمیر کیے گئے۔ اُس کے بعد اس کا لڑکا وکرما دیتہ دوئم (744 - 733) تخت نشین ہوا۔ اس کی حکومت کے شروع زمانہ میں عربوں نے سندھ میں اپنے قدم جما لیے تھے اور قرب وجوار کے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ عربوں نے دکن کی جانب بڑھنا شروع کیا۔ جے سنگھ ورمن کے لڑکے پل کیشن نے مؤثر طور پر عربوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ یہ پل کیشن وہی تھا جس نے اپنے بھائی وکرما دیتہ اوّل کا ساتھ دیا تھا وکرما دیتہ دوئم نے بھی پل کیشن کی خدمات کی تعریف کی اور اس نے خوش ہو کر اسے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ساتھ اونجن اشرَیہ جس کا مطلب ہے "زمین کے رہنے والوں کی پناہ گاہ" کا خطاب عطا کیا چالوکیہ شہنشاہ کا ایک اور جاگیردار راشٹر کوٹ دنتی ورمن نے عربوں کے خلاف جنگ میں تعاون کیا اور اپنے شہنشاہ سے اعتراف حاصل کیا۔

وکرما دیتہ اوّل کے عہد حکومت کی مخصوص دلچسپی پلّوؤں کے ساتھ جنگ ہے۔ اس نے تین مرتبہ کانچی کو تباہ کیا۔ چنانچہ پلّوؤں کے بارے میں ذکر کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

وکرما دیتہ اوّل پر فتح پانے کے بعد پرمیشور ورمن اوّل اپنی وفات تک جو تقریباً سات سو میں واقع ہوئی کانچی پر حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد اُس کا لڑکا نرسنگھ ورمن دوئم راج گدی پر بیٹھا۔ (28 - 700) اس کا دور حکومت بھی اس کے ہم عصر چالوکیہ بادشاہ کی طرح پُرامن اور کامیاب رہا۔ اس کے زمانہ میں کانچی پورم کے کیلاش ناتھ مندر میں اور ممال پورم کے ساحلی مندروں کی طرح مندر تعمیر کیے گئے۔ اس زمانہ میں ادب کی بھی ترقی ہوئی اور عظیم خطیب ڈانڈن بھی اس کے دربار میں کئی سال تک مقیم رہا۔ راج سنگھ نے چین میں اپنے سفیر روانہ کیے اور اس کے زمانہ میں سمندر کے ذریعہ تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اس کا لڑکا مہیندر ورمن سوئم جس نے

کانچی کے کیلاش ناتھ مندر کی تعمیر میں کافی دلچسپی لی تھی اپنے والد کی زندگی ہی میں انتقال کر گیا۔ مغربی گنگ کے حکمرانوں کے ایک کتبے (713ء) سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شاید پلّووں کا ولی عہد تھا۔ اس کے دو لڑکے جے پلّو دھیراج اور ونّدی پلّو دھیراج تھے۔ راج سنگھ کے بعد اس کا لڑکا پرمیشور ورمن دوئم (728-731ء) تخت نشین ہوا۔ اس نے شاید تروواڑی میں شو کا مندر تعمیر کرایا جس میں اس کے دور حکومت کے تیسرے سال کا ایک کتبہ بھی ہے۔ اس مندر کی کئی بار مکمل طور پر مرمت کی جا چکی ہے۔

پرمیشور ورمن دوئم کی حکومت کے آخری دنوں میں چالوکیہ خاندان کے ولی عہد وکرما دتیہ دوئم نے گنگ حکمراں شری پرش کے لڑکے ایرہی یپّا کی مدد سے دار الخلافہ کانچی پورم پر حملہ کیا۔ پرمیشور ورمن کو امن برقرار رکھنے کے لیے زبردست قیمت ادا کرنا پڑی۔ اس نے شری پرش سے انتقام لینا چاہا۔ لیکن انجام تباہی ہوا۔ گنگ حکمراں نے ولندے مقام پر اسے مار ڈالا اور پیرمانڈی کا لقب اختیار کیا اور شاہی چھتری پر قبضہ کر لیا۔

پرمیشور ورمن کی موت کے بعد سلطنت میں بحران پیدا ہو گیا۔ اصل خاندان میں کوئی نہیں تھا جو تخت کا وارث ہو سکتا چنانچہ دار الخلافہ کے حکام نے گھٹیکا (فاضل براہمنوں کا طبقہ) اور عوام کی رائے سے پلّو شاہی خاندان کی ایک دوسری شاخ سے ہرے ورمن کے لڑکے نندی ورمن دوئم کو بادشاہ منتخب کیا۔ ویکنٹھ پیرومال مندر کے منقّش تختے کے نیچے دستاویز سے پلّو شاہی خاندان کی روایتی ابتدا سے نندی ورمن کی تاجپوشی تک تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ اس دستاویز کی رو سے نندی ورمن کو اس لیے منتخب کیا گیا تھا کیونکہ وہ اپنے والد اور والدہ کی طرف سے غیر مخلوط تھا۔ اس خاندان کے بظاہر دوسرے شہزادے بھی تھے جو نندی ورمن کی تاجپوشی کی مخالفت کے لیے تیار تھے۔ ان میں سے ایک کو کانچی میں نندی ورمن کے داخلے کی مخالفت کرنے میں اپنی جان بھی گنوانا پڑی۔ دوسرے کتبوں سے پتہ چلتا ہے کہ دوسرے شہزادے چتر مائے کو سلطنت کے اندر سے ہی مدد نہیں حاصل ہوئی بلکہ پانڈیہ حکمران نے بھی اس کی مدد کی۔ اس ہی زمانہ میں کوڈجے اسکند وشیہ وکرم ورمن بھی تھا جس نے اپنی حکومت کے چودھویں سال میں جو عطیہ دیا تھا وہ ”اے گوٹ تختی“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس تختی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وکرم ورمن اس ہی زمانہ میں تھا۔ اسے چتر مائے سے مخصوص کرنے اور اس کے وکرم ورمن لقب سے یہ تسلیم کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اُسے وکرما دیتہ دوئم سے امداد بھی حاصل ہوئی ہوگی۔

ویکنٹھ پیرومال مندر کے تختے کی دستاویز کا بیان اس انقلاب کے لیے جس کے تحت نندی ورمن دوئم کی تاجپوشی کی گئی جانبدارانہ ہے۔ اس دستاویز کا بیشتر حصہ ایسا ہے جس کی اطمینان بخش طور پر وضاحت کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ ہم جانتے ہیں کہ نندی ورمن کو کانچی پورم پہنچنے سے قبل پہاڑوں اور گھنے جنگلوں کے درمیان سے گذر کر کافی لمبی اور تکلیف دہ مسافت طے کرنا پڑی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسے سمندر بھی پار کرنا پڑا ہو۔ ہمیں اس جگہ کی شناخت کے لیے بھی کوئی اشارہ نہیں ملتا جہاں وہ اپنے والد ہرنے ورمن کے ساتھ رہتا تھا اور جہاں سے اس نے کانچی پورم کے لیے اپنا سفر شروع کیا تھا۔

پانڈیہ سلطنت میں اری کیسری پران کش کے بعد اس کا لڑکا کوچاڈین (730 – 700) بادشاہ ہوا۔ اس کا دوسرا نام رن دھیر تھا۔ اس بادشاہ نے اپنے ہمسایہ حکومتوں پر حملے کیے اور کونگو دیش میں پانڈیوں کا اقتدار قایم کیا۔ اس نے تروینلی ویلی اور ٹراونکور کے درمیان پہاڑی علاقے کے سردار آئے کی بغاوت کو فرو کیا۔ وہ تقریباً 730ء میں انتقال کر گیا۔ اس کا لڑکا ماڑ ورمن راج سنگھ اول بادشاہ ہوا۔ اس نے اپنی حکومت کے شروع زمانہ میں چالوکیہ حکمران وکرمادیتہ دوئم کے ساتھ دوستی کی اور چترمائے کی حمایت کی۔ اس نے نندی ورمن پلّومل کو کئی لڑائیوں میں شکست دی اور کم بکونم کے نزدیک نندی گرام یعنی نندی پورم میں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ پلّووں کے قابل سپہ سالار اودے چندر جس نے کئی لڑائیوں میں پانڈیوں کی فوج کا مقابلہ کیا تھا۔ دشمن کو محاصرہ ختم کر دینے کے لیے مجبور کیا۔ چترمائے کا سر قلم کر دیا گیا۔ اور اس طرح اس نے اپنے بادشاہ کے لیے پلّووں کا شاہی تخت محفوظ کر دیا۔ وہ پلّومل کے دوسرے دشمن مثلاً شبر راجہ اودین اور نشاد کا سردار پرتھوی ویاگرہ جو چالوکیہ حکمران وکرمادیتہ کے ساتھ ساز باز کر رہے تھے۔ سختی سے پیش آیا۔ پلّومل کی حکومت کے شروع زمانہ میں وکرمادیتہ کا حملہ (735) جس میں گنگ سردار شری پُرش بھی شریک تھا، سلطنت کے لیے زبردست خطرہ تھا۔ لیکن وکرمادیتہ نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا اگرچہ اس نے نندی ورمن کو شکست دے دی اور کچھ وقت کے لیے اس کے دار السلطنت پر بھی قابض ہو گیا لیکن اس نے شہر کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور عوام کو فراخدلی کے ساتھ عطیے دے کر مطمئن رکھا، کیلاش ناتھ اور دوسرے مندروں سے بڑی مقدار میں جو سونا اس کے ہاتھ آیا تھا اسے بھی اس نے واپس کر دیا۔ یہ سب واقعات اس نے کیلاش ناتھ کے مندر میں ایک ستون پر کنّڑ زبان میں کندہ کرائے اس طرح

اس نے چالوکیوں کے دارالسلطنت بادامی پر نرسنگھ ورمن کے قبضہ سے جو بے عزّتی برداشت کرنی پڑی تھی اس کا تدارک کیا۔ اس کے بعد وکرمادتیہ دویم، پلّوؤ مل کو اپنے ملک کا انتظام سونپ کر واپس چلا گیا۔ اس نے پلّو کو پانڈیوں کے ساتھ جنگ جاری رکھنے کا موقعہ دیا۔ ہمارے پاس ان لڑائیوں کی صحیح تاریخ تعین کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے جو پلّو مل نے اپنی حکومت کے ابتدائی زمانے میں شمال اور جنوب کے دشمنوں کے ساتھ لڑیں۔ وکرمادتیہ نے اپنی حکومت کے آخری زمانے میں اپنے لڑکے کیرتی ورمن کے زیر کمان پلّوؤں پر حملہ کرنے کے لیے فوج روانہ کی۔ کیرتی ورمن نے کامیابی کے ساتھ چھاپا مارا اور دشمن کے کئی ہاتھی، کافی سونا اور جواہرات چھین کر اپنے دارالسلطنت واپس آ گیا۔

وکرمادتیہ کا عہد حکومت نئے مندروں کی تعمیر کے لیے خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے لڑکے کیرتی ورمن دویم نے جو اپنے والد کی موت کے بعد (5-744) میں تخت نشین ہوا، مندروں کی تعمیر جاری رکھی۔ کیرتی ورمن دویم اور گنگ سردار شری پرش سے پانڈیہ حکمراں ماڑ ورمن راج سنگھ اول کے ساتھ لڑائی ہوئی کیونکہ ماڑ ورمن پانڈیہ اقتدار کو کونگو دیش اور اس کے آگے بھی قایم کرنا چاہتا تھا۔ ماڑ ورمن نے دریائے کاویری کو عبور کیا اور ترو چیراپلی اور تنجور اضلاع کی سرحد کے درمیان واقع مال کونگم پر قبضہ کر لیا۔ چالوکیہ حکمراں اور اس کے ایک جاگیردار کو وینبئی کی لڑائی میں شکست دی اور اپنے لڑکے کی شادی گنگ خاندان کی ایک شہزادی کے ساتھ کر کے ان دونوں سے صلح کر لی۔

کیرتی ورمن دویم بادامی کے چالوکیوں کا آخری بادشاہ تھا۔ راشٹرکوٹ کے راجہ دنتی درگ کی سرگرمیوں کی وجہ سے کیرتی ورمن کی طاقت میں برابر کمی آتی گئی۔ دنتی درگ نے 742 میں ایلورا پر اپنا قبضہ جما لیا۔ ابتدا میں اس کی سرگرمیاں ماہی، نرمدا اور مہاندی کے کناروں تک ہی محدود تھیں۔ اس نے مالوہ کے گرو جروں، کوشل اور کلنگ کے حکمرانوں اور شری سیلم دیش کے تیلوگو چودوں کو شکست دی۔ سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ وہ کانچی تک پہنچا اور طاقت کے مظاہرے کے بعد نندی ورمن پلّو مل کے ساتھ دوستی کر لی۔ اور اپنی لڑکی دیوا کی شادی بھی اس کے ساتھ کر دی۔ کیرتی ورمن سے اس کے سرحدی صوبے چھین کر اور سیاسی طور پر اپنے کو طاقت ور بنا کر دنتی درگ نے 752 یا 753 میں آخری حملہ کیا اور مکمل دکن کا شہنشاہ ہونے کا اعلان کیا۔ کیرتی ورمن دو تین سال تک حکومت کرتا رہا لیکن جیسا کہ بعد کے کتبوں سے پتہ

چلتا ہے؟ اس کے عہد حکومت چالوکیوں کی راجیہ شری (شہنشاہیت) اس زمین سے غائب ہوگئی۔

جہاں تک نندی ورمن دوئم کے عہد حکومت کا تعلق ہے اس نے گنگ سلطنت پر چڑھائی کردی۔ شری پرش کو شکست دی۔ اسے کافی دولت دینا پڑی اور وہ ہار جس میں بیش قیمت جواہر "اگرا ووے" جڑا ہوا تھا واپس کرنے پر مجبور کیا۔ اس کا کچھ علاقہ بھی لے لیا جسے اس نے اپنے ہاں کے جاگیردار اجے نندی ورمن کو دے دیا۔ نندی ورمن نے پانڈیہ بادشاہ راج سنگھ اول کے بڑے لڑکے اور جانشین قاتل پرانتک نیڈنجڈین عرف ورگن مہاراجا اول (815-765) سے بھی جنگ کی۔ پلوؤں کی فوج کو دریائے کاویری کے جنوبی کنارے پر واقع پنیاگڈم مقام پر (767ء) شکست اٹھانا پڑی۔

پلوملی نے پانڈیہ راج کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کے لیے اس کے خلاف سرداروں کا جتھا بنالیا۔ اس نے کونگو، کیرل، اور تگدور (دھرم پوری) کے ادی گئی مان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کیے۔ لیکن پانڈیہ بادشاہ اس متحد طاقت کا مقابلہ کرسکتا تھا۔ اسے متعدد جنگوں میں کامیابی حاصل ہوئی۔ ادی گئی مان بھاگنے پر مجبور ہوگیا۔ مغربی کونگو کے راجہ کو اس کے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا اور قیدی بنا کر مدورا بھیج دیا گیا۔ کونگو کا پورا علاقہ پانڈیہ سلطنت میں شامل کرلیا گیا۔ دوران جنگ وہ پلوؤں کی سلطنت میں بہت دور تک داخل ہوگیا اور اپنا کیمپ تنجور کے عین وسط میں بمقام اڈاوی لگالیا۔ اس طرح جو جتھا اس کے خلاف بنایا گیا تھا وہ ختم کردیا گیا۔ نندی ورمن پانڈیوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکنے میں ناکامیاب رہا۔

ورگن اول کو اور بھی کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ اس نے جنوبی ٹراونکور میں واقع ویناڈ پر چڑھائی کی، ویلنم کے مستحکم قلعے پر حملہ کیا اور اس علاقے کو اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔ اس کے درمیانی پہاڑی علاقے کے سردار آئے بھی چڑھائی کی کیونکہ وہ شاید ویناڈ کے حکمراں کا دوست تھا۔ ان لڑائیوں میں کامیابی حاصل ہوجانے کی بنا پر پانڈیہ سلطنت ترو چیراپلی سے آگے تنجور سلیم اور کوائمبٹور کے اضلاع کے علاوہ پورے جنوبی علاقہ میں قائم ہوگئی۔ سلطنت کی توسیع کا کام اس کے لڑکے اور جانشین شری مارشری ولبھ (862-815) کے زمانہ حکومت میں بھی جاری رہا۔ شری مار شری ولبھ نے سین اول کے عہد حکومت میں (51-831) سنہلی لنکا پر چڑھائی کی اور اس کے شمالی صوبہ کو تہس نہس کرڈالا۔ اور دارالسلطنت کو لوٹا۔ سین اول نے شری ولبھ کے ساتھ صلح کرلی۔ اسے شری ولبھ کے شرائط صلح تسلیم کرنا پڑے۔ پانڈیہ فوجیں

جنوب سے واپس آ گئیں۔ اس کے بعد شہری دالبہ کو ان اتحادیوں کا مقابلہ کرنا پڑا جنھیں پلووں نے اس کے خلاف متحد کیا تھا۔ اس کے بعد پلووں کی تاریخ پر غور کرنا ضروری ہے۔

ورگن کے خلاف اپنے منصوبوں کی ناکامیابی کے بعد نندی ورمن پلومل 796ء تک حکومت کرتا رہا۔ پلومل وشنو کا پجاری اور بڑا ادب نواز تھا۔ اس نے پرانے مندروں کی مرمت کرائی اور نئے مندر تعمیر کرائے۔ کانچی پورم کا ویکنٹھ پیرومال کا مندر بھی ان ہی مندروں میں شامل ہے۔ اس مندر کے منقش تختے میں پلومل کی تخت نشینی کے واقعات درج ہیں۔ وشنو دھرم کا عظیم سنت ترومنگئی الوار اس کا ہم عصر تھا۔

نندی ورمن کے بعد اس کا لڑکا دنتی ورمن (796-847) گدی پر بیٹھا۔ ورگن اول اور شیرلاڑ کے تحت چونکہ پانڈیہ سلطنت کی شمال تک توسیع ہوئی اس لیے دنتی ورمن کو جنوب میں کافی علاقے سے ہاتھ دھونا پڑا۔ شمال میں نئے راشٹرکوٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اب اس موقع پر راشٹرکوٹوں کی تاریخ پر غور کرنا ضروری ہے۔

دنتی درگ لاولد مر گیا۔ اس کے بعد تقریباً 756ء میں اس کا چچا کرشن اول تخت پر بیٹھا۔ اس نے چالوکیوں کی طاقت کو بالکل ختم کر لیا اور اپنی نئی سلطنت کی چاروں جانب توسیع کی۔ اس نے جنوبی کوکن فتح کر لیا اور اس جگہ اپنے جاگیردار کی حیثیت سے شیلار خاندان قایم کیا اس نے گنگ علاقہ پر بھی حملہ کیا اور شری پرش کو 768ء میں شکست دے کر اپنی شہنشاہیت تسلیم کرنے پر مجبور کیا۔ مشرقی چالوکیوں کی ریاست وینگی کے خلاف اس نے اپنے ولیعہد گووند دوئم کے زیر کمان فوج روانہ کی۔ وینگی کے چالوکیہ حکمراں وجے دتیہ اول نے (752-53) بغیر جنگ کیے ہوئے ہی راشٹرکوٹوں کی اطاعت تسلیم کر لی۔ (769 - 70)۔ کرشن اول نے ایلورا کا مشہور کیلاش مندر بنوایا۔ اس کے بعد گووند دوئم کسی وقت 772 سے 775 کے درمیان تخت پر بیٹھا۔ گووند نے 777 - 78 میں نندی ورمن پلو کے ساتھ شریک ہو کر سری پُرش کے لڑکے شومار دوئم لو اس کے بھائی دُگ مارا یری یپا کے خلاف گنگ تخت کے حاصل کرنے میں مدد دی۔ گووند ایک آرام طلب بادشاہ تھا۔ چنانچہ اس کے چھوٹے بھائی دھرو نے تخت حاصل کرنے کے لیے سازش کی۔ گووند نے پلو، گنگ، وینگی اور مالوہ کے حکمرانوں سے امداد چاہی لیکن دھرو سب کو شکست دے کر بادشاہ بن بیٹھا۔ گووند نے کس طرح اپنی زندگی کو ختم کیا اس کے بارے میں کوئی واقفیت نہیں ہے۔ دھرو کی تاجپوشی تقریباً 780

میں ہوئی۔ تاجپوشی کے بعد اس کا پہلا کام گووند کے حلیفوں کو سزا دینا تھا۔ اس نے شومار دوئم کو پکڑ کر قیدی بنا لیا اور پلو مل سے خراج کے طور پر ہاتھی قبول کیے (84-783ء) اس نے کوہ وندھیاچل کو عبور کر کے مالوہ کے گرجر راجہ ونس راج کو ریگستان کی طرف بھگا دیا۔ اس کے بعد دھرو نے وینگی کی جانب قدم بڑھائے۔ وینگی کے حکمراں وشنو وردھن چہارم کو کچھ علاقے اور اپنی بیٹی شیل مہادیوی کی دھرو کے ساتھ شادی کر کے صلح کی قیمت ادا کرنا پڑی۔ مالوہ کی فتح کے بعد دھرو نے گنگا اور جمنا کے دوآب کے علاقے پر حملہ کیا۔ بنگال کے حکمراں دھرم پال نے اس کا مقابلہ کیا لیکن وہ ہار گیا۔ اس نے اپنی حکومت کے آخری دنوں میں اپنے سب سے قابل لڑکے گووند سوئم کے حق میں تخت چھوڑ دیا اور اسے بادشاہ بنایا۔ دھرو کی (94-793) وفات کے فوراً بعد سلطنت میں بے چینی پھیل گئی اور گووند دوئم کو اپنے ان بھائیوں سے جنھیں وراثت سے محروم کر دیا گیا تھا بالخصوص سب سے بڑے بھائی کمبھ کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ گووند نے اس خیال سے کہ شومار دوئم اس کی مدد کرے گا اسے قید سے رہا کر دیا لیکن خلاف امید شومار نے کمبھ کا ساتھ دیا۔ گووند نے تنہا بارہ سرداروں کے متحدہ جتھے کو شکست دی۔ اس فتحیابی کے بعد بھی گووند نے لوگوں کے ساتھ رحم دلی کا برتاؤ کیا۔ اس نے کمبھ کو بھی گنگواڑی کے وائسرائے کی حیثیت سے دوبارہ مقرر کیا۔ اپنے چھوٹے بھائی اندر کو جس نے اس کا ساتھ دیا تھا لاٹ کا وائسرائے مقرر کیا۔ شومار دوئم کو دوبارہ قید کر لیا گیا۔ مقامی مخالفین کو ختم کرنے کے بعد گووند ایک بڑی فوج کے ساتھ شمالی ہندوستان کی جانب روانہ ہوا۔ اس نے مالوہ کے گرجر حکمراں ناگ بھٹ دوئم اور اس کے حلیف چندر گپت (اس بارے میں کوئی واقفیت نہیں ہے) کو شکست فاش دی۔ مالوہ کو لاٹ میں شامل کر دیا گیا۔ گووند شمال میں اور آگے بڑھا اور قنوج کے راجہ چکر آیدھ اور اس کے محافظ دھرم پال نے گووند کی اطاعت قبول کر لی۔ شمالی مہم سے واپسی پر اس نے دریائے نرمدا کے کنارے واقع شری بھون میں اپنا کیمپ لگایا۔ یہیں اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جو آگے چل کر اموگھ ورش اوّل ہوا۔ شری بھون سے وہ تیزی کے ساتھ دکن پار کرتے ہوئے پلوؤں کے دیش پر حملہ آور ہوا۔ (-803 804) اس نے دنتی ورمن کو شکست دی۔ اس کے دارالسلطنت کانچی میں داخل ہوا۔ یہاں وہ شری لنکا کے سفیر سے ملا جس کے ذریعہ اسے شری لنکا کے حکمراں کی اطاعت قبول کرنے کا پیغام ملا۔ اس کے بعد گووند تنگ بھدرا ندی کے کنارے چلا آیا اور رامیشور برتھ مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ وینگی کا حکمراں وشنو وردھن چہارم اور اس کا جانشین وجے ویہ دوئم (808) بھی گووند کی طاقت سے

مرعوب ہو گئے۔ وجے دیتہ بڑا جنگ جو تھا، اور اسے نریندر مرگ راج (بادشاہوں میں شیر) کا لقب حاصل تھا۔ وینگی کے تخت کے لیے اس نے سوتیلے بھائی بھیم سلوکی کے حق کی تائید کرنا گووند سویم کے لیے مصیبت بن گیا۔ گووند سویم اس خاندان کا عظیم ترین حکمراں تھا۔ اس کی کامیابیوں کو دیکھتے ہوئے اس کے درباری شعرا کا یہ دعوا صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح کرشن کی پیدائش کے بعد یادوؤں پر حملہ نہیں کیا جاسکتا تھا اسی طرح گووند سویم کی پیدائش کے بعد راشٹر کوٹ بھی ناقابل تسخیر بن گئے تھے۔

جنوب بعید کے معاملات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پلّو حکمراں دنتی ورمن اپنے طویل عہد حکومت میں جنوب کی جانب سے پانڈیوں کے حملہ کو روکنے اور شمال میں راشٹر کوٹوں کے خلاف اپنی حالت برقرار رکھنے میں ناکامیاب رہا۔ اس کی حکومت کے اکیسویں سال سے 49ویں سال تک کی درمیانی مدت میں ایک بھی کتبہ نہیں ہے اور پانڈیوں کی تانبے کی تختی جو ابھی حال میں دریافت ہوئی ہے اس کے مطابق یہ ممکن ہے کہ پوتاپی خاندان کے تیلوگو چول حکمراں شری کنٹھ کی حکومت میں تونڈی منڈلم شامل کر لیا گیا۔ شری کنٹھ پلّووں کے خلاف سازش میں پانڈیوں سے ملا ہوا تھا اور اس کی بیٹی اگلنی متی شری بمار شری ولبھ کی ملکہ تھی جس نے اس کے دوسرے لڑکے پرانتک دیرنارائن کو جنم دیا تھا۔

دنتی ورمن کے بعد اس کا لڑکا نندی ورمن سویم (69-846) میں تخت نشین ہوا۔ وہ اپنے والد کے مقابلے میں زیادہ قابل حکمراں تھا۔ اپنے والد کی حکومت کے آخری سالوں میں اس نے اپنے ہم عصر پانڈیہ حکمراں شری بمار شری ولبھ اور اس کے خسر شری کنٹھ کے خلاف کئی سرداروں کا ایک جتھا منظم کیا اور انھیں شمالی ارکاٹ ضلع کے وانڈی واش تعلقہ میں تیلرو مقام پر شکست دی۔ اس لڑائی میں گنگ، تامل کے چول اور یہاں تک کہ راشٹر کوٹ بھی نندی ورمن کے ساتھ تھے۔ لڑائی کے میدان کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ پانڈیوں کا حملہ کہاں تک پہنچ چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نندی ورمن کو دوسرے راجاؤں کی امداد حاصل کرنا آسان ہو گیا تھا۔ تیلرو کی لڑائی نے واقعات کا رخ ہی بدل دیا۔ اُسے "تیلارند" کا خطاب حاصل ہو گیا۔ نندی ورمن کو اس کے بعد بھی کئی لڑائیوں میں کامیابی حاصل ہوئی جس کی بنا پر پانڈیہ فوجوں کو اپنے ملک میں واپس ہونا پڑا۔ اور پلّو فوجیں بہت تیزی سے بڑھتی ہوئی پانڈیہ سلطنت کے وسط میں بہتی ہوئی ویگئی ندی کے کنارے تک پہنچ گئیں۔

شری مار نے بعد میں اپنے کھوئے ہوئے وقار کو دوبارہ حاصل کر لیا اور تقریباً 809ء میں نندی ورمن اور اس کے سرداروں کے جتھے کو کمب کو ٹم کے نزدیک ایک لڑائی میں ہرا دیا۔

نندی ورمن سویم حقیقی معنی میں اتنا عظیم حکمراں تھا کہ اس شکست سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اس نے پلوؤں کے اقتدار کو دوبارہ قایم ہی نہیں کیا بلکہ اس نے ادب اور فنون کی فراخدلی کے ساتھ سرپرستی بھی کی۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُس کے پاس ایک جہازی بیڑا بھی تھا۔ سیام (تھائی لینڈ) میں خلیج کے سامنے کنارے پر تکوا پا مقام پر تامل زبان کے ایک کتبے سے اُس کے سمندر پار تعلقات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کتبے میں ایک وشنو مندر اور اَونی نارانم نام کے ایک تالاب کا ذکر ہے۔ تالاب کا نام اس کے خطاب پر رکھا گیا تھا۔ نندی ورمن کے بعد اس کا لڑکا نرپ تنگ تخت پر بیٹھا۔ یہ تقریباً 860 میں ولی عہد مقرر کیا گیا تھا۔ اس کی ماں راشٹر کوٹ کی شہزادی سانکھا تھی۔ نندی ورمن کی دوسری بیویوں سے دو اور لڑکے تھے۔ ان کے نام اپراجیت اور کمپ ورمن تھے۔ تخت نشینی کے فوراً بعد نرپ تنگ نے اری شل ندی کے کنارے ایک لڑائی میں پانڈیوں کو بری طرح شکست دے کر اپنے والد کی کمب کوٹم کی شکست کا بدلہ لیا۔ اری شل کاویری ندی کی ایک شاخ ہے جو کاریکل میں جاکر سمندر سے ملتی ہے۔

اری شل ندی کے کنارے شری مار کی شکست بہرکیف کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس نے اپنی جارحانہ تحریکوں کی بنا پر پرے چکر کولاحل (دشمنوں کی امیدوں کو خاک میں ملانے والا) کا لقب حاصل کیا تھا۔ لیکن اُس کی ان تحریکوں کی بنا پر اس کے ہمسائے اپنا دشمن سمجھنے لگے تھے۔ شری لنکا کے حکمران سین اول کے بھتیجے سین دویم (55-851) نے پلوؤں اور پانڈیہ کے ایک شہزادے کے ساتھ دوستی کر لی تھی۔ یہ شہزادہ غالباً شری مار کا لڑکا تھا۔ اس کے سوتیلے بھائی ویرنارائن کو ولیعہد بنانے وقت اس کی حق تلفی کی گئی تھی۔ (860) اری شل کی لڑائی کے دوران ہی سین نے مدورا پر چڑھائی کرنے کی غرض سے فوج روانہ کی تھی۔ اس مہم میں اسے کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ دارالسلطنت کو خوب لوٹا گیا۔ شری مار اپنے زخموں کی تاب نہ لاکر مر گیا۔ اس کے لڑکے ورگن ورمن دویم کو سنہالی سپہ سالار نے 862ء میں تخت نشین کرایا۔ ورگن دویم کو نرپ تنگ کی اطاعت قبول کرنا پڑی۔

راشٹر کوٹ سلطنت میں گووند سویم کے بعد اس کا نابالغ لڑکا اموگھ ورش تخت نشین ہوا (814) اسے نرپ تنگ بھی کہتے تھے۔ کمسن راجہ کی حکومت کے ابتدائی برس مصیبتوں سے

بھرے ہوئے تھے۔ سرکاری عہدے داروں نے بغاوت کر دی تھی۔ باغیوں کو مشرقی چالوکیہ حکمراں وجے دتیہ دوئم اور گنگ راجہ راج مل اوّل کی مدد بھی حاصل تھی۔ اموگھ ورش کو اپنے چچازاد بھائی لاٹ کے کرک کی حمایت حاصل ہو گئی۔ وہ اموگھ ورش کا محافظ ثابت ہوا۔ بغاوت کو دبا دیا گیا اور 821 سے قبل اموگھ ورش کو اپنے تخت کے سلسلہ میں کوئی خطرہ باقی نہ رہا۔ اس کے 66 سالہ طویل دورِ حکومت میں ایسا وقت کبھی نہیں آیا جب یہ کہا جا سکتا کہ اس کی وسیع سلطنت میں امن و امان قایم رہا ہو۔ تقریباً 850ء میں مشرقی چالوکیوں کے ساتھ اس وقت دوبارہ جنگ چھڑ گئی جب وجے دیتہ دوئم کے پوتے گنگ وجے دیتہ سوئم نے جو اس خاندان کا قابل ترین بادشاہ تھا راشٹرکوٹوں سے وینگی سلطنت کو آزاد کرانے کی زبردست کوشش کی۔ اموگھ ورش نے ضلع کرنول میں واقع اسمنہ پری رکم بھم اکے نزدیگ ونگاولی کی تونبیں جنگ میں فتح حاصل کی اس جنگ کے بعد گناگ وجے دیتہ نے اطاعت قبول کر لی۔ اور اموگھ ورش کا تازیست وفادار رہا۔ اس کے فوراً بعد راج مل اوّل کے لڑکے رن وکرم (70 - 837، اور گنگ راجہ ایرا پہ نے جو نیتی مارگ کے نام سے بھی مشہور ہے بغاوت کر دی اور دوسرے سردار بھی اس بغاوت میں شامل رہے۔ اموگھ ورش کے سپہ سالار بنکیش نے ان سب کا کامیابی کے ساتھ سامنا کیا لیکن قبل اس کے کہ وہ کام پورا کرتا اموگھ ورش نے اسے دارالسلطنت میں بلا لیا جہاں بدامنی پیدا ہو گئی تھی۔ اس بدامنی میں خود ولیعہد کرشن، لاٹ کا حکمراں کرک کا لڑکا دھرواوّل بھی شامل تھا۔ یہ کرک وہی تھا جس نے اس سے پہلے اموگھ ورش کا پوری قابلیت کے ساتھ تحفظ کیا تھا۔ بنکیش نے لڑائی میں دھرواوّل کو مار ڈالا اور اس کے لڑکے اکال ورش اور پوتے دھرو دوئم کے خلاف لڑائی جاری رکھی۔ دھرو دوئم کو گرجر حکمراں مہر بھوج کے پیچھے سے حملہ کر دینے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور خود اس کے عزیز اس کے مخالف ہو گئے تھے۔ ایسی حالت میں اس نے اسی میں عقلمندی سمجھی کہ وہ اموگھ ورش کے ساتھ اپنا جھگڑا طے کر لے (860 ، اس طرح وہ گرجر حکمراں اور اپنے مخالف رشتہ داروں کی چالوں کا انسداد کرنے کے قابل ہو گیا۔ چنانچہ 867 میں ہم ایک بار پھر اسے اپنے تخت پر محفوظ پاتے ہیں۔

بنکیش کے واپس بلائے جانے پر گنگ ریاست میں باغیوں کے خلاف جنگ جاری رکھنے کی ذمہ داری گناگ وجے دیتہ کے سپرد کی گئی چونکہ نولمب کا حکمراں نولمب ادھیراج جسے مانگی بھی کہتے تھے بغاوت میں شامل ہو گیا تھا اس لیے گناگ وجے دیتہ نے اس پر حملہ کر دیا۔ مانگی لڑائی میں مارا گیا اور اس طرح گنگا واڑی کا راستہ صاف ہو گیا۔ اس کے بعد گنگ فوج

کو مار بھگایا گیا اور نیتی مارگ صلح کرنے پر مجبور ہو گیا

اموگھ ورش طبیعتاً دیندار تھا اور جنگ کی بہ نسبت ادب سے دلی لگاؤ رکھتا تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کئی مرتبہ جین سادھوؤں کی صحبت میں وقت گذارنے کے لیے دربار چھوڑ کر چلا گیا تھا لیکن اس میں شک ہے کہ اس نے کبھی ہندو مذہب کو ترک کیا۔ جین دھرم کے مذہبی اصولوں پر ایک سوال و جواب نامہ پرشن اُتر رتن مالکا اس سے منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ خود ایک مصنف تھا اور مصنفین کی فراخ دلی کے ساتھ سرپرستی بھی کرتا تھا۔ وہ مانیہ کھیت شہر کی تعمیر کے لیے بھی مشہور ہے جسے وہ اندر دیوتا کی نگری سے بھی زیادہ خوبصورت بنانا چاہتا تھا۔ اس کا محل خوبصورت کاری گری کے نمونوں سے بھرا پڑا تھا۔ محل میں شہزادیوں کے رہنے کے لیے ایک وسیع کمرہ اور ایک تالاب بھی تھا۔ اموگھ ورش کے بعد کرشن دوئم (880) میں تخت نشین ہوا۔

چیر دیش کی تاریخ اس زمانہ میں مبہم ہے۔ ملک بظاہر پیرومال بادشاہوں کے زیر سایہ رہا۔ اگرچہ مختلف شاہی خاندانوں کے حکمراں اس امر کا دعوا کرتے ہیں کہ انھوں نے اس مدت میں کیرل کو لوٹا اور برباد کیا لیکن یہ دعوے مبہم ہیں اور ان کی تائید کے لیے ٹھوس ثبوت نہیں ملتے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ پلو نرسنگھ ورمن اوّل اور پانڈیہ حکمراں شیئن ڈن دونوں نے چیروں پر فتح یابی کا دعوا کیا تھا۔ نندی ورمن دوئم پلو مل نے اپنے ہم عصر پانڈیہ حکمراں ورگن اوّل کے خلاف کیرل کے حکمراں سے دوستی کرلی تھی۔ پلووں کے دوسرے حکمراں مثلاً سنگھ وشنو ورمن اور نندی ورمن سوئم بھی کیرل پر اپنی حکمرانی کا دعوا کرتے تھے۔ چیر دیش اور پلو دربار کے ساتھ ثقافتی رابطے کی بہ خوبی تصدیق ہوتی ہے۔ مہیندر ورمن کا ڈرامہ مت ولاس مالابار کے پشتینی ڈرامہ کرنے والے چاکیار لوگوں کا سب سے پسندیدہ ڈرامہ تھا۔ ڈنڈین نے اپنی کتاب اونتی سندری کتھا سار میں کیرل کے بارے میں اچھی واقفیت کا اظہار کیا ہے اور کیرل کے کئی فاضل براہمنوں کا ذکر کیا ہے جو اس زمانہ میں کانچی آتے تھے جب وہ پلووں کے شاہی دربار میں موجود تھا۔ پانڈیہ حکمرانوں میں شیئن ڈن کے علاوہ قریب قریب ہر حکمراں چیر کے خلاف جنگ میں اپنی کامیابی کا دعوا کرتا ہے۔ بادامی کے چالوکیہ حکمرانوں میں پُل کیشن دوئم، وکرمادیتہ اوّل، وکرمادیتہ دوئم اور کیرتی ورمن دوئم اور راشٹر کوٹوں کے حکمراں دنتی درگ، گووند دوئم اور کرشن سوئم بھی اسی طرح اپنی اپنی کامیابی کا دعوا کرتے ہیں۔

اس عہد کے متاخرین بادشاہوں میں چیرمان پیرومال سب سے آخری اور مشہور حکمراں تھا۔ یہ آٹھویں صدی کے اخیر میں یا نویں صدی کے شروع میں ہوا ہوگا۔ اس کی تاریخ زیادہ تر روایتوں سے

بھری ہوئی ہے۔ ہم اس کے اسلام مذہب قبول کرنے اور حج کے لیے مکّہ جانے کی واقفیت پر شبہ کر سکتے ہیں۔ وہ بہت دن دار ہوگا کیونکہ مسلمانوں کے علاوہ جینی، عیسائی اور شو دھرم کے ماننے والے بھی اسے اپنے فرقہ کا ہی سمجھتے تھے۔ شو روایت کے مطابق اس کے سندر مورتی کے ساتھ تعلقات پر بعد میں روشنی ڈالی جائے گی ممکن ہو سکتا ہے کہ اس نے دنیا ترک کر دی ہو اور دنیا سے کنارہ کشی کرنے سے پہلے اس نے اپنی سلطنت کو اپنے عزیزوں اور تابعداروں میں تقسیم بھی کر دیا ہو۔ وہ تقریباً 825 میں کسی طرح غائب ہو جاتا ہے۔ اس واقعہ سے کولم دور میں ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف امکانات بھی پیش کیے گئے ہیں مثلاً یہ کہ یہ دور کیرل کی تقسیم یا اس ملک پر شنکراچاریہ کے مذہبی نسخے لادے جانے یا کولم (کوئلن) میں یہودی سوداگروں کی بستی کے قیام کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں ابھی تک کوئی بات قطعی طور پر نہیں طے کی جا سکی ہے۔ کتبوں میں اس طرح کے ذکر ملتے ہیں جس سے کولم کے عروج اور زوال کا تعلق اس عہد سے قائم کیا جاتا ہے۔

اس عہد کی تاریخ ختم کرنے سے قبل ہمیں اس بات پر غور کر لینا چاہیے کہ کلنگ پر ہمیشہ مشرقی گنگ خاندان کی حکومت رہی۔ اگرچہ ان کے اور میسور کے گنگ خاندان کے نام میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن اس دور میں میسور کے خاندان کے ساتھ ان کا بظاہر کوئی تعلق نہیں ہے۔ مشرقی گنگ خاندان کے حکمرانوں نے اپنے کتبوں میں اپنا ہی سموت (دور) دیا جو 498 سے شروع ہوتا ہے۔ بیرونی حکومتوں سے ان کے تعلقات بہت کم تھے۔ اگرچہ وشنوکندینوں اور ان کے وارثین مشرقی چالوکیوں کے تحت جنوب میں تیلوگو کی سیاست اکثر ان کی توجہ اپنی جانب زبردستی مبذول کراتی تھی۔ انھوں نے جب پل کیشن دوئم نے دکن پر حملہ کیا تو 620ء میں اس کی اطاعت قبول کر لی۔ اور بعد میں شاید راشٹرکوٹ حکمراں دنتی درگ کی بھی 750ء میں اطاعت قبول کر لی تھی۔ ان کے عطیات کی دستاویزیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عام طور پر امن پسند تھے۔ انھوں نے نہ کسی ہمسایہ کو پریشان کیا اور نہ کسی ہمسایہ نے انھیں تنگ کیا۔

اس زمانہ میں طرزِ حکومت کا نقشہ پیش کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ قدیم زمانہ میں سیاسی اداروں سے متعلق ہندوستانی نظریہ کی بعض بنیادی خصوصیات بھی بتا دی جائیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ عوام بہت کم باتوں کے لیے حکومت کا سہارا تلاش کرتے تھے۔ راجہ سے امید کی جاتی تھی کہ وہ مروجہ معاشرتی نظام برقرار رکھے گا اور اندرونی خلفشار اور بیرونی حملہ سے ملک کا تحفظ کرے گا۔ اس کے بدلے عوام سے ٹیکس اور پیداوار کا ⅙ حصہ وصول کرے گا۔ معاشرتی نظام

کی جڑیں کہیں اور شردتی، اسمرتی اور اچار میں تھیں - عوام کی مختلف معاشرتی، اقتصادی اور مذہبی باتوں پر حکمراں کا بہت کم کنٹرول رہتا ۔ انصاف کے خیال سے راجہ صرف اس وقت اُن کے معاملات میں دخل دیتا تھا جب اس کے روبرو یا اس کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا جاتا تھا۔ عوام کی روزمرّہ کی زندگی کی باتوں کی دیکھ بھال بے شمار خود مختار جماعتیں اور انجمنیں کرتی تھیں جو ذات پات، پیشہ، مذہبی اعتقادات اور مقامی حیثیت سے ایک دوسرے سے وابستہ ہوتی تھیں - یہ جماعتیں عام طور پر پرانے رسم ورواج کی پابند تھیں - لیکن ضرورت واقع ہونے پر جدید طریقے اپنانے میں دریغ نہیں کرتی تھیں - ہر جماعت اپنا ایک دستور العمل رکھتی تھی۔ جسے جماعت کے اراکین بخوبی سمجھتے تھے۔ نئے حالات کا سامنا کرنے کے پیشِ نظر دستور العمل کافی لچکدار ہوتا تھا۔ ایک عام مجلس ہوتی تھی جس کا اجلاس سال بھر میں ایک بار کسی تہوار یا جشن کے موقعہ کے علاوہ شاید ہی کبھی ہوتا تھا۔ ایک مجلس انتظامیہ ہوتی بھی جو خود روزمرّہ کے کام کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ مجلس انتظامیہ کے اراکین کا انتخاب قرعہ اندازی کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔ صرف مجوزہ استعداد رکھنے والے لوگ ہی منتخب کیے جا سکتے تھے۔ کثرت رائے سے فیصلہ کرنے کے طریقے سے لوگ واقف تھے۔ لیکن عام طور پر یہی مقصد پیش نظر رہتا تھا کہ مختلف مفاد اور نظریہ کے لوگوں کو موافق بنا کر کسی مخالفت کے بغیر مکمل فیصلہ کر لیا جائے ۔ سوداگروں کی انجمنیں جیسے ناناد یشی، منی گرام اور دست کاروں اور کاریگروں اور سامان تیار کرنے والے مثلاً ٹھٹیرے، تیل پیرنے والے، جولاہے، طلبا، سنیاسی، مندروں کے ملازم اور پروہتوں وغیرہ کی پانچسو انجمنیں (آیادول) حکومت کے نظم ونسق سے قریب قریب خود مختار رہ کر اپنا کام کرتی تھیں۔

دوسرے سماج کے تحفظ کی ذمّے داری اصولاً ایک مخصوص طبقے چھتریوں پر تھی۔ ایسے لوگوں کو بھی حکمراں کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جاتا تھا جو کسی خاص علاقے کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے خود کو اہل سمجھتے تھے اور کسی کام کے انجام دینے میں پس وپیش نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ہر کامیاب جانباز حکمراں بن جاتا تھا۔ اور اگر وہ اپنے دربار میں فیاضی سے پیش آتا، علوم وفنون کی سرپرستی کرتا، اپنے اور اپنے خاندان کے وقار کے لیے سفرا سے مدح سرائی (بھرے شتیساں) کرواتا تو ایسے حکمراں کو شریف سمجھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر راجہ کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنے اقتدار میں اضافہ کرے۔ اسے تسخیر پسند ہونا پڑتا تھا۔ اس اعلا مقصد کو عام طور پر تسلیم کر لینے کی بنا پر اکثر لڑائیاں اور ٹکراؤ ہوتے رہتے تھے۔ جن کی بنا پر ملوث طاقتوں کے اقتدار میں تغیر بھی

ہوتا رہتا تھا۔ اخیر میں ان دونوں باتوں کی بنا پر سیاسی تبدیلیوں کا ہندوستان میں سماج کے ڈھانچہ اور تہذیب پر دوسرے مقامات کی طرح کوئی نمایاں اثر نہیں پڑتا تھا۔ کسی سلطنت کے قیام اور اس کی مسلسل خوش حالی کا مطلب ادب اور فنون کی ترقی کے سلسلہ میں کوشش اور کامیابی تھا۔

خود مختار اور خود کفیل گاؤں میں ایک ایسی منظم تنظیم تھی جو زندگی اور روایتوں کو برقرار رکھتی تھی اور سیاسی انقلابات کے طوفان اور شورش کے درمیان بھی سماج کو متحد رکھتی تھی۔ گاؤں ریاست کی ابتدائی اکائی ہوتا تھا۔ اس کے اداروں کی زندگی کی تصدیق ان بے شمار کتبوں سے ہوتی ہے جو ملک کے ہر گوشے میں پائے جاتے ہیں۔ عام طور پر ایک گاؤں میں کئی خاندان ہوتے تھے۔ ہر خاندان کے پاس رہنے کے لیے اپنا مکان ہوتا تھا اور وہ قابل کاشت آراضی کے ایک حصہ کا مالک ہوتا تھا۔ اجتماعی حقوق کے تحت وہ گاؤں کی اوسرزمین پر اپنے مویشی چرا سکتا تھا اور گاؤں کے اردگرد واقع جنگل سے جلانے کے لیے لکڑی اکٹھا کر سکتا تھا۔ پتوؤں کے ایک عطیے کی دستاویز سے پتہ چلتا ہے کہ ایک گاؤں میں کچھ اراضی راجہ کی ملکیت ہوتی تھی۔ یہ بالواسطہ اس نظریہ کی مخالفت کرتا ہے جس کے تحت کہا جاتا ہے کہ قدیم ہندوستان میں حکمراں تمام زمین کا مالک ہوتا تھا۔ گاؤں کی سرحد اور ہر کاشت کار کی آراضی کی تفصیل احتیاط کے ساتھ رکھی جاتی تھی۔ گاؤں سبھا وقتاً فوقتاً اپنا اجلاس کرتی تھی جس میں عام مفاد کے مسائل پر غور کیا جاتا تھا۔ متنازع معاملات کا تصفیہ اور انصاف کیا جاتا تھا۔ دیہی انتظام کی ہر جگہ ابتدا ہی کمزور اور آزمائشی صورت رہی ہے لیکن بعد میں اس نے کمیٹیوں اور سرکاری اہلکاروں کی پیچیدہ مشینری کی شکل اختیار کر لی جس کا ذکر ہم دسویں اور گیارھویں صدی کے چول کتبوں میں پاتے ہیں۔ اس ارتقا کے لیے تامل دیش بقیہ جنوبی ہندوستان کے نسبتاً زیادہ ترقی پذیر رہا ہے۔ ہر گاؤں کا ایک مکھیا ہوتا تھا جسے مختلف مقامات پر منند، کیلان اور گرام بھوجک وغیرہ نام سے پکارا جاتا تھا۔ مکھیا گاؤں کا لیڈر ہوتا تھا اور حکومت کے ساتھ مصالحت کرنے والا بھی ہوتا تھا۔ اس کا تقرر کس طرح کیا جاتا تھا اور آیا یہ عہدہ موروثی ہوتا تھا یا نہیں اس کے بارے میں کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا جا سکا ہے۔ اس کتبے ہیں گاؤں کے مکھیا اور گاؤں سبھا کے علاوہ گاؤں کے دوسرے بزرگوں کا بالخصوص ذکر کیا گیا ہے۔

تامل کتبوں میں آٹھویں اور نویں صدی سے تین طرح کی گاؤں سبھاؤں کا پتہ چلتا ہے۔ جنھیں اُر، سبھا اور نگرم کہا جاتا تھا۔ اُر ایک عام سبھا ہوتی تھی جس میں گاؤں کے ہر طبقے کا افراد جن کے پاس گاؤں میں آراضی ہوتی تھی شامل ہوتے تھے۔ سبھا مخصوص طور پر گاؤں کے براہمنوں کی ہوتی

تھی۔ ایسے گاؤں جو عطیے کے طور پر براہمنوں کو دیے گئے تھے اور صرف براہمن ہی گاؤں کی کل آراضی کے مالک ہوتے تھے۔ اُن مقامات پر براہمنوں کی ہی مجلس تھی۔ ان مقامات کی جہاں تاجروں اور دُکان داروں کی آبادی زیادہ ہوتی تھی مجلس کو نگرم کہا جاتا تھا۔ ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جہاں ایک مقام پر مختلف مجالس پہلو بہ پہلو ہوتی تھیں۔ یہ مختلف مجالس اور دوسری مقامی انجمنیں ضرورت واقع ہونے پر آپس میں مشورہ کرتی تھیں اور یہ عام اصول تھا کہ کسی معاملہ میں فیصلہ کرنے سے پہلے متعلقہ مفاد کی رائے حاصل کر لی جاتی تھی۔ گاؤں کی مجلس آب پاشی کے حقوق منضبط کرتی تھی خیراتی اوقاف کا انتظام کرتی تھی، تالاب اور سڑکیں قایم رکھتی تھی۔ مندروں کے معاملات کا یا تو براہ راست انتظام کیا جاتا تھا۔ یا انتظامی افسروں اور کمیٹیوں کے ذریعے جو گاؤں کی مجلس کے ماتحت ہوتی تھیں انتظام کیا جاتا تھا۔ گاؤں سبھا اپنے طریق کار کے لیے خود قواعد وضع کرتی تھی۔

ہمیں دکن میں گاؤں کے مہاجنوں کے بارے میں کافی حوالے ملتے ہیں۔ ان مہاجنوں پر گاؤں کے مکھیا کی قیادت میں مقامی انتظام کی ذمہ داری ہوتی تھی۔ تامل دیش کے زیادہ مختار شہروں کے بہ نسبت یہاں سرکاری اہلکار گرام سبھا کے کام میں زیادہ قربت رکھتے تھے۔

سرکاری ملازمین گاؤں میں تا وقتیکہ اسے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہو، کھود کر نمک نکالنے شکر تیار کرنے یا مجرموں کو گرفتار کرنے کے لیے آ سکتے تھے۔ گاؤں والوں کو دورہ کرنے والے سرکاری افسر کے لیے قیام گاہ، بستر، پکے چاول، دودھ دہی، گھاس، ایندھن، ہری سبزی اور سواری کے لیے بیل گاڑی کا انتظام کرنا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ مخصوص امورِ عامہ کے سلسلہ میں انھیں بیگار بھی کرنا پڑتی تھی۔ لگان اور سرکاری افسران کے وقتاً فوقتاً مطالبات کے علاوہ گاؤں والوں کو اور بھی کئی بالواسطہ اور بلا واسطہ محصول بھی ادا کرنا پڑتے تھے۔ عدالتی فیس اور جرمانہ کی رقم کے علاوہ مکانات اور پیشوں پر بھی ٹیکس نافذ کیا جاتا تھا۔ بازاروں پر اور تجارتی سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے پر چنگی وصول کی جاتی تھی۔ عرب مصنفین جنھیں مغربی ہندوستان کی اچھی واقفیت تھی کا خیال تھا کہ ہندوستانی عوام کو راجہ کا خزانہ بھرا رکھنے کے لیے بے حد ٹیکس ادا کرنا پڑتے تھے اس تصویر کو مکمل کرنے کے خیال سے یہ قابل غور ہے کہ ان مرکزی اور مقامی وصولیابی کے علاوہ رضا کارانہ طور پر خصوصی مقاصد مثلاً تالاب، مندر، کھانے کی جگہیں، تعلیم گاہیں یا اسپتال کے قیام کے واسطے محصول لیے جاتے تھے جنھیں بیشتر اوقات تاجروں کی

انجمنیں وصول کرتی تھیں۔

ہر گاؤں کے اوپر انتظامی شعبوں کے مختلف نام مقامات اور زمانہ کے ساتھ ساتھ مختلف ہوتے تھے مثلاً آدھارا، راشٹر، ناڈو، کوٹم یا وِشے تھے۔ راشٹرا در وِشے کا شمار اکثر دوز مرد ں میں کیا جاتا تھا۔ ان میں ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا ہوتا تھا۔ تامل دیس میں بڑے ڈویژنوں کو اکثر ویل ناڈو یا منڈلم کہتے تھے۔ ان ڈویژنوں کی شکل بہت کچھ تاریخی واقعات پر منحصر تھی۔ جیسے بادامی عہد" کا بن راج وشے" اس ڈویژن میں بزرگ لوگوں کی ایک مجلس ہوتی تھی۔ اس کا ایک انتظامیہ افسر ہوتا تھا جسے دیس بھوجک یا نو نون کہتے تھے۔ اس طرح کے دوسرے عہدیدار بھی ہوتے تھے۔

صوبائی دفتروں کا اعلا حاکم شاہی خاندان کا کوئی شہزادہ ہوتا تھا۔ اگر خاندان متحد ہوتا تھا تو یہ انتظام حقیقی معنوں میں فائدہ مند ہوتا تھا لیکن نااتفاقی کی صورت میں خانہ جنگی چھڑ جاتی تھی اور سلطنت کا شیرازہ بکھر جاتا تھا۔ بادامی کے چالوکیہ خاندان میں پُل کیشن دوئم کی وفات اور وکرمادیتہ کی تخت نشینی کی درمیانی مدت میں ایسے ہی واقعات رونما ہوئے تھے۔ ایسے سرکاری افسران بڑی تعداد میں ہوا کرتے تھے جن پر امن و امان برقرار رکھنے اور عوام کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری ہوتی تھی۔ ان افسروں کے مختلف حکومتوں میں مختلف نام ہوتے تھے۔ دیہی اہلکاروں سے کسی حد تک مقامی طور پر نظم و ضبط کا کام لیا جاتا تھا۔ فرق امین (شاسن سنچارن) ریاست میں گھوم گھوم کر سرکاری احکامات اور عدالتی فیصلوں کی تعمیل کراتے تھے۔ ان کے ساتھ فرائض کی انجام دہی میں امداد کے لیے سپاہی (بھٹ) بھی ہوتے تھے۔ خزانے کے ناظر (کوشا دھیکش) اور کاشت کی زمینوں کی پیمائش اور لگان کا تعین کرنے والے افسروں کا ذکر بھی ملتا ہے (نیلک کلنتا را اور ادھیکاری) اخیر میں وائل کیٹ پار ہوتے تھے۔ یہ راجہ کے زبانی احکامات سنتے تھے۔ ایسے افسروں کو رہسیہ ادھیکرت بھی کہا جاتا تھا حقیقتاً یہ لوگ راجہ کی خدمت میں حاضر رہنے والے سیکریٹری تھے۔ یہ لوگ راجہ کا حکم سننے کے بعد اسے تحریر میں لاکر متعلقہ افسروں کے پاس مناسب کارروائی کے لیے بھیجتے تھے۔ چالوکیوں اور راشٹرکوٹوں کے زمانہ حکومت میں ایسے کام کو "راج شرادِتم" کہا جاتا تھا۔ جھگڑوں کے تصفیہ کے لیے دیہی عدالتوں، ذات اور پیشہ وروں کی پنچایتوں نے علاوہ دادرسی کے لیے مرکزی حکومت کی جانب سے بھی عدالتیں ہوتی تھیں جنہیں "ادھیکرن" یا دھرم شاسن" کہا جاتا تھا۔ ان عدالتوں

کے صدر سرکاری افسر ہوا کرتے تھے جن کی مدد کے لیے ماہرین قانون مشیر کار کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے تھے۔ انھیں "دھرم ماسن بھٹ" کہا جاتا تھا۔ مہیندر ورمن کا تصنیف کردہ ایک سوانگ مت ولاس کے ایک سین میں دکھایا گیا ہے کہ عدالتیں بدعنوانی سے مبرّا نہ تھیں۔ مجرم کو بے گناہ قرار دینے کے لیے اگر ثبوت میں کمی پائی جاتی تھی تو جسمانی اذیت کے ذریعہ جھوٹ اور سچ کا امتحان لیا جاتا تھا جسے دویہ کہا جاتا تھا۔

اگرچہ نندی ورمن دوم پلو مل کی تاجپوشی سے قبل جو واقعات پیش آئے ان پر وزرا کی مجلس (منتری منڈل) نے غور کیا لیکن اس کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا کہ وزرا کی مجلس باقاعدہ منظم کی جاتی رہی ہو۔

حکمراں صدر مملکت ہوتا تھا۔ وہ ادب و احترام کا سرچشمہ، عدلیہ کا حاکم اعلا اور مسلح فوج کا قاعد ہوتا تھا۔ اس دور کے ابتدائی بادشاہ خود کو دھرم مہاراج ادھیراج کہتے تھے کیونکہ انھوں نے بدھ اور جین دھرم کے مقابلے میں ویدک دھرم کو ترقی دی تھی۔ لیکن کچھ حکمراں بالخصوص گنگ خاندان میں ایسے بھی ہوئے جو جین دھرم میں یقین رکھتے تھے۔ حکمراں کا رویہ اس دھرم کے ماننے والوں کے ساتھ جس کو وہ خود بھی مانتا تھا جانب دارانہ ہوتا تھا۔ لیکن وہ عوام پر اپنا دھرم نافذ کرنے کی کبھی کوشش نہیں کرتا تھا۔ بلکہ حکمت عملی کی بنا پر دوسرے فرقے اور مذہب کی سرپرستی کرتا تھا۔ سیاسی انقلاب کے بعد بادشاہ واضح اعلانات کے ذریعے معاشرتی و اقتصادی استقامت برقرار رکھنے کا یقین دلاتا تھا۔ یہ بھی اعلان کیا جاتا تھا کہ نئے حکمراں ان تمام حقوق کو جو جائداد یا خیراتی اداروں کے سلسلہ میں پہلے سے حاصل تھے برقرار رکھیں گے۔

حکمراں کے انتقال کے بعد اس کا سب سے بڑا لڑکا تخت کا وارث ہوتا تھا۔ شہزادوں کو اس زمانے کے اعلا معیار کے بموجب ادب، قانون، فلسفہ، عسکری فنون اور ان کا رجحان و صلاحیتوں کے پیش نظر انتظامی عہدوں کی ترتیب دی جاتی تھی۔ پل کیشن دوم کے قایم مقام (ایجنٹ) منگلیش نے جب پل کیشن کو اس کے جائز حق سے مستقل طور پر محروم کرنے کی کوشش کی تو اسے ناامیدی کا منہ دیکھنا پڑا کیونکہ عوام کی رائے پل کیشن دوم کے حق میں نہ تھی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ پل کیشن دوم کی وفات کے بعد وکرمادیتہ نے چالوکیہ سلطنت میں تفرقہ نہیں پیدا ہونے دیا حالانکہ وکرمادیتہ پل کیشن کا سب سے بڑا لڑکا نہیں تھا۔ یہ بھی یاد رہے کہ جب اصل خاندان میں تخت پر بیٹھنے کے لیے کوئی جانشین نہیں رہا تو ایک دادا کی اولاد کی دوسری شاخ سے نندی ورمن دوم کو بادشاہ منتخب

کیا گیا۔ پانڈیہ حکمراں شری ہمار نے جب اپنے دوسرے لڑکے کو اپنا جانشین بنانا چاہا تو باہر سے ایک رقت انگیز حملہ ہو گیا اور پانڈیوں کو عارضی طور پر پلّوں کی اطاعت قبول کرنا پڑی۔ راشٹر کوٹوں اور مشرقی چالوکیوں کی تاریخ میں تخت کا حقیقی وارث نہ ہونے کے سوال پر متعدد جھگڑوں اور خانہ جنگی کا ذکر ملتا ہے۔ راشٹر کوٹوں کی مداخلت کی وجہ سے مشرقی چالوکیوں کی خانہ جنگی اور زیادہ زور پکڑ جاتی تھی۔ دھرو نے جب گووند سوئم کو اپنا جانشین بنانا چاہا تو دھرو کے سب سے بڑے لڑکے کمبھ نے اپنی حق تلفی کے لیے جنگ کی لیکن واقعات نے گووند سوئم کے انتخاب کو حق بہ جانب ثابت کیا۔

ہر ایک شاہی خاندان کا اپنا جھنڈا (دھوج) اور مہر (لان چھن) ہوتی تھی ان دونوں کا کتبوں میں واضح طور پر ذکر ملتا ہے۔ شاہی محل بڑے شان و شوکت کے ساتھ رکھا جاتا تھا۔ لڑائی میں پکڑے ہوئے ہاتھیوں اور گھوڑوں کی شاہی محل کے پھاٹک پر نمائش کی جاتی تھی۔ راجہ کی رانیوں کا رتبہ بھی بادشاہ کے برابر اہم سمجھا جاتا تھا۔ دھرو کی ملکہ شیل بھٹاریکا کو پرمیشوری اور پرم بھٹاریکا کے شاہی خطابات حاصل تھے۔ وہ اپنی مرضی سے عطیے میں زمین دیتی تھی اور انتظامی افسروں یا حکومت کو احکام جاری کرتی تھی۔ پلّو راج سنگھ کی ملکہ انگ تپاکا نے کیلاش ناتھ کے مندر کی تعمیر میں دلچسپی لی تھی۔

اگرچہ اصولاً حکمراں مطلق العنان ہوتا تھا لیکن عملی طور پر بہت سی باتیں ہوتی تھیں جن کی بنا پر اسے اعتدال پسندی سے کام لینا پڑتا تھا۔ جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا شاہی خاندان کے سبھی افراد سلطنت کے انتظام میں حصہ لیتے تھے اس طرح انھیں بادشاہ کی حکمت عملی پر اثر انداز ہونے کے مواقع حاصل ہوتے رہتے تھے۔ اس کے بعد حکومت کے اعلا افسر ہوتے تھے۔ ان کا منصب موروثی ہوتا تھا اور اپنے خاندان، قابلیت اور کردار کی بنا پر اپنے بادشاہ سے عزت پانے کے مستحق ہوتے تھے۔ مذکورہ بالا سطور میں جن بے شمار جاگیردار حکمرانوں اور معاشرتی زندگی پر اثر انداز ہونے والے اجتماعی اداروں کا ذکر کیا گیا ہے ان کی موجودگی کی وجہ سے ایک نا قابل یا گمراہ شہنشاہ کی خراب حکومت کے برے نتائج بہت بڑی حد تک کم ہو جایا کرتے تھے۔

معاون کتابیں

اے۔ ایس۔ التیکر :۔ دی راشٹر کوٹاز اینڈ دیر ٹائمز (پونا 1934)

ایچ۔ ڈبلو۔ کاڈرنگٹن :۔ اے شارٹ ہسٹری آف سیلون۔ (لندن 1929)

جے۔ ایف۔ فلیٹ :۔ ڈائنسٹیز آف دی کناریز ڈسٹرکٹس آ بامبے گزیٹیر جلد اول۔ حصہ
دویم۔ بمبئی 1896)
آر۔ گوپالن :۔ پلوز آف کانچی۔ (مدراس 1928)
:۔ انڈین آرکیالوجی۔ اینول ریویو (آرچ۔ سروے آف انڈیا)
جی جوویو ڈوبریل :۔ دی پلوز۔ (پانڈیچری 1917)
سی۔ میناکشی :۔ ایڈمنسٹریشن اینڈ سوشل لائف انڈر دی پلور (مدراس 1938)
بی۔ ایل۔ رائس :۔ میسور اینڈ کرگ فرام انسکرپشن (لندن 1909)
کے۔ اے۔ این۔ شاستری :۔ پانڈین کنگ ڈم۔ (لندن 1929)

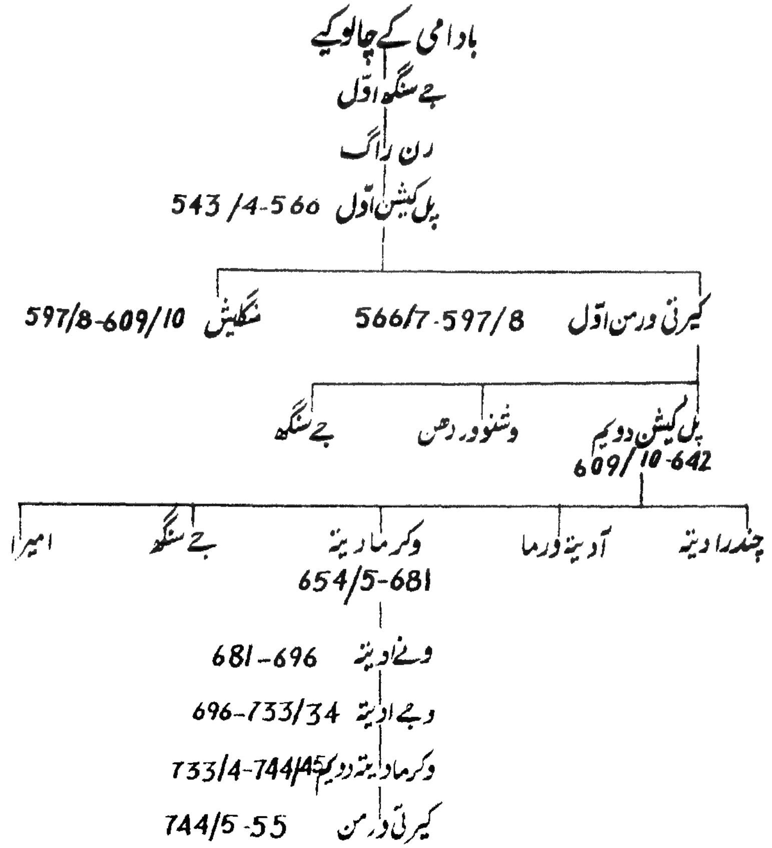

پلّو خاندان

(1) سنگھ ورمن (500-560)

(2) سنگھ وشنو (560-580) — بھیم ورمن

(3) مہیندر ورمن اوّل (580-630) — بدھ ورمن

(4) نرسنگھ ورمن اوّل (630-668) — آدتیہ ورمن

(5) مہیندر ورمن دوئم (668-670) — گووند ورمن

(6) پرمیشور ورمن اوّل (670-700) — ہری ورمن

(7) نرسنگھ ورمن دوئم (700-728) — (9) نندی ورمن دوئم 731-796

مہیندر ورمن سوئم (720-728) — (8) پرمیشور ورمن دوئم (713-728) — (10) دنتی ورمن (796-847)

(11) نندی ورمن سوئم (846-869)

(12) نرپتنگ ورمن (859-899) — (13) اپراجت (885-903) — (14) کمپا ورمن (870-912)

پانڈیہ خاندان (590-620)

(1) کدن گون 590-620

(2) ماروَرمن اونی شولامنی 620-645

(3) شینڈن 645-670

(4) اری کیسری ماروَرمن 670-700

(5) کوچاڈیمن 700-730

(6) ماروَرمن راج سنگھ اوّل 730-765

(7) جاٹل پرانتک نیدنجیڈین 765-815

(8) شری مار شری ولبھ 815-862

(9) ورگن ورمن دوئم 862-885

(10) پرانتک ویرنارائن 860-905

(11) ماروَرمن راج سنگھ دوئم 905-920

باب 9

دو مملکتوں کا توازن

عام خاکہ۔ وجے آلیہ۔ چول ادیتہ اوّل۔ شری پورام بیم کی جنگ۔ پلوا پراجت کی شکست۔ پرانتک اوّل اور اس کی فتوحات۔ راشٹرکوٹ کرشن دوئم۔ ولال کی جنگ۔ اندر سوئم۔ گووند چہارم۔ اموگھ ورش سوئم اور کرشن سوئم۔ چول دیش پر حملہ۔ تکولم کی جنگ۔ نتیجہ۔ وینگی اور مالوہ۔ کھوٹگ۔ کرک دوئم۔ چالوکیوں کا عروج اور تیل دوئم پرانتک اوّل کے بعد چولوں کی حالت۔ راج راج اوّل اور اس کے عہد میں ترقی تیلپ دوئم اور پرمار۔ ستیہ آشرے۔ وینگی کے معاملات۔ چالوکیوں اور چولوں کی لڑائی۔ اور راج راج کی حکومت راجیندر اوّل۔ وکرمادیتہ پنجم۔ جے سنگھ دوئم۔ وینگی کے معاملات میں اس کی دلچسپی اور راجیندر کے ساتھ لڑائیاں۔ شری وجے کے خلاف چولوں کی یورش۔ راجیندر کی حکومت کا خاتمہ۔ سومیشور اوّل۔ وینگی میں اس کی حکمت عملی اور چولوں کے بادشاہ راج ادھیراج اوّل سے لڑائیاں۔ راجیندر دوئم اور ویرراجیندر۔ سومیشور اوّل کی وفات۔ سومیشور دوئم۔ وکرمادیتہ ششم کی اولوالعزمی۔ یوو راج کی حیثیت سے۔ ویرراجیندر کا انتقال۔ ادھیراجیندر۔ انقلاب۔ کلوتنگ اوّل کی تخت نشینی۔ وکرمادیتہ کی تخت نشینی۔ شری لنکا سے چول اقتدار کا خاتمہ۔ پانڈیہ اور کیرل میں بغاوتیں۔ ان کا فرد کیا جانا۔ چین کے لیے سفیر۔ وینگی۔ وکرمادیتہ کے ذریعے ہویسلوں کی بغاوت کا فرد کیا جانا۔ وینگی پر قبضہ۔ کلوتنگ اوّل۔ وکرم چول۔ سومیشور سوئم۔ راج راج دوئم۔ کلوتنگ دوئم۔ راج ادھیراج دوئم۔ پانڈیہ دیش میں خانہ جنگی۔ چولوں اور سنہالیوں کی مداخلت۔ کلوتنگ سوئم۔ پانڈیہ دیش میں اس کی مہمات۔ ہویسلوں کا عروج۔ جگدیک مل دوئم اور تیل سوئم کے تحت۔

ہویسل راجہ وشنو وردھن کا عروج ۔ کاکتیہ ۔ کل چوڑی بجل ۔ سومیشور چہارم یادو وال اور ہویسلوں کے ذریعہ چالوکیہ اقتدار کا خاتمہ ۔ نیلو گنڈیش میں کلوتنگ سوئم کی لڑائیاں سیاسی نظام ۔ شہنشاہیت ۔ شاہی خاندان ۔ سرکاری افسر ۔ دیہی خود مختاری ۔ عدل وانصاف ۔ پولیس ۔ عوام کی حالت ۔

چول طاقت کا ایک عرصے تک گمنامی میں رہنے کے بعد عروج حاصل کرنا، شاہی اقتدار کے حصول کے سلسلہ میں اولاً دریائے تنگ بھدرا کے پار راشٹر کوٹوں اور بعد ازاں ان کے جانشین کلیانی کے چالوکیوں کے ساتھ تصادم، چول طاقت کے آئندہ ساڑھے تین سو سال (850-1200) کی مدت کی اہم خصوصیات رہی ہیں۔ دریائے تنگ بھدرا کے جنوب کا پورا علاقہ متحد ہو کر دو صدیوں بلکہ اس کے بعد بھی کافی عرصے تک ایک ریاست کی شکل میں قایم رہا۔ راجیندر اول نے دریائے گنگا کی مشہور مہم نیز ایک بے مثل بحری جنگ میں بڑی سمندر پار سلطنت کو اکھاڑ پھینکا نیز چین میں بار بار اپنے سفیروں کو روانہ کرکے مشرقی دنیا میں ایک نئی طاقت کا اعلان کیا۔ دریائے تنگ بھدرا کے اس پار دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے میں مشرقی چالوکیوں نے عام طور پر چولوں کی امداد کی۔ مشرقی چالوکیہ جاگیردار تھے اور چولوں کے ساتھ شادیوں کی بنا پر ان سے قربت حاصل ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ 1070 میں ایک ہی حکمراں نے چول اور وینگی کے شاہی تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس اتحاد کی بنا پر مغربی چالوکیوں کی دشمنی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ بارھویں صدی کے ختم ہونے پر یہ دونوں سلطنتیں آپس میں لڑائی کی بنا پر کمزور ہوتی گئیں اور زوال ہونے لگا۔ چھوٹی چھوٹی طاقتوں نے جو ان کے ماتحت تھیں اپنے دم خم دکھانا شروع کیے اور اپنے بادشاہوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر خود مختار ہونے کا اعلان کرنے لگیں۔ ان طاقتوں میں جنوب بعید کے پانڈیہ، میسور کے ہویسل اور شمالی دکن کے یادو اور کاکتیہ شامل تھے۔

چولوں نے بڑی خوبی کے ساتھ ایک موثر نظم و نسق قایم کیا جس میں مرکزی کنٹرول کے ساتھ بڑی حد تک مقامی خود مختاری بھی شامل تھی۔ اس عہد میں بے شمار چھوٹے چھوٹے مندروں کی تعمیر کے علاوہ تنجور، گنگئی کونڈ چولا پورم، داراشورم اور تری بھونی کے بڑے بڑے مندر بھی تعمیر کیے گئے جو آج بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ چولوں کے دور حکومت میں عمارتیں اور مجسمے تیار کرنے کا فن اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔ دوسرے فنون مثلاً مصوری،

موسیقی اور رقص کی فراخدلی کے ساتھ سرپرستی کی گئی۔ ادب کی بھی اس عہد میں اتنی ترقی ہوئی جتنی پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔

چول اقتدار کے عروج کی جانب پہلا قدم وجے آلیہ کا تقریباً 850 کے آس پاس میں تنجور کی فتح اور اس مقام پر نشمبھو شدنی (درگا) کے مندر کی تعمیر تھی۔ یہ چول اقتدار کے عروج کی جانب پہلا قدم تھا۔ وجے آلیہ اس وقت شاید پلّووں کا جاگیردار تھا اور اس نے متریار سے جس نے پلّووں کے بجائے پانڈیوں کی اطاعت قبول کر لی تھی تنجور چھین لیا تھا۔ وجے آلیہ کی یہ کامیابی خاموشی کے ساتھ ممکن ہو سکی ہوگی کیونکہ پلّووں اور پانڈیہ تیلاڑ کی لڑائی کے بعد اور شری لنکا کی مدد سے ورگن ورمن کی تخت نشینی تک اپنے اپنے معاملات میں مصروف رہے ہوں گے۔ لیکن جب ورگن ورمن نے پلّووں کی اطاعت قبول کر لی تو پلّووں کو وجے آلیہ کے بڑھتے ہوئے اقتدار پر ضرور شک ہوا ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ورگن ورمن دوئم سے وجے آلیہ کی طاقت کو دبانے کے سلسلہ میں مدد دینے کے لیے کہا۔ ورگن ورمن نے چول دیش پر حملہ کر دیا۔ شروع میں اسے کامیابی حاصل ہوئی اور فوجیں ضلع تنجور میں دریائے کاویری کے شمالی کنارے پر واقع اِدوائی تک پہنچ گئیں اور شمال کی جانب آگے بڑھ کر دریائے پنّار کے کنارے ارشور میں پڑاؤ ڈالا۔ یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ ورگن نے اپنے محافظ اور سرپرست نرپ تنگ کی مدد کے خیال سے کچھ سال شمال میں گذارے ہوں گے۔

اس اثنا میں نندی ورمن سوئیم کا 869 میں انتقال ہو گیا۔ اس کے لڑکے نرپ تنگ اور اس کے سوتیلے بھائی اپراجت کے درمیان جھگڑا شروع ہو گیا کیونکہ اپراجت خود کو تخت کا جائز حق دار سمجھتا تھا۔ دونوں ہی فریق اپنے اپنے حمائتیوں کے سہارے کی تلاش کرنے لگے۔ ورگن نے نرپ تنگ کا برابر ساتھ دیا۔ اپراجت نے گنگ خاندان کے پرتھوی پتی اوّل اور غالباً آدتیہ اوّل کو بھی جو چول بادشاہ وجے آلیہ کا لڑکا تھا اور 871 میں گدی پر بیٹھا تھا اپنی طرف بلایا۔ مخالف فوجوں کے درمیان تقریباً 885 میں کمب کونم کے نزدیک بمقام شری پورم بیم لڑائی ہوئی جس میں پرتھوی پتی اوّل کی جان گئی لیکن وہ اپنے حلیف اپراجت کی فتح کو یقینی بنا گیا۔ نرپ تنگ کی حکومت کا خاتمہ اور اپراجت کی حکومت کا آغاز ہوا چونکہ نرپ تنگ کے آئندہ دس سال یعنی اس کی عمر کے 26 ویں سال سے 41 ویں سال تک کوئی کتبہ نہیں ہے اس لیے اس مدت کو اپراجت کی حکومت کے ہم زمان مانا جاسکتا ہے۔

اس جنگ سے جو بھائی بھائی کے درمیان ہوئی اس سے حقیقی فائدہ چول حکمران آدتیہ

اوّل کو حاصل ہوا۔ لڑائی میں شکست کھانے کے بعد ورگن ورمن کو اپنی زندگی میں کوئی دلچسپی باقی نہ رہی۔ اس نے مشہور سنیاسی مانک واماگیہ کے ساتھ رہنے کے لیے سنیاس لے لیا۔ اس کا بھائی ویرنارائن کسی مخالفت کے بغیر پانڈیہ دیش کا حکمراں بن گیا۔ آدیتہ اوّل صرف اس علاقہ پر ہی قابض رہا جو اس کے والد نے مُسترپار سے چھینا تھا۔ بلکہ پلّو حکمراں اپراجت نے احسان مندی کے طور پر کچھ اور علاقہ بھی اُسے عطا کیا۔ آدیتہ اوّل کو پلّو حکمراں کی اطاعت پسند نہ تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے کمزور شہنشاہ کی طاقت کو ختم کرنے کے لیے منصوبہ بنا کر اسے عملی جامہ بھی پہنانا چاہا۔ اس نے تونڈئی منڈلم پر حملہ کیا اور لڑائی کے دوران ہاتھی پر بیٹھے ہوئے اپراجت پر جھپٹا اور اسے قتل کر دیا۔ اس طرح تونڈئی ناڈ میں پلّووں کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ پلّووں کی ریاست پر چول راجہ کا قبضہ ہوگیا۔ چول سلطنت کی سرحد راشٹر کوٹ کی سرحد سے مل گئی۔ (903 ئر) پتنگ تقریباً 899 میں انتقال کر گیا۔ اُس کے بھائی کمپ ورمن نے تقریباً اسی زمانہ میں یا اس کے کچھ بعد بھی پلّووں کے علاقے کے مغربی حصہ میں واقع شمالی ارکاٹ ضلع کے سردار کی حیثیت سے گمنامی میں زندگی بسر کی۔

پرتھوی پتی اوّل کے پوتے گنگ پرتھوی پتی دوئم نے بہت جلد آدیتہ کی اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد آدیتہ نے کونگو دیش فتح کر لیا۔ اس نے شاید پانڈیہ دیش پانڈیہ حکمراں پرانتک ویرنارائن (905 -860) سے چھینا جو ورگن ورمن کا چھوٹا بھائی تھا۔ آدیتہ نے اپنے ہمعصر چیر راجہ استھانو روی سے دوستی کر لی تھی کیونکہ اس کی لڑکی کی شادی آدیتہ کے لڑکے پرانتک کے ساتھ ہوئی تھی۔ آدیتہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے کاویری ندی کے دونوں کناروں پر سے یادری سے سمندر تک شو کے بہت اونچے مندر تعمیر کرائے۔ یہ مندر پتھر کے بنے ہوئے تھے وہ تونڈئی ماناڈ میں جو کالاہستی کے نزدیک ہے انتقال کر گیا۔ اس کے دین دار لڑکے پرانتک نے جو 907 میں گدی پر بیٹھا اپنے والد کی ہڈیوں پر ایک مندر تعمیر کروایا۔ پرانتک نے اڑتالیس سال تک حکومت کی۔ پرانتک کو اپنے عہد حکومت میں ندر ا مزدوں کا میابی ہوئی اور ریاست کی خوشحالی میں بھی اضافہ ہوا لیکن راشٹر کوٹوں کی دشمنی کی وجہ سے جو شروع میں چلی آ رہی تھی۔ اس کا انجام بدنصیبی اور افسردگی میں ہوا۔ پرانتک نے اپنی تخت نشینی کے فوراً بعد 910ء میں پانڈیہ دیش پر حملہ کیا اور "مدورائی کونڈ" (مدورا کا فاتح) کا لقب اختیار کیا۔ مارورمن راج سنگھ دوئم (920 -905) نے جو پرانتک ویرنارائن کا لڑکا تھا اور اس زمانہ میں پانڈیہ

دیش کا راجہ تھا۔ شری لنکا کے راجہ کسپ پنجم سے مدد چاہی اور اس نے اس کی مدد کے لیے فوج بھی روانہ کی۔ پرانتک نے دونوں فوجوں کو ویلور کی جنگ میں شکست دی۔ راج سنگھ کو شری لنکا بھاگنا پڑا۔ اور پھر جلد ہی پانڈیہ دیش پر چولوں کی فتح مکمل ہوگئی۔ کچھ عرصے تک شری لنکا میں قیام کرنے کے بعد راج سنگھ نے اپنے تاج و تخت اور تمام دولت کو خیرآباد کہا اور کیرل میں اپنی ننھال چلا آیا۔ کچھ عرصہ بعد شری لنکا کے راجہ اودے چہارم (953 -940) کے زمانہ حکومت میں پرانتک نے پانڈیہ بادشاہوں کی شاہی علامت حاصل کرنے کی ناکامیاب کوشش کی۔ اس کی اس ناکامیابی کو فراموش نہیں کیا گیا اور برسوں بعد اس کے طاقت ور جانشین راجیندر اوّل نے اس کام کو پورا کیا۔

پرانتک جس وقت پانڈیہ دیش فتح کرنے میں مصروف تھا۔ اسے راشٹرکوٹ راجہ کرشن دوئم کے جو اموگھ ورش کے انتقال کے بعد 880 میں تخت نشین ہوا تھا حملہ کا سامنا کرنا پڑا۔ کرشن دوئم نے لاٹ کے جاگیردار کی مدد سے جو اس کا عزیز بھی تھا گجرات کے حکمراں بھوج اوّل کے حملہ کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اس کے بعد اس نے لاٹ میں وائے سرائے کے عہدے کو ختم کر دیا اور لاٹ کو براہِ راست اپنے انتظام میں لے لیا۔ کرشن دوئم نے وینگی کے طاقت ور حکمراں گُناگ وجے دیتہ سوئم پر بھی قابو پانا چاہا لیکن اسے ناکامیابی ہوئی۔ اسے بھاگ کر اپنے خُسر چیدی کے راجہ ککل کے دربار میں پناہ لینا پڑی۔ مشرقی چالوکیوں کے جنرل پان ورنگ نے اس کا یہاں تک پیچھا کیا تھا۔ کرشن نے جب وجے دیتہ کی اطاعت قبول کرلی تو لڑائی ختم ہوگئی اور اس کے عوض میں اسے اس کا دارالسلطنت اور ریاست واپس کر دی گئی۔ کرشن نے گناگ وجے دیتہ سوئم کے انتقال کے بعد 892 میں دوبارہ لڑائی شروع کر دی اور وینگی کے لیے چالوکیہ حکمراں وجے دیتہ کے بھتیجے بھیم اوّل پر قبل اس کے کہ وہ اپنا جشن تاجپوشی مناتا حملہ کر دیا۔ لڑائی میں بھیم اوّل کو شکست ہوئی۔ اسے قید کر لیا گیا۔ لیکن اس نے بہت جلد اپنے آپ کو آزاد کرالیا۔ اور اپنے ملک سے راشٹرکوٹوں کو ہٹانے میں کامیاب ہوا۔ اس کے بعد اس نے اپنی تاجپوشی کی رسم ادا کی۔ کچھ برس کے بعد کرشن نے وینگی پر قبضہ کرنے کی دوبارہ ناکام کوشش کی۔ اسے نروَدے پور اور بیرو ون گرود کی لڑائیوں میں شکست اٹھانا پڑی۔

کرشن کی ایک لڑکی نے چول بادشاہ ادیتہ اوّل سے شادی کی۔ اس کا ایک لڑکا کنڑ دیو پیدا ہوا۔ آدیتہ اوّل کی موت کے بعد جب پرانتک تخت نشین ہوا اور شہزادے کنڑ کو تخت سے الگ رکھا تو کرشن نے اپنے پوتے کی حمایت کی اور بانوں اور ویدمبوں کی مدد سے چول دیش پر

حملہ کر دیا۔ گنگ حکمراں پرتھوی پتی دوئم نے پرانتک کی مدد کی اور وولال مقام پر جو آج کل شمالی ارکاٹ ضلع کا تروولم ہے، ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں کرشن اور اس کے ساتھیوں کی شکست ہوئی۔ بانوں کا علاقہ چھین کر پرتھوی پتی دوئم کو دے دیا گیا۔ ویدمبوں کو بھی جنگ میں شرکت کرنے کی سزا بھگتنا پڑی۔ راشٹرکوٹوں کی یہ جنگ 916 سے پہلے ہوئی تھی۔

تقریباً 940 سے پرانتک کو اپنی سلطنت کے تحفظ میں روز افزوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا وفادار جاگیردار پرتھوی پتی دوئم مر چکا تھا اور چونکہ گنگ خاندان کے حکمراں بٹوگ دوئم نے ایک راشٹرکوٹ شہزادی سے جو کرشن سوئم کی بہن تھی شادی کر لی تھی، اس لیے گنگ اور راشٹرکوٹ زیادہ نزدیک ہو گئے تھے۔ بان اور ویدمب جنھیں چول بادشاہ نے اکھاڑ پھینکا تھا، اب راشٹرکوٹ راجہ کا ساتھ دے رہے تھے، چونکہ پرانتک کو شمالی مغربی سرحد سے دشمن کے حملہ کا خطرہ تھا اس لیے اس نے اپنے سب سے بڑے لڑکے راج آدیتہ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ جس میں ہاتھی اور گھوڑ سوار شامل تھے اس جگہ مقرر کیا اور اپنے ایک اور لڑکے آرنکل کیسری کو اس کی مدد کے لیے روانہ کیا۔

ہمیں اب راشٹرکوٹوں کی تاریخ پر دوبارہ غور کرنا ہوگا۔ کرشن دوئم کے بعد اس کا پوتا اندر سوئم تقریباً 915 میں تخت نشین ہوا۔ اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں بھی اس نے مالوہ کے پرمار حکمراں اپیندر کے شمال کی جانب سے حملہ کو روکا تھا۔ اپیندر نے کرشن دوئم کی چولوں کے ساتھ جنگ میں مصروفیت کا فائدہ اٹھانا چاہا۔ اس نے راشٹرکوٹ سلطنت پر حملہ کر دیا۔ اندر سوئم نے اسے شکست دی اور اسے راشٹرکوٹوں کی اطاعت تسلیم کرنے پر مجبور کیا۔ تخت نشینی کے بعد اندر سوئم نے قنوج کے پرتیہار حکمراں مہی پال اول (43-913) کے خلاف جنگ میں فتح حاصل کی۔ مہی پال کو کچھ عرصے کے لیے اپنی سلطنت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ بعد میں اس نے چندیلوں کے راجہ ہرش دیو کی مدد سے اپنی سلطنت واپس لے لی۔ وینگی کے سلسلہ میں اندر سوئم نے اپنی پرانی حکمت عملی کو جاری رکھا۔ اس نے وینگی کے حکمراں امّ اوّل کے خلاف دشمن تیار کیے لیکن امّ اول اس تمام مخالفت کے باوجود ڈٹا رہا اور سات برس یعنی 926 تک حکومت کی۔ اس کے انتقال کے بعد ملک میں انتشار پھیل گیا، اور تخت کے لیے جھگڑے ہونے لگے۔ اندر سوئم کو موقعہ مل گیا اور اس نے وینگی کا بیشتر علاقہ اپنے قبضہ میں لے لیا اور اپنے افسران اور امرا کو دے دیا۔ اس طرح وہ سات برس تک اس علاقہ پر قابض رہا۔ اندر سوئم کی وفات کے بعد اس کا لڑکا

اموگھ ورش دوم 927ء میں تخت نشین ہوا۔ وہ صرف تین برس تک حکومت کر سکا تھا۔ کہ اپنے حوصلےمند چھوٹے بھائی گووند چہارم کی عیاری کا شکار ہوگیا۔ گووند چہارم ایک ناقابل اور آوارہ حکمراں ثابت ہوا۔ اس نے چول حکمراں پر انتک کی لڑکی ویرما دیوی سے شادی کی۔ گووند کو جاگیرداروں نے تخت سے اتار دیا اور اندر سوم کے سوتیلے بھائی بدیگ اموگھ ورش سوم کو تخت پر بٹھایا۔ گووند نے شاید چول سلطنت میں اپنے خسر کے یہاں جاکر پناہ لی۔ اموگھ ورش سوم شریف اور امن پسند بادشاہ تھا لیکن اس کا لڑکا کرشن سوم جسے ولی عہد مقرر کیا گیا تھا بہت مشہور تھا۔ کرشن نے راج مل کے خلاف جنگ چھیڑ کر اپنے بہنوئی بتگ دوم کو گنگوں کا تخت حاصل کرنے میں مدد دی۔ اپنے والد کے انتقال پر وہ 939 میں گدّی پر بیٹھا۔ اس نے اپنی حکومت کے کچھ ہی سال بعد چولوں سے پرانی عداوت کا بدلہ لینا چاہا اور گووند چہارم کو اپنے یہاں پناہ دینے کے لیے سزا دینا چاہی۔ اس سلسلہ میں بان، ویدمب اور شاید بتگ دوم نے کرشن سوم سے چولوں کے خلاف کارروائی کرنے پر اصرار کیا۔ اس نے بتگ دوم کے ساتھ چول سلطنت پر حملہ کر دیا اور ارکوم کے جنوب مشرق میں چھ میل دور ٹلولم کی جنگ میں اسے پوری طرح فتح حاصل ہوئی۔ بتگ نے راج ادیتہ پر جب کہ وہ ہاتھی کی پیٹھ پر بیٹھا تھا نشانہ لے کر تیر چلایا جس سے وہ مرگیا۔ اس فیصلہ کن جنگ کے بعد بھی ایسا نہیں ہوا کہ کرشن سوم کا راستہ صاف ہوگیا ہو۔ اسے جنوب میں اپنا مکمل اقتدار قایم کرنے کے لیے کچھ برس تک اور زبردست کشمکش کا سامنا کرنا پڑا۔ اخیر میں وہ چول سلطنت کے شمالی نصف حصہ کے بیشتر علاقے پر قابض ہوگیا۔ اس نے علاقے کے انتظام کے لیے اپنے آدمی مقرر کیے۔ اس نے "کچی (کانچی) اور تنجیٔ (تنجور) کے فاتح" کا لقب اختیار کیا۔ اس طرح پرانتک کی حکومت کے آخری زمانہ میں چول سلطنت کی ساکھ کو زبردست صدمہ پہنچا۔ چول سلطنت کا قریب قریب وجود ہی ختم ہوگیا۔ جنوب کے اس کے ماتحت راجاؤں نے شمال میں اس کے زبردست نقصانات کا فائدہ اٹھایا اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

کرشن سوم نے اپنے پیش رو بادشاہوں کی طرح وینگی میں بدامنی پیدا کر دی اور اس کے حکمراں ام دوم کے خلاف اس کے سوتیلے بھائی دانارنو اور اپنے خاندان کے دو شہزادے بادپ اور تالا دوم کو کھڑا کر دیا۔ راجہ ام بے شمار رکاوٹوں کے باوجود 970 تک حکومت کرتا رہا اور اسی سال دانارنو کے خلاف لڑائی میں مارا گیا۔

کرشن سوم نے اپنی حکومت کے آخری زمانہ میں تقریباً 963 میں ہندوستان پر

چڑھائی کی اور مالوہ میں پرمار خاندان کے حکمراں ہرش سیاک کو ایک بار پھر راشٹر کوٹوں کی اطاعت تسلیم کرنے پر مجبور کیا اس مہم میں۔ بٹک دوئم کے لڑکے گنگ راجہ مار سنگھ نے بڑی قابلیت کے ساتھ کرشن سوئم کا ساتھ دیا ایک قابل سپاہی اور فیاض دوست ہونے کے باوجود کرشن سوئم میں تدبر کی کمی تھی کیونکہ اس نے اپنی حکمت عملی کی بنا پر اپنے جانشینوں کے لیے مصیبت اکٹھا کر دی اس نے غیر مناسب طور پر گنگوں کی ہمت افزائی کی اور پرماروں کو مشتعل کیا۔ لیکن وہ انھیں اپنی ماتحتی میں نہ لا سکا۔ اس نے اپنے نائبوں کو جاگیریں (انوگ جیوتا) دینے میں بھی ناعاقبت اندیشی سے کام لیا۔ اس نے 965 سے کچھ قبل سنیہ آشرے خاندان کے اباواملل تیل پارس کو سلطنت کے عین وسط میں ایک صوبہ عطا کر دیا۔

کرشن سوئم کے بعد 967 کے شروع میں اس کا سوتیلا بھائی کھوتیگا تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانہ میں پرمار راجہ ہرش سیاک نے راشٹر کوٹ ریاست پر حملہ کیا۔ اس کی فوجوں کو نرمدا کے کنارے شکست دے کر 73 - 972 میں اس کے دارالسلطنت مانیہ کھیت (مال کھید) کو تباہ و برباد کر دیا۔ پرمار فوجوں کی واپسی پر ایک بار پھر مان نے اپنے فرماں روا کو دارالسلطنت کے دوبارہ حاصل کرنے میں مدد دی۔ گھوتک پرماروں کے حملے کے فوراً بعد انتقال کر گیا اور اس کا بھتیجا کرک دوئم 973ء میں تخت نشین ہوا۔ لیکن کچھ ہی مہینے بعد چالوکیہ بادشاہ تیل دوئم نے اسے تخت سے ہٹا دیا۔ اسے جب سے کرشن سوئم سے تراد واری کا صوبہ بطور جاگیر حاصل ہوا تھا وہ برابر تخت حاصل کرنے کے لیے موقعہ کی تلاش میں تھا۔ بعد کی روایتوں کے مطابق تیل دوئم کو بھگوان شری کرشن کا اوتار مانا گیا ہے۔ بھگوان کرشن نے رات راکشسوں کے خلاف ایک سو آٹھ لڑائیاں لڑیں اور ان کے اٹھاسی قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ تیل دوئم کی کامیابیاں ہی کلیانی کے چالوکیہ کی سلطنت کے عروج کا سبب بنیں۔ مار سنگھ دوئم نے راشٹر کوٹوں کے اقتدار کو دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اس نے اندر چہارم کو راجہ بنانا چاہا۔ اندر چہارم مار سنگھ کی بہن سے کرشن سوئم کا لڑکا تھا۔ مار سنگھ نے 975 میں خود کو فاقہ کشی سے مار ڈالا۔ رسل لیکھن اس کے جاگیر دار پانچال دیو نے دریائے کرشنا کے جنوب کے پورے علاقے کا بادشاہ ہونے کا دعوا کیا، لیکن تیل دوئم نے اسے بھی لڑائی میں ختم کر دیا۔ اندر چہارم نے بھی 982 میں فاقہ کشی سے جان دی۔

پرانتک کی حکومت کے بعد چول سلطنت کے لیے تیس سال کی مدت (85-955)

تک پریشانی اور کمزوری کا زمانہ رہا۔ پرانتک کی موت کے بعد اس کا لڑکا گندر آدیتہ تخت نشین ہوا۔ گندر آدیتہ اور اس کی ملکہ سیمبین مہادیوی کو سیاست کے بجائے مذہب کے معاملات میں زیادہ شہرت حاصل تھی۔ اس کے 957 میں انتقال پر چول سلطنت ایک چھوٹے سے صوبہ میں سکڑ کر رہ گئی تھی اور کرشن سویم اب بھی تونڈئی منڈلم پر قابض تھا۔ گندر آدیتہ کے بھائی ارنجے 57-956 تک حکومت کی۔ اس کی موت کے بعد اس کے لڑکے سندر چول پرانتک دویم نے 73-957 تک حکومت کی۔ اس کا جوان لڑکا آدیتہ دویم پرانتک دویم کی حکومت کے شروع زمانہ میں ولی عہد مقرر کیا گیا۔ سندر چول جنوب کی جانب متوجہ ہوا جہاں ویر پانڈے ایک چول راجہ شاید گندر آدیتہ کو شکست دے کر خود مختار بن بیٹھا تھا۔ شری لنکا کے بادشاہ مہیندر چہارم نے پانڈیہ حکمراں کا ساتھ دیا۔ سندر چول نے ویر پانڈیہ کو دو لڑائیوں میں شکست دی۔ دوسری لڑائی میں آدیتہ دویم نے ویر پانڈے کو مار ڈالا۔ سندر چول کی فوجوں نے 959 میں شری لنکا پر بھی حملہ کیا۔ ان کامیابیوں کے باوجود جنوب میں چول اقتدار دوبارہ قایم نہ ہو سکا۔ لیکن سندر چول کو شمال میں کافی کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے کانچی کے طلائی محل میں انتقال کر گیا۔ یہیں سے وہ مرتے دم تک اپنی فوجوں کو جو شمال میں سرگرم عمل تھیں ہدایات جاری کرتا رہا۔ اس کے آخری ایام میں ایک دردناک واقعہ ہو گیا۔ گندر آدیتہ کے لڑکے اُتم چول نے 969ء میں ولیعہد آدیتہ دویم کے قتل کی سازش کی اور غم زدہ باپ کو مجبور کیا کہ وہ اپنے چھوٹے لڑکے ارومولی (بعد میں راج راج اول) کے بجائے اسے ولی عہد مقرر کرے۔ سندر چول کے انتقال کے بعد اتم چول بادشاہ ہوا (973) اس وقت تک تونڈئی منڈلم کا بیشتر حصہ چول سلطنت کے لیے راشٹر کوٹوں سے چھین لیا گیا۔ چالوکیہ تیل دویم نے راشٹر کوٹوں کو ہٹا کر اپنا اقتدار قایم کیا۔ تیل دویم چالوکیہ کا یہ بھی دعوا ہے کہ اس نے تقریباً 980 میں اتم چول کو شکست دی۔

چول سلطنت کی حقیقی عظمت اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب 985 کے وسط میں ارومولی ورمن راج راج کے نام سے تخت نشین ہوا۔ اس نے تیس سال تک حکومت کی۔ اس کا دور حکومت چول حکومت کی تکمیل کا زمانہ رہا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت چول ایک چھوٹی ریاست تھی جو راشٹر کوٹوں کے حملوں سے دھیرے دھیرے پنپ رہی تھی لیکن اس کے عہد حکومت میں چول سلطنت کافی وسیع، منظم اور متحد ہو گئی۔ اس کے نظم و نسق کو موثر طور پر بہتر بنایا گیا۔ سلطنت وسائل سے مالا مال تھی۔ اس کے پاس ایک طاقت ور بری فوج اور جہازی بیڑہ بھی تھا جو اپنی

پختہ کاری کی بنا پر بڑی سے بڑی مہمات کا مقابلہ کرسکتی تھی۔

راج راج نے سب سے پہلے پانڈیہ، کیرل اور شری لنکا کے حکمرانوں کے جتھے پر حملہ کیا۔ اس نے اپنی دو یورشوں میں پانڈیوں کو تباہ و برباد کر دیا اور کاندلور اور ولی نم پر حملہ کرکے کیرل حکمرانوں کے غرور کو ختم کیا اس نے اپنی تیسری مہم میں ایک جہازی بیڑے کے ساتھ شری لنکا کے شمالی حصہ کو خوب لوٹا اور مہیندر پنجم کو جزیرے کے جنوبی پہاڑی علاقے میں پناہ لینا پڑی۔ انورادھاپور کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ پولو نروا کو چول صوبہ کا دارالسلطنت بنایا گیا۔ دوسرے مقامات پر اس نے گنگا پادی، نولمب پادی، اور تدی گئی پادی کو جو آج جدید میسور کے حصے ہیں فتح کرکے سلطنت میں شامل کر لیا اس تمام توسیع نے تیل دوئم کے تحت چالوکیوں کی نئی طاقت سے تصادم کو شدید کر دیا۔ پہلی لڑائی 992ء میں ہوئی لیکن اس میں چولوں کی شکست ہوئی۔ راج راج کا خاص دشمن تیل دوئم کا لڑکا اور جانشین ستیہ آشرے تھا۔ قبل اس کے کہ ان کی طاقت آزمائی کا ذکر کریں ہم تھوڑی دیر کے لیے چالوکیوں کی تاریخ کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔

راشٹر کوٹوں کی طاقت کو ختم کرنے کے بعد تیل دوئم نے جو مانیہ کھیت سے حکومت کرتا تھا۔ مغربی دکن میں نرمدا سے تنگ بھدرا تک کے پورے علاقے میں اپنا اقتدار قایم کرنے میں کئی سال صرف کیے۔ جب مالوہ کے پرمار راجہ منج نے اس کی سلطنت پر شمال کی جانب سے حملہ کیا تو اس نے اسے شکست دی اور کچھ عرصہ تک قید میں رکھ کر قتل کروا دیا۔ جیل میں منج نے تیل دوئم کی بہن مرنال وتی سے ناجائز تعلقات قایم کر لیے جس کی بنا پر اس کی بہت بے عزتی بھی کی گئی۔ تیل دوئم کی تمام لڑائیوں میں اس کا بڑا لڑکا ستیہ آشرے شریک تھا۔ وہ اپنے والد کے 997 میں انتقال کے بعد تخت نشین ہوا۔ ستیہ آشرے نے اپنے والد کی حملہ آورانہ حکمت عملی جاری رکھی اس کا خاص دشمن راج راج کے تحت چولوں کی بڑھتی ہوئی طاقت تھی۔ راج راج وینگی کے معاملات میں سرگرم مداخلت کرکے مشرقی دکن پر اپنا قبضہ جمانا چاہتا تھا۔

وینگی میں دانارنو کی حکومت کے تین سال بڑی پریشانی میں گذرے۔ اس مدت کے ختم ہونے پر 973 کی ایک لڑائی میں جٹا چود بھیم نے جو تیلگو چود بھیم کا بڑا سردار تھا اور شاید چالوکیہ حکمراں بھیم دوئم کا پوتا تھا اسے قتل کر دیا۔ دانارنو کے لڑکوں کو جلاوطنی میں پناہ لینا پڑی ــــ جٹا چود بھیم نے وینگی میں ستائیس برس تک حکومت کی۔ (1000-973) اس مدت کو چالوکیو کے کتبوں میں تخت کے خالی رہنے کا زمانہ قرار دیا گیا ہے۔ بھیم نے کلنگ کے مشرقی گنگوں اور

ہید مبول پرانبی فرماں روائی قایم کی اخیر میں اس نے تو ندی منڈلم پر حملہ کیا اور راج راج اوّل کے خلاف جنگ شروع کی کیونکہ اس نے دانارنو کے لڑکوں کو اپنے یہاں پناہ دی تھی اور اپنی لڑکی کی شادی چھوٹے بھائی کے ساتھ کر دی تھی اور بڑے بھائی شکتی ورمن اوّل کو اپنے آبائی تخت پر بٹھانے کا وعدہ کیا تھا۔ جٹا چود بھیم لڑائی میں ہار گیا اور قید کر لیا گیا۔ اس طرح وینگی میں حکومت کرنے کے لیے شکتی ورمن کا راستہ صاف ہو گیا۔ لیکن اسے اپنے مددگار عظیم چول راجہ کی ماتحتی قبول کرنا پڑی۔

ستیہ آشرے مشرقی دکن میں چول اقتدار کی توسیع نہ برداشت کر سکا۔ اور 1006 میں اس نے وینگی پر حملہ کر دیا۔ اس کے سپہ سالار بایا لا نامی نے دھانیہ کٹک (دھرنی کوٹ) اور ہین مدال کے قلعوں کو جلا کر خاک کر دیا۔ ستیہ آشرے نے ضلع گنتور میں چیبرولو مقام پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ راج راج نے اس اصول پر عمل کرتے ہوئے کہ حملہ ہی دفاع کی بہترین صورت ہے۔ اپنے لڑکے راجیندر کو ایک زبردست فوج کا کمانڈر بنا کر مغربی چالوکیوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ (1007) راجیندر بیجاپور ضلع میں دونور تک گیا اور چالوکیہ کتبے کے مطابق "پورے علاقے کو بری طرح لوٹا اور بچوں، عورتوں اور براہمنوں کو قتل کر دیا"۔ اس نے بن واسی اور رائچور دوآب کے ایک بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اور مانیہ کھیٹ کو تباہ و برباد کر دیا۔ اسی وقت اس کی فوج کا ایک دوسرا حصہ وینگی سے بڑھتا ہوا حیدرآباد سے 45 میل شمال مغرب میں واقع کولی پاکئی (کل پاک) پہنچ گیا اور اس کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ ستیہ آشرے کو وینگی سے اپنی فوجیں ہٹانا پڑیں۔ وہ بہ دقت تمام اپنے ملک کو چول فوج سے آزاد کرا سکا۔ چول فوج بہت زیادہ مال غنیمت کے ساتھ تنگ بھدرا کے پیچھے واپس ہو گئی۔

راج راج نے اپنی حکومت کے آخری دنوں میں مالدیو کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس نے 1012 میں راجیندر کو باضابطہ ولی عہد مقرر کیا۔ 1010 میں تنجور میں راج راجیشور کا شاندار مندر مکمل ہوا۔ یہ مندر راج راج کے عہد حکومت کی شایان شان یادگار رہے جو اس کے انتقال پر 1014 میں ختم ہوا۔ راج راج خلیج بنگال کے اس پار سنری وجے (پالیم بانگ) اور کٹاہا (کیدہ) کے شیلیندر راجہ شری مار وجے اوتنگ ورمن کی نیگا پٹم میں ایک بدھ وہار کی تعمیر کے لیے ہمت افزائی بھی کی۔ اس وہار کا نام شری کے دتے کے والد کے نام پر چوڑامنی وہار رکھا گیا۔

راجیندر اوّل اپنے باپ کا لائق بیٹا تھا۔ اس نے چول سلطنت کو اس عہد کی سب سے بڑی اور باعزت ہندوستانی سلطنت بنایا۔ اس نے اپنی حکومت کے شروع زمانہ میں ہی اپنے لڑکے راج ادھیراج اوّل کو ولی عہد مقرر کیا۔ اس نے شری لنکا پر حملہ کیا اور اس جزیرے پر قبضہ کرنے کی تحریک کو جسے اس کے والد نے شروع کیا تھا تکمیل کو پہنچایا۔ شری لنکا کے راجہ مہیندر پنجم کو قید کر لیا گیا اور چول ریاست میں بھیج دیا گیا جہاں بارہ برس کے بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد تامل طاقت کا مقابلہ کرنے کے لیے سنہالی طاقت مہیندر پنجم کے لڑکے کیتپ میں مرکوز ہوگئی کیتپ نے تامل طاقت کے خلاف چھ مہینے تک جنگ جاری رکھی۔ اس جنگ میں بڑی تعداد میں تامل سپاہی سنہالی فوج کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ اس نے خود کو جزیرے کے جنوبی حصہ کا جو روہن کہلاتا تھا حاکم بنا لیا اور وکرم راہو اوّل کے نام سے 1029 سے بارہ برس تک حکومت کی۔

اپنی فوج کی قیادت کرتے ہوئے راجیندر پانڈیہ اور کیرل دیشوں میں فاتح کے طور پر داخل ہوا۔ اور اپنے لڑکوں میں سے ایک لڑکے کو ان دیشوں پر وائسرائے کی حیثیت سے مقرر کیا۔ اور اسے چول پانڈیہ کا خطاب عطا کیا۔ وائسرائے کا نیا دفتر مدورا میں قایم کیا گیا۔ تقریباً (21-1020) میں راجیندر ایک بار پھر مغربی چالوکیوں کی جانب متوجہ ہوا۔

ستیہ آشرے کے بعد اس کا بھتیجہ 1008 میں وکرمادیتہ پنجم کے نام سے تخت نشین ہوا اس نے بہت قلیل عرصے تک حکومت کی اور اس کے زمانہ حکومت میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی وکرمادیتہ کے بعد 1015 میں جے سنگھ دوئم گدّی پر بیٹھا۔ جے سنگھ کو کئی مورچوں پر لڑنا پڑا۔ مالوہ کے پرمار راجہ بھوج نے منج کا بدلہ لینے کے لیے چالوکیہ سلطنت پر شمال کی جانب سے حملہ کر دیا اور کچھ عرصے تک لاٹ اور کونکن کے حصوں پر اس کا قبضہ ہوگیا۔ اپنے سرداروں کی مدد سے جے سنگھ زبردست لڑائی کے بعد اُس علاقہ کو جس پر بھوج قابض تھا واپس لے سکا۔ چول بادشاہ راجیندر داس کا سب سے خطرناک دشمن تھا۔ تخت نشینی کے فوراً بعد جے سنگھ نے ستیہ آشرے کے ساتھ لڑائیوں میں جو نقصان ہوا تھا اس کی تلافی کرنا چاہی۔ حالات بھی سازگار تھے کیونکہ راجیندر شری لنکا کی تسخیر اور پانڈیہ اور کیرل کے معاملات طے کرنے میں مصروف تھا۔ وینگی میں وِمل آدتیہ جو 1011 میں اپنے بھائی شکتی ورمن اوّل کے بعد گدّی پر بیٹھا۔ یا تو تخت سے دست بردار ہو گیا یا 1018 میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد جے سنگھ دوئم نے تخت کے لیے وجے دیتہ ہفتم کے

دعوے کی تائید کی۔ اس تخت کا ایک اور دعوے دار راج راج بھی تھا۔ یہ بھی وملادیتہ کا ہی لڑکا تھا جو چول رانی کندوئی سے پیدا ہوا تھا۔ اس منصوبے کو بروئے کار لانے کے لیے جے سنگھ نے دریائے تنگ بھدرا کو عبور کیا اور بلاری پر قبضہ کر لیا۔ غالباً گنگا واڑی کے ایک حصہ پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا۔ وینگی میں وجے دیتہ نے وجے واڑہ دیسز واڑا کو فتح کر لیا اور اپنے حریف راج راج کی تاجپوشی کا جشن ناممکن بنا دیا۔ لیکن راجیندر نے فوراً اپنی سرگرم توجہ جے سنگھ کی جانب مبذول کی اور جنگ کرنے کے لیے دو فوجیں میدان میں اتار دیں۔ ایک رائچور دوآب میں اور دوسری راج راج کی مدد کے لیے وینگی میں داخل ہوئی۔ مغرب میں جے سنگھ کو مسکی کی لڑائی میں شکست ہوئی۔ راجیندر نے اپنے حملہ کو مزید نہیں بڑھایا اور دریائے تنگ بھدرا کو ہی دونوں ریاستوں کے درمیان سرحد مان لیا گیا۔ وینگی میں چول فوجوں نے وجے دیتہ کو کئی لڑائیوں میں ہرادیا اور راج راج کی جانب سے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ چول فوج اور آگے شمال میں کلنگ کی جانب بڑھی کیونکہ اس علاقہ کا مشرقی گنگ حکمراں مدھو کامارنو (1019 - 38) جے سنگھ کے ساتھ لڑائی میں شریک تھا۔ مدھو کامارنو کو سزا دینے کے بعد فوج اپنی طاقت کا زبردست مظاہرہ کرنے کے خیال سے گنگا کی وادی کی جانب بڑھی —— چول فوج کے شمال میں چلے جانے کے بعد ملک کے اندر بے چینی پھیل گئی اور رسل ورسائل کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے راجیندر اوّل شمال کی جانب روانہ ہوا اور گوداوری کے کنارے ڈیرا ڈالا۔ اس نے اپنی فوج جو گنگا تک بڑھ گئی تھی۔ اس کے واپس آنے کے راستے کو محفوظ بنانے کی کوشش کی۔ اس نے 16 اگست 1022 کو اپنے بھتیجے راج راج کا پوری شان وشوکت کے ساتھ تاجپوشی کا جشن منایا۔ شمال سے فاتح فوج بہت جلد واپس ہو کر اس جشن میں شریک ہو گئی اور اپنے نئے دارالسلطنت گنگئی کونڈ شولا پورم میں واپس آگیا۔ نیا دارالسلطنت ضلع ترد چیراپلی (گنگئی کونڈ شولا پورم) کے جنگلوں میں بسایا جا رہا تھا۔

راجیندر نے اس کے بعد جلد ہی ایک زبردست جہازی بیڑہ شری وجے کی سلطنت پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ شری وجے ایک طاقت ور بحری سلطنت تھی جو جزیرہ نما ملایا، سماترا، جاوا اور قرب وجوار کے جزیروں پر حکومت کرتی تھی اور ہندوستان سے چین جانے والے بحری راستوں پر کنٹرول رکھتی تھی۔ راج راج کے عہد حکومت میں اور راجیندر اوّل کی حکومت کے شروع زمانہ میں شری وجے اور چول سلطنت کے درمیان دوستانہ تعلقات تھے۔ کمبج کے حکمراں نے بھی راجیندر سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا چاہتے تھے۔ چول بادشاہوں نے چین میں اپنے سفیر بھی روانہ کیے تھے۔ ان میں بعض بین الاقوامی تعلقات اور بعض تجارت سے متعلق تھے۔ یہ سفیر چین میں 1016-1033 اور 1077 میں پہنچے۔

چین کو بھیجے جانے والے پہلے اور دوسرے سفیروں کی درمیانی مدت میں (1025) راجیندر نے شری وجے کے خلاف لڑائی شروع کی۔ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ لڑائی کیوں چھڑ گئی تھی ممکن ہو سکتا ہے کہ شری وجے۔ چولوں اور چین کے درمیان تعلقات کے قیام میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی ہو یہ بھی ممکن ہوسکتا ہے کہ راجیندر نے صرف دگ وجے کے خیال سے سمندر پار کے ملکوں پر حملہ کیا ہو۔ سبب کچھ بھی رہا ہو راجیندر کی مہم پورے طور پر کامیاب رہی۔ کڈارم (کٹاہا) اور شری وجے کے دارالسلطنت کو خوب لوٹا و برباد کر دیا گیا۔ مارِدِجے اوتنگ ورمن کے جانشین راجہ سنگرام وجے تنگ ورمن کو قید کر لیا گیا۔ لڑائی بظاہر اس طرح ختم ہوئی کہ سنگرام وجے اوتنگ ورمن کو اس کی سلطنت واپس کر دی گئی لیکن اسے چولوں کی اطاعت قبول کرنا پڑی۔ تامل کے ایک کتبے کے حصہ سے جو سوماترا میں دریافت ہوا ہے اور جس پر 1088 کی تاریخ کندہ ہے پتہ چلتا ہے کہ چول سلطنت اور شری وجے کے درمیان سرگرم رابطہ تھا جو کئی نسلوں تک جاری رہا۔

پانڈیہ اور کیرل ریاستوں میں بغاوتیں ہو گئیں جنھیں سختی کے ساتھ فرو کرنے کے لیے یووراج راجہ ادھیراج کو بڑے پیمانہ پر کارروائی کرنا پڑی۔ دونوں باغی شاہی خاندانوں کے شہزادے یا تو قتل کر دیے گئے یا بھاگ کر پناہ لینے کے لیے مجبور ہوئے۔ سری لنکا میں بدامنی بھی پھیل گئی۔ یہاں کا حکمراں دکرم باہو تاملوں کے خلاف جنگ جاری رکھے ہوئے تھا۔ چنانچہ 1041 میں راج ادھیراج اس کے خلاف حملہ کرنے پر مجبور ہو گیا دکرم باہو کی موت تقریباً اسی وقت ہو گئی اور چول صوبوں کے باہر طوائف الملوکی پھیل گئی۔ سنہالی جانبازوں نے پانڈیہ دیش سے ہندوستانی شہزادوں کو جبراً نکال دیا اور قنوج کے دور دراز مقام کے ایک شخص جگتی پال نے جزیرے کے کچھ حصوں پر اپنا قبضہ جما لیا۔ ان میں بہرکیف ایک بات یہ عام تھی کہ یہ سب چول طاقت کے خلاف بغاوت کرتے تھے اور اس کی سزا بھی انھیں بھگتنا پڑتی تھی۔

راجیندر کی حکومت کے آخری زمانہ میں حسب معمول وینگی کے معاملات پر مغربی چالوکیوں کے ساتھ ایک بار پھر جنگ چھڑ گئی۔ چالوکیہ سلطنت میں جے سنگھ دوئم کے بعد اس کا لڑکا سومیشور اوّل آدھا وملّ 1042 میں تخت نشین ہوا۔ اس نے مانیہ کھیت کے بجائے کلیانی کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ یہاں اس نے بہت سی نئی عمارتیں بنوا کر شہر کی رونق بڑھائی اور دارالخلافہ میں بہت سی سہولتیں فراہم کیں۔ اس نے مالوہ کے راجہ بھوج کے خلاف اس لڑائی کو جاری رکھا جسے اس کے والد نے شروع کیا تھا۔ جب اس نے راجہ بھوج کے دارالسلطنت دھارا پر حملہ کیا تو راجہ بھوج نے

سومیشور اوّل کی اطاعت قبول کرلی۔ اس نے وِدربھ کے اُس پار جدید مدھیہ پردیش کے کچھ حصّے میں نیز کوشل اور کلنگ میں اپنا اقتدار قایم کیا اور چکر کوٹ کے ناگ ونشی راجہ دھارا ورش کو بھی اپنی فرماں روائی تسلیم کرنے پر مجبور کیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کاکتیہ سردار پرول اوّل اور اس کے لڑکے بیت نے سومیشور کو اس کی جنگوں میں مدد دی جس کے صلہ میں اس نے انھیں انومکونڈ کی جاگیر عطا کی۔ دوسری جانب سومیشور نے وینگی پر حملہ کرکے چول طاقت کو للکارا۔ وینگی میں راج راج کو 1022 میں اپنی تاجپوشی کے بعد سے کبھی چین نصیب نہ ہوا۔ اُس کے سوتیلے بھائی وجے دیتہ نے تخت کے لیے جنگ پھر سے شروع کردی اور شاید چالوکیہ حکمراں جے سنگھ دوم کی مدد سے راج راج کو وینگی سے نکال باہر کیا اور 1031 میں خود تخت نشین ہوگیا۔ اس نے وشنو وردھن وجے دیتہ ہفتم کا لقب اختیار کیا لیکن 1035 تک راج راج نے اپنی سلطنت واپس لے لی۔ وجے دیتہ نے مغربی چالوکیوں کے دربار میں پناہ لی۔ یہاں اس کا زبردست خیر مقدم کیا گیا۔ اس کے ساتھ راجاؤں کے شایان شان سلوک کیا گیا۔ سومیشور نے وجے دیتہ کے حق کی خاص طور پر تائید کرتے ہوئے وینگی پر حملہ کیا تھا۔ راجیندر اوّل کو یہ خبر بہت جلد مل گئی۔ چونکہ وہ اپنی ضعیفی کی وجہ سے خود میدان جنگ میں آنے کے قابل نہ تھا اور اس کا لڑکا راج ادھیراج جنوب میں مصروف تھا۔ اس لیے ایک معتبر براہمن سپہ سالار کو تین قابل فوجی افسران کے ہمراہ راج راج کی مدد کے لیے روانہ ہونے کا حکم دیا گیا۔ چول فوج اور دشمن کے درمیان کالی ڈنڈی مقام پر گھمسان لڑائی ہوئی لیکن جنگ فیصلہ کُن ثابت نہیں ہوئی۔ اس درمیان راجیندر اوّل کا انتقال ہوگیا اور اس کا لڑکا راج ادھیراج اوّل 1044 میں تخت نشین ہوا۔ راجیندر اوّل کی خواہش تھی کہ وینگی میں چول اقتدار پھر سے قایم ہوجائے چنانچہ تخت نشینی کے فوراً بعد راج ادھیراج نے تیلگو دیش میں ایک مہم کی قیادت کی۔ اس نے مغربی چالوکیوں کی فوج کو کرشنا ندی کے کنارے ڈنٹڈ دھانیہ کٹک مقام پر شکست دی اور سومیشور کے لڑکے وکرمادیتہ کو نیز راج راج کے حریف وجے دیتہ کو میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کیا۔ اس کے بعد وہ مغربی چالوکیوں کے علاقہ میں داخل ہوا اور کولی پاکئی (کل پک) کے اہم قلعہ میں آگ لگادی۔ ان کامیابیوں کی بنا پر کچھ عرصہ تک راج راج کو اطمینان کی سانس لینے کا موقعہ مل گیا۔ اس کے بعد مغربی مورچے پر مہم شروع کی گئی جہاں چولوں کی فوج نے چالوکیوں کے کئی سپہ سالاروں اور جاگیرداروں کو گرفتار کرلیا تھا۔ کمپلی میں چالوکیوں کا محل منہدم کردیا گیا اور دریائے کرشنا کے کنارے پُنڈور مقام پر جم کر لڑائی ہوئی جس میں دشمن کی ہار ہوئی۔ دریا عبور کرکے چولوں کی فاتح فوج نے یَتگری زیر گیر

میں اپنا کیمپ لگایا اور اس مقام پر فتح کی یادگار کے طور پر ایک ستون تعمیر کرایا گیا جس کے سرے پر شہر کا مجسمہ نصب کیا گیا۔ مزید لڑائی کے بعد چالوکیوں کے دارالسلطنت کلیانی کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ راج ادھیراج نے دشمن کے دارالسلطنت میں فاتح کی حیثیت سے جشن تاجپوشی (ویرابھیشکا) منایا اور وجے راجیندر کا لقب اختیار کیا۔ ضلع تنجور کے داراشورم کے مندر میں داخلہ کے وقت دروازے پر دوار پالک کے خوبصورت مجسّمے پر جسے اب ہٹا کر تنجور کی آرٹ گیلری میں رکھ دیا گیا ہے تامل میں یہ کتبہ درج ہے۔" کلیانی پورم جلانے کے بعد اوڑئی یا شری وجے راجیندر کا لایا ہوا دوار پالک"۔

1050 سے قبل سومیشور چولوں فوجوں کو اپنے علاقے سے نکال باہر کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وینگی میں وہ دوبارہ اپنا اثر قایم کرنے میں کامیاب ہو گیا اور راج راج کو چولوں کی اطاعت کے بجائے اپنی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ اخیر میں اس نے چول علاقے میں جوابی حملہ کیا اور کانچی تک بڑھنے کے بعد واپس لوٹ آیا۔ سومیشور کی یہ تمام کامیابیاں راج ادھیراج کی فتوحات کے لیے مہمیز ثابت ہوئیں۔ حالاں کہ یہ واضح نہیں ہے کہ اس وینگی یا کلنگ کو جہاں سومیشور نے اپنا اقتدار قایم کر لیا تھا، دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ راج ادھیراج نے اپنے چھوٹے بھائی اور ولی عہد راجیندر دویم کی مدد سے سومیشور پر دوبارہ یورش کی اور کوپم (کوپ بل) مقام پر لڑائی ہوئی کوپم دریائے کرشنا کے کنارے قدرتی مناظر سے بھرپور مقام ہے۔ دونوں جانب سے زبردست مقابلہ ہوا۔ راج ادھیراج کے زخم کاری لگا اور وہ مرگیا۔ راجیندر نے ابھی تک اپنی طاقت کو محفوظ رکھا تھا۔ اب اُس نے سامنے آکر حملہ کیا اور شکست کو فتح میں بدل دیا۔ اس نے کئی چالوکیہ جنگجوؤں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ ان کی فوج درہم برہم ہو گئی اور بھاگنے پر مجبور ہوئی۔ اتنا ہی نہیں وہ بہت سے ہاتھی گھوڑے اور اونٹ بھی چھوڑ گئی۔ کافی مال غنیمت چولوں کے ہاتھ آیا۔ ان میں کئی عورتیں اور رانیاں بھی شامل تھیں۔ راجیندر دویم نے میدان جنگ میں ہی تاجپوشی کی رسم ادا کی اور کولاپور کی جانب بڑھا یہاں اس نے اپنی فتح کا ستون (جے استمبھ) نصب کیا۔ اس کے بعد وہ اپنے دارالسلطنت گنگئی کونڈ شولاپورم واپس آگیا۔

کوپم کی جنگ میں سومیشور کو جو بے عزتی برداشت کرنا پڑی تھی وہ اس کا بدلہ لینے کے لیے بے چین تھا۔ چنانچہ اُس نے بہت جلد لڑائی چھیڑ دی۔ وینگی میں 1061 میں راج راج کے مرنے پر اس نے وجے دیتہ ہفتم کے لڑکے شکتی ورمن دویم کو تخت پر بٹھایا اور اس کی مدد کے لیے چامند راج کے زیر کمان ایک بڑی فوج روانہ کی۔ اس نے اپنے لڑکے وکرمادیتہ اور جے سنگھ

کو چول علاقے کے ایک حصے گنگا واڑی پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ راجیندر دوئم نے اپنے لڑکے راج مہیندر اور اس کے بھائی ویر راجیندر کی مدد سے دونوں مورچوں پر دشمن کا مقابلہ کیا۔ وینگی میں چامندراج کو شکست ہوئی اور وہ لڑائی میں مارا گیا۔ اس لڑائی میں شکتی ورمن دوئم بھی ختم ہوگیا۔ گنگا واڑی میں حملہ آوروں کو ابتر حالت میں پیچھے ڈھکیل دیا گیا اور میسور دیش میں تنگ اور بھدر اندیوں کے سنگم پر واقع مقام کدال سنگ مم یعنی کدانی میں شکست فاش برداشت کرنا پڑی۔ اس طرح کو یم کے فیصلہ کو لٹنے کے سلسلہ میں سومیشور کی تمام کوششیں رائگاں ہوئیں (1061) اس کے بعد ہی کچھ دنوں میں چول ولی عہد راج مہیندر اس کے والد راجیندر دوئم کا انتقال ہوگیا اور ویر راجیندر 1063ء میں تخت نشین ہوا۔

راجیندر دوئم کی موت کی وجہ سے چالوکیوں کے خلاف ویر راجیندر کی تحریکیں رک گئیں۔ لیکن سومیشور اوّل جانتا تھا کہ دوبارہ حملہ ضرور ہوگا۔ چنانچہ وہ دونوں مورچوں پر سامنا کرنے کے لیے تیار رہا۔ مشرق میں اسے اپنے سرداروں میں ناگ ومی دھارا ورش اور مشرقی گنگ کے وجرہست سوئم سے مدد کی پوری امید تھی۔ اس نے بیزواڑہ کے قرب وجوار میں دھارا کے پرمار شہزادے جن ناتھ کی قیادت میں ایک بڑی فوج تعینات کر دی۔ مغرب میں اس نے وجے دیتہ کو دشمن کے علاقہ میں جنگ جاری رکھنے کے لیے روانہ کیا۔ حسب امید ویر راجیندر بہت جلد مقابلہ کے لیے واپس آگیا۔ وینگی میں چالوکیہ فوجوں کو معمولی شکست ہوئی۔ لیکن چولوں کو شروع میں کوئی فیصلہ کن فتح نہیں حاصل ہوسکی۔ مغرب میں سومیشور کی فوج کو شاید تنگ بھدراندی کے کنارے 1066ء میں شکست ہوئی اور زبردست نقصان برداشت کرنا پڑا۔ سومیشور نے جلد ہی اپنی فوج کو دوبارہ منظم کیا اور ویر راجیندر کو ایک پیغام کے ذریعے دوسری جنگ کے لیے للکارا۔ کدال سنگ یم کو میدان جنگ مقرر کیا گیا۔ چول بادشاہ نے سومیشور کے چیلنج کو بخوشی قبول کر لیا اور میدان جنگ میں آگیا۔ لیکن سومیشور لڑائی کے میدان میں نہیں آیا۔ حالانکہ اس کی فوج معینہ مقام پر جمع ہوگئی تھی۔ ایک مہینہ تک سومیشور کے آنے کا بیکار انتظار کرنے کے بعد ویر راجیندر نے چالوکیہ فوج پر دھاوا بول دیا اور اسے بری طرح ہرا دیا۔ اس کے بعد اس نے تنگ بھدرا ندی کے کنارے فتح کا ستون (جے استمبھ) قائم کیا۔ پھر وہ اپنی فوج کے ساتھ وینگی کی طرف بڑھا۔ وجے دیتہ پہلے ہی سے دوسری جانب سے دفاع کے لیے پہنچ گیا تھا۔ بیزواڑہ کے قریب زبردست جنگ ہوئی جس میں چالوکیوں کو شکست ہوئی۔ ویر راجیندر دریائے کرشنا

کو عبور کر کے کلنگ میں داخل ہوا۔ کلنگ اور چکر کوٹ کے ناگ ومی پردیش کے پڑوس میں کئی لڑائیاں ہوئیں چالوکیوں کی طرف سے وجے دیتہ اور جے ہت سویم کے لڑکے راج راج کے علاوہ وکرما دیتہ بھی شامل تھا اور چولوں کی طرف سے شہزادہ راجیندر تھا جو آئندہ چل کر کلوتنگ اوّل کے نام سے مشہور ہوا۔ اس اثنا میں سومیشور اوّل نے جو بیماری کی وجہ سے ویر راجیندر کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں تھا۔ دریائے تنگ بھدرا میں بمقام کُرودتی خود کو غرق کر کے 29 مارچ 1068 کو پرم یوگ کیا۔ اس طرح چالوکیہ خاندان کا ایک عظیم ترین حکمراں کا خاتمہ ہوا۔ وہ اپنے زمانۂ حکومت میں وینگی پر قابض رہا اور شمالی ہندوستان کے پرماروں اور پرتی ہاروں کو عارضی طور پر اپنی اطاعت تسلیم کرنے پر مجبور کیا۔ جنگوں میں متعدد شکستیں کھانے کے باوجود اس نے چولوں کے خلاف پوری طاقت کے ساتھ مرتے دم تک جدّوجہد جاری رکھی۔ وہ ایک جنگ جو سے زیادہ مدبّر تھا اور یہی سبب تھا کہ وہ متعدد مملکتوں میں کافی عرصے تک اپنا اثر برقرار رکھ سکا۔ اس کے فوجی کارنامے بھی کسی حالت میں کم نمایاں نہیں ہیں۔ اس میں خود اعتمادی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور یہ وصف وہ اپنے قابل سپہ سالاروں اور اپنے مشہور و معروف لڑکے وکرما دیتہ کو بھی عطا کرنے میں کامیاب ہوا۔ وہ امن کی حالت میں فروغ پانے والے فنون سے بھی کافی دل چسپی رکھتا تھا اور کلّیانی کے خوبصورت شہر اسی کی قوت تخیّل کا نتیجہ تھا۔

سومیشور اوّل کی وفات کے بعد اس کا سب سے بڑا لڑکا اسی نام سے تخت نشین ہوا۔ لیکن اس کے چھوٹے بھائی وکرما دیتہ کی حوصلہ مندی شروع سے ہی اپنا رنگ دکھانے لگی۔ سومیشور دوئم ابھی تخت پر بہ اطمینان بیٹھ بھی نہ پایا تھا کہ ویر راجیندر نے زبردست حملہ کر دیا۔ اس نے گٹّی کا محاصرہ کر لیا اور کمپلی پر دھاوا بول دیا۔ وکرما دیتہ نے اپنے بھائی کی پریشانیوں کو اپنے لیے موقعہ غنیمت سمجھا۔ اس نے اس کے سرداروں کو اس کے خلاف ورغلانا شروع کر دیا اور ان کی مدد حاصل کر کے ویر راجیندر کے ساتھ بات چیت شروع کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف ریاستوں کے درمیان حکمت عملی کی بنا پر جو تعلقات قائم تھے ان میں زبردست تبدیلی واقع ہوگئی اور چالوکیہ سلطنت فی الواقع تقسیم ہوگئی۔ وجے دیتہ نے ویر راجیندر کی اطاعت قبول کر لی اور وینگی میں جاگیردار کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا۔ ویر راجیندر کی دو لڑکیوں کی شادیاں خود وکرما دیتہ اور کلنگ کے گنگ شہزادے راج راج کے ساتھ انجام پائیں چالوکیہ سلطنت کے اندر وکرما دیتہ ششم کو ولی عہد مقرر کیا گیا اور سلطنت کے جنوبی نصف حصّے پر قریب قریب خود مختار حکمراں کی حیثیت

سے حکومت کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چولوں اور چالوکیوں کے درمیان دائمی جھگڑے کا خاتمہ ہو گیا۔

ویر راجیندر کی 1069 میں وفات ہو جانے پر صورت حال بالکل بدل گئی۔ اس سلسلہ میں اسباب کی وضاحت سے قبل ویر راجیندر کی حکومت کے کچھ واقعات بتا دینا ضروری ہیں اس نے 1067 سے کچھ پہلے سری لنکا کے حکمراں کے خلاف ایک فوج روانہ کی کیونکہ سنہالی راجہ وجے باہو اول جزیرے سے چول اقتدار کو ختم کرنے کی پورے طور پر کوشش کر رہا تھا لڑائی میں وجے باہو کی شکست ہوئی اور اس کی ملکہ کو قید کر لیا گیا۔ خود وجے باہو کو وانگری (ضلع کیگل میں واکری گل) میں پناہ لینا پڑی لیکن ہم دیکھیں گے کہ آئندہ کچھ برسوں میں وجے باہو کو زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ ویر راجیندر سے ایک شہزادے کے امداد اور تحفظ کی درخواست کرنے پر اس نے (ویر راجیندر) 1068 میں شہزادے کے لیے کدارم فتح کرنے کے واسطے ایک جہازی بیڑہ روانہ کیا۔

ویر راجیندر کی وفات کے بعد وکرمادیتہ کے لیے چول حکمرانوں کے ساتھ تعلقات مفید ہونے کے بجائے ایک بار بن گئے۔ اسے ایک طرف تو اپنے ہی گھر میں اپنے بھائی کی مخالفت برداشت کرنا پڑی اور دوسری جانب مشرقی چالوکیہ حکمراں راجیندر دوئم (کلوتنگ اول) کے منصوبوں کے خلاف اپنے نوجوان سالے ادھی راجیندر کو چول تخت پر برقرار رکھنے کے لیے اور اس کے تحفظ پر توجہ مبذول کرنا پڑی۔ مشرقی چالوکیوں اور چول خاندانوں کے درمیان آپس میں شادیاں ہو جانے کی بنا پر راجیندر کلوتنگ حکومت کی صحیح پوزیشن کا اندازہ درج ذیل شجرے سے کیا جا سکتا ہے۔

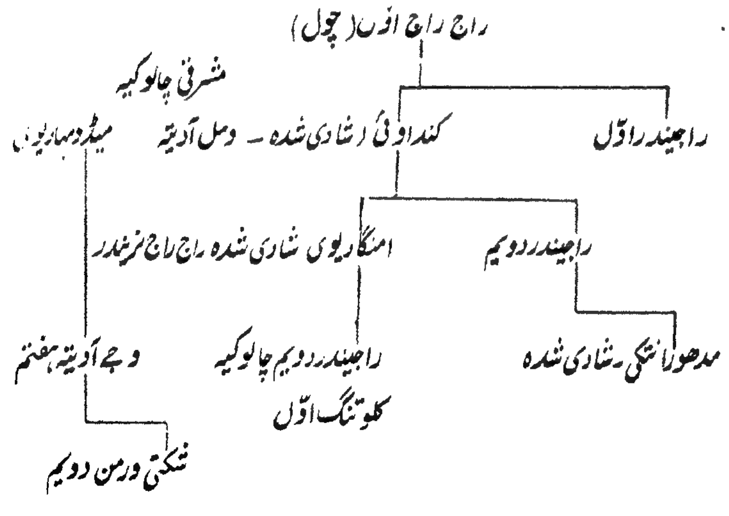

ویر راجیندر نے وینگی کے تخت پر وجے آدیتہ ہفتم کو بٹھا کر راجیندر کلوتنگ اول کو اس کے جائز حق سے محروم کر دیا تھا۔ چنانچہ ویر راجیندر کے مرتے ہی راجیندر کلوتنگ وینگی اور چول دونوں ہی ریاستوں کے لیے اپنا حق پیش کیا اور دباؤ بھی ڈالنا شروع کر دیا۔ وکرمادیتہ پہلے کانچی گیا اور اس مقام پر بغاوت کی جو تیاری کی جا رہی تھی اُسے اس نے شروع ہی میں دبا دیا۔ پھر گنگئی گونڈ چولاپورم میں ادھیراجیندر کی باقاعدہ تاجپوشی کی گئی اور ایک ماہ بعد دریائے تنگ بھدرا کے کنارے واپس آگیا۔ اس کے فوراً بعد اس نے سنا کہ چول راجہ کو عوام کی بغاوت میں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا اور وینگی کے حکمراں راجیندر نے چولوں کے مالی تخت پر قبضہ کر لیا چنانچہ یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ویر راجیندر کی وفات کے بعد راجیندر کو جو تھوڑا سا وقت ملا اس کو اس نے وجے آدیتہ کو وینگی سے نکالنے اور چول شاہی تخت پر قبضہ کرنے کے لیے انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ استعمال کیا۔

وکرمادیتہ نے خود کو دو دشمنوں کے درمیان گھرا ہوا پایا۔ ریاست میں خود اس کا چھوٹا بھائی سومیشور اور چول و وینگی کی ریاستوں میں کلوتنگ اوّل تھا۔ وکرمادیتہ کو اس خطرناک صورت حال سے آزاد کرانے میں چھ سال لگ گئے تھے۔ سومیشور کی پوزیشن کی تو اس نے اس طرح پرواہ نہ کی کہ اس نے سرداروں کو سومیشور کی حق کی تائید نہ کرنے کے لیے راضی کر لیا۔ ان سرداروں میں اس کے چھوٹے بھائی جے سنگھ اور وجے آدیتہ پہلے سے ہی اس کے ساتھ تھے۔ ان کے علاوہ کونکن کا کدمب حکمراں جے کیشی ہویسل خاندان کے ونے آدیتہ اور اس کا لڑکا اڑینگ جنھوں نے مال میں ہی شہرت حاصل کی تھی۔ اوچنگی کا پانڈیہ حکمراں اور یہاں تک کہ دور دراز دیوگری کا یادو حکمراں سیونا دوئم بھی اس سے مل گیا تھا۔ سومیشور کے لیے صورت حال نازک بن گئی تھی۔ لیکن کچھ وفادار سرداروں کی مدد کی بنا پر اپنا اقتدار برقرار رکھنے کی اُس نے انتہائی کوشش کی۔ اس نے کلوتنگ اوّل کے ساتھ دوستی کر لی۔

جب دونوں طرف سے فوجی اور مدبرانہ تیاریاں 1075 تک مکمل ہو گئیں تو وکرمادیتہ اور کلوتنگ کی فوجوں کے درمیان ضلع کولار میں واقع نانگلی مقام پر مڈبھیڑ ہوئی اور جنگ چھڑ گئی۔ وکرمادیتہ کی ہار ہوئی اور چولوں نے اُس کی فوج کے تمام راستے لڑتے ہوئے تنگ بھدرا تک تعاقب کیا۔ کلوتنگ نے گنگا وادی پر قبضہ کر لیا۔ اس لڑائی میں سومیشور کو جس نے کلوتنگ کے ساتھ تعاون کیا تھا اور وکرمادیتہ پر پیچھے سے حملہ کیا تھا۔ سب سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ وکرمادیتہ نے اسے گرفتار کر کے قیدی بنا لیا۔ اُس نے 1076 میں راجہ ہونے کا اعلان کیا اور تخت نشینی کی یادگار کے طور پر ایک نیا چالوکیہ وکرم سمبت جاری کیا۔

کلوتنگ جس وقت وکرمادیتہ کے ساتھ جنگ میں مصروف تھا۔ تری بُری کے بے ہیتا حکمراں لیش کرن دیونے 73-1072 میں وینگی پر حملہ کیا۔ اس واقعہ کا کوئی فوجی یا سیاسی اثر نہیں پڑا گو کہ کلوتنگ کو دوسری جانب اپنا علاقہ مستقل طور پر چھوڑنا پڑا۔ شری لنکا میں وجے باہو نے جزیرے کو تامل حکمرانوں سے آزاد کرانے کی کوشش شروع کر دی اسے کامیابی بھی ملی۔ جزیرے کے جنوب بعید سے اس نے تین فوجیں میدان میں اتاریں۔ یہ تینوں فوجیں بہ یک وقت آگے کی جانب بڑھیں۔ پولونارو انھیں نہس کر دیا گیا اور تقریباً 1070 میں انورادھا پور کو حوالے کر دیا گیا بغاوت کی وجہ سے وجے باہو کی شری لنکا کے حکمراں کی حیثیت سے تاجپوشی میں دیر ہوگئی۔ اس کی تاجپوشی کی رسم 73-1072 میں ادا کی گئی۔ کلوتنگ نے اس نقصان کو برداشت کرنے میں ہی عقلمندی سمجھی اور وکرمادیتہ نے دوست ہونے کی حیثیت سے وجے باہو کی کامیابی پر خوشی کا اظہار کیا اور بیش قیمت تحائف کے ساتھ سفیر روانہ کیے۔

کلوتنگ ہندوستان کی زمین پر پانڈیہ اور کیرل ریاستوں کی بغاوتوں کی طرف سے غفلت نہیں برت سکتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک زبردست فوج لے کر جنوب کی جانب سے روانہ ہوا اور سیمپوماڑن کو تانرد ولی نام اور سالائی مقامات پر زبردست لڑائیوں کے بعد ایک بار تمام علاقہ پر اپنا اقتدار قایم کر لیا۔ نیز پانڈیہ و کیرل کے متعدد شہزادوں کو جنھوں نے اس کی مخالفت کی تھی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ ان دونوں ملکوں میں نقل وحمل کے مخصوص راستوں کے کنارے فوجی نوآبادیاں قایم کیں۔ اس نے راج راج اوّل اور راجیندر کے انتظامی ڈھانچہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی بلکہ مقامی حکمرانوں پر اندرونی معاملات کی ذمہ داری عائد کی۔ شری لنکا کے وجے باہو کو جب معلوم ہوا کہ ان سفیروں کے جنھیں وکرمادیتہ ششم کے دربار کے لیے روانہ کیا گیا تھا ہاتھ پیر کاٹ ڈالے گئے تو اس نے چولوں کے خلاف تقریباً 85-1084 میں جنگ کا اعلان کر دیا۔ وجے باہو جب لڑائی کی تیاری کر رہا تھا تو کرایہ پر لڑنے والے ویلائی کار سپاہیوں نے جو اپنے تامل بھائیوں کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار نہ تھے بغاوت کر دی اور محل میں آگ لگادی۔ وجے باہو کیری گل بھاگ گیا لیکن واپسی پر بغاوت کو کچلنے میں کامیاب ہوگیا۔ باغیوں کے سرغنوں کو ان جرنیلوں کی چتا کے ساتھ جلا دیا گیا جنھیں باغیوں نے قتل کر ڈالا تھا۔ کرایے کے سپاہیوں کو سبق مل گیا اور وجے باہو کی حکومت کے ختم ہوجانے پر تامل زبان میں پتھر کا ایک کتبہ نصب کیا گیا جو آج بھی پولونارو امیں موجود ہے۔ اس کتبے میں وہ معاہدہ کندہ ہے جو متبرک دانت کے مندر کی حفاظت کے لیے کیا گیا تھا۔

کلوتنگ نے وجے باہو کے ساتھ بظاہر صلح کر لی۔ اس کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ اس کی ایک لڑکی شنت ملّی کی شادی سنہالی شہزادے کے ساتھ کر دی گئی۔

چول حکمراں کی 72 تاجروں پر مشتمل ایک نمائندہ جماعت 1077 میں چین پہنچی۔ اور تانبے کے سکّوں کے 800·81 ہار حاصل کیے۔ چول حکمراں نے جو سامان بھیجا تھا مثلاً شیشے کے برتن، کافور، زربفت، گینڈے کے سینگ، ہاتھی دانت، معطر کرنے والی اشیا، عرق گلاب، پٹ چک، ہینگ، سہاگا، لونگ وغیرہ وغیرہ۔ اس کی قیمت کا اندازہ لگایا جائے تو تقریباً ہر چیز کے بدلے میں اسے ایک ڈالا ملا۔ اس زمانہ میں شری وجے کے ساتھ تجارت بہت زوروں پر تھی اور دونوں مملکتوں میں اتنے گہرے تعلقات ہو چکے تھے کہ 1090 میں شری وجے نے کلوتنگ اوّل کے پاس ان دو وہاروں کے انتظام کے سلسلہ میں مشورہ حاصل کرنے کے لیے اپنے سفیر روانہ کیے جنھیں کلوتنگ کے مورث اعلا نے ینگا پٹم میں تعمیر کرایا تھا۔

وجے آدیتہ ہفتم کی وفات کے بعد 1076 میں کلوتنگ نے اپنے لڑکوں کو وینگی میں وائسرائے کی حیثیت سے حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ ان میں راج راج ممّوڈی چول نے 1076-78 تک ویر چوڑ نے 84-1078 تک راج راج چوڈگنگ نے 89-1084 ویر چوڑ نے دوبارہ 92-1089 تک اور اخیر میں وکرم چول نے 1118 — 1092 تک حکومت کی۔ تقریباً 1097 میں کولنو کے سردار نے کلنگ کے اننت ورمن چوڈگنگ کے ساتھ سازش کی اور متحد مورچہ قایم کر کے وائسرائے کے خلاف بغاوت کر دی۔ جنوب بعید کے پرانتک پانڈیہ وکرم چول کی مدد کی۔ کولنو کو تباہ و برباد کر دیا گیا اور جنوبی کلنگ پر حملہ کیا گیا۔ کولنو کے باغی سردار نے اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد اننت ورمن نے بھی یہی کیا۔ کچھ برس بعد تقریباً 1110 میں اننت ورمن چوڈگنگ نے خراج دینا بند کر دیا۔ اس بنا پر چولوں نے کلنگ پر دوبارہ حملہ کیا۔ کلوتنگ کے مشہور سپہ سالار کرون آکار تونڈئی مان نے اس مہم کی قیادت کی۔ حملہ آور فوج نے پورے کلنگ کو تہس نہس کر ڈالا۔ اننت ورمن لڑائی میں ہار گیا۔ اور اسے اپنی جان بچانے کے لیے دار الخلافہ چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ فاتح چول فوج بہت زیادہ مال غنیمت کے ساتھ واپس ہوئی اس مہم کا کوئی مستقل نتیجہ نہیں نکلا۔ البتہ یہ جے انگونڈر کی مشہور نظم "کلنگ اتّو پارنی" کا موضوع ضرور بن گیا۔

کلوتنگ کے عہد حکومت میں چول سلطنت میں 1115 تک کسی قسم کی کوئی کمی نہیں

ہوئی۔ صرف شمری لنکا قبضہ سے نکل گیا۔ دریائے کرشنا اور دریائے تنگ بھدرا کے جنوب کا پورا اور مشرقی ساحل پر گوداوری تک کا مکمل علاقہ حکومت میں شامل تھا۔ چول شہنشاہ کے سفارتی تعلقات دور دراز حکومتوں مثلاً شمالی ہندوستان میں قنوج، ہند چین میں کمبوج (کمبوڈیا) اور پگان کے حکمراں کیان زیتھ (1112 - 1084) کے ساتھ قایم رہے۔ اس کی حکومت کے آخری دنوں میں چالوکیہ وکرمادیتہ کے ساتھ دوبارہ جنگ شروع ہو جانے کی وجہ سے میسور اور وینگی کی ریاستوں میں بد امنی پھیل گئی۔ آئیے اب اسی کے حالات کا مطالعہ کریں۔

تخت نشینی کے بعد وکرمادیتہ اور اس کے سب سے بڑے دشمن کلوتنگ نے اپنی اپنی مجبوریوں کو سمجھا اور ایک نے دوسرے کے ساتھ سرگرم مخالفت کو کچھ عرصے کے لیے موقوف کر دیا۔ وکرمادیتہ کا زمانۂ حکومت عام طور پر پُرامن رہا۔ اس کے دربار میں بلہن اور وگیانیشور جیسے مشہور عالم اور شعرا تھے۔ اس کے چھوٹے بھائی جے سنگھ نے تقریباً 1083 میں بغاوت کر دی۔ اسے ایک گھمسان لڑائی میں شکست ہوئی اور اسے قیدی بنا لیا گیا۔ جے سنگھ نے کلوتنگ سے امداد کے لیے اپیل کی لیکن اس کی درخواست صدا بصحرا ثابت ہوئی۔

وکرمادیتہ کے لیے اس سے بھی بڑا خطرہ ہویسلوں کی طرف سے پیدا ہوگیا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہویسل حکمراں ونے آدیتہ اور اس کے لڑکے ایرے ینگ نے کلوتنگ کے خلاف جنگ میں وکرمادیتہ کا ساتھ دیا تھا۔ ونے آدیتہ کی وفات کے بعد ایرے ینگ نے دو سال سے بھی کم حکومت کی۔ اس کے بعد بلّال اوّل (1110 - 1100) میں تخت نشین ہوا۔ ہویسل حکمراں چالوکیہ راجہ کے ساتھ اطاعت ظاہر کرتے تھے لیکن وہ آہستہ آہستہ اپنا اقتدار بڑھاتے اور اپنی سلطنت کی توسیع بھی کرتے جاتے تھے۔ اس حکمت عملی کا نتیجہ بلّال کے چھوٹے بھائی بٹیگا جو وشنو وردھن کے نام سے مشہور ہے کی حکومت کے زمانہ میں ظاہر ہوا۔ بٹیگا ایک جنگ جو اور حوصلہ مند راجہ تھا۔ اس نے چولوں کے صوبہ گنگا واڑی پر حملہ کیا اور تال کاڑ کے چول گورنر آدی گئی مان کو ہرا کر گنگا واڑی کے صوبے کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا (1116)۔ اس کے بعد وہ وکرمادیتہ کی جانب متوجہ ہوا۔ اسے شروع میں کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ اس نے اچانگی کے پانڈیہ حکمراں اور گوا کے کدمب جے کیسی دوم سے دوستانہ تعلقات قایم کرے اور شمال میں دریائے کرشنا تک بڑھ گیا۔ لیکن وکرمادیتہ نے اپنے وفادار سرداروں بالخصوص یل برگ کے سنداجوگی دوم کی مدد سے صورتِ حال کا سختی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ چالوکیہ سلطنت کے جس حصے پر وشنو وردھن نے

قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی وہاں سے اسے باہر نکال دیا گیا۔ گوا کو لوٹنے کے بعد اسے جلا دیا گیا۔ پانڈیہ حکمراں کا تعاقب کیا گیا اور اس پر پوری طاقت کے ساتھ دباؤ ڈالا گیا۔ ہویسل حکمراں نے بھاگ کر اپنی ریاست کے اندر پہاڑی قلعہ میں پناہ لی۔ چالوکیہ فوج نے یہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ کئی لڑائیاں ہوئیں اور مہم ایک عرصے تک چلتی رہی۔ اخیر میں 1023-1022 میں وشنو وردھن نے وکرمادیتہ کی اطاعت قبول کر لی اور وفادار رہنے کا دوبارہ وعدہ کیا۔

وکرمادیتہ جس وقت ہویسلوں کو کچلنے میں مصروف تھا اسی وقت اس نے کلوتنگ کے خلاف دوبارہ حملہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ غالباً ہویسلوں کو کلوتنگ کے خلاف گنگاواڑی میں جو کامیابی حاصل ہوئی اس سے اس کا حوصلہ بڑھتا گیا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کولنو کے سردار کی بغاوت اور اننت ورمن چوڈگنگ کی شورہ پشتی کی وجہ سے وائسرائے وکرم چول کے زمانہ میں جو دو لڑائیاں لڑی گئیں اُن سے وکرمادیتہ کا کوئی تعلق بھی تھا یا نہیں، لیکن اتنا ضرور تھا کہ تقریباً 1115 میں اس نے وینگی میں مداخلت کی تھی اور یہ مداخلت 1118 میں مزید سرگرمی اختیار کر گئی جب کلوتنگ کے بلانے پر وکرم چول ولی عہد بننے کے لیے وینگی کو چھوڑ کر چول دیش کے لیے روانہ ہوا۔ 1118 میں وکرمادیتہ کے مشہور جرنیل اننت پال کو وینگی کا حکمراں بنایا گیا۔ دوسرے چالوکیہ کمانڈر تیلگو دیش کے دوسرے مقامات پر فائز ہو گئے۔ اس کے بعد کئی سال تک صحیح معنوں میں چول اقتدار کا کہیں کوئی پتہ نہیں چلتا۔

کلوتنگ کو اپنی سلطنت کے ایک اور حصے سے اسی طرح ہاتھ دھونا پڑا۔ اس کی حکومت کے آخری زمانہ میں سلطنت صرف تامل دیش اور متصل تیلگو اضلاع کے مقابلتاً بہت مختصر حصہ تک محدود رہ گئی تھی۔ اس کے باوجود کلوتنگ کا شمار چول خاندان کے عظیم حکمرانوں میں کیا جاتا ہے۔ اس کے طویل عہدِ حکومت کا بیشتر حصہ حکومت کے لیے بے مثل کامرانیوں اور خوشحالی کا زمانہ رہا۔ اس نے بلاضرورت جنگ کرنے سے گریز کیا اور اس کی مدبرانہ پالیسی کے مستقل نتائج اس کے جانشینوں کے زمانہ میں برآمد ہوئے۔ کلوتنگ سویم کے عہد حکومت (1216) کے تقریباً سو برس تک سلطنت گیارھویں صدی کے برابر وسیع نہ ہوتے ہوئے بھی متحد تھی اور مجموعی طور پر کلوتنگ اوّل کی تخت نشینی سے قبل مستقل جنگ و جدال کا جو زمانہ تھا اس میں بھی کمی واقع ہو گئی تھی۔ کلوتنگ کی مدبرانہ قابلیت کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے مقاصد اس کے ذرائع پر منحصر تھے اور وہ ذاتی شان و شوکت کو عوام کی خوشحالی پر کبھی ترجیح نہیں دیتا تھا۔

کتبوں اور روایتوں میں اسے "سنگم تادبرتا" (وہ جس نے کہ محصول سڑک وغیرہ ختم کر دیا) کا لقب دیا گیا ہے۔ لیکن اس اصلاح کی نوعیت اور دائرۂ وسعت کے بارے میں کوئی تفصیل مہیا نہیں ہے۔

وکرم چول کا عہد حکومت 1118 میں شروع ہو گیا تھا حالاں کہ اس کا والد کلوتنگ اول چار برس تک اور زندہ رہا۔ وکرم چول کا سترہ برس کا دورِ حکومت مجموعی طور پر پرامن رہا۔ اس نے چیدام برم کے مندر جس میں چول بادشاہ کماژکم پرانتک اول کے زمانۂ حکومت سے بالخصوص وابستہ رہے اور سری رنگم میں واقع رنگ ناتھ کے مقدس مقام میں بڑے پیمانہ پر اضافے کیے چالوکیہ حکمراں وکرمادیتہ ششم کی وفات (1126) کے بعد اور اس کے نرم مزاج لڑکے سومیشور سوئم کی تخت نشینی کی بنا پر وکرم چول کو وینگی میں دوبارہ اقتدار قایم کرنے کا موقع حاصل ہوا۔ اس تدریجی طریق عمل کی ابتدا 1127 میں اور تکمیل 1133 میں دریائے گوداوری کے کنارے ایک جنگ سے ہوئی جس میں سومیشور بھی موجود تھا۔ اس لڑائی میں ویلانتی چودگونک دوئم جو چولوں کی طرف سے لڑ رہا تھا اس نے مغربی چالوکیوں اور مشرقی گنگ کے حلیف اننت ورمن چودگنگ کی فوجوں کو شکست وفاش دی۔ کئی نامور سپہ سالا قید کر لیے گئے اور بہت بڑی مقدار میں سونا گھوڑے، اونٹ اور بے حد مال غنیمت ہاتھ آیا۔ وکرم چول کو گنگا واڑی میں دوبارہ اقتدار قایم کرنے میں اتنی کامیابی نہیں حاصل ہو سکی، حالاں کہ اس نے ضلع کولار کے کچھ حصّے ضرور واپس لے لیے۔

وکرم چول کے بعد اس کا لڑکا کلوتنگ دوئم تخت نشین ہوا۔ اس کا جشن تاجپوشی 1133 میں منایا گیا۔ اس کی حکومت کا زمانہ 1133 تک پر امن رہا لیکن اس نے 1150 سے ہی حکومت کے نظم ونسق کی تمام ترذمے داری اپنے لڑکے راج راج دوئم کے سپرد کر دی تھی۔ کلوتنگ دوئم نے چیدام برم کے مندر کی تعمیر کو جسے اس کے والد نے شروع کیا تھا جاری رکھا اور اس میں اضافہ بھی کیا۔ تعمیر کے اس سلسلے میں انے نٹ راج کے مندر کے احاطے سے گووندراج کی مورتی کو ہٹا کر سمندر میں پھینک دیا۔ کہا جاتا ہے کہ راما نج نے اس مورتی کو دوبارہ حاصل کر کے تروپتی کے مندر میں نصب کیا۔ کافی عرصے بعد وجے نگر کے حکمراں رام رائے نے اس مورتی کو دوبارہ اپنی اصلی جگہ پر نصب کیا۔

راج راج نے تقریباً 1173 تک عام طور پر امن کے ساتھ حکومت کی۔ چونکہ راج راج کے کوئی لڑکا نہ تھا اس لیے اس نے وکرم چول کی لڑکی کے لڑکے راج ادھیراج دوئم کو اپنا جانشین منتخب کیا اور 1116 میں اسے ولی عہد بھی مقرر کیا۔ راج راج دوئم کی قلمرو میں دکن کا

زدراکشارام تک مکمل تیلوگو دیش، کونگوناڈ اور گنگاواڑی کا مشرقی حصہ شامل تھا۔ مرکزی حکومت کے سرحدی مقبوضات پر سے گرفت کمزور پڑتی جا رہی تھی۔ خود مرکز میں نظام حکومت کی کمزوریاں ظاہر ہونے لگی تھیں۔ ہر جگہ جاگیردار اور سردار اپنی اپنی طاقت بڑھانے میں لگے ہوئے تھے۔

راج ادھیراج دوم کے تخت نشین ہونے کے فوراً بعد پانڈیہ دیش میں تخت نشینی کے لیے جھگڑا شروع ہو گیا جس میں چول اور سنہالی حکمرانوں نے فریق مخالف کی جانب سے مداخلت کی۔ لیکن اس کا نتیجہ دونوں میں سے کسی ایک کے حق میں بھی فائدہ مند ثابت نہیں ہوا۔ خانہ جنگی کی راکھ سے پانڈیہ طاقت نے سر اٹھایا جس نے اپنی نئی طاقت کے جوش میں جلد ہی چول اور سنہالی دونوں حکومتوں کو نگل لیا کلوتنگ اول کی پانڈیہ دیش پر فتحیابی کے بعد مقامی شاہی خاندان کے حکمرانوں کو حسب منشا حکومت کرنے کی اجازت حاصل تھی۔ بشرطیکہ وہ مبہم طور پر ہی چول حکمرانوں کی اطاعت قبول کرلیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ پرانتک پانڈیہ نے وکرم چول کی کلنگ کی پہلی لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ لیکن کلوتنگ اول کی حکومت کے بعد پانڈیہ دیش میں شاید ہی کوئی چول کتبہ پایا جاتا ہے۔ تقریباً 1166 میں مدورا کے پراکرم پانڈے اور کل شیکھر کے درمیان وراثت کے سوال پر جھگڑا ہو گیا۔ کل شیکھر نے مدورا شہر کا محاصرہ کر لیا۔ پراکرم پانڈے نے شری لنکا کے پراکرم باہو اول سے (86-1153) مدد کی درخواست کی۔ لیکن، قبل اس کے کہ شری لنکا سے کوئی مدد پہنچے کل شیکھر نے مدورا پر قبضہ کر لیا اور پراکرم پانڈے، اس کی بیوی اور کچھ بچوں کو مار ڈالا اس کے باوجود پراکرم باہو نے اپنے سپہ سالار لنکا پور کو حکم دیا کہ وہ مدورا کی فتح تک جنگ جاری رکھے اور مدورا فتح کرنے کے بعد اس مقام کو پراکرم پانڈے کے کسی شہزادے کو دے دیا جائے۔ کل شیکھر نے بہت بہادری سے مقابلہ کیا۔ لڑائی طول پکڑ گئی اور لنکا پور کو شری لنکا سے مزید فوج مدد کے لیے منگانا پڑی۔ کل شیکھر نے چول راجہ سے امداد کی درخواست کی چنانچہ پلوراۓ کے زیر کمان ایک بڑی فوج کل شیکھر کی مدد کو پہنچ گئی۔ لڑائی شروع میں کل شیکھر کے خلاف کی گئی اور ضلع رام ند میں کئی مقامات پر اسے شکست ہوئی۔ شری لنکا کے سپہ سالار نے پراکرم پانڈے کے ایک لڑکے ویر پانڈے کو تخت پر بٹھایا۔ لیکن بہت جلد پلوراۓ کی ماتحتی میں چول فوج نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا شروع کیا اور سنہالی فوج کو بری طرح سے ہرا دیا۔ سنہالی فوج کے سپہ سالاروں مع لنکا پور کے جسموں میں شہر کے دروازوں پر کیلیں ٹھونک دی گئیں اور چول راجہ کے حکم کے ایک ایک لفظ کی اس طرح تعمیل کی گئی۔ کل شیکھر مدورا میں دوبارہ داخل ہوا

اس طرح پانڈیہ دیش شری لنکا کا ایک صوبہ بننے سے بچ گیا۔

پلورائے کو جب معلوم ہوا کہ پراکرم باہو برّاعظم پر حملہ کرنے کی تیاری کررہا ہے تو اس نے پراکرم باہو کے بھتیجے شری ولبھ کے اس دعوے کی کہ لنکا کا تخت اسے ملنا چاہیے تائید کرنا شروع کردی۔ شری ولبھ کے زیر کمان ایک فوج روانہ کی گئی جس نے شری لنکا پہنچ کر کئی مقامات پر قبضہ کرلیا اور انھیں تباہ و برباد کردیا گیا۔ پراکرم باہو نے جب دیکھا کہ پراکرم پانڈے کے خاندان کی مدد کے لیے اس نے جو کوشش کی تھی اس کے نتیجہ میں بغیر نقصان کے اور کچھ حاصل نہ ہوا تھا اس نے کل شیکھر کو اپنا حکمراں تسلیم کرلیا۔ اور چولوں کے خلاف اس سے دوستی کرلی۔ لیکن پراکرم باہو کے خطوط اور تحائف جو اس نے کل شیکھر کے لیے روانہ کیے تھے چولوں کے ہاتھ آگئے اور انھیں کل شیکھر کی دغابازی کا علم ہوگیا۔ چولوں نے اپنی حکمتِ عملی فوراً بدل دی۔ چولوں نے کل شیکھر کے خلاف لڑائی چھیڑ دی۔ بعض لڑائیاں چول ریاست کی سرحد کے اندر بھی لڑی گئیں۔ اخیر میں پلورائے نے ویر پانڈے کو مدورا کے تخت پر بٹھایا اور کل شیکھر کو جلاوطن ہونا پڑا۔ اس طرح پراکرم باہو کے منصوبوں پر پانی پھر گیا۔ مدورا کے تخت کے لیے اس نے جتنے امیدوار کھڑے کیے تھے وہ سب ہی ناکامیاب رہے۔ یہ سب واقعات 1169 سے 1177 کے درمیان واقع ہوئے۔ لیکن جھگڑا ابھی ختم نہیں ہوا۔

راج راج دوئم کے زمانۂ حکومت میں مرکز کی طاقت سے آزاد ہونے کے جو رجحانات سرداروں میں پائے جاتے تھے وہ راج ادھیراج کے دورِ حکومت میں اور بھی نمایاں ہوگئے۔ چول حکومت کے شمالی نصف حصہ میں یہ سردار مثلاً شمبورائے، کادورائے، ملے یمان، اور نیلور کے تیلوگو چوڈ آپس میں چول شہنشاہ کی ترقی کے بغیر صلح و جنگ کرتے تھے۔

راج ادھیراج دوئم کے بعد کلوتنگ سوئم تخت پر بیٹھا۔ یہ نہیں معلوم کہ اصل شاہی خاندان سے اس کا کیا رشتہ تھا۔ اس کا دورِ حکومت 1178 سے شروع ہوتا ہے گو کہ راج ادھیراج 1182 تک زندہ رہا۔ کلوتنگ نے ذاتی قابلیت کی بنا پر چول سلطنت کو منتشر ہونے سے ایک نسل تک بچائے رکھا۔ کلوتنگ چول خاندان کے عظیم راجاؤں میں آخری راجہ ہے۔ اس کا عہدِ حکومت چول طرزِ تعمیر ادب اور فن کی تاریخ کے لیے آخری عہد ہے۔

کلوتنگ سوئم سب سے پہلے پانڈیہ دیش کی طرف متوجہ ہوا۔ انتھک پراکرم باہو نے چولوں کے خلاف اپنی کوششوں کو پھر سے جاری کردیا۔ اس نے ویر پانڈے کو سمجھا بجھا کر اپنی طرف ملالیا۔ وینا ڈ کا حکمراں بھی غالباً ان کے ساتھ شامل ہوگیا۔ وکرم پانڈے نام کا ایک شخص جو شاید کل شیکھر کا عزیز

تھا کہ کل شیکھر اس اثنا میں مرگیا ہوگا ۔ کلوتنگ سے ویر پانڈے کے خلاف مدد کا خواستگار ہوا پانڈیہ دیش پر حملہ کر دیا ۔ پانڈیہ اور سنہالی فوجیں لڑائی میں ہار گئیں ۔ ویر پانڈے کو جلا وطن ہونا پڑا ۔ وکرم پانڈے کو مدورا کے تخت پر بٹھا دیا گیا ۔ یہ مہم 1182 سے پہلے ختم ہو گئی ہوگی ۔ ویر پانڈے نے جلا وطنی کی حالت میں اپنے دوستوں کی مدد سے تقدیر بدلنے کی ایک بار پھر کوشش کی ۔ لیکن نیٹور کے میدان جنگ میں اس کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا ۔ ویر پانڈے شری لنکا بھاگ گیا ۔ اس کے بعد اور زیادہ لڑائی نہیں ہوئی کیونکہ وینا ڈ کے حکمراں اور ویر پانڈے دونوں نے کلوتنگ کی اطاعت قبول کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور مدورا پہنچ کر عام دربار میں اظہار بندگی بھی کیا ۔ چول کتبوں کے مطابق اس موقعہ پر کلوتنگ نے شری لنکا کے بادشاہ کے تاج پر اپنا پیر رکھا تھا ۔ (غالباً مبالغہ ہے ۔) یہ دوسری مہم 1189 سے قبل ہوئی ہوگی ۔ ویر پانڈے کے ساتھ اس کی توقع سے کہیں زیاد بہتر برتاؤ کیا گیا ۔ اس کی جان بخشی کے ساتھ اس کی حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے کچھ اراضی اور دوسری طرح کی جائداد عطا کر دی گئی ۔

دوسری پانڈیہ لڑائی کے بعد کلوتنگ نے کونگو علاقے میں ہویسلوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکنے کے لیے مہم شروع کر دی ۔ اس نے تگدور کے ادی گئی مانوں پر دوبارہ چول اقتدار قائم کیا ۔ چیر کے ایک حکمراں کو لڑائی میں ہرایا اور کرووُور میں وت ابھیشک (جشن فتحیابی) منایا 1193 ۔ ان کے تعلقات ہویسل حکمراں بلال دوئم سے بعد میں خوشگوار ہو گئے کیونکہ ایک چول شہزادی کی شادی بلال دوئم کے ساتھ ہو گئی ۔

کچھ عرصے بعد جٹاورمن کل شیکھر نے جو 1190 میں وکرم پانڈے کے بعد تخت پر بیٹھا ۔ اپنی نافرمانی سے کلوتنگ کو ناراض کر دیا ۔ تقریباً 1205 میں کلوتنگ نے پانڈیہ دیش پر تیسری بار یورش کی ۔ اس نے دارالخلافہ کو خوب لوٹا اور اس بڑے کمرے کو جہاں پانڈیہ راجاؤں کی تاجپوشی کی جاتی تھی مسمار کر دیا گیا ۔ کلوتنگ کے اس برتاؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اپنی روز افزوں کمزوری کا احساس تھا ۔ کل شیکھر کو دوبارہ تخت پر بٹھا کر لڑائی ختم کی گئی ۔ لیکن کلوتنگ کی کامیابی کسی صورت میں بھی مکمل نہیں تھی ، کیونکہ بدلہ لینے کے خیال سے لڑائی کی تخم ریزی کر دی گئی تھی ۔

اس سے قبل کہ پانڈیوں کا انتقامی حملہ اسے بے قابو کر سکے کلوتنگ نے شمال میں کئی لڑائیاں لڑیں ۔ مگر ہویسلوں کی مداخلت کی وجہ سے حالات خراب ہونے سے بچ گئے ۔ اس کا اندازہ اُن واقعات سے لگایا جا سکتا ہے جو چول سلطنت کے باہر پیش آئے ۔

کلیانی کے مغربی چالوکیوں کے بارے میں یہ بتا دیا جائے کہ سومیشور سویم ایک امن پسند حکمراں تھا۔ اس کے زمانہ میں ہویسل راجہ وشنو وردھن نے چالوکیہ راجہ کی اطاعت قبول کرنے سے ہی انکار نہیں کیا بلکہ اس کی تبدیلیل کرکے بالخصوص نونبواڑی بنواسی اور ہنگل کے علاقوں میں اپنے اقتدار کی توسیع بھی شروع کردی تھی۔ وشنو وردھن سویم نے سومیشور سویم کے دو لڑکوں یعنی جگدیک مل دوئیم (1138-1151) اور اس کے چھوٹے بھائی تیل سویم (1150-56) کی حکومتوں کے زمانہ میں بھی اپنے حملوں کو جاری رکھا۔ وہ 1149 میں دھرور میں واقع بانکاپور میں آکر مقیم ہو گیا اور دارالسلطنت دوارسمدر کی ذمے داری اپنے لڑکے نرسنگھ پر چھوڑ دی۔ چالوکیہ حکومت کی شان و شوکت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی لیکن اس کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ ہویسل بھی کبھی کبھی چالوکیہ راجہ کے لیے اپنی وفاداری کا اظہار کرتے۔ کلاچوریوں کے بارے میں کیا کہا جائے جنھیں سومیشور کے زمانہ میں قومی خدمات کے صلہ میں سلطنت کے عین وسط میں تاردواڑی کی جاگیر عطا کی گئی تھی۔ اسی طرح کاکاتیہ بھی تھے جنھیں ایک ہزار عیسوی میں وکرمادیتہ ششم سے ستی کا قلعہ عطا ہوا تھا۔ لیکن جو اپنی اصلی جاگیر انومکونڈ کے علاقے میں برابر اضافہ کرتے جا رہے تھے۔ دیوگری کے یادو دل بھی جو تیل دوئیم کے زمانہ سے ہی عام طور پر چالوکیوں کے وفادار چلے آرہے تھے یہی حال تھا۔ تیل سویم ایک کمزور اور ناقابل راجہ تھا۔ تاردواڑی کا سردار بجل کسی طرح تیل سویم کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور بہت کم مدت میں اس نے اپنے لیے دھیرے دھیرے زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل کر لیے تھے۔ 1157 تک اس نے شاہی لقب اختیار کرنا شروع کر دیے تھے۔ یہ سب کچھ ایک نئے عہد کے آغاز کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ لیکن تیل سویم نے اپنی حکومت کے آخری وقت تک اپنی فرماں روائی کو خواہ وہ برائے نام ہی باقی رہ گئی تھی قایم رکھا اور ہویسلوں کی طاقت تدبادشاہ نرسنگھ اوّل بھی ناراضگی سے ہی سہی لیکن اس کی فرماں روائی تسلیم کر لیتا تھا۔ تیل سویم نے کاکاتیہ حکمراں پرول دوئیم سے جنگ کی اور انومکونڈ کے شہر پر حملہ کیا۔ لیکن پرول نے اسے گرفتار کر لیا۔ مگر بعد میں رحم اور وفاداری کے خیال سے مجبور ہو کر اسے رہا کر دیا۔ بہرکیف پرول کی وفات کے بعد بھی دشمنی قایم رہی اور کہا جاتا ہے کہ پرول کے لڑکے رودر کے خوف سے تیل پیچش کے عارضہ میں مبتلا ہوا اور انتقال کر گیا (1163)۔

کلاچوری انقلاب کی اب تکمیل ہوئی۔ بجل نے چالوکیوں کے دارالخلافہ میں اپنی حکومت قایم کر لی۔ اس نے ہویسل حکمراں نرسنگھ اوّل پر حملہ کیا اور بنواسی پر قبضہ کر لیا۔ وہ 1168

میں برسر اقتدار تھا لیکن ایک اور شخص جگدیک مل سویم بھی پورے شاہی خطابات کے ساتھ حکومت کرتا تھا۔ بعض مشکوک روایتوں کے مطابق بجّل لنگایت فرقے کے لوگوں کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آیا۔ اس نئے فرقے سے دشمنی کی بنا پر اُسے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ اس کے تین لڑکوں نے یکے بعد دیگرے 1183 تک حکومت کی۔ لیکن ان میں سے ایک لڑکا بھی اتنا قابل ثابت نہیں ہوا کہ وہ اس حکومت کی جسے اس کے والد نے غصب کر لیا تھا مناسب دیکھ بھال بھی کر سکتا۔ اگرچہ انھوں نے ہویسل حکمراں نرسنگھ اوّل کے لڑکے بلّال دویم 1173-1120 کے ساتھ جنگ جاری رکھی اور شروع میں انھیں کچھ کامیابی بھی حاصل ہوئی 1183ء میں تیل سویم کا لڑکا سومیشور چہارم کالاچوری کی رہی سہی طاقت بھی ختم کر کے تخت پر بیٹھا اور اس طرح اس بدامنی کو ختم کیا جو ان کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ سومیشور چہارم کی ان تمام کامیابیوں کا سبب سپہ سالار برہم یا برمی دیو تھا جو کالاچوریوں کا ساتھ چھوڑ کر سومیشور سے آکر مل گیا تھا۔

سومیشور چہارم کا یادو سردار بھیلم 91-1187 پہلا سردار تھا جس نے سومیشور کی کمزوریوں کو سمجھا اور اس کا فائدہ بھی اٹھانا چاہا۔ اس نے چالوکیہ سلطنت پر حملہ کیا اور 1189 سے پہلے اس کے شمالی اضلاع پر قبضہ کر لیا۔ لیکن کالاچوروں کی طرح یادووں کو بھی اپنے ہم مرتبہ سرداروں سے اپنی فرماں روائی تسلیم کرانے میں وقت کا سامنا کرنا پڑا۔ رتوں شلاہاروں اور کدمبوں نے یادووں کو کبھی اپنا فرماں روا تسلیم نہیں کیا۔ یادووں کے عروج کو دیکھ کر ہویسلوں کے دل میں بھی اپنا اقتدار دوبارہ قایم کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ بھیلم نے نئے نئے علاقوں کی تسخیر میں کچھ سال دکن میں گذارے اس کی حملہ وارانہ کارروائی کی بنا پر سومیشور اور اس کے سپہ سالار برہم کو اپنا مرکز بنواسی میں ہٹا کر لے جانے کے لیے مجبور کیا گیا۔ کلیانی پر یادووں کا قبضہ ہو گیا۔ اس درمیان بلّال دویم نے اپنی طرف سے لڑائی شروع کر دی اور سومیشور اور اس کے سپہ سالار برہم کو متعدد لڑائیوں میں شکست دی گئی۔ آخری لڑائی 1190 میں ہوئی۔ اس طرح چالوکیہ شاہی خاندان ختم ہو گیا۔ سومیشور گمنامی میں دس برس زندہ رہا۔ بلّال دویم اور بھیلم کے درمیان حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے جھگڑا شروع ہو گیا۔ دونوں کے درمیان کئی لڑائیاں ہوئیں اور سوراتور اور گرگ کے نزدیک لکمنڈی کی آخری لڑائی میں بھیلم کی ہار ہوئی (1191) بلّال نے اپنی سلطنت کی شمالی سرحد کو مال پربھا اور کرشنا ندی تک بڑھا لیا۔ اس سے آگے شمال کی جانب کے علاقے پر یادووں کا قبضہ برقرار رہا۔ بھیلم نے دیوگری کی بنیاد ڈالی اور اسے اپنا دارالسلطنت بنایا۔ چالوکیہ سلطنت کے مکمل زوال پر کاکتیوں کے

ہاتھ بھی کچھ علاقہ آیا۔

بلّال دوئم اپنے شمالی مقبوضات پر امن کے ساتھ حکومت نہ کر سکا۔ بھیلم کے بعد اس کا لڑکا جے تُنگی تخت نشین ہوا۔ اس نے کاکتیہ سردار رودر کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ رودر مار ڈالا گیا اور اس کے بھتیجے گن پتی کو قید کر لیا گیا۔ (1196) رودر کے بعد اس کا چھوٹا بھائی مہادیو تخت نشین ہوا۔ مہادیو کو اپنے مختصر دور حکومت میں ایک بغاوت کا سامنا کرنا پڑا اور غالباً یادووں کے خلاف جنگ بھی کرنا پڑی۔ مہادیو کے 1196 میں انتقال کر جانے پر جے تُنگی نے اس کے لڑکے گن پتی کو قید سے رہا کر کے تخت نشین کر دیا۔ جے تُنگی کے لڑکے اور جانشین نے دس برس بعد 1210 میں اپنی تخت نشینی کے فوراً بعد ہویسلوں کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ اس جنگ میں کونکن کے کدمبوں اور دوسرے سرداروں نے جو کچھ سال پہلے سے ہی بلّال دوئم کی مخالفت کر رہے تھے سنگھن کی مدد کی۔ سنگھن کی یورشوں کی بنا پر بلّال دوئم کو اس تمام علاقے سے ہاتھ دھونا پڑا جو اس نے سومیشور چہارم اور بھیلم سے حاصل کیا تھا۔ (1216)

وینگی میں راج راج دوئم کی حکومت کے آخری دنوں میں ویلناڈو کے چودھ سردار نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ نیلور کے تیلوگو چودوں کی ایک شاخ نے بھی جس کی ابتدا وکرم چول کے دور حکومت میں بیت نے کی تھی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ نیلور یا شمالی سرکار میں راج ادھیراج دوئم کی حکومت کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ لیکن کلوتنگ سوئم کے زمانہ حکومت میں صورت حال بدل گئی اور تیلوگو چودھ حکمراں نل سدھ اول اور اس کے بھائی تموسدھ 1187 سے کلوتنگ کی وفات تک چول بادشاہ کی اطاعت میں رہے۔ لیکن اس درمیان بہت کم وقفہ کے لیے صورت حال میں تبدیلی واقع ہوئی، جب نل سدھ نے 93-1192 میں کانچی پر قبضہ کر لیا اور 1196 میں کلوتنگ نے اسے شہر سے نکال باہر کیا۔ کلوتنگ کی حکومت کے آخری دنوں میں پانڈیوں کے حملہ کی وجہ سے صورت حال نازک بن گئی تھی تیلوگو چودھ نے ایک بار پھر خود مختار ہونے کی کوشش کی اور اس مرتبہ اسے کچھ کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ چول دیش پر پانڈیوں کے حملہ کے بارے میں آئندہ باب میں بتایا جائے گا۔ کلوتنگ نے 1208 میں ایک بار پھر شمال میں جنگ کی۔ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے وینگی پر قبضہ کر لیا اور کاکتیوں کے دارالسلطنت ورنگل میں داخل ہوا۔ لیکن یہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس زمانہ میں کاکتیوں کا حکمراں گن پتی بہت طاقتور تھا۔

اس عہد میں چیر دیش کی تاریخ پر روشنی ڈالنے کے لیے ہمارے پاس مواد کی کمی ہے۔ نوین

صدی کے کئی حکمرانوں کے کتبے ملتے ہیں۔ ان میں آدیتہ اول جس کے بارے میں اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس کے ہم عصر استھانو روی کا کتبہ بہت اہم ہے۔ وہ نویں صدی کی آخری چوتھائی میں حکومت کرتا تھا اور یریائی عیسائی کوٹایم کی تانبے کی تختیاں استھانو روی سے ہی متعلق ہیں۔ ان تختیوں میں عیسوتاپیر کے تعمیر کیے ہوئے کولم کے ترینا پلی گرجا گھر کی زمین پر مزدوروں کے بسائے جانے کا ذکر ہے۔ استھانو روی کے بعد شاید وجے راگ دیوا سی کا وارث ہوا۔ کوٹایم کی تانبے کی تختیوں میں اس کا ذکر مندر یا شاہی محل (کوال ادی گار یلگل) کے منتظم کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ لیکن تر ووڑی یور کے کتبے میں اسے کیرل کا حکمراں بتایا گیا ہے۔ بعد کے حکمرانوں میں بھاسکر روی ورمن (1147 - 1106) قابل ذکر ہے۔ شری ولبھن کوڈئی اور وینارڈ کے گوردردھن مارتند ورمن اس کے ہم عصر تھے۔ کوچین کے یہودیوں کے پاس بھاسکر روی ورمن کی جاری کردہ تانبے کی ایک تختی ہے۔ اس تختی میں اسو پّوار پّان (جوزیف ربّان) کو دیے گئے۔ شاہی عطیے کا ذکر ہے جس میں اسے رنج وتم کے اختیارات دیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کو اور اس کے وارثین کو مستقل طور پر پالکی استعمال کرنے، سڑک ٹیکس اور مال گذاری وصول کرنے کے 72 محاصل پر مالکانہ حقوق کا بھی ذکر ہے۔ بھاسکر ورمن کے کتبے جنوب میں چنگن سیری سے لے کر شمال میں وائی ناڈ تعلقہ میں واقع تر و نیلی مندر تک کے وسیع علاقے میں پائے گئے ہیں۔ راج راج اوّل اور اس کے وارثین کے زمانہ میں چیر دیش کے بیشتر علاقے چول بادشاہوں کے تحت تھے۔ کلوتنگ اوّل کی تخت نشینی سے قبل چول بادشاہوں کی بدامنی کے زمانہ میں چیر دیش نے بغاوت کر دی تھی۔ ہم پڑھ چکے ہیں کہ کلوتنگ نے کس طرح چیر دیش کو دوبارہ فتح کیا اور اس کے جنوبی علاقہ میں کس طرح فوجی نوآبادیاں قایم کیں۔ بارھویں صدی میں دینارڈ کے حکمرانوں کے کتبے ہیں جس میں کسی کسی کتبے میں دینارڈ کے لیے چیرناڈو اور کہیں کہیں کوپک دیش نام کا استعمال کیا گیا ہے۔ ان حکمرانوں میں سے کسی ایک کو دکرم چول کے ایک سردار پرانتک پانڈے نے مغلوب بھی کیا تھا۔

اس عہد میں بھی گذشتہ عہد کی طرح حکومت کی شکل موروثی بادشاہت تھی۔ لیکن جہاں قدیم زمانہ میں سادگی اور شخصی حکومت تھی وہاں اس زمانہ میں بے شمار شاہی محلات، سرکاری افسر اور رسوم اور وسیع سلطنتوں کے مرکزی ذرائع کی شان دار نمائش کے ذریعے شاہی اختیارات کا مظاہرہ کیا جاتا تھا۔ راجہ کی تاجپوشی کی رسم اہم اور شان دار طریقے سے ادا کی جاتی تھی۔ اس موقعہ پر راجہ بڑی فیّاضی سے پیش آتا تھا۔ چالوکیہ حکمرانوں کی تاجپوشی کی رسم عام طور پر پٹّہ دکل (اس کا

صحیح مفہوم تاجپوشی کا بستر ہے) میں منائی جاتی تھی۔ لیکن چول راجہ اپنی تاجپوشی کی رسم مختلف مقامات پر مثلاً تنجور، گنگئی کونڈ شولاپورم، چیدام برم، اور کبھی کبھی کانچی پورم میں مناتے تھے۔ تخت کے لیے جھگڑے ہوتے تھے لیکن عام طور پر شاہی خاندان کے سب سے بڑے لڑکے کے حق وراثت کو تسلیم کیا جاتا تھا اور راجہ کے دوران حکومت ہی ولی عہد کا تعین کر دینے کی بنا پر جھگڑے کے امکانات بے حد کم ہو جاتے تھے۔ چول راجہ آدیتہ دوئم کا اس کے چچا اتم چول کے ہاتھوں قتل کیا جانا سیاسی اولوالعزمی کی انتہائی غیر معمولی مثال تھی اور اس عہد کے بادشاہ پرانتک دوئم اور اس کے لڑکے راج راج نے اس سلسلے میں ضرورت سے زیادہ نرمی کے ساتھ اس معاملہ پر غور کیا تھا۔ وکرمادتیہ ششم جس قدر حوصلہ مند تھا اسی قدر قابل بھی تھا۔ اس نے اپنے بڑے بھائی کو تخت سے اتارنے کے لیے جنگ سے قبل اس کے خلاف بدانتظامی کے الزامات ہی کو آخری وسیلہ بنایا تھا۔ چول راجہ راج راج اوّل نے کتبے قائم کرنے کا ایک نیا طریقہ شروع کیا تھا۔ ان کتبوں میں حکومت کے مخصوص واقعات دیباچہ کی صورت میں درج کیے جاتے تھے اور وقتاً فوقتاً اضافہ کر کے انھیں جدید ترین بنایا جاتا تھا۔ جاگیرداروں کے ساتھ راجہ کے تعلقات وقتاً فوقتاً موقع و محل کے لحاظ سے بدلتے رہتے تھے۔ چول حکومت کا انتظام سلطنت چالوکیوں کے نسبتاً زیادہ سخت اور مرکزی تھا۔ چالوکیہ حکمراں تربیت یافتہ مدبر مقرر کرتے تھے جو سلطنت کے مختلف حصّوں میں حکمراں اور جاگیرداروں کے درمیان رابطہ قایم رکھنے کے فرائض انجام دیتے تھے۔ شاہی خاندان کے شہزادے حکومت کے اہم شعبوں کی دیکھ بھال کے لیے وائسرائے کی حیثیت سے مقرر کیے جاتے تھے۔

شاہی محل میں مختلف نام اور کام کے لیے بے شمار ملازم ہوتے تھے جس میں کئی طرح کے باڈی گارڈ بھی شامل تھے۔ تاجپوشی کا کمرہ اور باورچی خانے کے انتظام کی ذمّے داری زیادہ تر خواتین پر ہوتی تھی۔ چول حکمرانوں کے محل کے خدمت گار رجیمنٹ کی شکل میں منظّم تھے اور دارالسلطنتوں میں الگ مکانوں میں رہتے تھے۔ تیرھویں صدی کا ایک چینی مصنّف چاؤ جو کوا چول سلطنت کے بارے میں لکھتا ہے کہ "شاہی دعوتوں کے موقع پر حکمراں اور دربار کے چار وزرا تخت کے نیچے کھڑے ہو کر سلام کرتے ہیں۔ اس کے بعد تمام حاضرین موسیقی، گیت اور رقص شروع کر دیتے ہیں۔ بادشاہ شراب نہیں پیتا لیکن گوشت کھاتا ہے۔ لیکن ملک کے دستور کے مطابق سوتی لباس پہنتا ہے اور روٹی کھاتا ہے۔ اس نے اپنے دسترخوان اور تحفظ کے لیے بے شمار رقاصائیں رکھ لی تھیں جن میں سے تین ہزار باری باری سے اپنے فرائض انجام دیتی ہیں"۔ چالوکیوں کے محل میں دوسرے افسروں کے علاوہ

ایک مہنوورگیڈ (حاجب) یعنی وہ افسر ہوتا تھا جو راجہ کے امور خانہ داری کا انتظام کرتا تھا اور دوسرا بھانس ورگیڈ (جائداد کا منتظم) ہوتا تھا۔ شاہی خاندان کے شہزادے اور دوسرے امرا اپنے ذوق سلیقہ اور وسائل کے لحاظ سے اپنے یہاں خانہ داری کا انتظام بھی اسی طرح رکھتے تھے۔

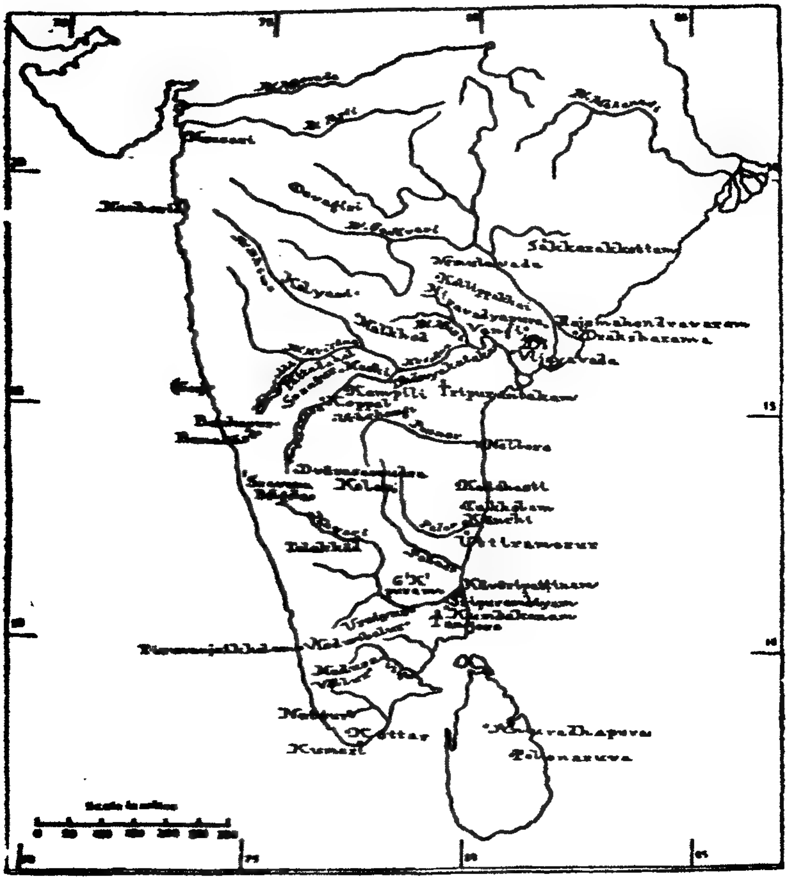

جنوبی ہندوستان، 800 سے 1200 عیسوی تک

حکمراں زبانی احکامات کے ذریعے اپنے فرائض انجام دیتا تھا۔ ان احکامات کے حصول اور تعمیل ایک طریق کار کے تحت کی جاتی تھی۔ عدالت عالیہ (اولئی) کے علاوہ چول حکمراں کے پاس قریبی ملازمین اور وزرا کی ایک جماعت ہوتی تھی جو نظم و نسق سے متعلق تمام شعبہ جات کی نمائندگی کرتی تھی اور انتظامی امور میں راجہ کو مشورہ دیتی تھی۔ چالوکیہ دربار میں بھی اسی طرح کے افسر ہوتے

تھے۔

چولوں کی انتظامی مشینری ایک وسیع اور پیچیدہ نوکر شاہی تھی جس میں مختلف مراتب کے افسر ہوتے تھے۔ ان سرکاری افسروں کے سماج میں الگ ایک طبقہ تھا جو دو حصّوں میں بٹا ہوا تھا۔ اعلا طبقہ پیرونڈ انم اور ادنا طبقہ سیروڈانم کہلاتا تھا۔ سرکاری عہدے عام طور پر موروثی ہوتے تھے اور فوجی و غیر فوجی خدمات میں کوئی واضح امتیاز نہ تھا۔ ہمیں ان اصولوں کی کوئی واقفیت نہیں ہے جن کے تحت سرکاری ملازمت کے لیے انتخاب کیا جاتا تھا اور بعد ازاں ترقی دی جاتی تھی۔ افسروں کو ان کی تعیناتی کے مقام کی سہولتوں کے پیش نظر اُجرت کے بجائے آراضی (جیوتیس) دے دی جاتی تھی۔ عوام کی خدمات کے صلہ میں سرکاری ملازمین کو جو انعامات دیے جاتے تھے ان میں خطابات اور لڑائی کے مال مسروقہ میں بھی حصّہ دیا جاتا تھا۔

انتظامی نقطۂ نظر سے چول سلطنت چھوٹے چھوٹے سب ڈویژنوں میں تقسیم تھی۔ ایک ڈویژن ول ناڈو یا منڈلم، ناڈو اور کرّم میں بالترتیب منقسم تھا۔ بڑے بڑے شہر الگ کرّم بن جاتے تھے جو تینور یا تن کرّم کہلاتے تھے۔ سرکاری خزانہ کی آمدنی کا مخصوص ذریعہ مالگذاری تھا۔ چنانچہ اراضی سے متعلق حقوق اور واجب الادا مالگذاری کا نقشہ تیار کرنے میں بہت احتیاط برتی جاتی تھی تمام آراضی کی ہوشیاری کے ساتھ پیمائش کی جاتی تھی اور ایسی زمین کی درجہ بندی کی جاتی تھی جس سے لگان وصول کیا جاتا تھا یا جس سے کوئی لگان وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ ہر ایک شہر اور گاؤں میں وہ زمین جس پر رہائشی مکانات بنے ہوئے تھے (اُرنتم) مندر، تالاب یا گاؤں سے آب پاشی کے لیے نہر جاتی تھی، پرچیری (پست اقوام کی جھونپڑیاں) کمن چیری (دستکاروں کی بستیاں) اور اس زمین سے جہاں مردے جلائے جاتے تھے (سوڈوگاڈو) ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنا قرار دیے گئے تھے۔ اس تمام رقبے کو گاؤں کے مجموعی رقبے سے گھٹانے کے بعد قابل ٹیکس اراضی کا پتہ چل جاتا تھا ٹیکس کے قابل اراضی کی مزید درجہ بندی اراضی کے زرخیز ہونے اور فصل کا لحاظ رکھتے ہوئے کی جاتی تھی۔ ایسی اراضی جو کسی شخص کو بطور چھوٹ دی گئی ہو نیز ایسے اداروں کا جو مستثنا قرار دیے جاتے تھے حساب بہت ہوشیاری کے ساتھ رکھا جاتا تھا۔ حکمراں کے افسروں کو واجب الادا مالگذاری ادا کرنے کی ذمہ داری پورے گاؤں کی ہوتی تھی۔ مالگذاری وصول کرنے میں اکثر سختی سے بھی کام لیا جاتا تھا۔ چول حکومت کے بہترین زمانہ میں بھی سرکاری افسروں کے رویہ کے خلاف گاؤں والوں کو شکایت کے مواقع ملتے تھے۔ مرکزی گرفت کے کمزور پڑ جانے پر مقامی طور پر مظالم میں اور بھی اضافہ ہو جاتا

تھا۔ ایسی مثالیں ملتی ہیں جب ایک پورے ضلع کے گاؤں والوں نے مجلس کے ذریعہ مستبدانہ اور غیر معمولی ٹیکسوں کے نفاذ کی مخالفت کرنے کے لیے اجتماعی طور پر اقدام کرنے کا فیصلہ کیا۔ سہولت کے خیال سے لگان نقد یا جنس دونوں میں وصول کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ تجارتی سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے پر راہ داری وصول کی جاتی تھی۔ پیشوں اور مکانات پر بھی ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ شادی وغیرہ رسوم کی ادائیگی کے لیے فیس دینا پڑتی تھی اور عدالتی جرمانے بھی ادا کرنا پڑتے تھے۔ عام طور پر ان سرکاری ٹیکسوں کے علاوہ عوام کے بعض طبقے کسی خاص مقصد کے پیش نظر اکثر اپنی مرضی سے اپنے اوپر ٹیکس عاید کیے جانے کا فیصلہ کرتے تھے۔

دیہی عدالتوں اور ذات پات کی بنا پر قایم شدہ پنچایتوں کے علاوہ حکومت کی باضابطہ قایم کردہ عدالتیں بھی تھیں جن میں مقدمات کی سنوائی ہوتی تھی۔ اور انصاف کیا جاتا تھا۔ مقدمات کی سماعت کے دوران رسم رواج، دستاویزات اور شہادت کے طور پر گواہ پیش کرنے کی اجازت ہوتی تھی جہاں انسانی شہادت نہیں مل پاتی تھی وہاں اقبال جرم کے سلسلہ میں اذیت رسانی کے طریقوں کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ ایسے لوگوں کا ملکیت پر اکثر حق تسلیم کر لیا جاتا تھا جو جان کی بازی لگا کر ثبوت پیش کرنے کو تیار رہتے تھے۔ بغاوت کے مقدمات کا فیصلہ حکمراں خود کرتا تھا۔ اور سزائے موت کے علاوہ مجرم کی جائداد بھی بحق سرکار ضبط کر لی جاتی تھی۔ معمولی جرائم کی سزا جرمانہ اور قید ہوا کرتی تھی۔ چاؤ-جوکوا لکھتا ہے کہ "جب عوام میں سے کوئی فرد جرم کرتا ہے تو دربار کا وزیر اسے سزا دیتا ہے۔ اگر جرم معمولی ہوتا ہے تو مجرم کو لکڑی کے چوکھٹے سے باندھ کر پچاس ستر اور سو ڈنڈے مارنے کی سزا دی جاتی تھی۔ سنگین جرائم کی صورت میں گردن زدنی یا ہاتھی کے پیروں کے نیچے ڈال کر مار ڈالنے کی سزا دی جاتی تھی۔"

چول بادشاہوں کے عہد حکومت کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ دیہی خود مختار اداروں نے اپنے فرائض کی انجام دہی میں غیر معمولی طور پر مستعدی اور کارکردگی کا ثبوت دیا۔ مقامی معاملات کے انتظام کے لیے ترقی یافتہ کمیٹیوں کا طریقہ (واری یم) نکالا گیا۔ پرانتک اول کے عہد حکومت میں اتیر میرور کی سبھا کا بہت تھوڑے وقفے کے بعد اپنے تجربہ کی بنا پر طریق کار میں دوبارہ نظر ثانی کرنے کی ایک ایسی نمایاں مثال ہے۔ جو اس امر کی جانب اشارہ کرتی ہے کہ سلطنت میں ہر جگہ تجربہ کی بنا پر انتظامی طریق کار کو بہتر بنانے کے لیے اسی طرح کوششیں جاری تھیں۔ دیہی سطح پر ملازمین کے علاوہ اس امر کے مخصوص انتظامات بھی کیے جاتے تھے جن کے تحت مقامی سردار یا مقتدر سرکاری افراد کو الگ سے

پولیس ٹیکس (پادیکاول کلی) ادا کیا جاتا تھا اور اس کے صلہ میں وہ شخص ایک مخصوص علاقہ کے رہنے والے لوگوں کی جان و مال کی نگرانی کے فرائض انجام دیتا تھا۔ مرکزی حکومت کے کمزور پڑ جانے پر اس طریق کار کی اہمیت اور ضرورت میں مزید اضافہ ہو جاتا تھا۔

اس جگہ نظم و نسق کی تفصیلات کا جو خاکہ پیش کیا گیا ہے اس کا تعلق خصوصاً چول سلطنت سے ہے۔ لیکن جنوبی ہندوستان میں دوسرے مقامات پر بھی عام طور پر یہی صورت تھی۔ مختلف حکومتوں میں صرف انتظامی اصطلاحات میں فرق پایا جاتا تھا۔

قرونِ وسطیٰ کے طرزِ حکومت کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بالخصوص معاشرے کے اعلیٰ طبقے کے فائدے اور آرام کے لیے وضع کیا گیا تھا اور عام لوگوں کے بارے میں غفلت برتی جاتی تھی۔ اس میں زیادتی کے جو امکانات موجود تھے اس عہد کے دولت کے استعمال کے مروجہ طریقہ اور غریبوں کی خدمت کرنے میں دوسرے لوگوں کے ساتھ مقابلہ کر کے شہرت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس عہد میں عوام کے درمیان عزت اور شہرت نیز سماج میں برتری حاصل کرنے کے لیے جو معمولی طریقے اختیار کیے جاتے تھے، ان میں مندروں کی تعمیر، مٹھوں کا وقف کیا جانا اور ان دونوں کے ساتھ اسکول یا اسپتال کا وابستہ کرنا، بنجر زمین کو قابلِ کاشت بنانا اور آب پاشی کے ذرائع میں اضافہ کرانا وغیرہ سماجی خدمات کے کام شامل تھے۔ راجا، امرا اور مندر، عام آدمی کی تیار کردہ صنعتی اشیا کو بڑے پیمانہ پر متعدد طریقوں سے لیا کرتے تھے۔ لیکن اس دولت کا بیشتر حصہ اجتماعی ترقی کے کام کے لیے انھیں واپس کر دیا جاتا تھا۔ معاشرے کی یہ عجیب و غریب ہم آہنگی انفرادی یا طبقہ وارانہ مساوات پر مبنی نہ تھی بلکہ اس کا انحصار ہمہ وقت الملکی اور باہمی گرم جوشی پر تھا جس کی جڑیں اجتماعی زندگی کی بنیادوں میں بہت گہری جمی ہوئی تھیں۔

معاون کتابیں

اینچ ڈبلو۔ کاڈرنگٹن :۔ اے شارٹ ہسٹری آف سیلون۔ (لندن 1929)

جے۔ ڈی۔ ایم۔ ڈیریٹ :۔ دی ہویسلس (آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1957)

جے۔ ایف۔ فلیٹ :۔ ڈائنسٹیز آف دی کناریز ڈسٹرکٹس (بامبے گزیٹیر جلد اوّل حصّہ دوم 1896)

لیف ہرتھ اینڈ ڈبلو۔ ڈبلو۔ راک ہل :۔ چاؤ جو کوا (سینٹ پیٹرس برگ 1912)

ایچ۔ سی۔ رے :۔ ڈائنسٹک ہسٹری آف ناردرن انڈیا۔ 2 والیومس (کلکتہ 1931، 1936)

کے۔ اے۔ این۔ شاستری :۔ کولاز جلد اوّل و دوم۔ (مدراس 1935، 1937) سیکنڈ ایڈیشن 1955

بی۔ وینکٹر منیہ :۔ دی ایسٹرن چالوکیاز آف وینگی (مدراس 1950)

کلیانی کے چالوکیے

(1) تیل دوم۔ جونتھادیوی سے شادی کی 973-97

(2) ستیہ آشرے۔ اری وبیدنگ 997-1008

دش ورمن بھاگیہ وتی سے شادی کی

مہادیوی۔ شادی ہوئی اری ولو ملب ادیراج

(3) وکرمادتیہ پنجم 108-15

(4) آیانا 1015

اکادیوی

(5) جے سنگھ 1015-42

(6) سومیشور اول 1042-68

اوّل دیوی۔ شادی کی سیونا بھیلم سویم۔

(7) سومیشور دوم 1068-76

(8) وکرمادتیہ ششم 1076-1126

جے سنگھ سویم

(9) سومیشور سویم 1125-38

جے کرن

(10) پرم جگدیک مل دوم 1138-55

(11) تیلپ سویم 1149/50-63

(12) جگدیک مل سویم 1163-83

(13) سومیشور چہارم 1184-1200

مشرقی چالوکیہ

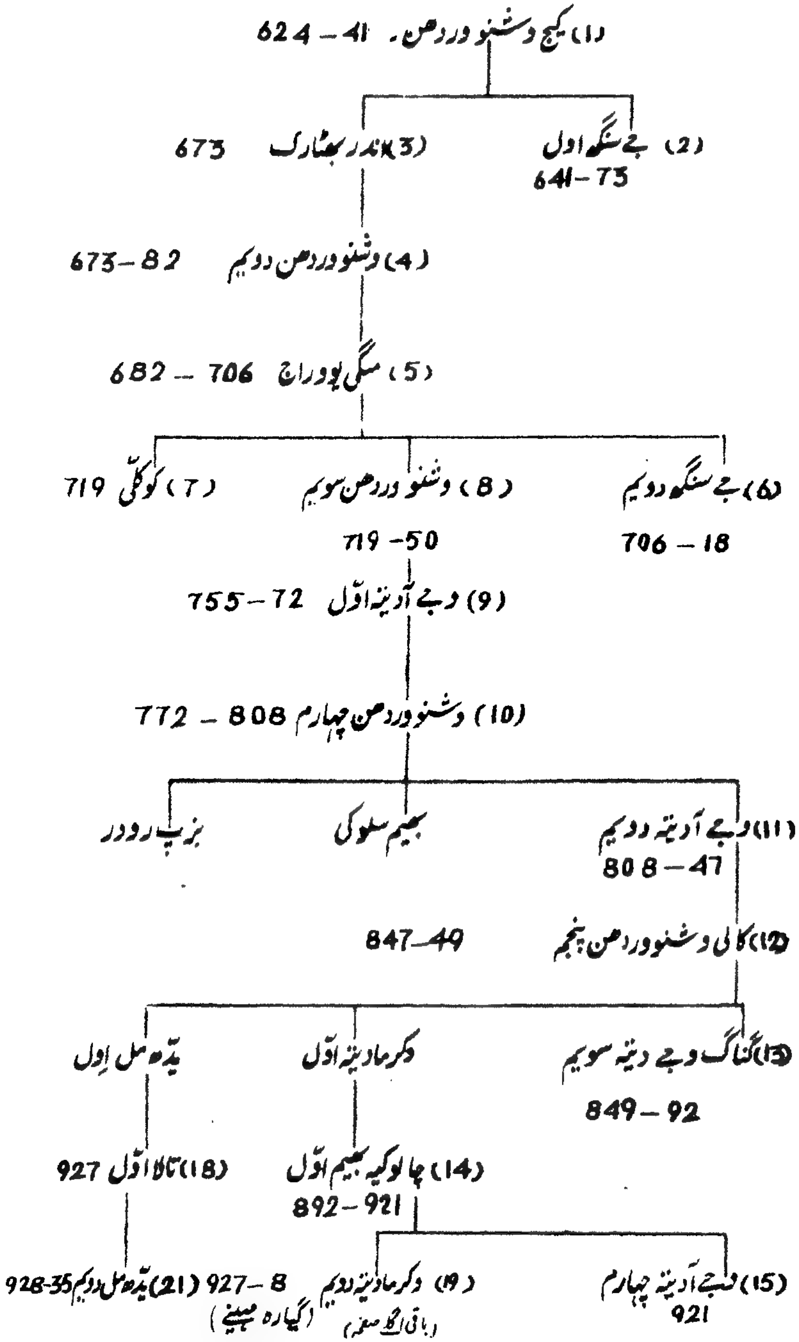

(باقی اگلے صفحہ)

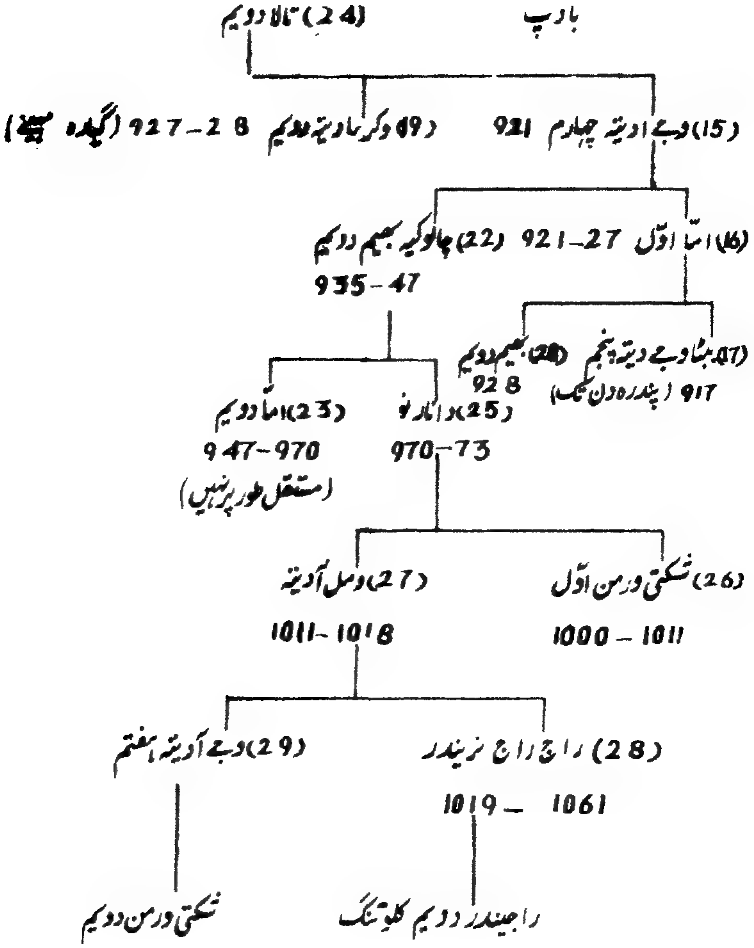
باپ
(24) تالا دویم
(15) وجے ادیتہ چہارم 921
(19) وکرمادیتہ دویم 927-28 (گیارہ مہینے)
(16) امّا اوّل 921-27
(22) چالوکیہ بھیم دویم
935-47
(17) بٹا وجے دیتہ پنجم
917 (پندرہ دن تک)
(20) بھیم دویم
928
(25) دانارنو
970-73
(23) امّا دویم
947-970
(مستقل طور پر نہیں)
(26) شکتی ورمن اوّل
1000-1011
(27) وِمل آدیتہ
1011-1018
(28) راج راج نریندر
1019-1061
(29) وجے آدیتہ ہفتم
راجیندر دویم کلوتنگ
شکتی ورمن دویم

چول۔ شاہی خاندان

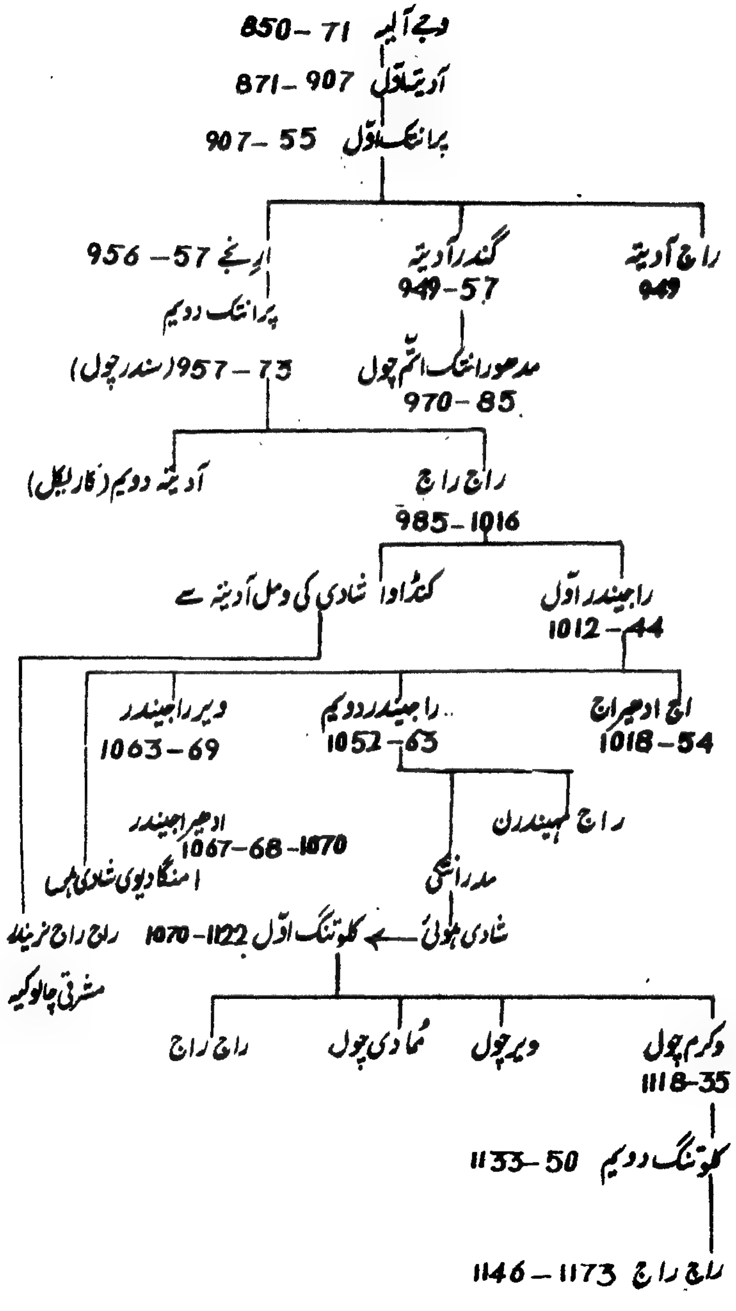

راشٹر کوٹ شاہی خاندان

دنتی ورمن
│
اندر اوّل
│
گووند راج اوّل
│
کرک اوّل

- اندر دویم
  - (1) دنتی ورگ 752-56
    - ریوا۔ شادی کی ننّدی ورمن پلّو اوّل سے
    - دنتی ورمن پلّو
- (2) کرشن اوّل 756-75
  - (3) گووند دویم 775-80
  - (4) دھرو 780-92
    - اندر راج
    - (5) گووند سویم 792-814
      - (6) اموگھ ورش اوّل 814-80
        - (7) کرشن دویم 880-915 — لکشمی (چیدی کی) شادی کی
          - جگت تنگ
            - (8) اندر سویم 915-27 — شادی کی چیدی کی گووند امبا سے
              - (9) اموگھ ورش دویم 927-30
              - (10) گووند چہارم 930-34-35
              - (11) اموگھ ورش سویم 935-939
                - (12) کرشن سویم 939-66
                  - بیٹا
                    - اندر چہارم
                - (13) کھوتنگ 976-97
                - نرو پم
                  - (14) کرک 972-973
          - نرپ تنگ پلّو
        - اباّلبے — شادی ہوئی گنگا بٹوگ اوّل
        - سانکھ — شادی ہوئی پلّو نندی ورمن سویم
    - کرک سوورن ورش
    - کمبھ

باب 10

چار سلطنتوں کا عہد

عام خاکہ ۔ مار ورمن سندر کے تحت پانڈیہ پر اقتدار کی بحالی ۔ پانڈیہ اور کادو کو پیرن جنگ کے خلاف چول راجہ ۔ راج راج سویم کی ہویسلوں کی امداد۔ راجیندر سویم کے تحت قلیل مدت کے لیے چولوں کی بازیابی ۔ جٹاورمن سندر پانڈے اور اس کی لڑائیاں مار ورمن کل شیکھر اور ہویسل ۔ سری لنکا پر پانڈیوں کی فتح ۔ کل شیکھر کی حکومت کا خاتمہ ۔ ہویسل رام ناتھ ، نرسنگھ سویم اور بلال سویم ۔ کیرل ۔ یادو سنگھن ۔ کرشن، مہادیو اور رام چندر ۔ کاکتیہ گن پتی ۔ رودر امبا اور پرتاپ رودر ردویم ۔ کلنگ کے گنگ حکمراں ۔

مابار، کایل ۔ گھوڑوں کی تجارت ، موتی نکالنا ۔ سماجی حالات ۔ سری لنکا اور مغربی ساحل کے متعلق مارکو پولو کے خیالات ۔

بارھویں صدی کے ختم ہونے تک چالوکیہ سلطنت غائب ہو چکی تھی اور تیرھویں صدی کے شروع میں چولوں کی طاقت زوال پذیر تھی ۔ اس کے بعد جنوبی ہندوستان کی سو سال کی تاریخ چار سلطنتوں کی تاریخ ہے جو ان سلطنتوں کے کھنڈرات پر قایم ہوئیں ۔ ان سلطنتوں کی سو سالہ تاریخ ان کی باہمی رنجش اور عداوت کی داستان ہے ۔ یہ سلطنتیں جنوب میں پانڈیہ اور ہویسل اور شمال میں یادو اور کاکتیہ تھیں ۔ چھوٹی چھوٹی حکومتیں مثلاً نیلور ، تیلوگو چودس ان بڑی طاقتوں کی معاون کی حیثیت سے اپنا رول ادا کرتی رہیں ۔ ان سلطنتوں کے عہد حکومت میں طرز حکومت یا معاشرے میں کوئی نمایاں ترقی نہیں ہوئی لیکن عہد گذشتہ کی طرح صنعت و حرفت اور فنون لطیفہ

برابر ترقی کرتے رہے۔ مارکو پولو نے 93-1292 میں ملک کے مختلف حصوں کا دورہ کیا اور اس نے اس زمانہ کے حالات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس صدی کے آخر میں مسلمانوں نے دکن پر حملے کرنا شروع کر دیے تھے جن کی بنا پر ان چاروں سلطنتوں کا نظام تہ و بالا ہو گیا اور ملک میں ابتری پھیل گئی جو چودھویں صدی کی دوسری چوتھائی میں بہمنی اور وجیہ نگر سلطنتوں کے عروج اور توسیع کے بعد ختم ہوئی۔

کلوتنگ سویم نے 1205 میں پانڈیوں کے حکمراں جٹاورمن کل شیکھر کی زبردست بے عزتی کی تھی۔ اس کے دس برس سے بھی زیادہ مدت کے بعد 1216 میں اس کا چھوٹا بھائی ماراوَرمن سندر پانڈے تخت نشین ہوا۔ سندر۔ نے اس بے عزتی کا جو اپنے بھائی کے ساتھ اسے برداشت کرنا پڑی تھی بدلہ لینا چاہا اور چنانچہ تخت نشینی کے فوراً بعد اس نے چول علاقے پر حملہ کر دیا کلوتنگ کی ضعیفی اور دوسرے حملہ کی تیزی کی وجہ سے چولوں کی جانب سے مقابلہ بہت کمزور رہا۔ اُرے پور اور تنجور کو تباہ و برباد کر دینے کے بعد سندر پانڈے نے اپنے چول فرماں روا اور اس کے ولی عہد راج راج سویم کو جلاوطنی پر مجبور کیا۔ سندر پانڈے نے آئی رتلی (ضلع تنجور) میں واقع اس بڑے ہال میں جہاں چول بادشاہوں کی رسم تاجپوشی ادا کی جاتی تھی۔ ویراابھیشیک منایا مہاں سے وہ چیدام برام گیا جہاں نٹ راج کے مشہور مندر میں عبادت کی۔ واپسی پر اس نے پول امرادتی ریوڈر گوئٹی میں اپنا کیمپ لگایا۔ اس اثنا میں کلوتنگ نے ہویسل راجہ بلال دویم سے مدد کی درخواست کی۔ بلال دویم نے فوراً اپنے لڑکے نرسنگھ کے زیر کمان شری رنگم کے لیے فوج روانہ کی۔ سندر پانڈے کو صلح کرنا پڑی۔ کلوتنگ اور راج راج کو ان کی سلطنت واپس کرنا پڑی اور اسے اپنا فرماں روا بھی تسلیم کرنا پڑا۔ یہ پانڈیوں کی سلطنت کا دوبارہ آغاز تھا گو کہ چولوں کا ابھی پورے طور پر زوال ہیں ہوا تھا۔

کلوتنگ اس کے بعد فوراً 1218 میں انتقال کر گیا۔ راج راج سویم ایک ناقابل حکمراں ثابت ہوا۔ اس کے زمانہ میں حالات اور بھی زیادہ ابتر ہو گئے اور چول سلطنت کا تیزی کے ساتھ زوال ہونے لگا۔ اوڈ (اودریہ) سپاہیوں کا ایک دستہ کسی طرح چول سلطنت کے عین وسط میں داخل ہو گیا۔ (1223) اور شری رنگم میں زبردست ہنگامہ بپا کر دیا۔ اخیر میں سندر پانڈیہ نے انھیں نکال باہر کیا۔ (1225) شمال میں ہویسلوں کی فوجیں شاید اس غرض سے کانچی میں موجود تھیں کہ وہ نیلور کے تیلوگو چودوں یا پلوان کے فرماں روا کا کپتیوں کے زیر اثر تھیں۔ کا دو کا بھار

کوپیرن جنگ بہت زیادہ طاقتور ہو گیا تھا۔ اس نے چولوں اور ان کے محافظ ہویسلوں کے خلاف سندر پانڈے سے صلح کر لی تھی۔ راج راج سویم اپنی مشکلات سمجھنے سے قاصر رہا۔ اس نے اپنے فرماں روا سندر پانڈیہ کو سالانہ خراج نہیں ادا کیا اور مخالفت شروع کر دی۔ سندر پانڈیہ نے چولوں کے اس کمزور حملہ کو پسپا ہی نہیں کر دیا بلکہ خود حملہ بھی کر دیا۔ راج راج کو شکست ہوئی اور کافی مال و متاع کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔ اس کی خاص ملکہ کو بھی قید کر لیا گیا۔ سندر پانڈیہ نے مدی کوند شولا پورم (اتی رتی) ایں وجے ابھیشیک منایا۔ راج راج نے شمال میں اپنے حلیف ہویسل نرسنگھ دویم کی فوجوں کے ساتھ ملنے کی کوشش کی مگر اسے راستے میں ہی روک دیا گیا۔ تیلاڑو کی لڑائی کے بعد اسے کورو کوپیرن جنگ نے قید کر لیا اور شیندمنگلم کے قلعہ میں قیدی بنا کر رکھا۔

نرسنگھ دویم نے جب چول راجہ کی مصیبتوں کے بارے میں سنا تو وہ فوراً اس کی مدد کے لیے روانہ ہوا۔ اس نے مگر سلطنت کے سالیم اور جنوبی ارکات کے حکمراں پر جو کاڈوؤں کا حلیف تھا حملہ کیا اور اسے شکست دے کر شری رنگم کی جانب بڑھا۔ یہاں سے اس نے ایک فوج اپنا اور گوپیا سپہ سالاروں کے زیر کمان ان ہدایات کے ساتھ روانہ کی کہ وہ کوپیرن جنگ کے علاقے کو تہس نہس کر کے چول راجہ کو دوبارہ تخت نشین کرائیں۔ دونوں سپہ سالاروں نے حکم کے ایک ایک لفظ کی تعمیل کی۔ انھوں نے بہت سے مقامات پر جو کوپیرن جنگ کے تحت تھے قبضہ کر لیا اور ییراملور Deramlalur کی ہر ایک لڑائی کے بعد تو لودر ہوتے ہوئے چیدام برم کی جانب بڑھے راستے میں انھوں نے راج راج اور شری لنکا کے پراکرم باہو کے کچھ افسروں کو بھی سزائیں دیں۔ پراکرم باہو دشمنوں کے ساتھ شریک ہو گیا تھا۔ چیدام کے دیوتا کی پرستش کے بعد ان سپہ سالاروں نے دریائے گدیلم Gadilam کے جنوب اور شیندمنگلم کے مشرق میں واقع علاقہ کو تاخت و تاراج کر دیا۔ اخیر میں جب وہ اس کے قلعہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے تو کوپیرن جنگ نے نرسنگھ کو پیغام بھیجا کہ وہ چول حکمراں کو آزاد کرنے اور اس کا تخت اسے واپس کرنے کو تیار ہے۔ نرسنگھ نے اپنے سپہ سالاروں کو اس پیغام سے مطلع کیا۔ بعد ازاں ان سپہ سالاروں نے چول شہنشاہ کا بہت عزت کے ساتھ خیر مقدم کیا اور اس کے ہمراہ اس کی سلطنت میں داخل ہوئے۔

اسی دوران خود نرسنگھ نے دریائے کاویری پر واقع مہیندرمنگلم مقام پر سندر پانڈیہ کا مقابلہ کیا اور اسے شکست دی۔ سندر پانڈیہ کو راج راج کی دوبارہ تخت نشینی پر راضی ہونا پڑا۔

کادوں کے ساتھ کچھ سال تک اور لڑائی جاری رہی ۔ آخر میں ہویسلوں، پانڈیوں اور چولوں کے درمیان صلح ہو گئی اور ان کے باہمی تعلقات شادیوں کی بنا پر اور بھی زیادہ مضبوط ہو گئے ۔ نرسنگھ دوم کے لڑکے اور اس کے جانشین سومیشور (34-1233) کو سندر پانڈیہ اور راج راج سوم کے ورساچچا (ماما دی) کہتے تھے۔

راج راج نے 1256 تک حکومت کی۔ پانڈیہ دیش کے باہر اس کی سلطنت کی وسعت باوجود اس امر کے کہ اسے لڑائیوں میں کئی بار شکست برداشت کرنا پڑی، اس وقت بھی اتنی ہی تھی جتنی کہ اس کے حکومت کے شروع میں تھی۔ لیکن بغاوت، بدامنی اور سرداروں کے درمیان باہمی دفاع کے لیے جتھابندی اور بادشاہ کے واضح احکام کی تعمیل سے انحراف کرنے کے واقعات زیادہ سے زیادہ پیش آ رہے تھے اور 1220 سے 1225 کی درمیانی مدت میں چول سلطنت کے پورے علاقے پر یہاں تک کہ پانڈیہ دیش پر ہویسلوں کا اثر بہت تیزی کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔ یہ مدت جنوب میں ہویسلوں کی مکمل طور پر قیادت (وفاقی نظام کی) کی مدت کہی جا سکتی ہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ سومیشور نے اپنے علاقے کا انتظام اپنے وزیروں کے سپرد کر دیا تھا اور خود اپنا تمام وقت تامل دیش میں ہویسلوں کی طاقت کو مضبوط کرنے میں صرف کر رہا تھا۔

راجیندر سوم جسے 1246 میں ولی عہد مقرر کیا گیا۔ راج راج کے مقابلے میں ایک قابل شہزادہ تھا۔ اس نے چول طاقت کے احیا کی زبردست کوشش کی اور اگر سومیشور نے مداخلت نہ کی ہوتی تو اسے کہیں بھی زیادہ کامیابی بھی حاصل ہوتی۔ راجیندر نے پانڈیوں پر حملہ کیا اور دو پانڈیہ شہزادوں کو شکست دی۔ ان میں سے ایک مارورمن سندر پانڈیہ دوم تھا (1238) سومیشور نے چول اقتدار کے مکمل احیا کو روکنے کی غرض سے پانڈیوں کا ساتھ دیا۔ اس نے راجیندر کو لڑائی میں ہرا کر اس سے صلح کر لی۔ راجیندر کی شمال میں نیلور کے تیلگو چوڈ ٹیکا کے ساتھ دوستی تھی۔ چوڈ ٹیکا کو گنڈ گوپال بھی کہتے ہیں۔ سومیشور نے 1240 میں اس پر حملہ کیا تھا۔ ٹیکا نے شامبووارایوں اور کاڈورایوں کے ساتھ جنگ کر کے ان کی طاقت کو بڑھنے سے روکا اور اس طرح راجیندر کے ہاتھ مضبوط کیے۔ اس نے سومیشور کے ساتھ بھی جنگ کی اور اپنی خدمات کے صلہ میں کانچی کو بطور انعام لے لیا۔ اسے وارنگل کے کاکتیہ گنپتی کی وفاداری پر بھی اعتماد تھا جو ہویسلوں کا دشمن تھا۔

جب 1251 میں پانڈیوں کے تخت پر مشہور و معروف جٹاورمن سندر پانڈیہ بیٹھا تو راجیندر اور سومیشور کے تعلقات اور زیادہ مضبوط ہو گئے۔ جٹاورمن اپنے عہد کا زبردست جنگ جو

اور جنوبی ہندوستان کا فاتح تھا۔ اس کے زمانہ میں پانڈیوں کی طاقت اپنے عروج کو پہنچ گئی۔ اپنی حکومت کے شروع زمانہ میں سندر پانڈیہ نے کئی لڑائیاں لڑیں اور بہت تیزی کے ساتھ اپنی سلطنت کو نیلور تک ہی نہیں بلکہ اور آگے بھی شری لنکا تک بڑھا لیا۔ اس نے ہویسلوں کو میسور کے پٹھار تک محدود رہنے پر مجبور کیا۔ کانچی پورم پانڈیوں کا ثانوی دارالخلافہ تھا۔ کیرل اور شری لنکا پر بھی کچھ عرصے تک اس کا قبضہ رہا اور ان مقامات میں اس نے اپنا نظم و نسق بھی قائم کیا۔ سندر پانڈیے کو اپنی لڑائیوں میں شاہی خاندان کے دوسرے شہزادوں کا بھی تعاون ملا۔ ان میں جٹاورمن ویر پانڈیے (1253) سب سے نمایاں تھا۔

سندر پانڈیے ایک مختصر سی فوج لے کر چیر بادشاہ ویر رومی ادیے مارتندر ورمن کے خلاف روانہ ہوا اور ملے ناڈو کو لوٹنے کے بعد اسے اور اس کی فوج کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس نے جنگ جو بانہ چول راجیندر کو اپنی اطاعت قبول کرنے اور خراج ادا کرنے کے لیے مجبور کیا۔ اس نے شری لنکا پر بھی حملہ کیا اور وہاں کے حکمراں سے بہت بڑی مقدار میں موتی اور ہاتھی وصول کیے۔ اس کے بعد اس نے کاویری کے علاقے میں ہویسلوں پر حملہ کیا اور کنانور کوپم کے قلعہ پر قبضہ کر لیا اس لڑائی میں ہویسلوں کے کئی سپہ سالار جن میں بہادر سنگانہ بھی شامل تھا مارے گئے۔ بے شمار ہاتھی اور گھوڑے، خزانے کی بہت بڑی رقم پر قبضہ کر لیا گیا۔ کئی خواتین کو گرفتار بھی کر لیا گیا سندر نے لڑائی اس وقت بند کی جب سومیشور میدانی علاقے میں واپس چلا گیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد سومیشور نے پھر لڑائی شروع کر دی۔ لڑائی میں سندر پانڈیے کے ہاتھوں سومیشور کی موت ہوئی (1262) اس کے بعد سندر پانڈیے نے شیند منگلم شہر کے مستحکم قلعہ پر حملہ کیا اور کئی لڑائیاں جن کی بنا پر کاڈو (کو پیرن چنگ) کے دل دہل گئے۔ اس کے علاقے، فوج اور خزانہ پر قبضہ کرنے کے بعد کوپیرن چنگ کو اس کا علاقہ واپس کر دیا گیا۔ اس کے بعد سندر پانڈیے چیدام برم کے لیے روانہ ہوا۔ یہاں پہنچ کر اس نے نٹ راج کی پرستش کی اور پھر شری رنگم کے لیے روانہ ہوا۔ یہاں پر اس نے فتحیابی کا ہار پہنا، کئی تلا بھار کیے جنھیں دیکھ کر تمام تماشائیوں کی آنکھوں اور دلوں کو مسرت حاصل ہوئی۔ علم دوست شعرا نے ان کے لیے دعائے خیر کی۔ سندر پانڈیے نے چیدام برم کے مندر کی چھت پر سونا منڈھوایا۔ یہیں اس نے سونے کا تاج پہنا اور جب وہ ایک شاندار تخت پر اپنی ملکہ کے ساتھ بیٹھا تو " وہ اس وقت پہاڑوں کی چوٹی سے صبح کے وقت نکلتے ہوئے سورج کی طرح نظر آ رہا تھا"

سندر پانڈے نے مگدئی (رہان) اور کونگو دیش پر بھی فتح حاصل کی۔ ان علاقوں پر اس کا قبضہ ہوبسلوں اور کو ہیرن جنگ سے لڑائی کے بعد ہی حاصل ہوا ہوگا۔ اخیر میں اس نے شمال میں اور آگے ایک مہم کی قیادت کی۔ اس مہم میں گنڈگوپال مارا گیا اور اس نے کانچی پر قبضہ کر لیا اس نے کاکتیہ گن پتی اور اس کے دوسرے سرداروں کے خلاف بھی ایک جنگ کی۔ نیلو گو فوج کو مڈوگر (ضلع نیلور) میں شکست دی اور بانا سردار کو اس کی ریاست سے نکال باہر کیا۔ اس مہم کے بعد اس نے نیلور میں ویر ابھیشیک انجام دیا۔

جٹاورمن ویر پانڈے نے 1262 اور 1264 کے درمیان سری لنکا کے ایک وزیر کی جانب سے امداد کی درخواست پر جزیرے پر حملہ کر دیا۔ سری لنکا کے ایک شہزادے کو شکست دی اور اسے قتل کیا۔ ایک دوسرے شہزادے اور جزیرہ نما ملایا کے چندر بھانو کے لڑکے نے جو سری لنکا کے شمال میں ایک چھوٹے سے صوبے پر حکومت کرتا تھا اطاعت قبول کرنے کے لیے خود کو پیش کیا۔ پانڈیہ نے دونوں حملے پراکرم باہو کے زمانہ حکومت میں کیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پراکرم باہو کے شمالی نصف حصہ پر کبھی قابض نہ ہو سکا اور جزیرے کو مقامی جانبازوں اور بیرونی حملہ آوروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

ان لڑائیوں کی بنا پر سندر پانڈے کے ہاتھ زبردست خزانہ آیا۔ جسے اس نے غیر جانبدارانہ طور پر چیدام برم اور سری رنگم میں واقع بالترتیب شیو اور وشنو کے عظیم مندروں کو خوبصورت بنانے میں صرف کیا۔

ہویسل حکمراں سومیشور نے جب شمال اور جنوب دونوں جانب سے دشمنوں کا دباؤ محسوس کیا تو اس نے اپنی موت سے کچھ عرصہ قبل اپنی سلطنت کو لڑکوں میں تقسیم کر دیا۔ چنانچہ شمالی نصف حصہ اس کے بڑے لڑکے نرسنگھ سویم کو اور جنوبی تامل علاقہ چھوٹے لڑکے رام ناتھ کو دے دیا۔ رام ناتھ نے اپنے والد کے انتقال کے بعد کنانور پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور سندر پانڈیہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ سندر پانڈے 1268 میں انتقال کر گیا۔ اس کے مرنے پر مارورمن کل شیکھر اوّل تخت نشین ہوا۔

اس زمانہ میں پانڈیہ سلطنت کا انتظام شاہی خاندان کے کئی شہزادے مل کر کرتے تھے۔ کسی ایک شہزادے کو سب پر فوقیت حاصل رہتی تھی۔ اس ملک میں حکومت کرنے کا یہ طریقہ ایک عرصے سے چلا آرہا تھا۔ کلوتنگ اوّل نے بھی ایک ساتھ پانچ شہزادوں کو اپنی اطاعت میں

رکھا تھا۔ کل شیکھر نے ہویسل رام ناتھ کے خلاف لڑائی جاری رکھی۔ رام ناتھ چول راجیندر سوئم کا دوست تھا۔ کل شیکھر نے 1279 میں دونوں کو شکست دی۔ راجیندر سوئم اور چولوں کے بارے میں ہماری یہ آخری اطلاع ہے۔ کل شیکھر چول دیش اور ہویسل سلطنت کے ان تامل اضلاع کا جس پر رام ناتھ حکومت کرتا تھا پورے طور پر مالک بن گیا۔ اس نے کیرل (ٹراونکور) میں بھی جنگ کی جہاں اس نے ایک مقامی بغاوت کو بھی فرو کیا۔ کچھ عرصے بعد اس نے شری لنکا میں قحط سے فائدہ اٹھانے کے خیال سے اپنے ایک وزیر آریہ چکرورتی کو جزیرے پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ آریہ چکرورتی نے "جزیرے کو چاروں طرف سے تباہ و برباد کر دیا" اور شبھ گری (ویاپہو) کے قلعے میں داخل ہوا اور "متبرک دانت" اور تمام دولت پانڈیہ دیش لے گیا۔ یہ سب واقعات شاید بھوونایک باہو اوّل کی حکومت کے آخری زمانہ میں ہوئے اور اس کے بعد بیس سال تک شری لنکا پانڈیہ سلطنت کا ایک حصہ بنا رہا۔ شری لنکا کے آئندہ حکمراں پراکرم باہو سوئم (1303) نے کل شیکھر کے ساتھ امن کی پالیسی اختیار کی۔ وہ خود پانڈیہ دربار میں ایک سفیر کی حیثیت سے گیا اور کل شیکھر کو "متبرک دانت" واپس کر لینے کے لیے راضی کر لیا۔ کل شیکھر کے (9-1308) میں انتقال کے بعد شری لنکا میں خانہ جنگی اور مسلمانوں کے حملہ کی وجہ سے جزیرے کو دوبارہ آزادی حاصل ہوئی۔ کل شیکھر کی زندگی کے آخری ایام اس کے لڑکوں کے باہمی جھگڑوں کی بنا پر بہت تلخ ہو گئے۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کا لڑکا ویر پانڈیے جو اس کی منظورِ نظر داشتہ سے پیدا ہوا تھا اس کا وارث قرار دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کل شیکھر کے بڑے لڑکے سندر پانڈیے نے جنگ شروع کر دی۔ بعض مورخین کی رائے ہے کہ اس لڑائی کے لیے خود سندر پانڈیے ہی ذمہ دار تھا۔ لڑائی میں ویر پانڈیے کی فتح ہوئی اور سندر پانڈیے کو اپنی مدد کے لیے مسلم حملہ آور ملک کافور سے درخواست کرنا پڑی۔ (1310)

تامل علاقے کے نکل جانے کے بعد ہویسل رام ناتھ نے اپنے بھائی نرسنگھ کے خلاف خانہ جنگی شروع کر دی۔ نرسنگھ اپنے دشمن دیوگری کے یادوں اور کاکتیوں کی وجہ سے پہلے سے ہی پریشان تھا۔ رام ناتھ بنگلور، کولر اور تمکور اضلاع کے بعض علاقے فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا وہ کندنی کو اپنا دارالخلافہ بنا کر اس علاقے پر حکومت کرتا رہا۔ نرسنگھ 1292 میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد بلال سوئم تخت نشین ہوا۔ رام ناتھ نے اس کی تخت نشینی کی کوئی مخالفت نہیں کی۔ لیکن تین سال تک اپنے جیتے جی اس کے خلاف دشمنی برقرار رکھی۔ اس کے لڑکے وشوناتھ

نے بھی اپنے انتقال تک یہی رویہ برقرار رکھا۔ اس طرح بلال سویم نے 1300 سے تک قبل ایک بار پھر متحد ہویسل سلطنت پر حکومت کی۔ اس نے کل شیکھر کی موت کے بعد پانڈیہ دیش کی خانہ جنگی سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے اس امید پر کسی نہ کسی فریق کی مدد کی کہ شاید وہ ان علاقوں کو جنہیں امام ناطق سے چھینا گیا تھا دوبارہ حاصل کر سکے۔ لیکن ملک کافور کے پیچھے سے حملہ کر دینے کی بنا پر اس کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔

کیرل میں تیرھویں صدی میں وینا ڈ کے بعض راجہ جو بالخصوص اپنی فیاضی کے لیے بڑے مشہور تھے بدکل خاندان سے ہونے کا دعوا کرتے تھے۔ اس طرح وہ اپنا خاندانی شجرہ آٹھویں صدی کے " ایے راجاؤں کے ساتھ قایم کرتے تھے جو سنگم عہد کے ایے انبدیرن سے اپنا رشتہ قایم کرتے تھے۔ اس صدی کے آخری چوتھائی میں روی ورمن کل شیکھر نے جو اپنے کو چیر شہنشاہ کہتا تھا بہت وسیع علاقے پر حملے کیے۔ ان علاقوں میں پانڈیہ دیش، یونامل اور کانچی پورم تک کا علاقہ شامل تھا۔ اس طرح اس نے چند روزہ شہرت حاصل کر لی تھی۔ روی ورمن کل شیکھر ایک قابل حکمراں اور ادب نواز بھی تھا۔ اس کا دارالسلطنت کولم (کوئیلن) تھا۔ اس کے معرکوں کے بارے میں آئندہ باب میں بتایا جائے گا۔ کوٹایم تختیوں کا مصنف ویرراگھو چکرورتی بھی اس کے عہد کے آس پاس بنوایا ہوگا۔ ویرراگھو چکرورتی نے ارادی کورّن اور منی گرامم اور دوسرے کئی اعزاز بخشے تھے۔ اس عطیے کی تصدیق دوسرے لوگوں کے علاوہ کیرل دیش کے اہم حصوں مثلاً وینا ڈ، اودناڈ، ارناڈ اور ولیوناڈ کے مورخین نے بھی کی ہے۔

اس مدت کے بعد کیرل کی تاریخ ہمیشہ کی طرح غیر مسلسل اور غیر واضح رہتی ہے اس کے بعد یہاں پہلے پرتگالیوں اور ہندوستانی طاقتوں اور بعد میں ڈچ، انگریز اور فرانسیسیوں سے مقابلہ کے واقعات سے پڑ ہے چونکہ اس کتاب کا مقصد ان واقعات کا مطالعہ نہیں ہے جس کی بنا پر ہندوستان کے عہد وسطی اور عہد جدید کے درمیان رشتہ قایم کیا جا سکے اس لیے کیرل کی تاریخ بالخصوص کالی کٹ اور کوچین کے درمیان لڑائیاں، یوروپی کمپنیوں کی سرگرمیاں اور نتائج کا ذکر آئندہ ایک الگ باب کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔

شمالی ریاستوں کی جانب توجہ دینے پر ہم دیکھتے ہیں کہ یادو جیتوگی کے بعد اس کا لڑکا سنگھنا (47-1200) تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں یادو سلطنت کو بہت عروج حاصل ہوا۔ اس نے 32-1231 اور 38 — 1237 میں گجرات پر دو مرتبہ حملہ کیا۔ جنوب میں

اس نے ہویسل بلّال دوئم کے ساتھ جنگ کی۔ اور کرشنا اور مال پربھا کے جنوب کے کافی بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس نے نرسنگھ دوئم کے زمانہ میں بھی ہویسلوں پر دباؤ ڈالنے کی حکمت عملی کو جاری رکھا اور انھیں ساگر تعلقہ اور بلّاری کا ضلع چھوڑنے کے لیے مجبور کیا۔ نرسنگھ کے جانشین سومیشور اپنی حالت کو سنبھالنے میں کامیاب رہا۔ وہ اس لائق ہوگیا کہ 1236ء میں اس نے بندا پور کے نزدیک اپنا کیمپ لگایا اور اس جگہ کے دشمل مندر کو عطیے کے طور پر ایک گاؤں دیا۔ سنگھن کے جنرل وکمن نے جو جنوبی صوبہ کا گورنر بھی تھا، سومیشور کو صرف پیچھے ہی نہیں ہٹا دیا بلکہ مسلح فوج کے ساتھ دریائے کاویری کے کنارے تک پہنچ گیا (1239) یادوں کے خلاف سومیشور کے دفعتاً حملوں کا نتیجہ اس قدر افسوسناک ہوا کہ اسے اپنی مورث اعلیٰ کے مقابلے میں کہیں زیادہ علاقہ سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اس کے برعکس وکمن کی وجہ سے سنگھن کی سلطنت میں بہت توسیع ہوئی اور مغربی چالوکیوں کے مرکزی اور جنوب مغرب کے تمام علاقے یادووں کی حکومت کے قبضہ میں آگئے۔ سنگھن نے مالوہ کے حکمراں اور کاکتیہ گن پتی کے خلاف بھی لڑائیاں لڑیں لیکن وہ فیصلہ کن نہیں تھیں۔

سنگھن کا مخصوص جیوتشی چنگدیو تھا۔ یہ جے تگی اوّل کے خاص پنڈت لکشمی دھر کا لڑکا اور مشہور و معروف منجم بھاسکر آچاریہ کا پوتا تھا۔ چنگدیو نے اپنے دادا کی تصنیف سدھانت شرومنی اور دوسری تصانیف کے مطالعہ کے لیے پٹنہ میں ایک کالج قائم کیا۔

سنگھن کا پوتا کرشن (60 — 1247) یادووں کے تخت پر بیٹھا۔ اس کا لڑکا جے تگی دوئم اپنے والد کی زندگی میں ہی انتقال کر گیا اگرچہ کاکتیہ گن پتی نے کرشن کے کچھ علاقے پر جو جنوبی مغربی آندھرا پردیش میں واقع تھا قبضہ کر لیا۔ لیکن اتنا کہا جا سکتا ہے کہ کرشن نے جو وسیع سلطنت ورثہ میں پائی تھی اس میں اس کی زندگی میں کوئی کمی نہیں واقع ہوئی۔ کرشن کا عہد حکومت ادبی سرگرمیوں کے لیے بہت مشہور خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے وزیر اور جنرل جلہن نے سنسکرت نظموں کا ایک مجموعہ مرتب کیا۔ امالانند کی تصنیف ویدانت کلپ ترو بھی اس زمانہ کی تصنیف ہے۔ کرشن خود دیندار تھا اور اس نے سب سے یگیہ بھی کیے تھے۔

کرشن کے بعد اس کا بھائی مہادیو تخت نشین ہوا۔ (71 — 1260) اس نے کاکتیہ ملکہ رودرما کے خلاف ایک کامیاب جنگ کی۔ اس کے بہت سے ہاتھی اور کچھ شاہی نشانات بھی چھین لیے۔ لیکن چونکہ وہ ایک خاتون تھی اس لیے اس کی جان بخش دی۔ مہادیو نے شمالی کونکن پر بھی حملہ کیا اور اس کا شیلاہار حکمراں سومیشور کو ایک بحری جنگ میں شکست دی اور اس کے علاقے کو یادو

سلطنت میں شامل کر لیا۔ مشہور و معروف ہیمادری اس کا اور اس کے جانشینوں کا وزیر شری کرن
ادیب بھی تھا۔ وہ خود ایک زبردست مصنف تھا اور اس نے بہت سے مصنفین کی سرپرستی کر کے
ہمت افزائی بھی کی۔ اس نے اتنے زیادہ مندر تعمیر کرائے کہ اس کے نام کے ساتھ فن تعمیر کا ایک
خاص انداز وابستہ ہو گیا۔

کرشن کے بعد اس کا لڑکا رام چندر 1271 میں بمشکل تخت حاصل کر لینے کے
لیے اسے مہادیو کے لڑکے امن کے ساتھ ایک مختصر جنگ بھی کرنا پڑی کیونکہ وہ رام چندر کے جائز
حقوق کو غصب کر لینا چاہتا تھا۔ رام چندر نے رودر امبا کے وارانگل کے کاکتیہ پرتاپ رودر دوم اور
مالوہ کے حکمراں کے خلاف بھی جنگیں کیں لیکن وہ فیصلہ کن نہیں ثابت ہوئیں۔ تقریباً 77-1276
میں اس کے مشہور سپہ سالار سالوا تکم نے ہویسل حکمراں نرسنگھ سوم کے علاقے پر حملہ کیا اور اس
کے دارالخلافہ دوار سمدر کا محاصرہ کر لیا۔ سالوا تکم بہت زیادہ مال غنیمت لے کر واپس آیا۔ لیکن
نرسنگھ سوم کے پورے علاقے کو اس کے ہی قبضے میں چھوڑ دیا۔ نرسنگھ سوم کے بھائی رام ناتھ پر
بھی حملہ کیا گیا لیکن کوئی فیصلہ کن نتائج نہیں برآمد ہوئے۔ بلال سوم کے زمانہ میں بھی رام چندر
کی دشمنی ہویسلوں کے خلاف جاری رہی۔ بلال سوم نے اپنی سلطنت کو شمال کی جانب بڑھانا چاہا
لیکن اس صدی کے آخری دس برس میں مسلمانوں کی جنوب میں طاقت بڑھنے کی وجہ سے رام چندر
کی سرگرمیوں میں بڑی حد تک رکاوٹ بن گئی۔ رام چندر کے زمانۂ حکومت میں مراٹھا سنت
گیا نیشور ہوئے۔ جنھوں نے مراٹھی زبان میں گیتا پر دریائے گوداوری کے کنارے 1291 میں اپنی
تشریح کو مکمل کر لیا۔

کاکتیوں کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا سب سے بڑا حکمراں شاید گن پتی ہی تھا جسے
جے تگی نے قید سے رہا کر کے تخت نشین کر دیا تھا۔ گن پتی نے اپنے ساٹھ برس سے زیادہ زمانہ حکومت
(1262 - 1199) میں ایک منتظم کی حیثیت سے شہرت حاصل کر لی تھی۔ آندھرا پردیش میں
دیانتی یادووں کی طاقت 1186 کے بعد ختم ہو گئی تھی اور ملک کی سیاسی ابتری گن پتی جیسے
قابل حکمراں کے داخل ہونے کے لیے ایک پیغام تھا کہ اس علاقے کی زرخیز آراضی اور ہیرے
کی کانوں اور اس کے بندرگاہوں سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جا سکے۔ گن پتی نے اپنی مہم کو 1209
سے 1214 تک مکمل کیا۔ اس نے نیلور کے تیلگو چودوں کو اپنی اطاعت قبول کرنے پر مجبور
کیا۔ کانچی فتح کرنے کے بعد گن پتی کو کلوتنگ سوم سے کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں

کہ گن پتی کو کلوتنگ سوم کے خلاف میدان جنگ میں آنا پڑا۔ گن پتی کو کلنگ کے راجہ انگ بھیم سوم (1238ء–1211) سے بھی جنگ کرنا پڑی۔ انگ بھیم شمال کی جانب سے مسلمانوں اور تمنا کے چیدی حکمرانوں سے بری طرح دبا ہوا تھا۔ اسے یادو کے حکمران سنگھن کے خلاف بھی 1281 میں جنگ کرنا پڑی جو فیصلہ کن نہ تھی۔ اس نے کرپا اور کرنول میں کائستھوں کے راجہ گنگیہ سائنی کو اس کے دو بھتیجوں ترویپا انگ اور امبا دیو کے ساتھ جو جنگ میں اپنے چچا کی مدد کر رہے تھے فیصلہ کن شکست دی۔ اس کے فوراً بعد گن پتی نے اپنی بیٹی رودرامبا کو ولی عہد مقرر کیے جانے کا اعلان کیا جو کہ رودر دیو مہاراج کے مردانہ نام سے پکارتا تھا اور ریاست کے انتظام میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لینے کے لیے اس کی ہمت افزائی بھی کرتا تھا۔ اس نے موتوپلی میں غیر ملکی تاجروں کے تحفظ کے لیے ایک فرمان بھی جاری کیا۔ جٹاورمن سندر پانڈے کے جارحانہ حملوں کی بنا پر تیلگو چودہ کے اعلان کے فرمان روا گن پتی سے بھی لڑائیاں ہوئیں۔ جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ سندر پانڈے کے واپس چلے جانے کے بعد گن پتی نے تکن شاعر کے کہنے پر چوڈیکا کے لڑکے منم سدھی کی اس کے خانگی دشمنوں کے خلاف مدد کی اور اسے نیلور کے تخت پر مضبوطی کے ساتھ بٹھایا۔ کادو کے سرکش سردار کوپیرن چنگ نے بھی گن پتی کی اطاعت قبول کر لی۔

رودرامبا اپنے والد گن پتی کے انتقال کے بعد تخت پر بیٹھی۔ اس کی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں کوپیرن چنگ اور دوسرے باغی سرداروں نے بدامنی پیدا کر دی۔ لیکن رودرامبا کا وفادار کائستھ سردار امب دیو نے ہر بدامنی کو سختی کے ساتھ کچل دیا۔ یادووں کے حکمراں مہادیو نے رودرامبا پر حملہ کیا۔ اس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ مہادیو کے بعد بھی یادووں کی دشمنانہ کارروائیاں جاری رہیں اور رودرامبا کے نوجوان نواسے شہزادے پرتاب رودر دیو نے خود کو زبردست جنگجو ثابت کیا۔ اسے 1280 میں ولی عہد مقرر کیا گیا اور آٹھ برس بعد جب امب دیو نے بغاوت کی اور ہویسلوں اور یادووں نے اس کی مدد کی تو ولی عہد نے ان کی متحدہ طاقت کو کامیابی کے ساتھ کچل دیا۔ (1291)

پرتاپ رودر دوئم اپنی نانی کے انتقال کے بعد تخت پر جلوہ افروز ہوا اس نے 1236 تک حکومت کی۔ اس کی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں اس کے ایک سپہ سالار نے کنتل پر یورش کی اور دوسرے قلعوں کے علاوہ ادوانی (ایڈونی) اور رائچور سے یادووں کی فوج کو جو ان کی حفاظت کے لیے وہاں رکھی گئی تھی نکال باہر کر کے ان پر قبضہ کر لیا علاقہ کو کاکتیہ حکومت میں شامل کر لیا گیا۔

پرتاب رودر نے نظم و نسق میں اصلاح کے خیال سے حکومت کو 77 نایکوں میں تقسیم کر دیا۔ نایکوں کے عملے کی مکمل از سر نو تنظیم کے پیش نظر اس نے صرف پدم نایک کی برادری کے لوگوں کو ملازمت میں بھرتی کیا۔ کاپیہ نایک ایسی عظیم ہستی تھی اس ہی طریق کار کا نتیجہ ہے۔ کاپیہ نایک نے بعد میں مسلمانوں کے حملے کا مقابلہ کرنے میں زبردست حصہ لیا۔ اس طریق کار کو بعد میں وجے نگر کے حکمرانوں نے قبول کیا اور محنت و جانفشانی سے اسے تکمیل کو پہنچایا۔

مکمل تیرھویں صدی اور اس کے بعد بھی کلنگ سلطنت پر گنگ خاندان کے حکمراں حکومت کرتے رہے۔ اننت ورمن چوڈ گنگ کے پوتے راج راج سوئم (1198-1211) کے دور حکومت میں مسلمانوں نے اڑیسہ پر پہلی بار حملہ کیا۔ اختیار الدین محمد بختیار خلجی نے 1205 میں جو فوج جاج نگر کے خلاف روانہ کی تھی اسے کامیابی کے ساتھ پسپا کر دیا گیا۔ راج راج کے جانشین اننگ بھیم سوئم کی حکومت کے زمانہ میں بنگال کے مسلمانوں نے 1211 سے 1244 کی کی درمیانی مدت میں اڑیسہ پر دوبارہ حملہ کیا لیکن اس مرتبہ بھی اس کا حشر پہلے کے مانند ہی ہوا۔ اننگ بھیم نے کاکتیہ حکمراں گن پتی کے خلاف بھی جنگ کی اور اس کی فوجیں کانچی پورم اور شاید سری رنگم تک پہنچ گئیں۔ اس کے لڑکے نرسنگھ اوّل (1238-64) نے بنگال کے حکمرانوں کے خلاف کئی لڑائیاں لڑیں لیکن ان میں اسے یکساں کامیابی نہیں حاصل ہوئی۔ بھانو دیو دوئم کو الوغ خاں کے زیر کمان تغلقوں کے حملے میں یقینی طور پر شکست اٹھانا پڑی اور اسے بہت سے ہاتھی فاتح کو نذر کرنا پڑے۔ بھانو دیو سوئم (1325-78) کو فیروز تغلق کا سامنا کرنا پڑا اور صلح نامہ کی ایک شرط کی بنا پر اسے فیروز تغلق کی اطاعت قبول کرنا پڑی۔ گنگ حکمرانوں کا آخری عظیم بادشاہ نرسنگھ چہارم (1378-1414) تھا جس کے عہد میں مالوہ کے مسلم حکمراں نے اڑیسہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی مگر اسے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ گنگ شاہی خاندان نے ایک طویل عرصے تک حکومت کی اور بھانو دیو چہارم (1414-1432) کی وفات پر یہ خاندان ختم ہو گیا چونکہ بھانو دیو چہارم لاولد تھا اس لیے اس کا سپہ سالار کپلیشور دیو گج پتی تخت نشین ہوا۔

مارکو پولو کے تاثرات بیان کرنے کے لیے اب ہم قدرے رکتے ہیں۔ مارکو پولو قرون وسطیٰ کے سیاحوں میں عظیم ترین تصور کیا جاتا ہے۔ اس نے جنوبی ہند میں کئی مہینے صرف کیے اور اس مدت کو اس نے کارآمد طور پر استعمال کیا اس ملک کو غیر ملکی معبار کہتے ہیں۔ عربی زبان میں اس لفظ کا مطلب "راستہ" یا گھاٹ ہے یہ لفظ ہندوستانی ساحل کے اس حصے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا جہاں خلیج فارس اور عرب سے زیادہ تر سیاح اور تاجر آیا کرتے تھے۔ ایک اہم عنصر مستم

مورخ کا بیان ہے کہ مالابار لمبائی میں کولم (کوئلن) سے نیلاور (نیلور) تک پھیلا ہوا تھا۔ پانڈیہ
کی مخصوص منڈی کایل کے بارے میں مارکوپولو کا بیان ہے کہ " جس بادشاہ کا یہ شہر ہے اس کے
پاس بہت بڑا خزانہ ہے۔ وہ خود بیش قیمت جواہرات زیب تن رکھتا ہے۔ وہ بہت تزک و احتشام
کے ساتھ رہتا ہے اور اپنی سلطنت کے انتظام میں بے حد انصاف پسندی سے کام لیتا ہے۔
وہ تاجروں اور غیر ملکی باشندوں کے ساتھ بڑی فیاضی سے پیش آتا ہے جس کی وجہ سے اس شہر
میں لوگ آکر بہت خوش ہوتے ہیں۔" اس شہر میں سفر کے مقامات مثلاً ہارموز، کیس، عدن
اور عربیہ کے مکمل علاقے سے آنے والے سبھی جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں۔ یہ جہاز گھوڑوں اور
دوسری تجارتی اشیا سے لدے ہوتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ یہاں قرب و جوار کے ممالک سے
آنے والے لوگوں کی زبردست بھیڑ ہو جاتی ہے۔ کیل شہر میں بڑے پیمانے پر تجارت ہوتی
ہے۔" مارکوپولو رقمطراز ہے کہ ملک کی دولت کا بہت بڑا حصہ گھوڑوں کی خرید پر صرف کیا
جاتا ہے۔ مارکوپولو کے اس بیان کی تصدیق اس زمانے کے مسلم مورخین بھی کرتے ہیں۔ وہ
کہتے ہیں کہ جنوبی ہندوستان کی ناسازگار آب و ہوا اور گھوڑے رکھنے والوں کی عدم واقفیت
کی بنا پر ہر سال بہت بڑی تعداد میں گھوڑوں کی درآمد کی ضرورت ہوتی تھی۔ پانڈیہ دیش ابتدائی
زمانے سے موتیوں کے لیے مشہور رہا ہے۔ ماہی گیری کے متعلق بھی مارکوپولو واضح طور پر صحیح بیان
دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ماہی گیری سے بادشاہ کو بہت زیادہ آمدنی ہوتی تھی۔" اس کے علاوہ
کسی شخص کو بھی نصف سیگیو سے زیادہ وزنی موتی سلطنت کے باہر لے جانے کی اجازت نہ تھی اور
چرا کر ہی لے جا سکتا تھا" مارکوپولو نے بادشاہ کے باڈی گارڈوں کے بارے میں کافی تفصیل
کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ بادشاہ کے بے حد قابل اعتماد آدمی ہوتے تھے اور انہیں اپنی جان کی بازی
لگا کر اپنے بادشاہ کی جان کی حفاظت کے لیے قسم کھانی پڑتی تھی۔ مارکوپولو کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت
ہوئی کہ لوگ ستر پوشی کی بابت بہت کم توجہ دیتے تھے۔ چنانچہ وہ عوام کی برہنگی کے بارے میں
مبالغہ سے کام لیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ملک میں درزی نہیں تھے۔ حالاں کہ مارکوپولو کے آنے
سے قبل کتبوں میں درزی کا ذکر کیا گیا ہے۔ مارکوپولو نے ستی کے رواج کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ
یہ بھی کہتا ہے کہ سزائے موت کے مجرم کو اس کی اجازت تھی کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے دیوتا کے سامنے
اپنی جان قربان کر دے۔ وہ مذاق کے طور پر کہتا ہے کہ "میں آپ کو یہ بتا دوں کہ اس ملک کے
رہنے والے اپنے پورے گھر کو گوبر سے لیپتے ہیں۔ سبھی نہیں بلکہ سبھی لوگ بڑے اور چھوٹے، جن

میں بادشاہ اور امرا بھی شامل ہیں صرف زمین پر ہی بیٹھتے ہیں ۔ ۔ ۔ یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ ہر شخص خواہ مرد ہو یا عورت دن میں دو بار غسل کیا جاتا ہے اور جو غسل نہیں کرتے انھیں اسی بےنگاہی سے دیکھا جاتا ہے جس طرح پیٹرینس Patarins کو دیکھا جاتا ہے ۔ ۔ ۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کھاتے وقت صرف دایاں ہاتھ ہی استعمال کیا جاتا ہے ۔ اسی طرح پانی بھی صرف پینے کے برتن سے ہی پیا جاتا ہے ۔ پانی پینے کے لیے ہر شخص کا برتن الگ ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی دوسرے کے برتن میں پانی نہیں پی سکتا ۔ پانی بھی وہ برتن سے منہ لگا کر نہیں پیتے بلکہ منہ میں برتن سے پانی انڈیل کر پیتے ہیں ۔ ۔ یہ لوگ مجرم کے ساتھ انصاف کرنے میں بڑی سختی کرتے ہیں ۔ اسی طرح شراب کے استعمال سے پرہیز کرنے میں سختی سے کام لیا جاتا ہے ۔ انھوں نے دراصل یہ ایک اصول بنا رکھا ہے کہ شرابیوں اور سیاحوں کو ضامن کے طور پر نہیں قبول کیا جائے گا ۔" وہ اس طریقہ کا بھی ذکر کرتا ہے جس میں قرض کی عدم ادائگی کی صورت میں روپیہ دینے والا مقروض کے چاروں طرف ایک دائرہ کھینچ دیتا تھا اور مقروض تا وقتیکہ اپنا قرض ادا نہ کر دے یا ضامن نہ پیش کر دے اس دائرے سے باہر نہیں نکل سکتا تھا ۔ وہ قیافہ شناسوں نجومیوں اور جادوگروں کے بارے میں بھی ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ لوگ ان کا مشورہ حاصل کرنے کے لیے بے چین رہتے تھے ۔ مندروں کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ " یہ کچھ خانقاہیں ہیں جن میں دیوتا اور دیویاں رہتی ہیں ۔ بہت سی نوجوان لڑکیاں خود کو مندروں کے لیے وقف کر دیتی ہیں " (دیوداسیاں) اس نے دیکھا کہ پان کھانے کا عام رواج تھا اور پان میں کافور اور دوسری خوشبودار چیزوں کو بغیر بجھائے ہوئے چونے کے ساتھ ملا کر کھایا جاتا تھا ۔ وہ کہتا ہے کہ امرا اور بڑے آدمی بہت سے بنے ہوئے ملائم بستر پر سوتے تھے جو کیڑے مکوڑوں سے حفاظت کے خیال سے رسی کے ذریعہ چھت سے لٹکے رہتے تھے ۔ عام آدمی فرش پر سوتے تھے ۔"

مارکوپولو کہتا ہے کہ شری لنکا میں بیش قیمت پتھر افراط سے پائے جاتے ہیں ۔ اس نے آدم کی پہاڑی چوٹی کے بارے میں جو روایتیں سنی تھیں ان کا بھی ذکر کیا ہے ۔ اس نے بتایا کہ قبلائی خان نے 1284 میں اپنا سفیر شری لنکا اس خیال سے روانہ کیا تھا کہ وہ وہاں سے آدم کے کچھ بال اور دانت اپنے ساتھ لائے ۔ وہ عظیم مبلغ سنت ٹامس سے متعلق ان روایتوں کو بھی مفصل طور پر بیان کرتا ہے جو اسے سنائی گئی تھیں ۔ وہ میلاپور کے قرب و جوار میں سنت ٹامس کی موت کے طریقے کے بارے میں بیان کرتا ہے ۔ اسے واقفیت تھی کہ آندھرا پردیش پر ایک ملکہ (رودر امبا) حکومت کرتی تھی جو بہت دور اندیش تھی ۔ اس نے بتایا کہ اس خاتون کی سلطنت میں کس طرح کانوں سے ہیرے

حاصل کیے جاتے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کی سلطنت میں موٹے کپڑے کی بہت عمدہ اور نازک چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ یہ بیش قیمت بھی ہوتی ہیں۔ ان کی بناوٹ بالکل مکڑی کے جال کی طرح ہوتی ہے دنیا میں کوئی بھی بادشاہ اور ملکہ نہ ہوگی جو ان کپڑوں کو پہن کر خوش نہ ہوتی ہوگی۔ یہاں کے لوگوں کے پاس دنیا بھر میں سب سے زیادہ جواہرات ہیں اور ضروریات زندگی کی افراط ہے۔

مارکوپولو کوئلن سلطنت میں یہودیوں اور عیسائیوں کی موجودگی کے بارے میں کہتا ہے کہ بادشاہ کسی کا خراج گزار نہ تھا۔ ملک میں سیاہ مرچ اور نیل کی افراط تھی اور چین، عرب اور لیونٹ سے بیوپاری تاجر آتے رہتے تھے۔ "یہاں چاول کے علاوہ اور کوئی اناج نہیں ہوتا۔ شراب بھی کھجور کی شکر سے تیار کی جاتی ہے۔ یہ یہاں کی خاص شراب ہے اور اس کے پیتے ہی آدمی مدہوش ہو جاتا ہے۔"

ایلی (ماؤنٹ دلی ایلی) کی سلطنت میں سیاہ مرچ، ادرک اور دوسرے مصالحہ جات بڑی مقدار میں پائے جاتے تھے۔ موسم کی خرابی کی بنا پر اگر کوئی تجارتی جہاز اس کے بندرگاہ میں آ کر رکتا تھا تو اس پر قبضہ کر لیا جاتا تھا اور مال لوٹ لیا جاتا تھا۔ مالابار کا پورا علاقہ بحری قزاقی کی زد میں تھا۔ مشرق سے آنے والے جہاز اپنے ساتھ تانبا لاتے تھے جو جہاز کے توازن کو برقرار رکھنے میں بھی معاون ہوتا تھا۔ یہ جہاز یہاں پر ریشمی کپڑے، سونا، اور صندل، لونگ، مختلف قسم کے خوشبودار تیل، دوسرے قسم کے نفیس مصالحہ جات جو یہاں بہت زیادہ مطلوب ہیں اور سونا چاندی لاتے اور اشیاء کے عوض اس ملک کی مصنوعات لیتے تھے۔

معاون کتابیں

آر۔ جی۔ بھنڈارکر ۔ ارلی ہسٹری آف دی دکن (بامبے گزیٹیر جلد اول حصہ دوم 1896)

ایچ۔ ڈبلیو۔ کاڈرنگٹن ۔ شارٹ ہسٹری آف سیلون (لندن 1929)

جے۔ ڈی۔ ایم۔ ڈیریٹ ۔ دی ہویسلز ۔ (آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1957)

جے۔ ایف۔ فلیٹ ۔ ڈائنیسٹیز آف دی کناریز ڈسٹرکٹس۔ (بامبے گزیٹیر جلد اول حصہ دوم 1896)

کے۔ اے۔ این۔ شاستری ۔ کولاز جلد دوم (مدراس 1936)

۔ فارن نوٹیسز آف ساؤتھ انڈیا (مدراس 1939)

دی پانڈین کنگڈم ۔ (لندن 1929)

ہوئیسل (1022 – 1342)

(1) نرپ کام — 1022 – 47

(2) ونے آدیتہ — 1047 – 98

(3) ایری ینگ — 1063 – 1100

(4) بلال اوّل (1100 – 1110) ؛ (5) وشنو وردھن (1110 – 52) ؛ ونے آدیتہ

(6) نرسنگھ اوّل (1152 – 73)

(7) بلال دوم (1173 – 1220)

(8) نرسنگھ دوم (1220 – 38)

(9) سومیشور (1233 – 67)

(10) نرسنگھ سوم — 1254 – 92 ؛ رام ناتھ (1254 – 95)

(11) بلال سوم — 1291 – 1342 ؛ وشوناتھ 1295 – 1300

(12) بلال چہارم

کاکتیہ

(1) بیت اوّل — 1000 – 30

(2) پرول اوّل — 1030 – 75

(3) ترِبھون مل بیت دوم — 1075 – 1110

(4) پرول دوم — 1110 – 58

(5) پرتاپ رودر اوّل — 1158 – 96 ؛ (6) مہادیو — 1196 – 99

(7) گن پتی — 1199 – 1262 ؛ میلامبا

(8) رودرامبا — 1262 – 96 ؛ گنپامبا

ممدامبا

(9) پرتاپ رودر دوم — 1295 – 1326

باب 11

بہمنی اور وجے نگر سلطنتوں کا عروج

دکن پر خلجیوں کا پہلا حملہ اور دیو گری کی فتح۔ بعد کے حملے۔ ملک کافور۔ ہویسلوں اور پانڈیہ دیشوں پر حملے۔ ہندوؤں کا ردعمل۔ کمپلی کی سلطنت۔ پانڈیہ دیش میں خانہ جنگی اور تغلقوں کا حملہ۔ یادوؤں اور کاکتیہ سلطنتوں کا زوال۔ بہاؤالدین گرشسپ کی بغاوت اور اس کے نتائج۔ کمپلی کا زوال۔ آزادی کی تحریک۔ کاپیہ نایک اور بلال سوئم۔ ہری ہر اور بکا۔ ودیا رنیہ۔ وجے نگر کا قیام۔ مدورا کا سلطان اور بلال سوئم۔ 1346ء تک وجے نگر کی توسیع۔

بہمنی سلطنت کا قیام۔ علاؤالدین اوّل بہمن شاہ۔ محمد اوّل۔ مجاہد۔ داؤد۔ محمد دوئم۔ غیاث الدین۔ شمس الدین۔ فیروز۔ علاؤالدین دوئم احمد۔ ہمایوں۔ نظام شاہ۔ محمد سوئم۔ محمود۔ بہمنی سلطنت کا زوال۔ محمود کے چار لڑکوں کی برائے نام حکومت۔

دلّی سلطنت کا قیام بارھویں صدی کے آخر میں ہوا اور سو سال تک اس حکومت کی تمام تر توجہ شمالی ہندوستان تک محدود رہی۔ دکن اور اس کے آگے کے علاقوں کو فتح کرنے کا خیال خلجیوں کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ اگرچہ دکن کی سلطنت پر مسلمانوں کا پہلا حملہ ایک نیم غیر سرکاری مہم تھی۔ جس کی تیاری مخفی طور پر کی گئی تھی حملہ بھی اچانک ہی ہوا۔ واقعات کچھ اس طرح ہیں کہ گرشاسپ ملک جو آئندہ چل کر علاؤالدین کہلایا۔ سلطان جلال الدین خلجی کا بھتیجا اور داماد تھا۔ اسے اپنی بیوی کی نخوت پسندی ناگوار گذری جس کی بنا پر وہ اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ اس کے لیے ناکافی طاقت

ہو ذرائع کی فراہمی ضروری تھی تاکہ وہ سلطان اور اس کے بیٹوں کا مقابلہ کر سکے۔ اس نے پہلے مالوہ پر حملہ کرنے کے لیے سلطان سے اجازت حاصل کی۔ لیکن وہ بہت دور تک جنوب میں چلا گیا اور یادو کی سلطنت دیوگری پر تیزی کے ساتھ حملہ شروع کر دیا (فروری 1296) دیوگری کی فوج اس وقت مقامات پر مہم میں مصروف تھیں۔ دیوگری کا راجہ رام دیو حملہ کی تیزی سے پریشان ہو گیا اور ایک ہفتہ تک اپنے دارالخلافہ کے محاصرے کے بعد صلح کی درخواست کی۔ اسے علاؤالدین کو بہت زیادہ مال و دولت، ہاتھی اور گھوڑے دینا پڑے اور اپنی ایک لڑکی کی شادی بھی اس کے ساتھ کر دینا پڑی۔ رام دیو کے لڑکے سنگھن نے جب دارالخلافہ پر حملے کے بارے میں سنا تو وہ اپنی فوج کے ساتھ فوراً واپس آیا اور لڑائی دوبارہ شروع کرنا چاہی۔ لیکن اس کے پہنچنے تک صلح ہو چکی تھی۔ راجدھانی دشمن کے قبضہ میں تھا۔ سنگھن کو بھی اس وقت اطاعت قبول کرنا پڑی۔ رام دیو کو اس کی سلطنت واپس کر دی گئی اور اس نے اور علاؤالدین نے تا حیات دوستی نبھانے کا عہد کیا۔ علاؤالدین کو دیوگری سے جو کثیر دولت حاصل ہوئی۔ اس نے تخت حاصل کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ اس نے جلال الدین کو قتل کر کے تھوڑے ہی عرصہ میں تخت پر قبضہ کر لیا۔

سلطان ہو جانے کے بعد بھی علاؤالدین نے دکن میں بادشاہت کو سلطنت کی توسیع پر ترجیح دی۔ اس نے 4-1303 میں ایک فوج ملک فخرالدین جونا کے زیر کمان بنگال کے راستے ورنگل پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کی۔ یہ مہم ناکام رہی۔ فخرالدین جونا بعد میں دلی کا سلطان ہوا۔ تیلوگو فوج نے حملہ آور فوج کا اس کے ورنگل پہنچنے سے پہلے ہی مقابلہ کیا۔ حملہ آور فوج کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئی۔ اس شکست کی بنا پر دکن میں دلی کے سلطان کے اقتدار کو زبردست دھکا پہنچا۔ دیوگری کے راجہ سنگھن نے خراج کی ادائیگی سے جسے اس کے والد نے قبول کیا تھا انکار کر دیا۔ اس نے گجرات کے بادشاہ اور اس کی بیٹی کو بھی اپنے یہاں پناہ دی جو سلطان کی فوجوں سے بچ کر اور اپنا ملک چھوڑ کر یہاں بھاگ آئے تھے۔ رام دیو نے علاؤالدین کے ساتھ یا تو وفاداری کے خیال سے یا پھر کسی گہری حکمت عملی کے تحت اپنے لڑکے کی مذمت کر کے علاؤالدین سے درخواست کی کہ وہ وقت سے پہلے ہی اس علاقے میں دوبارہ اپنا اقتدار قائم کرنے کے لیے اقدام کرے چنانچہ علاؤالدین نے 1307 میں اپنے منظور نظر غلام ملک کافور کے زیر کمان ایک فوج روانہ کی۔ سنگھن کو دیوگری کے قریب شکست ہوئی اور وہ بھاگ گیا۔ ملک کافور نے شہر کو خوب لوٹا اور اپنے سلطان کے نام پر حکومت پر قبضہ کر لیا۔ رام دیو اور اس کے خاندان کے دوسرے

لوگوں کو قیدی بنا کر دلی بھیج دیا گیا۔ سلطان علاء الدین نے رام دیو کے ساتھ بہت شرافت سے پیش آیا۔ اس نے رام دیو کو اپنے یہاں چھ مہینے تک رکھا اور بعد میں بہت زیادہ تحائف اور مال و دولت کے ساتھ اس سلطنت پر حکومت کرنے کے لیے واپس روانہ کیا جس میں گجرات کے کچھ علاقے ملا کر مزید توسیع کر دی گئی تھی۔ سلطان کو اپنی سخاوت کا اچھا صلہ ملا۔ رام دیو اپنی بقیہ زندگی اس کا وفادار بنا رہا اور جنوب میں سلطان کی فوجی کارروائی میں پیش پیش مدد کرتا رہا۔

اس کے بعد 1309 میں ملک کافور کو ورنگل پر حملہ کرنے کے لیے دوبارہ روانہ کیا گیا تاکہ شاہی فوج کو اس سے قبل جو ذلت برداشت کرنا پڑی تھی اس کا کفارہ ادا کیا جا سکے۔ ملک کافور سب سے پہلے دیوگری کے لیے روانہ ہوا۔ جہاں رام دیو نے اس کا خیر مقدم کیا اور اس کی ضروریات کو مستعدی کے ساتھ پورا کیا۔ اس کے بعد وہ یادو کا علاقہ طے کرکے تیلوگو دیش میں داخل ہوا اور بہت تیزی کے ساتھ بڑھتا گیا 1310 کے شروع میں ورنگل کے قریب ہنوار کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ ورنگل شہر کے چاروں طرف دو دیواریں تھیں۔ ملک کافور نے شہر کا ایک مہینہ تک محاصرہ کیا اور باہری قلعہ پر اچانک زبردست حملہ کرنے کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قلعہ کے اندرونی حصہ میں بہت بھیڑ جمع ہو گئی اس لیے پرتاپ رودر کو حملہ آور کے ساتھ مجبوراً صلح کے لیے گفتگو کرنا پڑی۔ ملک کافور نے محاصرہ ختم کرنے کی یہ شرط پیش کی کہ پرتاپ رودر کو لڑائی کے تاوان کے طور پر بے حد مال و دولت، ہاتھی، گھوڑے اور سالانہ خراج ادا کرنا ہوگا۔ ملک کافور بہت زیادہ مال غنیمت لے کر جون 1310 میں دلی لوٹ آیا جہاں اس کے آقا علاء الدین نے اس کا زبردست خیر مقدم کیا۔

اگلے سال کے شروع میں ہی ملک کافور جنوبی ہند پر حملہ کرنے کے لیے دوبارہ روانہ ہوا۔ اس مرتبہ دوار سمدر اور معبر یعنی جنوب بعید کی ہویسل اور پانڈیہ حکومتیں اس کی زد میں تھیں فوجی کارروائی کے لیے ایک بار پھر دیوگری کو ہی مرکز بنایا گیا۔ یہاں کا راجہ رام دیو ہر طرح سے مدد کرنے کے لیے تیار تھا وہ ہویسل راجہ بلال سوئم سے عداوت رکھتا تھا کیونکہ بلال سوئم نے دیوگر کے کچھ علاقے پر کسی وقت قبضہ کر لیا تھا چونکہ بلال سوئم پانڈیہ دیش پر حملہ کرنے گیا تھا اس لیے ملک کافور نے ہویسل پر اس کے حکمراں کے آنے تک حملہ نہیں کیا۔ پانڈیہ دیش میں کل شیکھر کے لڑکے آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ بلال سوئم نے موقع کو اس علاقہ کی بازیابی کے لیے غنیمت سمجھا جس پر کچھ عرصہ قبل قبضہ کر لیا گیا تھا۔ ملک کافور بغیر کسی مقابلے کے آگے بڑھتا چلا گیا اور ہویسلوں کے دارالخلافہ کے راستہ کا

تمام علاقہ اس کی غارت گری کا شکار ہوا۔ عوام دہشت زدہ ہو گئے۔ بلال بہت جلد واپس ہوا۔ اس نے دیکھا کہ مقابلہ کرنا بیکار ہوگا اور اپنے افسروں اور سرداروں کی لڑائی جاری رکھنے کے ارادے کو قبول نہیں کیا۔ وہ سلطان کا خراج گزار اور ذمی بننے پر اور اسے بہت زیادہ دولت، ہاتھی اور گھوڑے دینے پر راضی ہو گیا۔

کافور دوار سمدر میں پندرہ دن سے بھی کم مقیم رہا۔ اس کے بعد وہ مالابار کی جانب روانہ ہوا۔ بلال سوئم اس کے ہمراہ تھا اور اس نے پہاڑی علاقہ سے میدان تک دشوار گزار پہاڑی راستوں پر فوج کی رہنمائی کی۔ اگرچہ پانڈیہ شہزادوں میں تفرقہ تھا لیکن انھوں نے متحد ہو کر حملہ آور کا مقابلہ کیا۔ انھوں نے ملک کافور کو بہت پریشان کیا۔ انھوں نے جم کر لڑنے سے پرہیز کیا اور خود کو قلعوں میں بند بھی نہیں کیا کیونکہ ان کا فتح کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ ملک کافور سب سے پہلے اُرے یور کے قرب جوار میں واقع ویر پانڈیے کے دارالخلافہ بیر دھول کی جانب بڑھا۔ شہر پر دشمن کا قبضہ ہونے سے بیشتر ہی یہاں کا راجہ بھاگ گیا۔ برسات کی وجہ سے ملک کافور کی مزید کارروائیوں میں رکاوٹ پڑ گئی اس نے برسات کی پرواہ نہ کی اور ویر پانڈیہ کا تعاقب کرتا رہا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کنتور (اس مقام کی شناخت نہیں ہو سکی ہے) بھاگ گیا تھا۔ راستے میں اس نے ایک سو بیس ہاتھیوں پر بخزانہ لدا ہوا تھا قبضہ کر لیا۔ جب وہ کنندور پہنچا اور اس شہر پر بھی قبضہ کر لیا تو بھی وہاں پر ویر پانڈیے کا پتہ نہ تھا۔ کافور کانجی پور (بر مسلم مؤرخین کے مطابق مربٹ پوری) کی جانب بڑھا۔ یہاں اس نے لوٹ مار کی اور مندروں کی بے حرمتی کی۔ وہ پھر بیر دھول واپس آیا۔ اس کے بعد اس نے پانڈیوں کے کامی دارالخلافہ مدورا پر اچانک حملہ کرنے کی ٹھانی۔ یہاں سندر پانڈیہ حکومت کرتا تھا مگر چونکہ سندر پانڈے کو حملہ کی اطلاع پہلے سے ہی مل گئی تھی اس نے شہر کو چھوڑ دیا اور اپنے خاندان اور خزانے کے ساتھ ملک کے اندرونی حصہ میں چلا گیا۔ اس موقعہ پر سندر کے چچا وکرم پانڈے نے اپنی گوشہ نشینی کو ترک کر کے مسلمانوں کے خلاف پانڈیہ فوج کی قیادت کی اور مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دی۔ ملک کافور واپس لوٹنے اور اپنی فوج کو واپس لے جانے کے لیے مجبور ہو گیا۔ لیکن وہ اپنے ساتھ اس تمام مال غنیمت کو جو اس نے ویر پانڈیے سے حاصل کیا تھا اپنے ساتھ لے جا سکا اور پھر بحفاظت دلّی لے گیا۔ وہ اکتوبر 1311 میں شاہی دارالخلافہ پہنچا اور بلال سوئم کے لڑکے کو سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ اس نے سلطان سے اس امداد کی تعریف کی جو بلال سوئم کے والد نے اسے دی۔ سلطان ہندو شہزادے کے ساتھ بہت رحم دلی سے پیش آیا اور اسے

اس کے والد کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس کی سلطنت بھی اسے واپس کر دی گئی۔ اس طرح ملابار کی مہم محض ایک فوجی مہم رہی۔ اس مہم کو زیادہ کامیاب مہم بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کوئی مستقل نتائج بھی نہیں برآمد ہوئے۔ البتہ جنوبی ہندوستان کا بہت بڑا خزانہ لوٹ لیا گیا اور بیرونی بیان کے مطابق چھ سو دو ہاتھی چھیانوے ہزار من سونا، موتیوں اور جواہرات کے صندوق اور بیس ہزار گھوڑے جنوبی ہندوستان سے لے جائے گئے۔

تقریباً ایک سال بعد 1312 میں رام دیو کا انتقال ہو گیا اور اس کا لڑکا سنگھن تخت نشین ہوا۔ وہ دلی کے سلطان کا مخالف تھا۔ چنانچہ ملک کافور کو ایک بار پھر فوج کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ کہ یادووں کی سلطنت پر قبضہ کر کے اسے دلی کی سلطنت میں شامل کر لیا جائے۔ چونکہ سنگھن بھاگ گیا اس لیے کسی تصادم کے بغیر ہی یہ مقصد بآسانی پورا ہو گیا۔ ملک کافور نے بہت اعتدال پسندی سے کام لیا کیونکہ وہ عوام کو یہ اطمینان دلانا چاہتا تھا کہ انہیں اپنے نئے مسلم حکمراں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس نے انتہائی عقلمندی سے انتظامی امور کو باضابطہ بنایا۔ ایک معاملہ میں اس نے البتہ بے رحمی دکھائی۔ اس نے مندروں کو منہدم کر کے ان کی جگہ مسجدوں کی تعمیر پر بہت زور دیا — دیوگری میں ایک بہت بڑی مسجد تعمیر کی گئی اور اس کی خواہش کے مطابق اسے دلی کے سلطان سے موسوم کیا گیا۔ پھر بھی یادو سلطنت کے کافی بڑے علاقے نے نئی حکومت کو تسلیم نہیں کیا اور سنگھن کے بھائی سے زیادہ اس کے مشہور و معروف لڑکے کمپل دیو کی قیادت میں کمپل سلطنت نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اس نئی سلطنت میں موجودہ بلاری، رائچور اور دھارواڑ کے اضلاع بشمول ہوسپیٹ اور انگوندی اور خود کمپلی کے قلعے جو سب کے سب دریائے تنگ بھدرا کے کنارے واقع تھے شامل تھے۔ ملک کافور نے کمپلی پر ایک غیر فیصلہ کن حملہ کیا اور اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ حملہ کرے اسے دلی بلا لیا گیا۔ اس سیاسی انقلاب کے دوران انتقال کر لیا جو علاؤ الدین کی موت 1316 اور قطب الدین مبارک شاہ کی تخت نشینی کے درمیان واقع ہوا تھا۔

اسی سیاسی انقلاب کی بنا پر دیوگری میں مسلم حکومت کا خود بخود خاتمہ ہو گیا کیونکہ ملک کافور نے جس شخص کو اپنے قائم مقام کی حیثیت سے وہاں چھوڑا تھا اُسے دلی واپس بلا لیا گیا چنانچہ رام دیو کا داماد ہرپال دیو کچھ مدت کے لیے یادو اقتدار دوبارہ قائم کر سکا۔ لیکن 1318 میں مبارک خلجی اپنی تخت نشینی کے فوراً بعد جنوب کی جانب ایک فوج کے ساتھ جس کی قیادت اس کا منظور نظر غلام خسرو خان کر رہا تھا روانہ ہوا اور دیوگری پر دوبارہ قبضہ کرنے کا تہیا کیا۔ خسرو خان

کوہرپال کی طاقت ختم کرنے کے سلسلہ میں اس پہاڑی علاقہ میں کئی لڑائیاں لڑنا پڑیں۔ آخری لڑائی میں ہرپال دیو زخمی ہوا اسے قید کرلیا گیا اور مار ڈالا گیا۔ برنی کے مطابق زندہ کھال کھینچوا لی گئی۔ برسات کی وجہ سے سلطان کے دلی لوٹنے میں تاخیر ہوئی۔ چنانچہ مجبوراً قیام کے دوران اس نے دیوگری کے انتظام کو از سر نو منظم کیا۔ ملک یک لکھی کو دیوگری کا صوبیدار بنایا گیا۔ اس کے ماتحتی میں دوسرے افسران اور مال گذاری وصول کرنے والے افسران کو مختلف مقامات پر تعینات کیا گیا۔ فوجی نقطہ نظر سے جو مقامات اہم سمجھے گئے ان میں فوجی دستے رکھے گئے۔ ہوئسلوں کے دارالخلافہ دوار سمدر میں فوجی دستہ رکھنے کی کوشش ناکامیاب ثابت ہوئی۔ جب اگست 1318 میں سلطان دلی واپس آگیا تو خسرو خاں کو وارنگل کے پرتاپ رودر دوم کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ پرتاپ رودر دوم نے علاؤالدین کی موت کے بعد سے اپنا سالانہ خراج نہیں ادا کیا تھا۔ خسرو اپنی فوج لے کر وارنگل پہنچ گیا اور بقایا خراج کی کل رقم وصول کرلی اور یہاں سلطان کے اقتدار کو دوبارہ قائم کرنے میں کامیاب رہا۔

کچھ ہی عرصے خسرو کو دیوگری کے صوبیدار کی بغاوت کو فرو کرنے اور معبر کو مسلم قلمرو میں شامل کرنے کے لیے جنوب جانا پڑا۔ ملک یک لکھی نے خود مختاری کا اعلان کرکے شمس الدین کا لقب اختیار کرلیا تھا اس نے اپنے نام کے سکے بھی جاری کیے۔ لیکن وہ اپنی بے رحمی اور عیاشی کی وجہ سے غیر مقبول ہوگیا۔ اس کے دربار کے امرا اس امر پر متحد ہوگئے کہ جب وہ دیوگری کی طرف اقدام کرے تو اسے گرفتار کرکے خسرو کے حوالے کر دیا جائے۔ بد قسمت باغی صوبیدار کو پا بہ زنجیر کرکے دلی روانہ کیا گیا اور خسرو جنوب بعید کے لیے روانہ ہوا۔

ملک کافور جب 1311 میں دکن سے لوٹا تھا تو اس وقت ویرپانڈیہ اور سندر پانڈیہ کے درمیان خانہ جنگی جاری تھی۔ لڑائی کی وجہ سے سندر پانڈیہ کی حالت اتنی خراب ہوگئی کہ پہلے اس نے مسلمانوں سے مدد کی درخواست کی یہ مدد اسے ملی تھی۔ اس کا کوئی فائدہ نہ ہوسکا۔ جنوبی ٹراونکور کا حکمراں روی ورمن کلاشیکھر تقریباً 1312 تک سندر پانڈیہ کے ساتھ دوستی کا دم بھرتا رہا اس نے اس انتشار سے فائدہ اٹھانا چاہا اور پانڈیہ دیش پر حملہ کر دیا اور جنوب میں کانچی پورم تک بڑھتا چلا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ویرپانڈیہ اس کا شریک بن گیا اور سندر پانڈیہ نے کاکتیہ حکمراں پرتاپ رودر دوم سے مدد کی درخواست کی۔ چنانچہ 1317 میں [illegible] موپیدی نایک کے زیر کمان ایک بڑی فوج سندر پانڈیہ کے لیے روانہ کی گئی۔ موپیدی نایک نے [illegible]

کل شیکھر اور ویر پانڈے کو شکست دی اور ردکی وادمن کل شیکھر کو اپنے علاقے میں واپس جانے پر مجبور کیا۔ سندر پانڈے کی ورادھول پٹنم (بیرداھول) میں تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی۔ اس کے بعد ہی خسرو کا حملہ ہوا۔ سندر پانڈیہ نے اپنے خاندان اور تمام دولت کو لے کر لڑائی ٹالنے کے خیال سے اپنے دارالخلافہ کو خالی کرنے کی حسب معمول حکمت عملی پر عمل کیا ایک دولت مند مسلمان سوداگر یہ خیال کرتے ہوئے دارالخلافہ میں ہی مقیم رہا کہ چونکہ وہ بھی مسلمان ہے اس لیے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ لیکن خسرو نے اسے بھی لوٹ لیا اور اس کی بے عزتی بھی کی گئی۔ اس نے آخر میں خودکشی کرلی۔ خسرو کا حملہ اس کے باوجود کامیاب نہیں رہا۔ برسات کی وجہ سے اس کی سرگرمیوں میں زبردست رکاوٹ پڑگئی اور سب سے زیادہ دل چسپ بات یہ ہے کہ وہ خود بغاوت کو سوچنے لگا۔ جب اس کا پتہ چل گیا اور اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ نہیں دیا تو مجبور ہوکر اسے بیڑیاں پہنا کر دلی جانے کے لیے راضی ہونا پڑا۔

دلی کے سیاسی انقلاب میں خلجی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور تغلق حکومت کا آغاز ہوا۔ پرتاپ رودر دوئم کو ایک بار پھر خودمختاری کے اعلان کا موقعہ مل گیا۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ اور مہاراشٹر کے اس حصہ میں بھی جو سلطان کے ایک صوبے دار کے ماتحت تھا بے اطمینانی پھیل گئی۔ غیاث الدین تغلق نے دکن کی تمام ہندو حکومتوں کو ایک ایک کر کے ختم کرنے اور مسلم حکومت کو کیپ کاموری (کماری انترپ) تک قایم کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اس نے 1321 میں اپنے لڑکے اور جانشین الوغ خاں کے زیر کمان ایک فوج وارنگل پر یورش کے لیے روانہ کی۔ یہ فوج حسب معمول دیوگری کے راستے سے ہوکر گزری۔ تلنگانہ میں داخل ہوتے ہی فوج نے علاقہ کو ویران کرنا اور قلعوں کا محاصرہ کرنا شروع کر دیا۔ پرتاپ رودر پیچھے ہٹ گیا اور اپنی فوج کے ساتھ دارالخلافہ میں جو بہت مستحکم تھا اور جہاں رسد کا بھی کافی انتظام تھا بند کرلیا۔ الوغ خاں کی فوج نے چھ مہینے تک محاصرہ کیا۔ لیکن اس مدت کے بعد الوغ خاں کی فوج میں پھوٹ پڑگئی۔ اس کے ساتھی اس کے خلاف ہوگئے اور پرتاپ رودر سے مصالحت کی بات چیت شروع کر دی۔ پرتاپ رودر اس بات پر راضی ہوگیا کہ فوج کو پرامن طور پر واپس جانے دیا جائے گا۔ لیکن جب فوج واپس جارہی تھی تو وہ بھی کچھی فوج پر جس کی قیادت خود الوغ خاں کررہا تھا ٹوٹ پڑا اور اسے بھاگنے پر مجبور ہونا پڑا۔ الوغ خاں کو اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھنے دیا گیا جب تک کہ اس نے اپنی فوج کے باغی سرداروں سے مصالحت نہیں کرلی اور پھر ان کی مداخلت سے اپنے لیے دیوگری تک بلا کسی

روک ٹوک کے واپس لوٹنے کا انتظام نہیں کر لیا۔ لیکن راستہ میں اس کی فوج کی ایک دوسری فوج سے ملاقات ہوئی جو ماجر ابورجا کے زیر کمان کوشا گر کے ضلع کو فتح کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ ماجر ابورجا بہت گرم جوشی کے ساتھ الوغ خاں سے پیش آیا اور اسے اپنے باقی سرداروں سے نپٹنے میں مدد دینے کی پیش کش کی۔ اس نے زمینداروں اور اضلاع کے اعلا افسروں کو اس امر کی ہدایات جاری کیں کہ وہ باغیوں کو جہاں کہیں بھی ہوں گرفتار کر لیں اور ان کے سرداروں کو سلطان کے دربار میں روانہ کر دیں۔ اس کے بعد وہ الوغ خاں کے ہمراہ دیوگری تک گیا۔ باغیوں سے نپٹنے کا طریقہ بہت کارگر ثابت ہوا۔ کچھ باغی تو لڑائی میں ہلاک ہوئے کچھ بھاگ گئے اور کچھ پکڑے ہو گئے۔ کچھ گرفتار کر کے دلی بھیج دیا گیا جہاں سلطان کے حکم سے انھیں قتل کر دیا گیا۔

حملہ آوروں کے خلاف اپنی کامیابی پر فخر کرتے ہوئے پرتاپ رودر نے اپنی فوج اور رسد جو دارالخلافہ میں جمع کی گئی تھیں اپنی سلطنت کے مختلف حصوں میں منتقل کر دیں اور اس طرح برتاؤ کیا جیسے اسے حملے سے مستقل طور پر نجات حاصل ہو گئی تھی۔ اس کے برعکس غیاث الدین کو تلنگانہ میں اپنے لڑکے کی ناکامیابی سے اس علاقہ کو فتح کرنے کے لیے مستقبل میں زبردست کوشش کرنے کے سلسلہ میں ہمت افزائی ہوئی۔ اس نے مدد کے خیال سے دیوگری کے لیے کثیر فوج روانہ کی۔ الوغ خاں نے کاکتیہ سلطنت پر دوبارہ چڑھائی کر دی۔ حملہ آور فوج نے مغربی سرحد پر واقع بیدر کا قلعہ نیز دوسرے قلعے جس میں بودھن کا قلعہ بھی شامل تھا فتح کر لیے۔ ورنگل کے قلعہ کا محاصرہ کیا گیا۔ پرتاپ رودر نے لڑائی کی کوئی تیاری نہ کی تھی۔ وہ پانچ مہینے تک دشمن کا مقابلہ کرتا رہا۔ لیکن اسی دوران قحط پڑ جانے کی وجہ سے وہ صلح کی بات چیت کرنے کے لیے مجبور ہو گیا۔ اس نے خود کو اپنے خاندان والوں کے ساتھ الوغ خاں کے حوالے کر دیا (1323)۔ الوغ خاں نے اسے ایک محافظ دستہ کے ساتھ دلی روانہ کر دیا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے راستہ میں خودکشی کر لی۔ الوغ خاں نے ورنگل کو خوب لوٹا اور ویران کر دیا۔ اس نے بقیہ علاقے کو لوٹ کر اپنا مطیع بنایا اور جہاں کہیں ہندو سرداروں نے اس کی اطاعت قبول کر لی اسے بغیر لڑے قبول کر لیا۔

الوغ خاں نے ایک فوج مابار کے لیے بھی روانہ کی۔ اس علاقے کو فتح کر لیا گیا اور کچھ عرصہ کے لیے دلی کی قلمرو میں بھی شامل ہو گیا۔ پانڈیہ راجہ پراکرم دیو کو قید کر لیا گیا۔ جب محمد تغلق نے 1326 میں دیوگری کو اپنا دارالسلطنت بنایا تو مابار اس وقت دلی سلطنت کا ہی ایک

صوبہ جات اور ملتان سے لے کر اپنی الگ سلطنت تک جاج نگر مقام پر بھی چڑھائی کی۔ جاج نگر پر حملہ کرنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ گنگ سلطنت کو ختم کر دیا جائے بلکہ ورنگل کی سرحد کو محفوظ بنانا تھا۔

محمد تغلق کی تخت نشینی تک دکن اور جنوبی ہندوستان کا بیشتر علاقہ دلی کے سلطان کے زیر اقتدار آ چکا تھا۔ دیوگری اور ورنگل براہ راست سلطان کے افسروں کی براہ راست نگرانی تھی۔ معبر اور مالابار کے لیے ایک وائسرائے مقرر کیا گیا جس پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ وہ فتوحات کو محفوظ اور شاہی اقتدار کی توسیع کرے گا۔ کمپلی اور دوار سمدر کی ہندو ریاستیں ابھی تک خود مختار تھیں۔ کمپلی کے مشہور بادشاہ کمپل دیو نے چودھویں صدی کے شروع میں ہی ہویسل راجہ بلال سوئم کے خلاف اپنے غزمال اور دیوگری کے نام دیو کی مدد کر کے بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ کمپل دیو مسلمانوں کے جنوب میں بڑھتے ہوئے اقتدار کا سخت مخالف تھا۔ لیکن چونکہ اسے دوار سمدر اور ورنگل کی ہندو حکومتوں سے برابر جنگ کرنی پڑتی تھی اس لیے وہ اس سلسلہ میں کوئی کارروائی نہیں کر سکا۔ پھر بھی اس نے ایک وسیع سلطنت قائم کر لی تھی جس میں بلگوڑ، رائچور اور بلاری کے اضلاع کے علاوہ موجودہ اننت پور، چتل درگ اور شموگ کے اضلاع شامل تھے۔ دریائے کرشنا دلی سلطنت کے مراٹھی صوبہ اور کمپلی سلطنت کے درمیان سرحد قائم کرتی تھی۔ سلطان محمد تغلق کے افسروں نے جب کمپل دیو سے خراج طلب کیا تو اس نے اس سوال کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور محمد تغلق کے چچازاد بھائی اور گلبرگہ کے قریب ساگر میں واقع مقام ساگر کے صوبہ دار بہاؤالدین گرشاسپ کے ساتھ دوستی کی بات چیت شروع کر دی۔ گرشاسپ کو محمد تغلق سے کچھ رنجش تھی۔ اس نے دلی کے تخت کے لیے دعویدار ہونے کا اعلان کر کے بغاوت کر دی۔ محمد تغلق نے گجرات کے صوبیدار ملک زادہ اور دیوگری کے صوبیدار مجیر ابو رجا کو باغی گرشاسپ کے خلاف کارروائی کرنے کا حکم دیا۔ دریائے گوداوری کے کنارے زبردست لڑائی ہوئی جس میں گرشاسپ کو شکست فاش ہوئی۔ گرشاسپ ساگر کی طرف بھاگا جہاں فتح یاب شاہی فوج نے اس کا پیچھا کیا اس لیے اپنی عورتوں اور بچوں کے ساتھ ساگر سے بھاگ کر کمپل دیو کے یہاں پناہ لی۔ اسی اثنا میں محمد تغلق خود مہاراشٹر میں داخل ہوا اور دیوگری آیا۔ جہاں اسے گرشاسپ کی شکست اور اس کے کمپلی بھاگنے کی اطلاع ملی۔ سلطان نے اس گستاخ ہندو حکمراں کو جس نے شکست خوردہ باغی کو اپنے یہاں پناہ دی فوراً تباہ کر دینے کا ارادہ کیا۔ لیکن یہ کام اس کی توقع سے زیادہ تکلیف دہ

ثابت ہوا۔ سلطان دو حملوں کے بعد بھی گمٹ کے مستحکم قلعہ کو نہ فتح کر سکا۔ ملک زاد نے جب تیسری بار کوشش کی تو وہ کامیاب ہوا۔ کمٹ کے قلعہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ کمپل دیو نے خود کو ہوس ناگ (رائے گونڈی) کے قلعہ میں بند کر لیا جسے سلطان کی فوج نے چاروں طرف سے گھیر لیا چونکہ رسد کی بے حد کمی تھی۔ اس لیے کمپل دیو ایک مہینہ سے زیادہ مدت تک مقابلہ کی تاب نہ لا سکا البتہ اس نے اس اثنا میں گرشٹپا اور اس کے خاندان کو دوارسمدر میں بلال سویم کی نگرانی میں روانہ کر دیا۔ کمپل دیو نے بڑی ہمت اور جرات کے ساتھ موت کا سامنا کیا۔ اس نے اپنی رانیوں سے کہا کہ اس نے لڑتے لڑتے مر جانے کا تہیہ کیا ہے اور انھیں مشورہ دیا کہ وہ دشمن کے ہاتھ میں پڑنے سے پہلے خود کو آگ میں جلا کر خاک کر دیں (جوہر) کمپل دیو کی رانیوں نے مناسب خندہ پیشانی کے ساتھ اس مشورہ پر عمل کیا۔ اور حکومت کے وزرا اور سرداروں کی بیویوں اور لڑکیوں نے ان کی تقلید کی۔ اس کے بعد کمپل دیو مع اپنے ساتھیوں کے قلعہ سے باہر نکل کر محاصرین پر جھپٹ پڑے اور دشمن کی فوج پر تباہی لاتے ہوئے لڑتے لڑتے مارے گئے۔ کمپل دیو کے سر میں بھوسہ بھر کر دلی کے سلطان کے پاس فتح یابی کے اعلان کے طور پر روانہ کیا گیا۔ ہوس ورگ میں ایک محافظ دستہ قرب وجوار کے علاقے کی نگرانی کے لیے رکھا گیا۔ (1327)

بہاؤالدین کا تعاقب کرنے کے سلسلہ میں ملک زاد ہویسل ریاست پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ بلال سویم کا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ وہ کمپل دیو کے بھیجے ہوئے مسلم باغی کو پناہ دے کر اپنی سلطنت کے لیے خطرہ مول لے۔ اس کے علاوہ کمپل دیو کے ساتھ اس کے کبھی دوستانہ تعلقات بھی نہ تھے۔ چنانچہ جب بہاؤالدین نے خود کو اس کے سامنے پیش کیا تو بلال سویم نے اسے گرفتار کر کے ملک زاد کے پاس روانہ کر دیا اور ساتھ ہی دلی کے سلطان کی اطاعت بھی قبول کر لی۔ بلال سویم کے اس برتاؤ سے ملک زاد بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنی فوجیں ہٹا لیں اور دیوگری لوٹ گیا۔

کمپل کو فتح کر لینے کے بعد محمد بن تغلق دیوگری میں مقیم رہا اور اس مقام پر سلطنت کا دارالخلافہ منتقل کرنے کے لیے ضروری انتظامات کرتا رہا اس بیچ آٹھ مہینے کے محاصرہ کے بعد پونا کے نزدیک واقع کندھیانہ (سنگھ گڑھ) کے مضبوط قلعہ کو بھی فتح کر لیا اور کولس کے ہندو سردار ناگ نایک کو اپنی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ جب ناگ نایک نے خود کو اظہار بندگی کے لیے پیش کیا تو سلطان نے اس کے ساتھ بہت عزت کا برتاؤ کیا۔ قلعہ پر سلطان

کا قبضہ ہو گیا اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد وہ شمال کی جانب لوٹ آیا۔

مسلم مورّخین نے 1324 سے 1335 تک کی مدت میں مکمل دکن اور جنوبی ہندوستان کو دلی کی قلمرو میں شامل کیا ہے۔ یہ قابل معافی مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے جنوب میں دلی سلطنت کو پانچ صوبوں یعنی دیوگری، تلنگ، کمپلی، دوارسمدر اور مابار میں تقسیم کیا ہے۔ بعض مورّخین نے چھٹے صوبے جاج نگر (اڑیسہ) کا بھی اضافہ کیا ہے۔ یہ کسی صورت میں بھی حق بہ جانب نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ہر ایک صوبہ ایک صوبے دار (نائب) کے ماتحت تھا۔ اس کی مدد کے لیے ایک فوجی معاون بھی ہوتا تھا جو صوبائی فوج کا افسرِ اعلا بھی ہوتا تھا۔ ایک کوتوال ہوتا تھا جس پر صوبہ کے دارالسلطنت میں امن و امان برقرار رکھنے کی ذمّے داری ہوتی تھی۔ دیوگری کے علاوہ سلطان کا اقتدار ہر جگہ مضبوطی کے ساتھ نہیں قایم ہو سکا تھا۔ مثال کے طور پر دوارسمدر نے برائے نام اطاعت قبول کی تھی۔ عوام کا بیشتر حصہ بالخصوص دیہی علاقے کے رہنے والے تو نئی حکومت کو قبول نہیں کر سکتے تھے۔ فوجی جاگیروں (اقتاؤں) کے طریقے کے ماتحت زمین مسلم سرداروں میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ انھیں فوج کی مقررہ تعداد رکھنا پڑتی تھی اور معینہ رقم خزانے میں جمع کرنا پڑتی تھی۔ اس طریق کار کے تحت نہ تو امن ہی برقرار رکھا جا سکتا تھا اور نہ ریاست کا معقول انتظام ہی ممکن تھا۔ چنانچہ اس میں حیرت کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ قدرتی طور پر قلیل عرصہ بعد ہی بغاوت ہونے پر یہ تمام کمزور ڈھانچہ ایک دم ٹوٹ کر گر گیا۔

دکن کو مسلمانوں سے آزاد کرانے کی تحریک 1329 میں سلطان کے شمالی ہند کی جانب روانہ ہو جانے کے بعد ہی شروع ہو گئی تھی۔ عوام نے رضاکارانہ طور پر مسلم حکومت کو کبھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ اس کے علاوہ عوام اور ان کے رہنما شودھرم کے احیا سے ہر طرح متاثر تھے اور وہ مندروں کی بے حرمتی اور بربادی نیز یکسوئی کے ساتھ جذبۂ پرستش اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے لیے ان کی متعصبانہ عدم رواداری جنھیں وہ بھاوی یا بے دین کہہ کر ان کی مذمت کرتے تھے۔ نیز شو کے پرستاروں میں باہمی مساوات کے خالص جذبے کی بنا پر جدید شودھرم ہی اسلام کا قابل اعتنا حریف بن سکتا تھا۔ سیاسیات پر شودھرم کا اتنا زبردست اثر پڑا تھا کہ اس کی بنیاد دکن کے مختلف حصّوں میں تغلق نظامِ حکومت کی جڑیں نہیں قایم ہو سکیں۔ اس کے علاوہ نئے انتظامِ حکومت میں مذہبی اور خیراتی اوقاف منسوخ کر دیے گیے اور صوبے داروں کے ذریعے کاشت کاروں اور دست کاروں کے ساتھ لوٹ کھسوٹ کی

بنا پر لوگوں کے دلوں میں آزادی کی تحریک کے لیے دلچسپی میں اضافہ ہوا اور تحریک کو بھی کافی تقویت حاصل ہوئی۔ اس تحریک کے مشہور رہنما ہیں پرولے نایک اور اس کے چچازاد بھائی گاپیہ نایک تھے۔ مسلم مؤرخین کا پیہ نایک کو کنھیا نایک کے نام سے جانتے ہیں۔ روایتوں سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ کم سے کم 75 غیر معروف نایکوں نے جن میں اڈانکی اور کونڈلودہ کی ریڈی سلطنت قایم کرنے والا پرولے دویم بھی ایک تھا اس کام میں مدد کی تھی۔ 1331 تک یا اس کے کچھ عرصہ بعد تمام ساحلی علاقہ مہاندی سے لے کر نیلور میں گنڈلکما تک مسلمانوں کے انتظام سے آزاد ہو چکا تھا۔ اور ہندو سردار شہری زندگی کو پرانے ڈھنگ سے دوبارہ قایم اور منظم کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے تھے۔ اس وقت مغربی تلنگو دیش کے ہندوؤں نے مسلم صوبے دار ملک محمد کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس بغاوت کی قیادت سوم دیو کر رہا تھا جو قدیم چالوکیوں کے خاندان سے ہونے کا دعوا کرتا تھا اور بعد میں یہ وجے نگر کے اروِدو راجاؤں کا پیش رو ہوا۔ سوم دیو نے کرنول کے قرب وجوار میں اپنا مرکز بنا کر ان گونڈی، رائچور اور مدگل کے قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ چونکہ ہویسل راجہ بلال سویم نے بھی سلطان کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لیے اس نے بھی کمپلی پر حملہ کر دیا۔ ملک محمد بڑی مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ اس نے سلطان کو اطلاع دی (جیسا کہ نونیز لکھتا ہے) کہ "تمام علاقے نے اس کے خلاف بغاوت کر دی تھی ہر شخص اپنی من مانی کرتا تھا اور اس کا کوئی بھی طرف دار نہیں تھا۔" "لوگ آئے اور اس کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے پاس سامان رسد تک بھی نہیں پہنچنے دیتے اور نہ وہ ان محصولات کو ادا کرنے کے لیے تیار ہیں جو جبراً ان پر نافذ کیے گئے ہیں۔" سلطان کے مشیروں نے مشورہ دیا کہ جب تک کمپلی کے مرحوم راجہ کے متعلقین میں سے کوئی وہاں نہیں روانہ کیا جائے گا امن وامان نہیں قایم ہو سکے گا۔ چنانچہ سلطان نے ہری ہر اور اس کے بھائی بکّا کو حلف وفاداری لینے کے بعد کمپلی کے انتظام کی ذمے داری سنبھالنے کے لیے روانہ کیا۔

ہری ہر اور بکّا کا خاندان پانچ بھائیوں پر مشتمل تھا۔ یہ پانچوں بھائی سنگم کے لڑکے تھے یہ پہلے پرتاپ رودر کے یہاں ملازمت کرتے تھے۔ لیکن جب مسلمانوں نے 1323 میں اس ریاست پر قبضہ کر لیا تو یہ کمپلی چلے آئے۔ جب مسلمانوں نے 1327 میں کمپلی پر بھی قبضہ کر لیا تو انھیں قید کر کے دلی لے جایا گیا۔ یہاں انھوں نے اسلام مذہب قبول کر لیا اور انھیں سلطان کا اعتماد بھی حاصل ہو گیا۔ اب انھیں ایک بار پھر کمپلی کے صوبہ میں ملک محمد سے نظم ونسق کی ذمے داری

لینے اور وہاں کے ہندو عوام کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ ان کے جنوب میں آنے کے بعد کیا واقعات پیش آئے اس کی صحیح تصویر مسلم مورخین اور ہندو روایتوں میں زبردست تضاد پائے جانے کی وجہ سے نہیں پیش کی جاسکتی۔ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ یہاں بہت جلد دونوں بھائیوں نے نہ صرف مذہب اسلام ترک کر دیا بلکہ جس مقصد کے لیے وہ انھیں دلی سے روانہ کیا گیا اسے ختم بھی کر دیا اس کے برعکس وہ ایک خود مختار ہندو ریاست کے قیام میں مصروف ہوگئے اور وہ بہت جلد ایک طاقت ور وجے نگر سلطنت کی شکل میں قایم ہوگئی۔ دونوں بھائیوں نے شروع میں سلطان کے ہی مفاد کا خیال رکھا۔ چونکہ انے گونڈی سے ان کے قدیمی تعلقات تھے اس لیے انھیں اپنے کام میں سہولت بھی حاصل ہوئی۔ گو کہ ان کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے کچھ لوگوں نے ان کی مخالفت بھی کی چونکہ ان بھائیوں نے مصالحت کی حکمت عملی پر عمل کیا اس لیے لوگ مطمئن ہوگئے۔ انھوں نے صرف مجبور ہو کر ہی طاقت کا استعمال کیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملک کے مختلف حصّوں کی بہ نسبت گتی اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں نے ہری ہر کی اقتدار کو تسلیم کر لیا۔ بلال سویم کے ساتھ جو جنگ کی گئی وہ شروع میں زیادہ کامیاب نہیں رہی۔ اس کے بعد ہندو روایتوں میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ہری ہر اور بکا سنت ودیا رینہ سے ملے اور اس کی تعلیم سے متاثر ہو کر ہندو دھرم میں واپس آگئے۔ اور اسلام کے خلاف ہندو مذہب کی حمایت کو اپنا مقصدِ اعلا قرار دیا۔ بلال سویم کے خلاف دوبارہ جنگ کیے جانے پر بہتر نتائج برآمد ہوئے اور ہری ہر اپنی تسخیر کے منصوبوں کو بروئے کار لانے کے دور حکومت کو مضبوط بنانے کے لیے آزاد ہو گیا۔

اس اثنا میں مختلف مقامات پر جو سیاسی تبدیلیاں ہوئیں وہ جنوب میں تغلق سلطنت کے زوال کا اعلان ثابت ہوئیں۔ مابار کے صوبے دار جلال الدین حسن شاہ نے سلطان کے وفادار افسروں کا کام تمام کرکے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور مدورا سے 34-1333 میں اپنے نام کے سونے اور چاندی کے سکّے جاری کیے۔ محمد تغلق کو جب اس بغاوت کی اطلاع ملی تو وہ ورنگل کی جانب روانہ ہوا۔ زبردست وبا پھیل جانے کی وجہ سے سلطان کی کافی فوج مر گئی۔ سلطان خود وبائی بیماری کا شکار ہو گیا۔ اسے مجبوراً واپس ہونا پڑا۔ سلطان کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور جنوب میں اس کا رہا سہا اقتدار بھی ختم ہو گیا۔ اس خبر نے کہ دلی کا سلطان طاعون سے مر گیا۔ حالات میں اور بھی زیادہ ابتری پیدا کر دی اور ہندو و مسلم دونوں باغیوں کے حوصلے بے حد بڑھ گئے۔

پرولے نایک کا انتقال ہوگیا تھا لیکن اس کے کام کو اس کے چچازاد بھائی کاپیہ نایک نے جاری رکھا۔ کاپیہ نایک نے محسوس کیا کہ مسلمان امرا اور ان کے غلاموں کی بہت بڑی تعداد نیز وہ ہندو جو مسلمان بنا لیے گئے تھے اور ملک میں ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے، ہندو حکومت کے قیام اور ہندو مذہب کے احیا کے سلسلہ میں زبردست رکاوٹ ثابت ہوں گے۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا۔ اس زمانہ میں دوار سمدر کا بلال سویم دکن میں سب سے زیادہ طاقت ور ہندو حکمراں تھا۔ بلال نے اپنی سلطنت کی شمالی سرحد کو مضبوط کیا اور دیوگری کی جانب سے کسی بھی حملہ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوگیا۔ اس نے تلنگانہ میں مسلم حکومت کے خلاف کش مکش میں کاپیہ نایک کی مدد بھی کی۔ وارنگل کے صوبے دار ملک مقبول کو شکست ہوئی اور وہ پہلے دیوگری پھر وہاں سے دلی بھاگ گیا۔ اس طرح 1336 میں تلنگانہ کو مسلم حکومت سے رہائی حاصل ہوگئی۔ اس کے فوراً بعد کاپیہ نایک اور بلال سویم ساتھ ساتھ مابار کے شمالی اضلاع میں داخل ہوئے۔ یہ علاقہ تونڈی منڈلم کے نام سے مشہور ہے۔ انھوں نے اس علاقے کے قلعوں سے مسلم فوجی دستہ کو نکال باہر کیا اور یہاں کا انتظام سامبوورائے خاندان کے ایک نوعمر فرد کے سپرد کر دیا جو اس زمانہ میں اس علاقہ کا مقامی حکمراں تھا اس کے علاوہ دوسری ہندو ریاستیں بھی قایم ہوگئیں۔ گوداوری سے کلنگ تک تمام ساحلی علاقہ پہ پیٹھاپورم کے کوپل سرداروں نے قبضہ جما لیا۔ کونداوردھ کے ریڈیوں نے شری سیلم سے خلیج بنگال تک اپنا ایک صوبہ قایم کر لیا۔ ویلماوں نے آندھرا پردیش کے نل گونڈہ ضلع کے پہاڑی علاقہ میں راج کونڈہ کے چاروں طرف ایک چھوٹی سی ریاست قایم کر لی۔ اس طرح مرہٹہ صوبوں کے علاوہ تغلق سلطان کا اقتدار پورے دکن سے ختم ہوگیا۔ مابار کے نصف حصہ میں ہندو حکومت دوبارہ قایم ہوگئی تھی اور بقیہ نصف حصہ پر ایک مسلم گورنر کا قبضہ تھا جو دلی کے سلطان کے خلاف بغاوت کر چکا تھا۔

ہمیں یقین ہے کہ اس اسلام دشمن تحریک نے دلی کے سلطان کے لیے ہری ہر اور بکا کے جذبۂ وفاداری کو ختم کرنے اور اپنے ملک اور آبا و اجداد کے مذہب کی قدیم طریقہ سے خدمت کرنے کے جذبات کو لازمی طور پر بیدار کیا ہوگا۔ ودیارنیہ (علم کا جنگل) سے ملنے کے بعد دونوں بھائیوں کو اپنے ضمیر کے مطابق کام کرنے کا شاید بہترین موقع حاصل ہوا ہوگا۔ دونوں کو اسلام کے بعد دوبارہ ہندو دھرم اختیار کرنے اور ہندو سماج میں ان کی واپسی کو قابل قبول بنانے کے لیے ودیارنیہ ایسی روحانی شخصیت کی ہی ضرورت تھی۔ چنانچہ دلی کے سلطان کے قابل اعتماد مسلم لفٹنوں نے جنھیں دکن میں سلطان کے اقتدار کو دوبارہ قایم کرنے کے لیے روانہ کیا گیا تھا۔ انھوں نے ہی تاریخ میں ایک

عظیم تعلق ہندو حکومت قایم کی۔ اسی حکومت نے قدیم ہندو تہذیب کو اسلام کے حملوں سے بچانے میں نمایاں حصہ لیا۔ ان دونوں بھائیوں نے ابتداً سلطان کے لیے کمپلی پر اور بعد ازاں مزید علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد ہندو دھرم قبول کر لیا اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ انھوں نے تنگ بھدرا کے جنوبی کنارے پر انے گونڈی کے مقابل ایک نیا شہر آباد کیا جس کا نام وجیہ نگر (فتح کا شہر) اور ودیانگر (علم وادب کا شہر) رکھے۔ دوسرا نام ان عظیم تاریخی واقعات کی یادگار کے طور پر رکھا گیا جن میں ودیارنیہ کا اہم حصہ تھا۔ یہیں 18 اپریل 1336 اور بھگوان ویروپکش کی موجودگی میں ہری ہر اوّل نے ہندو طریقے کے مطابق اپنا جشن تاجپوشی منایا۔ یہ یقین کیا جاتا کہ دریائے کرشنا کے جنوب کا تمام تر علاقہ بھگوان ویروپکش کا تھا۔ اور ہری ہر نے اس دیوتا کے ایجنٹ کی حیثیت سے حکومت کے انتظام کی ذمہ داری قبول کی۔ اس نے حکومت کے ہر کام کو ویروپکش کے دستخط شدہ مختصر دستور العمل سے شروع کیا اور اس کے ورثا نے اس رواج کو برقرار رکھا۔

مابار کے شمالی اضلاع میں شامبو درائے خاندان کے اقتدار کو قایم رکھنے میں بلال سویم نے جو حصہ لیا تھا اس کی بنا پر مدپورا کے نو قایم شدہ سلطان کے ساتھ اس کی دائمی مخالفت قایم ہو گئی۔ یہی سبب تھا کہ ہوئیسل سلطنت کو وجیہ نگر کی نئی سلطنت میں شامل کرنا پڑا۔ مدپورا میں پانچ سال تک حکومت کرنے کے بعد جلال الدین حسن شاہ کو قتل کر دیا گیا۔ (1340) اس کے بعد اس کا ایک امیر علاؤ الدین اودوجی مدپورا کے تخت پر بیٹھا۔ یہ جنگ پسند حکمراں تھا۔ اس نے بلال سویم پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ہوئیسل حکمراں بلال سویم نے 1340 میں تروں ملائی میں اپنا کیمپ لگایا۔ اودوجی نے 1341 میں حملہ کیا۔ لڑائی کے دوران جب کہ اودوجی کی فتح ہونے والی تھی۔ کسی شخص نے اس پر ایک تیر مارا اور اودوجی کا فوراً انتقال ہو گیا۔ بلال کی شکست فتح میں بدل گئی اور کچھ عرصہ تک ایسا معلوم ہوا کہ مدپورا کی چھوٹی سی مسلم ریاست ختم ہو گئی۔ امیروں نے اودوجی کے داماد کو تخت پر بٹھایا۔ لیکن چونکہ وہ ایک قابل سلطان نہ ثابت ہو سکا اس لیے اسے قتل کر دیا گیا۔ غیاث الدین دمگھنی دوسرا سلطان تھا۔ وہ قابل تو ضرور تھا لیکن بے حد بدنفس اور شریر انسان تھا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت بلال سویم مسلمانوں کی فوج کو ایک فیصلہ کن جنگ میں شکست دے کر کنانور کو بیم کے مضبوط قلعہ کا محاصرہ کر رہا تھا۔ اس نے چھ مہینے تک قلعہ کا محاصرہ کیا لیکن اس مدت کے بعد بلال سویم نے ایک ایسی ناقابل بیان غلطی کی کہ اپنی بربادی کو ہی دعوت دے دی۔ محصورین نے جب مصالحت کی بات چیت شروع کی تو بلال سویم اس بات پر رضامند

ہوگیا کہ وہ مدیورا کے سلطان کے ساتھ رابطہ قایم کرلیں۔ غیاث الدین نے محصورین کی امداد کے لیے چار ہزار سپاہی اکٹھا کیے اور کنانور کو ہیم کے لیے روانہ ہوا۔ جب سلطان کی فوج نے بلال کی فوج پر پیچھے سے آکر حملہ کیا تو بلال سویم حیرت میں پڑ گیا۔ سلطان کے بھتیجے ناصرالدین نے جو بعد میں مدیورا کے تخت پر بیٹھا جب ایک بڈھے آدمی کو جاکر پکڑ لیا اور اسے مار ڈالنے ہی والا تھا کہ اس کے غلاموں میں سے کسی غلام نے اس بڈھے آدمی کو پہچان لیا اور بتایا کہ یہی بلال سویم ہے اسے قید کرلیا گیا اور سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔ سلطان بظاہر اس کے ساتھ التفات سے پیش آیا اور اسے اپنی تمام دولت، ہاتھی اور گھوڑے دینے کے لیے آمادہ کیا۔ اس کے بعد اسے مار ڈالا گیا اور اس کی کھال کھینچ لی گئی۔ ابن بطوطہ کہتا ہے کہ "اس کی کھال میں بھوسہ بھروا کر مدیورا کے قلعہ کی دیوار پر لٹکا دیا گیا جہاں اسے میں نے اسی حالت میں اپنی آنکھوں سے دیکھا"۔ (1342)

بلال سویم کے بعد اس کا لڑکا ویرو پکش بلال چہارم کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ اس نے اگست 1343 میں اپنا جشن تاجپوشی منایا۔ چونکہ اس کی سلطنت وجیہ نگر کی نئی سلطنت میں شامل کرلی گئی اس لیے ہماری واقفیت اس کے بارے میں صرف اتنی ہی ہے۔ بکّا نے پینوگونڈ پر بلال سویم کی حین حیات قبضہ کرلیا تھا اور اس کی دردناک موت کے بعد بکّا کو کام پورا کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ بکّا نے اپنے قدم ہوس پٹن کے قرب وجوار میں مضبوطی کے ساتھ جما لیے تھے اور 1344 کے وسط تک ہری ہر کی حالت بھی کافی مضبوط ہوگئی تھی۔ اور ہویسل شاہی خاندان کے پاس زمین کا جو دائرہ نما حصّہ تھا "وہ اس کے بازو کا ایک زیور بن گئی تھی" اس کے فوراً بعد مغربی ساحل پر تولوناڈ کو فتح کرلیا گیا۔ تولوناڈ پر بلال سویم نے قبضہ کرکے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا تھا۔ لیکن اس کی حکومت کے آخری دنوں میں تولوناڈ دوبارہ آزاد ہوگیا تھا 1345 میں یا اس سے بھی پہلے اس علاقہ کے حکمراں نے ہری ہر کی اطاعت قبول کرلی تھی۔ وجیہ نگر سلطنت کے قیام کے پہلے دس برس میں ہری ہر کے سبھی بھائی دوسروں کے علاقے میں اپنی طاقت کو بڑھانے اور چھوٹی چھوٹی حکومتوں سے اپنی فرماں روائی تسلیم کرانے میں مصروف تھے۔ بادامی 1340 میں ہی نئی سلطنت کا حصّہ بن چکا تھا۔

اسلام کے نئے خطرے کا موثر طور پر مقابلہ کرنے کے لیے یہ لازمی ہوگیا تھا کہ مختلف ہندو حکومتیں کی طاقت کو ملا کر ایک مضبوط حکومت قایم کی جائے اور باہمی دشمنی کی مستقل صورت کو مزید جاری نہ رہنے دیا جائے۔ ہری ہر کو اس مقصد کے حصول میں بڑی حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی

تھی۔ چنانچہ 1346 میں پانچوں بھائیوں کا پورا خاندان، خاص عزیز اور فوج کے سربراہ بندووں کے سب سے بڑے دنیوی پیشوا کی قیام گاہ شری نگری میں ملے اور اس پیشوا کی موجودگی میں سمندر کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک پھیلی ہوئی مملکتوں کی فتح کا جشن منایا۔

اگلے سال ہی 1347 میں دکن میں مسلم سلطنت وجود میں آئی اس حکومت کے قیام کی وجہ سے جنوبی ہندوستان کی ہندو تہذیب کے لیے اسلام کی طرف سے اور بھی زیادہ مستقل خطرہ پیدا ہوگیا۔ ہری ہر اور اس کے بھائیوں نے اپنا کام تھوڑے دن قبل ہی شروع کیا تھا۔ اب اس باب کے بقیہ حصہ میں بہمنی حکومت کے عروج و زوال کا ذکر کیا جائے گا اور وجے نگر کی تاریخ کے بارے میں اگلے باب میں بیان کیا جائے گا۔

محمد بن تغلق کی حکومت آخری دنوں میں سلطنت کو منتشر کرنے والی بغاوتوں میں سے ایک بغاوت نے بہمنی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ دولت آباد صوبہ کی مالگذاری وصول کرنے والے بے شمار بدیشی امرا اپنی مالگذاری وصول نہیں کرسکے جتنی کہ انھیں وصول کرنا چاہیے تھی۔ ان افسروں کی ناکامیابی کی وجہ سے دلی کا سلطان مشکوک ہوگیا اور اس کے حکم کے مطابق دولت آباد کے صوبیدار نے ان سو امرا کو مسلح پہرے داروں کے ساتھ بھڑوچ روانہ کردیا۔ اس سے قبل مالوہ کے صوبہ میں ایسے ہی سینکڑوں کو سلطان بے رحمی کے ساتھ قتل کروا چکا تھا۔ ان سو امرا کو بھی سلطان کے بہیمانہ سلوک کی اطلاع مل گئی۔ وہ خاموشی کے ساتھ اس برتاؤ کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنی پہلے دن کی مسافت کے بعد بغاوت کردی اور دولت آباد واپس لوٹ آئے۔ یہاں آکر انھوں نے اس جگہ کے کمزور صوبہ دار کو قید کرلیا اور اپنے درمیان سے ایک افغان اسماعیل مخ کو نصیر الدین شاہ کا لقب دے کر دکن کا بادشاہ بنانے کا اعلان کیا۔

محمد بن تغلق کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ ایک کثیر فوج لے کر بھڑوچ سے دکن پہنچ گیا۔ اس نے باغیوں کو شکست دی اور انھیں دولت آباد کے قلعہ میں قید کردیا۔ کچھ باغی امیر جس میں اسماعیل مخ کا بھائی بھی شامل تھا۔ حسن گانگو عرف ظفر خاں کی قیادت میں بھاگ کر گلبرگہ پہنچے۔ تقریباً تین ماہ بعد حسن ایک بڑی فوج جمع کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس فوج میں وارنگل کے کاپیہ نایک کے فوجی دستے بھی شامل تھے۔ یہ فوج بیدر کی جانب روانہ ہوئی۔ اس اثنا میں گجرات میں ایک بغاوت کو فرو کرنے کے سلسلہ میں سلطان کو وہاں جانا پڑا۔ حسن گانگو نے آسانی کے ساتھ سلطان کی فوج کو شکست دے دی اور اس کے سپہ سالار کو قتل، اور فوج کو منتشر

کر دیا گیا۔ جب حسن گانگو دولت آباد پہنچا تو شاہی فوج قلعہ کا محاصرہ چھوڑ کر مالوہ چلی گئی۔ دکن کا نیا بادشاہ ناصر الدین اسماعیل شاہ بوڑھا اور آرام طلب تھا اس لیے بخوشی اپنی تکلیف دہ ذمہ داریوں سے نجات حاصل کرنے کے خیال سے حسن گانگو کے حق میں تخت سے دست بردار ہونا پسند کیا۔ چنانچہ 13 اگست 1347 کو حسن گانگو نے سلطان ابو المظفر علاؤ الدین بہمن شاہ کے نام سے دکن کا حکمراں ہونے کا اعلان کیا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے خود کو ایران کے نیم روایتی ہیرو بہمن سے وابستہ کیا جو اسفندیار کا لڑکا تھا۔ لیکن فرشتہ لکھتا ہے کہ وہ گنگو برہمن کا غلام تھا اور اسی برہمن کے احترام کے خیال سے اس نے اپنا نام گنگو بہمنی اختیار کیا۔

سلطان علاؤ الدین بہمنی شاہ نے گیارہ سال تک حکومت کی۔ وہ فروری 1356 میں انتقال کر گیا۔ اس نے حکومت کا بیشتر حصہ جنگ کرنے اور اپنی سلطنت کی توسیع کے پیش نظر مصالحت کی گفتگو کرنے میں صرف کیا۔ شروع میں اسے ایسے امرا کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا جو محمد بن تغلق کے یا تو وفادار تھے یا محض وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ اس نے ان کے ساتھ کبھی تو طاقت کا استعمال کیا اور کبھی رحم دلی سے پیش آکر کچھ ہی عرصہ میں صورت حال کو بدل دیا۔ وارنگل کے کاپیہ نایک کو کولس کا قلعہ اسے سپرد کرنا پڑا اور خراج ادا کرنے کا وعدہ بھی کرنا پڑا۔ اس لیے 1349 میں ہی وجیہ نگر سلطنت کے ایک علاقہ پر حملہ کیا اور کرانجور پر قبضہ کر لیا۔ پانچ برس بعد مدیورا کے نئے سلطان کے ساتھ جو اس کا عزیز بھی تھا۔ مفاہمت کی بنا پر علاؤ الدین وجیہ نگر پر دوبارہ حملہ آور ہوا۔ مسلمان مورخین نے یہ دعوا کیا ہے کہ اس نے تنگ بھدرا تک کا تمام علاقہ فتح کر لیا تھا۔ لیکن ہندو ماخذ سے پتہ چلتا ہے کہ ہری ہر اول نے سلطان کو شکست دے دی تھی۔ بہر کیف جو کچھ بھی ہوا یہ حقیقت ہے کہ علاؤ الدین اپنے انتقال تک ایک وسیع سلطنت کا مالک بن چکا تھا۔ مغرب میں بہمنی سلطنت سمندر تک پھیلی ہوئی تھی اور گوا اور دابول کے دونوں بندرگاہ بہمنی سلطنت میں شامل تھے۔ بھونگیر تک اس کی مشرقی سرحد تھی اور شمال میں دریائے پین گنگا تک اور جنوب میں دریائے کرشنا تک بہمنی سلطنت قائم تھی۔ علاؤ الدین کو خلیفہ سے بھی سند حاصل ہو چکی تھی۔ اس کے سکے پر "سکندر ثانی" کندہ ہے جو اس امر کا مظہر ہے کہ وہ اور بھی مملکتیں فتح کرنے کا خواہش مند تھا۔ اس نے گلبرگہ کو اپنا دار السلطنت بنایا اور اسے عمدہ عمارتوں سے خوبصورت بنایا۔ اس نے سلطنت کے نظم و نسق کو منظم کرنے کے خیال سے اسے چار صوبوں میں تقسیم کر دیا اور ہر صوبہ ایک صوبے دار کے تحت تھا۔ تینوں صوبوں کے

نام ان کے خاص شہروں پر مثلاً گلبرگہ، دولت آباد اور بیدر تھے۔ چوتھے صوبے کا نام برار تھا۔

علاؤالدین کے بعد اس کا سب سے بڑا لڑکا محمد اوّل (77 - 1358) تخت نشین ہوا وہ محنتی اور بااصول منتظم تھا۔ اس کے بنائے ہوئے اصول اس کے انتقال کے بعد بھی قایم رہے۔ اور ان کا اثر ان حکومتوں کے نظم سیاست پر بھی پڑا جو بعد میں قایم ہوئیں۔ اس لیے آٹھ وزرا کی ایک کونسل بنائی جس میں پیشوا بھی شامل تھا۔ صوبائی حکومت کو بڑی حد تک لامرکزی بنایا گیا۔ اس کا یہ اقدام تاوقتیکہ بادشاہ مضبوط تھا اور اپنی ریاست میں اکثر دورے کر سکتا تھا بہت موثر اور ٹھوس ثابت ہوا لیکن اخیر میں اسی اقدام کی بنا پر سلطنت منقسم ہوگئی محمدؐ نے باڈی گارڈ کو چار نوبتوں میں تقسیم کر دیا۔ اب باڈی گارڈ کے ہر دستہ کو باری باری چار دن تک فرائض انجام دینا پڑجاتے تھے اس نے راہزنی اور قزاقی کے انسداد کے لیے بھی اقدامات کیے۔ کم از کم بیس ہزار راہزن مارے گئے۔ اس کے بعد ہی سلطان کو یہ اطمینان ہو سکا کہ اب سڑکوں کی آمد و رفت پرامن ہوگئی ہے۔ گلبرگہ کی بڑی مسجد 1367ء میں بن کر تیار ہوئی۔ ہندوستان میں یہ تنہا مسجد ہے جس میں کوئی صحن نہیں ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "یہ بہت شاندار عمارت ہے جو اپنے بھاری اور ٹھوس ہونے کی وجہ سے بیحد خوبصورت ہے" اس کی والدہ کے 1361 میں مکہ جانے پر اسے مصر کے خلیفہ سے جو دوسرں کے اشاروں پر چلتا تھا سند حاصل ہوگئی۔

محمد کو تلنگانہ اور وجیہ نگر کے ساتھ بھی جنگیں کرنا پڑیں اور دولت آباد میں ایک بغاوت کو بھی فرو کیا۔ اسے ہمسایہ ہندو حکومتوں سے مخالفانہ پیغامات بھی موصول ہوئے۔ کاپیہ نایک نے کولس کے قلعہ کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ اور بکا نے رائچور کے دوآبے سے بہمنی حکومت کی دست برداری چاہی۔ ان مقامات پر محمد کے والد نے قبضہ کر لیا تھا۔ کاپیہ نایک اور بکا نے تو یہ بھی دھمکی دی کہ وہ اس کے خلاف کارروائی کی جانے کی صورت میں دلّی کے سلطان کا ساتھ دیں گے۔ محمدؐ نے ان کے سفیروں کو اٹھارہ مہینے تک اپنے یہاں روکے رکھا اور اسی دوران اس نے اپنی تیاری مکمل کر لی۔ اس کے بعد اس نے اپنے خراج گذاروں کو سختی سے جواب دیتے ہوئے دریافت کیا کہ انھوں نے اس کی تاجپوشی کے وقت حسب دستور نذرانے اور تحائف کیوں نہیں پیش کیے اور ان پر اب یہ لازمی ہوگیا ہے کہ وہ اپنے تمام ہاتھیوں کو جو سونے، جواہرات اور دوسری بیش قیمت اشیا سے لدے ہوئے ہوں پیش کریں۔ کاپیہ نے نایک نے اس کے جواب میں اپنے لڑکے ونایک دیو (بعض بیانات کے مطابق ناگ دیو) کے زیر کمان ایک بڑی فوج کولس پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کر دی۔ اس،

میں بکّا کی جانب سے بیس ہزار گھوڑے بھی شامل تھے جو بطور امداد دیے گئے تھے۔ بہادر خاں نے ونایک دیو کو شکست دی اور ورانگل تک چڑھائی کر دی۔ اور تلنگانہ چھوڑنے سے قبل اس نے ایک لاکھ سونے کے ہن اور چھبیس ہاتھی وصول کیے۔ اس لڑائی کا یہ نتیجہ نکلا کہ دونوں سلطنتوں کے درمیان مستقل طور پر تعلقات خراب ہو گئے اور برابر دشمنی قائم رہی۔ مثال کے طور پر 1362 میں گھوڑوں کے تاجروں کے ایک قافلے نے یہ اطلاع دی کہ جو گھوڑے بہمنی سلطنت کے لیے جا رہے تھے انھیں ونایک دیو نے زبردستی خرید لیا۔ اس پر محمدؐ نے ہندو شہزادے (ونایک دیو) کو پکڑ کر مروا ڈالا اور تلنگانہ کے بیشتر حصّہ کو تہس نہس کر دیا اگرچہ اس کارروائی میں خود محمد کو بھی کافی نقصان برداشت کرنا پڑا۔

محمدؐ کو دوسری پریشانیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ اس لیے تلنگانہ پر جس وقت یورش کی تو اس کے بھائی بہرام خاں مازندرانی نے جو دولت آباد کا صوبیدار تھا بغاوت کر دی۔ اس نے کاپیہ نایک کے ساتھ متحدہ محاذ قائم کیا اور دلّی کے سلطان فیروز تغلق سے مدد حاصل کرنے کے لیے پیغام بھیجا۔ لیکن اس کی مقصد براری نہ ہوئی۔ محمد نے ایک فوج دولت آباد کے لیے روانہ کی اور خود دوبارہ تلنگانہ پر یورش کر دی۔ ورانگل اور گولکنڈہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ کاپیا نایک کو بھاگ کر جنگل میں پناہ لینا پڑی اور سلطان کے ساتھ وفادار رہنے کے علاوہ اسے گولکنڈہ شہر، بے حد سونا اور ہاتھی بطور تاوان دینا پڑے۔ اسے وہ تخت بھی جس میں فیروزے جڑے ہوئے تھے اور جسے محمد تغلق کے لیے تیار کیا گیا تھا بہمنی کے سلطان کو دینا پڑا۔ اکیس مارچ 1361 کو محمد گلبرگہ کے تخت پر بیٹھا اور بڑی دھوم دھام کے ساتھ جشن تاجپوشی منایا۔ فرشتہ کے کہنے کے مطابق محمدؐ نے حکم دیا کہ جن مغنیوں اور رقص کرنے والوں نے اس موقع پر اسے محظوظ کیا ہے اس وجیہ نگر کے خزانے کے نام ہنڈی جاری کر کے اجرت دی جائے۔ اس کے وزراء نے اس پر احتجاج بھی کیا لیکن محمد اس بات پر مصر ہوا کہ اس کے حکم کی لفظ بہ لفظ تعمیل کی جائے جب سلطان کا قاصد ہنڈیوں کو لے کر وجیہ نگر پہنچا تو بکّا نے (فرشتہ کے مطابق کرشن رائے) اسے ایک گدھے پر بٹھا کر سارے شہر میں گھمایا اور اس کے بعد دریائے تنگ بھدرا کو عبور کر کے مدگل پر قبضہ کر لیا۔ جب محمد کو اس سب کی اطلاع ملی تو وہ آگ بگولہ ہو گیا۔ اور ایک مختصر سی فوج لے کر بکّا کی جانب بڑھا۔ بکّا اپنی گھوڑ سوار فوج کو لے کر اڈونی چلا گیا۔ اس نے اپنی پیادہ فوج کو دشمن کا مقابلہ اور ملک کی حفاظت کرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ محمدؐ نے دیہات

کے رہنے والے تھے لوگوں کو لوٹا اور قتل کیا اور برسات شروع ہونے سے پہلے مدگل واپس چلا گیا۔ اس کی بقیہ فوج بھی اس سے آکر مل گئی۔ اس کے بعد وہ اڈونی کی جانب بڑھا اور 1367 میں دریائے تنگ بھدرا کے جنوب میں واقع بمقام کوتھل ایک لڑائی ہوئی جس میں مسلمانوں کو اپنی گھوڑسوار فوج اور بندوقوں کے استعمال کی وجہ سے فتح حاصل ہوئی۔ ہندوؤں نے تو اپنے بچاؤ کا استعمال کیا۔ لیکن بہت دیر بعد جب کہ ان کا سپہ سالار ملی ناتھ شدید زخمی ہو چکا تھا۔ فرشتہ وثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ اس موقعہ پر دونوں جانب سے بندوقوں کا استعمال کیا گیا تھا۔ بندوق چلانے والے یوروپی اور عثمان ترک تھے۔ بکا نے اپنی شکست کے بعد محمد کی فوج کو جو اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ تین ماہ تک برابر دھوکہ دیا اور اخیر میں اپنے دارالخلافہ میں محصور ہو گیا۔ چونکہ محمد کے پاس کافی فوج نہ تھی اور اس بڑے شہر کا محاصرہ کرنا بھی مشکل تھا اس لیے اس نے اپنی علالت کا بہانہ کیا اور واپس چلا گیا۔ بکا نے اس پر حملہ کرنے کی جرأت کی لیکن اسے اپنے بہت سے آدمی اور کافی خزانہ کھونے کے بعد پھر شہر میں واپس جانا پڑا۔ محمد نے ملک کے سبھی لوگوں کو اندھادھند قتل کروا دیا اور یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ اس قتل عام سے اس وقت تک باز نہیں آئے گا جب تک کہ وجیہ نگر کا راجہ اس کے فوجی دستہ سے باعزت پیش نہیں آئے گا۔ جب بکا اس پر راضی ہو گیا تو لڑائی ختم ہو گئی۔ اس قتل عام میں چار لاکھ ہندو اور دس ہزار برہمن پجاری مارے گئے۔ اس زبردست خوں ریزی کا دونوں جانب اثر ہوا اور یہ طے کیا گیا کہ آئندہ جنگ کے دوران ان لوگوں پر حملہ نہیں کیا جائے گا جو اس لڑائی میں شامل نہیں ہیں۔ اگرچہ اس عہدنامہ کی بعض اوقات خلاف ورزی کی گئی لیکن اس کی وجہ سے دونوں سلطنتوں کے درمیان برابر لڑائیاں ہونے کے باوجود بے گناہوں کا خون بہانے میں ضرور کمی واقع ہوئی۔

وجیہ نگر کے ساتھ محمد کی لڑائیوں کے بارے میں جو بیان فرشتہ نے دیا ہے اسے مکمل طور پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ پہلی لڑائی کے اسباب کی وضاحت کرتے ہوئے وہ ایک غیر ممکن افسانے پر زور دیتا ہے جس کے مطابق محمد کے جاری کردہ بے شمار سونے کے سکوں کو ہمسایہ حکومتوں کے بھڑکانے کی وجہ سے اس کی ہی سلطنت کے ہندو مہاجنوں نے گلا ڈالا تھا۔ دوسری لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے وہ کرشن رائے کو وجیہ نگر کا بادشاہ اور بھوج مل کو اس کا سپہ سالار بتاتا ہے۔ ان لوگوں کے بارے میں تاریخ کو کوئی واقفیت نہیں ہے۔ پھر فرشتہ کے مطابق صلحنامہ کی شرائط کے بموجب دریائے کرشنا کو دونوں سلطنتوں کی

سرحد تسلیم کر کے لڑائی ختم کر دی گئی تھی۔ اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ دریائے کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیانی علاقہ پر وجیہ نگر کے حکمراں کا قبضہ تھا۔ لیکن یہ صورت اس حالت میں ممکن نہیں ہو سکتی جب کہ فرشتہ کے مطابق محمد کو لڑائیوں میں برابر کامیابی حاصل رہی۔

وجیہ نگر سے لڑائی ختم کرنے کے بعد محمد نے بہ آسانی دولت آباد کی بغاوت کو فرو کر دیا۔ بہرام خاں بھاگ گیا اور گجرات کی سرحد تک اس کا تعاقب کیا گیا۔

فرشتہ نے محمد کو ایک اعلا کردار کا انسان بنایا ہے۔ کیونکہ فرشتہ کے نزدیک کافروں یعنی بے دین ہندوؤں پر ہر طرح کے مظالم قابل ستائش تھے۔ برہان ماثر کے مصنف کا بیان ہے کہ وہ غیر مذہبی طور پر زندگی بسر کرنے کی وجہ سے انتقال کر گیا۔ اس کا مطلب ہو کہ وہ بہت شراب پیتا تھا۔ اس کے دفاتر حکومت میں سلطنت کے خانگی امور کا انتظام سیف الدین غوری کیا کرتا تھا۔ اس نے بہمنی سلطنت کے سب سے پہلے سلطان کی بھی کافی خدمت کی تھی۔ وہ چھ سلطانوں کے عہد حکومت میں ملازم رہا اور سو سال سے زیادہ عمر پائی۔

محمد کے بعد اس کا بڑا لڑکا مجاہد تخت نشین ہوا۔ اس نے وجیہ نگر سے کچھ علاقے کا مطالبہ کیا جس کی بنا پر وجیہ نگر کا حکمراں مشتعل ہو گیا۔ اس کے بعد مجاہد نے وجیہ نگر پر حملہ کر دیا۔ بکا نے لڑائی کو ٹال کر دشمن کو تھکا دینے کی حکمت عملی پر عمل کیا اور اخیر میں اپنے دارالخلافہ میں داخل ہو گیا۔ اگرچہ دشمن کی فوج نے شہر کی بیرونی فوج کو جو حفاظت کے لیے رکھی گئی تھی پسپا کر دیا۔ لیکن اس کے فوراً بعد ہی مجاہد کی فوج کو شکست ہوئی اور آدونی کا نو مہینے تک بیکار محاصرہ کرنے کے بعد اسے وجیہ نگر کے حکمراں کے ساتھ صلح کرنا پڑی۔ مجاہد نے اپنے چچا داؤد خاں کو وجیہ نگر شہر کے خلاف کارروائی کی ناکامیابی پر بہت ڈانٹا اور پھٹکارا۔ داؤد خاں نے اس کا جواب ایک سازش سے دیا جس کے نتیجہ میں 15 اپریل 1378 کو مجاہد قتل کر دیا گیا اور داؤد خاں خود سلطان بن بیٹھا۔ ایک مہینہ کے اندر مجاہد کی بہن نے سازش کر کے داؤد خاں کو قتل کروا دیا اور علاؤ الدین کے سب سے چھوٹے لڑکے محمد دوئم کو سلطان بنایا گیا۔

محمد دوئم ایک امن پسند شخص تھا۔ وہ مذہب اور شاعری سے خصوصی دلچسپی رکھتا تھا اس نے ایران کے شاعر حافظ کے پاس تحائف روانہ کیے اور اسے بہمنی ریاست میں آنے کی دعوت دی۔ ایرانی شاعر ہندوستان کے سفر کے لیے روانہ ہوا لیکن خلیج فارس کے زبردست طوفان کے سبب اس نے اپنا سفر منسوخ کر دیا۔ محمد دوئم کی تنگ نظری کی ایک ناخوشگوار مثال ہمیں اس سے

ملی ہے کہ جب 1387 سے 1395 کی درمیانی مدت میں بہمنی سلطنت میں قحط پڑا تو محمد دوم نے صرف اپنی مسلم رعیت کی امداد کے لیے اقدامات کیے۔ وہ 1397 میں بخار میں مبتلا ہوا اور مر گیا۔ اس کے بعد اس کا بڑا لڑکا غیاث الدین تخت پر بیٹھا یہ اپنے ارادے کا پکا لیکن ناعاقبت اندیش سترہ سال کا نوجوان تھا۔ اسے دو ہی ماہ بعد (جون 1397) تخت سے اتار دیا گیا اور ترکی کے ایک غلام تغالچن نے اسے غصہ میں اندھا کر دیا۔ غیاث الدین کے سوتیلے بھائی شمس الدین کو تغالچن نے تخت پر بٹھایا اور خود اس کا قائم مقام بن گیا۔ محمد دوم کے داماد اور علاؤالدین کے پوتے فیروز اور احمد کے شاہی خاندان کو ایک غلام کے اقتدار سے نجات دلانی چاہی۔ انھیں شروع میں کچھ ناکامیابی ملی لیکن آخر کار وہ تغالچن Tughalchin اور اس کے آقا کو نومبر 1371 میں محل کے اندر مغلوب کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ فیروز شاہ بادشاہ ہوا اور تاج الدین فیروز کا لقب اختیار کیا۔

فیروز قوی اور ذی فہم انسان تھا۔ فرشتہ اسے بہمنی خاندان کا سب سے عظیم بادشاہ کہتا ہے۔ برہان مآثر کے مصنف کی رائے ہے کہ وہ ایک نیک انصاف پسند اور فیاض طبیعت بادشاہ تھا جو قرآن کی نقل کر کے اپنے اخراجات پورے کرتا تھا۔ اس کے حرم کی خواتین کپڑے پر کشیدہ کاری کر کے انھیں فروخت کرتی تھیں اور اس کی آمدنی سے اپنے اخراجات پورے کرتی تھیں" لیکن اس میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ وہ بلا شبہ بہت شراب پیتا تھا اور اس کی حکومت کی مدت کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کا کردار بھی گرتا گیا۔ خواتین کی صحبت میں زیادہ وقت گذارنے کی بنا پر اس کا صحت مند جسم کمزور ہوتا گیا۔ اس نے بھیم ندی کے کنارے فیروز آباد کا نیا شہر آباد کیا اور یہاں اس نے مختلف اقوام کی آٹھ سو عورتوں کا ایک حرم قائم کیا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ کئی زبانیں جانتا تھا اور اپنی داشتہ کے ساتھ اس کی ہی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ فیروز نے اپنے بھائی احمد کو اپنا وزیر اعلا مقرر کیا اور موثر طور پر ریاست کا انتظام کیا۔ اس نے براہمنوں کو بھی اہم آسامیوں پر فائز کرنے میں پس و پیش نہیں کیا۔

ہری ہر نے 1398 میں رائچور کے دوآبے پر حملہ کیا۔ ٹھیک اسی وقت دریائے کرشنا کے شمالی کنارے پر ایک ہندو سردار کی قیادت میں فوجیوں نے بغاوت کر دی۔ بغاوت تو کچل دی گئی لیکن برار اور دولت آباد کی فوجیں جو ہری ہر کے خلاف فیروز کی مدد کے لیے

آئی تھیں انھیں کھیرلا کے گونڈ راجہ کا جس نے برار پر حملہ کر دیا تھا مقابلہ کرنے کے لیے واپس جانا پڑا۔ فیروز جب دریائے کرشنا کی جانب بڑھا تو اس کے پاس صرف بارہ ہزار گھوڑے تھے اور ہری ہر دریائے جنوبی کے کنارے پر ایک کثیر لیکن غیر منظم فوج کے ساتھ ڈیرا ڈالے ہوئے تھا۔ فیروز سمجھ گیا کہ دشمن کی موجودگی میں دریا کو عبور کر کے حملہ کرنا بہت مشکل ہے۔ قاضی سراج الدین نے ایک ترکیب بتائی اور اس پر عمل کرنے کی ذمے داری بھی اپنے ہی اوپر لے لی۔ قاضی سراج الدین اور اس کے دوستوں نے بازاری ثقافتوں کا بھیس بنایا اور دشمن کے کیمپ میں داخل ہو گئے۔ کچھ ہی دنوں میں انھوں نے بہت زیادہ شہرت حاصل کر لی۔ انھیں ہری ہر کے لڑکے کے سامنے اپنا پروگرام پیش کرنے کی اجازت مل گئی۔ وہ برہنہ شمشیروں کے ساتھ رقص کرتے کرتے دفعتاً شہزادے پر ٹوٹ پڑے اور اسے وہیں قتل کر ڈالا۔ ہندو فوج میں زبردست گڑبڑی پھیل گئی اور فیروز کسی مقابلہ کے بغیر دریا کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہری ہر اپنے بدقسمت لڑکے کی لاش کے ساتھ وجیہ نگر بھاگ گیا۔ فیروز نے اس کا پیچھا کیا۔ بہت سے افراد قید کر لیے گئے جن میں دس ہزار براہمن بھی شامل تھے۔ فیروز نے قیدیوں کی رستگاری کے لیے بہت بڑی رقم وصول کی اور لڑائی ختم کر دی گئی۔ رائچور دوآب کو گلبرگہ سے علاحدہ کر کے ایک نیا صوبہ بنایا گیا اور فولاد خاں کو اس کا پہلا فوجی صوبیدار مقرر کیا گیا۔

اس کے فوراً بعد فیروز نے کھیرلا کے گونڈ راجہ نرسنگھ کے خلاف کامیاب مہم کی۔ نرسنگھ کو چالیس ہاتھی بہت کافی زر و مال اور اپنی ایک لڑکی تاوان جنگ کے طور پر فیروز کو دینا پڑی۔ فیروز نے 1401 میں ایک سفارت تحائف کے ساتھ تیمور کے پاس روانہ کی۔ تیمور نے اپنے ایک فرمان کے ذریعے دکن مالوہ اور گجرات کی حکومت فیروز کو عطا کی۔ مالوہ اور گجرات کے حکمراں اس پر بہت چونکے اور وہ ہری ہر دویم کے ساتھ مصالحت کی گفتگو کرنے لگے۔

ہری ہر نے خراج کی ادائیگی کو روک دیا اور فیروز کی حکم عدولی شروع کر دی چونکہ فیروز کو شمال کی جانب سے حملہ کا ڈر تھا اس لیے اس نے ہری ہر دویم کی جانب کوئی توجہ نہیں کی۔ ہری ہر 1404 میں انتقال کر گیا اور دو سال بعد اس کے لڑکے دیورائے اوّل نے لڑائی چھیڑ دی۔ فرشتہ کے مطابق مدگل کے سنار کی خوبصورت لڑکی اس لڑائی کا سبب تھی۔ دیورائے اوّل اس لڑکی پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ اس نے طاقت کے بل پر اس لڑکی پر قبضہ کرنا چاہا لیکن دیورائے ناکامیاب رہا۔ اس نے مدگل کے قرب و جوار کے کچھ دیہاتوں کو ضرور تہس نہس کر ڈالا

فیروز اس حملے سے کافی مشتعل ہوگیا۔ اس نے وجے نگر پر چڑھائی کرکے شہر پر دھاوا بول دیا۔ فیروز زخمی ہوگیا اور اسے کچھ فاصلے پر واقع ایک مستحکم قلعہ میں چلا جانا پڑا۔ یہاں سے اس نے اپنے کو وجے نگر کے جنوب سے اڈونی تک کے علاقہ کو لوٹنے اور قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا دیورائے کو سلطان کے شرائط صلح تسلیم کرنا پڑے جن میں موتی، پچاس ہاتھی، دو ہزار ماہر موسیقی لڑکے اور لڑکیاں اور نقد رقم کثیر بطور تاوان جنگ کے علاوہ شادی کے لیے اپنی ایک لڑکی تحفہ کے طور پر اور جہیز کی صورت میں بانک پور فیروز کے حوالے کرنا پڑا۔ شادی کی رسم بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ادا کی گئی لیکن چونکہ دیورائے رخصتی کے وقت فیروز کے ساتھ شہر کے باہر کافی فاصلہ تک نہیں گیا اس لیے دونوں ناراضگی کے ساتھ جدا ہوئے۔ فیروز نے اس لڑکی کو اس کے حسن کی بنا پر جو اس لڑائی ہوئی تھی اپنے لڑکے حسن خاں کے لیے حاصل کرلیا۔ بہرکیف سنار کی لڑکی کا افسانہ کسی اور مورخ کے یہاں نہیں ملتا۔

ماہر کے گونڈ صوبے دار نے 1412 میں فیروز کے خلاف بغاوت کردی فیروز گونڈ واڑہ میں داخل ہوا لیکن بغاوت فرو کیے بغیر ہی اسے واپس آنا پڑا۔ ان ہی دنوں درویش جلال الدین حسینی نے یہ پیشین گوئی کی کہ فیروز کا بھائی احمد سلطان بنے گا۔ فیروز کو شک ہونے لگا کہ احمد اس کے خلاف سازش کررہا ہے۔ دو غلام فیروز کے بہت منظور نظر ہوگئے۔ اور اس نے انھیں عین الملک اور نظام الملک کے خطابات عطا کیے 1417 میں راج مندری کے کاتیہ ویم ریڈی کو تلنگانہ کی ایک مہم میں قتل کردیا گیا اور اس علاقہ کو فیروز کی اطاعت قبول کرنا پڑی۔ لیکن 1420 میں پنگل پر حملہ کرنا فیروز کے حق میں تباہ کن ثابت ہوا۔ پنگل پر وجے نگر نے قبضہ کرلیا تھا۔ پنگل کے قلعہ کا دو برس تک محاصرہ کیا گیا۔ لیکن وبا پھیلنے کی بنا پر بہمنی فوج کے لوگ مرنے لگے۔ وجے نگر کو اس مرتبہ مکمل کامیابی حاصل ہوئی۔ فیروز کو اپنی سلطنت کے جنوبی اور مشرقی اضلاع دشمن کے قبضہ میں چھوڑ کر واپس آنا پڑا۔ اس شکست کا فیروز پر بہت اثر پڑا۔ اس کے حوصلے پست ہوگئے اور وہ غمگین رہنے لگا۔ اس نے اپنی بقیہ زندگی پاکبازی کے کام انجام دینے میں گذاری اور امور سلطنت کی انجام دہی روز بروز اپنے دونوں منظور نظر غلاموں پر چھوڑ دی۔

ان دونوں غلاموں کے اثر کی وجہ سے احمد کی حقیقت خطرناک ہوگئی وہ اپنے ہمدردوں کے ساتھ ہی جن میں بصرہ کا امیر تاجر خلف حسن بھی شامل تھا دارالخلافہ چھوڑ کر بھاگ گیا جب وہ کلیانی کے قریب ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا تو اس امیر تاجر کے مشورے پر اس نے شاہی لقب اختیار کیا۔

اور ان فوجوں کو جو اس کے خلاف روانہ کی گئی تھیں شکست دی اور دارالخلافہ تک فوجوں کا تعاقب کیا۔ فیروز اپنی شدید علالت کی وجہ سے کچھ نہ کر سکا بلکہ اس کی فوج نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس کے بھائی احمد سے جا ملی۔ احمد نے فیروز کی دست برداری کو قبول کر لیا اور اس کے دونوں لڑکوں حسن خاں اور مبارک خاں کی ذمے داری اپنے اوپر لے لی۔ فیروز کچھ ہی دنوں میں انتقال کر گیا۔ کہا جاتا ہے کہ احمد کے حکم سے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا یا اسے زہر دے دیا گیا۔

احمد شاہ نے (35 ـ 1422) نے اس درویش کو بہت زیادہ دولت عطا کی جس نے اس کے سلطان بننے کے بارے میں پیش گوئی کی تھی اور اس کے مشکل وقت میں وقتاً فوقتاً مشورہ بھی دیا تھا۔ اس نے اپنے دوسرے دوستوں اور بصرہ کے امیر تاجر خلف حسن کو اعلیٰ عہدے اور مرتبے بھی بخشے۔ اس نے حکم دیا کہ ہر صوبے کے صوبے دار کا عہدہ دو ہزار سپاہیوں کے کمانڈر کے برابر ہوگا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کمانڈر کے تحت صرف اتنے ہی سپاہی ہوں گے۔

فیروز کے زمانہ حکومت میں وجیہ نگر کے خلاف جنگ میں جو شکست اٹھانا پڑی تھی اس کا انتقام لینے کے خیال سے احمد نے وجیہ نگر کے وجیہ رائے کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ سلسلے تنگ بھدرا کے کنارے پر لڑائی ختم ہو جانے کے بعد وجیہ نگر کو انتہائی ظالمانہ طور پر تہس نہس کرنے کا کام شروع کیا گیا۔ شہری آبادی کو بلا تفریق قتل کر دیا گیا اور غلام بنا لیا گیا۔ اس مہم کی مخصوص بات یہ رہی کہ مندروں کو منہدم کرایا گیا اور گایوں کو ذبح کیا گیا۔

مارچ 1423 میں جب احمد شکار کھیل رہا تھا تو ایک ہرن کا پیچھا کرتے کرتے وہ اپنے محافظ دستہ سے الگ ہو گیا۔ مصیبت کی اس حالت میں اسے ہندو گھوڑسوار دستہ نے دیکھ لیا لیکن عین اسی وقت عبد القادر نامی ایک قابل اعتماد افسر کے تحت اس کی فوج کا ایک دستہ وہاں پہنچ گیا اور احمد کو بچا لیا گیا۔ عبد القادر کو بعد میں خاں جہاں کا خطاب اور برار کی صوبیداری عطا کی گئی۔ اس کے بھائی عبد اللطیف کو خاں اعظم کا خطاب اور بیدر کی صوبیداری عطا ہوئی۔ سلطان کو بچانے میں غیر ملکی تیر اندازوں نے بہت اہم کام انجام دیا۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد سے وہ بہمنی فوج کا ایک مضبوط دستہ خیال کیا جانے لگا۔ وجیہ نگر کے خلاف جنگ اسی وقت بند کی گئی جب کہ وجیہ رائے بقایا خراج کی کثیر رقم ادا کرنے پر راضی ہو گیا۔ اس کا لڑکا دیو رائے سلطان کو دریائے کرشنا تک پہنچانے بھی آیا۔ سلطان اپنے ساتھ بہت سے قیدی لے گیا۔ ان میں دو نوجوان براہمن بھی تھے، جنھوں نے

مذہب اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان میں سے ایک بعد میں برار کا خود مختار سلطان بنا اور دوسرا اس احمد کا والد تھا جس نے احمد نگر کی نظام شاہی حکومت قایم کی۔

1423 اور 1424 میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے ملک میں قحط پڑ گیا احمد نے دارالخلافہ کے باہر ایک پہاڑی کی چوٹی پر جا کر اعلانیہ طور پر خداوند کریم سے بارش کی دعا مانگی جب بارش ہو گئی تو احمد کا ایک ولی کے طور پر خیر مقدم کیا گیا۔ لیکن ولی کہلانے کے باوجود اسے 1424 کے اخیر میں تلنگانہ پر حملہ کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں ہوا۔ اس نے وارنگل پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے راجہ کو مار ڈالا۔ بیدر کے صوبیدار کو بقیہ علاقہ تہس نہس کرنے اور سلطنت کی سمندر تک توسیع کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ اس طرح تلنگانہ کی ہندو حکومت ختم ہو گئی۔

احمد 1425 میں ماہر کی جانب روانہ ہوا۔ یہاں کے باغی راجہ کو پہلے دلاسا دیا گیا کہ اسے معاف کر دیا جائے گا۔ لیکن بعد میں اسے چھ ہزار ساتھیوں کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد احمد نے گونڈوانہ پر حملہ کیا۔ اس نے ایک سال تک ایلچ پور میں قیام کیا۔ اور شمالی سرحد پر واقع گاولگڑھ اور نرنل کے قلعوں کی دوبارہ تعمیر کرائی۔ یہ گجرات اور مالوہ فتح کرنے کی تیاری تھی۔ یہ صوبے تیمور نے اسے دیے تھے۔ اسی لیے اس نے خاندیش کے حکمراں سے دوستی کر لی۔ خاندیش ایک چھوٹی سی ریاست تھی جس پر گجرات اور مالوہ دونوں ہی اپنی اپنی حکم فرمائی کا دعوا کرتے تھے۔ مالوہ کے ہوشنگ شاہ کھیرل کے راجہ نرسنگھ کو، جو بہمنی سلطان کا خراج گذار تھا۔ مالوہ سے وفاداری کی قسم کھانے کے لیے مجبور کیا۔ ہوشنگ شاہ نے 1428 میں خراج وصول کرنے کے لیے حملہ کر دیا۔ نرسنگھ نے احمد سے مدد کی درخواست کی۔ احمد مدد کے لیے ایلچ پور روانہ ہوا۔ لیکن احمد نے سوچا کہ ایک کافر کی حفاظت کے لیے اپنے مسلم بھائی پر حملہ کرنا اس کے لیے اخلاقاً جائز نہ ہوگا۔ اس نے نرسنگھ کی مدد کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنی سلطنت واپس چلا آیا۔ ہوشنگ شاہ نے احمد کی واپسی کو بزدلی تصور کیا اور کافی فوج کے ساتھ اس نے احمد کا تعاقب کیا۔ احمد نے ہوشنگ شاہ کو دریائے تاپتی کے کنارے جنگ میں فیصلہ کن شکست دی۔ ہوشنگ کے کیمپ کا کل ساز و سامان دو سو ہاتھی اور حرم کی خواتین بھی احمد کے ساتھ آئیں۔ ادھر نرسنگھ کھیرل سے نکلا اور ہوشنگ کی شکست خوردہ فوج کا مالوہ تک تعاقب کیا۔ پھر احمد کھیرل آ پہنچا۔ نرسنگھ نے اس کی بہت خاطر مدارت کی۔ احمد نے ہوشنگ کے حرم کی خواتین کو ایک زبردست محافظ دستہ کے ہمراہ ہوشنگ کو

واپس کر دیا۔

اس مہم سے واپسی پر احمد نے بیدر میں کچھ دنوں تک قیام کیا۔ بیدر کے محل وقوع اور آب و ہوا سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے بیدر کے پرانے قلعہ کے نزدیک ایک نیا شہر تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کا نام احمد آباد بیدر رکھا۔ اسی زمانہ میں احمد کے سب سے بڑے لڑکے علاؤ الدین احمد کی شادی خاندیش کے ناصر خاں کی بیٹی سے ہو گئی۔ 1430 میں احمد نے گجرات پر وحشیانہ حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس زمانہ میں گجرات پر احمد اوّل حکومت کر رہا تھا۔ دکنی فوج کو دو بار شکست ہوئی تھی۔ بمبئی کے جزیرے ماہم پر بھی حملہ کرنے کی کوشش میں احمد کو بہت زیادہ نقصان برداشت کرنا پڑا۔ لیکن وہ اپنی کوشش میں برابر لگا رہا۔ چنانچہ 1431 میں گجرات کے جنوبی سرحد پر زبردست لڑائی ہوئی لیکن دکنی فوج کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ 1432 میں احمد کو اپنی بہن کے لڑکے شیر خاں کے بارے میں یہ شک پیدا ہو گیا کہ وہ تخت حاصل کرنے کے لیے سازش کر رہا ہے۔ چنانچہ احمد نے اسے قتل کر دیا۔ شیر خاں ان لوگوں میں سے تھا جس نے احمد کو اس کی ابتدائی زندگی میں اپنے بھائی کی کمزور حکومت کا خاتمہ کر کے خود سلطان بن جانے کا مشورہ دیا تھا۔

گجرات کی مہم نے احمد کو تھکا دیا۔ ہوشنگ شاہ اس بات کو جانتا تھا چنانچہ اس نے کھیرلا پر قبضہ کر لیا اور نرسنگھ کو مار ڈالا۔ احمد اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے شمال کی جانب بڑھا۔ لیکن تاجر خاں کی مداخلت پر دونوں کے درمیان صلح ہو گئی۔ صلح کے شرائط احمد کے لیے کسی طرح بھی موافق نہ تھے۔ شرائط کے مطابق کھیرلا کو مالوہ کی جاگیر قرار دیا گیا اور برار کا بقیہ حصہ دکن کا ایک صوبہ مانا گیا۔ اس کے بعد احمد نے تلنگانہ کے بعض چھوٹے سرداروں کو سزا دی اور اس صوبہ میں جہاں اس کا ایک لڑکا حکومت کرتا تھا 35–1434 میں دوبارہ امن قائم کیا۔ 1435 میں تقریباً 64 برس کی عمر میں اس کا انتقال ہو گیا۔ احمد اپنے بھائی فیروز کی بہ نسبت جس کے طرز فکر میں اعلا تعلیم کی وجہ سے زندگی سے متعلق شک و شبہ تھا زیادہ توہم پرست اور کسی قدر کٹر مسلمان تھا۔ احمد ہر فقیر کی جس کے بال بڑے ہوتے تھے عزت کرنے کے لیے تیار رہتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بذلہ سنج بھی تھا اور نکتہ سنج بھی اور اسی کے کہنے پر خراسان کے شاعر عاذری یا اسفرائینی نے بہمنی خاندان کی منظوم تاریخ بہمنی نامہ تصنیف کیا جو اب ناپید ہے۔ اس تصنیف کے کہیں کہیں اقتباسات کی بنا پر ہم کہہ سکتے

یہ تکریہ شاہ نامہ کی ایک ادنا نقل تھی احمد کی موت سے قبل ہی عاذری اپنے وطن واپس چلا گیا تھا۔ لیکن وہ اس تصنیف کو تازیست تحریر کرتا رہا۔ اس نے 1462 میں انتقال کیا۔ بہمنی خاندان کے ختم ہونے تک دوسرے لوگوں نے بھی باضابطہ اس تصنیف میں اضافے کیے ہیں۔

بہمنی ریاست میں فوجی اور غیر فوجی عہدوں پر غیر ملکیوں ترک، عرب، مغل اور ایرانی افراد کی بنا پر مقامی یادکنی مسلمان ان کے حریف بن گئے تھے۔ دکنی مسلمانوں کا ساتھ افریقہ کے حبشی اور وہ لوگ دیا کرتے تھے جن کے والد افریقی اور والدائیں ہندوستانی تھیں۔ غیر ملکیوں نے یہ الزام عائد کیا کہ گجرات کی شکست دکنیوں کی بزدلی کی بنا پر اٹھانا پڑی۔ ان باہمی جھگڑوں اور رقابت کی وجہ سے اکثر جم کر لڑائیاں اور خوں ریزی بھی ہوئی تھیں۔ غیر ملکی عام طور پر شیعہ اور دکنی مسلمان سنی تھے۔ اس مذہبی تفریق کی بنا پر ان کے باہمی جھگڑے اور بھی زیادہ زور پکڑ گئے۔ ان کالازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بہمنی سلطان اور بہمنی سلطنت کے ختم ہونے پر بعد کی ریاستیں کمزور ہوگئیں۔

درویش صفت احمد کے بعد اس کا لڑکا علاؤالدین دویم تخت نشین ہوا۔ (1436-1458) وہ غیر ملکیوں سے گھرا ہوا تھا۔ اسے دکنی لوگوں کی حسد اور سازباز کی بنا پر اپنی حکومت کے زمانہ میں بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے اپنے بھائی محمد کو وجیہ نگر کے دیودائے دویم سے بقایا خراج وصول کرنے کے لیے روانہ کیا۔ محمد نے خراج وصول کرلیا۔ لیکن اس کامیابی نے محمد کا دماغ خراب کر دیا چنانچہ سلطان سے ہمسری کا درجہ اور بہمنی سلطنت کے نصف حصہ کا طالب ہوا۔ نتیجتاً دونوں بھائیوں کے درمیان جنگ ہوئی جس میں محمد کی شکست ہوئی۔ سلطان نے محمد کو معاف کر دیا اور اسے رائچور دوآب کا صوبیدار بنا دیا۔ اس کے بعد محمد ہمیشہ اپنے بھائی احمد کا وفادار رہا

کونکس کا کچھ علاقہ 1437 میں فتح کرلیا گیا تھا اور سنگ میشور کے راجہ نے اپنی لڑکی کی شادی سلطان کے ساتھ کر دی۔ سلطان اسے اپنی پہلی بیوی کے مقابلہ میں جو ناجر خاں کی بیٹی تھی زیادہ پسند کرتا تھا۔ تاجر خاں نے اسے اپنی بے عزتی تصور کیا چنانچہ اس نے برار پر حملہ کر دیا اور اس صوبہ کے بیشتر سرکاری افسروں کو بھڑکا کر اپنی طرف ملالیا۔ برار کے صوبیدار خاں جہاں کو نرنال کے قلعہ میں بند کر دیا۔ اس نازک موقعہ پر دکنی مسلمانوں نے سلطان کو مخالفت سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔ لیکن غیر ملکیوں کے ملک التجار خلف حسین بصری نے جو دولت آباد

کا صوبیدار تھا جنگ کے لیے اپنی آمادگی کا اظہار کیا بشرطیکہ اسے لڑنے کے لیے غیر ملکیوں کی فوج دی جائے اور اس میں کوئی بھی دکھنی شامل نہ ہو۔ اس کی شرط مان لی گئی۔ اسے شاندار کامیابی حاصل ہوئی جس کی بنا پر غیر ملکیوں کی اہمیت میں بے حد اضافہ ہو گیا انھیں تخت کے دائیں طرف اور دکنی لوگوں کو بائیں طرف جگہ دی گئی۔

اسی اثنا میں دیورائے نے اپنی فوج دوبارہ منظم کر لی اور اسے اسلحہ سے لیس کر کے طاقتور بنا لیا۔ اس نے 1443 میں رائچور دوآب پر حملہ کیا اور مدگل پر قبضہ کر لیا۔ رائچور اور مانک پور کا محاصرہ کیا اور بیجاپور و ساگر تک کا علاقہ نیست و نابود کر ڈالا۔ علاؤالدین کے آنے پر وہ مدگل چلا گیا۔ ملک التجار مانک پور اور رائچور کے محاصروں کو ختم کرنے میں کامیاب ہوا۔ کئی مہینوں کے اندر دونوں فوجوں کے درمیان تین لڑائیاں ہوئیں۔ پہلی لڑائی میں ہندو کامیاب ہوئے۔ دوسری لڑائی میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ تیسری لڑائی میں دیورائے کا لڑکا مارا گیا اور اس کی فوج کو مدگل تک دھکیل دیا گیا۔ بہمنی فوج کے دو اہم مسلمان افسران کو قید کر لیا گیا۔ لیکن جب سلطان نے یہ کہلا کر بھیجا کہ دو افسروں کی قیمت بیس ہزار ہندوؤں کی جانیں ہوں گی تو دیورائے نے صلح کر لی اور آئندہ برابر خراج ادا کرنے پر راضی ہو گیا۔

علاؤالدین کا کردار اس کی عمر کے تجاوز کرنے کے ساتھ ساتھ گرتا گیا۔ اس نے امور سلطنت کی جانب سے غفلت برتنا شروع کر دی اور نفسیاتی خواہشات کی تکمیل میں زیادہ مصروف ہو گیا دکنی مسلمانوں نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر غیر ملکی حمایت کے ختم کرنے کا منصوبہ بنایا 47-1446 میں ملک التجار خلف حسن خاں کے زیر کمان کونکن کے خلاف ایک مہم تیار کی گئی۔ دکنی لوگوں نے دو ہندو راجاؤں کے ساتھ ساز باز کی۔ ان میں سے ایک سنگمیشور کا راجہ تھا۔ ملک التجار کی فوج کو شکست ہوئی اور بہت بڑی تعداد میں غیر ملکی مارے گئے۔ خود ملک التجار حسن خاں بھی مارا گیا۔ جو لوگ بچ گئے وہ پونا کے شمال میں واقع چاکن کے قلعہ میں جمع ہو گئے دکنی لوگوں کی عیاری میں کوئی فرق نہ آیا انھوں نے غیر ملکیوں پر غداری کا جھوٹا الزام لگا کر سلطان کو ان کے قتل کیے جانے پر راضی کر لیا۔ اس کے بعد یہ کوشش کی گئی کہ تمام افسروں کو ایک دعوت کے موقعہ پر قتل کر دیا جائے چنانچہ بارہ سو سید، ایک ہزار دوسرے غیر ملکی اور بے شمار بچے قتل کر دیے گئے۔ ان کی بیویوں، بیٹیوں اور سامان پر خود دکنی جماعت

کے لوگوں نے قبضہ کرلیا۔ بہت کم لوگ جو باقی بچے ان میں قاسم بیگ اور دو اور افسر شامل تھے ان لوگوں نے سلطان کو صحیح صورت حال سے مطلع کیا۔ علاؤالدین کو سخت ندامت ہوئی۔ اس نے دکنی جماعت کے قائدین کو موت کی سزا دی اور ان کے خاندان کے لوگوں کو محتاج بنا دیا۔ قاسم بیگ دولت آباد کا صوبیدار ہوگیا اور اس کے دونوں ساتھیوں کو ترقی دے کر اعلا مرتبہ دیا گیا۔ غیر ملکی جماعت کو اس طرح دوبارہ اقتدار حاصل ہوگیا 1451 میں سلطان کو اسفاریان کے شاعر عاذری کا ایک خط موصول ہوا جس میں سلطان سے مے نوشی ترک کرنے اور تمام دکنی اہلکاروں کو سرکاری ملازمت سے برطرف کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔ سلطان نے مے نوشی ترک کردی حکومت سے دکنی اہلکاروں کو نکال دیا اور حکومت کے کام میں زیادہ دلچسپی لینے لگا۔

سلطان کے پیر میں چوٹ لگ جانے کی وجہ سے سلطان کو 1453 میں محل میں ہی رہنا پڑا۔ اس کی موت کے بارے میں افواہیں گشت کرنے لگیں۔ تلنگانہ کے صوبیدار نے بغاوت کردی اور مالوہ کے محمود اوّل کو برار پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ تلنگانہ کا صوبیدار خود اس سے جاکر مل گیا۔ جب علاؤالدین خود میدان جنگ میں داخل ہوا تو محمود جسے سلطان کی موت کا یقین دلایا گیا تھا مالوہ واپس چلا گیا۔ سکندر اور اس کے والد کو جنگ میں شکست ہوئی اور ایک غیر ملکی محمود گوان نے جس نے حال ہی میں عروج حاصل کیا تھا محاصرہ کرکے ان دونوں کو گرفتار کرلیا۔ سلطان نے دونوں کو معاف کردیا۔

علاؤالدین 1458 میں انتقال کرگیا۔ اگرچہ وہ خود شراب پینے کا عادی تھا لیکن اپنی رعایا کو اس سے پرہیز کرنے کے لیے ہمیشہ تاکید کرتا تھا۔ اس نے بیدر میں ایک خیراتی اسپتال قایم کیا وہ کافی طویل وعظ خاموشی سے بیٹھ کر سنتا۔ ان مندروں کے ملبے سے جو اس نے منہدم کرائے مسجدیں تعمیر کرکے اپنی مذہب پرستی کا ثبوت دیا اس نے اپنے انتقال سے قبل اپنے بڑے لڑکے ہمایوں کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

ہمایوں (61 — 1458) اپنی سفاکی کے لیے بدنام تھا۔ اپنے زمانہ حکومت میں اس نے جو بہیمانہ کام انجام دیے ان کی بنا پر اسے "ظالم" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ حکومت کے شروع میں بعض افسروں نے اس کے بھائی حسن خاں کو سلطان بنانا چاہا لیکن نتیجتاً متعدد افسروں کو مار ڈالا گیا کئی افسر قید کر لیے گئے اور کئی افسروں کو راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ حسن خان کو بھی قید کرکے اندھا کردیا گیا۔ ہمایوں نے غیر ملکیوں کو ترجیح دی اور محمود گوان کو بیجاپور کا صوبیدار

اور ملک کا نائب مقرر کیا۔ دکنی لوگ بھی بہر کیف بعض عہدوں پر فائز کیے گئے۔ ہمایوں کے عہد حکومت میں بغاوتیں بھی ہوئیں۔ سکندر خاں اور اس کے والد جلال خاں نے تلنگانہ میں بغاوت کر دی۔ دوسری بغاوت دارالخلافہ میں اس وقت ہوئی جب کہ سلطان اور اس کے وزرا تلنگانہ گئے ہوئے تھے۔ یہ دونوں بغاوتیں اس مجنونانہ درندگی کے ساتھ فرو کی گئیں کہ بہمنی حکومت کی خون آلود تاریخ میں بھی اس طرح کی دوسری مثال نہیں مل سکے گی۔ محمود گوان ایسا قابل وزیر اور مخدومہ جہاں ایسی ذہین ملکہ (اس نے اپنے شوہر کے انتقال کے بعد اپنے نابالغ لڑکوں کی تربیت میں بہت شہرت حاصل کی) تھی۔ سلطان مظالم کو روکنے میں ناکام رہے۔ رعایا نے ستمبر 1461 میں ہمایوں کے انتقال پر اطمینان کی سانس لی۔" اس کے خدمت گاروں نے اسے نشہ کی حالت میں قتل کر ڈالا۔ وہ اس کی سنگدلی اور حیوانیت سے تنگ آ چکے تھے۔"

ہمایوں کا لڑکا نظام شاہ تخت نشینی کے وقت صرف آٹھ برس کا تھا اس کی ماں نے ملک شاہ ترک عرف خواجہ جہاں اور محمود گوان کی مدد سے سلطنت کے کام کی دیکھ بھال کی۔ نئی حکومت کمزور خیال کر کے تلنگانہ اور اڑیسہ کے حکمراں نے بہمنی ریاست پر حملہ کر دیا۔ مالوہ کے محمود اوّل نے بھی حملہ کر دیا۔ ان میں تلنگانہ اور اڑیسہ کے حکمراں کا مقابلہ کیا گیا اور اسے دارالخلافہ بیدر سے بیس میل پیچھے دھکیل دیا گیا لیکن محمود اوّل کا حملہ زیادہ خطرناک تھا قندھار کے قریب بہمنی کی فوجوں کو شکست ہوئی، دارالخلافہ کا محاصرہ کر لیا گیا اور رانی ماں کو اپنے کمسن لڑکے کو لے کر فیروز آباد جانا پڑا۔ محمود گوان کی درخواست پر گجرات کے محمود بیگڑھ نے بہمنی سلطنت کی مدد کی۔ گجرات اور بہمنی کی متحد فوجوں نے مالوہ کی فوج کے لیے پیچھے سے خطرہ پیدا کر دیا اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئی۔ مالوہ نے اگلے سال دوبارہ حملہ کیا۔ لیکن گجرات کے حکمراں کی عین موقع پر مداخلت کی وجہ سے مالوہ کی فوج دولت آباد سے آگے نہ بڑھ سکی۔

کمسن سلطان 30 جولائی 1463ء کو دفعتاً مر گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی محمد سوئم جس کی عمر اس وقت صرف نو سال کی تھی تخت نشین ہوا۔ نئے سلطان کے زمانہ نابالغی میں نظام شاہ کے زمانہ کی طرح قائم مقام مجلس حکومت کے فرائض انجام دیتی رہی۔ لیکن خواجہ جہاں کی حوصلہ مندی کے باعث ہم آہنگی نہ برقرار رہ سکی۔ رانی ماں (قائم مقام ملکہ) نے جب دیکھا کہ محمود گوان کو دارالخلافہ سے ہٹا کر مستقل طور سے ہر سرحد پر لگا یا گیا ہے

تو اسے خواجہ جہاں کی نیت پر شک ہونے لگا۔ اس نے اپنے لڑکے سے خواجہ جہاں کو غداری کے الزام پر سزائے موت دلائی۔ اس کے بعد قایم مقام ملکہ نے محمود گوان کو جو سلطان کی تعلیم و تربیت پر بہت توجہ دے رہا تھا۔ دارالخلافہ واپس بلایا اعلا افسر کی حیثیت سے مقرر کیا اور امیرالامرا کا خطاب عطا کیا۔ محمد سویم جب پندرہ برس کا ہوگیا تو اس کی والدہ نے جو قایم مقام کی حیثیت سے سلطنت کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ سبکدوشی اختیار کر لی۔ لیکن اسے تا زیست اپنے بیٹے کی عزت اور محبت حاصل رہی۔

کھیرل جو اس وقت مالوہ کے محمود اوّل کے قبضہ میں تھا۔ اس کے خلاف 1463 میں ایک حملہ کیا گیا لیکن کچھ فائدہ نہیں حاصل ہوا اور صلح ہوگئی۔ کھیرل دیندار احمد کے زمانہ حکومت کی طرح بدستور مالوہ کی جاگیر بنا رہا۔ محمود گوان نے جو اس وقت بھی بیجاپور کا صوبہ دار تھا۔ کونکن کے ہندو راجاؤں کے خلاف یورش کی۔ لیکن بہمنی سلطان ان راجاؤں کو مکمل طور پر کبھی اپنا ماتحت نہ بنا سکے۔ محمود گوان خاص طور پر چاہتا تھا کہ کھیلنا (وشالگڑھ) اور سنگمیشور کے راجہ مسلمان تاجروں اور زائرین کو مغربی ساحل سے آگے اپنے جہازی بیڑے کے ذریعہ پریشان نہ کر سکیں۔ محمود گوان نے بہت صبر و ضبط سے کام لیا اور رشوت اور طاقت کے استعمال سے کئی بار کامیابی بھی حاصل کی۔ آخر میں اس نے گوا پر قبضہ کر لیا۔ جو اس زمانہ میں وجیہ نگر حکومت کا سب سے اچھا بندرگاہ تھا۔ یہ فتح بہمنی سلطنت کے مستقل دشمن کو مغلوب کرنے کے خیال سے ہی اہم نہ تھی بلکہ اس سے مکّہ جانے والے زائرین کا تحفظ بھی ہوگیا اور مغربی ساحل کی تجارت پر بہمنی سلطنت کو فوقیت حاصل ہوگئی۔ محمود گوان تین سال کی غیر حاضری کے بعد 1472 میں دارالسلطنت لوٹا یہاں بہت عزت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ محمود گوان کی واپسی سے قبل اڑیسہ کی خانہ جنگی کی اطلاع سلطنت میں پہنچ چکی تھی۔

اڑیسہ کا راجہ کپلیشور گج پتی انتقال کر گیا تھا۔ اس کے لڑکے ہمبر (ہم ویرا) نے محمد سویم سے اس بنا پر امداد چاہی تھی کہ ایک شخص منگل تخت پر غاصبانہ طور سے قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے منگل ہی کپلیشور کا دوسرا لڑکا پرشوتم گج پتی تھا۔ درویش صفت احمد جن دونوں جوانوں کو وجیہ نگر سے لایا تھا۔ ان میں سے ایک ملک حسن کو غاصب کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے اڑیسہ روانہ کیا گیا۔ ملک حسن نے منگل کو شکست دی اور ہمبر کو تخت دلوایا۔ ہمبر نے بعد میں ملک حسن کو اس کا بدلہ راج مندری اور کونڈ وڈو کے ریڈیوں

کو پسپا کرنے میں مدد دے کر ادا کیا۔ ملک حسن کو دارالخلافہ لوٹنے پر اپنی کامرانیوں کے لیے موزوں مبارکباد حاصل ہوئی۔ لیکن پرشوتم گج پتی نے بہت جلد ہمبر کو تخت سے اتار دیا اور خود تخت نشین ہوگیا۔ ہمبر کیڈری میں ایک باج گذار کی حیثیت سے حکومت کرنے پر راضی ہوگیا۔

بہمنی سلطنت پہلی بار ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک پورے علاقے میں پھیل گئی۔ اس کامیابی کے لیے غیر ملکی اور دکنی جماعت دونوں ہی برابر کی شریک تھیں اور دونوں کو ہی برابر اعزازات بخشے گئے۔ سلطنت کے چار صوبوں میں سے بیجاپور کے ساتھ گلبرگہ اور دولت آباد دونوں کے صوبیدار غیر ملکی محمود گوان اور یوسف عادل خان تھے۔ تلنگانہ اور برار کے صوبیدار اور وجیہ نگر سے لائے ہوئے دو نوجوان ملک حسن اور فتح اللہ عماد الملک تھے۔ فتح اللہ غیر ملکیوں کا دوست تھا۔ لیکن ملک حسن کے ساتھ ایسی کوئی بات نہ تھی۔ محمود گوان فرقہ بندی کے جذبات سے نسبتاً خالی تھا۔ یوسف عادل خاں غیر ملکی جماعت تھا۔ اس کے اردگرد بہت غیر ملکیوں کا ہجوم رہتا تھا۔ جن کی مدد سے وہ شمالی کونکن فتح کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا، یہی سبب تھا کہ ملک حسن خاں کے مقابلہ میں اسے زیادہ عزت حاصل ہوئی۔ لیکن موخرالذکر غیر ملکیوں سے اور بھی زیادہ عداوت رکھنے لگا تھا۔

1472 کے اخیر میں وجیہ نگر کے ویروپکش نے بیلگام اور بانکاپور کے راجاؤں کو ہندو سلطنت کے لیے گوا واپس لینے کی گذارش کی۔ محمد سویم اور محمود گوان نے بانکاپور پر حملہ کر دیا۔ یہاں کے راجہ بیرکن نے کچھ دنوں تک محاصرہ کو جاری رکھا لیکن بعد میں ہتھیار ڈال دیے۔ اس کی ریاست بہمنی سلطنت میں شامل کر لی گئی اور محمود گوان کی زیر نگرانی رکھی گئی۔ اس کے فوراً بعد قائم مقام ملکہ جس کی سبکدوشی کے بعد بھی اس کا لڑکا ہر روز اس کا مشورہ حاصل کرتا تھا، کیمپ میں ہی انتقال کر گئی اور اس کی لاش کو تجہیز و تکفین کے لیے بیدر روانہ کیا گیا۔ محمد سویم نے گوان کے مہمان کی حیثیت سے بیجاپور میں قیام کیا۔ وہ محمود گوان کی زبردست حامی تھی، اس کو اس کے لڑکے کے مقابلہ میں زیادہ غم ہوا۔

تقریباً 1476 میں کونڈاوڈو کی رعایا نے اپنے ظالم مسلمان صوبیدار کے خلاف بغاوت

کر دی اور اسے قتل کر دیا نیز شہر کو اڑیسہ سردار ہمیر کے سپرد کر دیا۔ مسلم مورخین نے اس نام سے جس شخص کا ذکر کیا ہے وہ بلاشبہ ہمیر (ہم ویرا) کا لڑکا دکشنو کپیلیشور کمار ہو بر مہا پاتر تھا جس نے اڑیسہ کا تخت حاصل کرنے کے لیے پرشوتم کے ساتھ جنگ کی تھی۔ ہمیر نے پرشوتم کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ اب کھویا ہوا علاقہ واپس لینے کا وقت آگیا ہے چنانچہ اس نے تلنگانہ پر حملہ کر دیا اور راج مندری میں ملک حسن کا محاصرہ کر لیا۔ محمد سوئم ملک حسن کی مدد کے لیے فوراً روانہ ہوا اور اسے آزاد کرایا۔ اڑیسہ کا راجہ اپنے ملک واپس چلا گیا۔ محمد نے 1478 میں اس کا پیچھا کیا اور اسے صلح کرنا پڑی۔ اسے بہت سے ہاتھی اور دوسرے بیش قیمت تحائف سلطان کو بطور تاوان دینا پڑے۔ ہمیر کو جس نے خود کو کونڈاوڈو کے قلعہ میں بند کر لیا تھا۔ اخیر میں ہتھیار ڈالنا پڑے۔ سلطان نے اس کی جان بخش دی۔ محمد نے کونڈاوڈو کا عظیم مندر منہدم کر کے اس کی جگہ ایک مسجد تعمیر کرائی۔ مندر کے براہمن پجاری کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے غازی کا لقب حاصل کیا۔

محمد نے تین سال تک تلنگانہ میں قیام کیا اور اس علاقے کو مکمل طور پر اپنے قبضہ میں کر لیا۔ تلنگانہ کے صوبہ کو جو نئی فتح کردہ مقبوضات کی بنا پر انتظامی نقطۂ نظر سے بہت بڑا ہو گیا تھا۔ اب دو حصوں میں یعنی مشرقی تلنگانہ اور مغربی تلنگانہ میں تقسیم کر دیا گیا۔ راج مندری اور وارنگل دونوں نئے صوبوں کے بالترتیب دارالخلافہ قرار دیے گئے۔ یہ اقدام اس انتظامی اصلاح کا جسے محمود گاواں نے ایک منصوبہ کی شکل میں تیار کیا تھا ایک حصہ ہی تھا۔ ملک حسن غیر منقسم تلنگانہ کا صوبیدار بننا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے نئے منصوبے کو ناپسند کیا اور اس کے تیار کرنے والے کے خاتمے کا تہیا کیا۔

محمد نے مشرقی کرناٹک پر بھی حملہ کرنے کا ایک منصوبہ تیار کیا۔ اس جگہ وجیہ نگر کا والسرائے سلووا نرسنگھ تھا اس نے حال ہی میں پرشوتم کی مدد کی تھی۔ ملک حسن نے محمد کے ساتھ یلغار پر جانے کے لیے خود کو پیش کیا اور اپنے لڑکے احمد کو راج مندری میں نائب صوبیدار کی حیثیت سے چھوڑ دیا۔ احمد ایک بہتر سپاہی تھا اور اس وقت برار ضلع میں واقع ماہر کا جاگیردار تھا۔ یہ انتظام اس لیے ضروری خیال کیا گیا تھا کہ باپ اور بیٹے الگ الگ رہیں۔ احمد کو ماہر سے بلا کر راج مندری میں نائب کی حیثیت سے مقرر کیا گیا۔ کونداپلی کو بہمنی فوج کا صدر مقام بنا کر حملہ شروع کیا گیا۔ محمد نے اپنے لڑکے محمود کو محمود گاواں کے

ساتھ چھوڑکر خود کانچی پورم پر زبردست حملہ کر دیا۔ محمد نے اس مقام کے مندروں کو خوب لوٹا اور متعدد پجاریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مسلم مورخ نے اس واقعہ کے نتائج کو مبالغہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ کہتا ہے "بہمنی فوج نے شہر اور اس کے مندروں کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ اور کفر کے تمام نشانات کو مٹا دیا"۔ جب محمد کونداپلی کو واپس آرہا تھا تو نرسنگھ کی فوج نے اس کا بہت زیادہ مال غنیمت لوٹ لیا لیکن محمد مسولی پٹم پر قبضہ کرنے میں کامیاب رہا۔

کونداپلی میں محمود گوان نے انتظامی اصلاح کے اپنے منصوبہ کی تکمیل کی۔ چونکہ سلطنت کے چاروں صوبے اب رقبے میں بہت زیادہ بڑھ گئے تھے اس لیے انھیں دو حصوں میں منقسم کر کے ہر صوبہ کا ایک الگ طرفدار (گورنر) مقرر کیا گیا۔ صوبیداروں کے اختیارات میں کمی کر دی گئی کیونکہ ان آٹھوں صوبوں میں کچھ علاقہ سلطان کے ذاتی اخراجات کی تکمیل کے لیے الگ رکھا گیا تھا۔ ان علاقوں کا انتظام کرنے کے لیے دربار سے براہ راست کلکٹر مقرر کیے گئے"۔ اس کے علاوہ نئے انتظام میں صرف ایک ہی قلعہ صوبیدار کے اختیار میں رکھا گیا" بقیہ قلعوں کے لیے سلطان کے متعین کردہ افراد اور فوج مقرر کی گئی جن کی تنخواہیں صدر مقام سے دی جاتی تھیں"۔ اس اقدام کی بنا پر بغاوت کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو گیا۔ تیسری اصلاح یہ کی گئی کہ فوج رکھنے کے لیے بھتّے میں اضافہ کر دیا گیا۔ لیکن نگرانی کے لیے سخت اقدامات کیے گئے جو لوگ جس قدر کم فوجی خدمت انجام دیتے تھے اسی تناسب سے بھتّے میں بھی کمی کر دی جاتی تھی۔ محمود گوان نے زمین کا سروے اور مناسب ٹیکس نافذ کر کے مالگذاری کے انتظام کو بھی بہتر بنایا۔ ان اصلاحات کی بنا پر وہ دکنی لوگوں میں بدنام ہو گیا کیونکہ آٹھ صوبوں میں سے پانچ صوبوں کے صوبیدار دکنی مسلمان تھے۔

مخالف جماعت نے سلطان سے محمود گوان کے خلاف بہت ہی باتیں کہیں۔ انھوں نے کسی طرح اپنے الزامات کے ثبوت میں محمود گوان کی مہر کو ایک کورے کاغذ پر لگا کر اس کی جانب سے اڑیسہ کے راجہ کو یہ خط تحریر کیا کہ دکن کے عوام محمود گوان کے مظالم اور شغل مے نوشی سے تنگ آچکے ہیں اور اس سے دکن پر حملہ کرنے کی درخواست کی۔ انھوں نے اس خط کو سلطان کے ہاتھ میں یہ کہتے ہوئے پیش کیا کہ اسے اس قاصد سے حاصل کیا گیا ہے جو اسے اڑیسہ کے راجہ کے پاس لے جا رہا تھا۔ سلطان نے محمود گوان کو فوراً طلب کیا۔

محمود گوان نے اپنے دوستوں کے اس مشورے پر کہ وہ حکم کی تعمیل نہ کرکے گجرات بھاگ جائے عمل نہیں کیا اور خود کو سلطان کے روبرو پیش کر دیا۔ سلطان محمد نے کرختگی سے دریافت کیا کہ اس شخص کو جس کے خلاف غداری ثابت ہو جائے کیا سزا مناسب ہو گی۔ محمود گوان نے بلا پس و پیش جواب دیا "موت" سلطان نے محمود گوان کو وہ جعلی خط دکھایا۔ وزیر نے تسلیم کیا کہ مہر درحقیقت اس کی ہے۔ لیکن اس نے خط کی تحریر سے انکار کیا سلطان نے وزیر کے احتجاج پر کوئی توجہ نہ دی اور اپنے ایک ابی سینیا کے غلام جوہر کو حکم دیا کہ وہ وزیر کو اسی جگہ قتل کر دے۔ ایسا ہی کیا گیا (15 اپریل 1481) اس طرح بہمنی حکومت کا وہ مشیر کار ختم کر دیا گیا جو وفادار ہونے کے ساتھ ساتھ قابل بھی تھا۔ اسے صحیح معنی میں مدبر کہا جا سکتا ہے اس نے 35 سال تک اپنے آقاؤں کی انتہائی ثابت قدمی اور پرجوش عقیدتمندی کے ساتھ خدمت کی۔ محمود گوان اپنی نجی زندگی میں سادگی پسند، فیاض، بخیر، عالم اور بے داغ تھا۔ وہ دکنی اور غیر ملکیوں کی باہمی دشمنی ختم کر سکتا تھا لیکن ملک حسن کی جارحانہ عداوت کی بنا پر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔

محمود گوان کے کیمپ کو فوج اور عوام نے خوب لوٹا۔ اس کے ساتھی دوسرے غیر ملکیوں کے ساتھ بھاگ کر یوسف عادل خاں کے پاس چلے گئے جو میدان کارزار میں ہی تھا۔ محمود گوان کے خزانچی سے جب پوچھا گیا تو اس نے سلطان سے کہا کہ اس کا آقا اپنی تمام آمدنی خیرات کر دیتا تھا اور اس کے پاس کافی اندوختہ نہ تھا۔ اس لیے سلطان کو ایک بے گناہ کے قتل کے لیے مورد الزام ٹھہرایا اور سلطان سے محمود گوان کے جرم کو ثابت کرنے کا مطالبہ کیا یا پھر کم از کم اس قاصد کا پتہ لگانے کے لیے سلطان سے درخواست کی جو محمود گوان کا تحریر کردہ خط اڑیسہ کے راجہ کے پاس لے جا رہا تھا۔ سلطان کو ہر حقیقت کا علم ہوا لیکن بہت دیر بعد۔ جب کہ نقصان کا ازالہ ناممکن تھا۔ اس نے محمود گوان کی لاش کو پورے اعزاز کے ساتھ بیدر میں دفن کرنے کے لیے روانہ کیا۔ سلطان سے لوگ اب ڈرنے لگے۔ غیر ملکیوں کا اس پر سے اعتماد اٹھ گیا اور دکنی لوگوں کے معزز طبقہ نے سلطان کے ساتھ کسی قسم کا بھی سروکار رکھنے سے انکار کر دیا۔ وہ اب اس کے دربار یا خیمہ میں نہیں جاتے تھے اور مجبوراً آداب و کورنش بجالاتے تھے۔

سلطان اس طرح ان لوگوں کے بس میں آگیا جنھوں نے اس کے مرحوم وزیر کو دھوکہ دیا

تھا۔ سلطان نے سوچا تھا کہ ان لوگوں کو سزا دے گا لیکن اسے مجبوراً ان سے موافقت کرنا پڑی۔ ملک حسن حکومت کا نائب قرار پایا۔ اس کے لڑکے احمد کو یوسف کی جگہ پر دولت آباد کا صوبیدار بنایا گیا۔ یوسف کو محمود گوان کی جاگیر بیلگام اور بیجاپور مل گئی۔ یوسف کو اپنا طرفدار بنانے کے لیے سلطان بیلگام گیا۔ سلطان نے جب سنا کہ وجیہ نگر کا نرسنگھ گوا پر حملے کی تیاری کر رہا ہے تو سلطان خود گوا جانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے امرا نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ چنانچہ اس نے یوسف عادل خاں کو گوا کی مدد کے لیے روانہ کیا اور خود فیروز آباد واپس آ گیا جہاں اس نے اپنی بے عزتی کو شراب پی کر فراموش کرنا چاہا۔ اس نے ضابطہ کے ساتھ اپنے کم عمر لڑکے محمود کو اپنا جانشین ہونے کا اعلان کیا اور 22 مارچ 1482 کو بیدر میں انتقال کر گیا۔ دم مرگ وہ چیختا رہا کہ محمود گوان اس کی جان لے رہا ہے۔ اس کے انتقال کے وقت اس کی عمر محض 29 سال کی تھی۔

فرشتہ کا بیان ہے کہ بہمنی تخت پر جتنے سلطان بیٹھے ان میں فیروز کے بعد محمد ہی بہت بڑا عالم تھا۔ وہ بے حد جوشیلا اور مستعد سلطان اور ایک بہادر سپاہی تھا۔ اس کے کئی قابل وزرا تھے۔ ان میں محمود گوان سب سے قابل تھا۔ مے نوشی سلطان کے لیے دشمن جان ثابت ہوئی اس لت نے اسے بدنام بھی کیا۔ جلد بازی میں اس سے غلط کام بھی کروائے اور اخیر میں اس کی قبل از وقت موت کا بھی سبب بنی۔ وہ اس خاندان کا آخری قابل ذکر سلطان تھا۔ محمد کے بعد پانچ اور سلطان تخت نشین ہوئے لیکن وہ بے ایمان وزرا کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بننے کے علاوہ اور کسی لائق نہ تھے۔

ملک حسن نے محمد سوئم کے لڑکے محمود کو جس کی عمر صرف بارہ سال تھی۔ ایک معمولی رسم تاجپوشی کے بعد تخت پر بٹھایا۔ تاجپوشی کی اس رسم میں امرا نے دانستہ طور پر شرکت سے پرہیز کیا۔ یوسف عادل خاں سلطان کو نذر عقیدت پیش کرنے کے لیے گوا سے بیدر آیا۔ لیکن سازش شک و شبہ اور دکنی و اسکے ساتھیوں کے درمیان اعلانیہ لڑائی نے اسے بیجاپور جانے کے لیے آمادہ کیا۔ اس نے ملک حسن کو دار الخلافہ میں سیاہ و سفید کا مالک بنے رہنے کے لیے چھوڑ دینا ہی مناسب سمجھا۔ نابالغ سلطان نے ملک حسن کو قتل کر کے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن سلطان کو ناکامیابی ہوئی۔ نتیجتاً اس کے بعد اس کی نگرانی اور بھی سخت ہو گئی۔ یہ خبر عام ہو گئی کہ سلطان عالم بے چارگی کے ساتھ ایک قیدی ہے۔ صوبوں کے گورنروں نے ملک

نائب ملک حسن کے احکام کو خاطر میں نہ لانا شروع کر دیا۔ مثلاً 1486ء میں تلنگانہ کے گورنر نے بغاوت کر دی۔ گوا اور چاکن میں بھی بغاوتیں ہوئیں جن کی یوسف عادل شاہ مدد کر رہا تھا تھوڑے عرصہ بعد ہی سلطان نے ملک حسن کے لیے اپنے تنفر کا برملا اظہار کیا۔ ملک حسن خزانہ پر قبضہ کرنے اور فوج کو اپنی طرف ملانے سے بیدر چلا گیا۔ اسے گرفتار کر لیا گیا اور بادشاہ کے حکم سے شہر کے گورنر دلپسند خاں نے اس کا گلا گھونٹ دیا۔ ملک حسن کی برطرفی بہت دیر میں ہوئی۔ سلطان نے بیدر واپس آکر خود کو تساہلی و عیاشی کی نظر کر دیا اور امور حکومت کی جانب سے قطعی طور پر غفلت برتنے لگا۔ نومبر 1487 میں دکنی لوگوں نے اسے تخت سے اتارنے کی سازش کی لیکن غیر ملکی فوج کی مداخلت کی وجہ سے سازش ناکامیاب رہی۔ اس کا خمیازہ دکنی اور افریقی لوگوں کو تین دن تک قتل عام کی صورت میں بھگتنا پڑا۔

1490 میں مرحوم ملک حسن کے لڑکے ملک احمد نظام الملک کے مشورہ پر بیجاپور کے یوسف عادل خاں اور برار کے فتح اللہ عماد الملک نے شاہی لقب اختیار کر لیے اور بیدر کی فرماں روائی سے آزاد ہونے کا اعلان کر دیا۔ گولکنڈہ کے قطب الملک نے (1512) اور بیدر کے برید الملک نے ان کی تقلید کی۔ اس طرح پانچ سلطنتوں کی یعنی احمد نگر کے نظام شاہی، بیجاپور کے عادل شاہی، برار کے عماد شاہی، گولکنڈہ کے قطب شاہی اور بیدر کے برید شاہی کی ابتدا ہوئی۔ ملک احمد سلطان کے خلاف واضح طور پر غداری کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس (سلطان) نے ہی اس کے والد کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن دوسرے صوبیداروں نے اپنی آزادی کا اس وجہ سے اعلان کیا کہ وہ ایسے سلطان کو اور زیادہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے جو اپنے کسی حوصلہ مند وزیر کو وقتی طور پر اپنا منظور نظر بنا کر اس کے اشاروں پر چلنے کے لیے تیار رہتا۔ اس وقت سلطان کا وزیر قاسم برید تھا جس نے سلطان کو اور بھی زیادہ نکما بنا دیا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ برید شاہی خاندان کا عروج 1490 سے ہوا۔

قاسم برید نے صوبائی گورنروں پر اقتدار قائم کرنے کی کوشش کی۔ وہ بیجاپور کی جانب روانہ ہوا اور وجیہ نگر کے قائم مقام حکمراں نرس نایک کو بیجاپور پر رائچور دوآب کی جانب سے حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ قاسم برید کو یہ بھی امید تھی کہ احمد شاہ اس کی مدد کرے گا قاسم برید کی امید پوری نہ ہو سکی اور یوسف عادل خاں کو اس کے خلاف فتح حاصل ہوئی 1493 میں گجرات کے محمود بیگڑہ نے دکن کے حکمراں سے اپنے باج گذار گوا کے سردار

بہادر جیلانی کی قزاقانہ حرکتوں کی شکایت کی۔ بہادر جیلانی کو مغلوب کرنے کی کوششوں میں قاسم برید کو یوسف، احمد اور فتح اللہ سبھی لوگوں نے مدد دی کیونکہ وہ لوگ دکن پر گجرات کا حملہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ بہادر جیلانی مارا گیا اور اس کا علاقہ عین الملک کنانی کو دے دیا گیا قاسم برید نے کنانی کو مخصوص طور پر منتخب کیا کیونکہ وہ اسے یوسف عادل خاں کے خلاف کھڑا کرنا چاہتا تھا۔

محمود کی برائے نام حکومت کے آخری دنوں میں جو سازشیں، بغاوتیں اور گروہ بندی کی بنا پر جو جھگڑے ہوئے ان کو بالتفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ قاسم برید 1504 میں انتقال کر گیا اور اس کی جگہ امیر علی برید نے لے لی۔ اس نے حالات میں متعدد اتار چڑھاؤ کے باوجود سلطان کو اپنے قابو میں رکھا اور آزادی کے لیے اس کی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا محمود دسمبر 1518 میں انتقال کر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے چار لڑکے تخت نشین ہوئے۔ احمد نے 21-1518 تک حکومت کی۔ احمد کے بعد علاؤالدین تخت نشین ہوا۔ لیکن چونکہ اس نے علی برید کے اقتدار سے آزاد ہونے کی کوشش کی تھی اس لیے اُسے تخت سے 1521 میں اتار کر قید کر لیا گیا اور بعد میں قتل کر دیا گیا۔ ولی اللہ نے 1521 1524 تک حکومت کی لیکن تیس سال کی برائے نام حکومت کے بعد اس کا حشر بھی علاؤالدین کی طرح ہوا۔ آخری سلطان کلیم اللہ نے بابر کے پاس ایک قاصد کے ذریعہ کہلوایا کہ اگر وہ دکن کے سلطان کو اس کے قید کرنے والے سے آزاد کرا کے اس کا علاقہ اسے دلا دے تو سلطان اس کے بدلے میں اس کو (بابر کو) دولت آباد اور برار کے صوبے دے دے گا۔ بابر نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن امیر علی برید کو اس مشن کی اطلاع مل گئی اور کلیم اللہ 1527 میں بیجاپور بھاگ گیا۔ وہاں اس کی آمد پر کسی گرمجوشی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ چنانچہ وہ احمد نگر چلا گیا جہاں تھوڑے دنوں بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی لاش تجہیز و تکفین کے لیے بیدر روانہ کی گئی۔

اس طرح بہمنی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ ملک کی تاریخ میں اس باب کو کسی طرح بھی دلچسپ باب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بہمنی خاندان کے اٹھارہ سلطانوں میں سے کچھ ہی ایسے تھے جو مے نوشی اور عیاشی نہ تھے اور جو ہمیشہ مخبر دل اور خود غرض افراد سے گھرے رہتے تھے۔ فرقہ بندی اور جماعتی جھگڑے دربار میں ہمیشہ نمایاں رہے جن کی وجہ سے محمود گوان کے قتل جیسی فاش غلطیاں

بسا اوقات ہوجایا کرتی تھیں۔ بعض سلاطین بےحد متعصب تھے اور ان میں سے کسی کو بھی اپنے عوام سے جو بالخصوص ہندو تھے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ آب پاشی اور زراعت کی ترقی کے لیے جو بھی اقدامات کیے گئے وہ دراصل شاہی آمدنی میں اضافہ کے خیال سے کیے گئے۔ لیکن ان اقدامات کی بنا پر رعایا کو بہر کیف کچھ نہ کچھ فائدہ تو ضرور پہنچا۔ روسی تاجر ایتھنیسیس نکتین جو کچھ عرصہ تک بیدر میں (74 — 1470) مقیم رہا۔ لکھتا ہے کہ ملک میں آبادی بہت زیادہ ہے۔ دیہی عوام کی زندگی بہت خراب ہے۔ اس کے برعکس امرا بہت خوش حال اور دولت مند ہیں اور تعیش کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ انھیں چاندی کے تخت پر لے جایا جاتا ہے۔ ان کے آگے بیس فوجی گھوڑے شہری جھول سے مزین چلتے ہیں اور ان کے پیچھے تین سو گھوڑسوار، پانچ سو پیادے نفیری بجانے والے دس مشعلچی اور دس موسیقار چلتے ہیں۔ فوج اور اس کے سربراہ اکثر بسا اوقات ملک کا سارا خون چوس لیتے تھے اور عوام اُن کے سامنے بے یار و مددگار تھے۔ ہمسایہ ہندو حکومتیں یا بالخصوص وجیہ نگر کے خلاف جو لڑائیاں لڑی گئیں۔ ان میں زبردست مظالم ڈھائے گئے اور بعض ایسے بھی مواقع پیش آئے جب سیکڑوں ہندوؤں کو مذہب تبدیل کرنا پڑا۔ بڑی تعداد میں غیر ملکی جن میں ایرانی، ترک، عرب اور مغل شامل تھے۔ تجارت یا ملازمت کے خیال سے ہندوستان آئے اور یہیں آکر بس گئے انھوں نے یہاں کی عورتوں سے شادیاں کیں۔ لیکن اس سب کے باوجود یہاں کی آبادی کا بیشتر حصہ ہندو ہی رہا اور سابق حیدرآباد حکومت میں مسلمانوں کی آبادی نے پندرہ فی صدی سے کبھی تجاوز نہیں کیا۔

بہمنی سلطانوں نے نئے نئے ڈیزائنوں کے متعدد قلعے تعمیر کرائے۔ گلبرگہ اور بیدر کی عمارتیں سلطانوں یا ان کے وزرا کی بنائی ہوئی ہیں۔ ان عمارتوں کے فن تعمیر کے بارے میں اس کتاب کے سولھویں باب میں ذکر کیا جائے گا۔

بہمنی سلطنت کے بعد جو پانچ مختلف ریاستیں قایم ہوئیں ان کی تاریخ کو بالتفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک وجیہ نگر سے ان ریاستوں کے تعلق کا سوال ہے اس کے بارے میں اگلے باب میں ذکر کیا جائے گا۔ ان میں گولکنڈہ اور بیجاپور بہت اہم ریاستیں تھیں اور دوسری ریاستوں کی بہ نسبت ان کی تاریخ بھی کافی طویل ہے۔ محمد قاسم نے جو اپنے تخلص فرشتہ کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ بیجاپور کے ابراہیم دویم (1580-1626)

ے حکم پر اپنی مشہور تاریخ تصنیف کی۔

معاون کتابیں

جے برگز :۔ ہسٹری آف دی رائز آف محمڈن پاورز ان انڈیا۔ (فرشتہ) جلد 2 ص 283-559 (کلکتہ 1909)

سر وولزے ہیگ :۔ دی کنگڈم آف ڈیکن۔ 1347-1436 (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد 3)

جے۔ ایس۔ کنگ :۔ دی ہسٹری آف دی بہمنی ڈائنسٹی (لندن 1900)

ایچ۔ کے۔ شیروانی :۔ محمود گاواں۔ (الہ آباد 1942)

ایم۔ سوم شیکھر۔ شرما :۔ اے فارگاٹن چیپٹر آف آندھرا ہسٹری (مدراس 1945)

این۔ وینکٹ رامنیہ :۔ دی ارلی مسلم ایکسپینشن ان ساؤتھ انڈیا (مدراس 1942)

دکن کے بہمنی سلطان:-

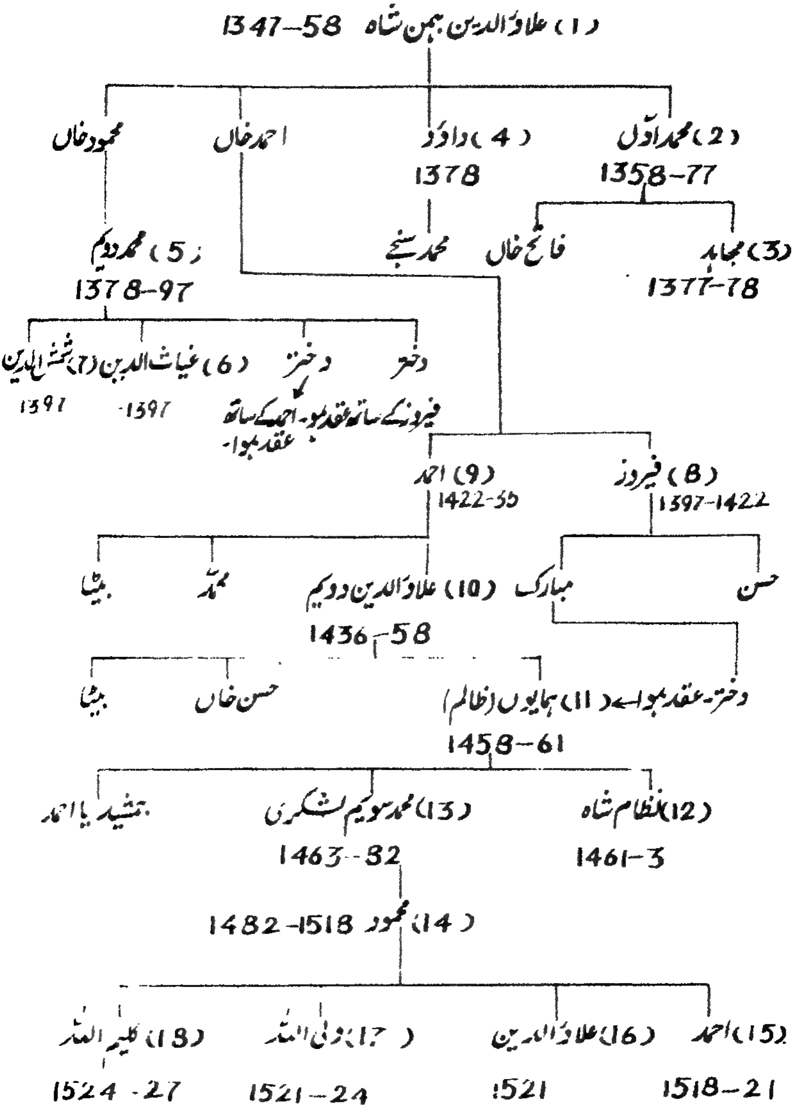

باب 12

وجیہ نگر سلطنت

ہری ہر اوّل۔ بکا اوّل۔ مدورا کی سلطنت کا خاتمہ۔ ہری ہر دوم۔ سلطنت کی توسیع بہمنی سلطنت کے ساتھ تعلقات۔ ویروپکش۔ بکا دوم۔ دیو رائے اوّل۔ راچندر۔ وجے رائے۔ دیو رائے دوم۔ گجپتوں اور ریڈیوں کے ساتھ تعلقات۔ عبدالرزاق۔ بہمنی جنگیں۔ وجے رائے دوم۔ ملّی کرجن۔ سلطنت کی کمزوری۔ اوڈا کی توسیع۔ وفادار جاگیردار ویروپکش دوم۔ سالو وانرسنگھ۔

سالوانرسنگھ کی لڑائیاں۔ امادی نرسنگھ اور تلو وا نرس نایک۔ ویرنرسنگھ۔ ویرنرسنگھ کے زمانہ میں بغاوتیں اور لڑائیاں۔ کرشن دیو رائے۔ اس کی عظمت اور کامیابیاں۔ اچیوت رائے۔ پرتگالیوں کی آمد۔ مدورا کے نایکوں کا عروج۔ وینکٹ اوّل۔ سداشو۔ رام راج اور جنوبی طاقتیں مثلاً پرتگالی اور مسلم ریاستوں سے اس کے تعلقات۔ راکشسی ٹانگڑی۔ وجیہ نگر کی تباہی۔

ترومل۔ شری رنگ اوّل۔ وینکٹ دوم۔ سلطنت کا احیا۔ ڈچ اور انگریزوں کی آمد۔ وینکٹ دوم کی موت کے بعد خانہ جنگی اور ابتری۔ شری رنگ دوم۔ رام دیو۔ وینکٹ سوم۔ اور شری رنگ سوم۔ کرناٹک سلطنت کا زوال۔ حکومت کا سیاسی۔ انتظامی اور فوجی نظام۔

پچھلے باب میں 1346 سے قبل وجیہ نگر کے عروج کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور سنگم کے پانچ لڑکوں یعنی ہری ہر، بکا اور ان کے بھائیوں کی مشترکہ سرگرمیوں کا مختصراً ذکر کیا

گیا ہے۔ بہمنی اور وجے نگر حکومتوں کے قیام کے بعد ہی ان کے مابین ابتدائی لڑائیوں کا بھی ذکر کیا جاچکا ہے۔ اس باب میں اب ہم وجے نگر سلطنت کی بعد کی تاریخ کا ذکر کریں گے۔ اس سلطنت نے مسلمانوں کے حملوں کی زبردست مخالفت کی اور دکن میں صدیوں تک ہندو تہذیب کا علم بلند رکھ کر اپنی سیاست حصول علوم وفنون لطیفہ میں قدیم ہندوستانی روایتوں کو برقرار رکھا۔ وجے نگر کی تاریخ آزاد جنوبی ہندوستان کی تاریخ کا ایک شاندار باب ہے۔

ہری ہر اوّل نے اس سلطنت کی بنیاد ڈالی اور انتظام حکومت کے طریق کار کو بھی بڑی حد تک تیار کیا۔ کنتیوں کے نمونہ انتظام پر عمل کرتے ہوئے اس نے ملک کو استھلوں اور ناڈوؤں میں منظم کیا اور براہمنوں کو کارنام کی حیثیت سے مقرر کرنا شروع کیا۔ اس نے سوناروں اور ویلموں پر جو پہلے ان عہدوں پر فائز ہوتے تھے براہمنوں کو ترجیح دی۔ اس نے وا الگذار اضلاع سے قابل کاشت آراضی کے بڑے حصوں کو دوبارہ حاصل کیا۔ اس کی حکومت 1357 کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ختم ہوگئی ہوگی کیونکہ اس کی حکومت کے بارے میں جو کتبے دریافت ہوئے ہیں ان میں آخری تاریخ یہی درج ہے۔ ہری ہر نے اپنے مرنے سے قبل اپنے بھائیوں میں سب سے قابل بھائی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ درحقیقت یہ بھائی جسے "تخت کا سہارا" کہا گیا ہے۔ 1346 میں مشترک حکمراں بن گیا تھا۔ اس کا دارالخلافہ گتی تھا۔

بکّا اوّل نے واحد حکمراں کی حیثیت سے 1377 تک بیس سال تک حکومت کی۔ بیرونی معاملات میں اس کا سب سے زیادہ قابل غور اقدام یہ تھا کہ اس نے چین کو اپنا ایک سفیر روانہ کیا۔ اس کا ذکر مِنگ خاندان کی 1374 کی تاریخ میں شامل ہے۔ اندرونی معاملات میں اسے بہمنی سلطنت کے خلاف بالخصوص محمد اوّل اور مجاہد سے اکثر نبرد آزما ہونا پڑتا تھا۔ ان لڑائیوں میں زبردست نقصانات برداشت کرنا پڑے۔ لڑائیوں کا ذکر پچھلے باب میں کیا جاچکا ہے۔ گلبرگہ کے تخت پر 1378 میں محمد دوئم کی تخت نشینی کے بعد مستقبل کی لڑائیوں میں خاموشی واقع ہوئی کیونکہ نیا سلطان بنیادی طور پر ایک امن پسند انسان تھا۔

بکّا کی حکومت کا اہم ترین قابل ذکر واقعہ یہ ہوا کہ اس کے لڑکے کمپن نے مدورا کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ کمپن اپنے والد کی حکومت کے ابتدائی زمانہ سے ہی سلطنت

ے جنوبی حصہ پر وائسرائے کی حیثیت سے حکومت کرتا تھا۔ اسے گوبن اور سلووا منگو ایسے شہرہ آفاق فوجی افسران کا اپنے فرائض کی انجام دہی میں زبردست تعاون حاصل رہا۔ سب سے پہلے اس نے شمالی اور جنوبی ارکاٹ کے سمبوورایوں کو اپنی طاقت کا احساس کرا دیا۔ جب وہ اس کے مطیع ہو گئے تو اس نے مدیورا کے سلطان کے خلاف یورش میں ان کا اشتراک حاصل کیا۔ اس یورش کی تفصیلات میسر نہیں ہیں لیکن اس کی بیوی گنگا دیوی کی تصنیف کردہ خوبصورت سنسکرت نظم "مدیورا وجے یم" (مدیورا کی تسخیر) میں شاعرانہ طور پر اس کا ذکر کیا گیا ہے نظم میں کہا گیا ہے کہ شمبو ورایوں پر فتح پانے کے بعد جب کمپن کانچی پورم میں مقیم تھا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ پانڈیہ دلیش کی دیوی نے اس علاقہ کی زبوں حالت کو جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھا اس سے بیان کیا اور اسے اگستیا کی بھیجی ہوئی تلوار دے دی۔ یہ تلوار پانڈیہ فرماں برداری کا نشان تھی جس کے استعمال کی طاقت پانڈیہ حکمرانوں میں اب باقی نہیں رہ گئی تھی۔ چونکہ پانڈیہ حکمراں مدیورا پر دوبارہ قبضہ نہیں کر سکتے تھے اس لیے کمپن کی مدیورا کے سلطان کے خلاف یورش تاریخی نقطۂ نظر سے سخت حق بجانب تھی۔ یہ یورش 1365 سے 1370 کے درمیان کی گئی۔ رنگ ناتھ کے مورتی کو جسے مسلمانوں کے حملوں کے زمانہ میں حفاظت کے خیال سے سری رنگم سے لے جایا گیا تھا 1371 میں اسی جگہ پر دوبارہ نصب کر دی گئی۔ کمپن 1374 میں انتقال کر گیا۔

ہری ہر اوّل نے جو کام شروع کیا تھا اسے اس کے جانشین بکّا اوّل نے جاری رکھا۔ بکّا اوّل کی فرماں روائی دور دور تک تسلیم کر لی گئی۔ وجیہ نگر سلطنت مختلف ریاستوں میں تقسیم تھی۔ ان ریاستوں پر شاہی خاندانوں کے شہزادے یا قابل اعتماد فوجی افسران حکومت کرتے تھے۔ یہ ریاستیں درج ذیل تھیں (1) ارنے گری راجیہ (نیلور اور کڈپّا) پینوگوندراجیہ بلاری، اننت پور اور شمالی میسور کے کچھ حصے) مولوائی راجیہ (میسور کے کچھ حصے۔ سلیم اور جنوبی ارکاٹ کے اضلاع) ارگ یا ملیھ راجیہ (بن واسی۔ چندر گتی اور گوا) اور تولو راجیہ جسے براکور منگلور راجیہ بھی کہتے تھے۔ ان کے علاوہ راج گمبھیر راجیہ اور دوسرے راجیہ بھی شامل تھے۔

بکّا اوّل کے بعد اس کا لڑکا ہری ہر دوئم تخت نشین ہوا۔ اس نے ستائیس سال تک حکومت کی۔ (1377—1404) اس نے پورے جنوبی ہند پر وجیہ نگر حکومت کا

اقتدار قائم کیا۔ مادھو کا بھائی سائن آچاریہ اس کا وزیر اعلا تھا۔ ہری ہر دوئم نے اپنے چچازاد بھائیوں کو ہٹاکر اپنے لڑکوں کو صوبوں کا گورنر بنایا۔ اور اس طرح وہ اپنے دور دراز کے گورنروں کی حوصلہ مندی کی بنا پر تفرقہ کے رجحانات کو ختم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس طرح دیوارائے اڈے گری کا گورنر مقرر کیا گیا۔

راج کونڈ کے ویلم سردار انپوت کے حملے کے بعد تلنگانہ میں ایک اہم تبدیلی واقع ہوئی۔ یہ حملہ کاپیہ نایک کی شکست انتقال کا باعث بنا۔ انپوت بہمنی کے سلطان کا دوست تھا اس کی دوستی سے کونڈ وڈو اور وجیہ نگر کو خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ ہری ہر دوئم کے لڑکے بکا دوئم نے 1390 سال کے ختم ہونے سے پہلے ہی وارنگل کے علاقے پر دوبارہ حملہ کیا۔ لیکن کوئی فیصلہ کن نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ سات سال کے بعد بیگل پر قبضہ کر لیا گیا۔ یہ فتح اس خیال سے کافی اہم معلوم ہوتی ہے کہ بکا دوئم کو مستقبل میں تلنگانہ کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے ایک صدر کیمپ حاصل ہوگیا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت جلد قبضہ سے نکل گیا۔

وجیہ نگر سلطنت کی دوسرے اطراف میں بھی توسیع ہوئی۔ شمال مغرب میں مسلمانوں سے گوا، چول، اور دبھول اور کھرے پٹن کے بندرگاہ لے لیے گئے اور کچھ عرصے کے لیے وجیہ نگر سلطنت کی شمالی سرحد دریائے کرشنا بن گئی۔ کونڈ وڈو کے ریڈیوں سے کرنول، نیلور اور گنتور کے کچھ حصے بھی چھین لیے گئے (85-1382) شہزادے ویروپکش نے جنوب میں شری لنکا تک دھاوا بول دیا اور اسے خراج دینے پر مجبور کیا۔ اس طرح وجیہ نگر حکومت کا جنوب میں اقتدار بڑھ گیا۔ یہ کامیابیاں بالخصوص جو شمال میں حاصل ہوئیں۔ بلاشبہ جزوی طور پر کسی حد تک بہمنی سلطان محمد دوئم کے امن پسندی اور اس ابتری کی بنا پر حاصل ہوئیں جو اس کے حوصلہ مند ترکی غلام تغلچین کی اقتدار کارروائیوں کی بنا پر پھیل گئی تھی۔

بہمنی اور وجیہ نگر حکومتوں کے درمیان 99 — 1398 میں دوسری خوفناک لڑائی ہوئی جس میں بہمنی سلطان فیروز کی فوج نے ہری ہر دوئم کا دریائے کرشنا کے کنارے سے دارالخلافہ تک تعاقب کیا تھا۔ فیروز نے ہندو آبادی کا قتل عام کرایا اور جنگ کو اسی وقت ختم کرنے پر راضی ہوا جب کہ اسے بے شمار قیدیوں کی رہائی کے لیے کثیر رقم بطور زر رستگاری حاصل ہوگئی۔ دونوں فریقوں نے جس صلحنامہ پر دستخط کیے اس میں بہت سی مبہم باتیں بھی شامل

تھیں۔ مثلاً یہ کہ دونوں سلطنتوں کی سرحدیں وہی رہیں گی جو جنگ سے قبل تھیں اور یہ کہ ہر فریق دوسری حکومت کی ایذارسانی سے گریز کرے گا۔ اسی اثنا میں دکن کے ایک بہت بڑے علاقے میں زبردست قحط پڑنے کی وجہ سے عوام کی مصیبتوں میں مزید اضافہ ہوگیا۔ ہری ہر دویم نے سالانہ خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ لیکن دو برس بعد جب مالوہ اور گجرات کے سلطانوں سے اس کی دوستی ہوگئی تو اس نے خراج دینا بند کر دیا۔

ہری ہر دویم کے اگست 1404 میں انتقال کے بعد اس کے لڑکوں کے درمیان تخت کے لیے زبردست جھگڑا شروع ہوگیا۔ سب سے پہلے وبرد پکش تخت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا لیکن بکا دویم نے بہت جلد اسے تخت سے ہٹا دیا اور دو برس تک حکومت کی۔ (6 — 1405) اخیر میں دیو رائے اوّل راجہ بنا اور اس نے 5 نومبر 1406 کو اپنا جشن تاجپوشی منایا۔

پرتگالی مورخ نونیز کے کہنے کے مطابق بکا دویم اور دیو رائے نے وجیہ نگر شہر کی بڑی توسیع کی۔ انھوں نے شہر کی کئی دیواریں، مینار اور ترتیب کے ساتھ قلعہ تعمیر کرائے۔ لیکن سیول کا بیان ہے کہ ان کا "اہم ترین کام دریائے تنگ بھدرا پر ایک بہت بڑا باندھ اور دریا سے پندرہ میل دور تک ایک نہر تعمیر کروانا تھا۔ اگر یہ وہی نہر ہے جس سے آج بھی کھیتوں کی آب پاشی ہوتی ہے جو پرانے شہر کے کافی بڑے رقبے میں پھیلے ہوئے ہیں تو یہ درحقیقت ایک غیر معمولی تعمیری کام تھا۔ یہ نہر پہاڑوں کے درمیان سے ٹھوس چٹانوں کو کاٹ کر تیار کی گئی ہے اور ہندوستان کے اہم ترین آب پاشی کے ذرایع میں شمار کی جاتی ہے۔"

دیو رائے کو اپنی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں بہمنی سلطان فیروز کے ساتھ جنگ کرنا پڑی۔ فرشتہ کے مطابق لڑائی کا سبب دیو رائے کا مدگل میں مقیم ایک خوبصورت لڑکی پر فریفتہ ہونا تھا۔ لیکن ایک دوسرے مورخ کے مطابق لڑائی کا سبب یہ تھا کہ فیروز نے ہندو راجہ کے خلاف جہاد کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ شروع میں لڑائی فیروز کے حق میں نہیں رہی۔ لیکن صلح کے بعد شرائط ہندو راجہ کے لیے بہت شرمناک تھے۔ اسے بانک پور کا قلعہ جو فوجی نقطۂ نظر سے بہت اہمیت رکھتا تھا فیروز کو دینا پڑا۔ یہ قلعہ وجیہ نگر سے بحر عرب تک کے اہم راستہ کی نگرانی کے لیے بہت اہم تھا۔ دیو رائے کو اپنی ایک بیٹی کی شادی بھی فیروز کے ساتھ کرنا پڑی۔

کونڈوڈو کے ریڈیوں نے جو شاید فیروز کے ساتھ ساز باز رکھتے تھے موقع سے فائدہ اٹھاکر اودے گری پر حملہ کر دیا اور اس صوبے کے کچھ علاقے پر قبضہ کر لیا۔ انھیں یہاں سے 1413 میں ہٹایا گیا۔

فیروز کا دوسرا حلیف انادیو Anadeua تھا۔ یہ دریائے کرشنا اور گوداوری کے درمیانی علاقے کا تیلوگو سردار تھا۔ انا دیو کے اثر کو ختم کرنے کے خیال سے دیورائے نے راج ہیندر ورمن (راج مندری) کے ریڈی سردار کاتیہ ودیم سے جو اس کا بہنوئی بھی تھا دوستی کر لی تھی۔ 1415 میں لڑائی چھڑ گئی۔ شروع میں انادیو کی ہار ہوئی۔ پھر فیروز اس کی مدد کے لیے میدان میں آگیا۔ کاتیہ ودیم لڑائی میں مارا گیا۔ دیورائے کی فوج کو بھی شکست ہوئی اور فیروز تلنگانہ میں اپنی فرماں روائی برقرار رکھ سکا۔ دیورائے نے پنگل پر قبضہ کر کے انتقام لیا اور فیروز کے رسل رسائل کو خطرہ لاحق ہوگیا۔ اس کے بعد بہمنی فوج نے شہر کا دو سال تک محاصرہ کیا۔ راج کونڈ کے ویلموں نے بہمنی فوج کا ساتھ چھوڑ دیا اور دیورائے سے آکر مل گئے۔ بہمنی فوج اس طرح کمزور ہوگئی۔ پھر طاعون پھیل جانے کی وجہ سے بہمنی فوج کی تعداد اور بھی کم ہوگئی۔ دیورائے کو 1419 میں مکمل طور پر فتح حاصل ہوگئی۔ کاتیہ ودیم کے جنرل الاڈ Allada کا اپنے آقا کے لڑکے کمار گری کا پورے طور پر ساتھ دینے کی بنا پر راج مندری کی ریڈی سلطنت دوبارہ پنپ گئی۔ کونڈوڈو کو دیورائے اور راج کونڈ کے ویلموں کے درمیان بانٹ لیا گیا (1420)۔ اس طرح کونڈوڈو کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ ان تمام لڑائیوں میں دیورائے کے لڑکے ویرو جے رائے اور اس کے وزیر لکشمی دھر نے نمایاں طور پر مدد دی۔ لکشمی دھر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے بادشاہ کو اس کے قتل کی سازش سے بھی بچایا تھا۔ دیورائے کے 1422 میں انتقال کے بعد اس کا لڑکا رام چندر کچھ مہینوں کے لیے تخت پر بیٹھا۔ اس کے بعد اس کا بھائی ویرو جے رائے تخت نشین ہوا۔ دیورائے کی حکومت کے آخری دنوں میں اطالوی سیاح نکولوکونٹی وجیہ نگر آیا۔ اس شہر کے بارے میں اس کے تاثرات آج بھی محفوظ ہیں۔

ویرو جے رائے کی مدت حکومت کے بارے میں مختلف اندازے لگائے جاتے ہیں۔ اندازاً اتنا تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ یہ مدت پانچ سال 26-1422 تک رہی۔ نونیز لکھتا ہے کہ "اس نے کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا۔" اس کا لڑکا دیورائے دوئم جو اس کے بعد تخت

پر بٹھایا۔ انتظام حکومت میں اپنے والد کے ساتھ شروع سے وابستہ تھا۔ بہمنی سلطانوں سے دائمی رنجش قایم رہی۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد احمد شاہ نے وجیہ نگر کے خلاف لڑائی چھیڑ دی وجیہ نگر کی فوج کو شکست فاش ہوئی اور ملک کے عوام کو بلا تفریق قتل اور تباہ کیا گیا۔ دونوں فوجیں دریائے تنگ بھدرا کے کناروں پر خیمہ زن ہوئیں۔ وجے کے خیمے پر اچانک علی الصباح حملہ کیا گیا۔ وجے بھاگ کر گنے کے کھیت میں چھپ گیا۔ مسلمانوں نے اسے تلاش کر لیا۔ لیکن انھوں نے وجے کو ایک معمولی مزدور سمجھا اور جب سپاہیوں کو سلطان کی فتح کی اطلاع ملی تو انھوں نے اسے چھوڑ دیا اور اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔ احمد شاہ نے اس غیر محفوظ علاقے کو روند ڈالا "اس نے انسانیت کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھ دیا اور بزدست خود ہندو کی مقتولین کی تعداد جب بیس ہزار پہنچ گئی تو اس نے تین دن قیام کر کے قتل و غارت گری کا جشن منایا۔ اس نے مندروں کی مورتیاں توڑیں اور براہمنوں کی درسگاہوں کو برباد کر دیا" صلح سے قبل وجے کو بہت بڑی رقم بقایا خراج کے طور پر ادا کرنا پڑی اور اسے اس بات پر راضی ہونا پڑا کہ فاتح سلطان اس کی رعایا کو جس میں کچھ عالم براہمن بھی شامل تھے قیدی بنا کر لے جائے۔

تقریباً 1426 میں وجے رائے کا لڑکا دیو رائے دوم تخت نشین ہوا۔ دیو رائے کے لقب " گج بینکار " یعنی ہاتھیوں کے شکاری کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو اس تشبیہ سے یہ مفہوم نکل سکتا ہے کہ اس نے اپنے دشمنوں پر جو ہاتھی کے مانند تھے فتح حاصل کر لی تھی۔ دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ہاتھیوں کا شکاری تھا۔ تقریباً 1428 تک اس نے کونڈوڈو پر حملہ کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ کونڈوڈو کی ریاست اس کے جابر حکمراں پیڈاکومانی ویم کے 1420 میں انتقال کے بعد کمزور اور غیر منظم ہو گئی تھی۔ کونڈوڈو کی ریاست کو شامل کر لینے کے بعد دیو رائے نے اڑیسہ کی گج پتی ریاست پر بھی حملہ کیا کیونکہ کونڈوڈو کے حملہ کے بعد اسے گج پتی ریاست کے ماتحت حکمرانوں کا مقابلہ کرنا لازمی ہو گیا تھا۔ لیکن جنگ سے قبل راج مندری کے الاّدریڈی نے مداخلت کر کے مخالف فریقین کے مابین صلح کرا دی اس کے کچھ دن بعد الادریڈی، کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کے دو لڑکے اَنّے ویم اور ویرہ بھدر تخت پر بیٹھے ان دونوں لڑکوں نے کلنگ کی تذلیل کر کے اپنی طاقت بڑھانے میں اپنے والد کی حکمت عملی کو جاری رکھا۔ جب کلنگ پر 1435 میں ایک مشہور حکمراں کپلیشور تخت نشین ہوا تو قدرتی طور پر گج پتی نے راج مندری پر حملہ کر دیا۔ راج مندری کے حکمرانوں کے وجیہ نگر سلطنت

کے ساتھ سیاسی تعلقات تھے۔ یہ تعلقات خاندانی شادیوں کی بنا پر اور بھی زیادہ مضبوط ہو گئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے وجیہ نگر سے امداد طلب کی۔ دیو رائے مدد کے لیے فوراً تیار ہو گیا۔ اس کی فوج نے کلنگ کی فوج کو مار بھگایا۔ راج مندری کو اس طرح عارضی طور پر سکون حاصل ہو گیا۔ لیکن دیو رائے کے انتقال کے بعد کپلیشور نے اس پر قبضہ کر لیا۔

دیو رائے نے کیرل پر بھی حملہ کیا۔ اور کوئیلن اور دوسرے سرداروں کو مغلوب کر کے اپنا اقتدار قایم کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کالی کٹ کا بادشاہ زمورن خود مختار بنا رہا۔ ایرانی سیاح عبدالرزاق جو اس کے زمانہ حکومت میں جنوبی ہندوستان آیا کہتا ہے کہ کالی کٹ کا بادشاہ اگرچہ اس کا ماتحت نہ تھا پھر بھی وہ دیو رائے سے بہت ڈرتا تھا اور جب وجیہ نگر کے شہنشاہ کا اسے پیغام ملا کہ وہ ایرانی سیاح کو بغیر کسی تاخیر کے وجیہ نگر کے دربار کے لیے روانہ کر دے تو اس نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ عبدالرزاق نے اس امر کی بھی توثیق کر دی کہ پورے جنوبی ہندوستان پر دیو رائے کا ہی اقتدار اعلا تھا۔ عبدالرزاق کے بیان کے مطابق دیو رائے کی سلطنت شری لنکا سے گلبرگہ تک اور بنگال (اڑیسہ) سے مالابار تک پھیلی ہوئی تھی۔ نونیز وثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ دیو رائے کوئیلن، شری لنکا، پولی کٹ، پیگو، تناسرم اور دوسرے مقامات کے حکمرانوں سے خراج وصول کرتا تھا۔

بہمنی کے سلطان کے ساتھ دیو رائے کے تعلقات بہر کیف مخاصمانہ ہی رہے۔ علاؤالدین دوئم نے اپنی تخت نشینی کے فوراً بعد 1436 میں اپنے بھائی محمد کو بقایا خراج وصول کرنے کے لیے وجیہ نگر روانہ کیا۔ دیو رائے کو ایک کثیر رقم ادا کرنا پڑی۔ بہمنی فوج کے مقابلے میں وجیہ نگر کی فوج کی متواتر شکست سے دیو رائے نے اپنے امرا کی ایک مجلس مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب اور ان کا مقابلہ کرنے کے طریقوں پر غور کرنے کے لیے منعقد کی۔ مسلمانوں کو نتیجتاً فوج میں ملازمت ملنے لگی۔ اور انھیں اپنے مذہب کے معاملات میں بعد کی پوری آزادی بھی دی گئی۔ تخت کے سامنے قرآن رکھا گیا تاکہ مسلمان سپاہی شریعت کی خلاف ورزی نہ کرتے ہوئے بادشاہ کی موجودگی میں رسم بندگی ادا کر سکیں۔ مزید براں ہندو سپاہیوں کو بہتر تربیت دی گئی۔ خاص طور پر تیر اندازی میں اس تنظیم کے بعد فوج موثر طور پر حملہ کرنے کے لیے طاقت ور بن گئی۔

عبدالرزاق کا بیان ہے کہ جب وہ 1443 میں کالی کٹ میں مقیم تھا تو دیو رائے

کے ایک بھائی نے ایک دعوت کے موقعہ پر دیو رائے کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ سازش ناکام ثابت ہوئی۔ بادشاہ اپنی صحت کے خراب ہونے کی وجہ سے دعوت میں شرکت نہ کر سکا۔ لیکن بہت کافی امرا اس پھندے میں پھنس گئے اور انھیں اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ علاؤ الدین بہمنی دوئم کو بظاہر اس سازش کا علم تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی پریشانی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور دیو رائے سے سات لاکھ وراہوں (گھوڑا) کا مطالبہ کیا۔ دیو رائے نے اس کا سرکشی کے ساتھ جواب دیا اور فوراً رائچور دوآب پر حملہ کر دیا۔ ابتداً دیو رائے کو کامیابی حاصل ہوئی اس نے مدگل پر قبضہ کر لیا۔ رائچور اور بانک پور کا محاصرہ کیا اور بیجاپور تک علاقے کو ویران بنا دیا۔ لیکن بہمنی فوج نے جلد ہی دوبارہ حملہ کیا اور دیو رائے کو مدگل تک پیچھے ہٹنے کے لیے مجبور ہونا پڑا۔ بعد میں جو تین لڑائیاں ہوئیں ان میں دیو رائے کا دوسرا لڑکا مارا گیا اور فوج کو بھاگ کر مدگل کے قلعہ میں پناہ لینا پڑی۔ بہمنی فوج کے دو جنرل گرفتار کر لیے گئے لیکن سلطان نے دھمکی دی کہ اگر انھیں رہا نہیں کیا گیا تو تمام ہندو آبادی کو قتل کرا یا جائے گا۔ دیو رائے اپنی کمزوری کی بنا پر سلطان کی شرائط کو ٹھکرانے کی جرأت نہ کر سکا۔

دیو رائے کو عمارتیں بنوانے کا بڑا شوق تھا۔ وہ شعرا کا بھی سرپرست تھا۔ وہ خود بھی ایک ادیب اور مصنف تھا۔ وہ متعدد ادبی مناظروں کی صدارت کے مشہور ہے۔ ایسے ہی ایک ادبی مناظرہ میں تلگو شاعر شری ناتھ جو دربار کے خاص شاعر سے مشہور و معروف ڈنڈیا خاندان سے تعلق رکھتا تھا سبقت لے گیا۔ کہا جاتا ہے کہ شری ناتھ پر سونے کے ٹانکوں کی زبردست بارش کی گئی۔

دیو رائے کی طویل اور عام طور پر کامیاب حکومت اس کے 1446 میں انتقال کے بعد ختم ہو گئی۔ اس کے بعد وجے رائے دوئم تخت نشین ہوا۔ لیکن جلد ہی مئی 1447 سے قبل اس کا لڑکا ملک ارجن بادشاہ ہوا۔

ملک ارجن کمزور اور نکما بادشاہ تھا۔ اس کے تخت پر بیٹھتے ہی ملک میں ہر جگہ پھوٹ ابتری، اور تباہی شروع ہو گئی۔ سلو وا نرسنگھ نے اپنے تدبر اور فوجی قابلیت کی بنا پر چالیس سال سے بھی زیادہ مدت کے بعد وجیہ نگر سلطنت کو دوبارہ مضبوط اور طاقتور بنایا۔ اس درمیانی مدت میں قدیم شاہی خاندان کے افراد کے خلاف زبردست احتجاج، بے اطمینانی اور مخالفت کی گئی جس میں متعدد ہلاک بھی ہوئے۔ ملک ارجن کی حکومت کے

ابتدائی زمانہ میں بہمنی حکومت نے جب ویلماؤں کے دار الخلافہ راج کونڈ پر قبضہ کر لیا تھا تو وہ دیلوگو (ضلع کرنول) میں آکر مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ پڑوس کے چھوٹے چھوٹے سرداروں نے بھی بدامنی پھیلائی اور سلطنت کو کمزور بنا دیا۔ اس نازک صورت حال سے بہمنی کے علاؤالدین دوئیم اور گج پتی دونوں نے ہی فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے وجیہ نگر شہر کا محاصرہ کیا۔ لیکن جیسا کہ اس شہر کے نام سے ظاہر ہے اس نے ان تمام لوگوں کی کوششوں پہ پانی پھیر دیا اور فوجوں کو کسی خاص کامیابی کے بغیر ہی وہاں سے ہٹنا پڑا۔

کپلیشور نے بہر کیف پھر بھی لڑائی جاری رکھی۔ اس نے 1454 سے قبل تلنگانہ کے ویلما اور کھتری سرداروں کی مدد سے راج مندری اور کونڈوڈو پر قبضہ کر لیا۔ اس نے سری شیلم تک علاقہ فتح کر لیا۔ اس فتح میں کرنول ضلع کا بھی بہت بڑا حصہ شامل تھا۔ اس نے تلنگانہ میں واقع ورانگل کو فتح کرنے کے لیے اپنے لڑکے ہمبر کو محمود گوان کے خلاف روانہ کیا۔ اس نے نیلور میں اودے گری اور وجیہ نگر سلطنت کے جنوب میں واقع ہوئے کانچی پورم اور ترچناپلی بھی فتح کر لیے (1463)۔

اودسا سلطنت اس زمانہ میں اپنی وسعت کے لحاظ سے پورے عروج پر تھی۔ اس کا اثر دریائے گنگا سے دریائے کاویری تک پھیلا ہوا تھا۔ تیلوگو اضلاع تو کچھ عرصہ تک اڑیسہ حکومت میں شامل رہے لیکن وجیہ نگر کے قبضہ سے اس کا جنوبی علاقہ بھی نہیں نکل سکا۔ جنوبی ہند پر اڑیسہ حکومت کا حملہ ایک چھاپے کی شکل میں تھا اور وہ جس قدر جلد واقع ہوا تھا اسی قدر عجلت سے حملہ آور واپس بھی لوٹ گئے۔ وجیہ نگر حکومت کی فرماں روائی اس کے سرداروں کی وجہ سے قائم رہی یہ سردار وجیہ نگر کے بادشاہ ملک ارجن سے آزاد رہ کر حکومت کرتے تھے۔ ان میں ایک سردار سلوا گوپ تھا جو ترو ملائی دیو مہاراج کے نام سے بھی مشہور تھا۔ یہ ترچناپلی، تنجور، اور پوڈوکوتائی کے علاقہ پر حکومت کرتا تھا۔ اسی طرح مشہور دوسرا سردار سلوا نرسنگھ تھا جو سلطنت کے مرکزی اور مشرقی حصوں پر حکومت کرتا تھا۔ سلوا نرسنگھ کی مدد الیشور کرتا تھا جو تولو خاندان کا ایک بہادر سپاہی تھا۔ ملک ارجن کسی وقت جون اور اکتوبر 1465 کے درمیان انتقال کر گیا۔

ملک ارجن نے ایک کمسن لڑکا راج نسیکھر چھوڑا۔ تخت پر راج نسیکھر کے چچازاد بھائی ویروپکشں دوئیم نے قبضہ کر لیا۔ ویروپکشں پرتاپ دیورائے کا لڑکا اور دیورائے دوئیم

کا چھوٹا بھائی تھا۔ وجیہ نگر کا بادشاہ بننے سے قبل وہ کئی سال تک پینو گونڈا کا حکمراں رہا۔ نونیز کا بیان ہے کہ "وہ بدکاری کا عادی تھا۔ عورتوں کے علاوہ اور کسی بات کی پرواہ نہ کرتا تھا اور شراب پی کر بدحواس پڑا رہتا تھا" ایسی حالت میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اگر گوا اور بیلگام کے ساتھ ساتھ سلطنت کا کافی بڑا حصہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ مرکزی حکومت کی طاقت روز بروز کمزور ہوتی گئی اور طاقتور صوبائی گورنروں کی کوشش سے ہی سلطنت کو منتشر ہونے سے روکا جا سکا۔ ان میں سب سے نمایاں چندرگری راجیہ (صوبہ) کا حکمراں سلووا نرسنگھ تھا جس کے کتبے 1456 سے ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ اوڈ حکومت کے حملے سے (1463) سلووا نرسنگھ کے علاقے کو لازمی طور پر نقصان پہنچا ہوگا۔ لیکن اس حملے کے بعد ہی اس نے گج پتی کے خلاف جنگ شروع کر دی اور کچھ عرصہ تک محاصرہ کے بعد 1470 میں اودے گری کو فتح کر لیا۔ اس نے تامل اضلاع کی بغاوت کو بھی فرو کیا۔ اڑیسہ میں کپلیشور کی وفات کے بعد جو خانہ جنگی شروع ہوئی۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نرسنگھ اپنی سلطنت کے مشرقی اضلاع سے اڑیوں کو مار بھگایا اور گوداوری تک کے پورے علاقے کا مالک بن گیا۔ کونڈوڈو اور مسولی پٹم 1477 سے پہلے ہی اس کے قبضہ میں آچکے تھے۔ یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ نرسنگھ نے پرشوتم گج پتی کو اڑیسہ کا تخت حاصل کرنے میں مدد دی تھی جہاں سے اسے بہمنی سلطنت محمد سوئم کی مدد سے ہمبر نے نکال دیا تھا۔ نرسنگھ اور پرشوتم گج پتی کو سلطان کے غیظ و غضب کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بعد 1478 سے 1481 تک جو جنگ ہوئی اس کا ذکر پچھلے باب میں کیا جا چکا ہے۔ تلوا جنرل ایشور نے سلطان کو اس مال غنیمت کا کافی بڑا حصہ چھین کر جو سلطان نے کانچی پورم پر چھاپا مار کر حاصل کیا تھا مخصوص شہرت حاصل کر لی۔

ویروپکش دوئم نے 1485 کے وسط تک حکومت کی۔ اس کے بعد اس کے بڑے لڑکے نے اسے قتل کر دیا۔ باپ کو قتل کرنے کے بعد وہ خود تخت پر نہیں بیٹھا بلکہ اپنے چھوٹے بھائی پدیا راؤ (پرے اودہ پورائے) کو تخت پر بٹھایا۔ نئے بادشاہ نے اپنی تخت نشینی کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ اس اپنے بھائی کو جس کی بدولت اسے تخت حاصل ہوا تھا قتل کروا دیا۔ اس کے بعد وہ عیاشی میں پڑ گیا اور سلطنت کے کام سے غفلت برتنے لگا۔ سلووا نرسنگھ نے خیال کیا کہ سلطنت کو بچانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ پرانے شاہی خاندان کا خاتمہ کر دیا

جائے اور وہ خود شاہی لقب اختیار کرے۔ چنانچہ اس نے اپنے جنرل نرس نایک کو وجیہ نگر پر حملہ کرنے اور اس پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ نونیز نے اس سلسلہ کے آخری واقعات کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ کس طرح نرسنگھ کا کپتان شہر کے پھاٹکوں پر پہنچا اور انھیں کس طرح دفاعی فوج کے بغیر پایا۔ وہ کس طرح شاہی محل میں داخل ہوا جہاں کوئی بھی اس کا مقابلہ کرنے والا نہ تھا۔ وہ کیسے حرم میں داخل ہوا کس طرح کچھ عورتوں کو قتل کیا اور اخیر میں بزدل بادشاہ کس طرح بھاگا۔ اس کے بعد نرسنگھ کو ترقی دے کر کس طرح بادشاہ بنایا گیا (1486) اور اس کے بعد اس کے نام پر سلطنت قایم کی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ اس طرح غاصبانہ طور پر قبضہ کرنے کے بعد نرسنگھ اور اس کے مددگاروں نے وجیہ نگر سلطنت کو منتشر ہونے سے بچا لیا۔ لیکن اس کے باوجود نرسنگھ کے حصولِ اقتدار کی بنا پر اس کی کافی مخالفت بھی کی گئی۔ اور اسے ضدی سرداروں مثلاً پیرانی پرد اکڈ یا ضلع کے سمبیتوٹل میسور کے نزدیک اُمّاتور کے پالیہ گروں اور دوسرے سرداروں سے جنگ کرنے اور انھیں اپنا تابع بنانے میں کافی وقت اور طاقت کا استعمال کرنا پڑا۔ وہ اپنی اندرونی پریشانیوں پر بلا شبہ قابو پا سکا لیکن ان کی بنا پر وہ اپنے بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کرنے میں کافی کمزور ہو گیا۔ مثال کے طور پر محمد سویم کی وفات کے بعد بہمنی سلطنت کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جب پرشوتم گج پتی نے تقریباً 1481 میں اڑیسہ کے جنوب میں واقع تمام ساحلی علاقہ نیلور ضلع میں گندلکما ندی تک فتح کر لیا اور اودے گری تک بڑھ آیا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا تو اس وقت نرسنگھ کی تمام تر کوششیں محاصرین کو ہٹانے میں رائیگاں ہوئیں۔ وہ لڑائی میں ہار گیا اور گرفتار کر لیا گیا۔ اور اودے گری کا قلعہ اور قرب وجوار کا علاقہ گج پتی کو سپرد کر دینے کے بعد ہی اپنی رہائی حاصل کر سکا۔

ویرو پکش دویم کے زمانۂ حکومت میں مغربی بندرگاہوں کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد عرب تاجروں کے ذریعے گھوڑوں کی تجارت میں زبردست رکاوٹ پڑ گئی تھی۔ وجیہ نگر حکومت اپنی گھوڑ سوار فوج کے لیے انہی تاجروں سے گھوڑے حاصل کرتی تھی۔ نرسنگھ نے تولو دلیش ختم کر کے اور ہونا ور، بھٹکل (بھاتیکل) باکتور اور منگلور کے بندرگاہوں پر اپنے آدمی تعینات کر کے گھوڑوں کی تجارت کو دوبارہ شروع کیا۔ نونیز کے کہنے کے مطابق وہ ارمز اور عدن سے اپنی سلطنت کے لیے گھوڑے منگواتا تھا اور تاجروں کو ان کے منہ مانگے دام دے کر انھیں اچھا نافع

کمانے دیتا تھا" اس نے اپنی فوج کے سپاہیوں میں عسکری جذبہ پیدا کرنے اور انھیں مؤثر
بنانے کے سلسلہ میں بھی اقدامات کیے۔

اودے گری کی شکست کے بعد نرسنگھ بہت دن تک زندہ نہ رہ سکا اور 1491
میں اس دنیا سے چل بسا۔ اس نے دو چھوٹے لڑکے چھوڑے جنھیں اس نے تولو ایشور کے
لڑکے اور اپنے وفادار جنرل نرس نایک کی سپردگی میں چھوڑ دیا۔ نرس نایک نے پہلے بڑے
شہزادے تما بھوپ کو راجہ بنایا۔ لیکن نرس نایک کے حریف تمارس نے تما بھوپ کو مروا ڈالا
اس کے بعد اس نے دوسرے لڑکے امادی نرسنگھ کو تخت پر بٹھایا۔ (1491) لیکن قایم مقام
فرماں روائی کی حیثیت سے کل اختیارات نرس نایک نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھے۔ اپنے سلووا
لقب کے ساتھ ساتھ شاہی روش بھی اختیار کی۔ ایسی حالت میں بادشاہ اور اس کے درمیان
ان بن ہو گئی جو اس وقت اور بھی سختی اختیار کر گئی۔ جب کہ امادی نرسنگھ نے نرس نایک کی
خواہش کے مطابق اپنے بڑے بھائی کے قاتل تمارس کو سزا دینے سے ہی انکار نہیں کر دیا بلکہ
اپنی عنایات سے اسے منظور نظر بھی بنا لیا۔ باہمی ان بن اس نوبت کو پہنچی کہ نرس نایک فوج
کے ساتھ پینو گونڈ سے وجیہ نگر کا محاصرہ کرنے کے لیے روانہ ہو گیا (1492) امادی نرسنگھ کو صلح
کی قیمت ادا کرنے کے سلسلہ میں تمارس کو چھوڑنا پڑا۔ تمارس کو موت کی سزا دی گئی۔ بادشاہ کو
پینو گونڈ لے جایا گیا جہاں اس پر سخت نگرانی رکھی جانے لگی۔ دراصل یہ اختیارات غصب کرنے
کا دوسرا واقعہ تھا جس کی بنا پر لازمی طور سے ملک کے اندر نئی نئی مصیبتیں اٹھ کھڑی ہوئیں
جو سلطنت کے حکمراں نرس نایک کو اپنے بارہ تیرہ سال کے زمانہ حکومت میں برابر پیش
آتی رہیں۔

سلوا نرسنگھ نے مرتے وقت نرس نایک سے رائچور اور اودے گری کے قلعے فتح کرنے
کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ ان قلعوں کے حاکموں نے سلوا نرسنگھ کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔
نرس نایک ان قلعوں کو فتح نہ کر سکا" کیونکہ وقت نے اس کا ساتھ نہیں دیا" 93-1492ء
میں بہمنی حکومت کے وزیر قاسم برید نے نرس نایک کو پیش کش کی کہ اگر وہ بیجاپور کے حکمراں
یوسف عادل خاں پر جو اب خود مختار ہو گیا تھا حملہ کر دے گا تو وہ اس کے عوض اسے رائچور اور
اور مدگل کے قلعے دے دے گا۔ نرس نایک نے یہ شرائط منظور کر لیں۔ اس نے رائچور دوآب کے
لیے ایک فوج روانہ کی" اس فوج نے دریائے تنگ بھدرا کو عبور کر کے مدگل اور رائچور تک

کا علاقہ ویران کر دیا۔ (فرشتہ) یوسف عادل خاں حملہ آور فوج کا فوراً مقابلہ نہ کر سکا کیونکہ اسے دوسرے دشمنوں سے بھی نپٹنا تھا جنھیں قاسم برید نے اس کے خلاف اسی زمانہ میں کھڑے کر دیے تھے۔ یوسف عادل خاں کو جیسے ہی اپنے دشمنوں سے فرصت ملی اور خود کو رائچور پر دوبارہ قبضہ حاصل کرنے کے لیے آزاد پایا تو نرس نایک کو اپنے حالیہ مقبوضات کے دفاع کے لیے تیار ہونا پڑا۔ یوسف عادل خاں کو کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ ہار گیا۔ اور اسے ایڈونی کے قریب دریائے تنگ بھدرا کے شمال میں واقع مانوی کے قلعہ میں پناہ لینا پڑی۔ اس کے بعد اس نے اطاعت قبول کرنے کا بہانہ کیا اور نرس نایک کو ایک امن کانفرنس کے لیے مدعو کیا۔ یہاں بیجاپور کے سلطان نے نرس نایک پر دھوکے سے حملہ کر دیا اور اس کے ستر وفادار ساتھیوں کو مار ڈالا۔ ہندو فوج بھاگ گئی اور یوسف عادل خاں کو فتح حاصل ہو گئی۔ لیکن دوآب وجے نگر سلطنت کا ہی حصہ بنا رہا۔ بہمنی حکومت کے امرا نے اپنے سلطان محمود سوئم کی قیادت میں 1502 میں جہاد شروع کیا جس کی بنا پر رائچور اور مدگل کے قلعوں کے ساتھ ساتھ مکمل دوآب یوسف عادل خاں کے قبضہ میں چلا گیا۔

کپلیشور گج پتی کے 64-1463 میں حملہ کرنے کے بعد جنوب میں وجے نگر حکومت کا اقتدار موثر طور پر قایم نہیں ہو سکا تھا۔ سلوا نرسنگھ دار الخلافہ کے قریب کے علاقوں میں مصروف رہا اور یہ مشکوک ہے کہ دریائے کاویری کے جنوب میں اسے کوئی بھی اپنے فرماں روائی کی حیثیت سے تسلیم کرتا تھا۔ تقریباً 1496 میں یا اس سے کچھ قبل نرس نایک جنوب کی جانب روانہ ہوا اور تنجور اور ترچناپلی کے گورنر کونتی راج اور اسی کی طرح دوسرے ظالم حاکموں کے جبر و تشدد کو روکا۔ کونتی راج کے خلاف شری رنگم کے ویشنوؤں کو متعدد شکایتیں تھیں نرس نایک نے اس کو مدورا تک کے پورے علاقے کو ختم کر لیا اور مقامی چول، چیر اور مدورا کے مان بھوشن کو وجے نگر کی فرماں روائی تسلیم کرنے کے لیے مجبور کیا۔ اس نے دریائے کاویری پر ایک پل بنوا کر شری رنگا پٹن (سری رنگا پٹم) پر بھی حملہ کیا اور وہاں کے ہوتا سردار ننج راج کو اطاعت قبول کرنا پڑی۔ مغربی ساحل پر کچھ فتح یابی کے بعد گوکرن پر یورش کی گئی۔ (1497) اس کے بعد نرس نایک کی یہ کامیاب مہم ختم ہوئی۔

نرس نایک اپنی حکومت کے آخری زمانہ میں گج پتی کے ساتھ دوبارہ نبرد آزما ہوا۔ تیس سال حکومت کرنے کے بعد 1496 میں پرشوتم کا انتقال ہو گیا۔ اس کے مرنے کے

بعد اس کا لڑکا پرتاپ رو در تخت پر بیٹھا۔ اس نے دکن پر فتح حاصل کرنے کے خیال سے 1499 میں وجیہ نگر پر حملہ کیا۔ اس حملہ کا مقابلہ کرنے کے لیے نرس نایک پورے طور پر تیار تھا۔ اس حملہ سے کسی بھی فریق کو کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ گج پتی حکومت کی سرحد دریائے کرشنا کے جنوب تک برقرار رہی۔

نرس نایک جب 1503 میں انتقال کر گیا تو یہ بات فی الواقع دعوا کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اس نے اپنے آقا سلوا نرسنگھ کے کام کو جاری رکھا اور حکومت کو ایک نئی طاقت بخشی۔ اس نے وجیہ نگر حکومت کے دور دراز مقبوضات پر حکومت کے اقتدار اعلا کو موثر طور پر قایم کیا اس نے فوج کو بھی دوبارہ منظم کیا۔ اس کے بارے میں اتنا وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ہی وہ بنیادیں قایم کیں جن پر اس کے ذہین لڑکے کرشن دیو رائے نے بعد میں ایک شاندار عہد کی بنیاد رکھی۔

نرس نایک کے انتقال کے فوراً بعد اس کے سب سے بڑے لڑکے امادی نرس نایک نے جو ویر نرسنگھ کے نام سے مشہور ہے قایم مقام حکمراں کی جگہ لے لی۔ قانونی حکمراں امادی نرسنگھ بدستور ایک اتالیق کی نگرانی میں رہا حالانکہ وہ حقیقتاً اتنا بڑا ہو گیا تھا کہ حکومت کی ذمہ داریاں سنبھال سکتا تھا۔ آخر کار اسے 1505 میں قتل کر دیا گیا اور پھر فوراً بعد ویر نرسنگھ تخت نشین ہوا۔ اس طرح وجیہ نگر سلطنت کے تیسرے یعنی تلوا خاندان کی بنیاد پڑی۔ نونیز کہتا ہے کہ نرس نایک کی وفات کے بعد پورے ملک میں اپنے اپنے کپتانوں کی قیادت میں بغاوت شروع ہو گئی اور بادشاہ کے قتل اور اس کے بعد تخت پر غاصبانہ طور پر قبضہ کرنے کی وجہ سے ویر نرسنگھ کی حیثیت میں کسی طرح بہتر تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ اس کی چھ سالہ حکومت لڑائیوں میں گذری اور اسے ہمیشہ کامیابی بھی نہیں حاصل ہوئی۔ یوسف عادل خاں نے اپنی سلطنت کو دریائے تنگ بھدرا کے پار بڑھانا چاہا۔ اس نے کرنول کا محاصرہ کرنے کے لیے دریا کو عبور کیا سالووو خاندان کے رام راج اور اس کے لڑکے تما نے ویر نرسنگھ کا ساتھ دیا اور عادل پیچھے ہٹنے کے لیے مجبور ہو گیا۔ عادل خاں کی فوج کا تعاقب کیا گیا اور اسے شکست دے دی گئی۔ باپ بیٹے نے مل کر اڈونی کے غدار کپتان کو نکال باہر کیا۔ ان کے شہنشاہ نے ان کے اس احسان سے خوش ہو کر انھیں اڈونی اور کرنول کے قلعے بطور جاگیر دے دیے۔
اسی اثنا میں اماتور اور سری رنگا پٹن کے ہیونا Heuna سرداروں نے علم بغاوت

بلند کر دیا۔ دیر نرسنگھ نے اپنے سوتیلے بھائی کرشنا رائے کو دارالخلافہ کی نگرانی سپرد کر کے خود جنوب کی جانب کوچ کر دیا اور اماتور Ummattur کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ تین مہینے کے محاصرہ کے بعد بھی وہ قلعہ پر قبضہ نہ کر سکا۔ اس نے محاصرہ ترک کر دیا اور شری رنگا پٹن پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ اسے کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ تولو دیش میں اسے ضرور کچھ کامیابی حاصل ہوئی۔ اس نے پرتگالیوں کے ساتھ جو مغربی ساحل پر اپنی حیثیت مستحکم کر رہے تھے۔ دوستی کر لی اور کنانور میں المیڈا کے پاس اپنا ایک سفیر اس خیال سے روانہ کیا کہ اس کی مسلح فوج کو بہتر تربیت حاصل ہو سکے اور گھوڑ سوار فوج کے لیے گھوڑے بھی دست یاب ہو سکیں جب المیڈ نے بھٹکل میں ایک قلعہ تعمیر کرنے کے لیے اجازت چاہی تو دیر نرسنگھ خاموش ہو گیا۔ اس نے اپنی رعایا کو جنگ جو بنانے کے خیال سے امرا کو اپنے جھگڑے طے کرنے کے لیے باہمی جنگ کی ہمت افزائی کی ۔ وہ شمشیر زنی میں مہارت دکھانے والے کو خوبصورت لڑکیاں بھی بطور انعام عطا کرتا تھا۔

دیر نرسنگھ نے گوا پر بھی دوبارہ قبضہ حاصل کرنا چاہا۔ اطالوی سیاح وارتھیما قمطراز ہے کہ گوا کے مسلمان گورنر کی وجیہ نگر کے بادشاہ سے لڑائی چل آ رہی تھی (1506) اس مہم کے نتائج کے بارے میں ہمیں کوئی واقفیت نہیں ہے۔ وہ 1509 میں اماتور پر دوبارہ حملے کی تیاری کرنے میں مصروف تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے زمانہ کے کتبوں میں جنوبی ہندوستان کے مشہور مندروں مثلاً رامیشورم، شری رنگم، کمب کونم، چیدرام برم، شری شیلم، کانچی پورم، کال ہستی، مہاندا ہی اور گوکرن کو فیاضانہ طور پر عطیات دینے کا ذکر ہے۔ نونیز کہتا ہے کہ جب وہ بستر مرگ پر تھا تو اس نے اپنے وزیر سلوا تما کو بلا کر حکم دیا کہ وہ کرشن دیو رائے کی آنکھیں نکال کر لے آئے تا کہ اس کے آٹھ برس کے لڑکے کے لیے تخت محفوظ ہو سکے۔ وزیر نے ایک بکری کی آنکھیں نکال کر بادشاہ کے سامنے رکھ دیں اور بادشاہ مطمئن ہو گیا۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ دونوں سوتیلے بھائیوں کے درمیان تعلقات خوشگوار نہیں تھے۔ مقامی روایتوں سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ خود نرسنگھ نے ہی کرشن دیو رائے کو اپنا جانشین منتخب کیا تھا۔

کرشن دیو کے سب سے پرانے کتبے پر 26 جولائی 1509 کی تاریخ درج ہے۔ اس کی تاجپوشی کی رسم شری کرشن جنم اشٹمی کے پندرہ دن بعد اس خیال سے ادا کی گئی کہ

عوام کرشن دیو کو شری کرشن کا اوتار سمجھیں۔ کرشن دیو رائے کا عہد حکومت "وجیہ نگر حکومت کی زبردست کامیابی کا زمانہ ہے جب کہ اس کی فوجوں کو ہر جگہ کامیابی ملی اور وجیہ نگر شہر بہت خوشحال تھا۔ تخت نشینی کے وقت کرشن دیو کی عمر بیس پچیس سال کے درمیان ہوگی۔ پائیز Paes جس نے اسے دس برس تک دیکھا لکھتا ہے کہ" بادشاہ کا قد درمیانی اور رنگ صاف ہے۔ اس کی لحاظ سے شباہت خوبصورت ہے، دبلا نہیں بلکہ کچھ موٹا ہے۔ چہرے پر چیچک کے داغ ہیں اس سے لوگ بہت ڈرتے ہیں۔ وہ ہر لحاظ سے بادشاہ معلوم ہوتا ہے وہ خوش مزاج اور بہت زندہ دل ہے وہ غیر ملکیوں کی عزت کرتا ہے۔ ان کے ساتھ بہت التفات سے پیش آتا ہے اور کوئی بھی شخص خواہ کسی حیثیت کا ہو اس سے اس کا پورا حال دریافت کرتا ہے۔ وہ زبردست منتظم اور انصاف پسند بادشاہ ہے لیکن کبھی کبھی بے حد طیش میں آجاتا ہے" کرشن دیو نے بہت زیادہ ورزش کے بعد اپنی جسمانی طاقت کو بنایا۔ وہ اچھا گھوڑ سوار تھا۔ اس سے جو شخص بھی ملتا وہ اس کی شرافت سے لازمی طور پر متاثر ہوتا، وہ زیادہ تر اپنی فوج کی خود قیادت کرتا تھا اور خطرے کی صورت میں بڑی ہمت اور مستعدی دکھاتا تھا۔ وہ اپنی فوج کے معمولی سپاہی کے بھی دکھ کی پرواہ کرتا تھا اور لڑائی کے بعد زخمی سپاہیوں کو دیکھنے جاتا تھا اور ان کی مناسب دیکھ بھال کے انتظامات کرتا تھا۔ اس سے ہر شخص محبت کرتا تھا اور لوگ اس کی عزت کرتے تھے پائیز Paes کہتا ہے کہ "وہ عظیم الشان اور ہر طرح سے مکمل انسان تھا"

کرشن دیو کی تخت نشینی کے وقت سلطنت کی حالت کسی صورت میں بھی قابل اطمینان نہ تھی۔ اماتور کا باغی سردار میسور دیش کے بہت بڑے حصے کا مالک ہونے کے لیے جنگ کر رہا تھا۔ اڑیسہ کے گجپتی شمالی اضلاع پر قبضہ جمائے ہوئے تھے۔ پرتاپ رودر کھلی عداوت رکھتا تھا اور حملہ کرنے کو تیار تھا۔ اگرچہ بہمنی سلطنت پانچ ریاستوں میں منقسم ہو چکی تھی لیکن مسلمان شمال کی جانب بالخصوص بیجاپور سے برابر دباؤ ڈال رہے تھے۔ اس کے علاوہ پرتگالیوں کی نئی طاقت کا بھی سامنا کرنا تھا۔ پرتگالی مغربی ساحل کے بحری راستوں اور تجارت پر بہت تیزی کے ساتھ اپنا کنٹرول قایم کرتے جا رہے تھے۔ اور ملک کی طاقتوں کے ساتھ نفع بخش سیاسی تعلقات قایم کرنے کے متلاشی تھے۔ ان تمام دشواریوں کے باوجود کرشن دیو دس برس کی مختصر مدت کے اندر پورے ملک میں وجیہ نگر حکومت کا اقتدار قایم کرنے میں کامیاب ہو گیا اب اس کی وسیع سلطنت میں کسی شخص کو نہ تو بغاوت کرنے کا خیال تھا اور نہ کہیں بدامنی پائی

جاتی تھی۔ پرتگالی بھی اب اس کے دوست بن گئے تھے۔

کرشن دیو نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس نے بہمنی فوجوں کے اس حملے کو ناکام بنا دیا جو وہ اپنے سالانہ جہاد کی حکمت عملی کے تحت وجیہ نگر پر کیا کرتے تھے۔ جہاد کا یہ طریقہ محمود سویم نے 1501 میں شروع کیا تھا۔ حسب دستور بہمنی امرا بیدر میں جمع ہوئے اور اپنے سلطان کے ساتھ رائے کی سلطنت پر سالانہ حملے کے لیے روانہ ہوئے (1509) لیکن انھیں یہ بہت جلد معلوم ہو گیا کہ وہ لوٹنے اور تباہ کرنے کے لیے پہلے کی طرح آزاد نہ تھے۔ مسلم فوج کو ایک غیر معروف مقام دیوانی میں روکا گیا اور اس مقام پر مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دی گئی۔ خود سلطان گھوڑے سے گر پڑا۔ اس کے زبردست چوٹیں آئیں اور اسے صحت مند ہونے میں کافی وقت لگ گیا۔ اس کے بعد امرا نے لڑائی جھگڑے کو بالائے طاق رکھ دیا اور بیدر واپس چلے گئے۔ کرشن دیو نے فوج کا تعاقب کیا بالخصوص یوسف عادل خاں کی فوج کا تعاقب کیا گیا۔ کوول کونڈ کے نزدیک اس کا مقابلہ کرنے کے لیے پلٹ پڑا۔ یوسف عادل خاں لڑائی میں مارا گیا۔ کوول کونڈ پر قبضہ کرنے کے بعد ہی کرشن دیو اپنے دارالخلافہ واپس آیا۔

اس لڑائی کے شروع میں پرتگالی گورنر البوقرق نے کرشن دیو کے پاس ایک ایلچی کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا کہ وہ کرشن دیو کی مدد کے لیے تیار ہے۔ بشرطیکہ اس کے عوض میں کرشن دیو کالی کٹ کے بادشاہ زمورن کے خلاف لڑائی میں اس کی مدد کرے۔ البوقرق نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ عرب اور ایرانی گھوڑے بیجاپور کو نہ دے کر صرف وجیہ نگر کو ہی دے گا۔ کرشن دیو گھوڑوں کی تجارت کے کل اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا تھا پھر بھی اس نے البوقرق کی پیش کش کو فوراً منظور نہیں کیا۔ کرشن دیو کے پاس پرتگالیوں کا دوسرا سفیر آیا اور بھٹکل میں قلعہ تعمیر کرنے کے لیے المیڈا کی درخواست کو دوبارہ پیش کیا۔ المیڈا کو اجازت دے دی گئی۔ یہ اجازت اس وقت دی گئی جب کہ البوقرق 1510 کے اخیر میں گوا پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر چکا تھا۔ متواتر کئی ماہ کی لڑائی کے بعد گوا پرتگالیوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اس درمیان گوا کبھی بیجاپور کی فوج کے قبضہ میں اور کبھی پرتگالیوں کے قبضہ میں آتا اور جاتا رہا۔

اپنے دشمنوں کے خلاف ان سست رفتار ابتدائی کارروائیوں کے بعد کرشن دیو

نے کچھ وقت اپنے دارالخلافہ میں فوج کو دوبارہ منظم کرنے اور جاگیرداروں کے گوناگوں فوجی دستوں کو موثر طور پر جنگ جو بنانے میں گذارا۔ اس کے بعد اس نے بیجاپور اور بہمنی سلطان کے باہمی اختلافات کو ایک موقعہ غنیمت سمجھ کر رائچور دوآب پر حملہ کر دیا۔ رائچور کا قلعہ فتح کر لیا۔ یوسف عادل خاں کی موت کے بعد اس کے نابالغ لڑکے اسماعیل عادل خاں کو بیجاپور کا برائے نام حکمراں بنایا گیا۔ حکومت کے کل اختیارات کمال خاں کے ہاتھ میں رہے۔ اور تخت نشینی کے لیے اس کے اپنے منصوبے تھے۔ کمال خاں خود بیجاپور کے تخت پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کرشن دیو کے پرتگالیوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے۔ ان تمام باتوں کی بنا پر بیجاپور کرشن دیو کے حملے کا معمولی طور پر مقابلہ کیا۔ اسی اثنا اسماعیل خاں کی والدہ نے ایک کرایہ کے ٹٹو کے ذریعے 1511 میں کمال خاں کو قتل کروا دیا۔ اس پر کمال خاں کے ایرانی اور خراسانی دوستوں نے بیجاپور میں نئی مصیبتیں کھڑی کر دیں۔ کرشن دیو کو اپنے منصوبوں کو بروئے کار لانے کی پوری پوری آزادی حاصل ہو گئی۔ وہ رائچور پر قبضہ کر کے گلبرگہ کی جانب بڑھا۔ بیجاپور کے وزیر امیر برید کو جس نے محمود کو قیدی بنا لیا تھا شکست دی اور گلبرگہ کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ بیدر کی جانب روانہ ہوا اور اسے بھی کچھ عرصے کے محاصرے کے بعد فتح کر لیا۔ اس نے محمود کو قید سے نجات دلائی اور خود "یون - رمسلم) حکومت قایم کرنے والے" کا لقب اختیار کیا۔

کرشن دیو اپنے دوسرے دشمنوں کے ساتھ بھی لڑائی جاری رکھے ہوئے تھا۔ ان میں اماتور کے باغی سردار اور اڑیسہ کا راجہ گج پتی شامل تھا۔ کرشن دیو نے بہمنی حملہ کو پسپا کرنے کے فوراً بعد ہی اماتور کے گنگا رائے سے جنگ شروع کر دی۔ گنگا رائے ویر نرسنگھ کے زمانے سے بغاوت کر رہا تھا۔ یہ لڑائی اگست 1510 سے 1512 کے آخر تک جاری رہی۔ لڑائی پینوگونڈہ پر جو باغیوں کے ساتھ میں چلا گیا تھا حملہ کر کے شروع کی گئی۔ پینوگونڈہ کے مستحکم قلعہ کو فتح کر لینے کے بعد اماتور اور شیون سمدرم پر جو گنگا رائے کا صدر مقام تھا حملہ کیا گیا۔ شیون سمدرم کی تسخیر میں ایک سال لگ گیا۔ گنگا رائے فرار ہو گیا اور دریائے کاویری میں غرق ہو کر اپنی جان دی۔ اس کے دارالسلطنت کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ مفتوحہ علاقہ کا ایک نیا صوبہ بنایا گیا اور شری رنگا پٹن کو اس صوبہ کا دارالخلافہ قرار دیا گیا۔ سالوا گووندا راجے کو صوبہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ مقامی انتظام تین مقامی سرداروں کو سپرد کر دیا گیا۔ ان میں

بنگالورو (بنگلور) کا مشہور و معروف کیمپ گوڈا بھی شامل تھا۔

اڑیسہ کا حکمراں سلو وانر سنگھ کے زمانہ سے ہی مشرق میں ساحلی اضلاع پر قبضہ کیے بیٹھا تھا۔ کرشن دیو نے اپنی تخت نشینی کے فوراً بعد ہی اس کے خلاف تیسرا مورچہ قایم کیا۔ اس مورچہ پر دراصل گنگا رائے کے خلاف جنگ ختم کرنے کے بعد ہی زور دیا گیا — 1513 میں ایک فوج اودے گری کا محاصرہ کرنے کے لیے روانہ کی گئی۔ کرشن دیو خود بھی مورچہ پر پہنچ گیا۔ ڈیڑھ سال تک محاصرہ کرنے کے بعد قلعہ فتح کر لیا گیا۔ اسی دوران کرشن دیو نے پہاڑیوں کی چٹانوں کو کاٹ کر فوج کو اس ناقابل رسائی قلعہ کی دیواروں تک پہنچنے کے لیے اور بھی کئی راستے بنا لیے۔

اودے گری فتح کرنے کے بعد جب کرشن دیو اپنے دارالخلافہ لوٹ رہا تھا تو اس کی ملکہ تروملا دیوی اور چینا دیوی اس کی ملکہ تروتپی گئیں اور وینکٹیشور کے درشن کیے۔ جولائی 1514 کرشن دیو کے راسخ العقیدہ ہونے کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ وہ اودے گری سے بال کرشن کی جو خوبصورت مورتی لایا تھا اسے اس نے وجیہ نگر میں دوبارہ نصب کیا۔ سنت ویاس رائے نے اس جشن کے موقعہ پر کئی گیت بھی لکھے۔

پرتاپ رودر کو محاصرہ ختم کرنے کی کوشش کے نتیجہ میں شکست اٹھانا پڑی۔ اس کی فوج کا کونڈوڈو تک تعاقب کیا گیا۔ وجیہ نگر کی فوج جہاں جاتی اسے کامیابی حاصل ہوتی اور راستہ کے چھوٹے چھوٹے قلعوں نے یا تو کرشن دیو کی اطاعت قبول کر لی یا انھیں بہ آسانی فتح کر لیا گیا۔ اس کے بعد کونڈوڈو کے قلعہ کا سلوا تمارس نے اور بعد میں خود کرشن دیو نے محاصرہ کیا۔ چونکہ یہ دریائے کاویری کے جنوب میں ج پتی حکومت کا مخصوص شہر تھا اس لیے اس کی دفاع کے بھی غیر معمولی انتظامات کیے گئے تھے۔ گج پتی حکومت کے متعدد سردار یہاں تعینات تھے۔ کئی ماہ کے محاصرہ کے بعد قلعہ کے اندر کافی افراد فاقہ سے مر گئے۔ اس کے بعد ہی قلعہ کے دیواروں پر چڑھائی ممکن ہو سکی اور قلعہ کے محافظ دستہ پر قابو پایا جا سکا۔ اڑیسہ کے متعدد امرا، حکمراں کی ملکہ اور ایک لڑکا بھی قیدی بنا لیے گئے اور انھیں سڑک کے راستہ وجیہ نگر لے جایا گیا۔

کرشن دیو رائے نے کونڈوڈو ضلع کا انتظام سلوا تما کے سپرد کیا اور اپنی ملکہ کے ساتھ امیریشور کی عبادت کے لیے امراوتی کو روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد وہ ملکہ ان کو قیمتی تحائف

دینے کے لیے شری شیلم گیا اور پھر اپنے دارالخلافہ لوٹ آیا۔

اپنے سپاہیوں کے ساتھ میدان جنگ میں شامل ہونے کے لیے وہ جلد ہی ایک بار پھر روانہ ہوگیا۔ وجے واڑہ کے راستے میں وہ وقت نکال کر اہوبلم میں نرسنگھ کے مندر میں گیا۔ وجے واڑہ کو فتح کر لیا گیا اور آئندہ کارروائی کے خیال سے اس مقام کو اپنا صدر مقام بنا شمال مغرب کی جانب کچھ میل دور کونڈا پلی کا مستحکم قلعہ واقع تھا۔ اس قلعہ کی دیواریں بہت اونچی تھیں اور قلعہ کے تحفظ کے لیے کافی اقدامات بھی کیے گئے تھے۔ کرشن دیو رائے نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ پرتاپ رودر نے قلعہ کے محافظین کی مدد کے لیے جو فوج روانہ کی اس کا دریائے کرشنا پر مقابلہ کیا گیا۔ اور اسے فیصلہ کن شکست دی گئی۔ قلعہ کا محاصرہ دو ماہ تک اور جاری رکھا گیا یہاں تک کہ فوج کو ہتھیار ڈالنا پڑے۔ اس کے بعد تلنگانہ کے متعدد قلعہ اور نلگونڈہ اور وارنگل کے اضلاع کے بڑے حصوں پر جن پر گج پتی کا اقتدار اعلا قایم تھا۔ کرشن دیو کے قبضہ میں آگئے۔

اس مہم نے موثر طور پر تلنگانہ کے حملہ کو مکمل کر دیا۔ پھر اس کے بعد کرشن دیو مخصوص طور پر کلنگ کی جانب متوجہ ہوا۔ جہاں سب سے پہلے راج مہیندر ورم شہر (راج مندری) پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس سلسلہ میں تھوڑی سی مخالفت کی گئی لیکن وجیہ نگر کی فوج کامیابی کے ساتھ آگے بڑھتی ہی گئی اور پوت نور نہاورنی تک سڑک کے پاس کا تمام علاقہ ویران کر دیا گیا۔ یہاں کرشن دیو نے ایک فتح کا مینار بنوایا اور راج مندری ہوتا ہوا اپنے دارالخلافہ لوٹ آیا۔ (1516)۔ اس کی حملہ آور اور کامیاب فوج آگے بڑھتی ہی گئی۔ یہاں تک کہ کلنگ سے آگے بڑھ کر کٹک تک پہنچ گئی۔ پرتاپ رودر نے خود کو مجبور پا کر صلح کی درخواست کی اور شہنشاہ کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کا پیغام بھیجا جسے قبول کر لیا گیا۔ کرشن دیو نے بڑی فیاضی کا مظاہرہ کیا اور پرتاپ رودر کو دریائے کرشنا کے شمال میں واقع کل علاقہ واپس لوٹا دیا۔

کرشن دیو جس وقت اپنی اڑیسہ کی مہم میں مصروف تھا (یہ سولھویں صدی کے ہندوستان کا سب سے زیادہ شان دار فوجی سانحہ قرار دیا جا سکتا ہے) تو اسماعیل عادل خاں نے رائچور پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ کرشن دیو نے اسے دوبارہ کس طرح حاصل کیا اس کا ذکر کرتے ہوئے نونیز کہتا ہے کہ کرشن دیو نے عادل شاہ کے خلاف فیصلہ کن جنگ کرنے کے قسم

ارادے سے اس کے خلاف "تقریباً دس لاکھ فوج اگر بیرا کو بھی شامل کر لیا جائے اور پانچسو ہاتھیوں سے بھی زیادہ کے ساتھ روانہ ہوا۔ اس نے رائچور کے مشرق میں پڑاؤ ڈالا۔ قلعہ کا باقاعدہ محاصرہ شروع کیا گیا۔ قلعہ کے محافظین کی مدد کے لیے عادل شاہ خود گھوڑ سوار فوج کے مسلح دستوں کے ساتھ آ پہنچا۔ وہ رائچور سے نو میل کے اندر تک بڑھ آیا۔ یہاں اس نے اپنی فوج کو خندقوں سے محصور کر لیا۔ دریائے کرشنا پانچ میل پیچھے رہ گیا۔ 19 مئی 1520 کی صبح کو فریقین کے درمیان فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ وجیہ نگر فوج نے سامنے سے حملہ کیا اور مسلمانوں کو اپنی خندقوں میں جا کر پناہ لینا پڑی۔ لیکن مسلمانوں کی توپوں نے آگ اگلنا شروع کر دی جس کی بنا پر ہندو فوج کی صفوں کو زبردست نقصان پہنچا۔ ہندو فوج کو پیچھے ہٹنا پڑا اور مسلم فوج نے اس پر حملہ کر دیا۔ کرشن دیو نے جو دوسری صف کی کمان کر رہا تھا فوراً اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور فوج کے باقی دستوں کو بھی آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اس پرجوش حملے نے مسلم فوج کے چھکے چھڑا دیے۔ مسلم فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ کرشن دیو نے انتہائی بیدردی کے ساتھ فوج کا تعاقب کیا۔ اس طرح شکست شاندار فتح میں تبدیل ہو گئی۔ عادل شاہ کے کیمپ پر قبضہ کر لیا گیا۔ عادل شاہ نے ہاتھی پر سوار ہو کر اور بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ لوٹ میں بہت زیادہ مال و متاع ہاتھ آیا۔ لڑائی کا نتیجہ فیصلہ کن ثابت ہوا۔ اس کے بعد بیجاپور کے سلطان کے دل میں کرشن دیو رائے کا اتنا زبردست خوف قایم ہو گیا کہ اس نے دوبارہ مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں کی۔ کرشن دیو رائچور واپس آ گیا اور کچھ عرصہ بعد اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ رائچور کی قلعہ بڑی حد تک کرسٹو واڈی فگریڈو Chistavao de Figueiredo کے زیر کمان پرتگالی فوج کے بعض سپاہیوں کی مدد کا نتیجہ تھی۔ "وہ اپنی پرانی ساخت کی بندوقوں سے قلعہ کی دیواروں کے محافظین کو ایک ایک کر کے نشانہ بنا لیتے تھے" اور اس طرح محاصرین کو قلعہ بندی کے خطوط تک پہنچنے اور دیوار کے پتھروں کو ہٹانے کا موقعہ دیتے تھے"۔ آئندہ مہانومی کے جشن کے موقعہ پر بادشاہ نے پرتگالی کمانڈر کو خصوصی طور اعزاز بخشا۔

عادل شاہ کے خلاف جنگ میں اس زبردست کامیابی کے بہت اہم سیاسی نتائج برآمد ہوئے۔ کرشن دیو خود بہت نخوت پسندی کے ساتھ پیش آیا۔ اس نے اپنے شکست خوردہ دشمن سے اشتعال انگیز مطالبات کیے۔ اس نے عادل شاہ کے سفیر کو ایک

ماہ سے بھی زیادہ وجیہ نگر میں روکے رکھا اور بعد میں یہ پیغام بھجوایا کہ اگر عادل شاہ آئے اور اس (کرشن دیو) کے قدم چومے تو اس کا علاقہ اور قلعہ اسے واپس دے دیے جائیں گے۔ مسلم سلطانوں نے وجیہ نگر کی بڑھتی ہوئی طاقت کے خطرہ کو اور ان کے معاملات میں مداخلت کرنے کی اس کی استطاعت کو سمجھا اور وہ متحد ہو کر آہستہ آہستہ وجیہ نگر کے خلاف اقدامات کرنے لگے۔ رائچور کی جنگ سے پرتگالیوں کو ساحل پر فائدہ حاصل ہوا۔ وجیہ نگر کے تیسرے شاہی خاندان کے عروج و زوال کے ساتھ گوا بھی شامل رہا۔ یہ لازمی تھا کیونکہ گوا کی مکمل تجارت کا دارومدار ہندو حکومت کی ہی امداد پر تھا۔

اسماعیل عادل شاہ کے ایک مکار درباری اسد خاں لاری کی ریشہ دوانیوں کی بنا پر جو صلح کے سلسلے میں وجیہ نگر روانہ کیا گیا تھا۔ کرشن دیو کو 1523 میں دوبارہ بیجاپور کے خلاف جنگ کے لیے کوچ کرنا پڑا۔ اسد خاں کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا تھا۔ اس کی رو سے عادل شاہ یا اس کی والدہ کو سلطنت کی شمالی سرحد پر کسی جگہ کرشن دیو سے ملنا تھا۔ چونکہ کرشن دیو نے ان میں سے کسی کو بھی اس مخصوص مقام پر نہیں پایا اس لیے اس نے انھیں سبق سکھانے کی غرض سے گلبرگہ پر یورش کر دی اور گلبرگہ کے قلعہ کو مسمار کر کے زمین کی سطح کے برابر کر دیا۔ اس نے ساگر اور فیروز آباد کے قلعہ بند شہروں پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور بیجاپور تک پہنچ گیا۔ کچھ عرصہ تک بیجاپور پر بھی اس کا قبضہ رہا، لیکن شدید طور پر زخمی ہو جانے کی وجہ سے اسے واپس لوٹنا پڑا۔ کرشن دیو نے گلبرگہ میں محمود بہمنی کے لڑکوں کو قید سے نجات دلائی۔ اس نے بڑے لڑکے کو سلطان بنایا اور بقیہ لڑکوں کو اپنے ساتھ وجیہ نگر لے آیا جہاں ان کے ساتھ بہت شرافت سے پیش آیا گیا۔ لیکن ہندو سرپرستی کے تحت بہمنی فرماں روائی کو از سر نو زندہ کرنے کی کوشش میں کامیابی کی قطعی امید نہ تھی بلکہ کرشن دیو کے اس اقدام سے شاید بہمنی سلطنت کی پانچ جانشین ریاستوں کے سلطان اور بھی برافروختہ ہو گئے۔

نونیز کا بیان ہے کہ کرشن دیو نے اپنی زندگی میں ہی اپنے چھ سالہ لڑکے کو بادشاہ بنا دیا تھا اور خود ایک وزیر کی حیثیت سے کام کرنے لگا تھا۔ یہ واقعہ تقریباً 1524 میں ہوا ہوگا یہ بات ہمیں نیز ترو ملائی کے کتبوں سے حاصل ہوتی ہے جسے اس وقت یووراج مقرر کر دیا تھا۔ نونیز نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ تاجپوشی کا جشن آٹھ مہینے تک منایا گیا۔ اسی اثنا میں ترو ملائی بیمار پڑا اور مر گیا۔ اسے سالوواتما کے لڑکے نے زہر دے دیا تھا کیونکہ شہزادے

کا مرتبہ بلند ہو جانے کی وجہ سے اس کی پوزیشن میں بہ حیثیت وزیر اعلا کمی آگئی تھی۔ کرشن دیو رائے کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے وزیر کو بلوایا اور دربار عام میں اس پر بزدلانہ طور پر کیے ہوئے جرم کا الزام لگایا۔ اور اسے اس کے پورے خاندان کے ساتھ جیل میں ڈال دیا گیا۔ کرشن دیو کے دربار کے پرتگالیوں نے اس کی مدد کی اور جب تما کا ایک لڑکا قید خانہ سے فرار ہو گیا تو اسے گرفتار کر کے دوسرے قیدیوں کے ساتھ اندھا کر دیا گیا۔

اسماعیل عادل شاہ نے اپنی قسمت آزمانے کے لیے پھر حملہ کر دیا۔ لیکن جب کرشن دیو رائے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان جنگ میں آگیا تو وہ بہت تیزی کے ساتھ واپس چلا گیا۔ کرشن دیو رائے نے بیلگام پر جو عادل شاہ کے قبضہ میں تھا حملہ کرنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ وہ سخت بیمار پڑ گیا اور جلد ہی مر گیا۔ (1529) اس نے اپنے سوتیلے بھائی اچیوت رائے کو اپنا جانشین نامزد کیا۔

کرشن دیو رائے بہادر جنگ جو ہونے کے علاوہ عظیم مدبر، منتظم اور فنون لطیفہ کا سرپرست بھی تھا۔ اس کے دربار کی شان وشوکت کے بارے میں متعدد بیرونی سیاحوں نے تعریف کی ہے۔ انھوں نے وجیہ نگر حکومت کی عظیم دولت، اس کے تہوار، فوجی طاقت اور اس کے بہادر بادشاہ کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا ہے وہ پڑھنے میں بہت بہتر معلوم ہوتا ہے کرشن دیو رائے کی حکومت میں مکمل جنوبی ہندوستان شامل تھا اور بانک پور، کیرسویا بھٹکل وغیرہ متعدد نیم خود مختار سردار اس کے باج گذار تھے۔ اگرچہ کرشن دیو رائے پوری سلطنت پر براہ راست حکومت کرتا تھا لیکن اس کے باوجود اس کی سلطنت کئی صوبوں میں منقسم تھی۔ ہر صوبہ کا گورنر فوج کا اعلا افسر ہوتا تھا۔ گورنر اپنے انتظام میں اس وقت تک خود مختار تھا جب تک کہ وہ معینہ تعداد میں گھوڑے، ہاتھی اور مورچہ بردار ہونے کے لیے پیدل سپاہی تیار رکھتا تھا اور اپنا سالانہ چندہ خزانہ میں جمع کرتا تھا۔ اس طریق انتظام کو موثر بنانے کے لیے بادشاہ کا اپنی رعایا کے ساتھ ہر دلعزیز ہونا لازمی تھا۔ اس کے لیے یہ بہت ضروری تھا کہ وہ امور عامہ کی انجام دہی میں مستعدی، ہوشیاری اور بیدار مغزی کا مظاہرہ کرے۔ کرشن دیو رائے نے اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں توقع سے زیادہ قابلیت کا مظاہرہ کیا۔ اس کے عہد حکومت میں سلطنت کے کسی حصہ میں بھی بدنظمی اور بدامنی نہیں پھیل سکی۔ وہ ادیب اور شاعر تھا۔ تیلگو نظم "امکتہ مالیہ دا" کے بارے میں کہا جاتا ہے

کہ یہ اس کی ہی تصنیف ہے، اس نظم میں ان اصولوں کا ذکر کیا گیا ہے جنھیں بادشاہ نے اپنے سیاسی انتظام کے لیے اختیار کیا تھا۔ مشہور و معروف شاعر الاّ ثانی پیڈنا کرشن دیو کے دربار کا ملک الشعرا تھا۔ متعدد ممتاز ادیب بادشاہ کی ذی شعور فیاضی سے متاثر ہو کر اس کی سرپرستی میں داخل ہو گئے تھے۔ کرشن دیو رائے اپنے مذہبی جوش اور عقیدے کی پختگی کے لیے بھی کسی طرح کم مشہور نہیں ہے۔ وہ ہندو دھرم کے تمام فرقوں کی برابر عزت کرتا تھا حالانکہ اس کا ذاتی رجحان وشنو دھرم کی جانب تھا۔ شکست خوردہ دشمن کے لیے اس کا جذبہ التفات مفتوح شہروں کے عوام کے لیے اس کا رحم دلی کے ساتھ فیاضانہ رویہ، اس کی عظیم فوجی طاقت جس کی بنا پر وہ اپنے جاگیرداروں اور عوام کا ہر دلعزیز بنا رہا۔ غیر ملکی سیاحوں کے لیے اس کا التفات اور خیر مقدم، اس کی متاثر کن شخصیت، صحت بخش نظریہ، شائستہ طریق گفتگو، تصنع سے مبرا ہونے کے علاوہ اس کی عالی وقار زندگی کو نمایاں کرتی تھیں۔ مذہب اور ادب سے اس کا والہانہ لگاؤ، عوام کی فلاح و بہبود کے لیے پیہم مستعدی اور سب سے زیادہ اس کی وہ بے پناہ دولت جسے اوقاف اور عطیوں کی شکل میں مندروں اور براہمنوں کو دینے کی بنا پر اس کا شمار جنوبی ہندوستان کے عظیم ترین شہنشاہوں میں کیا جاتا ہے۔

کرشن دیو رائے کو عمارتیں بنوانے کا بے حد شوق تھا۔ اس نے اپنے دارالخلافہ وجیہ نگر کو خوبصورت بنانے میں اور عوام کی آسائش کے لیے سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلہ میں نمایاں اقدامات کیے۔ اس نے اپنی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں ایک نیا گوپر (مینار) تعمیر کروایا اور دیرد کپش کے مندر کے مینار کی مرمت کرائی۔ 1513 میں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اس نے کرشن سوامی کا مندر تعمیر کروایا تھا اور اس میں بال کرشن کی مورتی کو جسے وہ اودے گری سے لایا تھا نصب کیا۔ اس نے ایک پرتگالی انجینیر کی مدد سے جس کی خدمات ابھی نے گوا کے گورنر جنرل سے عارضی طور پر حاصل کی تھیں۔ وجیہ نگر کے قرب و جوار کی خشک آراضی کے لیے آب پاشی کی سہولتوں میں اضافہ کیا۔ اس نے دارالخلافہ کے جنوبی سرے پر ایک نیا چھوٹا سا شہر بھی آباد کیا جس کا نام اپنی والدہ ناگلہ دیوی کے نام پر ناگل پور رکھا۔ اس نے شہر کے لیے پانی کی فراہمی کے واسطے ایک بڑا تالاب اس وقت بنوایا جس وقت پیس Paes وجیہ نگر آیا۔ وٹھل داس کا مندر جو دریا کے کنارے واقع تھا اسے بھی کرشن دیو نے آراستہ و پیراستہ کیا۔ یہ مندر پھولوں کی زیبائش کے اس فن کا بہترین نمونہ ہے جو وجیہ نگر میں اپنے عروج پر پہنچ گیا

تھا۔ اس مندر میں آب پاشی کا کام کئی سال تک جاری رہا اور شاید اسی وقت بند ہوا جب مسلمانوں نے 1565ء میں وجیہ نگر شہر کو برباد کر دیا۔ کرشن سوامی کے مندر کے جنوبی مغربی کونے میں عمارتی پتھر کی ایک سالم چٹان کو کاٹ کر نرسنگھ کا ایک بہت بڑا مجسمہ تیار کیا گیا جو کرشن دیو رائے کی حکومت کی آخری یادگاروں میں سے ایک ہے۔ اگرچہ یہ مجسمہ کافی ٹوٹ چکا ہے لیکن شہر کے کھنڈروں کے درمیان یہ اب بھی جاذب توجہ ہے۔

نونیز جو اچیوت رائے کے دربار میں کچھ عرصے تک مقیم رہا۔ وثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ نیا حکمراں بری عادتوں اور مظالم ڈھانے میں مصروف رہتا تھا۔ اس میں سچائی اور ہمت کا فقدان تھا۔ حکومت کے کپتان اور عوام بادشاہ کی بدچلنی اور بدکاری کے رجحان سے سخت پریشان تھے اچیوت رائے اتنا خراب بادشاہ نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اسے کرشن دیو رائے نے مخصوص طور پر اپنے آٹھ ماہ کے لڑکے پر ترجیح دے کر جانشینی کے لیے منتخب کیا تھا۔ لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تاجپوشی (1529) کے وقت اس کی حالت کافی نازک تھی۔ رام رائے نے کرشن دیو رائے کے شیر خوار لڑکے کو بادشاہ بنانے کا اعلان کیا اور اس طرح کل اختیارات اپنے قبضہ میں لینا چاہیے لیکن سلوا دیر نرسنگھ نے رام رائے کی تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ اس نے چندر گری سے اچیوت رائے کے آنے تک تخت کو خالی رکھا۔ ادھر کرشن دیو رائے نے امن و امان برقرار رکھنے کے خیال سے اچیوت رائے کو خاندان کے دوسرے شہزادوں کے ساتھ چندر گری میں روک رکھا تھا۔ اچیوت رائے نے رام رائے کی کسی دوسرے کو تخت پر بٹھا کر بادشاہ بنانے کی کوشش کو ناکام بنانے کے لیے وجیہ نگر تک راستہ میں ترو پتی اور کل ہستی دو مقامات پر اپنی تاجپوشی کی رسم ادا کی۔

کرشن دیو کی موت وجیہ نگر سلطنت کے تمام دشمنوں کے لیے حملہ کرنے کا ایک اشارہ تھی۔ اسماعیل عادل خاں نے ایک بار پھر رائچور دوآب پر حملہ کیا اور اس سے قبل کہ اچیوت رائے کوئی کارروائی کرے عادل خاں نے رائچور اور مدگل پر قبضہ کر لیا۔ (نونیز نے اچیوت رائے کے عہد حکومت کے صرف اس ایک ہی واقعہ کا ذکر کیا ہے) گج پتی راجہ نے بھی اسی وقت حملہ کیا لیکن اسے شکست کھا کر واپس جانا پڑا۔ اسی طرح گولکنڈہ کے سلطان علی قطب شاہ کی کونڈویڈو کو لینے کی کوشش بھی ناکام بنا دی گئی۔

اچیوت رائے جب وجیہ نگر پہنچا تو اس نے رام رائے کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا اور

اختیارات میں اسے اپنا شریک بنانے پر راضی ہوگیا۔ اس پر سلوو انرسنگھ ناراض ہوگیا اس نے دربار چھوڑ دیا اور جنوبی ٹراونکور کے ترو وادی راجیہ اور اماتور کے سرداروں کی اعانت سے جنوب میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ اچیوت رائے اپنے سالک راجو تروملی کی زیر کمان ایک فوج لے کر ان کے مقابلے کے لیے روانہ ہوا۔ تامبرپارنی ندی کے کنارے تک اسے کامیابی حاصل ہوتی گئی۔ یہاں اس نے فتح کا ایک مینار تعمیر کرایا۔ پانڈیہ حکمراں کو جسے باغیوں سے زبردست نقصان پہنچا تھا دوبارہ راجہ بنا لیا گیا۔ اس کی لڑکی کو بادشاہ نے اپنی ملکہ بنانا تسلیم کر لیا۔ سلوا ویر نرسنگھ اور اس کے ساتھیوں کو صرف لڑائی میں شکست ہی نہیں دی گئی بلکہ انھیں قیدی بنا کر بادشاہ کے کیمپ میں سری رنگم میں لایا گیا۔ اچیوت رائے اماتور کے راستہ اپنے دارالخلافہ واپس آیا تاکہ راستہ میں مقامی سردار اس کی اطاعت قبول کر لیں۔

کرشن دیو رائے کے شیرخوار لڑکے کا کچھ عرصہ بعد انتقال ہو جانے پر رام رائے کی حالت بہت زیادہ کمزور ہوگئی۔ اچیوت رائے کے رخ میں بھی تبدیلی واقع ہوگئی۔ اس نے اپنے اقتدار کی توسیع کی خیال سے رائچور دوآب کے متنازع علاقے پر حملہ کر دیا اور شمال میں دریائے کرشنا تک بیجاپور کے علاقے کو فتح کر لیا۔ بیجاپور کے اس علاقے کو فتح کرنے میں اچیوت رائے کو کوئی دقت نہیں ہوئی کیونکہ 1534ء میں اسماعیل عادل خاں کے انتقال کے بعد جب اس کا لڑکا ملّو عادل خاں سلطان بنا تو وہ عوام میں قطعی مقبول نہیں تھا۔ بدنام اسد خاں لاری کے بھڑکانے پر امرا بھی سلطان کے خلاف ہوگئے۔ اچیوت رائے نے موقع کو غنیمت سمجھا اور ملّو عادل خاں کو اچیوت رائے کے شرائط پر صلح کرنے کے لیے مجبور ہونا پڑا۔

اس کے بعد کئی برس تک کی تاریخ تاریک ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ 37-1536 میں گُتّی Gutti میں بغاوت ہوئی جسے فرو کر دیا گیا۔ اس کے بعد اچیوت رائے اپنے افسروں کے ساتھ ترو پتی کے مندر گیا۔ ادھر رام رائے پرانے ملازمین کو برخاست کر کے ان کی جگہ اپنے عزیزوں کو فائز کر کے اپنی حالت کو بہتر بنانے میں مصروف تھا۔ اس نے تین ہزار مسلمان سپاہیوں کو جنھیں بیجاپور کے نئے سلطان ابراہیم عادل خاں نے اپنی تاجپوشی (1535) کے بعد برخاست کر دیا تھا۔ اپنے یہاں ملازمت میں رکھ لیا۔ رام رائے کا حوصلہ اس قدر بڑھ گیا کہ جب اچیوت دارالخلافہ واپس لوٹا تو اس نے اسے قید کر لیا اور خود بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ لیکن امرا کی مخالفت کی بنا پر رام رائے کو اپنا منصوبہ

ترک کرنا پڑا۔ اس نے اچیوت کے بھتیجے سدا شو کو بادشاہ بنایا اور اس کے نام پر خود حکومت کرنے لگا۔ یہ سلسلہ کچھ عرصے تک جاری رہا۔ رام رائے کو جنوب میں بغاوت ہو جانے کی وجہ سے دارالخلافہ چھوڑنا پڑا۔ اس لیے اچیوت کو ایک قابل اعتماد ملازم کی نگرانی میں چھوڑ دیا ۔ رام رائے کو جنوب میں کامیابی کے ساتھ ناکامیابیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ اور امید کے خلاف اسے بغاوت فرو کرنے میں ضرورت سے زیادہ دیر ہو گئی۔ اسی اثنا میں رام رائے کے قابل اعتماد ملازم نے اچیوت کو رہا کر دیا اور خود وزیر اعلا بن گیا۔ سلک راجو ترومل نے بہر کیف اُسے بہت جلد ہٹا دیا۔ اور خود سلطنت کے امور کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ ایسی صورت میں رام رائے نے جنوب کے باغیوں کے ساتھ جھگڑے کا تصفیہ کرنے میں اور جلد از جلد دارالخلافہ واپس لوٹنے میں ہی عین مصلحت سمجھی۔

مصیبت تنہا نہیں آتی۔ ابراہیم عادل خاں نے اس موقعہ کو بیجاپور پر حملہ اور محاصرہ کرنے کے لیے غنیمت سمجھا۔ وہ ناگال پور میں داخل ہوا اور شہر کو تباہ و برباد کر کے اسے زمین کی سطح کے برابر کر دیا۔ یہ شاید اس خیال سے کہ کرشن دیو رائے نے بیجاپور میں بھی ایسا ہی کیا تھا اور ابراہیم عادل خاں اس کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اچیوت اور رام رائے دونوں کو اس بات کا خوف تھا کہ ابراہیم عادل خاں کہیں مخالف پارٹی کی فوج کے ساتھ شامل نہ ہو جائے۔ ادھر مکار اسد خاں کی چالبازی کی وجہ سے احمد نگر کے سلطان نے بیجاپور پر حملہ کر دیا۔ ابراہیم نے اچیوت اور رام رائے سے دوستی کی بات چیت کی اور اپنے علاقے میں واپس لوٹ آنے سے قبل دونوں کے جھگڑے کا تصفیہ کرا دیا۔ یہ قرار پایا کہ اچیوت بادشاہ ہو گا لیکن رام رائے کو اپنی ریاست میں کسی مداخلت کے بغیر حکومت کرنے کا اختیار رہو گا۔ ابراہیم کو اس کی خدمات کے صلہ میں بہت بڑی رقم ملی۔ دونوں فریقوں نے سمجھوتہ کے شرائط پر اچیوت کے 1542 میں انتقال تک عمل درآمد کیا۔

اچیوت کی حکومت کا تمام وقت رام رائے کی حوصلہ مندی، ساز باز نیز بیرونی حملوں اور اندرونی بغاوتوں کی بنا پر ناساز گار حالات کے خلاف کشمکش میں گذرا۔ تجارت کو ہر جگہ نقصان پہنچا اور زائرین کا سفر اس حلقے میں کم ہو گیا کیونکہ ڈاکوؤں کی سرگرمیاں اگرچہ بڑی بڑی سڑکوں پر کم تھیں لیکن ان کا خوف ہر جگہ طاری تھا۔ اچیوت نے اپنی مشکلات کا بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ نونیز اور دوسرے مؤرخین نے اس کے کردار کا جو اندازہ کیا ہے

وہ حق بجانب نہیں ہے اس کے درباری شاعر راج ناتھ دنڈیما نے اس کے عہد حکومت میں سنسکرت زبان میں جو نظم "اچیوت رائے ابھیودے" عنوان سے کہی ہے اس میں اچیوت رائے کی بیجا تعریف کا لحاظ رکھتے ہوئے بھی ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اچیوت میں بعض غیر معمولی اور قابل ستائش خصوصیات تھیں۔

اچیوت رائے کے دور حکومت میں اور اس کے بعد بھی پرتگالی جنوبی ہندوستان کے ساحل پر اپنی حکومت قایم کرنے اور اپنی تجارت کی حفاظت کے خیال سے قلعے تعمیر کرنے میں مصروف تھے۔ کالی کٹ کے زمورن اور وجیہ نگر حکومت کے جاگیرداروں کے خلاف اکثر ان کی جنگ رہتی تھی۔ حالاں کہ پرتگالی وجیہ نگر کے بادشاہ کے ساتھ بظاہر دوستی کا دم بھرتے تھے لیکن وہ مستقل طور پر لوٹ مار ڈاکہ زنی اور ہندوستان کے مقامی باشندوں کا اس طرح قتل عام کرتے تھے "جیسے انھیں اس کا خداداد حق حاصل تھا۔ بلا تکلف یہ کہا جا سکتا ہے کہ پرتگالیوں کی ہندوستان میں مکمل تاریخ ان کی سفاکانہ حرکت کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے" انھیں بالخصوص ہر عالی شان مندر کو لوٹنے میں جہاں ان کی رسائی ممکن ہوتی مسرت حاصل ہوتی تھی۔ ترپتی کا مندر بھی ان کی دستبرد سے نہ بچ سکا۔ (1545)

ناگم نایک کے لڑکے وشوناتھ نایک کو اس کے ورثا نے بعد میں مدیورا کے مشہور نایک خاندان کا بانی سمجھا۔ وشوناتھ نایک اچیوت رائے کی جنوبی مہم میں اس کا شریک رہا ہوگا۔ اس لیے سلوا ویر نرسنگھ، ترووا ڑی اور دوسرے باغی سرداروں کے خلاف جنگوں میں حصّہ لیا ہوگا اور اخیر میں پانڈیہ ویش میں اسے وجیہ نگر شہنشاہ کے نمائندے کی حیثیت سے بھی مقرر کیا ہوگا۔ وہ 1533 سے اچیوت رائے کے انتقال تک (1542) مدیورا کا گورنر رہا۔ ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ اس نے مدیورا کی الگ نایک سلطنت قایم کی۔ نایک سلطنت بعد میں قایم کی گئی ہوگی اور ممکن ہے کہ یہ کام اس کے لڑکے کرشن اپا نے کیا ہو۔

اچیوت رائے کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا وینکٹ اوّل تخت نشین ہوا وہ نابالغ تھا اس لیے اس کے ماما ملک راج ترومل امرا کی مخالفت کے باوجود بادشاہ کا قایم مقام (ایجنٹ) بن گیا۔ رانی ماں ورّدا دیوی کو اپنے بھائی کی نیت پر شک ہوگیا۔ اس نے عادل خاں سے مدد کی درخواست کی۔ عادل خاں ابھی وجیہ نگر کے راستہ پر ہی تھا کہ ترومل نے اسے رشوت

دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ رام رائے نے اس چال کو ناکامیاب بنانے کے لیے کتنی کے قید خانہ سے سداشو کو آزاد کر کے اس کے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا اور اس کی مدد کے لیے بیجا پور کے سلطان سے امداد طلب کی۔ عادل خاں نے بادل ناخواستہ وجیہ نگر پر حملہ کر دیا۔ تروملی نے جسے دارالخلافہ کے پریشان عوام نے بادشاہ بنا دیا تھا۔ عادل خاں کو ایسی شکست دی کہ اسے واپس ہی جانا پڑا۔ اپنا راستہ صاف کرنے کی غرض سے تروملی نے دوسرا کام یہ کیا کہ اس نے وینکٹ اوّل اور شاہی خاندان کے تمام افراد کو قتل کروا دیا۔ اس کے مظالم اتنے ناقابل برداشت ہو گئے کہ امرا نے اپنی تجارت کے لیے بیجا پور کے سلطان کو دوبارہ مدعو کیا۔ بیجا پور کا سلطان آیا لیکن اس کی نخوت پسندی کی وجہ سے لوگ اس سے متنفر ہو گئے اور چونکہ اسے اپنی حفاظت کا خطرہ محسوس ہوا۔ اس لیے وہ واپس چلا گیا۔ اخیر میں سداشو کے نام پر کل اختیارات حاصل کرنے کی غرض سے رام رائے نے اقدامات کیے اور پینو گونڈ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے تروملی کو متعدد لڑائیوں میں شکست دی اور تنگ بھدرا کے کنارے آخری لڑائی میں اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد رام رائے سداشو کی تاجپوشی کے لیے وجیہ نگر کو روانہ ہوا۔ (1543)

تاجپوشی کے ابتدائی سات آٹھ سال تک سداشو برائے نام بادشاہ رہا۔ اور حقیقی طاقت رام رائے کے ہاتھ میں ہی رہی۔ رام رائے نے رفتہ رفتہ شاہی لقب بھی اختیار کرنا شروع کر دیے سداشو پر زبردست نگرانی رکھی جاتی تھی اگرچہ رام رائے اور اس کے دونوں بھائی تروملی اور وینکٹ ورِی " سال میں ایک دن اپنے قانونی شہنشاہ کے سامنے جاتے اور سجدہ ریز ہوتے تھے۔

فرشتہ کا بیان ہے کہ رام رائے نے سب سے پرانے امرا کو ختم کر کے اپنے خاندان کے لوگوں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا۔ اس بات کی تصدیق دوسرے مؤرخین کے بیانات اور کتبوں سے بھی ہوتی ہے۔ رام رائے نے اپنی فوج میں بڑی تعداد میں مسلمانوں کو بھی بھرتی کرنا شروع کیا۔ یہی کام چھوٹے پیمانے پر دیو رائے دوئم نے بھی شروع کیا تھا۔ لیکن اس نے مسلمانوں کو ذمہ داری کے عہدوں پر مقرر نہیں کیا تھا۔ رام رائے نے دوراندیشی کی اس حکمت عملی کو ترک کر دیا اور اس نے مسلمانوں کو ایسے عہدوں پر مقرر کیا جہاں سے انھیں ملک کے اندرونی معاملات کی پوری پوری واقفیت حاصل ہو جاتی تھی۔ مزید برآں

اس نے دکن کی مسلم ریاستوں میں مداخلت کے ہر موقعہ کا خیر مقدم کیا اور ایک کو دوسرے سے لڑا کر انھیں کمزور بنائے رکھنے کی کوشش کی اس طرح سے توقع تھی کہ وہ اپنی طاقت بڑھائے گا یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ مسلم حکمراں رام رائے کی اس حکمت عملی کو سمجھ گئے وہ متحد ہو گئے اور رام رائے کو اپنے غلط اندازوں کے لیے زبردست قیمت چکانا پڑی۔ یہ رام رائے کی غلط پالیسی کا ہی نتیجہ تھا کہ راکشستی تانگری (تلی کوٹ) کا تباہ کن راستہ کھل گیا۔

سداشو کی تاجپوشی کے فوراً بعد ایک بار پھر رام رائے کو جنوب میں جانا پڑا۔ اس کے مخالفین نے جو کسی بھی حالت میں اسے حکومت کے اعلا ترین منصب پر فائز نہیں دیکھ سکتے تھے، اس کے اقتدار کو خاطر میں نہ لاکر چندرگری کے جنوب میں واقع علاقہ میں ابتری پھیلا شروع کر دی۔ یہ علاقہ وجے نگر کے ہی زیر اقتدار رہا۔ جنوب بعید میں ٹراونکور کے حکمرانوں نے ایک بار پھر علم بغاوت بلند کر دیا اور سلطنت کے پانڈیہ جاگیردار کا یتار کے سردار کو نکال باہر کیا۔ رومن کیتھولک مشنریز نے سینٹ فرانسس زیویر کی قیادت میں خلیج منار کے صدف زار ساحل پر رہنے والوں کو بڑی تعداد میں عیسائی بنا لیا اور یہاں کے رہنے والے ماہی گیروں کو مسلم تاجروں کی لوٹ کھسوٹ اور ہندو گورنروں کے ظلم سے جس کے وہ مدت سے شکار ہو رہے تھے۔ بچنے کے لیے پرتگال کے بادشاہ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کے لیے مجبور کیا۔ فرانسس مذہب کے راہبین اور پادری ساحلی شہروں کے مندروں کو مسمار کر کے ان کی جگہوں پر گرجے تعمیر کر رہے تھے۔ گوا کا پرتگالی گورنر کا نچی ورم کے دولتمند مندروں کو لوٹنے کے لیے چھاپا مارنے والوں کا گروہ منظم کر رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے مقامی افسروں کے باہمی بغض و حسد اور پرتگالیوں کے ساتھ ان کی گفت و شنید نے صورت حال کو اور بھی پیچیدہ بنا دیا تھا۔

اس موقعہ پر بدنظمی کا سدباب کرنے اور امن قایم کرنے کے لیے رام رائے نے اپنے چچا زاد بھائی چینا تما لو ایک کثیر فوج کے ساتھ جنوب کی جانب روانہ کیا۔ باغیوں کے قبضہ سے چندرگری کو نکال لیا گیا۔ اس کے بعد چینا تما چول دیش میں داخل ہوا اور بھون گری کے قلعہ پر دھاوا بول دیا۔ یہاں سے سمندر کے کنارے کنارے ہوتے ہوئے دریائے کاویری کو عبور کر کے وہ ناگور کے بندرگاہ پر پہنچا جہاں رنگ ناتھ کے ایک مندر کو جسے کیتھولکوں نے

زبردست نقصان پہنچایا تھا دوبارہ حاصل کیا۔ تنجور اور پودو کوٹائی کے مقامی سرداروں سے اطاعت قبول کرانے کے بعد ان سے خراج کی بقایا رقم بھی وصول کی۔ چینا تماتے اور بھی دور جنوب بلکہ میں پانڈیہ حکمراں کو جسے ہٹا دیا گیا تھا دوبارہ اسے عہدے پر مقرر کیا۔ اس طرح کائیال کے سردار بیم پیرو مل اور ٹیوتی کورن کا غرور ختم کیا۔ ٹراونکور کے پانچ سرداریوں کی فوجوں کا وزة نورلا کے قریب مقابلہ کیا ان کی فوجوں کو شکست دی گئی اور فوجیں منتشر ہوگئیں۔ اس کے بعد ٹراونکور کے بقیہ علاقے پر حملہ کیا اور اس کے شکست خوردہ حکمراں کے ساتھ النفات سے پیش آیا گیا۔ اس کی حکومت میں پہلے جو علاقہ شامل تھا اس کا بیشتر حصّہ اس کے قبضہ میں چھوڑ دیا گیا۔ چینا تما نے تر لوندرم کے پدم ناتھ مندر میں پوجا کی اور اس انتریپ میں فتح کا مینار قائم کرنے کے بعد اپنے چھوٹے بھائی وٹھل کو جس نے اس مہم میں زبردست خدمات انجام دیں تھیں۔ مفتوحہ علاقہ سپرد کرکے دارالخلافہ واپس ہوا۔

پرتگالیوں کے ساتھ رام رائے کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار نہیں رہے۔ 1542 میں جب مارٹن الفونسو ڈی سوزگوا کا گورنر ہو کر آیا تو یہ تعلقات اور بھی زیادہ خراب ہوگئے۔ اس نے گوا میں آنے کے فوراً بعد بھٹکل کے بندرگاہ کو لوٹا۔ کارومنڈل ساحل پر پرتگالیوں کی سرگرمیوں کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ مارٹن الفونسو کے جانشین جواڈی کیسٹرو کے ساتھ رام رائے نے 1547 میں ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے رام رائے کو گھوڑوں کی تجارت کے مکمل حقوق حاصل ہوگئے۔ یہ دوستی کچھ زمانہ تک قایم رہی اور نتیجتاً امن بھی برقرار رہا 1558 میں رام رائے نے دفعتاً سین ٹوم پر حملہ کر دیا۔ اسے کیتھولک مذہب کے پادریوں کے ذریعے مندروں کو مسمار کرنے کی شکایات موصول ہوئی تھیں اس کو یہ بھی اطلاع دی گئی کہ یہاں کے رہنے والوں کے پاس بے انتہا دولت ہے۔ رام رائے نے سوچا کہ وہ ایک ہی وقت میں اپنے مذہب کا تحفّظ بھی کر سکتا ہے اور خزانے کو بھی دوبارہ بھر سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک لاکھ پیگوڈا خراج کے طور پر طلب کیے۔ اس میں سے نصف رقم تو فوراً اور بقیہ رقم ایک سال کے بعد ادا کرنا تھی۔ اس سلسلہ میں اس نے پانچ مخصوص شہریوں کو بھی یرغمال کے طور پر اپنے یہاں رکھا۔ اسی درمیان اس خیال سے کہ سین ٹوم کو کوئی امداد حاصل نہ ہوسکے۔ رام رائے کے چچازاد بھائی وٹھل آریہ نے اکیری کے سردار سنکن نایک کی مدد سے گوا پر حملہ کر دیا۔ ان تمام مزاحمتوں کے باوجود پرتگالیوں کی غارت گری

مالابار کے ساحل پر برابر جاری رہا۔

ہم اب مسلم ریاستوں سے رام رائے کے تعلقات کی تفصیلات نیز ان واقعات کو بیان کرتے ہیں جن کی بنا پر راکشسی تانگڑی کی فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ اس کا ذکر مختصراً پہلے بھی کیا جا چکا ہے 43-1542 میں احمد نگر اور بیجاپور نے باہمی تفرقہ کو ختم کر کے یہ فیصلہ کیا کہ بیجاپور کا سلطان جنوب میں وجیہ نگر کے اور احمد نگر کے سلطان بیدر کے خلاف بلا روک ٹوک کارروائی کر سکتا ہے۔ چنانچہ ابراہیم عادل شاہ نے وجیہ نگر پر حملہ کر دیا جو بے سود ثابت ہوا۔ کیونکہ اس کی فوجوں کو کیلادی کے سردار سدیشو نایک نے پیچھے ہٹا دیا۔ 1548 میں رام رائے نے برہان نظام شاہ کو بیدر سے کلیانی کا قلعہ فتح کرنے میں مدد دی۔ یہ قلعہ برہان نظام شاہ کے قبضہ میں اس کے مرتے دم تک رہا (1553) اس کے لڑکے حسین نظام شاہ نے گولکنڈہ کے سلطان ابراہیم قطب شاہ کے ساتھ دوستی کر لی اور بیجاپور کے خلاف دوبارہ جنگ چھیڑ دی اور گلبرگہ کا 1557 میں محاصرہ کر لیا۔ ابراہیم عادل شاہ نے رام رائے سے مدد طلب کی۔ رام رائے بلا تاخیر اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ چونکہ رام رائے کشت و خون سے بچنا چاہتا تھا اس لیے اس نے دریائے بھیم اور دریائے کرشنا کے سنگم پر تمام فریقین کا ایک جلسہ منعقد کیا۔ جس میں باہمی دوستی اور تحفظ کے لیے ایک صلحنامہ تیار کیا گیا۔ اس صلحنامہ کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر کسی بھی فریق پر بے انصافانہ حملہ کیا گیا تو بقیہ فریق متحد ہو کر حملہ آور کے خلاف اس کی مدد کریں گے۔ آجکل کی حکمتِ عملی کے مطابق اسے اجتماعی تحفظ کا منصوبہ قرار دیا جائے گا۔

ان چاروں سلطانوں کی ملاقات کے فوراً بعد ابراہیم عادل شاہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا نوجوان لڑکا علی عادل شاہ تخت نشین ہوا۔ فرشتہ کے مطابق علی عادل شاہ نے وجیہ نگر سلطنت کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کرنے کے خیال سے ایک غیر معمولی قدم اٹھایا۔ تقریباً اسی زمانہ میں رام رائے کا ایک لڑکا مر گیا اور تعزیت کے خیال سے عادل شاہ خود وجیہ نگر گیا۔ اس کا زبردست خیر مقدم کیا گیا اور رام رائے کی بیوی نے علی عادل شاہ کو اپنا متبنیٰ بیٹا بنا لیا۔ تین دن کے قیام کے بعد جب علی نے رخصت چاہی تو رام رائے اسے شہر کے باہر تک چھوڑنے نہیں آیا۔ علی نے اس بے عزتی کو اپنے دل میں رکھ لیا۔ رام رائے نے اسی جگہ پر یہ خیال کیا کہ بیجاپور کی حالت بہت زیادہ گر گئی ہے اور یہی سبب ہے کہ وہاں کا سلطان اس

کی دوستی حاصل کرنے کے لیے اس قدر عجز و انکساری کے ساتھ پیش آیا ہے۔

چاروں سلطانوں کے مابین جو قرارداد ہوئی تھی اس کی مخالفت سب سے پہلے حسین نظام شاہ نے بیجاپور پر 1560 میں حملے کرکے کی۔ علی وجیہ نگر بھاگ گیا اور رام رائے سے مدد کا طلبگار ہوا۔ رام رائے مدد دینے کے لیے تیار ہوگیا۔ اس نے گولکنڈہ کے سلطان ابراہیم قطب شاہ سے بھی درخواست کی کہ وہ صلحنامہ کے شرائط کے مطابق اپنا فرض ادا کرے۔ ابراہیم قطب شاہ بادل ناخواستہ راضی ہوگیا۔ لیکن متحدہ فوجوں کی آمد پر نظام شاہ اپنی ریاست میں واپس چلا گیا اور کلیانی کے دفاع کی ذمہ داری ایک ہندو افسر بھوپال راج کے سپرد کردی۔ متحدہ فوج نے اپنا ایک فوجی دستہ کلیانی کے لیے چھوڑ دیا اور بقیہ فوج احمد نگر پر دباؤ ڈالنے لگی۔ جام کھید کی ایک لڑائی میں نظام شاہ کو شکست ہوئی بھاگتے ہوئے سلطان کا دولت آباد تک پیچھا کیا گیا۔ نظام شاہ نے مزید مقابلہ کرنا بے سود سمجھا۔ چنانچہ اس نے صلح کرلی۔ وہ علی عادل شاہ کے حق میں کلیانی سے دست بردار ہوگیا۔ علی عادل شاہ کو اس طرح رام رائے کا احسان ماننا پڑا۔ اس کے بعد رام رائے نے بیدر پر حملہ کیا اور برید شاہ کو شکست فاش دی۔ برید شاہ کو اس کے بعد سے رام رائے کے دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے میں برابر تعاون دینا پڑا۔

رام رائے نے چونکہ اپنی ابتدائی زندگی گولکنڈہ کے قطب شاہی دربار میں تھوڑی مدت کے لیے بہ حیثیت ملازم شروع کی تھی اس لیے اس سلطنت کے اندرونی معاملات کا بہ خوبی علم تھا۔ قطب شاہی دربار کے امرا بھی اس کے دوست تھے۔ ابراہیم قطب شاہ کے ساتھ اس کے تعلقات خوشگوار تھے کیونکہ ابراہیم قطب شاہ اس وقت اس کے ساتھ بہت مہربانی سے پیش آتا تھا جب وہ اپنے بھائی کے غصہ سے پریشان ہوکر وجیہ نگر بھاگ گیا تھا۔ قطب شاہ نے اس کے بھائی کے انتقال پر (1550) اسے تخت حاصل کرنے میں بھی مدد دی تھی۔ لیکن مخالف مفادات کے پیش نظر وہ رفتہ رفتہ دور ہوتے گئے احمد نگر کے خلاف جنگ میں بھی ابراہیم قطب شاہ نے بے دلی سے ساتھ دیا۔ بعد میں وہ اعلانیہ طور پر احمد نگر کا شریک اور بیجاپور کے خلاف ہوگیا اور کلیانی کا محاصرہ کیا۔ رام رائے قلعہ کی امداد کے لیے خود پہنچا اور اسی وقت گولکنڈہ حکومت کے جنوبی اضلاع پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس حملے کی قیادت اس کا بھائی وینکٹ دری کررہا تھا۔ نتیجہ یہ

ہوا کہ متحدہ سلاطین کلیانی سے واپس چلے گئے۔ رام رائے نے نظام شاہ کا اور بیجاپور کی فوج نے قطب شاہ کا تعاقب کیا۔ وجے نگر کی فوج نے دوبارہ احمد نگر کا محاصرہ کیا لیکن کوئی کامیابی نہیں حاصل ہوئی کیونکہ قریبی دریا میں باڑھ آئی ہوئی تھی اور حملہ آور فوج کو کافی نقصان کے ساتھ واپس ہونا پڑا۔ ابراہیم قطب شاہ کو لڑائی میں شکست ہوئی اور وہ بہ مشکل تمام اپنے دارالخلافہ تک واپس پہنچ سکا۔ یہاں وینکٹ دری کے حملے کی بنا پر بد نظمی پھیل گئی تھی۔ رام رائے جلد ہی احمد نگر سے لوٹا اور گولکنڈہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ ابراہیم نے رام رائے کی توجہ ہٹانے کی غرض سے کونڈو ڈر پر حملہ کر دیا۔ اس حملے سے ابراہیم کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ ایک بار اور اسے جنگ میں شکست قبول کرنا پڑی۔ اس کے علاقے کو تباہ و برباد کر ڈالا گیا اور اہم قلعہ دشمن کے قبضہ میں آگئے۔ آخر میں ابراہیم نے کو دلکونڈ، گن پورہ اور پنگال (1563) کے قلعے دے کر صلح کر لی۔ اس لڑائی نے گولکنڈہ اور وجے نگر کے درمیان خلیج کو اور بھی وسیع کر دیا۔ ابراہیم نے ہندو سلطنت کو تباہ کرنے کا تہیہ کر لیا جو شمال میں اس کے مسلم ہمسایوں کے لیے برابر بے عزتی کا باعث بنی ہوئی تھی حتی کہ ان کے سفیروں کا بھی معقول خیر مقدم نہیں کیا جاتا تھا۔

مسلم سلطانوں نے یہ بخوبی سمجھ لیا کہ ان کی باہمی جنگ سے رام رائے فائدہ اٹھا رہا ہے چنانچہ ابراہیم قطب شاہ اور حسین نظام شاہ جنھوں نے سب سے زیادہ نقصان برداشت کیا تھا۔ مسلم ریاستوں کو وجے نگر کے خلاف اتحاد قایم کرنے میں پیش قدمی کی۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ احمد نگر اور گولکنڈہ پر حملہ کے دوران ہندو فوجوں نے مسلم آبادی اور مقدس مقامات کے ساتھ جو زیادتیاں کی تھیں ان کی بنا پر رام رائے کے خلاف جذبات برانگیختہ ہو گئے۔ چنانچہ سلطانوں کے مابین سفیروں کا تبادلہ ہوا۔ ان کے باہمی تفرقات ختم ہو گئے اور ہندو حکومت کے خلاف مسلمانوں کی ایک عام مجلس قایم کرنے کے لیے اقدامات کیے گئے۔ خاندانی شادیوں کی بنا پر احمد نگر اور بیجاپور کے درمیان سیاسی اتحاد بھی مضبوط ہو گیا تھا۔ علی عادل شاہ نے حسین نظام شاہ کی بیٹی چاند بی بی کے ساتھ شادی کی اور حسین نظام شاہ کے بڑے لڑکے نے اسی وقت علی عادل شاہ کی ہمشیرہ کے ساتھ شادی کی۔ ان شادیوں کے بعد ہی جہاد کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ہندو مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ پانچوں سلطان رام رائے کے خلاف تھے۔ مسلم مورخین حالاں کہ اس امر پر زور دیتے ہیں کہ برار کا سلطان ان کے ساتھ شریک نہیں تھا۔ علی عادل شاہ نے دوہرا کھیل کھیلا۔ اس نے دونوں فریق کے ساتھ دوستی کا اظہار کیا۔ مسلم

فوجیں بیجاپور کے میدان میں جمع ہوئیں اور 1564ء کے اختتام تک جنوب کی جانب بڑھنے لگیں۔

رام رائے جانتا تھا کہ طاقت کا فیصلہ کن امتحان جلد ہی ہونے والا ہے۔ اس نے 15 ستمبر 1564ء کو عین دسہرے کے دن اپنے امرا کو بتایا کہ جنگ سر پر منڈلا رہی ہے اور حکم دیا کہ وہ بلا تاخیر اپنی تمام طاقت یکجا کر لیں۔ اگرچہ مختلف مورخین نے اس لڑائی میں جتنی بڑی تعداد میں فوج کے اکٹھا ہونے کا ذکر کیا ہے وہ قابل اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس شبہ میں دونوں جانب سے کافی بڑی تعداد میں فوجیں میدان میں لائی گئیں۔ مسلمان 26 دسمبر 1564ء کو تلی کوٹ پہنچ گئے۔ تلی کوٹ دریائے کرشنا کے قرب و جوار میں ایک چھوٹا سا قلعہ تھا۔ رام رائے نے انتہائی خود اعتمادی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا۔ اس نے سب سے پہلے اپنے بھائی ترومل کو تمام اسلحوں سے لیس کر کے ایک بڑی فوج کے ساتھ دریائے کرشنا کی حفاظت کے لیے روانہ کیا۔ یہ اقدام اس خیال سے کیا گیا تا کہ دشمن دریا کو عبور نہ کر سکے۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوسرے بھائی وینکٹ دری کو بھیجا اور اخیر میں سلطنت کی تمام بقیہ فوج کو لے کر وہ خود میدان میں کود پڑا۔ ہندو کیمپ دریائے کرشنا کے جنوبی کنارے پر تھا اور مسلمان دونوں کناروں پر چھائے ہوئے تھے۔ بعض حمایتی مورخین نے اس فیصلہ کن جنگ سے پیشتر کے واقعات نیز اس جنگ کے واقعات جو تحریر کیے ہیں۔ ان کی بنا پر واقعات کا سلسلہ وار تعین دشوار ہے۔ جنگ کا واقعی میدان دریائے کرشنا کے جنوبی کنارے پر واقع تھا۔ چونکہ دونوں گاؤں راکشسی اور تانگڑی دریائے کرشنا کے شمالی کنارے سے دس میل پر واقع تھے اور تلی کوٹ کے مقابلہ میں زیادہ نزدیک تھے اس لیے بعض مورخین اس جنگ کو تلی کوٹ کی جنگ نہ کہہ کر راکشسی تانگڑی کی جنگ کہتے ہیں۔

دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے ایک مہینے سے بھی زاید عرصے تک ڈٹی رہیں۔ اسی درمیان ابتدائی جھڑپیں بھی ہوئیں۔ ان میں سے ایک جنگ میں نظام شاہ اور قطب شاہ کی زبردست ہار ہوئی اور انھوں نے چال چلنے کی سوچی۔ انھوں نے مشہور کر دیا کہ وہ طاقتور رام رائے سے دوستی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے بات چیت بھی شروع کر دی۔ اسی اثنا میں انھوں نے احتجاج کر کے علی عادل شاہ کو اپنی طرف مضبوطی سے ملا لیا۔ انھوں نے شاید رام رائے کے فوج کے مسلم افسروں کے ساتھ بھی گفت و شنید کی۔ جب ہر طرح سے تیاری مکمل شروع ہو گئی تو مسلم فوج کے مخصوص دستے نے دھوکہ دے کر دریا کو عبور

کرلیا جس کی وجہ سے ہندو فوج کو گھاٹ کی حفاظت کے لیے آگے بڑھنا پڑا۔ اس کے بعد مسلم فوج ہندو کیمپ پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھی اگرچہ رام رائے پر یہ حملہ اچانک ہوا تھا لیکن وہ دفاع کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ سیول اور فرشتہ کے مطابق فیصلہ کن جنگ 23 جنوری 1565 کو ہوئی جس میں رام رائے اور اس کے دونوں بھائی شریک تھے۔ اپنی ڈھلتی ہوئی عمر کے باوجود رام رائے نے ایک ڈولی سے فوج کی کمان جاری رکھنے پر زور دیا۔ وہ فوج کے مرکزی حصہ کی کمان کر رہا تھا۔ حسین نظام شاہ اس کا مقابل تھا۔ اس کی فوج کے بائیں بازو کی کمان اس کا بھائی ترومل کر رہا تھا۔ جس کے مقابل علی عادل شاہ کے زیر کمان اس کی فوج تھی۔ دایاں بازو اس کے بھائی وینکٹ دری کے زیر کمان تھا اور اس کے مقابل احمد آباد، بیدر اور گولکنڈہ کے سلطان تھے۔ شروع میں ہندو فوج کامیابی سے لڑی اور قریب ہندو فوج کی جیت ہوگئی تھی۔ لیکن جب رام رائے کی فوج کے دو مسلم سپہ سالار جن میں ہر ایک کے تحت ستر سے اسی ہزار تک فوج تھی ٹوٹ کر مسلمانوں سے جا ملے تو جنگ کا تختہ ہی پلٹ گیا۔ فریڈرک سیزر کا بیان ہے کہ "جب دونوں فوجیں لڑتے لڑتے مل گئیں تو لڑائی بہت کم وقت تک چلی۔ لڑائی چار گھنٹے بھی نہ چل سکی کیونکہ جب لڑائی زوروں پر تھی تو دو غدار کپتانوں نے اپنی فوج کے ساتھ اپنے بادشاہ کی طرف سے منہ موڑ لیا اور بقیہ فوج میں ایسی بدنظمی پھیلی کہ وہ حیران ہوکر بھاگ کھڑی ہوئی۔

رام رائے نظام شاہ کے ہاتھ میں مرگیا۔ اس نے فوراً اس کا سر کاٹ لیا اور ایک نیزے پر رکھ کر ہندو فوج کے دیکھنے کے لیے بلند کیا۔ اس کے بعد جو بھگدڑ مچی اس میں ایک لاکھ سے زاید آدمی مارے گئے۔ چاروں طرف ابتری پھیل گئی۔ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے کوئی اور مورچہ نہیں قایم کیا گیا اور نہ دارالخلافہ کی دفاع کا ہی کوئی انتظام کیا گیا۔ وجیہ نگر شہر تک جانے کا راستہ خالی پڑا تھا۔ اس راستے سے سب سے پہلے غم زدہ سپاہی اور شہزادے بری خبر سنانے کے لیے داخل ہوئے۔ لیکن ترومل 1550 ہاتھیوں پر رام رائے کا کل خزانہ لاد کر بھاگ نکلا۔ اس نے شہر اور اس کے باشندوں کو ان کی قسمت پر چھوڑ دیا۔ اور اپنے ساتھ قیدی بادشاہ سداشو اور شاہی خاندان کی عورتوں کو لے گیا۔

فاتح فوج کی آمد سے پہلے ڈاکوؤں اور جنگلی افراد کے گروہ نے بے سہارا عوام پر حملہ کرکے ان کے گھروں اور دکانوں کو لوٹا" انھوں نے آگ اور تلوار لوہے کے رندوں اور کلہاڑیوں سے

دن بدن اپنی خوں ریزی کو جاری رکھا۔ دنیا کی تاریخ میں ایسی تباہی کبھی نہیں آئی اور اس طرح دفعتاً اس شہر پر جو ایک دن شان دار تھا کبھی نہیں آئی یہی وہ شاندار شہر تھا جس میں دولتمند اور محنتی لوگ رہتے تھے، جہاں ایک دن کا دور دورہ تھا لیکن دوسرے دن اس پر قبضہ کر لیا گیا، اسے لوٹا گیا اور خاک میں ملا دیا گیا۔ وحشیانہ قتل عام اور دہشت سے پُر جو نظارے دیکھنے میں آئے انھیں بیان نہیں کیا جا سکتا" وجیہ نگر اس حملہ کے بعد دوبارہ نہیں پنپ سکا اور کچھ عرصہ بعد جب ترومل نے اسے دوبارہ آباد کرنے کی کوشش کی تو اسے برائے نام کامیابی حاصل ہوئی۔

ترومل پینوگونڈ میں رہنے لگا۔ اور ہر ممکن طریقے پر ایک نئی فوج تیار کرنے میں مصروف ہو گیا ملا لکھتے ہیں کہ اس نے اپنی انتہائی ضرورت میں پرتگالیوں سے کچھ گھوڑے خریدے لیکن ان کی قیمت ادا کرنے سے اس نے انکار کر دیا۔ وہ جزوی طور پر وجیہ نگر سے دست بردار ہو گیا کیونکہ اس شہر کی رائے عامہ رام رائے کے لڑکے پیڈا ترومل عرف نما کی جانشینی کے حق میں تھی۔ چھ سال تک بدامنی اور پریشانی کے بعد ترومل بادشاہ ہوا۔ رام رائے نے اپنے اعزا کو اونچے عہدوں پر فائز کرنے کی غرض سے تربیت یافتہ غیر فوجی ملازمین کی خدمات کو ختم کر دیا تھا۔ اس غلط حکمت عملی کا خمیازہ اس نازک دور میں بھگتنا پڑا۔ سلطنت میں ہر جگہ بغاوتیں پھوٹ پڑیں۔ جرائم میں اضافہ ہو گیا اور ان کے ساتھ ساتھ پالیہ گروں اور ڈاکوؤں کے مظالم میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اسی زمانہ سے مدیورا، تنجور اور جنجی کے نایک خود مختار ہو گئے۔

معلوم ہوتا ہے پیڈا ترومل نے اس شکست جیسی عظیم تباہی سے کوئی سبق نہیں لیا۔ اس نے اپنے چچا کے خلاف علی عادل شاہ سے مدد کی درخواست کی۔ سلطان پہلے وجیہ نگر کی جانب روانہ ہوا لیکن بعد میں ایک فوج پینوگونڈ کے محاصرہ کے لیے روانہ کر دی۔ لیکن سوا رام چنا پانایک ایسے قابل جنرل کی قیادت میں قلعہ کا تحفظ ممکن ہو سکا۔ ترومل نے نظام شاہ سے مدد کی درخواست کی سلطان نظام شاہ نے بیجاپور پر حملہ کر دیا اور عادل شاہ کو وجیہ نگر سے ہٹنا پڑا (1567) اس کے فوراً بعد ترومل سے کہا گیا کہ وہ نظام شاہ اور قطب شاہ کے ساتھ بیجاپور پر حملہ کرے۔ ترومل نے ایسا ہی کیا۔ لیکن عادل شاہ نے اپنے مسلم ہمسایوں کے ساتھ صلح کر لی اور ترومل پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے اپنی پوری طاقت سے 1568 میں ترومل کے علاقے پر حملہ کیا، ایڈونی کا محاصرہ کر لیا گیا اور ایک فوج کو پینوگونڈ روانہ کیا گیا تاکہ ایڈونی

کو کوئی مدد نہ حاصل ہو سکے۔ پینوگونڈہ نے دوبارہ کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا۔
لیکن ایڈونی پر عادل شاہ کا قبضہ ہو گیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترومل ان تمام باتوں کے باوجود سلطنت کے بیشتر حصوں کو اپنے قبضہ میں رکھ سکا۔ اس نے خاموشی کے ساتھ جنوب کے نایکوں کی نئی حیثیت کو تسلیم کرلیا اور ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قایم کیے۔ چنانچہ میسور کے وودیار اور ویلور جنجی کیلادی کے حسب نایک حسب سابق وجیہ حکومت کے وفادار رہے۔ اس نے اپنے تینوں لڑکوں کو لسانی علاقوں پر انتظام اور نگرانی کے لیے وائسرائے مقرر کیا۔ سب سے بڑا لڑکا سری رنگ تیلوگو علاقہ کا وائسرائے مقرر ہوا۔ اس کا دارالخلافہ پینوگونڈہ تھا۔ دوسرا لڑکا رام کنڑ ویش کے سری رنگا پٹن اور رویکتا پٹی پر حکومت کرتا تھا۔ تیسرا لڑکا تامل ویش پر چند رگری سے حکومت کرتا تھا۔ ترومل نے " زوال پذیر کرناٹک سلطنت کے مجدد" کا لقب اختیار کیا اور 1570 میں شہنشاہ کی حیثیت سے تاجپوشی کی رسم ادا کی۔ لیکن چونکہ وہ کافی ضعیف ہو چکا تھا اس لیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلیل عرصہ حکومت کر کے تخت سے دست بردار ہو گیا اور 1572 میں اس کا بڑا لڑکا سری رنگ تخت نشین ہوا ترومل کے کارناموں نے وجیہ نگر سلطنت کو دوبارہ قایم کر دیا۔ گو کہ اس کے کچھ علاقے دوسرے حکمرانوں کے قبضے میں تھے لیکن اس کے باوجود سلطنت کی زندگی سو برس اور بڑھ گئی۔

سداشو کے بارے میں کوئی بات یقینی طور پر نہیں کہی جاسکتی۔ سیزر فریڈرک نے 1567 میں سنا کہ ترومل کے کسی لڑکے نے اسے قتل کر دیا لیکن یہ سراسر جھوٹ تھا۔ ممکن ہے اس کی تشہیر اراودو کے نئے شاہی خاندان کی رسوائی کے لیے اس کے دشمنوں نے کی ہو۔ یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ سداشو ایسے سیدھے راجہ کو کسی نے بھی مار ڈالنے کی تکلیف گوارا نہ کی ہو اور وہ قید خانہ میں ہی رہ کر اس قدر نحیف ہو گیا ہو کہ فطری موت مر گیا ہو کتبوں میں اس کا نام 1576 تک آتا ہے۔

سری رنگ اوّل نے اپنی حکومت 1572 میں شروع کی۔ حالاں کہ اس کا باپ کنارہ کشی کی حالت میں چھ سال اور زندہ رہا۔ اس نے سلطنت کو دوبارہ قایم کرنے کی کوششیں برابر جاری رکھیں۔ حالاں کہ اس کے راستے میں زبردست رکاوٹیں تھیں۔ مزید براں اس کے دو مسلم ہمسایوں نے بھی حملے کیے جن کی بنا پر ... نے کچھ علاقے سے

بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ 1576 میں علی عادل شاہ نے ایڈونی سے ایک فوج پینو گونڈے کے محاصرہ کے لیے روانہ کی۔ شری رنگ نے اپنے دارالخلافہ کے تحفظ کی ذمے داری اپنے ایک قابل جنرل چیتاپا کے سپرد کی اور خود خزانہ لے کر چندرگری چلا گیا۔ پینو گونڈے کے محصورین نے تین مہینے تک محاصرہ کو برداشت کیا۔ اس درمیان شری رنگ کو گولکنڈہ سے امداد مانگنے کا موقعہ مل گیا۔ اس نے خود بھی چیتاپا کو مدد پہنچانے کے سلسلہ میں اقدامات کیے۔ اس نے عادل شاہ کے ہندو لفٹنٹوں کو اپنی طرف توڑ لیا۔ اس طرح چیتاپا اس لائق ہوگیا کہ اس نے 21 دسمبر 1576 کو سلطان کی فوج کو شکست دے دی۔ اس کے بعد سلطان اپنے علاقے میں واپس چلا گیا۔ لیکن تین سال کے اندر ہی ابراہیم قطب شاہ نے شری رنگ کے ساتھ اپنی نئی دوستی کو بالکل فراموش کر دیا اور اس کی حکومت پہ حملہ کر دیا۔ یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ وجیہ نگر کے بعض غیر مطمئن امرا کے ساتھ ساز باز کر رہا ہو اور اپنی طاقت کو بڑھانے کے لیے موقعہ غنیمت جانتا ہو۔ اہوبلم میں نرسنگھ کے مندر کو جو بہت دولت مند تھا مراہری راؤ نامی مرہٹہ براہمن نے 1579 میں لوٹ لیا۔ یہ براہمن گولکنڈہ کا ملازم تھا۔ مراہری راؤ نے بہت بڑے علاقے پر قبضہ کر کے اسے نیست و نابود کر دیا۔ اگرچہ بعد میں یہ علاقہ واپس کر دیا گیا۔

گولکنڈہ کے سلطان نے اپنی حملہ آورانہ حکمت عملی جاری رکھی۔ اس نے کونڈودو پر حملہ کر دیا۔ وینو کونڈ کونڈوڈو اور اودے گری قلعوں کے ارد گرد لڑائیاں ہوئیں۔ اگرچہ کتبوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شری رنگ نے ان قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم کو بہت زیادہ کامیابی حاصل ہوئی اور اس نے وجیہ نگر سے اس موقعہ پر بہت سا علاقہ لے لیا جسے ہندو حکومت کبھی واپس نہ لے سکی۔ شری رنگ کی ناکامیابی کا سبب سلطنت کی فی الواقع تقسیم تھی جس کے نتیجہ میں اس کے ذرائع محدود ہو گئے تھے اور اس کے بھائی اس کی کوئی مدد نہیں کرتے تھے۔ امرا کے درمیان نفاق جس کی بنا پر اکثر چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی ہو جاتی تھیں اور دشمن کے ساتھ ان کی ساز باز نے ملک کی دفاع کو اور بھی کمزور بنا دیا تھا۔ 1585 میں شری رنگ کے لاولد ہو جانے پر اس کا چھوٹا بھائی وینکٹ تخت نشین ہوا۔ اس کے بڑے بھائی رام کو جو ترومل کے زمانہ میں شری رنگاپٹن کا وائسرائے مقرر کیا گیا تھا دو لڑکے تھے۔ لیکن یہ دونوں لڑکے اس لائق نہ تھے کہ انھیں بادشاہ بنایا جاتا چنانچہ وینکٹ کو ان دونوں پر ترجیح دے کر بادشاہ بنایا گیا۔ اس کے علاوہ ملک کو اس وقت ایک

مضبوط حکمراں کی بھی ضرورت تھی۔ اس لیے امرا نے جگا دیو رائے کی قیادت میں وینکٹ کو نیا بادشاہ منتخب کیا اور وہ ان کی امیدوں کے مطابق پورا بھی اترا۔ اس نے اپنا جشن تاجپوشی 86-1585 میں منایا اور اس کے اٹھائیس سال کے عہد حکومت میں ملک طاقت ورمعا۔ اور خوش حالی بھی بڑی حد تک واپس آسکی۔ اس نے دکن کے مسلم حکمرانوں کے مستقل خطرہ کے خلاف بھی کارروائی کی۔ ملک کے اندر کی بدنظمی کو بھی موثر طور سے فرو کیا اور ملک کے اقتصادی احیا کی بھی سرگرم کوشش کی۔

وینکٹ کا پہلا کام اس علاقہ کی واپسی کی کوشش تھی جو اس کے مورث اعلا کے زمانہ سے گولکنڈہ کے قبضہ میں تھے۔ ابراہیم کی 1550 میں موت کے بعد اس کا لڑکا محمد قلی قطب شاہ نے مکمل کرنولی اور گڈپا وانتت پور کے قلعوں کے کچھ حصے جیت کر موثر جواب دیا۔ قطب شاہ نے آگے بڑھ کر پینو گونڈ کا محاصرہ کر لیا۔ وینکٹ نے لڑائی بند کرنے کی درخواست کی۔ نتائج سے مطمئن ہو کر سلطان پینو کونڈ کے قرب وجوار کے علاقے سے چلا گیا وینکٹ کو اس طرح راحت نصیب ہوئی اس کا اس نے بہتر استعمال کیا۔ اس نے کچھ ہی دنوں میں شہر کو اتنا مضبوط کر لیا کہ اب وہ ایک طویل مدت تک محاصرہ برداشت کر سکتا تھا۔ اس نے پھر مسلمانوں کو مقابلے کی دعوت دی۔ سلطان علی قطب شاہ نے جب دوبارہ محاصرہ کیا تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا سلطان ہار گیا۔ اس کے بعد برسات شروع ہو گئی اور اس خوف سے کہ دریائے کرشنا میں سیلاب آجانے کی وجہ سے اس کے پیچھے ہٹنے کا راستہ کٹ جائے گا اس نے محاصرہ ترک کر دیا اور بہت عجلت کے ساتھ مقبوضہ علاقے کا انتظام کر کے واپس لوٹ گیا۔ وینکٹ نے دوبارہ گنٹی پر بہت قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد گنڈی کوٹ کا محاصرہ کیا۔ اس نے کونڈوڈو سے آنے والی کمک کی مداخلت کی اور دشمن کی فوج کو منتشر کر دیا۔ رستم خاں کے زیر کمان گولکنڈہ کی دوسری فوج کو بھی دریائے پینیر کے کنارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے۔ گنڈی کوٹ وینکٹ کے قبضہ میں آگیا۔ اس کے بعد دوسرے قلعوں کو بھی فتح کر لیا گیا اور گولکنڈہ قلعہ کے محافظ دستہ کا پیچھا کر کے اسے دریائے کرشنا کے اس پار پہنچا دیا گیا۔ بعد میں قلی قطب شاہ نے دریائے کرشنا کو سرکاری طور پر وجیہ نگر سلطنت کی حد تسلیم کر لیا۔ مشرق میں 1589 سے قبل اودے گری وینکٹ کی سلطنت کا ایک حصہ بن گیا۔ لیکن کونڈوڈو کا علاقہ اب بھی سلطان کے ہی قبضہ میں رہا۔ گولکنڈہ کے خلاف وینکٹ کے منصوبے

اس کے خانگی جھگڑوں کی وجہ سے پورے نہ ہو سکے۔

وینکٹ کے تخت نشین ہو جانے پر سرداروں کے باہمی جھگڑوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس کا سبب کافی وقعت اور طاقت ان کے خاموش رکھنے میں ختم ہو گئی۔ مثال کے طور پر تمپا گودے نے کولار کے علاقے میں بغاوت کردی جسے فوراً فرو کر دیا گیا اور اس سے خراج وصول کیا گیا۔ اس سے بھی زیادہ سنگین بغاوت رایل سیما میں ہوئی جسے آج کل واگذار اضلاع کہا جاتا ہے۔ 1597-98 میں نندل کرشتم آریہ اور دوسرے سرداروں نے شاہی احکام کی خلاف ورزی کی۔ کرشتم کو جمبلد گو Jamaladamadgo کی لڑائی میں شکست دی گئی کرشتم نے خود کو نندیلا (نندیال) کے قلعہ میں بند کر لیا۔ وینکٹ نے تین ماہ تک محاصرہ کیا جس کے بعد کرستم نے ہتھیار ڈال دیے۔ کرشتم کو اپنی بقیہ زندگی چندرگری قید خانہ میں گذارنا پڑی۔ رام رائے کے بھائی وینکٹ پٹی پوتا گندن وو لوگوپال راجو اور دوسرے باغیوں کے خلاف وفادار فوجی افسران کے ذریعے مناسب کارروائی کی گئی۔ بغاوتوں کے فرو کرنے کے بعد ان افسران کو باغیوں کی ریاستوں میں سے کچھ حصہ بطور انعام دیا گیا۔ تامل دیش میں ویلور کے لنگم نایک کی قیادت میں بلوے ہوئے۔ ویلوگوٹی کستوری رنگپا کے لڑکے یا چاما نائیڈو پیرم پیڈو سیما (چنگل پٹ اور مدورنتک کے تعلقوں) کی جاگیریں اس خیال سے مقرر کیا گیا کہ وہ لنگم کی سرگرمیوں کو روک سکے۔ یا چمائے ناگ سے جو لنگ کا ماتحت تھا اترامیرور کا مستحکم قلعہ لے لیا۔ لنگ نے قرب وجوار کے قلعوں سے اپنے ماتحتوں کو ہی نہیں بلکہ جنجی، تنجور اور مدیورا کے نایکوں کو بھی اپنی مدد کے لیے بلایا۔ یہ سب وجیہ نگر کے شہنشاہ کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کے حامی تھے۔ اس طرح ایک بڑی فوج اکٹھا کی گئی اور ناگ کے بہنوئی داوُل پاپا نائیڈو کی قیادت میں 31 مئی 1601 کو اترامیرور کے خلاف روانہ کیا گیا۔ یا چما نے بے دھڑک ہو کر چیلنج کو قبول کیا۔ اس کے چھوٹے بھائی سنگ نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ لڑائی میں داول پاپا نائیڈو مارا گیا اور دوسرے لوگ بھاگ گئے یا قیدی بنا لیے گئے۔ یاچما کو مکمل طور فتح حاصل ہوئی۔ وجیہ نگر کے شہنشاہ نے بھی اس فتح کا خیر مقدم کیا۔ لیکن لنگ اور اس کے ساتھیوں نے لڑائی کا راستہ ترک نہیں کیا۔ وینکٹ نے لنگ کو ویلور کے نزدیک شکست دی۔ وینکٹ چول دیش میں داخل ہوا جہاں اس نے باغیوں کو دوبارہ شکست دی۔ اس نے دریائے

اکاویری کو عبور کر کے مدیورا نایک کے علاقے کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ ان مسلسل کامیابیوں نے تامل کی بغاوت کی کمر توڑ دی اور لنگ کے علاوہ باقی تمام باغیوں نے خود کو سپرد کر دیا لنگ ویلور کے ضلع پر بڑا بھروسہ تھا۔ لیکن وقت آنے پر اس قلعہ کو بھی فتح کر لیا گیا۔ اس قلعہ کو بعد میں سلطنت کا مرکزی مقام بنایا گیا۔ لنگ سے اس کی ریاست چھین لی گئی۔

وینکٹ نے شمالی اضلاع کے دیہاتوں میں جن کی حالت 1565 کے بعد سے سلطانوں کے متواتر حملوں کی بنا پر زبوں ہو گئی تھی دوبارہ خوشحالی لانے کے سلسلہ میں اقدامات کیے۔ بادشاہ اور اس کے سرداروں نے اس کی تقلید کرتے ہوئے کاشت کاروں کو آسان شرائط پر آراضی دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعیت اپنے پرانے پیشہ پر آ گئی۔ وینکٹ نے گاؤں سبھاؤں کی گرتی ہوئی طاقت کو ابھارنے اور عوام کو بے لاگ انصاف دینے کے لیے بھی اقدامات کیے۔ اس کی تیس سالہ حکومت نے سلطنت کو جو بلا شبہ ختم ہو چکی تھی بچا لیا۔ وہ اپنے بھتیجے سری رنگ کو اپنا جانشین نامزد کر کے 1614 میں انتقال کر گیا۔

وینکٹ کے زمانہ حکومت میں ہی ڈچ اور انگریزوں نے خود کو مشرقی ساحل پر دوبارہ آباد کرنا شروع کر دیا تھا۔ 1605 میں ڈچ لوگوں نے گولکنڈہ سے گفت و شنید کے بعد نظام پٹم اور میسولی پٹنم میں اپنی فیکٹریاں قایم کر دی تھیں۔ انھوں نے بہت جلد اس ضرورت کو محسوس کیا اور آگے جنوب کے ہندو علاقے میں بھی قدم جماتے جائیں تاکہ ایک ہی قسم کا سامان حاصل کیا جا سکے جس کی مصالحہ جات کے بازار میں بہت زیادہ مانگ تھی'' چنانچہ 1608 میں انھیں جنجی کے نایک تیگنا پٹم (فورٹ سینٹ ڈیوڈ) میں ایک فیکٹری کھولنے کی اجازت مل گئی اس کے دو سال بعد وینکٹ نے انھیں پلولی کٹ میں ایک فیکٹری کھولنے کی اجازت دے دی۔ اس کے علاوہ انھیں تجارت کرنے کے پورے حقوق بھی حاصل ہو گئے۔ پرتگالی سین تھوم سے پلی کٹ پر حملہ کر سکتے تھے۔ جب وینکٹ کی ملکہ نے ڈچوں کے تحفظ کے لیے قلعہ تعمیر کرانے میں تاخیر کی تو ڈچوں نے خود اپنے فرض سے قلعہ تعمیر کروا لیا۔ یہ ان کے حق میں بے حد مفید ثابت ہوا کیونکہ وینکٹ کے انتقال کے بعد جب ملک میں خانہ جنگی اور ابتری پھیلی تو یہ قلعہ ڈچوں کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوا۔ 1611 میں انگریزوں نے پولی کٹ میں اپنے قدم جمانے کی کوشش

کی لیکن ناکام رہے۔ البتہ نظام پٹم اور مسیولی پٹم میں غارت کرنے میں کامیاب ہو گئے۔
وینکٹ کے انتقال کے وقت ان کی دیلور سے گفت وشنید کا کوئی نتیجہ نہیں برآمد ہوا۔
انھوں نے ڈچوں کے ساتھ 1621 میں ایک صلحنامہ کیا جس کی رو سے انھیں پلی کٹ
میں تجارت کرنے کی اجازت حاصل ہو گئی۔ انگریزوں کی فیکٹری اس کے فوراً بعد پہلے کچھ
دور شمال میں ارم گاؤں میں اور بالآخر مدراس میں منتقل ہو گئی۔ (1659-40)۔
دسمارک کے رہنے والے ٹرانکوئبر میں آکر آباد ہو گئے۔ 1620

وینکٹ دوئم کے اگرچہ کئی بیویاں تھیں لیکن کوئی لڑکا نہ تھا۔ وہ اپنی ایک بیوی سے
بے حد محبت کرتا تھا اور جب اس بیوی نے اپنی ایک لونڈی کے لڑکے کو اپنا لڑکا ہونے
کا اعلان کیا تو بھی بادشاہ نے کچھ نہیں کیا۔ شراب کو اور زیادہ نہ بڑھنے دینے کے خیال سے
اس نے شری رنگ کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ لیکن فرضی لڑکے کی موجودگی کی وجہ سے
دقت پیدا ہو گئی۔ اس کے علاوہ شری رنگ بھی طاقت اور ذہانت کا کوئی کامل نمونہ نہ تھا۔
اس نے غیر دانشمندانہ تقرریاں نیز سرداروں سے علاقہ روپیہ پیسہ اور جواہرات طلب کرکے
ان کی ہمدردی کھودی تھی۔ سردار بھی فریقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک فریق کی قیادت تو
اس کی محبوب بیوی کا بھائی گوبری جگا رائے کر رہا تھا جو اس مفروضہ لڑکے کا حامی تھا۔ دوسرا
فریق شری رنگ کا تھا جسے ویلوگوٹی یا چما نایک کی حمایت حاصل تھی۔ جگا رائے نے
اپنے دو حمائیوں شما نایک اور مکراجہ کی مدد سے شری رنگ اور اس کے خاندان کے لوگوں
کو جیل میں ڈال دیا۔ اس نے مفروضہ لڑکے کو بادشاہ بنایا اور کچھ سرداروں کو نذرِ عقیدت
پیش کرنے کے لیے بھی راضی کر لیا۔ یا چمائے جگا رائے کو للکارا اور جائز بادشاہ کی بچانے کی
غرض سے فوج جمع کرنے لگا۔ وہ ایک دھوبی کی مدد سے شری رنگ کے دوسرے لڑکے
شری اودے رام کو جیل سے نکال لانے میں کامیاب ہو گیا۔ شری رنگ اور اس کے
خاندان والوں کو بھی ایک سرنگ کے ذریعہ نکالنے کی کوشش ناکام ہوئی۔ شری رنگ
کے مخالفین کو جب اس کی اطلاع ملی تو نگرانی اور بھی زبردست کر دی گئی۔ یا چمائے بادشاہ
اور اس کے خاندان کے لوگوں کی رہائی کے لیے ایک اور کوشش کی۔ اس نے جگا رائے
کی غیر حاضری کا فائدہ اٹھا کر ویلور کے قلعہ کے ایک کپتان ایٹ اوبلیس کے ذریعہ قلعہ
کے پہرہ داروں کو قتل کر دینے کا انتظام کیا۔ پہرے داروں کی موت کی خبر سن کر یا چما کے

آنے اور قلعہ کے فتح کر لینے کی امید کی جاتی تھی۔ بدقسمتی سے اس کی اطلاع جگا رائے کو پہلے مل گئی اور قبل اس کے کہ یاچما قلعہ پر حملہ کرتا وہ واپس آگیا۔ شری رنگ اور اس کے خاندان والے شری رنگ کی تخت نشینی کے چار ماہ کے اندر قتل کرا دیے گئے اور اس طرح قید سے رہائی دلا کر تخت نشینی کی تمام سازشوں کے امکانات کا خاتمہ کر دیا گیا۔

شاہی خاندان کے لوگوں کے قتل سے سلطنت بھر میں سنسنی اور دہشت پھیل گئی۔ جگا رائے اور اس کے حامیوں سے لوگ نفرت کرنے لگے۔ رام دیو کے لیے جو اس شاہی خاندان کا واحد فرزند تھا۔ ہر شخص کی ہمدردی بڑھ گئی۔ وہ یاچما کی دوراندیشی کی وجہ سے ہی بچ سکا تھا۔ یاچما نے اسے بادشاہ بنانے کا اعلان کیا۔ اس کے بعد سلطنت بھر میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ یاچما نے جگا رائے کو شکست دی اور اسے پناہ لینے کے لیے جنگل کی جانب بھاگنا پڑا۔ نیلور کے جنوب مغرب میں واقع گوبری کی ریاستوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ لیکن جگا کی ہمت نہیں ٹوٹی اور وہ پھر سرگرم عمل ہو گیا۔ اس لیے مدیورا کے ویراپا نایک اور جنجی کے کرشناپا نایک کی مدد حاصل کر لی۔ ادھر یاچما تنجور گیا اور رام کے حق کے لیے رگھوناتھ نایک کی رضامندی حاصل کر لی۔ جگا رائے اور اس کے ساتھیوں نے ترچناپلی میں اپنی فوجیں اکٹھا کیں۔ یاچما ویلور سے اس جانب بڑھا۔ راستے میں رگھوناتھ کی فوج اس سے آکر مل گئی ـــــ گرینڈ اینی کٹ کے نزدیک ایک گاؤں توپر Topur میں فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ جگا رائے اپنے بہت سے لفٹنٹوں کے ساتھ لڑائی میں مارا گیا۔ اس کی فوج منتشر ہو کر بھاگ گئی۔ یاچما کو مکمل فتح حاصل ہو گئی۔ (1616) دینکٹ کا مفروضہ لڑکا جو ان تمام مصائب کا واحد سبب تھا گرفتار کر لیا گیا۔ کرشناپا نایک کو جنجی کے علاوہ اپنے تمام قلعوں سے ہاتھ دھونا پڑا جب اس نے دوبارہ انہیں حاصل کرنے کی کوشش کی تو اسے پھر شکست ہوئی اور بقیہ زندگی قید خانہ میں گذارنا پڑی۔ جگا رائے کے چھوٹے بھائی اینی راج نے لڑائی جاری رکھی۔ اسے نایکوں کے باہمی تفرقہ سے بھی مدد ملی۔ 1619 میں مفروضہ لڑکے کے انتقال کے بعد رام دیو اور اینی راج میں سمجھوتہ ہو گیا۔ رام دیو نے اینی راج کی لڑکی سے شادی کر لی۔ اس طرح لڑائی ختم ہو گئی اور کرناٹک نے رام کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ مدیورا کا نایک اگرچہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ ہی بنانے میں مصروف تھا۔ اینی راج نے اپنے داماد (یاچما) کا ساتھ دیا ـــــ

رگوناتھ نایک نے بھی یاچما کا ساتھ دیا اور سب لوگوں نے مل کر سوزہ پنت سرداروں سے شاہی اقتدار تسلیم کرانے کی کوشش کی۔ رام اور اپنی راج کی مصالحت سے یاچما ناراض ہوگیا۔ وہ گوبلو علاقے کو جس میں پولی کٹ اور قرب و جوار کا تمام علاقہ شامل تھا اور جو اپتی راج کے قبضہ میں تھا ضبط کرنا چاہتا تھا۔ بہت کافی مقامی لڑائیوں کے بعد تقریباً 1629 تک سلطنت کے باقی ماندہ علاقوں میں رام دیو کا اقتدار تسلیم کیا جانے لگا۔ جنجی کے نایک نے بھی اپنا دشمنانہ رویہ ختم کر دیا اور راج گندار بن گیا۔ یاچما کے ساتھیوں کو شکست ہوئی۔ پولی کٹ اور اس کے ارد گرد کا علاقہ حاصل کر لیا گیا تاکہ اپتی راج کے قبضہ اختیار میں رہ کر سلطنت کا حصہ بنے رہیں۔ اس طرح پندرہ برس کی لڑائی ختم ہوئی جس میں اطمینان بخش حد تک کامیابی رام کو حاصل ہوئی۔

وجیہ نگر کی خانہ جنگی سے بیجاپور مغربی تیلوگو دیش پر قبضہ کرنے کی اپنی خواہش کی تکمیل کا موقع مل گیا۔ اس نے 20-1619 میں عبدالوہاب خاں کو کرنول پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ گوپال راج نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ گولکنڈہ نے بھی گوپال راج کی مدد کی۔ عبدالوہاب خاں کو شکست ہوئی اور وہ صلح کرنے کے لیے مجبور ہوگیا۔ لیکن یہ صرف التوائے جنگ تھا کیونکہ 1624ء میں وہ واپس لوٹا اور کرنول پر دوبارہ حملہ کر دیا۔ گوپال راج کو اس کے ہمسایہ دوستوں سے امداد حاصل ہوئی۔ جنگ میں بیجاپور کی فوج کو فتح حاصل ہوئی اور گوپال راج قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ رام اپنی بے حد مصروفیت کی وجہ سے مداخلت نہ کر سکا۔ اس کی 28 سال کی نوعمری میں انتقال کی وجہ سے کرنول پر مسلمانوں کی فتح مکمل ہوگئی۔ کرنول مستقل طور پر بیجاپور کا حصہ بن گیا۔

رام کے نہ تو کوئی لڑکا تھا اور نہ بھائی۔ اس نے اپنے چچازاد بھائی پیڈا وینکٹ کو جو عظیم رائے کا پڑپوتا تھا اپنا جانشین نامزد کیا۔ لیکن تمّاراج نے جو رام کا ماموں تھا خیال کیا کہ اس کا حق زیادہ ہونا چاہیے تھا۔ اس نے حکومت پر قبضہ کر لیا اور وینکٹ سوئم کو اپنے وطن اپنے گونڈی میں رہنے کے لیے مجبور ہونا پڑا۔ جنجی، تنجور اور مدورا نے وینکٹ کا ساتھ دیا۔ تمّاراج کو کوئی مدد نہ مل سکی۔ اسے عام طور پر غاصب تصور کیا گیا۔ لیکن وہ کچھ نہ کچھ پریشانی ضرور پیدا کرتا رہا اور خانہ جنگی 1636 تک جبکہ اس کی موت واقع ہوئی برابر جاری رہی شروع شروع میں تمّاراج کو کچھ کامیابی حاصل ہوئی۔ لیکن چنا وینکٹ کا لڑکا شری رنگ

اپنے چچا کی طرف سے میدان جنگ میں داخل ہوگیا اور پونی کٹ کے ڈچوں کی مدد سے اس نے تماراج کو شکست دی اور اسے مجبور کیا کہ وہ تخت کے لیے وینکٹ کے دعوے کو تسلیم کرے۔ اسے بہرکیف اس بات کی اجازت دی گئی کہ مفتوحہ مقامات میں سے کچھ وہ اپنے قبضہ میں رکھ سکتا تھا۔ لیکن جب اس نے دوبارہ بغاوت کی تو جنجی کے نایک نے اسے شکست دی اور قتل کر دیا (1635)۔ اس طرح امن وامان دوبارہ قائم کیا گیا۔ وینکٹ ویلور میں جاکر رہنے لگا اور پینوگونڈا (جس کے لیے بیجاپور کی جانب سے دوبارہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا) کے دفاع کے مسئلے کو کونڈی نایک کے سپرد کر دیا گیا۔ جسے اس نے حکومت کے زوال پذیر ہونے تک پورے پندرہ سال محفوظ رکھا۔

تنجور اور مدورا کے حکمرانوں نے یہ دیکھ کر وینکٹ کے تعلقات جنجی کے نایک کے ساتھ بہت خوشگوار تھے وینکٹ کو گرفتار کرنے کی سازش کی۔ لیکن وہ سازش میں ناکام رہے اور 1637 میں جنگ چھڑ گئی۔ وقتی تصفیہ کے ساتھ لڑائی بہت جلد ختم بھی ہوگئی۔ شری رنگ جو اپنے چچا کا بہت وفادار تھا کسی سبب کی بنا پر اس کا مخالف ہوگیا اور اس نے 1638 اور 1641 میں بیجاپور کی جانب سے دو حملے بھی کرائے۔ پہلے حملہ میں سلطان کی فوج نے بنگلور پر قبضہ کیا۔ وینکٹ کو تنہا رقم زرتلافی کے طور پر ادا کرنے کے بعد ہی سمجھوتہ ہوسکا۔ (1639) بعد میں اسی سال جنوبی نایکوں کے فوج بھیجنے پر وینکٹ کو کچھ کامیابی حاصل ہوئی اور وہ مسلمانوں کے حملہ کو عارضی طور پر روک بھی سکا۔ 1641 کے دوسرے حملہ کی قیادت رندولہ خاں کر رہا تھا۔ شری رنگ بھی رندولہ خاں کا شریک ہوگیا تھا۔ اتحادی راستے کے کچھ قلعوں کو فتح کرکے ویلور کی جانب بڑھے اور دارالخلافہ کے بارہ میل کے اندر اپنا کیمپ لگایا۔ نایکوں کی فوج بھیجنے کی وجہ سے ایک بار پھر کچھ عرصہ کے لیے ویلور کو بچایا جاسکا۔

گولکنڈہ کا سلطان کرناٹک کے واقعات دیکھ رہا تھا۔ اس نے 1643 میں ایک فوج مشرق میں ساحل کے کنارے کنارے اس مقصد کے پیش نظر روانہ کی کہ وہ ہندو سلطنت کے جو اپنے زوال کی آخری منزل میں تھی زیادہ سے زیادہ علاقہ پر جہاں تک ممکن ہوسکے قبضہ کرلے۔ نیلور کے جنوب بعید میں واقع ارم گاؤں کے سردار ویلوگوٹی ٹما نے اور پونا ملی کے حکمراں ڈامیرل وینکٹ نے مقابلہ کیا لیکن یہ مقابلہ موثر ثابت نہ ہوا۔ وینکٹ سویم چتور ضلع میں سراین وتم کے نزدیک جنگل میں چلا گیا جہاں وہ انتہائی بیچارگی کی حالت میں 10 اکتوبر 1641

کو انتقال کر گیا۔

وینکٹ سوئم کے کوئی اولاد نہ تھی۔ چنانچہ اس کا دعوے دار بھتیجا شری رنگ سوئم تخت نشین ہوا۔ شری رنگ کو جب معلوم ہوا کہ وینکٹ پہاڑی علاقہ میں قریب المرگ ہے تو اس نے بیجاپور کے جنرل کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس نے خود کو اپنی آبائی سلطنت کا محافظ قرار دیا۔ 29 اکتوبر 1642ء کو بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن باغی کی حیثیت سے اس نے جو شرارت کی تھی اس کی تلافی وہ بادشاہ بن کر نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ بہت سے امرا مثلاً ڈامبرلی وینکٹ اور جنجی کا کرشن نائک اس کے مخالف ہو گئے۔ مسلم ریاستوں کی باہمی عداوت کی وجہ سے شری رنگ کو کچھ مدت کے لیے راحت حاصل ہو گئی اور 1644ء میں بیجاپور سے مدد حاصل ہو جانے کی بنا پر وہ گولکنڈہ کے سلطان کو اودے گری سے آگے پر قبضے سے روکنے میں کامیاب ہو سکا۔ اس نے خود کو اتنا مضبوط پایا کہ وہ جنوبی نائکوں سے کثیر رقم کا مطالبہ کر کے وصول کرنے لگا۔ اس رقم کا کچھ حصہ وہ بیجاپور کو بھی مدد کرنے کے صلہ میں دیتا تھا۔ مدورا اور جنجی کے نائکوں نے بہت جلد دوبارہ بغاوت کر دی۔ گولکنڈہ پر دوبارہ حملہ کر کے وہ بغیر کسی مزاحمت کے پولی کٹ تک پہنچ گیا۔ یہاں قلعہ کے ڈچ کمانڈر نے اسے پیچھے ڈھکیل دیا۔ اس خیال سے کہ جنجی کا نائک گولکنڈہ کی فوج کے ساتھ نہ مل جائے شری رنگ نے اس کے ساتھ صلح کر لی۔ اسے گولکنڈہ کے خلاف بھی کامیابی حاصل ہوئی اور حملہ آور فوج کا نیلور ضلع کے شمال میں واقع کندوکور تک تعاقب کیا۔ جب بیجاپور اور گولکنڈہ کے درمیان سمجھوتہ ہو گیا تو شری رنگ ان کی فوجوں کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور اسے پیچھے ہٹ جانا پڑا۔ گولکنڈہ کا جنرل میر جملہ کرنول ہوتے ہوئے آگے بڑھنے کی تیاری کر رہا تھا لیکن گولکنڈہ کے سلطان نے لڑائی ختم کرنے کا حکم دیا۔ بیجاپور کے نقصان کی تلافی کر دی گئی۔ گولکنڈہ کے سلطان نے یہ قدم شاید شری رنگ کے ساتھ سمجھوتہ ہو جانے کی بنا پر اٹھایا۔ حملے کا خطرہ اس وقت تک کے لیے ٹل گیا جب تک کہ جنوبی نائکوں نے مدورا کے ترومل نائک کی قیادت میں بغاوت نہیں کر دی۔ نائکوں نے بیجاپور سے مدد کی درخواست کی۔ سلطان نے مصطفیٰ خان کو مدد کے لیے روانہ کیا۔ شری رنگ جو جنوب میں نائک فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے گیا تھا فوراً اپنے دارالخلافہ کی دفاع کے لیے واپس لوٹا۔ اسی وقت گولکنڈہ نے ویلور اور اودے گری کی جانب سے حملہ کر دیا۔ شری رنگ نے جذبات سے مغلوب ہو کر انتہائی بے چارگی کے عالم میں ہندو ریاستوں سے مدد کے لیے اپیل کی اور اپنی رعایا

کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی سلطنت، اپنے مندر، براہمن اور اپنے مذہب کے تحفظ کے لیے جمع ہو جائیں۔ نایکوں نے اس اپیل پر کوئی توجہ نہ دی۔ ادھر مغل شہنشاہ نے بیجاپور اور گولکنڈہ سے کہہ رکھا تھا کہ وہ کرناٹک پر حملہ کر کے اسے آپس میں تقسیم کر لیں۔ دسمبر 1645 میں شری رنگ اپنے جاگیردار نایکوں کے خلاف لڑائی میں ہار گیا۔ وہ ویلور چلا گیا۔ ادھر کچھ دنوں تک بیجاپور کے دباؤ میں بھی کمی آ گئی کیونکہ ان کے فوجی سردار اپنے باہمی جھگڑے کے تصفیہ کے لیے بیجاپور چلے گئے تھے۔ گولکنڈہ سرگرم عمل رہا۔ میر جملہ نے آ کر نیلور اور کڈاپا کے کچھ حصوں پر اپنا قبضہ جما لیا۔ بیجاپور کا مصطفیٰ خاں بھی واپس لوٹ آیا اور ویلور پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگا۔ اس وقت بہت تاخیر کے بعد نایکوں کو اس خطرے کا احساس ہوا جو ان کے سامنے موجود تھا۔ لیکن مدیورا کا ترومل نایک اس پر بھی الگ ہی کھڑا رہا۔ جب تمام ذرائع ختم ہو گئے تو ویلور کی عورتوں کے زیورات اور ترویتی کے مندر کے جواہرات سے دفاعی فوج کے اخراجات پورے کیے گئے۔ ویلور کے ماہر مصطفیٰ خاں کے خلاف کچھ کامیابی حاصل ہوئی لیکن شری رنگ نے اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھایا کیونکہ شری رنگ کے ساتھیوں کے درمیان جھگڑے ہونے کی بنا پر اس کے ساتھیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور قلعہ کے اندر چلے گئے۔ چار اپریل 1646 کو ویری پورم میں ایک گھمسان لڑائی ہوئی۔ لیکن میسور، مدیورا اور تنجور سے مدد حاصل ہونے کے باوجود شری رنگ کو لڑائی میں دوبارہ شکست ملی۔ اس کے بعد مصطفیٰ نے ویلور کا محاصرہ کیا۔ اسی اثنا میں میر جملہ نے پولی کٹ تک مشرقی ساحل کے تمام علاقے پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ڈچ لوگوں نے کچھ زمانہ تک گولکنڈہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ شری رنگ کو آخر کار مقابلہ ترک کرنا پڑا۔ اس نے تنجور میں جا کر پناہ لی۔ مدیورا اور میسور مسلمانوں کے کرناٹک پر قبضہ کو نہ روک سکے اور 1652 میں کرناٹک کا حملہ مکمل ہو گیا۔ جنجی کی طرح کچھ عرصہ قبل تنجور نے جب 1647 میں بیجاپور کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تو شری رنگ میسور چلا گیا۔ یہاں وہ کیلادی سردار کی مدد سے بیلور میں دربار کرتا رہا۔ وہ ویلور پر دوبارہ قبضہ حاصل کرنے کا خواب دیکھتا رہا یہاں تک کہ تقریباً 1672 میں موت نے اسے تمام پریشانیوں سے نجات دلائی۔

کرناٹک کے زوال سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ ہندو حکومت کا بھی زوال ہو گیا جس وقت بیجاپور کی فوج کرناٹک کو روند رہی تھی اور شری رنگ کو بھاگنے پر مجبور کر رہی تھی۔

اسی وقت شیوا جی کی اہم زندگی کا آغاز ہوا۔ ابھی شہری رنگ کا زوال بھی نہ ہوا تھا کہ شیوا جی نے چھترپتی کی حیثیت سے اپنی تاجپوشی کی (1674) مدپورا اور میسور اٹھارویں صدی میں بھی ہندو حکومت کی حیثیت سے قایم رہیں۔

اس طرح کرناٹک و جیہ نگر سلطنت کا جس کی بنیاد تین سو برس پہلے ڈالی گئی تھی زوال ہوگیا۔ اس طویل مدت میں اس نے شمال میں اپنے مسلمان ہمسایوں کے خلاف مستقل کشمکش جاری رکھی۔ مدپورا کی سلطان شاہی کو ختم کیا اور جنوبی ہندوستان کو اسلام کے حملے سے محفوظ رکھا۔ یہ صحیح ہے کہ مسلم حکمرانوں کی ملازمت میں ہندو شامل تھے اور وجیہ نگر کے ہندو بادشاہوں نے مسلمان سپاہیوں کو اپنے یہاں ملازمتیں دیں۔ ان دو مخالف گروہوں کے درمیان حکمت عملی پر مبنی خاندانی شادیاں بھی اکثر ہوئیں لیکن ان کی وجہ سے وجیہ نگر سلطنت کی تاریخی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ وجیہ نگر سلطنت نے جنوبی ہندوستان کو ملک کی روایتی تہذیب اور اداروں کا آخری مسکن بنایا۔ سایانا کی قیادت میں ادبا کی ایک جماعت نے ویدوں کی قابل ذکر تفسیر لکھی۔ اور وجیہ نگر کے شہنشاہوں نے ملک کے تمام اہم مندروں کی ساخت میں شاندار اضافے کیے۔ یہ اس عظیم ہندو سلطنت کی قابل فخر بہترین تمثیلی یادگاریں ہیں۔ پرتگالیوں اور عیسائیوں نے آبادی کو عیسائی بنانا چاہا لیکن اس بنا پر وجیہ نگر کے بادشاہ اور ان کے جاگیردار ناراض ہو گئے اور وہ لوگ اپنی کارروائیوں میں زیادہ کامیاب نہ ہو سکے۔

اس باب کو ختم کرنے سے قبل ہمیں سلطنت کے سیاسی، انتظامی اور فوجی نظام کے بارے میں بیان کرنا ضروری ہے۔ وجیہ نگر کی حکومت میں اصولاً موروثی بادشاہت تھی لیکن چونکہ یہ دور سخت تھا اور ایک طرف تو مسلم حکومتوں کی عداوت اور دوسری جانب جاگیرداروں کی انتہاپسندی کی بنا پر یہ لازمی تھا کہ بادشاہ سیاست اور جنگ دونوں ہی میں مہارت رکھتا ہو۔ چنانچہ اس میں حیرت کی کوئی گنجائش نہیں اگر کمزور بادشاہوں کو ان کے قابل اور حوصلہ مند وزیر انھیں یا تو قید کر لیتے یا تخت سے اتار دیتے تھے۔ وجیہ نگر سلطنت کی تاریخ میں تین مواقع ایسے آئے جب غاصبانہ کوششوں کی بنا پر حکمراں خاندانوں میں تبدیلی ہوگئی۔ اس سلسلہ میں دربار کے امرا نے حصہ لیا اور مخالف دعویداروں میں سے کسی ایک یا دوسرے کا ساتھ دیا۔ لیکن وجیہ نگر حکومت کے اندر سیاسی گروہ بندی میں

اتنی عداوت نہیں پائی جاتی جتنی کہ بہمنی حکومت اور اس کی جانشین ریاستوں کی سیاست میں نظر آتی ہے۔ اس سلسلہ میں مستثنیات بہت کم ہیں۔ ہندو حکومت کے رہنماؤں نے واقعات کو تسلیم کر کے حتی الامکان باہمی رضامندی سے جھگڑے کا تصفیہ کرنے کو کھلی ہوئی بغاوت پر ترجیح دی ہے۔

بادشاہ کو مشورہ دینے کے لیے وزرا کی مجلس ہوتی تھی۔ بادشاہ اکثر مشورہ بھی لیا کرتا تھا۔ لیکن وہ وزرا کے مشورے کے مطابق عمل کرنے کے لیے مجبور نہ تھا۔ وہ ذاتی خواہش یا اپنے منظور نظر افراد کے مشورہ کے مطابق کام کرنے کے لیے آزاد تھا۔ اور بہت زیادہ طاقت ور وزیر بھی بادشاہ کی خوشنودیٔ مزاج تک ہی اپنے عہدے پر فائز رہ سکتا تھا۔ ضرورت واقع ہونے پر اس کے رتبے میں کمی کی جا سکتی تھی اور سزا بھی دی جا سکتی تھی۔ مثال کے طور جب سلوا نسا پر ولی عہد کے قتل کا شک کیا گیا تو کرشن دیو رائے نے اسے سزا دی تھی۔ رواج کے مطابق راجہ کئی بیویاں رکھتا تھا۔ اس کا اور اس کی بیویوں کا حکم بجالانے کے لیے بے شمار خادمائیں ملازمت میں رہتی تھیں۔ ان خادماؤں کی بھی حیثیت قابل عزت سمجھی جاتی تھی۔ بیویوں کے لیے محل میں آراستہ و پیراستہ کمرے الگ الگ ہوا کرتے تھے اور حرم صرف محل کے اخراجات کا ایک معتد بہ حصہ ہوتا تھا۔ شاہی خاندان کے شہزادوں کو ان کی استطاعت کے مطابق انتظامی اسامیوں پر فائز کیا جاتا تھا۔ تخت پر نگاہ رکھنے والے شہزادوں کی حرکات پر کرشن دیو ایسا طاقت ور بادشاہ پابندیاں عاید کرتا تھا اور ان پر زبردست نگرانی رکھی جاتی تھی۔

مرکزی حکومت کا کام مختلف شعبوں میں منقسم تھا۔ ایک منظم سکریٹریٹ ہوتا تھا۔ جس کا دفتر شاہی محل کے نزدیک ہوتا تھا۔ خزانے دو طرح کے ہوتے تھے۔ چھوٹے خزانہ میں مسروقہ زر مرسلہ جمع کیا جاتا تھا اور روپیہ پیسہ نکالا بھی جاتا تھا۔ بڑے خزانے کی مخصوص رقم میں ہر بادشاہ کچھ نہ کچھ اضافہ کرتا تھا۔ اس خزانے کے بارے میں پیس Paes کا بیان ہے کہ "یہ خزانہ مقفل اور مہر بند ہوتا تھا تاکہ ہر شخص اسے نہ دیکھ سکے" اور "اس وقت تک نہیں کھولا جاتا تھا جب تک کہ بادشاہ کو کوئی اشد ضرورت نہ ہو"۔

مالگذاری کی آمدنی میں بالخصوص بادشاہ کی ذاتی آراضی، مہانومی کے تہوار پر جاگیرداروں اور صوبائی گورنروں سے سالانہ خراج، سلطنت کے مختلف بندرگاہوں سے

کی تجارت اور چنگی سے متعلق آمدنی شامل تھی۔ مالگذاری نقد اور جنس دونوں صورتوں میں وصول کی جاتی تھی۔ آراضی کا احتیاط کے ساتھ سروے کیا جاتا تھا اور ٹیکس زمین کے لحاظ سے عاید کیا جاتا تھا۔ سیراب اور غیر سیراب شدہ آراضی کا ٹیکس مختلف ہوتا تھا۔ فصل اور پیداوار کے خیال سے بھی ٹیکس مختلف ہوتا تھا۔ مالگذاری مجموعی پیداوار کے چھٹے حصے سے نصف حصہ تک ہوتی تھی۔ حکومت بعض مندر اور عالم براہمنوں کو مجوزہ شرائط کے مطابق کچھ آراضی کی مالگذاری استعمال کرنے کا حق دیتی تھی۔ پیشوں اور مکانات پر ٹیکس، مختلف قسم کے لائسنس سے فیس، نقل و حمل اور بازار سے متعلق ٹیکس اور عدالتی جرمانے حکومت کی آمدنی کے دوسرے ذرائع ہوتے تھے۔ ٹیکس وصول کرنے کی ذمہ داری نیلام کے بعد سب سے اونچی بولی بولنے والے پر عاید کی جاتی تھی۔ یہ محض مرکزی حکومت کی براہ راست نگرانی اور صوبائی علاقوں دونوں ہی جگہ ٹیکس وصول کرتی تھی۔ ان باتوں کو دیکھتے ہوئے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ٹیکس زیادہ اور تکلیف دہ حد تک تھے۔

اخراجات کی مخصوص مدوں میں شاہی محل، فوج اور رفاہ عامہ کے اوقاف شامل تھے۔ کرشن دیو رائے نے آمدنی کو چار مساوی حصوں میں تقسیم کرنے کا اصول وضع کیا تھا۔ اس کا ایک حصہ محل اور خیراتی اداروں پر صرف ہونا چاہیے۔ دو حصے فوج پر خرچ اور بقیہ ایک حصہ مخصوص خزانے میں جمع ہونا چاہیے تھا۔ اخراجات کے سلسلے میں بلاشبہ یہی مقصد اعلا تھا جسے ناگہانی ضرورتوں کے پیش نظر عمل میں لایا جاتا تھا۔

کسی ہندو ریاست نے اگر خود کو ایک جنگی ریاست بنایا تو اس معاملے میں شاید وجیہ نگر کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس کی سیاسی تنظیم اس کی فوجی ضروریات کے تابع تھیں۔ شہنشاہ ایک بڑی فوج رکھتا تھا جس میں ہاتھی، گھوڑ سوار اور پیادل ہوتے تھے۔ عبدالرزاق کہتا ہے کہ "اس فوج میں سپاہی ہر چار مہینے پر ایک بار تنخواہ پاتے تھے اور کسی شخص کو صوبہ کی آمدنی پر ہنڈی کے ذریعے تنخواہ نہیں دی جاتی تھی۔" اس کے علاوہ سلطنت بھر میں فوجی جاگیریں ہوتی تھیں جو ایک نائک یا فوجی افسر کے تحت ہوتی تھیں اور انھیں لگان وصول کرنے اور ایک مخصوص علاقہ کے انتظام کرنے کا حق حاصل ہوتا تھا بشرطیکہ وہ مقررہ تعداد میں ہاتھی، گھوڑے اور فوج رکھتے اور لڑائی کے وقت انھیں لے کر شاہی فوج میں شامل ہونے کے لیے ہمراہ تیار رہتے۔ نائیوں کے

مطابق ایسے دو سو نایک تھے۔ سلطنت کے اندر باقاعدہ فوجی اسکول تھے جہاں لوگوں کو تیر اندازی
شمشیر زنی وغیرہ کی تربیت دی جاتی تھی اور انھیں فوج میں داخل ہونے کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔
توپ خانے کا انتظام بہرکیف زیادہ تر غیر ملکیوں کے ہاتھ میں رہتا تھا۔ فوجی کیمپ چلتا پھرتا
شہر ہوتا تھا۔ جس کے اندر سڑکیں اور کھلے مقامات ہوتے تھے"۔ کیمپ کے اندر نہ لڑنے والوں
کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی لیکن وہ لڑنے والے سپاہیوں کے لیے رکاوٹ نہیں ثابت
ہوتے تھے۔ یہ بلکہ اس زمانہ کا عام رواج تھا۔ دفاعی نظام کے سلسلہ میں قلعہ بہت اہم تصور
کیے جاتے تھے۔ قلعہ کا محاصرہ کرنے میں مہارت عام تھی۔ اس کی وسیع پیمانہ پر مشق بھی کی جاتی
تھی۔ کسی طرح کا جہازی بیڑہ بھی ضرور ہوگا کیونکہ رایوں کے قبضے میں کئی بندرگاہ اور شری لنکا
کا بھی ایک حصہ تھا۔ لیکن ہمیں اس جہازی بیڑے کی طاقت اور تنظیم کے سلسلہ میں کوئی
واضح واقفیت نہیں ہے۔

صوبائی سرکار کی تنظیم کی تفصیلات کا انحصار کسی مقام کے تاریخی حالات پر ہوتا ہے۔
جنوب بعید اور مغربی ساحلی علاقوں کے قدیم حکمراں ماتحت کی حیثیت سے حکومت کرسکتے
تھے۔ یہ خراج گذار ہوتے تھے۔ ان کے اوپر حکومت کا ایک اعلا افسر جو اکثر شاہی خاندان کا شہزادہ
ہوتا تھا۔ نگرانی رکھتا تھا۔ چنانچہ پانڈیوں، تیروداریوں، اگر سوپ اکرکل اور دوسرے مقامات
کے سرداروں کی ایسی ہی حیثیت تھی۔ تامل اضلاع میں قدیم چول علاقائی ڈویژنوں اور
خود مختار گرام سبھاؤں کے طریق کار کو ان کی جڑیں مضبوط ہونے کی بنا پر قایم رہنے دیا گیا۔
تیلوگو اور کنٹر علاقہ میں رایوں کے طریق کار کو کہیں بھی تھوپنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس
عہد میں دیہاتوں کی خود مختاری میں نمایاں کمی واقع ہوئی کیونکہ وہاں کے افسران مرکزی حکومت
اور اس کے نمائندوں کے ساتھ بہت زیادہ وابستہ ہوگئے۔ ڈویژنوں اور عہدوں کے نام
مختلف علاقوں میں مختلف ہوتے تھے۔ لیکن ہر جگہ مرکزی حکومت کا متعینہ صوبائی گورنر حکومت
کے ایک معمولی سول افسر کے مقابلہ میں کئی اہم قلعہ کا فوجی کمانڈر ہوا کرتا تھا۔ صوبوں یا راینلو
کی سرحدیں وقتاً فوقتاً فوری انتظامی ضرورت کے پیش نظر بدلتی رہتی تھیں۔ بعض علاقوں
میں بالخصوص ان میں جو حکومت کے شمال میں واقع تھے۔ تبدیلیاں لازمی طور پر زیادہ ہوتی
ہوں گی کیونکہ یہ علاقے کبھی وجیہ نگر اور کبھی اس کے حریف مسلمانوں کے قبضہ میں آتے اور
جاتے رہے ہوں گے۔ گورنر اور نایک اپنی جاگیروں کا انتظام اپنے نائبوں کے ذریعہ کرا سکتے تھے۔

چنانچہ جب کبھی نایک گورنر دارالخلافہ میں نہیں موجود ہوتے تھے تو وہاں اپنے ایجنٹ رکھتے تھے سراغ رسی کا ایک باقاعدہ طریق کار تھا جس کے تحت آج کل کی طرح سراغ رسی کی خدمات انجام دی جاتی تھیں۔ ان کے ذریعہ بادشاہ کو اپنی حکومت کے ماتحتوں کی کارروائیوں نیز ہمسایہ حکمرانوں کی سازشوں اور منصوبوں کی مکمل واقفیت ہوتی رہتی تھی۔ سرحدی قلعوں کے کپتان عام طور پر قابل اعتماد لوگ ہوا کرتے تھے۔ انھیں دارالخلافہ میں حاضری دینے سے مخصوص طور پر مستثنا قرار دے دیا گیا تھا۔

پولیس کا انتظام کافی بہتر تھا۔ یہ قاعدہ تھا کہ جب کہیں چوری ہوتی تھی تو چوری کا مال یا تو برآمد کر لیا جاتا تھا یا پولیس افسر اس نقصان کو پورا کرتا تھا۔ جنگل کے جب قبائلی لوگوں سے خطرہ پیدا ہو جاتا تھا تو پالایگار مقرر کیے جاتے تھے۔ ان کے ساتھ بڑی تعداد میں خادم بھی دیے جاتے تھے جنھیں جاگیریں اسی مقصد کے لیے رکھا جاتا تھا۔ شہروں میں رات کو سڑکوں پر پہرہ دیا جاتا تھا۔ پولیس کا انتظام دارالخلافہ میں خاص طور پر بہتر تھا۔ اس کی تعریف غیر ملکی عبدالرزاق نے بھی کی ہے۔

انصاف حاصل کرنے کے لیے درجہ وار عدالتیں ہوتی تھیں۔ اپیل کرنے کے لیے سب سے اعلا ادارہ بادشاہ کی سبھا ہوتی تھی۔ ان میں بعض عدالتیں متحرک ہوتی تھیں اور یہ افسر کے قیام کی جگہ پر قایم ہو جاتی تھیں۔ قانون کی مشکوک باتوں پر یگیہ والکیہ کی اسمرتی اور پاراشر کے مجموعہ قوانین پر مادھو کی عظیم تفسیر خاص طور پر مستند سمجھی جاتی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے جرائم ذات پات اور تجارت کے قواعد کی خلاف ورزی کے معاملات پر ابتداً دیہات کی عدالتوں، ذات پات اور تجارت سے متعلق اداروں میں فیصلہ ہو جاتا تھا۔ ایسے معاملات شاذ و نادر ہی شاہی عدالتوں میں پیش کیے جاتے تھے۔ جب انسانی شہادت ناکافی سمجھی جاتی تھی تو جسمانی اذیت کے ذریعہ جھوٹ سچ کا امتحان لیا جاتا تھا۔ جدید نقطۂ نظر سے غور کرنے پر اس زمانہ کی سزائیں محنت اور وحشیانہ معلوم ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر سنگین قسم کے جرائم کی صورت میں ہاتھ پیر کٹوانے اسولی پر چڑھانے اور ہاتھیوں کے سامنے مجرم کو پھینکنے کے واقعات ملتے ہیں۔

وجیہ نگر کے شہنشاہوں نے دانستہ طور پر خود کو اسلام کی دستبرد سے ہندو معاشرتی اور سیاسی نظام کے تحفّظ کی پورے انہماک کے ساتھ کوشش کی۔ وہ اس مقصد میں پیہم لڑائیوں میں شکست کھانے کے باوجود نمایاں طور پر کامیاب رہے۔ وجیہ نگر اور اس کے حکمرانوں

کی کامیابی اس سے ظاہر ہے کہ آج بھی شمالی ہندوستان کے مقابلے میں جنوبی ہندوستان کے حالات بالکل متضاد ہیں جہاں اس وقت بھی بے شمار عظیم مندر اپنے پشت در پشت ہندو صناعوں کے فنی کمالات سے جگمگا رہے ہیں نیز یہ کہ آج بھی جنوبی ہندوستان میں ہندو مسلم کشمکش کا کوئی ایسا مسئلہ بھی نہیں ہے۔

معاون کتابیں

ٹی۔ وی۔ مہالنگم : ایڈمنسٹریشن اینڈ سوشل لائف انڈر وجیہ نگر (مدراس 1940)
: ساؤتھ انڈین پالیٹی (مدراس 1955)
: تنوملے دیو مہارا ے (پر وسیڈنگز نائنتھ آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس
1937 صفحہ 32-827 تر۔ یونڈرم 1940)
کے۔ اے۔ این بٹ ساسٹری اینڈ این وینکٹ رمنیہ :۔ فردر سورسیز آف وجیہ نگر
ہسٹری (مدراس 1947)
آر۔ ستیہ ناتھ ایتر :۔ ہسٹری آف دی نایکس آف مدیورا (مدراس 1924)
آر۔ سیول :۔ اے فارگاٹن امپائر۔ (لندن 1924)
این۔ وینکٹ رمنیہ :۔ اسٹڈیز آن دی ہسٹری آف دی تھرڈ ڈائنسٹی آف وجیہ نگر
(مدراس 1935)
وی۔ وردھاگریسن :۔ دی نایکس آف تنجور (اناملئی نگر 1942)

(۱) سنگم شاہی خاندان

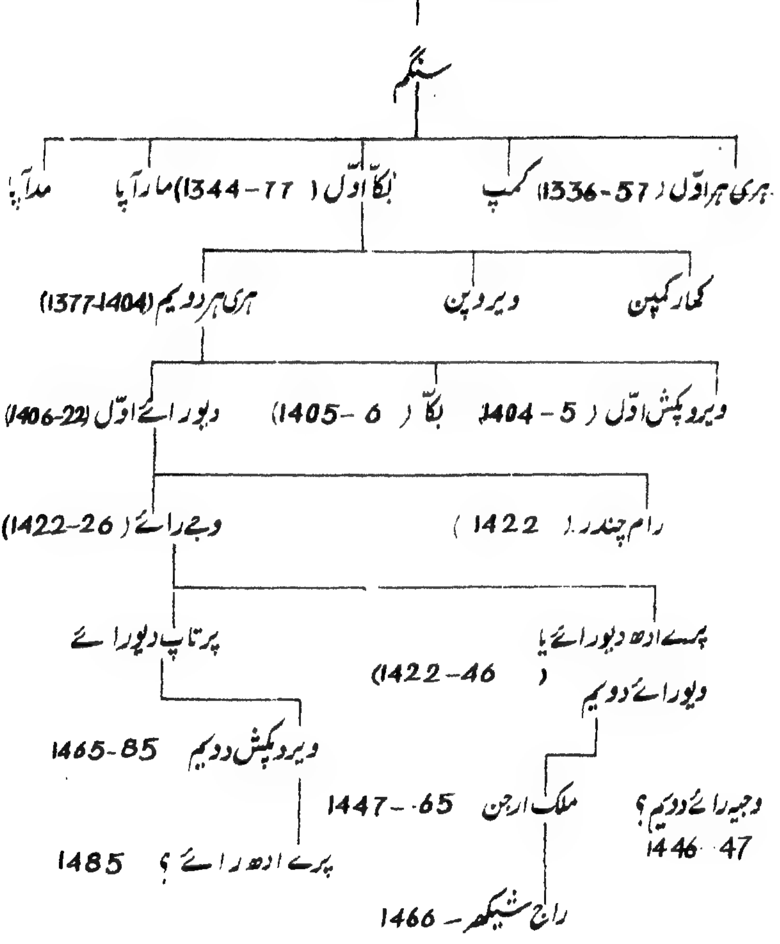

2۔ سالوواشاہی خاندان

گنڈا

سلوانرسنگھ 1486-91 — تما

ترومل یا تما — وم رائے یا امادی نرسنگھ۔

3 - تولواشاہی خاندان

ایشورنایک

نرس نایک

ویر نرسنگھ (1505-9) — کرشن دیوارائے 1509-29 — اچیوت دیورائے 1529-42 — رنگ

ترومل دیوی — ترومل رائے — وینکٹ اوّل[له] 1542 — سداشو 1542-76

عقد ہوا علیہ راج راج

له اپنے ماموں سالاک راجو ترومل کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔ وینکٹ اوّل اور سداشو کی حکومتوں کی درمیانی مدت میں کچھ مہینوں تک جابرانہ حکومت کی ۔

4-اروڈو شاہی خاندان

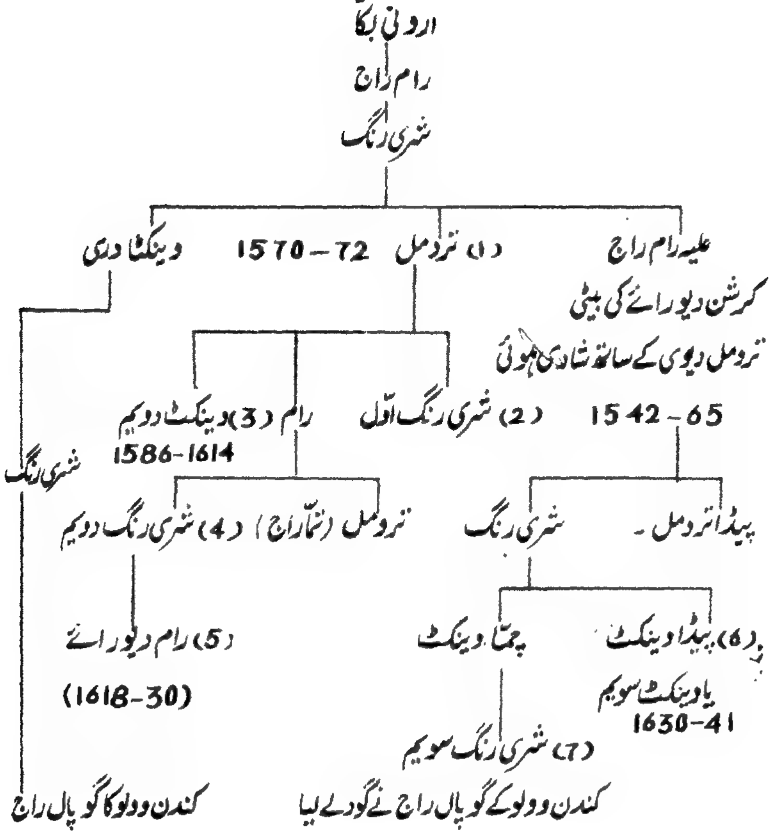

باب 13

معاشی و معاشرتی حالت

بقیہ ابواب کا خاکہ۔ علاقائی تقسیم۔ عوام۔ درباری زندگی۔ بادشاہ۔ فوج اور جہازی بیڑہ۔ جنگ اور کیمپ۔ براہمن۔ ذات۔ خوراک اور پوشاک۔ تعلیم۔ علم۔ مندر۔ کھیل و تفریح۔ شہری اور دیہی زندگی۔ زراعت اور آب پاشی۔ صنعتیں۔ نقل و حمل۔ تاجروں کے ادارے اور مصنوعات۔ بہمنی اور وجیہ نگر حکومتوں کے زمانہ میں بحری تجارت مشرقی ساحل پر۔ سولھویں اور سترھویں صدی میں۔ سکے۔ ناپ تول کے پیمانے۔

اس باب اور اگلے باب میں ہم چھٹی صدی سے سترھویں تک جنوبی ہندوستان کی معاشی اور معاشرتی حالت کا نقشہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور اب مذہب نیز فنون لطیفہ میں تہذیب کی خاص محرکات کا ذکر کریں گے۔ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے اور ہمارے پاس مواد کی بھی کمی نہیں ہے۔ لیکن کتاب کی وسعت کے پیش نظر صرف چیدہ موضوعات کا اختصار کے ساتھ ہی بیان ممکن ہے۔

ملک بعض علاقائی حصوں، مثلاً کُنتل، آندھر، تونڈمنڈ ناڈ، چول، پانڈیہ اور چیر میں باقاعدہ منقسم تھا۔ ہر حصے کے باشندوں میں اپنی مختلف روایتوں رسوم و رواج کو ترقی دینے کا عربی رجحان تھا۔ چنانچہ مقامی حب الوطنی بڑی اکائیوں کے منانے میں کسی قسم کی رکاوٹ ثابت نہیں ہوئی جیساکہ بادامی اور کلیانی کے چالوکیوں، راشٹرکوٹوں، چول اور وجیہ نگر کے تحت ہوا اور بڑی اکائیوں کے منتشر ہو جانے پر جو برائیاں پیدا ہوئیں ان کے ختم کرنے میں بھی ان کا زبردست حصہ رہا۔

ہم یہاں جس طویل مدت کا تبصرہ پیش کر رہے ہیں اس میں ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے جس کی بنا پر ہم آبادی کا کوئی قابل اعتماد تجزیہ پیش کر سکیں اگرچہ چولوں نے زمینی جائداد کا بالکل صحیح اعداد و شمار رکھا لیکن انھوں نے بھی آبادی کی مردم شماری کے بارے میں کبھی غور نہیں کیا۔ بحری ساحل کی بندرگاہوں نیز سلطنتوں کے دارالخلافوں بالخصوص وجیہ نگر میں بلاشبہ کافی تعداد میں غیر ملکی تھے جن میں عرب، یہودی، ایرانی، چینی ملایا اور مشرقی مجمع الجزائر کے لوگ اور بعد میں پرتگالی اور دوسری یورپی اقوام کے لوگ موجود تھے فرائر جوڑ بنسس نے چودھویں صدی کے شروع میں پارسیوں کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ لیکن لازمی اور نمایاں طور پر آبادی کا بیشتر حصہ ہندو ہی تھا جو ذات پات کے بندھن میں جکڑا ہوا تھا۔ ذات اور پیشے کے درمیان کچھ تعلق ضرور تھا لیکن یہ کسی طرح ناقابل تغیر نہیں تھا اور قدامت پرستوں کی مخالفت اور سیاسی طاقت کی جانب سے انھیں روکنے کی بسا اوقات کوششوں کے باوجود نئے عناصر اور حالات کے دباؤ سے ہمیشہ تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی تھیں۔

اس وقت اور موجودہ زمانہ میں بھی ریاست کے ملازمین غیر فوجی محکموں، فوج اور بحری بیڑے میں جہاں اس کا انتظام تھا آبادی کے تمام طبقہ کے لوگوں کی کھپت کے مواقع حاصل تھے۔ ایسی مثالیں بے شمار ہیں جب براہمن جنرل نے جنگ میں شہرت حاصل کی۔ کرشن دیو رائے کو براہمنوں کی وفاداری پر بہت بھروسہ تھا اور اس کا خیال تھا کہ فوجی نقطۂ نظر سے تمام اہم قلعوں کی ذمے داری ان کے ہی سپرد ہونی چاہیے۔ جنگلی اور پہاڑی قبیلوں کے لوگوں کو فوج میں خاص طور پر جنگ کے موقعہ پر بھرتی کیا جاتا تھا۔ سڑکیں اکثر لٹیروں سے بھری پڑی تھیں۔ مقامی جھگڑے یا کسی سردار کی بغاوت کی بنا پر گاؤں پر کسی وقت بھی حملہ ہو سکتا تھا اور گاؤں والوں کے مویشی زبردستی لے جائے جا سکتے تھے۔ چنانچہ ایسی حالت میں گاؤں والوں کو اپنی حفاظت خود کرنا پڑتی تھی۔ ایسے بے شمار کتبے ہیں جن سے دیہات کے ایسے دلیروں کی جواں مردی کی تصدیق ہوتی ہے جو جنگل یا پہاڑوں کے نزدیک سکونت پذیر تھے۔

فتوحات کی بنا پر کبھی کبھی بڑی تعداد میں لوگوں کو ملک کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں آباد ہونے کے لیے جانا پڑتا تھا اور اقتصادی و معاشرتی تعلقات میں بالکل نئے طور پر مطابقت کرنا پڑتی تھی۔ اس سلسلہ میں وجیہ نگر حکومت اور شاید اس سے بھی قبل ہویسل اقتدار کی توسیع کے بعد تامل دیش میں کافی تعداد میں تیلگو اور کنڑ لوگوں کی آمد کی جدید ترین

مثال ہے جس کے اثرات آج بھی واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ لوگ افسروں اور سپاہیوں کی صورت میں اپنے حکمراں کے اقتدار کے قیام کے سلسلہ میں آتے ہوں گے اور انھیں بلاشبہ مفتوحہ علاقے کے عوام کا استخفاف کرکے زمینیں اور دوسری سہولتیں دے کر نقل وطن کی ہمت افزائی کی گئی ہوگی۔ علوم وفنون و مذہب کے سلسلہ میں شاہی سرپرستی کا حاصل ہونا نقل وطن کے دوسرے اسباب ہیں۔

بادشاہ اور اس کے درباری تعیش کی زندگی بسر کرتے تھے اور بقیہ عوام کے رہن سہن کا معیار نسبتاً بہت معمولی تھا۔ صدیاں بیت جانے پر بھی دربار کی شان وشوکت آنکھوں کے لیے خیرہ کن بنی رہی۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ شان وشوکت وجیہ نگر کے رائے شہنشاہوں کے عہد حکومت میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ شاہی محل کے ساتھ ہمیشہ ایک انتظامی محکمہ منسلک رہتا تھا۔ عملاً شاہی محل میں مندر کے مانند 72 محکمے (نیوگ) ہوتے تھے۔ انتظامی اداروں میں زیادہ تر خواتین کام کرتی تھیں۔ ان خواتین کو ان کے حسن وجوانی کی بنا پر منتخب کیا جاتا تھا۔ بعض خواتین تو ملک سے باہر نکلوائی جاتی تھیں اور بعض کو دوران جنگ پکڑ کر غلام بنا لیا جاتا تھا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان خواتین میں بعض رقص وسرود کی ماہر درباری خواتین ہوتی تھیں اور کچھ شہزادوں، امرا اور دوسرے درباریوں کی داشتہ ہوتی تھیں۔ بادامی کے چالوکیہ راجہ وجے دیتہ کی داشتہ ونیا پوتیگل نے مہاکوٹ میں ہرنے گربھ یگیہ کیا اور بھگوان کو ایک کرسی (پیٹھ) دی جس میں لعل جڑے ہوئے تھے اور اوپر چاندی کی چھتری تھی۔ راشٹر کوٹ راجہ موگھ ورش رقاصاؤں کو مخبری وغیرہ کی غرض سے سفیر مقرر کرتا تھا اور راجہ انھیں ایک طائفہ کی صورت میں اپنے جاگیرداروں کے یہاں بھیجتا تھا جہاں انھیں ان کے دربار میں رقص و سرود سے دل بہلانا پڑتا تھا۔

شاہی خاندان کی شہزادیوں کو عام طور پر ادب اور فنون لطیفہ کی اچھی تعلیم دی جاتی تھی۔ بعض شہزادیوں نے خود کو ملک کے انتظام اور جنگ کے لیے کامیاب بھی ثابت کیا۔ چالوکیہ شہزادی اور بے سنگھ دویم کی بڑی بہن اکادیوی ایک صوبہ کا انتظام کرتی تھی اور جنگ وقلعہ کا محاصرہ کرنے میں ذاتی طور پر شامل رہتی تھی۔ ہوئیسل راجہ بلال اوّل کی ملکائیں موسیقی و رقص کی ماہر تھیں۔ کل چری سووی دیو (1174) کی ملکہ سوول دیوی بڑی بڑی مجلسوں میں جن میں امرا ادیب اور مختلف ممالک کے فنکار شامل ہوتے تھے۔ اپنے رقص وموسیقی کا

مظاہرہ کرتی تھیں۔ پرتگالی مورخ پیس (Paes) (22-1520) اور دوسرے غیر ملکی مورخین نے بھی وجیہ نگر سلطنت کا ملکاؤں کی تعداد ان کے بیش قیمت نظام خانہ داری ان کی خدمت کے لیے بڑی تعداد میں خادمائیں، ان کا بیش قیمت لباس اور زیورات اور شاہی محل کے اندر ان کے روزمرہ کے فرائض میں ہلکے کاموں کا ذکر کیا ہے مثال کے طور پر ہم جانتے ہیں کہ تنجور کے رگھوناتھ نایک کے دربار میں بہت قابل شاعرہ تھیں جو مختلف زبانوں کی تصنیفات کی تشریح کر سکتی تھیں۔ اونچے طبقہ کی سوسائٹی میں خواتین کا رول مختلف نوعیت کا ہوتا تھا۔ یہ کافی اہم اور خوشگوار ہوتا تھا۔ اونچے طبقہ میں ستی کا رواج تھا لیکن کسی صورت میں بھی عام نہ تھا۔

بادشاہ دن میں کم سے کم ایک بار دربار عام میں آتا تھا۔ اس موقعہ پر حکومت کے تمام اعلا افسر اور امرا کی حاضری لازمی تھی۔ دربار کی شان و شوکت کی نمائش میں کوئی کمی نہیں رکھی جاتی تھی۔ اس دربار میں بادشاہ عام طور پر امور عامہ انجام دیتا تھا۔ وہ لوگوں کی شکایتیں سنتا تھا۔ غیر ملکی سفیروں سے ملتا تھا اور خراج گذار حکمرانوں سے خراج وصول کرتا تھا۔ غیر ملکی سیاحوں نے ایسے مناظر کا برابر ذکر کیا ہے۔ چیدام برم میں جنجی کے نایک کے ساتھ نکولس پیمنٹا کی ملاقات کا درج ذیل بیان تمثیلی مانا جاسکتا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ "جنجی کا نایک یہاں آیا ہوا تھا۔ یہ مقام اس کی قلمرو میں شامل تھا۔ اس نے حکم دیا کہ ہم لوگ اس کے دربار میں پیش کیے جائیں۔ ہم لوگوں کے داخل ہونے سے قبل دو سو براہمنوں نے ایک صف میں آکر گھر میں متبرک پانی کو چھڑکا تاکہ گھر پاک و صاف ہو جائے اور کوئی شخص بادشاہ پر جادو ٹونہ نہ کر سکے۔ راجہ جب کسی گھر میں پہلے پہل قدم رکھتا تو وہ لوگ ہر روز اسی طرح گھر کو پاک کرتے۔ ہم لوگوں نے راجہ کو ایک لمبی ریشمی پوشاک میں ریشمی قالین پر مسند کا سہارا لے کر لیٹے ہوئے پایا۔ اس کے گلے میں ایک زنجیر تھی جس میں بے شمار موتی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اور جو اس کے سینہ پر چمک رہے تھے۔ اس کے لمبے بالوں میں گرہ لگی ہوئی تھی۔ سر پر تاج تھا جس میں موتی جڑے ہوئے تھے۔ کچھ شہزادے اور براہمن اس کی خدمت بجالانے کے لیے حاضر تھے۔ اس نے ہمارا خیر مقدم بہت فیاضی کے ساتھ کیا اور اس پر حیرت کا اظہار کیا گیا کہ ہم لوگوں نے وہ پان جو پیش کیے گئے تھے نہیں کھائے۔ اس نے اپنے نئے شہر کے لیے جو بسایا جارہا تھا ہم لوگوں کے درمیان سے ایک پر وہت حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس کے بعد اس نے ہمیں بیش قیمت کپڑے

جس پر سونے کا کام بنا ہوا تھا تحفے کے طور پر دے کر رخصت کیا 1433 میں وجیہ نگر کا بادشاہ ایران کے سفیر عبدالرزاق سے جب کہ وہ اس کے شہر میں مقیم تھا ہفتہ میں دو بار ملتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے ترجمان کے ذریعہ ایرانی سفیر سے کہا کہ " آپ کا بادشاہ سفیر کو کھانے پر مدعو کرتا ہے اور دستر خوان پر اسے خوش آمدید کہتا ہے لیکن چونکہ ہم لوگ ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتے اس لیے میں سونے سے بھری ہوئی یہ تھیلی طعام کی شکل میں سفیر کو پیش کرتا ہوں"۔ روسی تاجر اتھنیسیس نیکیتین Athanasius Nikitin نے تصدیق کی ہے کہ بہمنی سلطنت کے سلاطین اور امرا اپنے رہن سہن میں زیادہ تعیش پسند اور فضول خرچ تھے۔ بیجا پور کے متعلق وارتیما 1505 میں لکھتا ہے کہ " سلطان بہت تمکنت اور تزک و احتشام کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کے متعدد ملازمین کے جوتوں کے اوپر حصہ میں ہیرے پنے اور دوسرے بیش قیمت جواہرات جڑے رہتے تھے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہاتھوں کی انگلیوں اور کانوں میں کتنے جواہرات پہنے جاتے ہوں گے۔ یہ سب مسلمان ہیں۔ دمشق میں عام رواج کے مطابق وہاں کی عورتوں کے چہرے بالکل ڈھکے ہوتے ہیں"۔

لڑائی میں بادشاہ بذات خود کبھی کبھی میدان جنگ میں جاتا تھا۔ لیکن اکثر وہ اپنے قابل اعتماد جنرلوں کو ہی بھیجتا تھا۔ فوج کے روایتی طور پر چار حصے بالخصوص ادبی تصنیفات میں بتائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا کہ دوران جنگ رتھوں کی بھی کوئی اہمیت تھی۔ البتہ ہاتھیوں کی اہمیت بہت زمانہ تک رہی۔ یوان چانگ نے دیکھا کہ مہاراشٹر میں لڑائی سے پہلے ہاتھیوں کو شراب پلا کر بدمست کر دیا گیا ہے گھوڑ سوار فوج اس قدر اہم تھی کہ بادشاہ گھوڑوں کے عرب تاجروں کو سودمند شرائط کی منظوری میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ بہمنی اور وجیہ نگر کی لڑائیوں میں آتشیں اسلحہ استعمال کیے گئے حالانکہ بندوقچی عام طور پر غیر ملکی ہوا کرتے تھے۔ ابتدائی زمانہ میں دفاعی نظام میں قلعوں کو ہمیشہ سے اہمیت حاصل رہی۔ قلعوں کا محاصرہ اور ان کی تسخیر کے فن سے بھی بخوبی واقفیت تھی۔ وجیہ نگر کی حکومت کے زمانہ تک فوج میں بھرتی، تربیت اور ساز و سامان کی تفصیلات کے بارے میں واقفیت کی کمی ہے۔ لیکن یہ بہر کیف ظاہر ہے کہ فوج میں سماج کے ہر طبقہ کے لوگ بھرتی کیے جاتے تھے اور لڑائی کے دوران نئے افراد کی بھرتی اور جاگیرداروں کی مقررہ تعداد میں اضافہ کر کے فوج میں اضافہ کر لیا جاتا تھا۔ سپاہیوں کا ایک مخصوص دستہ بادشاہ کا منتخب

باڈی گارڈ کی حیثیت سے خدمات انجام دیتا تھا۔ بادشاہ کی تاجپوشی کے وقت اس دستے کے لوگ بادشاہ کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور جان کی بازی لگا کر بادشاہ کی حفاظت کرتے تھے۔ ان لوگوں کو مختلف حکومتوں میں مختلف نام سے پکارا جاتا تھا۔ چالوکیوں کے زمانہ میں انھیں سہہ واسی، چولوں کے زمانہ میں ویلیک کارو، Velaik Karar ہویسلوں کے یہاں گرورڑ، اور پانڈیوں کے یہاں اپتو دونگل Afopattudarigal کہا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے زمانہ میں باڈی گارڈ کی اہمیت میں کمی واقع ہو گئی اگرچہ مکمل جنگ سے قطعی طور پر ناواقفیت تھی۔ لیکن لڑائی کے اثرات صرف لڑنے والوں تک ہی محدود رہتے تھے اگرچہ رحم دلی کی مثالیں جیسے نرسنگھ ورمن اوّل نے بادامی اور دکرمادیتہ نے کانچی کے شہروں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا لیکن کلیانی کے چولوں اور چالوکیوں کے درمیان اور بہمنی اور وجیہ نگر کے درمیان لڑائیوں میں بلا شبہ اندھا دھند تباہی اور سفاکانہ کارروائیاں سرزد ہوئیں۔ نونیز نے وجیہ نگر کی فوج کے ایک دستے کا جو یورش پر جارہا تھا اس طرح ذکر کیا ہے کہ سب ہی لوگ مکمل طور پر مسلح ہیں۔ تیرانداز اور بندوقچی اپنے روئی کے کوٹ پہنے ہوئے ہیں۔ ڈھال والے سپاہی اپنی تلوار اور کمر سے بلم باندھے ہوئے ہیں۔ غرض ہر شخص اپنی وضع سے تیار ہے۔ ڈھالیں اتنی بڑی ہیں کہ پورے جسم کو ڈھک لیتی ہیں اور جسم کی حفاظت کے لیے زرہ بکتر کی ضرورت نہیں باقی رہ گئی ہے۔ گھوڑے بھی مکمل طور پر سجے ہوئے ہیں اور سپاہی چست صدری پہنے ہوئے ہاتھوں میں شمشیر لیے ہوئے ہیں۔ ان کے سر صدری کی طرح روئی سے بھرے ہوئے کپڑے سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ لڑائی کے ہاتھیوں پر ہودا ہوتا ہے۔ جس میں چار سپاہی ہاتھی کے چاروں طرف سے لڑتے ہیں۔ ہاتھیوں کے جسم کپڑے سے ڈھکے ہوتے ہیں ان کے دانتوں پر تیز دھار والے چاقو بندھے ہوتے ہیں جن کے ذریعہ بہت نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ سپاہیوں کے ساتھ کئی توپیں بھی لے جائی جاتی ہیں۔"

فوج کے پڑاؤ کے بارے میں نونیز لکھتا ہے کہ "پورے کیمپ میں باقاعدہ گلیاں تھیں۔ ہر کپتان کے ڈویژنوں کے لیے الگ بازار ہوتا تھا جس میں بھیڑ، بکری، مور، مرغ، خرگوش، تیتر اور دوسری چیزوں کا گوشت اتنی بڑی مقدار میں ملتا تھا کہ آپ خیال کریں گے کہ آپ جیسے وشناگ شہر کے بازار میں ہوں" دارالخلافت اور دوسرے مخصوص مقامات پر ورزش گاہیں تھیں جہاں سپاہیوں کو امن کے زمانہ میں فوجی قواعد کی تعلیم دی

جاتی تھی۔ یوان چوانگ Yaun Chwang لکھتا ہے کہ جو کمانڈر لڑائی میں ہار جاتے تھے۔ انھیں عورتوں کا لباس پہننے کو دیا جاتا تھا۔ اس امر کی تصدیق گیارھویں صدی کے چول کتبے سے بھی ہوتی ہے۔

اگرچہ ہم بڑے یا چھوٹے پیمانہ پر بحری سرگرمیوں کے بارے میں سنتے ہیں لیکن بحری فوج کے بارے میں ہمیں اطلاعات نہیں حاصل ہو رہی ہیں۔ بادامی کے چالوکیوں کے ذریعہ مغربی گھاٹ پر واقع دیوتی دیپ اور پری کے جزائر، نیز پلووں، پانڈیوں، چولوں اور وجیہ نگر بادشاہوں کے ذریعے بحری لنکا اور مالدیو جزائر کی تسخیر اور سب سے بڑھ کر سری وجے کی بحری سلطنت کے خلاف راجیندر چول کی بحری مہم بغیر موثر بحری تنظیم کے ممکن نہیں ہو سکتی تھی۔ مزید براں سمندر پار تجارت جو ہمیشہ سے بہت کافی تھی۔ اسے بحری قزاقوں اور دشمن طاقتوں کی دستبرد سے بچانے کی ضرورت رہی ہو گی۔ بحری معلومات سے متعلق مضامین اور تصنیفات میں چول ملاحوں کے خیالات کو پندرھویں اور سولھویں صدی کے عرب جانشین مستند سمجھ کر بیان کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ جنوبی ہندوستان کی ریاستوں کے پاس بہترین بحری روایات تھیں جن کی بنا پر ان کا فوری مقصد پورا ہو جاتا تھا۔ لیکن یورپ کی زیادہ ہمت ور قوموں کے مقابلہ میں وہ ان کے کام نہ آسکا۔

شہری زندگی میں براہمنوں کو عزت کا مقام حاصل تھا۔ فوج اور حکومت کی مختلف ملازمتوں میں داخل ہونے والے چند براہمنوں کو مستثنا قرار دیتے ہوئے عام طور پر وہ مذہبی اور ادبی خدمات میں لگے رہتے تھے اور دھن دولت اور اقتدار کی ہوس سے دور تھے۔ وہ لوگ بادشاہ سے لے کر چھوٹے طبقہ کے لوگوں کی خیرات پر اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ سینکڑوں کتبوں میں بادشاہوں، امرا اور تاجروں نے ایک ایسے طبقے کے گذر بسر کرنے کے بارے میں مستقل طور پر تشویش کا اظہار کیا ہے جو درس تدریس کے کام میں ہمہ تن مصروف رہتا تھا۔ جو معاشرتی فلاح کے عام مسائل پر وابستگی کے بغیر غور کر سکتا تھا اور جس کی موجودگی پر شہر اور گاؤں کی بقیہ آبادی کے لیے یہی نہیں کہ اعلا شہری اور مذہبی زندگی کے لیے نمونے پیش کرتی تھی بلکہ جو ان کے روزمرہ کی زندگی کے مسائل حل کرنے میں ایک سرگرم معاون اور غیر جانب دار ثالث کے فرائض بھی انجام دے سکتا تھا۔ سر چارلس ایلیٹ تحریر کرتا ہے کہ "ایک ذات کی شکل میں برہمن کی ذہنی برتری اسے اور لوگوں پر فوقیت دلانے کے لیے واضح طور پر کافی تھی اور سیاست

میں براہمنوں کے درمیان اتنی عقل و فہم موجود تھی کہ وہ بادشاہ کی حیثیت سے ہیں بلکہ وزیر کی حیثیت سے مقرر ہو کر حکومت کرتے تھے۔ اصولاً اور بہت بڑی حد تک عملی طور پر براہمن وراس کے ڈیوتا سلطنت کے اندر سلطنت نہ تھے بلکہ خود مختار قوت تھے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ براہمن اپنے پیشے کے اعلا مقاصد کے مطابق ہمیشہ کام نہیں کرتے تھے اور سماج میں براہمنوں کو جو درجہ حاصل تھا اس کے خلاف لنگایت جیسی تحریکیں بھی ہوئیں۔ لیکن عام طور پر لوگوں کو اس طبقے سے جو توقعات تھیں وہ حقیقی طور پر پوری ہوئیں اور سماج کے بقیہ طبقے کے لوگوں نے ہر طرح سے انھیں بہ خوشی تسلیم بھی کیا۔

ذات پات کا رواج درحقیقت اپنی تمام معاشرتی اور اقتصادی پیچیدگیوں کے ساتھ تقریباً مکمل طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا اور اس بنیاد پر تمام منظم سماج کو قایم رکھنا بادشاہ کا اوّلین فرض سمجھا جاتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ کھانے پینے اور شادی بیاہ کے معاملے میں سماج کے مختلف طبقوں کے درمیان فرق ہونے کے باوجود مفاد عامہ کے کام مثلاً مندر اور اس سے متعلق اداروں کا انتظام گاؤں کی اراضی اور آب پاشی کے حقوق کو باقاعدہ بنانے اور عام طور پر مقامی معاملات کے انتظام کے لیے سب لوگ جوش کے ساتھ آپس میں ملتے اور تعاون کرتے تھے۔ انفرادی یا کسی ایک گروپ کے حقوق کا خیال نہ رکھ کر لوگوں سے ہمیشہ خواہ وہ کسی حیثیت سے تعلق رکھتے ہوں اپنے فرائض کی انجام دہی پر زور دیا جاتا تھا۔ اختلاف رائے اور جھگڑے و تکرار سے کوئی سماج بری نہیں ہے لیکن وہ شاید ہی کبھی ناگوار صورت اختیار کرتے تھے اور موجودہ سماجی نظام میں ہم آہنگی اور قناعت کا ماحول پایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ "دائیں ہاتھ والی" اور "بائیں ہاتھ والی" ذات پات کے جھگڑوں نے بھی کبھی تشدد کا رخ نہیں اختیار کیا جب کہ بعد کے عہد میں یہ صورت بدل گئی۔ ذات پات کا جھگڑا کب اور کس طرح شروع ہوا یہ ایک سربستہ راز ہے۔ شہروں اور دیہاتوں میں مختلف ذات کے لوگ اپنے مکانات میں الگ الگ رہتے تھے۔ یہ لوگ اپنی اپنی عادتیں اور رسم و رواج مانتے تھے۔ ذات پات سے خارج شدہ لوگ زمین جوتتے تھے اور ذلیل کام کرتے تھے۔ (ان کے شرائط کے کام غلاموں سے قدرے مختلف تھے) یہ لوگ گاؤں سے دور جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔

کتبوں میں بعض مشترک ذات کی عجیب و غریب مثالیں دی گئی ہیں۔ ان کے پیشوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً کلوتنگ اوّل کی حکومت کے آخری دنوں میں کسی گاؤں کے بھٹ

لوگوں نے مجموعہ قوانین کی چھان بین کے بعد رتھ کاروں کے الو لوم ذات کے لوگوں کے لیے عمارتیں بنانے، گاڑیاں اور رتھ بنانے، مورتیوں کے ساتھ گوپُروں کی تعمیر، اور قربانی سے متعلق اوزار بنانے کا کام سپرد کیا گیا۔ یہ فیصلہ قریب قریب معاصر ذاتوں کے دستور العمل وگیا نیشور کی متاکشرا سے مطابقت رکھتا تھا۔ کبھی کبھی بادشاہ بھی خاص وجوہات کی بنا پر کسی ذات کے لیے حقوق کا تعین کرتا تھا۔ مثلاً جنوبی کوتگو اور مختلف علاقوں کے معماروں (کن مالر) کو چول راجہ سے درج ذیل حقوق حاصل ہوئے تھے۔ گھریلو تقاریب کے مواقع خواہ وہ اچھے ہوں یا برے دو شنکھ اور ڈھول بجا سکتے تھے۔ گھر سے باہر جانے پر چندن کا استعمال کر سکتے تھے۔ اور اپنے مکانوں کی دیواروں پر چونے سے پلاستر کروا سکتے تھے۔ کوندوجا Kondoja نامی ایک حجام نے سداشو اور رام رائے کو اتنا خوش کر لیا تھا کہ اس کی پوری ذات کو مختلف ٹیکسوں، بیگار، لگان کی ادائیگی اور مہانومی کے تہوار پر مشعل وغیرہ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ متعدد کتبوں میں حجام کے استرے استرا تیز کرنے والا چمڑے کا ٹکڑا، شیشے، قینچیاں اور حجام کے پیشہ سے متعلق دوسرے اوزاروں کی تصویریں کندہ کی ہوئی ہیں۔

مخصوص طبقہ کے لوگوں کی غذا اور لباس وقت اور جگہ کے خیال سے مختلف ہو جاتی تھی۔ ان موضوعات پر مصدقہ اور بالتفصیل اطلاعات کتبوں، ادب اور غیر ملکی سیاحوں کے تاثرات سے حاصل ہو سکتی ہیں جو وجیہ نگر حکومت کے قیام کے بعد جامع اور مفصل ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر سولھویں صدی کے شروع میں وارتھیما نے وجیہ نگر میں جو کچھ دیکھا اسے اس طرح بیان کیا ہے۔ "ان کی پوشاک اس طرح ہے۔ متمول لوگ چھوٹی قمیض اور سر پر موریوں کی طرح سنہرے یا زرد پیلے رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں لیکن پیروں میں کچھ نہیں پہنتے ہیں۔ عام آدمی بالکل ننگے رہتے ہیں۔ کمر کے نیچے صرف ایک کپڑا پہنتے ہیں۔ بادشاہ دو بالشت لمبی سنہری ٹوپی پہنتا ہے۔ جب بادشاہ لڑائی پر جاتا ہے تو روئی سے بھرا ہوا لباس پہنتا ہے، اس کے اوپر ایک اور پوشاک پہنتا ہے جس کے چاروں طرف ہیرے موتی لگے رہتے ہیں۔ بادشاہ کا گھوڑا جن زیورات سے لدا ہوتا ہے ان کی قیمت ہمارے کئی شہروں سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ وہ جب تفریح کے لیے گھوڑے پر جاتا ہے تو تین چار ماتحت راجے اور سردار اور پانچ چھ ہزار گھوڑے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ سب اس خیال سے کہ اسے بہت طاقتور بادشاہ سمجھا جائے۔"

آبادی کا کچھ حصہ مثلاً براہمنی، جینی اور شودھرم کے ماننے والے قطعی طور پر گوشت نہیں

کھاتے۔ زندگی کی اہم ضروریات کی اشیا کافی مقدار میں میسر تھیں اور کمی و قحط کی بات تو شاید کبھی سنی بھی نہیں گئی۔

عام تعلیم کے مقابلے میں سنسکرت کی اعلا تعلیم سے متعلق زیادہ واضح معلومات مہیا ہوتی ہیں سنسکرت کی اعلا تعلیم کے لیے فیاضانہ طور پر دی جانے والی رقم کا کافی لیے کتبوں میں ذکر موجود ہے لیکن عام تعلیم کے سلسلہ میں ہمیں گاؤں کے مدرس کے ذکر اور گاؤں کی قابل کاشت اراضی میں اس کے حصے نیز کُنتل اسکولوں میں تامل، مراٹھی، اور پراکرت کی تعلیم کے لیے کبھی کبھی براہ راست عطیوں سے ہی نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ آج ہم جسے فنی یا پیشہ ورانہ تربیت کہتے ہیں وہ اس زمانہ میں بھی معاملہ تھا۔ ایک باپ اپنے بیٹے کو اپنے پیشے کی تربیت دیتا تھا اور کام کے ساتھ ساتھ تربیت بھی ہوتی جاتی تھی۔ مندر یا شاہی محل کی تعمیر کے سلسلہ میں نئی صلاحیتوں کا پتہ چلتا تھا اور مشہور کاریگروں کی قابلیت کا استعمال کیا جاتا تھا جو یادگاریں باقی بچ گئی ہیں ان کو دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ ایسے کاریگروں کی کسی بھی وقت کمی نہیں تھی جو ماہر فن سمجھے جاتے تھے۔ پتھر اور تانبے پر کھدے ہوئے بیشتر کتبوں کی خوبصورتی اور زبان کی درستگی سے جہاں کندہ کرنے والوں کی اعلا تعلیم اور ہوشیاری کا پتہ چلتا ہے۔ وہاں بیشتر کتبوں کی ادنا خصوصیت کے ساتھ ساتھ تمام زبانوں میں جو ادب پایا جاتا ہے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر مقامی عام زبان کو انتظامی اور تعلیمی طور پر استعمال کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی جاتی تھی۔ ہمیں ان طریقوں کے بارے میں واضح علم نہیں ہے جن کی بنا پر یہ نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔ بالخصوص ابتدائی زمانہ میں جب کہ دیسی زبانیں اور تہذیب کی پرورش کے لیے اتنے زیادہ نہیں تھے جتنے کہ بعد میں قایم کیے گئے۔ شروع میں لکھنا پڑھنا اور ریاضی کی تعلیم گاؤں کے اسکولوں میں جو کسی سایہ دار درخت کے نیچے یا کسی مندر کے برآمدے میں ہوا کرتے تھے دی جاتی تھی۔ گاؤں کا مدرس (وتی یا اکاریگا) کا شمار گاؤں کے افسروں میں ہوتا تھا اور اسے بعض مخصوص فرائض کی انجام دہی کے صلہ میں گاؤں کی آراضی میں حصہ دیا جاتا تھا۔ اطالوی سیاح پیڑو ڈیلا ویلے (1625) نے گاؤں کے اسکولوں اور ان کے ذریعہ طریق تعلیم کا بہت واضح بیان چھوڑا ہے۔ اس نے تعلیم کے سلسلہ میں ازبر کرنے اور فرش پر باریک ریت چھڑک کر لکھنے کے طریقے کو بیان کیا ہے۔ یہ طریقہ آج بھی مکمل طور سے مستعمل ہے اور دور دراز واقع گاؤں میں اس وقت بھی رائج ہے۔ ابن بطوطہ (45-1333) لکھتا ہے کہ میں نے ہنوار Hanaur میں لڑکیوں کے تیرہ اور لڑکوں کے تیئس اسکولوں کو دیکھا۔ ایسے اسکول

کہیں اور دیکھنے میں نہیں آتے۔" رابرٹ ڈی نوبلی اپنے 1610 کے ایک خط میں لکھتا ہے کہ مدیورا میں دس ہزار طلبا اپنے دینیات اور فلسفہ کے معلّم سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ عیسائی مشنریوں نے اپنے آنے کے بعد اسپتالوں کے علاوہ اسکول بھی قایم کیے۔ جو انجیل کی تشہیر کے مقدم ذرائع بن گئے۔ انھوں نے مدیورا، سینٹ ٹوم اور چندرگری میں اسکول قایم کیے۔

بالغوں کی تعلیم کا بندوبست ان عطیوں سے کیا جاتا تھا جو مندروں کو دیے جاتے تھے۔ ان کی تعلیم میں رزمیہ نظموں (رامائن مہابھارت) اور پرانوں کی خوش خوانی اور تفسیر شامل تھی۔ ذہین اور مقبول عام شارح شاید ہی خود کو کتاب کے متن تک محدود رکھتا تھا۔ بلکہ وہ مختلف موضوعات کے ذریعہ جس میں موجودہ معاملات پر قابل فہم اعتراضات بھی شامل تھے۔ سامعین کے لیے دل چسپی اور لیاقت میں اضافہ کے باعث ہوتے تھے۔ تعلیم کے اس مقبول عام طریقے سے آج بھی سب لوگ واقف ہیں۔ مندروں میں بھجن منڈلیاں مقرر کی جاتی تھیں اور عام طور پر ان اسکولوں میں جو مٹھوں سے ملحق ہوتے تھے نوجوانوں کو اس طرح تربیت دی جاتی تھی۔ یہ تعلیم کا دوسرا قابل غور پہلو تھا۔ مٹھوں کے علاوہ جین پلیوں اور بدھ وہاروں نے بھی جہاں کہیں وہ قایم تھے عوام کو تعلیم دینے کا کام کیا۔ ان کے پاس ہر شعبۂ تعلیم سے متعلق بڑے بڑے کتب خانے تھے۔ ان کتابوں کی وقتاً فوقتاً نقل بھی کی جاتی تھی۔

سنسکرت کی تعلیم پر براہمنوں کی اجارہ داری تھی۔ اگرچہ ان میں مستثنیات بھی تھے لیکن مخصوص طور پر کافی بڑی رقم دے کر سنسکرت تعلیم کی ہمت افزائی کی جاتی تھی۔ تعلیم کے سلسلہ میں کہیں چار اور کہیں چودہ یا اٹھارہ مضامین ہوتے تھے۔ چار مضامین میں فلسفہ (آنی وکشکی) وید (ترائی) معاشیات (وارتا) اور سیاسیات (دنڈ نیتی) تھے۔ یہ مجموعہ بادشاہوں کے لیے خاص طور پر موزوں تھا۔ اور درحقیقت اس کا ذکر کوٹلیہ کے ارتھ شاستر میں سب سے پہلے ہوا ہے۔ چودہ مضامین میں چار وید، چھ انگ (معاون مضامین) صوتیات، علم عروض، علم صرف و نحو (گرامر) علم صرف (خاص کر مشکل الفاظ) علم نجوم اور رسوم ورواج، پران، علم منطق (ترک)، تفسیر (میمامسا) اور قانون (دھرم شاستر) شامل تھے۔ ان چودہ مضامین میں ایوروید (ادویات) دھنروید (تیر اندازی) اور گاندھروید (موسیقی)، ورارتھ شاستر (سیاسیات) شامل کر دینے سے اٹھارہ مضامین ہو جاتے تھے۔ جو براہمن ان میں سے کسی

مضامین کا ماہر ہوتا تھا اسے راج گرو (بادشاہوں کا اتالیق) مقرر کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ ملک کے مختلف حصّوں میں جاکر وعظ سناتے تھے اور اس طرح شہروں اور گاؤں میں رہنے والوں کی زندگی بہتر بناتے تھے۔ براہمنوں کی جس جگہ کمی محسوس کی جاتی تھی۔ وہاں انھیں زمین اور مکان کا دلاسہ دے کر آباد ہونے کے لیے راغب کیا جاتا تھا۔ متعدد مقامات پر وہ مستند کالجوں مثلاً بیلگام کے برہم پُری اور کانچی کے گھٹیکاؤں کی طرح برہم پوریوں اور گھٹیکاؤں میں اجتماعی طور پر منظم تھے۔ کاویری پاکم سے دست یاب نرپتنگ کے عہد حکومت کے ایک کتبے وشنومٹھ اور اس کے عالموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی راجہ کے ایک اور کتبے سے پتہ چلتا ہے کہ پانڈیچری کے نزدیک باہُر میں واقع ایک کالج بہت عمدہ حالت میں قایم تھا جس میں چودہ مضامین کی تعلیم دی جاتی تھی۔ سلاتگی میں ایک اور مشہور کالج تھا جس میں مختلف جن پدوں سے طلبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔ اس کالج کے طلبا کی جماعت کے لیے کرشن سویم کے وزیر نے مکانات' زمین سے مالگذاری کی شکل میں اور شادی اور دوسری رسومات پر محصول عائد کرکے ایک کثیر رقم امداد کے طور پر دی جاتی تھی۔ ناگئی میں بھی ایک گھٹیکا کے بارے میں سنا جاتا ہے جس میں ایک لائبریرین (محافظ کتب خانہ) کے علاوہ ویدوں کا مطالعہ کرنے والے دو سو اور شاستروں کا مطالعہ کرنے والے بچاس طلبا، ویدوں کی تعلیم دینے والے تین اور شاستر پڑھانے والے تین تین مدرسین تھے۔ ان میں بھٹ، پربھاکر، میمامسا۔ اور اصول انصاف پڑھانے کے لیے ایک ایک معلّم تھا۔ اس طرح مجموعی طور پر 257 افراد کے لیے بندوبست تھا۔ جنوبی ارکاٹ میں اینائی رم مقام پر چول راجہ جیتندر اول نے ایک بڑا کالج قایم کیا جس میں (1) 270 ابتدائی طلبا تھے۔ ان میں چالیس طلبا روپاوتارا Rupavatara کے مطابق ابتدائی صرف ونحو کا مطالعہ کرتے تھے۔ دس طلبا بودھاتن کے سوتر پڑھتے تھے اور باقی ویدوں کو ازبر کرتے تھے۔ (2) اونچے درجوں کے ستر طلبا میں سے دس ویدانت، پچیس ویاکرن (گرامر) اور باقی طلبا پربھاکر میمامسا کا مطالعہ کرتے تھے۔ اور (3) چودہ معلّم تھے اس کے پڑوس میں تروبھون کے دوسرے کالج کے اندر 260 طلبا اور 12 مدرس تھے۔ ویر راجیندر کے عہد حکومت کے ایک کتبے میں چنگلوپٹ ضلع ترمتوکودل کے ایک چھوٹے ادارے کے طلبا کے کھانے اور رہائش کے انتظام کی مکمل تفصیلات دی گئی ہیں۔ اس کتبے میں ترمتوکودل میں واقع ایک اچھے خاصے اسپتال میں دواؤں کے ذخیرے کے بارے میں اسی طرح کی دلچسپ تفصیلات بیان کی گئی

ہیں۔ ترووا دوترانی میں ایک طبی اسکول تھا جہاں اشٹانگ ہردے اور چرک سنگھیتا پڑھائی جاتی تھیں۔ پانینی کی گرامر پڑھانے کے لیے ترو دیور کا اسکول بھی خصوصاً قابل ذکر ہے۔ دیوگری کے راجاؤں نے علوم نجوم اور قانون پڑھنے کے لیے خاص طور پر ہمت افزائی کی۔ وجے نگر کے رائے بادشاہوں اور مختلف سرداروں نے بھی تعلیم و تربیت کے لیے فیاضانہ طور پر ہمت افزائی کو جاری رکھا۔ بہمنی سلطنت اور اس کی جانشین ریاستوں نے مسلم طریق تعلیم اور اسلامی تعلیم پر فطری طور سے زیادہ توجہ کی۔ اس طرح کا پورے ساز و سامان کے ساتھ ایک بہت بڑا کالج بیدر میں تھا۔ اس کالج کو مشہور و معروف وزیر محمود گاوان نے قائم کیا تھا

کیرل کی واضح جغرافیائی علاحدگی سے تہذیبی علاحدگی مراد نہیں ہے۔ ہندوستان کے بقیہ ادب میں کیرل کا کئی طرح سے ذکر ہوا ہے۔ کیرل میں نمبودری براہمن صرف سب سے بڑے لڑکے کو شادی کرنے اور خاندان بڑھانے کی اجازت دیتے تھے۔ چھوٹے بھائی جو خاندان کی ذمے داری سے آزاد رہتے تھے عام طور پر درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے اور عوام میں خواندگی کو بڑھانے کی کوشش کرتے تھے۔ نویں صدی کے وسط میں ہونے والے راجہ کرونندادکن کے ایک عطیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جاگیروں کے سردار سنسکرت تعلیم کی سرپرستی کرتے تھے۔ اسی آے راجہ نے ایک کالج اور 95 طلبا کے رہنے کے لیے جگہ بھی وقف کی تھی۔ ان طلبا کو گرامر تفسیر پر وہت کا پیشہ اور ریترے راجیہ ویوہار (تینوں ممالک یعنی پانڈیہ، چول اور کیرل میں مروجہ قانون اور ریت رواج) میں داخلے کے لیے امتحان پاس کرنا ہوتا تھا۔ یہ کالج جنوبی ترادنکور نے پارتھی وشیکھر پورم کے وشنو مندر میں تھا۔ یہ ایک حقیقت تھی کہ ملک کے تمام مندر، مٹھ اور ستر اپنے ڈھنگ سے گروکل کے طریق تعلیم کے مرکز بن گئے تھے۔

مندر محض پرستش گاہ ہی نہ تھے۔ بلکہ عوام کی ثقافتی اور معاشی زندگی کی بہت بڑی ضرورت کو پورا کرتے تھے۔ مندروں کی تعمیر میں بے شمار معماروں اور کاریگروں کو روزی کمانے کے مواقع حاصل ہوتے تھے۔ یہ لوگ ایک ہمہ گیر منصوبہ تیار کرنے اور پھر اسے بروئے کار لانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ پتھر اور دھات کے مجسمے بنانے میں ملک کے بہترین سنگ تراشوں کو اپنی ذہانت دکھانے کا موقع ملتا تھا۔ چول بادشاہوں کے حکومت میں کانسی کے ڈھلے ہوئے مجسمے دنیا کے عجائبات میں شمار کیے جاتے ہیں۔ یہ مجسمے بہت بڑی تعداد میں دھات کے استعمال کرنے اور انھیں خوبصورت شکل میں

پیش کرنے کے لیے مشہور ہیں۔ بڑے بڑے مندروں کے روزمرہ کے کام میں کافی تعداد میں پجاریوں، گانے والی منڈلیوں، موسیقاروں، رقاصاؤں، مالیوں، خانساماؤں اور دوسرے مختلف قسم کے ملازموں کو روزی حاصل ہوتی تھی۔ میعادی تہواروں پر میلے لگتے تھے جن میں مناظرے کشتیاں اور ہر طرح کے کھیل و تفریح کے سامان ہوتے تھے اکثر اسکول اور اسپتال مندر کے احاطے میں واقع ہوتے تھے۔ یہی ٹاؤن ہال کے کام میں بھی لایا جاتا تھا اور یہاں پر لوگ مقامی مسائل پر غور کرنے یا کسی متبرک ادب پر تفسیر سننے کے لیے جمع ہوا کرتے تھے۔ مندر کو پشتہا پشت سے زمین اور نقد روپے کی شکل میں جو عطیے موصول ہوتے تھے ان کی بنا پر مندر ایک فیاض زمیندار یا مہاجن کی شکل اختیار کر لیتا تھا اور حاجت مند کی ضرورت پوری کرتا تھا۔ بے شمار قیمتی جواہرات سے مورتیوں کو سجانے کے رواج سے بالخصوص جبکہ انھیں جلوس کی شکل میں لے جانا ہوتا تھا۔ جوہریوں کے فن کی ہمت افزائی ہوتی تھی۔ تنجور کے بڑے مندر کے متعدد کتبوں میں جو تفصیلات دی گئی ہیں وہ کسی بھی بڑے مندر کی معاشی حالت کی واقفیت کے بارے میں کافی عمدہ مواد ہے۔ اس مندر کو جو عطیے حاصل ہوئے۔ وہ راج راج نے مندر میں تحفہ کے طور پر پیش کیے تھے۔ لڑائیوں کے بعد اس کے ہاتھ آیا تھا۔ اس میں اکتالیس ہزار پانچ سو کلنجو سونا شامل تھا جو مندر کو دے دیا گیا تھا۔ ایک کلونج تقریباً ستر گرین کے برابر ہوتا ہے اور ٹرائے (Troy) کی تول کے مطابق پانچ سو پونڈ سے زیادہ ہوتا ہے۔ جواہرات کی قیمت دس ہزار دو سو کاشو یعنی پانچ ہزار ایک سو سونے کے کلونج کے برابر تھا۔ اس نے پانچ ہزار چھ سو پچاس ھونج چاندی جو ٹرائے تول کے مطابق چھ سو پونڈ سے زیادہ ہوتی ہے۔ مندر کو عطیے کے طور پر دی اس نے اپنی پوری سلطنت جس میں شری لنکا بھی شامل تھی۔ ہر دیہات میں اس مندر کے لیے زمین چھوڑ دی جاتی تھی۔ اس زمین سے مندر کو سالانہ ایک لاکھ سولہ ہزار کلام دھان ملتا تھا جس کی قیمت اس زمانہ کی مروجہ شرح کے مطابق اٹھاون ہزار کا سو تھی۔ اس کے علاوہ مندر کو ایک ہزار ایک سو کاشو کی نقد آمدنی بھی تھی۔ سلطنت کے دوسرے مندروں سے جو دیو داسیاں وابستہ تھیں ان میں سے چار سو صرف اس مندر کے لیے مقرر کی گئیں۔ ہر دیو داسی کی گذر بسر کے لیے ایک ایک پانگو Paungo (حصہ) دے دیا گیا۔ ہر پانگو میں ایک گھر کے علاوہ سال میں کم سے کم سو کلام دھان کی ٹھوس پیداوار دینے والی زمین یا ویلی شامل تھی۔ تقریباً ایک سو اسی حصص دو سو بارہ ناچ سکھانے والے سردار اساتذہ، گانے والوں، ڈھول بجانے والوں، درزیوں، سوناروں اور حساب کتاب رکھنے والوں

کے لیے مخصوص تھے۔ مرد ملازمین میں تین آریم گانے کے لیے اور چار تامل گانے کے لیے مقرر تھے آریم اور تامل گانے کے بظاہر دو طریقے ہیں جنھیں اہا مارگم اور دوسری جگہوں پر "دیسی" نام سے پکارا جاتا ہے۔ گانیوالوں کی ایک سو پچاس آدمیوں کی ایک جماعت میں کر دنمیں یومیہ پر باجے کے ساتھ نترد پادیام گاتا تھا۔ اس جماعت کو یہ اختیار تھا کہ اگر اس کا کوئی رکن موت واقع ہو جانے یا نقل وطن کرنے کی صورت میں اپنا کوئی عزیز اپنی جگہ پر کرنے کے لیے نہیں چھوڑتا تو وہ جماعت اس خالی جگہ کو انتخاب کے بعد پر کرسکتی تھی۔ راج راج کی بڑی بہن کنداوتی دوسری خاتون بھی جو مندر کو فیاضی کے ساتھ عطیے دیتی تھی۔ کنداوتی نے ایک موقعہ پر دس ہزار کلونج سونا اور اٹھارہ ہزار کوشو کی قیمت کے برتن مندر کو دیے تھے۔ ملکائیں، بڑے بڑے سرکاری افسر فوجی سپاہیوں کے دستے اور دوسرے لوگوں نے بھی مندر کو عطیے دیے ہیں جن کی تفصیلات مندر کی دیواروں اور ستونوں پر بڑی احتیاط کے ساتھ کندہ کی ہوئی ہیں۔ کئی ہزار کوشوؤں کے نقد عطیے مختلف گرام سبھاؤں کو نقد یا جنس کی شکل میں مقررہ شرح سود پر قرض دیے جاتے تھے۔ عام طور پر شرح سود بارہ فی صدی سالانہ تھی۔ نقد عطیوں کی شکل میں بعض پیداوار مثلاً کافور، الائچی کے بیج، چمپک کلیاں اور خشخاش کی جڑیں بھی دی جاسکتی تھیں۔

کتبوں میں مختلف مجسموں کے صحیح اور مفصل ذکر ملتے ہیں۔ ان میں بعض مجسمے ایسے ہیں جو داستانوں پر مبنی ہیں اور عوام کی دل چسپی کے موضوعات کو واضح کر کے پیچیدہ مجموعی شکلوں میں ڈھالے گئے ہیں۔ ان کتبوں میں مندر کے زیورات اور جواہرات کی بھی تفصیلات دی گئی ہیں۔ سرکاری افسروں اور کبھی کبھی خود بادشاہ کے ذریعہ مندر کے انتظام کے معائنہ کی رپورٹ بھی درج ہیں۔ یہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ مندر کے انتظام کے سلسلہ میں اس کے کاروبار سے متعلق شعبے پر حکومت کا کنٹرول تھا۔ کوئی بھی امور عامہ کے انتظام کا طریقہ اتنا موثر نہیں ہو سکتا جتنا کہ چولوں کا تھا اور نہ تنجور کے مقابلہ میں کوئی مندر خوش حال تھا۔ چول دارالسلطنت میں اس مندر کو جو برتری حاصل تھی وہی عام طور پر مندر کو اپنے قرب وجوار کے علاقہ میں حاصل تھی اور صرف درجہ کا ہی فرق تھا۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ مندر مہذب زندگی کے تمام فن کو اپنے ازدگرد سمیٹے ہوئے تھا اور دھرم کے جذبے کے تحت جو انسانیت پیدا ہوتی ہے اسے منضبط کرتا تھا۔ معاشرتی فلاح وبہبود کے ادارے کی حیثیت سے قرون وسطیٰ کا ہر ہندوستانی مندر اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

کتبوں میں مختلف طبقوں کے کھیل و تفریح کے بارے میں قابل اعتماد طور پر تفصیلات درج نہیں کیے گئے ہیں۔ کالجی کی 304 میں فتح کے بعد جب راشٹرکوٹ گوند سویم دیا گنگ بعد را کے کنارے خیمہ ڈالے ہوئے پڑا ہوا تھا تو اس نے سور کے شکار میں حصہ لیا تھا — گنگ راجہ بوتنگ دوسیم کی تازی نسل کی کتیا جس کا نام کالی تھا ایک سور کے ساتھ لڑتے ہوئے مرگئی۔ (اتاکور میں اس کی قبر پر ایک یادگار قائیم کی گئی اور ایک گورو کو اس کی پرستش کرنے کے لیے مقرر کیا گیا) راشٹرکوٹ شہزادہ اندر چہارم کا محبوب کھیل بہت کچھ پولو کی طرح ہی گھوڑے پر سوار ہوکر گیند سے کھیلا جاتا تھا۔ پیس Paes کا بیان ہے کہ کرشن دیورائے نے ہر روز سورج نکلنے سے پیشتر تل کا تیل پیتا تھا اور مٹی کے بھاری بالوٹی اور تلوارے کر اس وقت تک ورزش کرتا تھا جب تک کہ تمام تیل پسینہ کی شکل میں جسم سے نہیں نکل جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے ایک پہلوان کے ساتھ کشتی لڑتا تھا۔ اور پھر زین سواری کرتا تھا۔ تب کہیں جاکر غسل کرتا تھا۔ وجیہ نگر میں شاہی محل کے اندر اکھاڑے تھے جہاں بادشاہ اور اس کے درباریوں کی تفریح کے لیے پہلوانوں کی کشتیاں اور جانوروں کی لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ کبھی کبھی عورتوں کی بھی کشتیاں ہوتی تھیں۔ تہوار اور میلوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ لیکن ان کے علاوہ بھی جوا، گھوڑ دوڑ مرغ اور مینڈھوں کی لڑائی عوام کی تفریح کا ذریعہ تھیں۔ ان کے علاوہ سپیروں اور نٹوں کی ٹولیاں بھی ہوتی تھیں جو جگہ جگہ گھوم کر بہت کم خرچ پر تفریح کا اچھا خاصا سامان پیش کرتی تھیں گھر سے باہر کسی مقام پر تفریح کے طور پر کھانا پکانا اور لوک رقص دل بہلانے کے دوسرے ذرائع تھے۔ سپیٹر و ڈیلا ویلے نے اکبری کی گلیوں میں ایک شام جو نظارہ دیکھا اس کا درج ذیل بیان کئی لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے۔

" ہم نے اچھے لباس میں ملبوس نوجوان لڑکیوں کی مختلف ٹولیوں کو سڑک سے جاتے ہوئے دیکھا۔ کچھ ٹولیوں کی لڑکیوں کے کمر کے نیچے والے ریشمی لباس پر کام اور شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ کمر کے اوپری برہنہ حصے پر ایک کا مدار دوپٹے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا یا صرف ایک رنگ کا یا دھاری دار اور مختلف رنگوں سے کڑھا ہوا خالص سنہری کا کپڑا تھا۔ اس کے علاوہ اسی طرح کے کام کا بنا ہوا ایک شانہ پوش ہوتا تھا جو شانوں پر پڑا رہتا تھا۔ ان کے سروں پر پیلے اور سفید پھولوں کا ایک شاخ بنا ہوا تھا۔ ان میں کچھ پھول سورج کی کرن کی طرح پھیلے ہوئے تھے، کچھ مڑ گئے تھے اور کچھ طرح طرح کے فیشن کی طرح نیچے لٹک رہے تھے۔ یہ ایک دلچسپ نظارہ

تھا۔ تمام لڑکیاں اپنے ہاتھ میں ایک بالشت یا اس سے کچھ بڑا گول رنگین ڈنڈا رکھتی تھیں جسے وہ ڈھول یا کسی دوسرے باجے کی تال کے بعد آپس میں ٹکراتی تھیں۔ اور ٹولی کی سب سے ہوشیار لڑکی کسی گانے کا ایک مصرعہ گاتی تھا اور جواب میں باقی تمام لڑکیاں تال سر کے ساتھ سات یا آٹھ بار "کوے کوے، کوے دہراتی تھیں۔ مجھے اس کوے" لفظ کا مفہوم نہیں معلوم لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ خوشی کا کلمہ ہے۔ میرے خیال میں یہ کسی غیر معمولی تہوار کا موقع تھا۔

پیٹرو ڈیلا ویلے کا ایک اور بیان کالی کٹ سے متعلق ہے۔ اس نے جن حالات کی تصویر کھینچی ہے وہ صرف کالی کٹ تک ہی محدود نہیں ہیں۔ یہ بیان بھی بہت زیادہ اہم ہے وہ کہتا ہے کہ" ہم لوگ اس بازار کو جو ساحل کے پاس ہے دیکھنے گئے۔ مکانات بلکہ جھونپڑیاں مٹی کی بنی ہوئی ہیں انھیں تاڑ کے درخت کی پتوں سے ڈھکا جاتا ہے۔ یہ کافی نیچی بھی ہوتی ہیں۔ گلیاں بھی کافی تنگ ہیں لیکن لمبی ہیں۔ بازار خورد و نوش کے علاوہ دوسری اشیاء سے جو عوام کے رہن سہن اور رسم و رواج کے لیے لازمی ہوتی ہیں بھرا پڑا تھا۔ جہاں تک کپڑے کا سوال ہے عوام کی ضروریات بے حد کم ہیں۔ مرد اور عورتیں دونوں ہی قریب قریب برہنہ رہتے ہیں اور سوتی یا ریشمی کپڑے کا ایک ٹکڑا شرمگاہ کو ڈھکنے کی غرض سے گھٹنوں تک پہنتے ہیں۔ اچھے طبقے کے لوگ بالکل نیلا یا سفید جس پر نیلی دھاریاں ہوتی ہیں یا کسی دوسرے رنگ کا دھاری دار نیلا کپڑا پہننے کے عادی ہیں۔ لوگ نیلے رنگ کے کپڑے پسند کرتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے لمبے لمبے بال ہوتے ہیں جنھیں وہ جوڑے کی طرح سر کے نیچے باندھتے ہیں جس طرح ہندوستان کی ہر عورت اپنے بال سنوارتی ہے اسی طرح ان عورتوں کے بالوں کی ایک لٹ ان کے ایک کان کی طرف لٹکی رہتی ہے۔ ہندوستانی عورت کے بال سنوارنے کا ڈھنگ تمام ملکوں کی عورتوں کی بہ نسبت دلکش ہے۔ مردوں کی پیشانی سے ایک لٹ لٹکتی رہتی ہے جو بیشتر اوقات ایک طرف کو جھکی ہوئی رہتی ہے۔ بعض مرد اپنے سر پر ایک چھوٹی رنگین پٹی باندھتے ہیں۔ عورتیں اس طرح کی کوئی پٹی نہیں باندھتیں۔ مرد اور عورت دونوں کے بازوؤں پر بازوبند، کانوں میں جھمکے اور گلے میں جواہرات کے زیورات ہوتے ہیں۔ مرد ہاتھ میں عام طور پر تلوار اور چھوٹی ڈھال، یا دوسرے ہتھیار لے کر چلتے ہیں۔ بالاگیٹ کے باشندوں کی طرح جن کے بارے میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔"

آبادی کا بہت بڑا حصہ دیہاتوں میں رہتا تھا اور کاشتکاری ان کا واحد پیشہ تھا۔ زمین کے مالک کو بڑی حیثیت والا سمجھا جاتا تھا چنانچہ ہر شخص خواہ وہ کوئی پیشہ بھی اختیار کیے

ہوئے ہوا ایک چھوٹا قطعہ آراضی حاصل کرنے کا خواہشمند رہتا تھا۔ اس طرح گاؤں خاص طور پر کاشت کاروں کی بستی تھی۔ گرام سبھا زمین کے مالکان کی مجلس تھی۔ ملک کے بیشتر حصوں میں کسی گاؤں کی قابل کاشت اراضی کو گاؤں میں رہنے والوں کے درمیان کچھ مدت کے بعد دوبارہ تقسیم کر دینے کا عام رواج تھا۔ یہ صورت بہت زمانہ تک قایم رہی۔ اراضی کے بڑے اور چھوٹے مالکان کے علاوہ گاؤں میں ایسے مزدوروں کی تعداد بھی کافی تھی جن کے پاس اپنی کوئی آراضی نہ تھی۔ مزدوروں کا یہ بڑا طبقہ کھیتی کے کام میں مدد کرتا تھا اور پیداوار میں حصہ پاتا تھا۔ ان مزدوروں میں سے کچھ تو غلامی کی حالت میں رہتے تھے۔ انھیں گاؤں کے انتظامی معاملات میں زمین کے مالکان کے مقابلے میں کوئی سروکار نہ تھا۔ کاریگروں کو گاؤں میں بسنے اور ہر اس کام کو کرنے کے لیے جس کے وہ لائق ہوں بنا رہنے کے واسطے خدمت کی فیس یا قیام کے لیے ترغیب دلانے کے لیے گاؤں کی عام آراضی سے حصہ ملتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر کام کے لیے جداگانہ طور پر اجرت بھی جو دونوں فریق کے مابین بہ خوشی طے ہو جاتی تھی دی جاتی تھی۔ ذات سے باہر لوگوں کے درمیان سے ادنی کام کرنے والے ملازمین بھی ہوتے تھے جنھیں گاؤں کی آراضی سے حصہ ملتا تھا۔ یومیہ مزدوروں کو عام طور پر اناج کی شکل میں اجرت دی جاتی تھی اور چھوٹا کاشت کار بھی اپنے خالی وقت میں دوسرے کے یہاں مزدوری کرنے کو تیار رہتا تھا۔ رعیت داری کاشت کاری کا عام رواج تھا۔ ایسی آراضی کے لیے بالخصوص جو مندروں اور دوسرے جماعتی اداروں کی ہوتی تھی۔ رعیت داری کی شرائط زبانی وقف میں دی ہوئی ہوتی تھیں۔ یا ہر معاملہ میں جداگانہ طور پر باہمی مصالحت کے ذریعے طے پاتی تھیں۔ بیشتر اوقات کاشت کاروں کو اس طرح کے اختیارات حاصل ہوتے تھے کہ وہ جس آراضی کو اپنی جوت میں لاتے تھے اس کے وہ کم و بیش جزوی طور پر مالک ہی خیال کیے جاتے تھے۔ ٹیکس نافذ کرنے اور دوسرے مقاصد کے پیش نظر باغ کی آراضی (جس میں دار الخلافہ کے پاس پھولوں اور پھلوں کے باغیچہ کی زمین بھی شامل تھی) آبپاشی کی آراضی اور ایسی آراضی جہاں آب پاشی کی سہولتیں میسر نہیں تھیں۔ یعنی خشک آراضی اور جنگل کی زمین کے درمیان احتیاط کے ساتھ فرق رکھا جاتا تھا۔ آب پاشی کی آراضی اس کی زرخیزی کی بنا پر کئی قسموں میں تقسیم کی جاتی تھی۔ آب پاشی اور خشک آراضی میں اناج اور دالیں پیدا کرنے کے علاوہ پھولوں اور ترکاریوں کی کھیتی افزائش پیداوار کے اصول کے تحت کی جاتی تھی۔ کپاس اور گنے کی بھی بڑے پیمانہ پر کاشت کی جاتی تھی۔ چالوکیہ اندراجات میں عام طور پر آب پاشی، باغات کی آراضی اور بنجر

زمین کے علاوہ کالی اور لال مٹی کا بھی خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ پان، سپاری، ادرک، ہلدی، تاڑ کے پھل اور پھول، باغیچہ کی خاص پیداوار تھیں۔ عبدالرزاق نے وجیہ نگر میں کافی تعداد میں گلاب کے تاجروں کو دیکھا اور وہ لکھتا ہے کہ اس شہر کے رہنے والوں کے لیے گلاب کے پھول اسی قدر ضروری معلوم ہوتے ہیں جتنا کہ کھانا۔ ابتدائی زمانہ سے لوگ آب پاشی کی اہمیت سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے اور جہاں کہیں ممکن ہو سکا دریا کے بہاؤ پر باندھ تعمیر کر کے نہریں نکالی گئیں تھیں۔ جہاں ندیاں نہیں تھیں وہاں بڑے بڑے تالاب کھودے گئے تھے جن کے ذریعہ آب پاشی کی جاتی تھی۔ ان تالابوں کو بہتر حالت میں برقرار رکھنے کا بھی معقول انتظام تھا۔ زراعت کی ترقی و توسیع کی ہر زمانہ میں ہمت افزائی کی جاتی تھی اور جو لوگ نو توڑ زمین میں پہلی بار کاشت کرتے تھے انھیں ایک مخصوص مدت کے لیے لگان میں چھوٹ اور دوسری سہولتیں دی جاتی تھیں۔ کاشت کار کی خوشحالی کا انحصار موسم پر تھا لیکن یہ بڑی حد تک اس کے پٹے کی شرائط اور لگان وصول کرنے والے محکمہ پر بھی منحصر تھا۔ ایسی زمینوں کے پٹے کے شرائط عام طور پر زیادہ سہولت بخش ہوتے تھے جو مذہب اور خیرات کے طور پر الگ دی گئی ہوتی تھیں۔ یا مندر، مٹھ، یا براہمنوں کی ملکیت میں ہوتی تھیں لیکن جہاں اعلا افسروں اور سرداروں (جاگیرداروں) کو اختیارات حاصل تھے، یا جہاں جیسا کہ اکثر ہوتا تھا۔ لگان کی وصولی پٹے میں درج کر دی جاتی تھی وہاں شرح لگان کا نفاذ اور اس کی وصولیابی کا طریقہ دونوں ہی کاشت کار کے لیے تکلیف دہ بوجھ ثابت ہوئے ہوں گے۔ چول بادشاہوں کے فیاضانہ اور موثر انتظام حکومت کے بہتر دنوں میں بھی لگان وصول کرنے والوں کے تشدد آمیز طریقوں کی شکایتیں سنی گئی تھیں اور وجیہ نگر حکومت کے کمزور ہو جانے کے بعد نایکوں کے زمانہ حکومت میں رعیت کو عام طور پر اناج کا سرکاری حصہ ٹیکس وصول کرنے والے کی من مانی قیمت پر خریدنا پڑتا تھا مویشیوں کی نگہداشت اور دودھ کی ڈیری کا کاشت کار سے قریبی تعلق تھا چنانچہ چراگاہ کے لیے زمین الگ سے چھوڑ دی جاتی تھی ڈیری کی صنعت کو کافی ترقی حاصل ہوئی ہوگی لیکن ہم کتبوں میں مندر اور طعام خانوں کے مویشیوں ان کی دیکھ بھال کرنے والے چرواہوں، اور مندر یا دوسرے مالک کے لیے ان کی ذمہ داریوں کے بارے میں زیادہ سنتے ہیں۔ اونچے طبقے کے لوگوں کے لیے گھی خوراک کا ایک اہم جزو تھا۔ لیکن بڑے بڑے مندروں میں چراغ جلانے کے لیے یہ کافی مقدار میں صرف ہوتا تھا۔

عام صنعتوں میں بیشتر اوقات پیداوار زیادہ تر مقامی بازار کے لیے ہوتی تھی۔ لیکن تاجروں

کی انفرادی طور پر ملک کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں آمد و رفت اور مختلف حصوں میں بہتر طور پر ترقی یافتہ تاجروں کی تنظیموں سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ بعض اقسام کے مال کی اندرونی ملک تجارت زوروں پر تھی۔ کتائی اور بنائی کی مخصوص صنعت میں کافی لوگ لگے ہوئے تھے۔ بنکروں کی جماعتیں عام طور پر اچھی حالت میں تھیں۔ یہ متعدد مقامی اداروں کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے۔ اس سروے میں جس مدت کو شامل کیا گیا ہے اس کے اندراجات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ملک کے مختلف بندرگاہوں سے باریک کپڑا باہر بھیجا جاتا تھا۔ وارنگل میں بہت عمدہ دریاں بنائی جاتی تھیں جن کی بہت زیادہ مانگ تھی۔ اسی طرح مختلف جگہوں کی اپنی اپنی خصوصیت تھی۔ دھات کی صنعتیں اور جوہریوں کا ہنر تکمیل کے بلند معیار کو پہنچ گیا تھا دھات کے بنے ہوئے گھریلو برتن دولت مند لوگوں تک ہی محدود تھے۔ شالاؤں (جہاں مفت کھانا ملتا تھا) میں کھانا پکانے اور کھانے کے لیے مٹی کے برتنوں کے استعمال کیے جانے کا ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام مٹی کے بنے ہوئے برتن بہ کثرت استعمال کرتے تھے۔ لوہا صرف ہتھیار بنانے کے کام میں لایا جاتا تھا اور پال ناد عمدہ ہتھیاروں کے لیے مشہور تھا۔ سرکار ہی نمک بناتی تھی اور اس کو فروخت بھی کرتی تھی جس سے اچھی خاصی رقم کی آمدنی ہوتی تھی۔ یہ صنعت قدرتی طور پر ساحل کے کچھ مخصوص مرکزوں تک محدود تھی۔ اسی طرح خلیج منار میں صدف کا شکار کیا جاتا تھا۔ یہ بھی ایک اہم صنعت تھی جس کی جانب غیر ملکی سیاح (مارکو پولو کو شامل کرتے ہوئے) متوجہ ہوئے اور انھوں نے اس کا بھی ذکر کیا ہے۔

تقریباً تمام فنون اور دست کاری اپنی اپنی ذات اور جماعتوں کی شکل میں منظم تھی۔ تمام کام اجتماعی بنیاد پر ہوتا تھا۔ ہم انفرادی طور پر فنکار کے بارے میں بہت کم سنتے ہیں۔ معمار، بت تراش اور مصور جنھوں نے ملک کی زندگی کو اتنا خوبصورت بنایا ان کے نام بھی کم ہی سننے میں آتے ہیں محض چند قابل ذکر مستثنیات ہیں شری گنڈن انی وارت چاری کا نام آتا ہے جس نے پنادکل میں بادامی کے چالوکیہ راجہ سے اپنے ساتھیوں کے لیے مختلف حقوق حاصل کیے۔ خود اسے تینکا نادشیہ سوترادھاری (جنوبی ہندوستان کا معمار) کا خطاب ملا۔ اس مندر کی دیواروں پر رامائن کے ناظر کی بنیاد پر جو بت تیار کیے گئے ہیں۔ ان کا بنانے والا گنڈن انی وارت چاری ہی ہے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ شہروں کا منصوبہ تیار کرنے، شاہی محلات بنانے، گاڑیاں تخت اور پلنگ بنانے میں ماہر تھا۔ ہویسلوں کے زمانے کے متعدد بت تراشوں نے اپنے مجسموں پر

اپنے دستخط ثبت کیے ہیں۔ ان میں مالی تما، ابھکو جا، کودا یہ، نجانا اور بام کے نام بہت مشہور ہیں۔

ملک کے اندر نقل و حمل کا بالتفصیل بیان ممکن نہیں ہے۔ پانی کی قدرتی راستوں کے ذریعہ تجارتی سامان کو ملک کے اندر ایک جگہ سے دوسری جگہ تک لے جانے کے اس وقت بھی اور آج بھی امکانات کم ہیں۔ اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا جس سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ نہریں آب پاشی کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے بھی تیار کی گئی تھیں۔ ملک کے تمام حصوں سے جو کتبے دریافت ہوئے ہیں ان میں سڑکوں کا ذکر ہے اور چھوٹی بڑی تمام سڑکوں کو بہتر حالت میں برقرار رکھنے کی ذمہ داری بھی مقامی افسروں کی تھی۔ سڑکوں کی مرمت کے سلسلہ میں گاؤں والوں سے بغیر اجرت کے کام کرنے کی توقع کی جاتی تھی۔ خاص سڑک کی چوڑائی چوبیس فٹ تھی۔ لیکن ایسے بھی راستے تھے جو پگڈنڈیوں سے کسی قدر بہتر تھے۔ مگر ان پر پہیے دار گاڑیاں نہیں چل سکتی تھیں۔ ساحل کے کنارے کنارے جہاز رانی کی جاتی تھی۔ ملک کے پہاڑی حصوں میں تجارتی سامان گاڑیوں، کاوڑیوں کے سروں یا کندھوں پر، یا مویشیوں کی پیٹھ پر لاد کر لے جایا جاتا تھا۔ سڑکیں ہمیشہ محفوظ نہیں تھیں اور بدامنی کے زمانہ میں لوٹ مار میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ سیزر فریڈرک کو راکشسی تانگڑی کی لڑائی کے فوراً بعد وجیہ نگر میں سات مہینے تک رکنا پڑا۔ حتیٰ کہ راستے چوروں سے صاف جو اس زمانہ میں ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔

عام طور پر تاجر ہم پیشہ لوگوں کی برادری اور کارپوریشن میں منظم تھے۔ جو اکثر سیاسی تبادلے سے غیر متاثر رہتے تھے۔ ان پر لڑائیوں اور ملک کے اندر ہونے والے انقلابات کا بھی کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ ایسی مشہور جماعتیں جو سب سے پہلے قائم تھیں ان کے نام منی گرامم نانا دیشس یا ایئر وڈووار (Ainnu ...) تھا۔ کاکتیوں کی دستاویزوں میں اپنے ملک کے تاجروں اور دوسرے ملک کے تاجروں کا ذکر ہے۔ اوّل قسم کے تاجر مقامی ہوتے تھے جو مقامی انجمنوں (نگرموں) میں منظم تھے۔ دوسری قسم کے تاجر پہلی قسم کے مانند تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ دوسرے ملکوں سے آئے تھے۔ تجارت کے علاوہ ان کا مقصد ہمسایہ ملک کی سیر و سیاحت سے لطف اندوز ہونا اور مشہور مقامات کی زیارت اور معبدگاہوں میں شرکت کر کے اپنی عاقبت سدھارنا تھا۔ تاجروں کی موخرالذکر انجمن میں جس کا ذکر کیا جا چکا ہے تمام ملکوں کے تاجر شامل تھے۔ ان انجمنوں کی شاخیں تمام ممالک میں ہوتی تھیں اور پورے ملک کی برآمدی تجارت میں حصہ لیتی تھیں۔ منی گرامم کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ وانک گرامم کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ جس کا مطلب تاجروں کی انجمن

ہوتا ہے۔ یہ شاید صحیح بھی ہو۔ یہ نام جنوبی ہندوستان کے بہت سے ابتدائی کتبوں میں اور پلوؤں کے عہد حکومت کے نندی ورمن سویم کے ایک تامل کتبے میں پایا گیا ہے جو تاکواپا ارسیام امیں دریافت ہوا ہے۔ تاجروں کی یہ انجمن ضلع بنگال کے سامنے کے ساحل پر قایم تھی۔ ایک وشنو مندر اور ایک تلاب کا انتظام اس کے سپرد تھا۔ اس سے ہمیں اپنی قدیمی سیاست اور تجارت کی تاریخ کے ایک ایسے باب کا سراغ ملتا ہے جس کے بارے میں لوگوں کو اس وقت تک کوئی خاص واقفیت نہیں ہے۔

اینورووار جسے اکثر ائیر اد لپورا [Ayyarolpura] (اہول) کے پانچ سو سوامیوں کے نام سے بھی پکارا جاتا، جنوبی ہندوستان کے قرون وسطیٰ کے تاجروں کی بہت مشہور جماعت تھی۔ اس عہد کے بادشاہوں کی طرح اس جماعت کے رکن اپنی پرےشستی لکھواتے تھے جس میں ان کی روایتی داستانیں اور کامیابیوں کا ذکر ہوتا تھا۔ یہ لوگ ویر بنجو (Vira Banamju) دھرم یعنی شریف تاجروں کے قوانین کے محافظ تھے۔ بنجو سنسکرت لفظ وانج (تاجر) سے نکلا ہے۔ یہ دھرم یا قانون پانچ سو ویرشاشنوں یعنی بہادروں کے اعلانات کا مجموعہ ہیں۔ ان کے جھنڈے پر سانڈ کی تصویر ہوتی تھی۔ یہ اپنی جرأت اور ہمت کے لیے دنیا بھر میں مشہور تھے۔ یہ لوگ خود کو واسدیو، کھنڈلی اور مول بھدر کے خاندان سے بتاتے تھے اور وشنو مہیشور اور جن فرقوں میں یقین رکھتے تھے۔ یہ لوگ چیرا چول، پانڈیہ، ملیا، مگدھ، کوشل، سوراشٹر، دھانشٹر، کرمبا کامبھوج، گولا، لاٹا، برقار، پارس (فارس) اور نیپال جایا کرتے تھے۔ یہ لوگ خشکی یا پانی کے راستہ سے چھ براعظموں کے تمام ممالک میں داخل ہوتے تھے یہ ہاتھی، قیمتی جواہرات جن میں لال زردرنگ ہوتے ہیں، نیلم، ایک قسم کی دھات جو موتی کی طرح چمکتی ہے، موتی، لعل، ہیرے، لاجورد، سنگ سلیمان، پکھراج، یاقوت، زمرد اور دوسری بیش قیمت اشیا مثلاً الائچی، لونگ گوگل، صندل، کافور، مشک، زعفران، مال گجا، اور دوسرے مسالوں اور خوشبودار اشیا کی تجارت کرتے تھے۔ یہ لوگ ان اشیا کی تھوک تجارت کرتے تھے یا کندھوں پر رکھ کر پھیری لگا کر فروخت کرتے تھے۔ یہ باقاعدہ شنک ادا کرتے تھے اور شاہی خزانے کو ہیروں اور جواہرات سے بھرتے رہتے تھے۔ یہ ہتھیار وغیرہ بھی دیتے تھے۔ یہ چار سمیوں اور چھ درشنوں میں نظم کردہ، پنڈتوں اور سادھو سنتوں کو عطیے بھی دیتے تھے۔ ان میں سولہ سیٹی اور آٹھ ناد ہوتے تھے جو اپنا سامان گدھوں اور بھینسوں پر لادتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ لوگ مختلف طبقے کے تاجر اور سپاہی مثلاً گاویزگا ترگ

سیپی، سیپی گت، انک کاڑ، بیر، بیروانزج، گنڈیک، گاوند، اور گاوند سوامی ہوتے تھے۔
سوماترا این دریافت ایک تامل کتبے ر 1088) کے ٹکڑے میں اور پاگن کے وشنو مندر سے
جو تیرھویں صدی میں موجود تھا۔ یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ سمندر پار ملکوں کے ساتھ تجارت
کرتے تھے۔ چول دیش میں ان کی آبادیوں کو دیرپٹین کہتے تھے۔ انھیں مقامی حکام اور مرکزی حکومت
سے تجارت کے سلسلے میں مخصوص حقوق حاصل تھے۔ اس قدیم زمانہ میں تجارت کی بنا پر لوگوں
کے نقطۂ نظر پر جو اثر پڑا۔ اس کی جانب مورخین نے کوئی توجہ نہیں کی ہے۔ اس میں شک کی کوئی
گنجائش نہیں ہے کہ مختلف معاشرت کے لوگوں کے باہمی میل جول کی بنا پر تنگ نظری میں کمی
فراخدلی اور وسیع المشربی کا احساس پیدا ہوتا تھا۔

عیسیٰ سے قبل صدیوں میں جنوبی ہندوستان کی بحری تجارت کے بارے میں مختصراً بیان
ساتویں باب میں دیا جا چکا ہے۔ چین کی پانچویں، چھٹی اور ساتویں صدی کی داستانوں میں سری
لنکا اور ہندوستان کی مصنوعات کو عرب، افریقہ اور فارس (ایران) کی مصنوعات کے درجہ
کے برابر رکھا گیا ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پانچویں صدی میں ہندوستان اور چین کے درمیان براہِ
راست بحری راستہ استعمال میں لایا گیا۔ فاہیان سری لنکا سے ایک تجارتی جہاز میں سفر کر رہا تھا
جس میں کم سے کم دو سو ہندوستانی اور سری لنکا کے تاجر سوار تھے۔ ایت سنگ نے اپنے ہمعصر
ایسے 37 لوگوں کے نام دیے ہیں جو مختلف اوقات میں اس راستے سے ہندوستان لوٹے تھے۔
کنیس میں 750 میں براہمن مندر اور تاجر موجود تھے۔

نویں صدی عیسوی تک جنوبی ایشیا کے ممالک میں بہت وسیع پیمانہ پر تجارت ہوتی تھی
جس کی بنا پر ملک میں خوش حالی پائی جاتی تھی۔ چین میں تانگ، اور شیلندر کی طاقت ور شاہی
خاندان کے تحت سری وجے کی سلطنت، اور بغداد میں عباسیہ خلافت ہندوستان کے باہر وہ
مملکتیں تھیں جو تجارت کی وجہ سے خوب پھل پھول رہی تھیں۔ نویں صدی کے اخیر میں سیاسی
خلفشار کی بنا پر چین غیر ملکیوں کے لیے محفوظ نہیں رہ گیا تھا۔ لیکن چینی جہاز جزیرہ نما ملایا اور سوماترا
کے بندرگاہوں پر بدیشی مال خریدنے آیا کرتے تھے۔ یہ چین کی جہاز رانی کا ابتدائی زمانہ تھا۔
بارھویں صدی سے پندرھویں صدی تک چین کے جہاز اکثر ہندوستان کے مغربی ساحل پر
پہنچا کرتے تھے۔ خلیج فارس کے مشرقی ساحل پر واقع سیراف نامی شہر مغرب کی منڈی تھا۔
اس شہر کے امیر تاجر چین، جاوا، ملایا اور ہندوستان سے اس شہر پر پہنچنے والوں کو اپنے یہاں

دعوت پر بلایا کرتے تھے۔ ہر ہندوستانی اس بات پر اصرار کرتا تھا کہ اس کے لیے الگ پلیٹ میں کھانا پیش کیا جائے۔

دسویں صدی کے اخیر میں چین کی سیاست دوبارہ معمول پر آگئی اور اس زمانہ کے شنگ حکومت نے بیرونی تجارت سے بڑی دلچسپی دکھائی۔ بیرونی تجارت پر حکومت کی اجارہ داری ہوگئی اور اس کی ترقی کے لیے زبردست کوشش کی گئی۔ چولوں نے چین کے نئے حالات سے فائدہ اٹھانے کے لیے اپنے سفیر روانہ کیے۔ راج راج کی حکومت کے آخری دنوں میں تاجروں کا ایسا ہی ایک وفد چین کے لیے روانہ ہوا۔ یہ وفد تین سال کے بعد 1015 میں چین پہنچا۔ راجیندر اول کے عہد حکومت میں ایک وفد روانہ کیا گیا جو چین کے شاہی دربار میں 1033 میں پہنچا۔ چین کے لیے تیسرا وفد 1077 میں روانہ کیا گیا۔ ان دور دراز مقامات میں ان ہی اشیا کی خرید و فروخت کی جاتی تھی جو حجم میں چھوٹی لیکن بیش قیمت ہوتی تھیں۔ مثلاً وہاں سے ملنے والی اشیا میں جن اشیا کی درآمد ہوتی تھی۔ ان میں ایلوا، کہربا، کافور، بیش قیمت پتھر، بانس، ہاتھی دانت، آبنوس، کاغذ، صندل کی لکڑی، ہندوستانی عطر، ادویات اور مسالے شامل تھے۔ عرب سے ہندوستان میں گھوڑوں کی درآمد ہمیشہ بہت اہم رہی اور چودھویں صدی میں بہمنی اور وجے نگر سلطنتوں کے عروج کے بعد سے اس میں نسبتاً بہت زیادہ اضافہ بھی ہوا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جب ہندوستان کے بحری راستوں پر پرتگالیوں کا اختیار ہوگیا تو انھوں نے گھوڑوں کی تجارت پر اجارہ داری حاصل کرنا چاہی جس کو بھیجی جانے والی اشیا دو قسم کی ہوتی تھیں۔ یہ سلے ہوئے کپڑے ہوتے تھے جو زیادہ تر سوتی ہوتے تھے۔ مسالے اور ادویات کے علاوہ بیش قیمت سامان جیسے جواہرات، نیم بیش قیمت اشیا جیسے ہاتھی دانت، گینڈے کے سینگ، آبنوس، امبر، کہربا، مونگا، مختلف قسم کی خوشبودار اشیا اور عطریات وغیرہ شامل تھیں۔ جس میں پہلے تو اس تجارت کا خیر مقدم کیا گیا۔ لیکن جب بارھویں صدی میں بیش قیمت اور تعیش کی اشیا کی تجارت کی بنا پر ملک کی کافی دولت اور قیمتی دھات باہر جانے لگی تو حکومت کو تشویش پیدا ہوگئی۔ چنانچہ چین کی حکومت نے بیش قیمت دھاتوں اور سکوں کو ملک سے باہر جانے ''نیز مابار اور کلم'' یعنی کارومنڈل ساحل اور کوئیلن پر تجارت پر پابندی عاید کردی۔ تیرھویں صدی کے اخیر تک پھر بھی کم و بیش باقاعدگی کے ساتھ تجارت چلتی رہی۔ یہودی سیاح ٹیوڈیلا کے بنجمن نے 1170 میں چولی حکومت کے تحت کوئلس کی تجارت کی حالت کے بارے میں لکھتا ہے کہ ''تجارت

کے معاملے میں یہ ملک قابل اعتماد ہے۔ جب بھی غیر ملکی بندرگاہ میں پہنچتے ہیں تو راجہ کے سکریٹری
جہاز پر فوراً آجاتے ہیں اور ان کے نام فوراً تحریر کرکے روبرو پیش کیے جاتے ہیں۔ راجہ
ان کے سامان کے تحفظ کی منظوری دیتا ہے۔ غیر ملکی اپنا سامان کھلے میدان میں کسی پہرے کے
بغیر چھوڑ دیتے ہیں۔ راجہ کا ایک افسر بازار میں بیٹھتا ہے۔ وہ سامان کو جہاں کہیں سے بھی ملتا
ہے اپنے قبضے میں لیتا ہے اور پھر ان سے درخواست دینے والوں کو واپس کرتا ہے جو مال کی ادنا
سے ادنا چیز کے بارے میں وضاحت دیتے ہیں۔ یہ طریقہ راجہ کی پوری سلطنت میں رائج ہے۔

کاکتیہ راجہ گن پتی نے تیرھویں صدی کے وسط میں اپنے اعلان تحفظ (ابعیہ شاسن) کے ذریعے
آندھرا دیش میں بیرونی تجارت کی ہمت افزائی کی۔ اس اعلان کے تحت جن تاجروں کا جہاز
ٹوٹ جاتا تھا ان کا مال ضبط نہیں کیا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں یہی طریقہ عام تھا۔ اس کے علاوہ درآمد
اور برآمد کی اشیا پر تیسویں حصے سے زاید نہیں لگایا جاتا تھا۔ اس اعلان کی ایک صدی بعد اناپوٹ
ریڈی نے تجدید کی اور اس وقت جنوبی ہندوستان کے تمام ترقی یافتہ بندرگاہوں پر جو طریقہ
رائج تھا اسے اپنے یہاں بھی اختیار کیا۔ اگرچہ لنکا میں چودھویں صدی میں قدیم طریقہ ہی جاری
تھا۔ تیرھویں صدی کی آخری چوتھائی میں کبلئی خاں کے پر اضطراب اولوالعزم اور غیر تسکین پذیر
شوق تحقیق نے پانڈیہ سلطنت کی تغیر پذیر سیاسی حالت میں مزید اضافہ کر دیا۔ نتیجتاً چین اور
جنوبی ہندوستان کی حکومت کے درمیان سفرا کا تبادلہ ہوا۔ ان سفیروں کا تعلق تجارت سے کم
اور سیاست سے زیادہ تھا۔ اس کے پندرھویں صدی میں تیرے منگ شہنشاہ کے عہد حکومت
میں (25-1403) مشہور جنرل چنگ ہو کی قیادت میں چینی سامان سے لدے ہوئے جہازی
بیڑے نے ہندوستانی سمندر کا کم سے کم سات مرتبہ سفر کیا اور جنوبی ہندوستان کے متعدد بالخصوص
مغربی ساحل کے بندرگاہوں پر پہنچے۔

بہمنی اور وجیہ نگر سلطنتوں کے قیام کے بعد سے تجارت، صنعت اور سیر و سیاحت کے
بارے میں ہمیں صحیح اور وسیع معلومات حاصل ہوئی ہیں جس کا حق ان غیر ملکی سیاحوں کو پہنچتا ہے
جنھوں نے ان حکومتوں کی سیر کی اور جو کچھ دیکھا اسے قلمبند کیا۔ اس کے بعد پرتگالی آئے اور ان
کے بعد کئی یوروپی تجارتی کمپنیاں قایم ہوئیں۔ ان کمپنیوں کے ملازمین نے ملک کی صنعتوں
کی پوری واقفیت حاصل کی۔ سولھویں اور تیرھویں صدی میں جنوبی ہندوستان کی معاشی حالت
کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات فراہم کی گئیں اور انھیں ضبط تحریر میں بھی لایا گیا۔ لیکن

اس میں بیشتر مواد کا عمیق مطالعہ کرنا باقی ہے۔ چنانچہ ہم یہاں پر بعض قابل ذکر مشاہدات کا مختصراً ذکر کرکے ہی مطمئن رہیں گے۔ عبدالرزاق (1443ء) نے وجیہ نگر حکومت کے بارے میں بیان کیا ہے کہ یہ سلطنت بہت وسیع اور آبادی بھی بہت گھنی تھی۔ اس کا بادشاہ بہت بڑا تھا اور فرمانروائی بھی اعلا پیمانہ کی تھی۔ اس کی حکومت سرندیپ (شری لنکا) کی سرحد سے کال برگہ (گلبرگہ) کے کنارے تک پھیلی ہوئی تھی۔ سلطنت کے بیشتر حصہ میں کھیتی ہوتی اور زمین بھی زرخیز تھی۔ اس حکومت میں تین سو بندرگاہ تھے اور فوج میں ایک ہزار ہاتھی اور گیارہ لاکھ سپاہی تھے۔

عبدالرزاق ہندوستان آنے پر کالی کٹ اترا تھا۔ کالی کٹ افریقہ اور عرب ممالک سے آنے والے لوگوں کے لیے ایک محفوظ بندرگاہ تھا۔ یہاں پر بہت زیادہ مسلمان مستقل طور پر بس گئے تھے۔ انھوں نے دو مسجدیں بھی بنوائی تھیں۔ اس جگہ انھیں انصاف اور حفاظت کا پورا اطمینان تھا۔ چونگی کے افسران تجارتی سامان کی نگرانی کرتے تھے۔ مال کے فروخت ہوجانے پر چالیسواں حصہ ٹیکس کے طور پر وصول کرتے تھے۔ اگر مال پر جو فروخت نہیں ہوتا تھا کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا۔ ملک سے سیاہ مرچ کی اچھی تجارت ہوتی تھی۔ ایسے جہاز جو راستہ سے بھٹک جاتے تھے انھیں اور مقامات کی طرح لوٹا نہیں جاتا تھا۔ ستر برس بعد جب دوارتے باربوسہ یہاں آیا تو اس نے دیکھا کہ کالی کٹ میں تجارت بہت زوروں پر تھی۔ اس بنا پر مختلف ممالک مثلاً عرب، ایران گزرے ریٹا خراسان اور ڈکوان (Daquanma) کے بہت سے افراد یہاں آکر بس گئے تھے حبشیوں کا اپنا گورنر تھا جو ان پر حکومت کرتا تھا اور سزا بھی دیتا تھا۔ راجہ بھی دخل نہیں دے سکتا تھا لیکن بعض معاملات میں گورنر کو راجہ کے روبرو جواب دہ ہونا پڑتا تھا۔ جہاز بنانے کا کام مخصوص طور پر بہت ترقی کر رہا تھا۔ پیندے والے جہاز جن پر ایک ہزار سے بارہ سو بہاروں کا بوجھ لادا جاسکتا تھا بنائے جاتے تھے۔ یہ جہاز بغیر چھت اور کیل کانٹے کے ہوتے تھے۔ ان کا پورا ڈھانچہ دھاگے سے سلا ہوا ہوتا تھا۔ یہاں پر جہاز ہر جگہ سے مال لادتے تھے اور برسات شروع ہونے پر دس یا پندرہ جہاز بحر قلزم، عدن اور مکہ جاتے تھے۔ یہاں سے دوسرے جہازوں پر سامان لاد کر وینس پہنچایا جاتا تھا۔ سیاہ مرچ، ادرک، الائچی، دارچینی، آنولا، املی، کنیا فیچولا canafstala ہر قسم کے بیش قیمت پتھر، چھوٹے موتی، مشک، امبر گرس، اریوند چینی، ایلوا (Aloes) سوتی کپڑے و چینی کے برتنوں کی کالی کٹ سے برآمد کی جاتی تھی۔ کالی کٹ میں جو ڈاسے لاد کر جن اشیا کی درآمد ہوتی تھی ان میں تانبا، پارہ، سیندور، مونگا، زعفران، رنگین مخمل، عرق گلاب، چاقو،

رنگین ریشمی کپڑے، سونا اور چاندی شامل تھی 1510 میں ہی پرتگالیوں کا کوچین میں ایک قلعہ اور نو آبادی تھی۔ اس جگہ یہ لوگ اپنے جہازوں کی مرمت کرتے اور نئے جہاز بناتے تھے۔ یہ جہاز اتنے مکمل ہوتے تھے کہ جیسے لسبن کے ساحل پر بنا رکھے گئے ہوں۔" اطالوی سیاح وارتھیما (1505) کا کہنا ہے کہ کامبے کے نزدیک سوتی کپڑے بہت بڑے پیمانہ پر تیار کیے جاتے تھے اور ہر سال سوتی اور ریشمی کپڑوں سے لدے ہوئے چالیس یا پچاس جہاز مختلف ممالک کے لیے روانہ ہوتے تھے۔ کامبے سے چھ یا نو دنوں کی مسافت کے بعد پہاڑوں سے سرخ رنگ کے بلوری پتھر اور ہیرے دستیاب ہوتے تھے۔ کنانور بھی ایک خوبصورت شہر تھا۔ اس میں پرتگال کے بادشاہ کا ایک مضبوط قلعہ تھا۔ کنانور میں ایران سے آنے والے گھوڑے اتارے جاتے تھے۔ ہر گھوڑے پر پچیس ڈیوکٹ جنگی وصول کی جاتی تھی۔ اس کے بعد ہی بندرہ دن کے سفر کے بعد گھوڑے وجے نگر پہنچتے تھے۔ کنانور سے بارہ میل دور دھرم پٹنم کے قرب و جوار میں عمدہ قسم کی عمارتی لکڑی میسر تھی اس لیے یہ مقام جہاز تیار کرنے کا دوسرا مرکز تھا۔

باربوسا (1515) لکھتا ہے کہ چول بندرگاہ سے ضمنی سلطنت میں تیار کردہ نفیس ململ اور کیلکو کے کپڑوں کے علاوہ گیہوں، چاول، جوار اور جنجلی کا تیل باہر بھیجا جاتا تھا۔ چول سے کچھ دور اندر کی جانب ایک بڑا بازار تھا جہاں لوگ کسٹائل کی طرح جھنڈ کے جھنڈ بیلوں پر سامان لاد کر لایا کرتے تھے۔ یہ بیل تربیت یافتہ اور کاٹھیوں سے لیس ہوتے تھے۔ ایک آدمی بیس سے تیس بیل ہانک سکتا تھا" مالابار کے متعلق بارطوسا کے مشاہدات صحیح ہیں وہ کہتا ہے کہ مالابار اگرچہ بہت چھوٹی جگہ ہے مگر آبادی بہت گھنی ہے۔ اور ڈیلائی پہاڑی سے کولم (کوئلن) تک ایک ہی شہر مانا جاسکتا ہے۔ سیزر فریڈرک (1567) نے کوچین میں جتنی ریشم اور بنگال کی شکر اترتے ہوئے پائی۔ رالف فچ (1583-91) کے مطابق گوا کو جانے والا تمام تجارتی اسباب ایک جہاز میں جاتا تھا۔ اس جہاز میں گھوڑے تھے مگر بندرگاہ تک پہنچنے پر کوئی چنگی نہیں وصول کی جاتی تھی۔" اگر گھوڑے نہیں ہوتے تھے تو آٹھ فی صدی چنگی ادا کرنا پڑتی تھی۔ "جنسی لوگ پرتگال سے پروانہ راہداری حاصل کیے بغیر نہیں جا سکتے تھے" چول میں ہر قسم کے مسالے اور ادویات، ریشم اور ریشم کے کپڑے، صندل، ہاتھی دانت اور چینی مٹی کے برتنوں کی زیادہ نقل و حرکت کی جاتی تھی۔ فچ نے تاڑ کے درخت کو "دنیا کا سب سے زیادہ کارآمد درخت" بتایا ہے۔ اس نے کامبے میں ایسے اسپتال بھی دیکھے جہاں لنگڑے

کتوں، بلیوں، اور چڑیوں کا رکھ کر علاج کیا جاتا تھا۔ لوگ چیونٹیوں کو گوشت کھلاتے تھے"

ایک انگریز اور ڈچ اڑیتوں نے جنھوں نے مسولی پٹم اور اس کے قرب وجوار میں کچھ سال گذارے۔ مشرقی ساحل بالخصوص گولکنڈہ کے علاقے میں صنعت اور تجارت کی جو حالت تھی اس کی واضح تصویر پیش کی ہے۔ یہ علاقہ مخصوص طور پر زراعتی تھا، اور نشیبی علاقوں میں چاول، جوار، اور دالیں پیدا کی جاتی تھیں۔ چھوٹے پیمانہ پر رنگ کی فصلیں مثلاً تیل، چیروٹ Chayroot کی فصلیں بنکروں کی صنعتوں کے لیے پیدا کی جاتی تھیں۔ تمباکو کی کاشت کچھ ہی پہلے شروع کی گئی تھی۔ یہ مخصوص طور پر برآمد کے لیے پیدا کی جاتی تھی۔ کپاس کی کاشت وسیع پیمانہ پر نہیں کی جاتی تھی بلکہ اسے اندرونی علاقے سے لایا جاتا تھا۔ مخصوص دھاتوں میں لوہا اور بہتر قسم کا فولاد اندرونی علاقے میں پایا جاتا تھا اور مسولی پٹم سے برآمد ہوتا تھا۔ کولار کی کان سے ہیرے نکالے جاتے تھے۔ یہ صنعت کافی ترقی کر گئی تھی۔ صنعتوں میں سوتی کپڑے کی بُنائی کو ایک مخصوص مقام حاصل تھا۔ یہ صنعت پورے علاقہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ مقامی کھپت کے علاوہ سوتی کپڑے کی بڑی مقدار میں برآمد بھی ہوتی تھی۔ بنکر اپنے اپنے مکان میں کام کرتے تھے لیکن چونکہ انھیں پیشگی سرمایہ کے لیے اپنے خریداروں پر بھروسہ کرنا ہوتا تھا اس لیے وہ ان کی ہی مرضی کے مطابق کپڑے تیار کرتے تھے۔ سوتی کپڑے دو طرح کے ہوتے تھے۔ سادے جیسے کیلیکو اور ململ اور بھورے، دھلے اور رنگے ہوئے کپڑے ہوتے تھے۔ کچھ نمونے والے کپڑے ہوتے تھے جنھیں آج کل چھینٹ کہتے ہیں۔ یہ سب کیلیکو یا ململ پر بنتے تھے اور انھیں دیسی طریقوں سے ہی تیار کیا جاتا تھا۔ یہ کام مخصوص طور پر ساحلی مقامات پر ہی ہوتا تھا۔ ان کپڑوں کو تیار کرنے میں جاوا اور مشرق بعید کے بازاروں کی ضروریات کو پیش نظر رکھا جاتا تھا۔ کیونکہ ہر بازار کی جداگانہ پسند اور ضرورت ہوتی تھی سادے کپڑے کی برآمد گولکنڈہ کے ساحل سے ہوتی تھی ۔۔ چھینٹ کے لیے پولی کٹ مخصوص بندرگاہ تھا۔

گولکنڈہ سے جن اشیا کی برآمد ہوتی تھی۔ ان میں سوتی کپڑے، لوہا اور فولاد مخصوص اشیا ہیں۔ تیل پہلے مغربی ساحل پر لایا جاتا تھا اور پھر ایران روانہ کیا جاتا تھا۔ سوتی دھاگہ برما بھیجا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ اور بہت سی چھوٹی چھوٹی اشیا تھیں جو باہر بھیجی جاتی تھیں۔ چنانچہ ملک سے باہر بھیجنے کی تجارت بہت ترقی پر تھی۔ ملک کے اندر جن اشیا کی

درآمد کی جاتی تھی وہ کم تھیں۔ ساحل پر فروخت کرنے کے لیے جو اشیا باہر سے لائی جاتی تھیں ان میں مسالے، رنگی ہوئی لکڑی، لوہے کے علاوہ اور دھاتیں، کافور، چینی کے برتن، ریشم اور دوسرا سامان خاص طور پر تعیش کا سامان شامل تھا۔ برآمد کی اشیا سے درآمد کی اشیا جس قدر زیادہ ہوتی تھیں۔ ان کی قیمت سونے اور چاندی میں ادا کی جاتی تھی۔ ساحلی تجارت بہت ترقی پر تھی۔ یہ شمال میں بنگال اور جنوب میں سری لنکا تک پھیلی ہوئی تھی۔

سینزر فریڈرک لکھتا ہے کہ سین ٹوم سے پیگو تک باقاعدہ تجارت ہوتی تھی۔ ہر زمانے میں سکّے اور ناپ تول کے باٹ مختلف ہوتے تھے۔ ہر علاقے میں اس کے اپنے سکے اور باٹ ہوتے تھے۔ تجارت کے اہم مرکزوں پر مبادلہ زر کرنے والے رہتے تھے جو مبادلہ کی معقول شرح مقرر کرکے تجارت کی مدد کرتے تھے۔ شاہی خاندانوں کے کتبوں میں سیال اشیا اور اناج کی تول مخصوص طور پر زمین کے ناپ کے بارے میں "شاہی ناپ" کا ذکر ہے جس سے بلاشبہ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ناپ تول کو معیاری بنانے کے سلسلہ میں کوشش کی گئی تھی۔ راشٹرکوٹوں کے کتبوں میں "سوورن" اور "گدیانہ" کے علاوہ "درم" کا ذکر ملتا ہے۔ درم سے ہند سیکتھریا کے "ڈریچم" کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ ڈریچم 65 گرین کا ایک چاندی کا سکّہ تھا۔ گیارھویں اور بارھویں صدی کے شمالی کتبوں میں "شرم" نام کے سکّے کا ذکر آتا ہے۔ یہ غالباً چاندی کا سکّہ تھا اور چولوں کے سونے کے معیاری سکّے "کاشو" کا پانچواں یا چھٹا حصہ تھا۔ راشٹرکوٹوں کی دستاویزوں میں "درم" سکّے کا ذکر ہے لیکن قیمت کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ جنوبی ہندوستان کے ڈریم سکوں کے وزن کے دو طریقے تھے۔ گدیانہ سونے کے سکّے کا وزن اوسطاً 58 گرین سونا ہوتا تھا اس کے سب سے بھاری سکّے کا وزن 60.1 گرین ہوتا تھا۔ اس سے بھاری کو تامل میں کچانم یا کلنجو کہتے تھے۔ چولوں کے عہد حکومت میں کلنجو عام طور پر معیاری سونے کا سکّہ تھا۔ یہ "بیس" مان جاڑیوں کے برابر ہوتا تھا جو اصولاً 72 گرین یا کبھی کبھی 80 گرین تک کا بھی ہوتا تھا۔ اس معیار کے سکّے کو "ہون" یا "مارٹی" کہتے تھے۔ کاشو اس کے نصف کے برابر ہوتا تھا لیکن دستاویزوں میں کئی طرح کے "مارٹی" اور کاشو سکوں کا ذکر ملتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ سکوں کو معیاری بنانے کے سلسلہ میں واضح طور پر کبھی کوئی کامیابی نہیں ملی۔ روزمرہ کے چھوٹے [illegible] لین دین میں سکے نہیں ملتے تھے کیونکہ چیز کے بدلے چیز کے لین دین کا رواج تھا یا اناج سے [illegible] کا کام [illegible] جاتا تھا۔ سکوں کی اجرا پر کسی ایک مرکزی طاقت کی اجارہ داری نہ تھی۔ حالاں کہ [illegible] حکومت کو یہ کچھ مدت کے لیے حاصل ہوگئی تھی۔ شاہی ٹکسال کے بارے میں عبدالرزاق

کہتا ہے کہ "اس ملک میں تین طرح کے سکّے ہوتے ہیں جو سونے یا دوسری دھات سے ملا کر بنائے جاتے ہیں۔ ایک سکے کو "وراہا" کہتے ہیں جو وزن میں ایک "متھ کل" یا دو دینار "کوپیکی" کے برابر ہوتا ہے۔ دوسرا سکّہ "پرتب" ہے جو پہلے سکے کا نصف ہوتا ہے۔ تیسرے سکّے کو "فینم" کہتے ہیں اور "پرتب" سکّے کی قیمت کے دسویں حصّے کے برابر ہوتا ہے۔ ان سکّوں میں "فینم" سب سے زیادہ کارآمد سکّہ ہے۔ خالص چاندی کا بھی ایک سکّہ ہوتا ہے جسے "تر" Taz کہتے ہیں۔ یہ سکہ بھی رائج الوقت سکّوں میں بہت کارآمد ہے۔ تر Taz سکہ فینم کے چھٹے حصّے کے برابر ہوتا ہے۔ تانبے کا ایک سکّہ جو تر کے تیسرے حصّے کے برابر ہوتا ہے ڈجیٹل Dgitel کہلاتا ہے۔ اس سلطنت میں سکّے ڈھالنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ تمام صوبے ایک مقررہ وقت پر اپنا اپنا سونا ٹکسال لاتے تھے" تقریباً ساٹھ برس بعد ورتھیما نے چھوٹے سکوں کے درمیان مزید تعلقات کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس کے کہنے کے مطابق سولہ تر ایک فینم کے برابر ہوتا تھا۔ سولہ کس ایک تر کے برابر ہوتا تھا۔ وہ بیس فینم کو پیگوڈا (پرواؤ، وراہا) کے برابر شمار کرتا ہے۔ دوآرتے باربوسا سکّوں کی صداقت کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "اس جگہ کے سکّے واقعی صحیح ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی کمی نہیں پائی جاتی تھی اور نہ اس وقت کوئی کمی پائی جاتی ہے۔ لیکن مختلف سکّوں کے رائج ہونے کی وجہ سے پریشانی ہوتی تھی۔ سیزر فریڈرک شکایت کرتا ہے کہ نئے گورنر کے ملک کا مطلب ہوتا تھا نئے سکّے، اور اس طرح جو سکہ ہم آج لیتے تھے اس سے کل کام نہیں چل پاتا تھا۔

معاون کتابیں

ٹی۔ وی۔ مہالنگم :۔ ایڈمنسٹریشن اینڈ سوشل لائف انڈر وجیہ نگر (مدراس 1940)

اکونامک لائف ان دی وجیہ نگر امپائر (مدراس 1901)

سی مینا کشی :۔ ایڈمنسٹریشن اینڈ سوشل لائف انڈر دی پلّوز (مدراس 1938)

ڈبلو۔ ایچ۔ مورلینڈ :۔ ریلیشنس آف گولکنڈہ ان دی ارلی سیونٹینتھ سینچری (ہاکلوٹ سوسائٹی۔ لندن 1931)

ایس۔ ہرچس اہیرپگمرا بجیز جلد دوم (گلاسگو 1912)

کے۔ اے۔ این۔ شاستری :۔ دی پانڈین کنگ ڈم۔ (لندن 1929

، فلاورنگ پلانٹس آف ساؤتھ انڈیا (مدراس، 1930)

؛ دی کولاز دو جلدیں (مدراس 1935-1937 سیکنڈ ایڈیشن 1955)

شری۔ آر۔ سی۔ ٹیمپل (مدیر) ؛ دی آئی ٹنریری آف لیوڈووکو ڈی وارتیما آف بولونا

؛ 1502-1508 (لندن 1928)

ایچ۔ ویکٹ سرمنیہ :۔ اسٹڈیز ان دی ہسٹری آف دی تھرڈ ڈائنسٹی آف

؛ وجے نگر (مدراس 1935)

باب 14

ادب

1۔ سنسکرت۔ سوتر۔ تفسیر۔ بھاگوت۔ مہا کاویوں اور رزمیہ نظم کی تفسیر۔ بیلے لیٹرس ور صنائع وبدائع۔ فلسفیانہ ادب۔ نیائے (انصاف) بعد و میماسہ ادویت۔ وششٹا ادویت۔ وشنو اور شو۔ دویت۔ دھرم شاستر۔ فرہنگ نویسی۔ گرامر (صرف ونحو) کیرل کارول۔ موسیقی ورقص۔

2 تامل:۔ بعد کا سنگم ادب۔ دوسرا دور (500 سے 850 تک) عام تصانیف۔ دیندارانہ ادب۔ شو۔ وشنو۔ عام ادب۔ تیسرا دور (850 سے 1200 تک) عام ادب۔ دیندارانہ ادب۔ شو۔ وشنو۔ جین۔ صرف ونحو۔ فرہنگ نویسی۔ شو دھرم کے اصولوں کی ابتدا۔ چوتھا دور۔ 1200 سے 1650 تک۔ شو دھرم کے اصول۔ دیندارانہ اور مذہبی ادب۔ پران۔ وشنوؤں کی عارفانہ تصنیفات۔ لادینی ادب۔ نظموں یا ضرب الامثال کا منتخب مجموعہ۔ صرف ونحو۔ تشریحات۔ فرہنگ نویسی۔ مذہبی گیت۔ نظم۔

3۔ کنڑا۔ پمپا سے قبل کا ادب۔ تین جواہر پارے۔ چاولن درائے۔ درگ سنگھ اور اس کے ہم عصر۔ ناگ چندر۔ کرن آپاریہ۔ دوسرے جین مصنفین۔ ویرشیو۔ ادب۔ وشنو ادب۔ داس۔ بھٹاکلنک اور سترھویں صدی کے دوسرے ابتدائی شعرا۔ افسانے۔

4۔ تیلوگو:۔ زبان اور ادب کی ابتدا۔ نینہ اور اس کے ہم عصر۔ ویرشو کے مصنف اور رزمیہ نظموں کے تکن اور دیگر مترجمین۔ تکن کے ہم عصر۔ علم ریاضی کی کتب۔ ترجمے شریناتھ کا عہد۔ کرشن دیو رائے کا عہد۔ سولھویں صدی کے آخری اور سترھویں صدی کے

کا ابتدائی ادب۔

5 ملیالم :۔ ابتدا۔ اور انرو تلی۔ ستد یشم۔ لوک گیت۔ رام چرتم اور اسکے گتو چکیار کتو اور کپن۔ نم شعر۔ چرومش ناتھری تابولدی۔ مقامی گیت اور نقلیات۔ ایژوتکن۔ کتھا کلی۔

مکمل جنوبی ہندوستان میں اعلا تہذیب کی زبان سنسکرت تھی اور اس کی مختلف شاخوں میں جو زبردست ادب پایا جاتا ہے۔ وہ اس کے شعرا اور ادیبوں کی صدیوں کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ عوام کی زبانیں مثلاً تامل، کنٹر، تیلگو، ملیالم کے ادب کے مطالعے سے پہلے ہم ان زبانوں کے شعرا اور ادبا کی سرگرمیوں کی تاریخ کو مختصراً بیان کریں گے۔ عوامی زبانوں کے اس سلسلہ کو ہم نے ان کی ادبی ترقی کو دیکھتے ہوئے قایم کیا ہے۔ ان تمام زبانوں نے سنسکرت سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ یہ سنسکرت زبان کے جادو کا ہی اثر تھا کہ تمام دراوڑی زبانیں دیہی سطح سے بلند ہو کر ادبی زبانیں بن گئیں۔ یہ زبانیں آپس میں بھی ایک دوسرے سے بے حد متاثر ہوئیں۔ لیکن اس مختصر بیان میں ان کے باہمی اثرات پر کوئی غایت نظر نہیں ڈالی جاسکے گی۔

اس کتاب میں جس زمانہ کا ذکر کیا گیا ہے اس میں مراٹھی ادب کی ابتدا ہو چکی تھی۔ لیکن مراٹھی زبان پر اس لیے روشنی نہیں ڈالی جاسکے گی کہ اس کو شمالی ہندوستان کی ہی زبان سمجھنا چاہیے۔ اس زمانہ میں مراٹھی ادب خصوصاً دینداراتہ تھا۔ اس کے مشہور مصنف گیا نیشور (1290) نام دیو (1425) ایکنا تھ (1608) اور تکارام 1608-49 تھے۔

سنسکرت

سنہ عیسوی سے اگر قبل نہیں تو ابتدا ہی میں قربانی میں اعتقاد رکھنے والا ویدک مذہب جنوبی ملک میں پھیل چکا تھا۔ اور سنسکرت کا ذکر کرتے ہوئے ہماری توجہ فطری طور پر ان ویدک ادب اور تفسیروں کی جانب ہی مبذول ہوتی ہے۔ آپ استمب جو دریائے گوداوری کی وادی میں عیسیٰ سے تین سو برس قبل ہوا ہوگا۔ اس کی مکمل تصنیفات مثلاً شروت۔ گریہہ اور دھرم سوتر خوش قسمتی سے آج بھی پورے طور پر محفوظ ہیں۔ اس کی مال یا منی کے زمانہ سے قبل کی خیال کی جاتی ہے۔ اس کے مکتب خیال کے ساتھ والے دریائے نرمدا کے جنوب میں بہت بڑی

تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ستیہ شادھ کا دوسرا مکتب خیال ہے اس کے دھرم سوتر پر آپ ستمبہ کا اثر پڑا ہے۔ اس مکتب خیال کے ماننے والوں نے سہائے علاقے (مالا بار اور جنوبی کنارا) میں عیسیٰ سے قبل پہلی اور عیسیٰ کے بعد پہلی صدی کے درمیان فروغ حاصل کیا۔ ویکھالسوں کا تیسرا مکتب خیال ہے جو یقینی طور پر جنوبی ہندوستان سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ ان کے گرہ سوتر میں دراوڑی زبانوں کے محاوروں کا اثر دکھائی دیتا ہے۔ ان دونوں مکاتیب خیال کے دستعمال العمل کی کتابیں بھی مکمل ہیں۔

چول اور وجیہ نگر سلطنتوں کے قیام کے بعد سے ویدوں کی تشریح کے سلسلہ میں واضح اقدامات کیے گئے۔ چول بادشاہ پرانتک اول کے زمانہ حکومت میں وینکٹ مادھو دریائے کاویری کے کنارے رہتا تھا۔ اسنے رگ رتھ دیپکا تصنیف کی۔ وجیہ نگر حکومت کے ابتدائی بادشاہوں بالخصوص بکا اول کے عہد حکومت میں ساین (Sayana) کی قیادت میں ادبا کی ایک جماعت نے چاروں ویدوں کی سنگھتاؤں پر نیز متعدد براہمنوں اور آرن یکوں پر تفسیریں لکھنے کا زبردست کام تکمیل کو پہنچایا گیا۔

ان ادیبوں نے جن مذکرہ بالا تصنیفات پر تفسیریں تحریر کیں وہ صحیح اور معقول پسند نہیں تھیں۔ لیکن جدید ترین نقاد بھی اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ وہ ان تفسیروں کا ممنون ہے جن میں جنوبی ہندوستان کے دسویں اور چودھویں صدی کے ویدک طرز خیال میں مروجہ روایتی مفہوم درج ہیں۔ ساین سے قبل ویدک تفسیر میں ہویسل رام ناتھ کے زمانہ حکومت میں سام وید پر بھارت سوامین کی جو تفسیر لکھی گئی وہ بھی قابل غور ہے۔ وینکٹ مادھو اور ساین کے درمیانی وقفہ میں ایک اور زبردست شاگرد وشتیہ یعنی چھ استادوں کا شاگرد بھی جس کے صحیح نام کے بارے میں علم نہیں ہے۔ اس نے تقریباً تیرھویں صدی کے وسط میں شاید اتیریہ براہمن اور ارن یک اعدکا نیا تن کی ترو الوکرمتی پر تفسیریں تیرھویں صدی میں تحریر کیں۔

ویدوں کے علاوہ معاون کتابیں مثلاً پرانی شاکھیوں (علم الاصوات پر دستی کتابیں) اور کلپ سوتروں (ریت رواج) پر بھی شرح تحریر کی گئی۔ شاگرد وشتیہ نے خود اشولائن شرت سوتر اور اپ استمب شروت پر۔ تال ورنت نواسن اور کونڈپ آچاریہ (چودھویں صدی) نے دو شرحیں تحریر کیں۔ کونڈپ آچاریہ نے پر یوگ رتن مالا بھی تصنیف کی۔ یہ ریت رواج پر ایک آزاد مقالہ تھا۔ بودھیاین شروت پر بھی دو شرحیں لکھی گئیں۔ ایک شرح نوبھوسوامن

(نویں یا دسویں صدی) نے اور دوسری مشہور و معروف ساین نے تحریر کی جو خود سوتر کا ماننے والا تھا۔ ہردت بھی اسی مکتب خیال کا ملنسرتھا۔ اس کی شرحیں مثلاً اسؤلائن گرہ سوتر پہ مناویلا، اپ استمب گرہ سوتر پرانا کلا اور دھرم سوتر پر اُجوّلا صحیح معنوں میں مشہور ہیں۔ اس نے گوتم دھرم سوتر پر متاکشرا بھی تحریر کی اور بودھیائن شروت سوتر پر بھی ایک شرح تحریر کی جس کا ابھی تک ایک معمولی حصہ ہی دست یاب ہو سکا ہے۔

دیوراج کی نگا ہنتو ویا کھیا شری رنگم میں پندرھویں صدی میں تحریر کی گئی تھی چونکہ یہ ویدک علم الالفاظ پر یاسک کے مشہور مقالے کی عالمانہ تفسیر ہے اس لیے یہ تصنیف ویدک علم و ادب میں ایک اہم منزل قایم کرتی ہے۔

پرانوں میں بھاگوت کی تصنیف جنوبی ہندوستان میں کس وقت دسویں صدی کے شروع میں ہوئی۔ بھاگوت پران بھگتی مسلک کے اصولوں اور نظریات کا مجموعہ ہے۔ بھگتی مسلک چوتھی یا پانچویں صدی سے ہی ہندو دھرم اور ویدک دھرم کے علاوہ جین دھرم اور بدھ دھرم کی باہمی کشاکش کی بنا پر فروغ پا رہا تھا۔ بھاگوت پران میں بھگوان کرشن کے لیے زبردست بھگتی اور شنکر کے ادویت فلسفہ کا اس طرح امتزاج کیا گیا ہے جو اس مدت میں صرف تامل دیش میں ہی ممکن تھا۔ وشنو پران جو اپنی نوعیت کی سب سے مختصر اور بہترین تصنیف ہے۔ بارھویں صدی میں وششٹ ادویت کے نظریہ سے وشنومت نے اس پر تفسیر لکھی۔ ہمیں رامائن اور مہابھارت پر مشہور تفسیروں کی جانب بھی توجہ کرنا چاہیے کیونکہ تنقید کے ساتھ ان کی اہمیت مذہبی خیالات کے لیے بھی ہے۔ بارھویں صدی میں اتریہ دروراج نے جو اُودالی کے نام سے مشہور ہے۔ رامائن پرویک تالیکا تصنیف کی اس کا زمانہ رامانج کے بعد ہے اور تردوائے مولی پر تیرھویں صدی میں ایدونام سے جو شرح تحریر کی گئی اس میں ان کے نظریہ کا بیان کیا گیا ہے گووندراج نے وشنو دھرم کے ماننے والے ایک مصنف کی مشہور تصنیف بھوشن کو پیش کیا۔ گووند راج کانچی پورم کا باشندہ تھا اور وجیہ نگر کے کرشن دیورائے اور رام رائے کا ہم عصر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ جب گووندراج تروپتی کے مندر گیا ہوا تھا تو وہاں اسے اس کتاب کی تصنیف کے لیے فیضان حاصل ہوا تھا۔ رامائن ایک اہم شرح مادھو یوگی کی تصنیف کردہ کتک تھی۔ اس نے رامائن کے متعلق بہت دل چسپ باتیں پیش کیں اور رام کو گایتری کے خاوند کی شکل میں برہما کا اقتدار بتایا ہے۔ اس کے علاوہ اہوبل کی تصنیف والمیکی ہردے رامائن کے چیدہ اشعار کی تشریح پر

میں ہے جو ایڈو ہیں بکھرے ہوئے ہیں۔ اکندیناگو تر کے الشور و کشت نے رامائن پر دو تشریحات 1517ء میں تحریر کیں۔ یہ لگمو ابلا پہروون کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ تصانیف وجے نگر میں بمقام ہیم کوٹ کرشن دیو راجے کی سرپرستی میں مکمل ہوئیں۔ اس طرح جنوبی ہندوستان میں رامائن پر مجموعی طور پر تین تشریحات تحریر کی گئیں۔ مہابھارت پر جو تشریحات دستیاب ہیں ان میں سب سے مشہور و ادیراج کی شرح الکش بھرن ہے۔ یہ کسی وقت سولھویں صدی میں تصنیف کی گئی۔ اس رزمیہ نظم کے ایک لاکھ اشعار کے مصدقہ متن کو معلوم کرنے کے سلسلہ میں مصنف نے اپنی ہی کوشش کی ہے۔ تقریباً اسی وقت یا اس سے کچھ قبل اندپودہ ودیا ساگر نے "دیا کمیہ تناولی" تحریر کی۔ ودیا ساگر مغربی ساحل پر واقع گوکرن کا رہنے والا تھا اور وجے نگر کے ہری ہر دوم کے خسر کا دمب کا مدیو کا ہم عصر تھا۔ اس سلسلہ میں تیسری شرح سارو جن نارائن نے کی تھی۔ اس کے کچھ ہی حصے اس وقت دستیاب نہیں۔ یہ جنوبی ہندوستان کی اپنے طرز کی قدیم ترین تصنیف ہے۔

بیلس لیٹرس (Belles Letters) میں سب سے پہلی تصنیف جس پر ہماری توجہ مبذول ہوئی ہے وہ مہاراشٹر پراکرت میں اشعار کی ایک بیاض ہے۔ اس کتاب پر مصنف کے نام کی جگہ پر ستواہن راجہ ہالا کا نام دیا ہوا ہے۔ یہ تقریباً سات سو اشعار کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے کا ہر شعر ایک قلمی تصویر ہے جو غیر معمولی طور پر حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ غور کرنے پر یہ مجموعہ "سیدھے سادے مناظر کے درمیان بہت زیادہ محبت کی عکاسی کرتا ہے"۔ مجموعہ میں ان شعرا کی تخلیقات ہیں جنھوں نے عوام کے جذبات اور ان کے اردگرد کے ماحول کی منظرکشی کی ہے۔ اس میں چرواہا اور گڈرنی، اور وہ لڑکی جو باغیچہ کی دیکھ بھال کرتی ہے اور چکّی سے اناج پیستی ہے۔ شکاری اور دستکار کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ لسانیات کی بنیاد پر نقاد اس تصنیف کو 250-450 کے درمیان تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کسی پہلی تصنیف کا اصلاح کیا ہوا نسخہ ہو۔ ستواہنوں کے زمانۂ حکومت میں دوسری اہم تصنیف گن آدھیا کی برہت کتھا ہے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ پوئی میں لکھی گئی تھی لیکن اس وقت وہ اس شکل میں دستیاب نہیں ہے۔ البتہ سنسکرت زبان میں اس پر نظر ثانی کیے ہوئے نسخے ملتے ہیں۔ اس کتاب کی تصنیف اور اس کے انجام کے بارے میں متعدد روایتیں ہیں۔ یہ بات عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ اس تصنیف نے متعدد زبانوں کے ادب کو متاثر کیا ہے

ہے ۔ برہت کتھا کے افسانوں کا ہیرو نرواہن دت ہے جو اُداین کا لڑکا تھا۔ ان افسانوں کا موضوع رامائن اور بدھ مت کی کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے ۔ یہ تصنیف تقریباً آٹھویں یا نویں صدی تک دست یاب رہی اور بان اور ڈنڈن جیسے مشہور مصنفین نے اس کی بہت تعریف کی ہے ۔

سندر پانڈے نیتی دوئی شاسنیکا (Nitidvis saahtika) چھٹی صدی سے بھی قدیم ہے ۔ اس کے مصنف کے بارے میں پتہ نہیں چلتا۔ لیکن یہ تصنیف محاسن سے پُر ہے اور سیاسی ادب میں اس کے اشعار کا معیار بہت بلند ہے ۔ کمار داس کی طویل نظم جانکی ہرن بیس ابواب پر مشتمل ہے ۔ اس میں رام کی کتھا ہے جس سے تمام افراد واقف ہیں مصنف کالیداس کا بڑا مداح تھا اور اس کی تصنیف میں کالی داس کا اثر نمایاں ہے ۔ بعد کی روایتوں کے مطابق جو قابل اعتماد نہیں ہیں ۔ کمار داس کو سری لنکا کے ایک بادشاہ کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے جو چھٹی صدی میں حکومت کرتا تھا۔ اس نظم کی تاریخ کچھ عجیب سی ہے ۔ ہماری واقفیت زمانہ حال میں صرف اتنی ہے کہ سنگھلی زبان میں اس نظم کی تشریح کی گئی اور کسی راج سندر نے اس کے ایک حصے کو سنسکرت میں منظوم کیا ۔ اصل نظم ابھی حال ہی میں مالا بار میں دریافت ہو گئی ہے ۔ بھارومی کی کراتا رجونیم زیادہ مشہور اور ادبی خصوصیات سے بھری ہوئی ہے ۔ اس نظم میں اٹھارہ باب ہیں اور نظم شو اور ارجن کے درمیان کشاکش کی کہانی ہے جس میں اخیر میں ارجن کو پشوپیتی ہتھیار دست یاب ہوا تھا ۔ یہ نظم بہت زوردار ہے اور اپنے تخیل کے لیے بہت مشہور ہے ۔ 693 کے ایک کتبے میں اس کے مصنف کا نام آتا ہے جس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ شاعر نے اس وقت تک شہرت حاصل کر لی تھی ۔ روایت کے مطابق شاعر کے خاندان کا تعلق مشرقی چالوکیہ خاندان کے بانی وشنو وردھن اور کانچی کے سنگھ وشنو سے بتایا جاتا ہے ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گنگ راجہ درونیت نے نظم کے پندرھویں باب کی تشریح تحریر کی تھی ۔ لیکن یہ بہت مشکوک ہے ۔

سرسری طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ کتبہ ایہول میں دریافت ہوا ہے اور ایک مختصر نظم میں جو ہر حالت میں ادبی خصوصیات کی حامل تھی ۔ پل کیشن دوئم کی کامرانیوں کا ذکر کیا گیا ہے ۔ اس کا شاعر روی کیرتی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اس نظم کے ذریعہ بھارومی اور کالی داس کے ہم پلہ ہو گیا ہے ۔ اس کتبے سے کچھ قبل مہاکوٹ کا کتبہ مرصع نثر میں ہے جس کا مقابلہ بان کی نثر سے کیا

جا سکتا ہے۔ ہمیں سنسکرت ادب کی مکمل تاریخ کی واقفیت حاصل کرنے کے لیے کتابوں کے ساتھ ساتھ کتبوں کی طرف بھی توجہ کرنا ہو گی۔ یہ بات یوں تو تمام زبانوں کے لیے ضروری ہے لیکن یہاں اس موضوع پر زیادہ غور نہیں کیا جا سکتا۔ پل کیشن دوئم کے لڑکے راجہ چندر دیتہ کی ملکہ وجے بھٹاریکا کو ہی وجیہ انکا یا وجیکا شاعرہ تسلیم کیا جاتا ہے یہ خود کو کالی سرسوتی (علم کی دیوی جس کا رنگ عام طور پر صاف بتایا جاتا ہے) کہتی ہے۔ عظیم نقاد راج شیکھر نے اس کے طرز ادا کے لیے کالی داس کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔ اس شاعرہ کا جو کچھ کلام مجمع الاشعار میں محفوظ ہے اس کو دیکھنے سے اس کے بارے میں جو اندازہ لگایا گیا ہے وہ حق بجانب ہے۔

کانچی کا "عجیب دماغ والا" پلّو حکمراں مہیندر ورمن اوّل متاولاس اور بھگوداجکا نامی دو دل چسپ سوانگ لکھنے کے لیے وقت نکال سکا۔ ان سوانگوں میں کپالک اور بدھ بھکشوؤں کا تمسخر کیا گیا ہے۔ اس زمانہ میں لوگوں کے درمیان تنگ نظری بہت تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ اس کیفیت کو دیکھتے ہوئے ایسی کتابوں کا لکھنا باعث مسرت تھا۔ بھگوداجکا کا مصنف کون ہے یہ مشکوک ہے۔ بودھیاین کو اس کا مصنف بتایا جاتا ہے۔ عروض کے ایسے خشک موضوع پر چندو جیتی جن اشریہ میں تغیر کی گئی ہے۔ یہ کتاب وشنو کندین خاندان کے مادھو ورمن دوئم کے زمانہ میں یا خود اس نے ہی لکھی۔ مادھو ورمن دوئم کا لقب جن سر یہ تھا۔ اگر اونتی سندری کتھا کو سچ مان لیا جائے تو مشہور مصنف ڈنڈن بھاروی کے دوست دامودر کا پڑپوتا تھا۔ جو نرسنگھ ورمن اوّل (68-630) کے دربار کی زینت تھا۔ جس کتھا کا ابھی حال میں ذکر کیا گیا ہے وہ بذات خود نثر میں ایک طویل تصنیف ہے جس کے کچھ حصے محفوظ رکھے جا سکے ہیں اور وشن کمار چرت کا اصل جز اس ایک ہی کتاب کا حصہ ہے۔ اس کی ابتدا اور اختتام مختلف لوگوں نے کی ہے۔ لسانیات پر زبردست کتاب کاویہ ادرش جس کے لیے ڈنڈن اس قدر مشہور ہے، ادبی تنقید کی تاریخ میں ایک معرکہ ہے کیونکہ اس کے بعد سے وہ دربھی طرز بیان بہترین شاعری کے لیے کسوٹی تصور کیا جانے لگا۔ یہی کتاب تامل زبان کی ڈنڈیہ النگارم کی بنیاد بنی۔

اگرچہ بھوبھوتی نے اپنی تصنیف زیادہ تر شمالی ہندوستان میں مکمل کی۔ لیکن چونکہ وہ برار میں پیدا ہوا اور کہا جاتا ہے کہ اس کی تعلیم کمارل کی زیرنگرانی ہوئی اس لیے اس کا نام اس مطالعہ میں شامل کر لینا غیر مناسب ہو گا۔ اس کے تصنیف کردہ دو ڈرامے مہاویر چرت اور اتر۔ رام۔ چرت۔ رام کی کتھا کے حصوں پر مبنی ہیں۔ تیسرا ڈرامہ مالتی مادھو مصنف

کے تخیل کا نتیجہ ہے۔ وہ ساتویں صدی کے ختم ہونے پر اور آٹھویں صدی کے شروع میں زندہ رہا۔

کل شیکھر جو بعد کے الوردں میں سے ایک اور کیرل کا حکمراں نیز غالباً نویں صدی میں تھا اس نے شاندار دین دارانہ نظم مکند مالا منظوم کی۔ یہ نظم آج تک بے حد پسند کی جاتی ہے۔ کل شیکھر کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ وہ واسدیو کا سرپرست تھا جس نے یمک کاویوں کی چار تصنیفات مثلاً یدھشٹر وجے، ترپر دہن، شوری کتھا اور نل اودے کیں۔ اگرچہ یمک (آواز کی جھنجھناہٹ) میں عجیب اور غیر معمولی اشعار پائے جاتے ہیں لیکن واسدیو کو بہت بڑی حد تک اس صنف سخن میں کامیاب تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ واسدیو خود کو اس طرز بیان کی خامیوں سے محفوظ رکھ سکا۔ یدھشٹر وجے پر کشمیر کے راج انک رتناکر نے شرح تحریر کی واسدیو نے واسدیو وجے بھی تصنیف کی۔ یہ بھٹی کاویہ کے نمونے پر پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں پانینی کے وضع کردہ سنسکرت گرامر کے اصول درج کیے ہیں۔ شکتی بھدر کے اشچریہ چوڑامنی کے بارے میں دعوا کیا جاتا ہے کہ یہ جنوبی ہندوستان کا پہلا مکمل ڈرامہ ہے۔ اس ڈرامے کا موضوع رام کا کردار ہے۔ مصنف نے اس میں اختراع سے کام لیا ہے جو حقیقی معنوں میں بہتر ہے۔ اس میں نظم اور نثر دونوں کا معیار بلند ہے۔ یہ ڈرامہ مالابار کے ایکٹروں کے درمیان بے حد مقبول ہوا۔ اس ہی مصنف کا دوسرا ڈرامہ انمادواسودتا اب دستیاب نہیں ہے۔ شکتی بھدر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ شنکر کا شاگرد تھا اور نویں صدی کے شروع میں رہا ہوگا۔

تری وکرم بھٹ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ راشٹرکوٹ راجہ اندر سویم (915) کا ہم عصر تھا اس نے نل چمپو یا دمینتی کتھا لکھی۔ یہ سنسکرت زبان کا قدیم ترین کمپو خیال کی جاتی ہے۔ اس کے متعلق یہ کہانی عام ہے کہ یہ کتاب اس وقت تصنیف کی گئی جب مصنف کے والد جو دربار کی شاعر تھا غیر حاضر تھا اور جب اسے ایک مخالف نے للکارا تو اس نے دیوی سرسوتی کی مدد سے اس کمپو کی تکمیل کی۔ یہ تصنیف نامکمل ہی رہی کیونکہ والد نے اپنی واپسی پر اپنے لڑکے کی کوشش کو لاحاصل قرار دیا۔ اس میں نظم اور نثر دونوں ہی بہت معمولی درجہ کی ہیں۔ مداسا چمپو کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بھی تری وکرم کی ہی تصنیف ہے کیرل کا قدیم ترین چمپو جو اس وقت بھی دستیاب ہے۔ دوارکا کا تصنیف کردہ اموگھ راگھو ہے۔ اس میں رامائن کے بال کانڈ کی کہانی ہے۔ اس طرز کی نظم بعد میں سنسکرت اور ملیالم دونوں میں ہی عام ہوگئی۔

کیرل کے ایک دوسرے کل شیکھر نے دو ڈرامے تپتی سموَرن اور سوبھدرا دھننجے تصنیف کیے۔

ان میں مہابھارت کے معمولی واقعات کو ڈرامائی طور سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ ڈرامے اسٹیج پر کھیلنے کے لائق تھے۔ کل شیکھر نے منشرین اشچریہ منجری کی بھی تصنیف کی۔ اس کتاب کے اقتباسات کی تشریح ایک بنگالی ڈرامہ امرکوش میں (1159) کی گئی ہے۔ روایتوں کے مطابق اس کے زمانہ میں چاکیاروں نے سنسکرت ڈرامہ کو اسٹیج پر کھیلنے کے طریقہ میں اصلاح کی تھی۔ چاکیار پیشہ ور ایکٹر تھے یہ کیرل کے سوتوں کی یادگار تھے اور عوام کو پران سنایا کرتے تھے۔ چاکیاروں کے پاس ماتاولاس بھگوداُجکا، کلیاں سوگندھکا اور کچھ دوسرے ڈرامے تھے۔ کلیان سوگندھکا ڈرامہ نیل کنٹھ کی تصنیف ہے۔ یہ ایک ویایوگ ہے جس میں ہنومان اور بھیم کے درمیان کشمکش کی داستان ہے۔ اخیر میں یہ دونوں سوچ کر مصالحت کرلیتے ہیں کہ دونوں کا باپ ایک ہی ہے۔ بلوامنگل سوامی جسے کرشن لیلاشُک یا مختصراً لیلاشک کہتے ہیں۔ راجہ کی سرپرستی میں رہنے والا دوسرا شاعر تھا جس کی کرشن کنٹر امرت بھگتی کے جذبے میں ڈوبی ہوئی ایک نظم ہے۔ یہی نہیں اشواسوی میں بے نظیر ہے۔ اس نے دوسری عالمانہ تصانیف بھی کیں لیکن اس نظم کی بنا پر اس نے سنسکرت کے دلدادہ لوگوں کے دلوں میں گھر کرلیا۔

عظیم جین مصنف سوم دیوسوری (950) ویمول واد (آندھرپردیش) کے اری کیسری دویم کے دربار سے متعلق تھا۔ جہاں مشہور کنٹر شاعر پمپ بھی رہتا تھا۔ اری کیسری دویم راشٹرکوٹ بادشاہ کرشن سویم کا تابع تھا۔ سوم دیو نے یسستلکا Yasastilaka چمپو، نیتی واکیہ امرت اور دوسری تصنیفات کیں۔ چمپو کی کہانی کسی طرح بے کیف نہیں کہی جاسکتی۔ لیکن مصنف کا مقصد جین دھرم کے اصولوں اور اخلاقیات کا پروپیگنڈہ تھا۔ نیتی واکیہ امرت جینیوں کے خلافی نظریات ارتھ شاستر کے مضمون پر منحصر ہے۔ مصنف کا اسلوب یکدم عالمانہ پرمعنی اور صاف ہے۔ کرشن سویم کا ایک اور ہمعصر ہلایدھ تھا جس نے "کوی رہسیہ" تصنیف کی۔ اس کی عبارت مغلق ہے۔ اس میں سنسکرت الفاظ کے بارے کی موجودہ صورت کو سمجھایا گیا ہے۔ اور راشٹرکوٹ راجہ کی تعریف کی گئی ہے۔ سوم دیوسوری کے شاگرد وادی راج نے "یشودھراچرتر" نامی کتاب لکھی۔ وادی راج بھی اپنے استاد کی طرح جین دھرم کا ماننے والا تھا۔ "یشودھراچرتر" مصنف نے اپنی سابق تصنیف "پارسوناتھ چرتر" کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اب یہ دستیاب نہیں ہے۔

تھانہ کے مُمّ نیراج کی سرپرستی میں تقریباً ایک ہزار سن عیسوی میں لاٹ کے کایستھ سوڈھال نے

نثر میں عشق و محبت کا افسانہ اودے سندری کتھا لکھی۔ اس کتاب کی تصنیف میں مصنف نے بان کی کتاب "ہرش چرت" کو نمونے کی حیثیت دی ہے۔ لیکن یہ کتاب بان کی تصنیف کے مقابلہ میں بے حد حقیر ہے۔ اسی زمانہ میں کیرل میں نیم تاریخی تصنیف "جونسک ولش" کی گئی۔ اس کا مصنف اتولہ تھا۔ اس کتاب میں پندرہ باب ہیں اور موشنک یا رام گھٹ راجاؤں کی داستان ہے۔ اسی طرح ایک اور نامکمل مگر انتہائی خوبصورت نظم "کرشن ولاس" لکھی گئی۔ یہ سوکمار کا نتیجہ فکر تھی اس شاعر کے بارے میں پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس عہد میں ہوا اور کس مقام کا رہنے والا تھا۔ وکرمادتیہ ششم کا کاشمیری ودیاپتی بلہن نے "وکرم انک دیو چرت" لکھی۔ یہ اٹھارہ ابواب پر مشتمل رزمیہ شاعری ہے۔ اس میں چالوکیہ راجہ کی زندگی اور اس کی کامرانیوں کا ذکر ہے۔ کتاب کے آخری باب میں مصنف نے اپنی زندگی کے واقعات قلمبند کیے ہیں۔ اس نے کہا کہ کرناٹ کے راجہ نے اسے اپنی زندگی کے آخری دور میں جو عزت بخشی ہے اس احسان کے بدلے اس نے یہ کتاب تصنیف کی ہے۔ مصنف نے وکرمادتیہ اور اس کے بڑے بھائی سومیشور کے ساتھ تعلقات کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا ہے وہ قابل اعتماد نہیں کیا جا سکتا البتہ نظم میں روانی ہے گو کہ بیانات کو ضرورت سے زیادہ طول دیا گیا ہے۔ بلہن کی دوسری تصنیفات بھی ہیں جن کے اقتباسات مجمع الاشعار میں دستیاب ہیں۔ لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ "پنچاسکا" کی کہانی جو ناجائز محبت کی تسکین نفس کی دل پذیر مگر بے باک تصویر ہے۔ اس ہی کی تصنیف ہے۔ "مانش الاس" یا ابھیلاستارتھ چنتامنی" (30 - 1129) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ چالوکیہ سومیشور سوئم کی تصنیف ہے۔ لیکن زیادہ ممکن یہی ہے کہ یہ ایک یا ایک سے زیادہ درباری شعرا کی تصنیف ہو۔ یہ کتاب ریاست کے بر طبقہ کے لوگوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ اس میں پانچ کتابیں شامل ہیں اور ہر ایک کتاب بیس ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب میں جملہ فنون کے بارے میں معلومات درج ہیں۔ چنانچہ اس میں ایسے موضوع جیسے ادویات، جادو، نگہداشت مویشیاں، بیش قیمت پتھروں اور موتیوں کی قیمتوں کا اندازہ لگانا قلعوں کو مستحکم بنانا، موسیقی و مصوری، کھیل و تفریح اور دوسرے موضوعات پر قدیم ترین فنی مضامین شامل ہیں۔ موضوعات کو جس طرح منتخب کر کے مرتب کیا گیا ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ کتاب البتہ اس خیال سے بہت زیادہ اہم ہے کہ اس سے اس امر کی اطلاع حاصل ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں مختلف موضوعات کے بارے میں لوگوں کی کسی حد تک واقفیت تھی۔ سومیشور سوئم کے منجم اور درباری شاعر وڈیا مادھو کی "پاروتی رکمنیہ" ایک غیر معمولی تصنیف ہے۔ اس

کا ہر شعر ذومعنی ہے ۔ ایک مصرعہ شو پاروتی اور دوسرا مصرعہ کرشن اور رکمن کی شادی بیان کرتا ہے۔ اس افسوس ناک طرز بیان میں ایک اور مگر بہتر کوشش " راگھو پانڈویہ " ہے جسے کویراج مادھو بھٹ نے تصنیف کیا ہے۔ اس کتاب میں بھی پہلے مصرعہ میں رامائن اور دوسرے مصرعہ میں مہابھارت کی کہانی ہے ۔ مادھو بھٹ شاعر راجہ کادمب کام دیو (1182-97) کے دربار میں رہتا تھا۔ اس نے " پاری جات ہرن " بھی لکھی ۔ یہ نظم دس باب میں ہے اور کرشن سے متعلق داستانوں میں سے ایک مشہور داستان ہے ۔

ہوئیسل دربار میں ملک الشعرا ودیا چکرورتی کے عہدے پہ موروثی صورت میں شعرا ہوتے تھے جن کے نام اس وقت معلوم نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک شاعر نے جسے پانڈیہ گدیہ کرن امرت " تصنیف کی ۔ یہ نثر میں ہے۔ اس کا طرز بیان بہت فصیح ہے۔ اس میں تیرھویں صدی کی پہلی چوتھائی میں ہوئیسل راجہ نرسنگھ دویم اور پانڈیوں کے مابین ہوئی لڑائی کا ذکر ہے ۔ ایک اور شاعر نے اعلا معیار کی ایک نظم " رکمنی کلیان لکھی اور " النکار سروسو " اور " کاویہ پرکاش " پر شرحیں تصنیف کیں ۔ یہ شاعروں کے مطالعہ کے سلسلہ میں بہت مشہور تصانیف ہیں ۔ یہ بلال سوئم (1291-1342) کے عہد حکومت میں تصنیف کی گئیں ۔

تیرھویں صدی میں ہی شاردا تنیہ ہوا ہے جو چنگلے یٹ کے ایک علم دوست خاندان کا فرد تھا۔ اس نے ادبی تنقید پہ ایک اہم کتاب " بھاؤ پرکاش " تصنیف کی ۔ اس میں متعدد مصنفین اور کتابوں سے جو اب دست یاب نہیں ہیں اقتباسات پیش کیے گئے ہیں ۔ اس نے موسیقی پر بھی " شاردیتہ " نامی ایک مقالہ تحریر کیا ۔ اسی عہد میں یا اس کے قریب وشنو دھرم کا عظیم گرو وینکٹ ناتھ یا ویدانت ویشکا ر پیدائش 1268) ہوا ۔ اگرچہ وہ مذہبی اور فلسفیانہ تصانیف کے لیے مشہور ہے لیکن عام ادب میں بھی اسے امتیازی درجہ حاصل ہے ۔ کرشن کی زندگی پر اس کی رزمیہ نظم " یادوابھیودے " پہ عظیم آپیہ دکشت نے شرح تحریر کی ۔ اس کی دوسری تصنیفات میں " ہنس سندیش " اور " پادوکا سہرا " شامل ہیں ۔ " ہنس سندیش " کالیداس کے " میگھ سندیش " کی نقل ہے اور " پادوکا سہرا " ایک دلچسپ نظم ہے ۔ اس نے ایک ڈرامہ " سنکلپ سوریہ ادے " بھی لکھا ۔ یہ کرشن مشرا کے ادویت ڈرامہ پربودھ چندرا ودے کے طرز پر وششٹ ادویت اصول کے تحت تحریر کیا گیا ہے ۔

کیرل میں متعدد سندیش کاویہ لکھے گئے جو کافی تعداد میں دستیاب ہیں ۔ ان میں

لکشمی داس (1100) کی "شوک سندیش" قدیم ترین اور بہترین کتاب ہے اور رودر شاعر (پندرھویں صدی) کا "کوکل سندیش"، اُدّے کا "میور سندیش" اور واسدیو (سولھویں صدی) کا "بھرنگ سندیش" قابل ذکر ہیں۔ اودے شاعر بھی اسی صدی میں تھا اور اس نوچن پر شرح بھی تحریر کی ہے۔ یہ نظمیں اپنے گیتوں کے ساتھ ساتھ تاریخی اور جغرافیائی اہمیت بھی رکھتی ہیں۔ ان میں معاصر شخصیتوں اور واقعات کے علاوہ اپنے اپنے قاصدوں کے راستوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ تراونکور کے راجہ روی ورمن کل شیکھر نے اپنی طوفانی زندگی میں بھی ادبی دلچسپی کے لیے وقت نکالا اور "پرے دیومیں ابھیہ ادے" تصنیف کی۔ یہ پرے دیوم اور پربھاوتی کی شادی پر پانچ ایکٹ کا ایک ڈرامہ ہے۔ وہ سمدر بندھ (Samudrabandh) کا سرپرست بھی تھا۔ سمدر بندھ نے کشمیر کے روبک کی کتاب "النکار سروسو" پر شرح تحریر کی

ایسے ہی جذبات اور اسلوب بیان پر مبنی دو اور تصنیفات ہیں جو ڈرامہ نویسی کے اصولوں سے متعلق ہیں۔ یہ دونوں تقریباً تیرھویں صدی میں لکھی گئیں۔ ان دونوں میں ایک ایک ناٹک بھی شامل ہے جس میں مصنّف کے سرپرست کی تعریف کی گئی ہے اور ڈرامہ نویسی کے اصولوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ پہلا ڈرامہ ودیادھر کا "ایکاولی" ہے یہ ڈرامہ اڑیسہ کے نرسنگھ دوم کی حکومت میں لکھا گیا۔ دوسرا ڈرامہ ودیاناتھ کا پرتاپ رودر ییشو بھوشن ہے۔ اس کی سرپرستی وارنگل کے کاکتیہ راجہ پرتاپ رودر دوم نے کی تھی۔ پرتاپ رودر نے بھی ایک کتاب "نیتی" تصنیف کی۔ اس کے اقتباسات سوریہ مجمع الاشعار "شکتی رتناکر" میں پیش کیے گئے ہیں تیلوگو زبان کی کتاب "بادان نیتی" اسی کتاب پر مبنی ہے۔ ودیاناتھ اور اگست نام کے مصنف کو ایک ہی مصنف سمجھا جاتا ہے اگست 74 کاویوں کا مصنف کہا جاتا ہے۔ ان میں "بال بھارت" شامل ہے۔ یہ نظم مہابھارت کا بیس ابواب میں خلاصہ ہے۔ اس پر کرشن دیو رائے کے وزیر سلواتما نے تفسیر لکھی تھی۔ کرشن بیرے کی "..." میں بھاگوت کا خلاصہ ہے۔ اور "نل کیرتی کومدی" میں نل اور "دمینتی" کے مقبول عام افسانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ وشوناتھ کی تصنیف کردہ کتاب "ساہتیہ درپن" شعریت پر ایک جامع تنقید ہے۔ وشوناتھ (1350) اڑیسہ کے کسی راجہ نرسنگھ کے دربار میں تھا۔ اس نام کے دو اور راجہ اڑیسہ میں حکومت کر چکے تھے۔

وجے نگر کے بادشاہ بکا اوّل کا دوسرا لڑکا کمار کمپن کی کامرانیوں کا ذکر اس کی بیوی گنگا دیوی نے اپنی دلکش نظم "مدھوراوجیم" (مدورا کی فتح) میں کیا ہے ودیارتیہ کا ایک شاگرد وامن بھٹ

کوکونددو کے ریڈی راجہ پیڈاکومتی ویم (1415-1398) کی سرپرستی حاصل تھی۔ وامن بھٹ نے نثر میں ایک کتاب "ویم بھوپال چرت" تصنیف کی اس کتاب میں عشق و محبت کی داستان کے ذریعہ وامن بھٹ نے اپنے سرپرست پیڈاکومی ودیم کو شہرت بخشی۔ اس کتاب کو نثر میں تحریر کرنے کا مقصد بان سے مقابلہ کرنا تھا اور بھٹ کو اپنی کوشش میں نمایاں طور پر کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ اس کی دوسری تصانیف میں "نل ابھیودے" "رگھوناتھ چرت کاویہ" اور دو ڈرامے "پاروتی پری نیہ" اور "کنک لیکھا کلیاں" شامل ہیں۔ پیڈاکومتی ویم خود بھی انشاپرداز تھا۔ اس نے عاشقانہ نظم "امرشوتک" اور ہال کی پراکرت میں مجمع الاشعار "سپت شتی سار" پر جس میں ایک سو اشعار منتخب کرکے رکھے گئے ہیں۔ شرح میں تحریر کرنے کے علاوہ موسیقی اور تنقید شاعری پر دیگر دو ذاتی تصانیف ساہتیہ چینامنی اور سنگیت چینامنی تصنیف کیں۔ پیڈاکومتی کی طرح اس کا پیش رو کمارگری بھی مصنف تھا اور ادیبوں کی سرپرستی بھی کرتا تھا۔ اس نے رقص پر ایک کتاب "وسنت راجیہ" تصنیف کی۔ اس کتاب کا نام اس کے ایک لقب پر رکھا گیا۔ اس کا بہنوئی (اور وزیر) کا تیہ ویم نے کالیداس کے ڈراموں پر شرحیں تحریر کیں۔

وجیہ نگر حکومت کے ابتدائی زمانہ میں اگر نظموں، ڈراموں اور تنقید کی تصنیفات کا سرکاری طور پر جائزہ لیا جائے تو "رسارو سدھاکر" (Rasarnavasudhakara) کا نام قابل ذکر ہے۔ یہ کتاب رس اور ڈرامہ نویسی کے اصولوں پر ایک ادبی مقالہ ہے ——— رسانا و سدھاکر کا مصنف راج کوند کا سنگم بھوپال بتایا جاتا ہے۔ لیکن اس تصنیف کے لیے اس کے دربار کے شاعر وش ویشورکو مستحق ہونا چاہیے جس نے "چمتکار چندریکا" تصنیف کی۔ یہ صنائع بدائع پر ایک اچھی کتاب ہے۔ شمالی ارکاٹ ضلع کے مولا ٹرم گاؤں کے ڈنڈنیس خاندان میں متعدد ممتاز مصنف پیدا ہوئے۔ راج ناتھ نے اپنے زبردست سالوانرسنگھ۔ (پندرھویں صدی کو دوسرے نصف حصہ میں) کی لڑائیوں پر ایک منظوم نیم تاریخی کتاب "سالوار بھے ادے" تصنیف کی بعد میں آنے والے ایک اور راج ناتھ کی جو سولھویں صدی میں اچیوت رائے کے زمانہ حکومت میں تھا۔ دو کتابیں "اچیوت رائے ابھے ادے" اور "بھگوت چمپو" قابل ذکر ہیں آخرالذکر کتاب اچیوت رائے کی حکومت کے واقعات کے سلسلہ میں بہت کارآمد ہے۔ کرشن دیو رائے، ادیب، شاعر، سپاہی اور مدبر تھا۔ وہ سنسکرت

اور تیلگو دونوں زبانوں میں مہارت رکھتا تھا اور تصنیف بھی کر سکتا تھا۔ اس کا ڈرامہ "جامبوتی کلیان" ایک بلند پایہ نظم کے علاوہ ڈرامانویسی کے اصول پر ایک نفیس تصنیف ہے۔ ترومالامبا کی "ورد امبکا پرینے" اس دور کا تاریخی کمپو ہے جس میں راجہ اچیوت رائے اور ورد امبکا کی شادی کا ذکر ہے۔

اس سلسلہ میں اپایا دکشت (92-1520) کا دوسرا نام ہے۔ اسے ویلور کے نایک سرداروں بالخصوص چینا بوما کی سرپرستی حاصل تھی "یادوابھیادے" پر اس کی تفسیر کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ تنقید شاعری اور ادب سے متعلق تصنیفات درج ذیل ہیں "چترامیماسا" اور "کلشاولی" کتابوں میں شاعری کی جملہ خصوصیات اور ادبی تنقید کی وضاحت کی گئی ہے۔ "کوولے انند" اگرچہ جے دیو کی کتاب چندر لوک کی توسیع ہے لیکن صنائع و بدائع کے موضوع پر ایک آزاد مقالہ بن گئی ہے۔ "ورتی وارتیکا" میں شاعری میں استعمال کیے گئے الفاظ کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ ورد راجستوے اور بھگتی سے متعلق دوسری نظمیں بھی ہیں۔ آپیہ دکشت کے خاندان میں ایسے متعدد مصنف پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔ ان سب کا یہاں پر ذکر کرنا ممکن نہیں ہے۔ نیل کنٹھ دکشت اپنے چچا کے مقابلہ میں کہیں بہتر شاعر تھا۔ اس کی متعدد تصنیفات اپنے ادب اور حسن و لطافت کے لحاظ سے اتنی بلند پایہ ہیں کہ گذشتہ صدی میں بھی نہیں ملتیں اس کی تمام تصانیف مثلاً نیل کنٹھ وجے چمپو (1637) گنگاوترن نل چرتہ ناٹک اور شو لیلارنو اس کی اعلا ذہانت کا ثبوت ہیں۔ نیل کنٹھ دشت مدیورا کے ترومل نایک کے وزیر کی حیثیت سے بھی مشہور رہے۔

تقریباً اسی زمانہ میں تنجور کے نایک دربار میں گووند دکشت کا عروج ہوا۔ نایک خاندان کا بانی شوآپا نایک اور اس کے جانشین گووند دکشت کی بہت عزت کرتے تھے۔ اس کی کتاب ساہتیہ سدھا آچیوت ابا اور رگھوناتھ کے زمانہ حکومت کی تواریخ ہے۔ گووند دکشت نے "سنگیت سدھ ندھی" بھی لکھی۔ اس کے دو لڑکے بھی انشا پرداز تھے۔ ایک لڑکے یاج نرائن نے رگھوناتھ نایک کی زندگی پر دو تصنیفات لکھیں ان میں ایک نظم "ساہتیہ رتناکر" اور دوسرا پانچ ایکٹ کا ایک ڈرامہ "رگھوناتھ ولاس" تھا۔ دوسرا لڑکا دینکٹ ماکھی تمام شاستروں پر لکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا لیکن اس کی تصنیف "کاویہ ساہتیہ سامراجیہ" دستیاب نہیں ہے۔ خود رگھوناتھ نایک نے بھی متعدد تصانیف کیں جن میں "پاری جات ہرن" والمیکی چرت، اگجنیدر موکش، نل چرت اور اچیوتیندر

ابھیودے" شامل ہیں۔ ان میں اجیونیندر ابھیودے اس کی والد کی سوانح حیات ہے، اس نے رموز، موسیقی پر بھی کتاب تحریر کی۔ شاعرہ رام بھدرامبا نے بھی رگھوناتھ نایک کی زندگی کو اپنا موضوع بنا کر "رگھوناتھ ابھیوا دے" تحریر کی۔ یہ کتاب اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ رگھوناتھ نایک شاعرہ کے دل میں کس قدر جذبۂ پرستش پیدا کرنے میں کامیاب ہوا۔

جنجی کے نایک سرداروں کی سرپرستی میں ایک اور دکشت خاندان کو ادبی شہرت نصیب ہوئی۔ سینہ منگلم کے رتن کھیت شری نواس دکشت کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے اٹھارہ ڈرامے اور ساٹھ منظوم تصنیفات کیں۔ ان میں بیشتر تصنیفات برباد ہوگئیں۔ بہرکیف سوریا نایک کی درخواست پر اس نے ایک مجازیہ ڈرامہ "بھاونا پرشوتم" لکھا۔ کرشن اور رکمنی کی شادی سے متعلق "بھیشمی پرے بنانے کمپو" ایک چھوٹی سی تصنیف ہے۔ شری نواس کے تین لڑکے تھے۔ ان میں راج چوڑامنی دکشت سب سے زیادہ مشہور رہے۔ چوڑامنی دکشت تنجور آکر آباد ہوگیا اور وینکٹ ماکھی کا شاگرد ہوگیا۔ اس کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے اپنی نوجوانی کی حالت میں ہی "کاملنی کال ہنس" منظوم کتاب تصنیف کی۔ اس کی دوسری تصنیفات ہیں۔ ایک ڈرامہ، "انند راگھو" ایک نظم "رکمنی کلیان" اور شنکر آچاریہ کی سوانح حیات "شنکر ابھیوادے" شامل ہیں۔ اسی نے میماسا اور دوسرے موضوع پر بھی کتابیں لکھیں جن کے بارے میں بعد میں ذکر کیا جائے گا۔

فلسفیانہ ادب کا جہاں تک سوال ہے۔ گوتم کے نیائے سوتر کے مفسر واتسیاین (350-400) کے بارے میں روایت مشہور ہے کہ وہ جنوبی ہندوستان کا رہنے والا تھا۔ لیکن قوانین عدلیہ پر جنوبی ہندوستان کا پہلا لکھنے والا وردراج ہی تھا۔ وہ غالباً بارھویں صدی کے وسط میں تھا۔ اس نے "تارک کرکش" کتاب لکھی اور اُدین کی کتاب کسم انجلی پر بودھنی نامی شرح تحریر کی۔ بھاسروگیہ کی کتاب "نیائے سار" پر ایہ ارک کی شرح بھی اسی زمانہ میں لکھی گئی۔ اس کتاب کا مصنف کونکن کا حکمراں تھا جو شلہار خاندان کا تھا۔ یہ یگیہ والیہ اسمرتی پر شرح کے لیے زیادہ مشہور ہے۔ "ترک بھاشا" پر دو شرحیں لکھی گئیں جن میں ایک مشہور و معروف ملّی ناتھ (تیرھویں صدی) اور دوسری چینو بھٹ (چودھویں صدی) نے تحریر کی۔ علم منطق پر سب سے زیادہ مقبول عام کتاب ترک سنگرہ" (1625) اور اس کی شرح دیپکا کا مصنف اَنّم بھٹ تھا جو چیتور کا باشندہ تھا۔ اس نے اس موضوع پر دوسری مشہور کتابوں کی شرحیں بھی لکھیں۔

جنوب میں پورومیماسا کی مقبولیت کی جانب اشارہ ان بے شمار کتبوں کے اوقاف سے حاصل ہوتا ہے جو خاص طور پر پربھاکر مکتب خیال کا مطالعہ کرنے کے لیے دیے گیے تھے ۔ پربھاکر مشہور و معروف کمارل کا شاگرد اور حلیف تھا۔ پربھاکر ہی نے اس حصّے میں پورومیماسا کو شہرت دی چونکہ کمارل آندھرا پردیش میں پیدا ہوا تھا اس لیے اسے آندھرا دیش کا باشندہ خیال کیا جاتا ہے۔ وہ شنکراچاریہ (انویں صدی) سے پہلے ہوا تھا۔ اس کی خاص تصانیف میں اشلوک، وابتکا، تنتر ورابِ تنکا اور تپتیکا ہیں۔ یہ تینوں مل کر جامنی کے میماسا سوتروں پر سبر سوامی کی کلاسیکی کتاب "بھاشیہ" پر شرح تکمیل کرتے ہیں۔ روایات کے مطابق پربھاکر شمالی تراونکور کا باشندہ تھا۔ اس نے بھی سبر کی بھاشیہ پر دو شرحیں لکھیں۔ ان میں سے ایک مختصر شرح لگھوی یا وِورن تھی جو اب دست یاب نہیں ہے۔ دوسری شرح برہتی یا بندھن تھی جس کے کچھ حصّے بچے ہیں اور جو بلاشبہ مصنّف کی جدّت پسندی اور منطقی مہارت کا ثبوت ہے۔ منڈن مصر بھی شنکراچاریہ سے پہلے پیدا ہوا تھا۔ اس نے اپنی "ودھی وویک" اور بھاوناوویک میں میماسا کے دو بنیادی موضوعات کی وضاحت کی ہے۔ شیر ساگر مصر (گیارھویں صدی) نے اپنی کتاب بھاشیہ دیپ میں سبر Sabara کی کتاب پر پربھاکر کے نظریہ کے مطابق ایک دو شرح تحریر کی۔ اس ہی مصنّف نے "ارتھ واوادی وچار Arthavadadivicara نامی دوسری کتاب بھی لکھی ہے۔ بارھویں صدی میں وردراج نے اپنی کتاب "نیائے وویک دیپکا" میں اسی مکتب خیال کے اصولوں کو بیان کیا ہے جنوبی ہندوستان میں میماسا پر بہت افراط کے ساتھ ادب موجود ہے اور یہاں اس ادب پر تبصرہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہم صرف مخصوص مصنّفین اور ان کی تصنیفات پر غور کر سکتے ہیں۔ ان میں سومیشور کی نیائے سدھا (1200) کمارل کی "تنتر وارتکا" پر ایک جامع شرح ہے۔ اس تنتر وارتیکا" پر گنگا دھر مصر نے تیرھویں صدی کے وسط میں "نیائے پرائن" شرح بھی تحریر کی۔ ویدانت واپشکا" کی تصانیف "میماسا پادُکا" اور "سیشور میماسا میں مختلف نظریوں کے درمیان ہم آہنگی قایم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سائین Sayana کے بھائی مادھو کی کتاب "نیائے مالا" اور اس کے "وستار" میں سبر (Sabara) کی کتاب "بھاشیہ" کے ہر حصّے کا خلاصہ پہلے نظم میں اور بعد میں نثر میں کیا گیا ہے۔ اپیہ دکشت نے میماسا پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں "ودھی رساین"، "اُپ کرم پراکرم"، اور وادن شاستر مالا بہت اعلا پیمانہ کی تصانیف ہیں۔ ان کے علاوہ اس نے

شاشتر دیپکا پر ایک شرح "میور کھاوالی" بھی تحریر کی۔ پارتھ سارتھی مصر نے کمارل کے مکتب خیال کی توضیح کی۔

ویدانت کے سلسلہ میں تینوں مکاتیب خیال کی ابتدا جنوبی ہندوستان میں ہی ہوئی۔ اس میں پہلا اور عظیم ترین نام شنکر کا ہے جس نے ہر زمانے میں ادویت ویدانت قایم کیا۔ اگرچہ اس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ 788 میں بمقام کلاڑی (شمالی تراونکور) میں پیدا ہوا تھا لیکن اس کی زندگی کے حالات کے بارے میں بہت کم واقفیت ہے۔ وہ 820 میں 32 سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ مخصوص اپنشدوں "برہم سوتر" اور بھگود گیتا پر اس نے حاشیہ لکھے ہیں۔ ان کے علاوہ اس نے "اپدیش سہتسری جیسے آزاد مقالہ بھی تحریر کیے ہیں۔ متعدد دوسری تصانیف بالخصوص استوترون (دین دارانہ نظمیات) کو شنکر کی تصانیف کہا جاتا ہے۔ لیکن حقیقتاً شنکر نے انھیں تصنیف نہیں کیا ہے۔ شنکر کی تصانیف کی ادبی قدر و قیمت عمیق فلسفہ کی بنا پر اسے دنیا کے عظیم مفکرین میں بہت بلند مرتبہ حاصل ہے۔ اس کے شاگرد سوریشور۔ جسے شور دپ بھی کہا جاتا ہے" یگیہ و اکیہ اسمرتی" پر بال کریڈا" شرح تحریر کی۔ اس نے اپنی کتاب "نیش کرمیہ سدھی" میں اپنے استاد کے بنیادی اصولوں کو اختصار کے ساتھ جامع طور پر بیان کیا۔ شنکر کے تیتریا در بر یدارن یک" اپنشدوں پر جو حاشیہ تصنیف کیں۔ ان پر سوریشور نے ورتکا یئں (تشریحات) تحریر کیں لیکن ان کے ماخذ کا پتہ نہیں چلتا — بہرکیف پدو پادکی "پنچ پادیکا" کا ذکر کیا جا سکتا ہے جو شنکر کے برہم سوتروں پر شنکر کے حاشیہ کی تشریح ہے۔ اس وقت صرف چار سوتروں پر یہ شرح دستیاب ہے، پدم پادکیرل کا رہنے والا برہمن تھا۔ منڈل مصر جس کے بارے میں پہلے ذکر کیا جا چکا ہے شنکر کا ہم عصر تھا۔ ادویت کے بارے میں اس کے مختلف خیالات تھے۔ جنھیں اس نے اپنی کتاب برہم سدھی میں واضح کیا ہے۔ اس کے بعد ادویت پر لکھنے والوں میں دوسرا نام سروگیاتمن (Sarvajn-atman) کا آتا ہے۔ یہ دسویں صدی کے اخیر میں تراونکور میں ہوا۔ اس کی مخصوص تصنیف "سنگچھیپ ساریرکا" ہے۔ یہ ایک ادبی مہ پارہ ہے۔ اس نے پنچ پرکریا اور "پرمان لکش" بھی لکھیں۔ میماںسک اور ویدانتیوں نے "پرمان لکش" کو علمیات پر مصدقہ کتاب تسلیم کیا ہے۔ گیان دھن کی "تتوے شدھی" اس موضوع پر اس عہد کی دوسری تصنیف ہے۔ شرین گیری (Sringeri) کی دینی پیشواؤں کی فہرست میں گیان دھن کے نام کا بھی ذکر ہے۔

گیان اوتم جس کے سوریشور کی کتاب "نیس کرم سدھی" پر شرح لکھی دو اور آزاد کتابیں "نیائے سدھا" اور "گیان سدھی" بھی لکھیں۔ اس کے بعد اس کے مشہور شاگرد سنگھ چلم کے چت سکھ (1200) کا نام آتا ہے۔ چت سکھ کی "بھاشیہ بھاو پرکاشیکا" برہم سوتر پر شنکر کے بھاشیہ کی بہترین شرح خیال کی جاتی ہے۔ اس کی دوسری تصانیف میں سب سے مشہور "تتو پرے دیپکا" ہے جو ادویت پر ایک آزاد کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ اس کے شاگردوں میں سکھ پرکاش کا ایک شاگرد امال آنند یادو راجہ کرشن اور مہادیو (71 — 1246) کے عہد حکومت میں گوداوری ندی کے کنارے ناسک کے قریب رہتا تھا۔ اس کی کتاب ویدانت کلپ ترو، واچس پتی مصر کی کتاب بھامتی پر ایک جامع شرح ہے۔ بھامتی خود شنکر کی برہم سوتر بھاشیہ پر تفسیر ہے۔ اور شاستر درمن۔ بھامتی مکتب خیال کے اصولوں کی وضاحت ہے۔ شنکر آنند نے (1250) اتم پران تحریر کیا۔ اس میں اپنشدوں کے خلاصہ کو انا یستوپ بحر میں پیش کیا گیا ہے۔ اس نے خاص اپنشدوں اور شنکر کی برہم سوتر بھاشیہ پر بھی شرحیں تحریر کیں۔ کیرل کے رگھو انند منی کی کتاب "سرو ست سنگرہ" ہندو فلسفہ کے مختلف طریقوں کا لب لباب ہے اور مادھو آچاریہ کی مشہور کتاب "سرو درشن سنگرہ کی پیش رو ہے۔ رگھو انند کی "پرمارتھ سار"، مکند بالا اور بھگوت پران پر شرحیں جنھیں کرشن پدی کہا جاتا ہے۔ ادب کے مختلف شعبوں میں شعر کی علمی قابلیت کا پتہ دیتی ہیں کلاسیکی کتابوں پر شرحیں تحریر کرنے، اصولوں کو دوبارہ پیش کرنے اور سنوارنے کا سلسلہ مستعدی کے ساتھ پشت در پشت چلتا رہا۔ ہم بعد کے فرضی ادب کی صرف سب مشہور تصنیفات پر ہی غور کر سکتے ہیں۔ ان میں قابل ذکر تصنیفات درج ذیل ہیں۔ ودیا رنیہ کی دورن پر سیہ سنگرہ اور "جیون مکتی وویک" " پنچ داس جس کے مصنف کے بارے میں بھارتی تیرتھ بتایا جاتا ہے۔ لیکن بعض اسے اس کے شاگرد ہی کی تصنیف مانتے ہیں۔ سیانا مادھو (Sayana Madhava) کی کتاب "سرو درشن سنگرہ جو فلسفے کے متضاد طریقوں پر تبصرہ کرکے ادویت کو فوقیت دیتی ہے، کھنڈول کھنڈ، کھادیہ، برہم سدھی دورن اور" نیائے چندریکا" پہلی تینوں کتابوں پر انند پورن (1410ء) نے شرحیں تصنیف کی ہیں۔ آپیہ دکشت کی ضمنی شرح " ویدانت کا پتر و پریمل" اور "سدھانت یش سنگرہ" ادویت کے مختلف مکاتیب خیال کا خلاصہ ہے۔ مادھو کے دویت واد کے خلاف تصنیف کردہ "مادھو تنتر مکھ مردن"۔ اور اخیر میں دھرم راج ادھورین کی "ویدانت پری بھاشا" کے نام قابل ذکر ہیں۔ ویدانت پری بھاشا ادویت پر سب سے مشہور کتاب ہے۔

وشنو دھرم کا سب سے پہلا عظیم آچاریہ ناتھ منی یا رنگ ناتھ منی ر 924- 824) کی "یوگ رہسیہ" اور "نیائے تتو" سے وششٹ ادویت کی ابتدا قایم کی جاسکتی ہے۔ یہ آلوار کے پیروکار تھے۔ اس کے بعد ناتھ منی کے پوتے یمن آچاریہ (پیدائش 917) کا نام آتا ہے اس نے اپنی تصانیف جن میں "سدھی تریا" "گیتا رتھ سنگرہ" اور "اگم پرامانیہ" شامل ہیں۔ وششٹ ادویت کی مزید وضاحت کی ہے۔ اس نے "استو تر رتن" نظم بھی لکھی۔ یہ نظم بھگتی کے جذبے سے بھری ہوئی ہے۔ وششٹ ادویت کے حقیقی بانی شری رامانج (پیدائش 1018) تھے۔ برہم سوتر پر ان کی کتاب شری بھاشیہ اس فرقہ کے افراد کے لیے ایک اہم کتاب ہے۔ رامانج نے بھاگوت گیتا پر اپنے نقطۂ نظر سے بھاشیہ تحریر کی۔ انھوں نے ویدارتھ سنگرہ بھی یہ ثابت کرنے کے لیے تصنیف کی کہ اپنشد بھی شنکر کے دھرم کی نہیں بلکہ ان کے دھرم کی تائید کرتے ہیں۔ ان کی کتابیں "ویدانت سار" اور "ویدانت دیپ" برہم سوتر پر صرف شرحیں ہیں۔ پاراشر بھٹ نے جو شری رنگم 1137 میں رامانج کے بعد گدی نشین ہوئے "تتوے رتناکر" تصنیف کی۔ یہ کتاب اب دستیاب نہیں ہے۔ انھوں نے "وشنو سہنتر" پر بھی تفسیر لکھی۔ نارائن اریہ کی تصنیف مالا جو 1200 سے قبل لکھی گئی، اور ندا دُر اُمّاں کی "پرمیے مالا" اور "تتو سار" میں وششٹ ادویت دھرم کے اصولوں کی دوبارہ وضاحت کی گئی ہے۔ اُمّاں نے اپنی کتاب "پرپن پری جات" میں پرپتی (خود سپردگی) کے اصولوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ندا ور امّاں کے ایک اور شاگرد سدرشن بھٹ نے رامانج کی کتاب شری بھاشیہ پر "شروت پرکاشکا" نام کی مشہور شرح تصنیف کی۔ روایت ہے کہ وہ 1175 میں پیدا ہوا تھا اور جب مسلم حملہ آوروں نے شری رنگم کو لوٹا تو وہ اپنی شرح کو دریائے کاویری کے ریت میں گاڑ کر بھاگ گیا۔ لیکن یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہوسکتیں۔ یہ شرح کافی ضخیم اور عالمانہ ہے۔ اس وقت سے اب تک اس کتاب پر متعدد تفسیریں تحریر بھی کی جاچکی ہیں۔ سدرشن نے "شرت پرے دیپکا" اور رامانج کی ویدارتھ سنگرہ اور بھاگوت پر تفسیریں لکھیں۔ اس کی آخری کتاب کا نام سکھ پکش تھا۔ ندا ور امّاں کا ایک اور شاگرد دپلائی لوگ آچاریہ تھا۔ یہ ایک مشہور مصنف بھی تھا۔ اس نے "وچن بھوشن" "آچاریہ ہردے" اور "تتو ویک" کتابیں تصنیف کیں۔ اس کے علاوہ اس نے تامل میں بھی کئی کتابیں لکھیں۔ وہ تینگلی (جنوبی شاخ) سامپردائے کا بھی بانی تھا۔ ندا ور امّاں کا تیسرا شاگرد اتمے رامانج (پیدائش 1220) تھا۔ اس نے اپنی کتاب "نیائے کلش" میں ویدانت کے

عام اصولوں کی وضاحت کی ہے۔ اور بعض ابواب میں ادویت اور وشششٹ ادویت کے درمیان فرق کو بھی واضح کیا ہے۔ اس کی دوسری تصانیف ضائع ہوگئی ہیں۔ ویدانت دیشکا (1268-1369) اترے راما نج کا بھانجہ اور شاگرد تھا۔ اس نے راما نج کی کتاب شری بھاشیہ پر "تتو ٹیکا" (Tattvatika) اور "گیتا بھاشیہ" پر "تات پریہ چندریکا" نامی شرحیں تحریر کیں۔ اس کے علاوہ اس نے "نیائے سدھانجن" "سروارتھ سدھی"، اور "تتوے مکتا کلپ" کی آزاد کتابیں بھی تحریر کیں۔ یہ کتابیں وششٹ ادویت پر تصنیف کی گئیں۔ اس نے اپنی کتاب ست روشنی میں ادویت پر سخت اعتراضات کیے ہیں۔ مشہور و معروف تینگلئی سنت "مان وال مہا منی" [Manavalamahamuni] (پیدائش 1370) نے تامل زبان سے رغبت رکھنے کے باوجود سنسکرت زبان میں "تتوے ترے، رہسیہ تریئے" "شری بچن بھوشن" گیان سارا ور پر میے سار کتابیں تصنیف کیں۔ اگر چہ وجیہ نگر شہنشاہوں کی سرپرستی میں وشنو دھرم نے ترقی کی اور متعدد تصانیف بھی کی گئیں لیکن فلسفیانہ خیالات میں برائے نام ہی ترمی ہوئی۔

شو دھرم کا فلسفہ بھی وششٹ ادویت تھا۔ سنسکرت میں شو دھرم پر سب سے قدیم لکھنے والا شاید ہردت اچاریہ (پیدائش 1116) تھا۔ اس کی کتاب "شروتی سوکتی مالا" (جسے چتر ویدات پریہ سنگرہ بھی کہتے ہیں) میں شو دھرم کی نمایاں خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کی کتاب "ہری ہر تارتمیہ" مخصوص طور پر فرقہ پرستانہ مناظرہ ہے۔ اس کے بعد شری کنٹھ ہوا جس نے اپنی کتاب "برہم میماسا بھاشیہ" میں بادراین (Badrayana) کے سوتروں کو شو دھرم کے نقطۂ نگاہ سے بیان کیا ہے۔ شری کنٹھ غالباً وہی اچاریہ تھا جو اگھور تو اچاریہ کے کہنے کے مطابق گوڑ سے چیدامبرم میں نٹ راج کی پرستش کے لیے آیا تھا اور جسے وکرم چول نے اپنا گرو مان لیا تھا۔ شری کنٹھ کی بھاشیہ اور راما نج کی "شری بھاشیہ" میں نمایاں طور پر لفظی مطابقت پائی جاتی ہے۔ تامل کی کتابوں میں تو سدا ضت طریقہ میں امتیاز کے خیال سے شری کنٹھ کے طریقہ کو شو ادویت کہا گیا ہے۔ دونوں طریقوں کو ایک ہی تصور کرنے کی کوششیں ناکامیاب ہوئیں۔ اگھور شو اچاریہ (1158) نے بھوج دیو کی کتاب "تتوے پرکاشیکا" اور اونچے درجہ کی فلسفیانہ کتاب "میر گیندر اگم" پہ جو تفسیریں تحریر کیں وہ شو فلسفہ کی تاریخ میں بہت اہم مانی جاتی ہیں۔ اما پتی شو اچاریہ (1290-1320) کی "پوش کر سنگیت" پر بھاشیہ میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ شو ہی پرستش کے قابل ایک دیوتا ہے۔ تنجور ضلع میں سوریہ نار کویل کے مٹھ کا ناں شو اچاریہ

جو تنجور کے شو اپا نایک کا گرو تھا۔ اس نے میکندر کی تامل کتاب پر نہیں بلکہ "رودراگم" کے ایک حصّہ پر جس کا نام شوو گیان بودھ تھا شوو دھرم کے لحاظ سے ایک تفسیر تحریر کی۔ یہ شرح اس لیے اور بھی اہم ہے کہ اس میں ان کتابوں سے جواب دستیاب نہیں ہیں اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔ "شیو پری بھاشا" "شو اگر پدعتی"، اور کرپا دیپکا اس کی دوسری تصنیفات ہیں۔ شو پری بھاشا کے پانچ حصوں میں شو دھرم کے مختلف درجوں کو بیان کیا گیا ہے۔ بقیہ دونوں کتابوں میں عبادت اور تیاگ کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ شری کنٹھ کے کام کو نیل کنٹھ (1400) نے آگے بڑھایا۔ نیل کنٹھ نے شری کنٹھ کی بھاشیہ کے خلاصہ کو اپنی کتاب کریا سار میں نظم کی صورت میں پیش کیا اور شو دھرم اور ویرشو کے فلسفہ کے درمیان مشترک نکات تلاش کرنے کی کوشش کی۔ آپلیہ دکشت نے اپنی کتاب "شوراک منی دیپکا کی شکل میں شری کنٹھ کی کتاب پر ایک بے پایاں شرح تحریر کی اور نمایاں طور پر شو فلسفہ کو مالا مال کیا۔

مادھو نے جسے انند تیرتھ بھی (1275-1198) کہا جاتا ہے۔ برہم سوتروں پر اپنی بھاشیہ اور بعد میں ان ... کی تائید میں جو بھاشیہ میں اخذ کیے گئے۔ ایک کتاب "انو دیاکھیہ" تصنیف کر کے ... فلسفہ کی وضاحت کی۔ اس نے اپنشدوں اور بھاگوت گیتا پر بھی تفسیریں تحریر کیں۔ ... بھارت ... پر یہ ترنے" کتاب میں مہابھارت کا خلاصہ پیش کیا۔ اس کے علاوہ اس نے رگ وید کے منتروں پر "رگ وید ویاکھیہ" نام کی شرح بھی تحریر کی۔ اس نے مخالف مکتب خیال کے اصولوں کی تردید کرتے ہوئے بھی متعدد تصنیفات کیں۔ اس نے ویدوں اور منطقی ثبوت کے ... سبتاً پرانوں کا زیادہ سہارا لیا۔ جے تیرتھ (وفات 1388) جو مادھو کے شاگرد اکشو بھیہ تیرتھ کا شاگرد اور ودیارنیہ کا ہم زمانہ تھا۔ مادھو اچاریہ کی تصانیف کا سب سے زیادہ توضیح کرنے والا تھا اور اسی بنا پر اسے "ٹکاچاریہ" کا خطاب بھی ملا تھا۔ اس نے مادھو کی تصانیف "برہم سوتر بھاشیہ" اور "واداولی" پر مناظرے کے طور پر دو کتابیں لکھیں۔ دویت فلسفہ کی توضیح کرنے والوں میں دوسرا عظیم نام ویاس رائے (1539-1447) کا آتا ہے۔ وجے نگر کا شہنشاہ کرشن دیو رائے اس کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اس کی کتابیں "بھید وجیون" اور "تات پریہ چندریکا" میں ادویت واد کے اصولوں کو مختصراً دوبارہ بیان کیا گیا۔ اس نے ادویت واد کے خلاف "نیائے امرت" لکھی اور ماہرین منطق کے اخذ کردہ نتائج کی تردید کرتے ہوئے "ترک تامدو" تحریر کی۔ ویاس رائے کے ایک شاگرد وادی راج "یکت مالیکا" کتاب تصنیف کی۔

اس کتاب میں شنکر کے اصولوں پر نکتہ چینی کی گئی ہے۔ ویاس رائے کا دوسرے شاگرد وجے اندر کو تنجور کے شوا پا نایک کے دربار میں بڑی عزت حاصل تھی۔ اس نے ویاس رائے کی کتابوں پر شرحیں تحریر کیں اور ان کے علاوہ آپیہ دکشت کی کتابوں کی مخالفت کرتے ہوئے مخالفانہ مواد سے "اب سنگھار وجے" اور مادھو تنتر مکھ بھوشن تحریر کیں۔ آپیہ دکشت کی کتاب "شوتتوے وویک" کے جواب میں "پرے تتوے پرکاش" تصنیف کی۔ اس نے کتب کو کم میں مختلف کتابیں لکھتے ہوئے اپنے آخری ایام گذارے۔

مذہبی ادب (دھرم شاستر) کے حلقہ میں برہم سوتر کے بعد سب سے قدیم کتاب یگیہ والکیہ اسمرتی پر "وشوروپ" کی شرح "بال کرہیترا" ہے "وشوروپ" کا دوسرا نام سوریشور تھا۔ یہ شنکر کا شاگرد تھا۔ اس کے بعد دوسرا قدیم مصنف بھاروچی تھا جس نے وشنو دھرم سوتر اور منوسمرتی پر تفسیر لکھی۔ وشنو دھرم سوتر پر تو شرح ضائع ہو گئیں لیکن منوسمرتی پر نامکمل صورت میں ابھی حال میں دریافت ہوئی ہے۔ شرعی ادب کے حلقہ میں سب سے مشہور نام شاید وگیا نیشور کا ہے جو چالوکیہ حکمراں وکرمادیتہ کے دربار کی زینت تھا۔ اس نے متعدد قدیم تصنیفات کی بنیاد پر اپنی کتاب "متاکشرا تحریر کی۔ یہ مکیہ واکیہ پر تفسیر ہے۔ یہ اس موضوع پر بہت اہم تصنیف ہے۔ اور پورے جنوبی ہندوستان کے علاوہ شمالی ہندوستان کے بہت بڑے حصے میں قابل قدر سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب پر بعد میں مصنفین نے تفسیریں تحریر کیں۔ کول بروک نے وراثت سے متعلق اس کتاب کے حصہ کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اور اسے برطانوی ہند کی عدالتوں میں رائج کیا وگیا نیشور کی دوسری کتاب "اشوک وشک" یا وشنش لوکی بتائی جاتی ہے۔ اس کتاب کی دس شکل نظموں میں موت کے بعد کی گندگی کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس عظیم مصنف کے ایک شاگرد نارائن نے ضابطہ دیوانی پر ایک کتاب "دیوہار شرومنی" تصنیف کی۔ اس کتاب کے کچھ ہی حصے بچ سکے ہیں۔ کونکن کے شلہار حکمراں اپرارک یا اپرادتیہ اوّل نے بارھویں صدی کے شروع میں "یگیہ ولکیہ سمرتی پر ایک جامع شرح تحریر کی۔ یہ متاکشرا سے بھی بڑھ گئی ہے۔ اور یگیہ ولکیہ کتاب کی صرف شرح ہی نہ رہ کر ایک آزاد کتاب کی صورت اختیار کر گئی۔ وردراج کی کتاب "وبوہار نرنائے" کے تصنیف کے بارے میں مختلف تاریخیں مثلاً 1297 یا 1500 بیں بتائی جاتی ہیں۔ یہ کتاب میماسا کے اصولوں کے خیال سے قوانین عدلیہ کی ترجمانی کے لیے بہت اہم ہے۔ جنوبی ہندوستان کے مجموعہ قوانین

ہیں۔ یہ کتاب اور اس سے بھی زیادہ جامع دیون بھٹ کی کتاب" اسمرتی چندریکا" مخصوص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دیون بھٹ کی کتاب سے ہیمادری نے زیادہ تر اقتباسات بھی پیش کیے ہیں۔ تیرھویں صدی کے دوسرے نصف حصہ میں ہردت نے اپ استمب اور گوتم کے دھرم سوتروں پر شرحیں تحریر کیں، جو اپنی جگہ پر نمونہ ہیں۔ متاکشر اپر" سبودھنی" کے مصنف وشیشور (1375) نے اپنی کتاب میں اس سے اقتباسات پیش کیے ہیں۔ یادو راجہ مہادیو (71-1260) اور اس کے جانشین کا وزیر ہیمادری نے قوانین کا ایک قاموسی خلاصہ تیار کیا۔ اس کتاب کا نام "چتر ورگ چینامنی" تھا۔ اس مجموعہ میں ورت دان، تیرتھ، موکش اور پری شیش پر پانچ ابواب ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ہیمادری نے پرائشچت اور ضابطہ دیوانی پر بھی دو اور حصے پیش کیے لیکن وہ دستیاب نہیں ہیں "چتر ورگ چینامنی" میں چھ ہزار سے زیادہ صفحات ہیں اور اس کتاب میں جن موضوع کو داخل کیا گیا ہے ان کی بنا پر یہ ایک ضخیم مجموعہ کہلاتا ہے۔ وجیہ نگر کی شان و شوکت کا ایک حصہ ساین کے بھائی سادھو کی تصانیف ہیں۔ مادھو کی "پاراشر اسمرتی" پر اس کی شرح "پاراشر مادھویہ" ایک عالمانہ تصنیف ہے جس میں دیوہار پر بھی جس سے پاراشر نے کوتاہی کی ہے ایک مقالہ تحریر کیا گیا ہے۔ ساین نے خود متعدد چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھیں۔ چنانچہ پرائشچت پر اس کی کتاب "سدھاندھی" ہے ویدک طریقے سے عبادت کے رسوم کی ادائیگی پر "یگیہ تنتر" ہے۔ انسانی کوششوں کے مقاصد پر "پروشارتھ" وغیرہ کتابیں ہیں۔ دونوں بھائیوں نے چودھویں صدی کے پہلے نصف حصہ میں اپنی اپنی تصانیف کیں۔ ڈلپتی نے اپنی کتاب "نرسنگھ پرشاد" کے بارہ حصوں میں تشریح اور ضابطہ دیوانی کے تمام پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔ دلپتی (1490-1533) احمد نگر کے نظام شاہی دربار میں ایک اعلا ہندو افسر تھا۔ اڑیسہ کے پرتاپ رودر گجپتی نے سابق مصنفین مثلاً وگیانیشور، اپرارکا اور بھوجی کے خیالات کی بظاہر خامیوں کو دور کرنے کے خیال سے "سرسوتی ولاس" منظوم کتاب تصنیف کی۔ اس کا صرف دیوہار کا حصہ ہی مل سکا ہے یہ خیال کہ اڑیسہ کے راجہ نے تصنیف کیا مشکوک ہے بلکہ اسے ہمہ داں لکشمی دھر کی تصانیف میں شمار کیا جاتا ہے۔ ضلع چنگلے پٹ کا رہنے والا ہرت وینکٹ اچاریہ (نولا پتر) (1500 - 1450) کی تصنیف "اسمرتی رتناکر" جنوبی ہندوستان کے وشنو دھرم ماننے والوں کے لیے آج بھی مذہبی قانون کی وضاحت کرنے والی مستند کتاب مانی جاتی ہے۔ چنگلے پٹ نے وشنو دھرم

کے متعلقہ ادب پیدا کیے۔ وید ناتھ گنت نے سترھویں صدی کے شروع حصے میں جو کتاب "اسمرتی مکتا پھل" تصنیف کی اس کو بھی اسمارتوں میں یہی درجہ حاصل ہے۔ سولھویں اور سترھویں صدی میں جنوبی ہندوستان کے نایک حکمرانوں کے تحت ادب کے مختلف شعبوں کی طرح شرعی ادب میں بھی متعدد کتابیں تصنیف کی گئیں۔

فرہنگ نویسی کے سلسلہ میں راماپخ کے اتالیق یادو پرکاش کی ویجینتی کو متاخرین نے مستند لغت قرار دیا ہے۔ یہ لغت دو حصوں میں ہے۔ پہلا حصہ مترادف اور دوسرا متضاد الفاظ پر مشتمل ہے۔ کرناٹک کا دگمبر جین مصنف دھننجیہ (1150) نے تقریباً دوسو اشعار میں مترادف الفاظ کی ایک کتاب نام مالا کی تصنیف کی۔ کرناٹک کے دوسرے مصنف جاٹ وید دکشت (1250) نے اپنی کتاب "ورہد ورتی" نام سے "امرکوش" کی لغت تیار کی۔ اخیر میں ومن بھٹ مان نے جس کی نثر اور ڈرامہ نویسی کے بارے میں پہلے ذکر کیا جا چکا ہے "شبد چندریکا" اور "شبد رتناکر" دو فرہنگ پیش کیں جو قابل تعریف ہیں۔

گرامر کے سلسلہ میں مشہور ومعروف گن آدھیا کا ہم عصر سرورمن جو ستواہنوں کے دربار میں رہتا تھا اپنے حکمراں اور سرپرست کے لیے "کاتنتر سوتر" نام کی ایک آسان گرامر لکھی یہیں سے کاتنتر مکتب خیال کی ابتدا ہوئی۔ یہ کتاب دوسری ریاستوں کے نسبتاً بنگال میں زیادہ رائج ہوئی۔ راشٹرکوٹ حکمراں اموگھورش اوّل (817-77) کے عہد حکومت میں جنوب میں شاکٹائن نام کا دوسرا طریقہ رائج ہوا۔ اس نے "شبد انو شاشن" کتاب لکھی جو چار ابواب پر مشتمل ہے۔ اس نے اپنے طریقہ کو مکمل کرنے کے خیال سے معاون مقالے بھی تحریر کیے اور اپنے سرپرست کے نام پر "اموگھ ورتی" نام کی ایک شرح بھی اپنی ہی کتاب "شبد انو شاشن" پر تحریر کی۔ پانینی کی گرامر پر قدیم ترین لکھنے والا ہردت نامی ایک شخص نویں صدی میں ہوا۔ یہ جنوبی ہندوستان کا پہلا شخص تھا جس نے وامن اور جے دیتہ کی کتاب "کاشیکا" پر "پد منجری" نام کی شرح لکھی۔ یہ کتاب بہت اونچے درجہ کی اور مستند خیال کی جاتی ہے۔ تیرھویں صدی میں کرشن لیلا شک نامی ایک شخص نے ایک ہی طرح کے الفاظ پر اشعار کا ایک مقالہ تحریر کیا جو دیو کی کتاب "دیوے" پر شرح کی صورت میں تھا۔ کرشن لیلا شک کی کتاب کا نام "پروشیکار" تھا۔ یہ شرح جو اپنے کو "وارتیکا" بتاتی ہے۔ گرامر کی کتابوں میں اونچا درجہ رکھتی ہے۔ ویدوں کے عظیم مفسر مادھو کی کتاب "مادھونیہ دھاتو ورتی"، پانینی کی کتاب "دھاتو پاٹھ" پر شرح ہے۔

اس کتاب میں ایسے الفاظ کے ارتقا کی وضاحت کی گئی ہے جن کا اصل لفظ کسی کتاب میں نہیں ملتا آپ یہ وکشت کا ہم عصر لیکن عمر میں اس سے چھوٹا بھٹوجی دکشت کی کتاب "سدھانت کومدی" آج سنسکرت گرامر کی مقبول عام کتاب ہے۔

بعض لحاظ سے کیرل کو سنسکرت زبان اور اس کی ترقی کے اداروں کی بنا پر ابتدا سے ہی خصوصی اہمیت حاصل تھی اور پندرھویں صدی سے جب کہ کالی کٹ کا بادشاہ زامورن کیرل کا ایک طاقت ور حکمراں ثابت ہوا تو یہ صورت اور بھی واضح ہو گئی۔ اس خاندان کے ایک ابتدائی حکمراں نے عام تبادلہ خیالات کے لیے ادبا اور شعرا کا سالانہ جلسہ کیا۔ اس جلسہ میں جو شخص سب سے زیادہ مستحسن قرار دیا جاتا تھا اسے بھٹ کا خطاب اور نقد روپیہ بطور انعام دیا جاتا تھا۔ یہ جلسہ بھتادانم کے نام سے مشہور تھا۔ یہ سلسلہ ڈیڑھ سو برس تک چلتا رہا اور جلسہ میں شریک ہونے کے لیے دور دراز ممالک سے ادبا کالی کٹ آتے رہے۔ مان وکرم زمورن جو پندرھویں صدی کے وسط میں کالی کٹ کا راجہ تھا خود ایک ممتاز ادیب اور عالموں کا سرپرست تھا۔ اجین کے روایتی بادشاہ وکرمادیتہ کے دربار میں جس طرح نو رتن تھے اسی طرح مان وکرم زمورن کے دربار میں اٹھارہ رتن تھے۔ ان کے علاوہ اس کے دربار میں ملیالم زبان کا پونم ایک الہامی شاعر تھا۔ اسے آدھے رتن کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا تھا۔ ان ساڑھے اٹھارہ رتنوں (پڈی اینے ٹرکوی گل) (Padienettarakkavigal) میں کچھ ہی نام بچ سکے ہیں۔ رتنوں کے اس جھرمٹ میں پیتور (Payyur) کے بھٹ تریون کو میماسا ادب میں خصوصی درجہ حاصل تھا۔ یہ سب اپنی جگہ پر اعلا پیمانہ کے انشا پرداز تھے۔ ان میں پرمیشور نام کے تین عالم ہوئے۔ سب سے اوّل پرمیشور نے واچس پتی مصر کی " بنائے رکنز دیکا " (میماسا) دو شرحیں لکھیں۔ اس نے ہری چرت نام سے 263 بندوں کی ایک مصنوعی نظم بھی، جس کا ہر بند ورور چی کی چند روایہ کے ایک جملے سے سلسلہ وار شروع ہوتا۔ اس کا پڑپوتا پرمیشور دوم میماسا چکرورتی کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے منڈن مصر کی اسفوت، سدھی (اسفوت کے اصولوں پر) اور " ویبرہم وویک " (تاریخ کھیاتی وادون کے بارے میں) پر عالمانہ شرحیں تحریر کیں۔ اس نے واچس پتی مصر کی "تتوے بندو" (لفظی ادراک کے ماخذ پر) اور چیدانند کی " نیتی تتوے ویر بھاؤ " (میماسا) پر بھی شرحیں لکھیں اس نے اسفوت سدھی پر جو اپنی شرح تحریر کی اس میں اس امر کا دعوا کیا ہے کہ وہ ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوا جس کے افراد منڈن مصر کی تصانیف پر مستند (مفسر) رہے ہیں۔ اس کا ایک

بھائی واسدیو دوئم بھی جو شاعر تھا۔ نویں صدی میں اسی نام کے شاعر کا اتباع کرتے ہوئے اس نے سرصرفی صفت پر تین نظمیں دیوی چرت، ستیہ تپ کتھا اور اچیوت لیلا لکھیں۔ پرمیشور دوئم کا پوتا پرمیشور سوئم تھا۔ دوسری تصنیفات کے علاوہ اس نے شبر سوامی کے طرز بیان میں جیمنی کے سوتروں پر "میماسا سوترارتھ سنگرہ" شرح تحریر کی۔

ضلع چنگلے پٹ میں پالار ندی کے کنارے واقع لاٹ پور رہنے والا پوڈنڈا (1430) مان وکرم کے دربار میں خصوصی حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے بھوبھوتی کی "مالتی مادھو" کے نمونے پر مالکا ماردت" ڈرامہ تصنیف کیا۔ اس عہد میں بے شمار مصنف ہوئے لیکن ان کا اور ان کی تصنیف کا تذکرہ کرنا یہاں ممکن نہیں ہے۔ پھر بھی جیس نمبوتری کی کتاب "تنترسموچیہ" کا ذکر ضروری ہے۔ یہ مندروں کی تعمیر، مورتیوں کے بیان، رسم رواج اور دوسرے متعلق موضوعات پر مستند کتاب ہے۔

مان وکرم کے دربار کے ادیبوں کے فوراً بعد ادب کے افق پر میلپتور نارائن بھٹ تری (1560 – 1666) ایک درخشندہ ستارے کے مانند نمودار ہوا۔ وہ ایک جید عالم تھا۔ اس نے جس موضوع کو بھی چھوا اسے جلا بخشی۔ اس کی مشہور و معروف نظم "نارائنیہ" میں ایک ہزار بند شامل ہیں اس نظم میں اس نے گروویور کی حمد میں گیت قایم کیے ہیں۔ یہ کتاب سنسکرت زبان میں وینداراتہ نظموں کا بہترین مجموعہ خیال کی جاتی ہے۔ اسے کیرل میں بھاگوت پران" کی طرح مقدس مانتے ہیں۔ اس نے گرامر میں بھی ایک کتاب "پرے کریا سروسو" تحریر کی۔ (اس کتاب کو کیرل میں اتنی ہی مقبولیت حاصل ہے جتنی کہ کیرل کے باہر "سدھانت کومدی" کو حاصل ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ بڑے شاعر کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ صرف نحو صرف کے اصولوں کے سختی کے ساتھ پابند رہیں بلکہ صرف و نحو کو ان کے تراکیب استعمال کو قبول کرنا چاہیے۔ اس نے اپنی کتاب "اپانیہ، پرامانیہ، سادھنا" میں اسی بات پر زور بھی دیا ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے اپنے اتالیق اچیوت پشی روٹی کا اتباع کیا جس نے پانینی سے انحراف کرکے اپنی ابتدائی کتاب "پرویشکا" میں صرف و نحو کے قواعد کو آسان بنا کر پیش کیا۔ نارائن بھٹ تری نے بھٹ میماسا کی ابتدائی کتاب "مان نے اُوئے" کا مان حصہ تحریر کیا۔ کالی کٹ کے ایک دوسرے نارائن نے جو مان وید کی سرپرستی میں تھا اس کتاب کا "میا" حصہ تحریر کرکے کتاب کو مکمل کیا۔ نارائن بھٹ تری نے چاکیار کے گانے کے لیے کئی کمبو بھی لکھے۔ اس کی زوردار تصنیف "ترانو

ناسک پربندھ'' ہے۔ اس کتاب میں ایک بھی لفظ ایسا نہیں ہے جس کی ادائیگی میں ناک کا استعمال کیا جاتا ہو۔ کیونکہ یہ شروپ نکھا کی ناک کٹ جانے کے بعد اس کی راون سے شکایت پر مشتمل ہے۔ بھٹ شری نے سوبرش سے بھی زیادہ عمر پائی اور تنجور کے رگھوناتھ نایک کے وزیر اعلا گیہ نارائن نے اسے عزت بخشی۔

کیرل میں ایسے خاندان تھے جنھوں نے پشت در پشت مخصوص موضوعات مثلاً فن تعمیر یعنی بڑھائی کا ٹ الم' میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ اس سلسلہ میں دستوو دینہ، منوشیالہ چندریکا اور شلپ رتن کی مخصوص کتابیں بھی ہیں۔ آیوروید میں آٹھ بڑے خاندانوں نے شہرت حاصل کر لی تھی اور انھیں علاج و معالجہ کے سلسلہ میں محافظ کہا جاتا تھا۔ کیرل میں فلکیات اور اختر شناسی کے شعبوں میں بھی لوگوں نے حصّہ لیا۔ یہ کیرل کا ہی وراروچی نامی ایک شخص تھا جس نے "چندر واکیہ" تصنیف کی۔ اس نے سال کے کسی دن میں بھی چاند کی حالت معلوم کرنے کے لیے "کٹ پے آدی' طریقہ ایجاد کیا۔ بھاسکر اوّل نے سدھانت ٹرومنی کے مشہور مصنف بھاسکر آچاریہ سے تقریباً پانچ صدی پہلے اپنی کتاب "بھاسکر آچاریہ" میں آریہ بھٹ کے اختر شناسی کے طریقوں کی وضاحت کی۔ کیرل میں یہ کتاب آج بھی رائج ہے۔ گووندسوامی نے اس پر ایک جامع حاشیہ تحریر کی۔ اس کے شاگرد شنکر نارائن نے 869 میں بھاسکر اوّل کی دوسری تصنیف "لگھو بھاسکریہ" پر شرح لکھی۔ ہیودے پورم کے روی ورمانے جو شنکر نارائن کا سرپرست اور خود بھی زبردست اختر شناس تھا ایک رسد خانہ بھی بنوایا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کولم کمپت بھی اُس نے شروع کیا۔ اس سے بھی قبل برہی دت اختر شناسی کا ایک اور ماہر تھا۔ اس نے اپنی کتاب گرہ چار بندھن تقریباً سات سوسن عیسوی میں لکھی۔ کیرل میں یہ کتاب صدیوں سے پربہت طریق شمار پر بنیادی کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ سنگم گرام کے مادھون نمبوتری تقریباً 1400 میں، چاند کی صحیح جانب شمار کرنے کے لیے وین وا روہا (Venvaroha) مقالہ تحریر کیا۔ لیکن فلکیات کی واقفیت کے سلسلہ میں پرمیشور اہم ترین شخص خیال کیا جاتا تھا۔ اس نے ذاتی مشاہدہ پر چاند اور سورج کی رفتار کے لیے 1431 میں "درگ گوت'' کا طریقہ ایجاد کیا۔ اس کے تحت پربہت طریقہ کی خامیوں کو رفع کیا گیا۔ پرمیشور نے فلکیات اور اختر شناسی پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں آریہ بھٹ پر شرح بھٹ دیپکا اور رگوں دیپکا قابل ذکر ہیں۔ گول دیپکا کے دو نسخے ہیں۔ اس شعبے کا دوسرا عالم دامودر کا شاگرد دو۔ پرمیشور کا بیٹا نیل کنٹھ سومایاجن تھا۔

اس کی متعدد تصانیف ہیں آر بہ بھٹ پر شرح بہت مشہور ہے۔ اس کے بعد ہم مشہور و معروف نارائن بھٹ شری کے اتالیق اچیوت پشے روتی کا ذکر کر سکتے ہیں۔ (1550-1621) اس نے اختر شناسی سے متعلق حساب لگانے کے لیے "کرن اوتم" اور گربنوں سے متعلق اپ راگ کیا کرم" کتابیں تصنیف کیں۔ اس کی دوسری تصنیفات میں دین درد پا پر ملیالم میں تحریر کردہ شرح قابل ذکر ہے۔ اس زمانہ میں اختر شناسی کا گہرا مطالعہ کیا گیا اور متعدد کتابیں بھی لکھی گئیں۔ لیکن ان کا بالتفصیل جائزہ لینا ممکن نہیں ہے

کیرل میں ہی کئی ماہرین صرف و نحو ہوئے۔ وارچ سنگرہ صرف و نحو کے بڑے بڑے موضوعات پر پچیس اشعار میں ایک مختصر مقالہ ہے۔ کوچین کے نزدیک اگنی ہوتری الم کے نارائن نمبوری نے اس کتاب پر شرح تحریر کی ہے اور دعوا کیا ہے کہ اس کتاب کا مصنف (ورج) ایا نینی کے قریب قریب ہم پلہ ہے۔ نارائن نے کیٹا (Kayata) کی کتاب "بھاشیہ پر دیپ" پر بھی ایک شرح لکھی ہے۔ کاشی الم کے ایک دوسرے نمبوری نے کاشیکا ورتی کی کتاب پر ورتی رتنم نام کی منظوم شرح لکھی۔ اس کتاب کے مصنف نے 3720 اشعار میں لگھو ورتی لکھی اور مادھو کی دھاتو ورتی کی بال منترم میں توضیح کی گئی ہے۔ دوسری تصانیف میں ایک اور نارائن نمبوری کی نظم سبھدرا ہرن قابل ذکر ہے۔ یہ کتاب 120 ابواب پر مشتمل ہے۔ اور انو اسٹوپ اشلوکوں کے ذریعہ پانینی کی گرامر کے مرتب کردہ قواعد کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ سلاست میں بھٹی اور بھوما کی تصنیفات سے زیادہ بہتر ہے۔

کیرل نے مندروں میں عبادت کرنے اور رسوم کی ادائیگی میں خصوصیت حاصل کی۔ اس سلسلہ میں کافی کتابیں بھی لکھی گئیں۔ روی کی کتاب "پریوگ منجری" اور ایشان شوگرو کی اٹھارہ ہزار اشعار پر مشتمل کتاب "پددھتی" اس سلسلے کے بہترین نمونے پیش کیے جا سکتے ہیں۔

موسیقی اور رقص پر سنسکرت کے بعض اہم مقالوں پر مختصراً غور کرنے کے بعد اس خاکے کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ کبوڈو مہاملئی رپدہ کو ٹانی کے موسیقی سے متعلق کتبے کو جس میں تار والے باجے پر مشق کرنے کے لیے ہدایتیں دی ہوئی ہیں۔ بغیر کسی معقول وجہ کے پلو مہیندر ورمن اول کا بتایا گیا ہے۔ اس کتبے کے اخیر میں ہم پڑھتے ہیں کہ یہ ایک شو راجہ کا کام تھا جو ساتویں یا آٹھویں صدی کے مشہور و معروف موسیقی کے اتالیق رودر آچاریہ کا شاگرد تھا۔ کلیان کے چالوکیہ راجہ جگدیپ مل (1138 1150) نے پانچ ابواب پر مشتمل ایک کتاب "سنگیت چوڑامنی" لکھی۔ دیوگری کے یادو راجہ سنگھن

(1200 — 1247) کے عہد حکومت میں شارنگ دیو نے ایک بلند پایہ کتاب "سنگیت رتناکر" تحریر کی۔ چالوکیہ خاندان کے ایک شہزادے نے جس کی شناخت نہیں کی جاسکی ہے۔ موسیقی اور رقص پر ایک کتاب "سنگیت سدھاکر" تصنیف کی۔ وجیہ نگر کے شہنشاہوں اور ان کے جاگیرداروں نے فنون لطیفہ کی بہت ہمت افزائی کی اور موسیقی و رقص کے اصول اور عمل دونوں میں کافی ترقی ہوئی۔ عظیم ودیا رنیہ نے ایک کتاب "سنگیت سار" تصنیف کی۔ فن موسیقی پر لکھنے والے کالی ناتھ نے ملک ارجن کی سرپرستی میں بہت فروغ پایا۔ اس کے پوتے رام اماتیہ نے "سُر میل کلاندھی" کتاب تصنیف کی۔ رام اماتیہ کو رام رائے کی سرپرستی حاصل تھی۔ کرشن دیورائے کے دربار کے موسیقار لکشمی نارائن نے "سنگیت سوریہ اودے" تصنیف کی۔ تنجور کے نایک دربار میں موسیقی پر دو کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں ایک گووند دکشت نے رگھو ناتھ نایک کے نام سے "سنگیت سدھا" اور اس کے وینکٹشور مکھی نے چتر وندی پرکاشیکا" تصنیف کی۔

ہندوستانی موسیقی کی ترقی میں جنوبی ہندوستان کو بہت قدیم زمانہ سے ایک اہم مقام حاصل رہا ہے۔ یہاں تک کہ بھرت جیسے قدیم مصنف نے بھی اندھری جاتی نام کی نے کا ذکر کیا ہے۔ اور متنگ اور شارنگ دیو جیسے بعد کے لکھنے والوں نے جنوبی ہندوستان کی موسیقی کے بارے میں مفصل طور پر وضاحت کی ہے۔ مذہبی احیا کی ساتویں اور آٹھویں صدی میں مل جل کر گانے (کورس) کو جو اہمیت حاصل تھی۔ اس سے لوگوں کو بخوبی واقفیت تھی۔ علاؤالدین خلجی نے امیر خسرو کی درخواست پر ماہر موسیقی و نغمہ نگار گوپال نایک کو شمالی ہندوستان میں مدعو کیا۔ کالی ناتھ نے گوپال نایک کا ایک "راگ کدمب" پیش کیا اور وینکٹ مکھی کا دعوا ہے کہ اس نے ہی چتر وندی کی تشہیر کی تھی۔ جس میں راگ کی چار شکلوں کا مثلاً گیت، پر بندھ، ٹھاپہ (ٹھاپ) اور الاپ کی وضاحت کی گئی ہے۔ وشنو سنت پورندر داس نے مختلف نغموں کو جنم دیا جس کا کرناٹکی موسیقی کی روایات کی تشکیل پر زبردست اثر پڑا۔ تل اپاکم نغمہ نگاروں کی چار نسلوں نے ترو پتی کے بھگوان وینکٹیش پر کافی کرتن پیش کیے اور کرتن کی نوعیت اور خصوصیت پر ایک کتاب "سم کرتن لکشن" تصنیف کی اور مار وواامپری (ضلع گنتور) کے مشہور نغمہ نگار چھتیراگیہ" اس زمانہ کے مشہور موسیقار ہیں جنھوں نے اس عہد کے آخری دور میں فروغ حاصل کیا۔

تامل:

سنگم عہد کے ادب کا مختصر ذکر اس کتاب کے ساتویں باب میں کیا جا چکا ہے۔ یہ تامل زبان

کی تصنیفات کی قدیم ترین جماعت ہے۔ سنگم ادب تامل اور آریائی دو ابتدائی مگر مختلف ثقافتی اثرات کا نتیجہ ہے۔ اس کی ابتدا کے بارے میں اب پتہ نہیں چلتا ہے۔ ہمیں اس ادب کی نثر اور نظم کا جو حصہ حاصل ہوا ہے۔ وہ بلا شبہ اس ادبی تحریک کی مقابلتاً بعد کے زمانہ کی نمائندگی کرتا ہے جس کے متعلق ہم نے 100 سے 130 سن عیسوی کی مدت تجویز کی ہے۔ مختلف تصنیفات کے صرف و نحو، مجموعہ الفاظ اور خیالات کا بغور مطالعہ کرنے پر ایک تجربکار پڑھنے والا ترقی کے تدریجی خاکے کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اور متعلقہ عہد کے بارے میں آزمائشی نتائج بھی اخذ کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر تولیکا پییم کو متذکرہ بالا عہد کے آخری دور کا تسلیم کیا جا سکتا ہے اور وہ مجمع الاشعار کالی توگئی اور پری پادل کا زمانہ کم سے کم سو برس بعد کا مانا جا سکتا ہے۔ کالی توگئی کی 150 نظموں کا خاص خاص موضوع جیسا کہ پانچ تنائیوں (دورتی مناظر) سے ظاہر ہے محبت ہے اہنانورو کتاب کے مقابلے میں ان نظموں میں موضوع کو تصنع کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ پری پادل میں بھی یہی تصنع پایا جاتا ہے۔ دونوں کتابوں میں زیورات کے نئے نام مثلاً یہ کہ واہو ولے یم (بازوبند) اور میکالئی (کردھنی) دیے گئے ہیں جو اس سے قبل کی تصنیفات میں نہیں ملتے۔ ایک بیان کے مطابق نلنڈونا نار نایک نامی ایک شخص کالی توگئی کے صرف ایک مبدل (حصے) کی نظموں کا شاعر تھا۔ لیکن ایک دوسرے بیان کے مطابق یہی شخص اس پورے مجموعہ کا مولف تھا۔ اس کتاب کا نام پری پادل اس مخصوص بحر کی بنا پر پڑا ہے جو ان نظموں میں استعمال کی گئی ہے۔ اصلی مجموعہ میں مختلف دیوتاؤں پر ستر گیت تھے۔ لیکن اب صرف چوبیس مکمل گیت اور بعض گیتوں کے حصے بچے ہیں۔ ان تمام گیتوں کے موضوع ترومال (وشنو) مروگ اور ویگئی ندی ہیں۔* یہ پہلی مثال ہے جب کہ ایک کتاب "ایشیت تامل" گانے کے لیے اور تامل کی موسیقی پر لکھی گئی۔ ان نغموں کا تعلق اپنشد اور پرانوں کی کتھاؤں سے زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ مختلف مکاتیب خیال کے بلند پایہ فلسفیانہ خیالات سے بر تر ہیں۔ پرلاد اور اسی طرح گوتم رشی کی بیوی اہلیہ کے ساتھ اندر کی بدچلنی کی داستان کو مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ مروگا کی جھ مادن اور وشنو کا گذریوں کے ساتھ رقص کرنے کے روایتی افسانے ہیں جو اس امر کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ یہ مجموعہ بعد کے زمانہ کا ہے۔

تامل ادب کی تاریخ میں دوسرا عہد ساڑھے تین سو برس (500-850) کا ہے اس عہد میں شمال کی جانب سے سنسکرت کا اثر اور بھی زیادہ نمایاں ہے۔ سنسکرت ادب سے بے شمار الفاظ اور خیالات، اخلاقیات، مذہب اور فلسفہ میں شامل کیے گئے ہیں۔ سنسکرت کے مجموعہ قوانین

اور دوسری خانوں کی تصنیفات کو معلمانہ ادب کی بنیاد تسلیم کر لیا گیا۔ اس عہد کی نمایاں خصوصیت ناصحانہ ادب رہی۔ کبھی کبھی سنسکرت کی پوری پوری کتابیں یا سنسکرت سے ملی جلی بولیوں کی کتابوں کا تامل زبان میں ترجمہ کر لیا گیا یا ان کی بنیاد پر کتابیں تیار کر لی گئیں چونکہ اس زمانہ میں جین اور بدھ دھرم کا بڑا زور تھا اس لیے اس کام کے شروع کرنے والوں میں جین مصنفین کی تعداد زیادہ رہی۔ لیکن ہندو ردِ عمل کے بڑھتے ہوئے مدوجزر نے بہت جلد بڑے پیمانہ پر مقبولِ عام دیندارانہ ادب تیار کر لیا جسے گایا بھی جاتا تھا۔ یہ گیت لوگوں کے دلوں کو موہ لیتے تھے۔ خالص ادبی تصانیف قواعد اور فرہنگ نویسی میں قابلِ ذکر ترقی ہوئی۔ لیکن یہاں بھی جین اور بدھ دھرم کے مصنفین کا غلبہ رہا۔ تمام تصنیفات قریب قریب نظم میں تھیں اور نثر میں شاید ہی کوئی قابلِ ذکر تصانیف تھی

اس عہد کے ناصحانہ ادب کے بیشتر حصہ کی تقریباً تیرھویں صدی عیسوی سے "اٹھارہ کلک ناکو" نام کے تحت درجہ بندی کی گئی ہے چونکہ یہ نظمیں عام طور پر چھوٹی چھوٹی بحروں میں جو دنیا کے ہی روپ میں منظوم کی گئی ہیں۔ اس لیے اس کا نام بھی اس بنیاد پر پڑ گیا ترووليوور (Tiruvalluvar) کی کتاب کیرل یقینی طور پر ان میں سب سے زیادہ مشہور اور قدیم ترین ہے۔ اس میں اخلاقیات نظام سیاست اور عشق و محبت کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر اس میں 1330 دوہے ہیں جو دس دس دوہوں کے 133 حصوں میں منقسم ہیں۔ پہلے اٹھائیس دوہے اخلاقیات (ارم) پر ہیں۔ ستر دوہے سیاسیات اور معاشیات (پورول) کے موضوعات پر اور بقیہ عشق و محبت (کامم) پر ہیں۔ ان دوہوں کو غالباً جین معلم نے لکھا۔ اس معلم نے منو کوٹلیہ اور واتسائن کی تصانیف کا بلا شبہ بغور مطالعہ کیا ہوگا۔ اس کی زندگی کے بارے میں ہماری معلومات مستند نہیں ہیں۔ لیکن اس کی کتاب کے زبردست محاسن اور اثر پذیر ہونے کی وجہ سے اس کے نام کے ساتھ بے شمار روایتیں قائم ہو گئی ہیں جیسا کہ اکثر کہا جاتا ہے وہ اور اس کے عہد کے بعض دوسرے مصنف کسی جماعت میں رہا کرتے تھے۔ یہ جماعت لازمی طور پر عیسیٰ کی ابتدائی صدیوں میں نہیں رہی ہوگی بلکہ اس کے بعد ہی اس جماعت نے فروغ پایا ہوگا۔ کیرل کے زمانہ تصنیف کے بارے میں 450 سے 500 کی مدت کی جانب اشارہ بہتر ہوگا۔ پوے گانی یار کی کتاب "کلاولی" (جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے) اور مدیورا کے کڈلوکیلار کے سو بندوں کی چھوٹی کتاب

"مدو موتک کا نجی" کا بھی یہی زمانہ مانا جا سکتا ہے۔

اس مجموعہ کی بقیہ تصانیف کا زمانہ اندازاً درج ذیل ہے۔ 550 سے 650 کے درمیان کرنا رپدو، اتا پدو، ایندی نئی ایم پدو، نالاڑی نان لنک کدیگئی اور پال موتی 650 سے 750 تک ترک ڈوکم، ایندی نئی پلوپد و اتنئی مالتی ایمبدو، کینل لئی۔ ایلادی، اتنئی مالتی نوریمبدو، سرو پنج مولم، اینا نارپدو، اور اشاوک کووئی۔ جن کتابوں کے نام کے اخیر میں نارپدو، ایک عشقیہ نظم ہے جس میں ہجراں نصیب ایک عورت اپنے عاشق کی عدم موجودگی میں موسم برسات کی بھیانک آمد کو آسان کرتی ہے، چار اور نظمیں جن میں تنئی اور کینل لئی" الفاظ ہیں۔ ان کا موضوع بھی عشق ہے اور وہ "اہم درجہ" کی کتابوں میں شمار کی جاتی ہیں۔ اینا نا پدؔ اور "اینیہ نارپدو" (Iniya narkadu) بالترتیب تکلیف دہ اور نا خوشگوار پر لطف اور پر مسرت اشیا اور کام کی فہرست پیش کرتی ہیں۔ پدو منار کے اکٹھا کیے ہوئے اشعار جو کتابؔ کی صورت میں نالادی میں پیش کیے گئے ہیں اور چالیس ابواب پر مشتمل کرل کے نقش قدم پر چار سو اشعار ہیں۔ ان شعرا کے نام کا پتہ نہیں چلتا جن کے گیت اس مجموعہ میں شامل کیے گئے ہیں۔ لیکن متارے یار (Muttaraiyar) کے بند کے حوالے سے اس مجموعہ کی تاریخ کے بارے میں اشارہ ملتا ہے۔ "نان ترک دگئی" (سو اشعار) کے ہر بند میں چار پر معنی بیانات ہیں۔ اس کتاب کا شاعر وشنو دھرم کا ماننے والا ویلی ناگنار ہے۔ یہ اعلا پیمانے کی ادبی تصنیف ہے اور اہمیت کے خیال سے کرل کے بعد شمار کی جاتی ہے۔ "پال مولی" چار ویلادؔ کی ایک جینی کتاب ہے۔ اس کے ہر ویلبا میں ایک ضرب المثل پیش کی گئی ہے جس کی وضاحت کسی واقعے یا کہانی کے ذریعہ کی گئی ہے۔ "ترک ڈوکم" (بیس دل خراش)، الادی (الائچی اور دوسری اشیا) اور "سیرپنج مولا" (پانچ غیر معروف جڑیں) وغیرہ ایسی کتابوں کے نام پانچ مشہور ادویات کے نام پر ہیں جس طرح دوائیں بیماری کو ختم کر کے جسم کو صحت مند بنا دیتی ہیں اسی طرح ان کتابوں میں جو پند ونصائح دیے گئے ہیں۔ ان کی بنا پر ایک انسان کے دماغ کی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں اور پڑھنے والا نیکی اور مسرت کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ "ترک ڈوکم" کا مصنف وشنو کی پرستش کرتا تھا۔ الاڈی اور "سیرپنج مولا" کے مصنف جین تھے۔ "اشارک کووئی" ایک شودھرم کے ماننے والے کی تصنیف ہے۔ یہ تامل زبان کی حقیقی اسمرتی ہے جو مسلم طور پر سنسکرت کی شعری روایات پر مشتمل ہے۔ پدگنہ سے۔

اس عہد کے اپنے طرز کی اگر آخری نہیں تو سب سے بعد کی کتابوں میں ضرور ہے۔

ہندو مذہب کے وسیع پیمانہ پر احیا کے سلسلہ میں شو نائے ناروں اور وشنو الوروں نے مل کر جو کوشش کی اس کی بنا پر مقبول عام دیندارانہ ادب کی ترقی کی زبردست ہمت افزائی ہوئی عوام کی زندگی پر ان کا اثر دونوں نقطۂ نظر سے بہت اہم ثابت ہوا۔ مشہور و معروف مذہبی رہنما کی قیادت میں دینداروں کے گروہ کے گروہ شہروں اور مندروں کی زیارت کرنے کے لیے بھجن گاتے ہوئے گھومتے تھے۔ یہ لوگ آسان اور جاذب توجہ دھنوں میں گاتے تھے۔ شو دھرم کے لیے نمبی آندار انبی نے اور وشنو دھرم کے لیے ناتھ منی نے دسویں صدی میں مذہبی بھجنوں کا جو مجموعہ مرتب کیا ہے اور اس طرح جس قدر ادب محفوظ رکھا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ ادب کی تخلیق تامل دیش کے ہندو مذہب کے سنہری عہد میں ہوئی ہوگی۔ مثال کے طور پر نانا سمبندار کا ایک بھجن جو گیتوں کے مجموعہ میں شامل نہیں ہے ضلع تنجور کے تردوڑے وایل کے مندر میں ایک پتھر پر کندہ ہے۔

اس گروپ کا قدیم ترین مصنف جس کی کتابیں شو دھرم کے لیے اہم ہیں۔ وہ کاری کال امائی کارائی کال کی خاتون ہے۔ روایتوں کے مطابق وہ قدیم ترین ایواروں میں سے ایک پورم کی ہم زمانہ تھی۔ ان دونوں کا زمانہ 550 مانا جاسکتا ہے۔ امائی تروالنگاڈو میں جہاں وہ شو کا رقص دیکھا کرتی تھی، وہیں دیوتا کی مناجات (استوتی) گاتی تھی۔ اس کی دو اور نظموں میں سے ایک بیس بندوں کی نظم ہے۔ "ترو ... مثرین ملائی" ہے۔ اس نظم کے ہر بند میں ایک کلی نترئی" اور ایک وینبا (بحر) ہے دوسری نظم "ارد بھوتات تروندادی" ہے جس میں سو وینبا چھند ہیں۔ تامل زبان میں ان دونوں نظموں سے ہی یہ بندھ کا آغاز ہوا اور آئندہ چل کر کم سے کم اس طرح کی چھیانوے نظمیں ظہور میں آئیں۔ اس کے بعد اے ایڈیگل کاڈورکوں (Aiyadigal Kadavarkon) کا نام آتا ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی حکومت کا انتظام اپنے لڑکے کو سپرد کرکے عبادت کی زندگی گذارنے لگا۔ اس کی کتاب "چھیتر تروونبا" ایک طرح کی اندادی (ایسی نظم جس کے ہر مصرعہ کا آخری لفظ دوسرے مصرعہ کے شروع کا لفظ ہوتا ہے) ہے۔ اس نظم میں اکیس شو مندروں کی فہرست دی گئی ہے۔ اس فہرست میں اچین (ماکالم) کے شو مندر کا بھی ذکر ہے جو اس زمانہ میں بہت مشہور تھا۔ اپرّ کے تین سو سات پدی گم (مناجات) شو دھرم کی دینی کتابوں میں چوتھے پانچویں اور چھٹے حصہ میں شامل ہے۔ شو سدھانت کے فلسفیانہ خیالات کے سلسلہ میں ان میں مختلف پیش گوئیوں کا ذکر ہے۔ ان میں جذبۂ پرستش کی جو شدت پائی جاتی ہے اس سے زاید صرف مانک واشگر کی کتاب "ترووا سگم" میں ہی نظر آتی

ہے۔ شیو دھرم کے گیت گانے والوں میں نانا سمبندر کو اولین درجہ حاصل ہے۔ اس کے گائے ہوئے گیت شیو دھرم کے دینی مجموعہ کے پہلے تین حصوں میں شامل ہیں۔ کہتے ہیں کہ اپنے تین برس کی عمر سے ہی اپنے بنائے ہوئے گیت گانا شروع کیے اور وہ خود اپّر اور ترو نوکر سے بھی ملا۔ لیکن وشنو سنت ترومنگئی سے اس کی ملاقات کی کہانی ایک دل چسپ روایت ہے۔ سمبندر کے بھجن (گیت) غیر معمولی طور پر اعلا درجہ کا ادب پیش کرتے ہیں۔ لیکن ہر بھجن کے اخیر میں وہ بدھ مت اور جین دھرم کی مذمت کرتا ہے جو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اس نے اس تحریک میں جو رافضیوں کے خلاف چلائی گئی تھی زبردست حصہ لیا تھا۔

ترومولر کی ترومندرم کے تین ہزار اشعار میں شیو تصوف کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ شیو دھرم کی دینی کتابوں کے مجموعہ کی دسویں کتاب ہے۔ اگرچہ شیکلر سے پہلے کسی مصنف نے اس کے نام کا ذکر نہیں کیا ہے ترومولر کی زندگی کے بارے میں عجیب و غریب داستانیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ شیو کے رہنے کی جگہ کیلاش پربت سے ایک سدھ اپنے دوست اگست سے ملنے جنوبی ہندوستان آیا۔ اس نے ترووادُوترئی کے نزدیک دیکھا کہ مویشیوں کے جھنڈ کے چرواہے کا انتقال ہو گیا۔ اسے مویشیوں کی حالت پر رحم آگیا۔ وہ چرواہے کے مردہ جسم میں داخل ہو گیا اور شام کے وقت مویشیوں کو گھر لوٹا لایا۔ اس کے بعد اپنے گڈریے کا خاندان چھوڑ دیا۔ عقوبت النفس کے خیال سے وہ تین ہزار برس تک ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر ہر سال ایک ایک نظم تصنیف کرتا رہا۔ اس کی اس ناقابل تلافی گمنامی کے باوجود تامل دیش کے شیو دھرم کے ماننے والے اسے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

سندر مورتی "دیورام" کے تین گیت لکھنے والوں میں آخری شخص تھا۔ اس نے سو مناجات لکھیں۔ یہ شیو دھرم کی ساتویں مقدس کتاب ہے۔ ایشور (خدا) کے لیے اس کی بھگتی ایک اچھے دوست کی طرح تھی۔ اسے لوگ "خدا دوست (تامبیران تولن) کے نام سے جانتے ہیں۔ اس کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ کسی دوسری عورت کے ساتھ لمحہ بھر کی محبت کے لیے اس کی (سندر موزن) پہلی محبوبہ اس سے ناراض ہو گئی تھی۔ سندر مورتی نے دیوتا کو ہی منانے کے لیے بھیجا تھا۔ ستروالور میں بھگتیوں کے سامنے اس کی منظوم کردہ تروانوٹّاتوگئی Tiruttondattogai -- گائی جاتی تھی۔ یہ شیوسنتوں کی انفرادی اور اجتماعی فہرست ہے جس میں شاعر کے والدین کے ساتھ باسٹھ نام دیے گئے ہیں۔ ان میں سندر مورتی کا نام شامل کر دینے سے تریسٹھ نائنماروں کی فہرست مکمل ہو جاتی ہے۔ ان تریسٹھ نائنماروں کی زندگی کے حالات

کے بارے میں بنی تامر نمبئی نے دسویں صدی میں اور شیکلر نے بارھویں صدی میں رزمیہ نظمیں لکھیں۔
سندر موریتی کے ایک دوست چیرمان پیرومال نے متعدد اعلا پیمانہ کی دیندارانہ تصنیفات کیں۔
ان میں ایک تصنیف ترووالور ممانک کوولی ہے۔ اس کتاب میں تین تین بندوں کے دس گروپ
ہیں اور ہر بند کی بحر جداگانہ ہے۔ پہلا بند اہول بحر میں ہے۔ دوسرا دینبا میں اور تیسرا کلی تُرئی بحر میں
ہے۔ چیرمان پیرومال کی دوسری تصنیف "پون ونت تندادی" ہے جس میں سو اشعار ہیں۔ اس کی
تیسری تصنیف "تیروک کیلائے نان اولا" کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اپنی نوعیت کی پہلی نظم ہے اور
جب سندر موریتی کے ساتھ یہ کیلاش پہنچا تو اس متبرک پہاڑ سے اس کا اعلان بھی کیا گیا۔

اس عہد کے شیو سنتوں میں مانک واشگر آخری سنت تھا۔ لیکن یہ کسی سے کم اہم نہیں تھا۔
تامل کے ادب اور عوام کے دلوں میں اس نے اپنے لیے جگہ بنالی ہے۔ اس کی کتاب "ترو واشگم" شو
دھرم کی دینی کتابوں میں آٹھویں کتاب ہے۔ اس کتاب کے ساتھ اس کی دوسری کتاب "تروکوولی"
کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ مانک واشگر نے اپنی کتاب "ترو واشگم" میں جن جذبات کا پر جوش اظہار
کیا ہے۔ ان کا پڑھنے والے پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اپنی عجیب و غریب خیالی تلمیحات کے باوجود ترو واشگم
کی الیاون مناجاتیں روح کو جذبات اور جہالت کے بندھنوں سے آزاد کرا کر بصیرت اور محبت کی جانب
گامزن ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس کتاب کا موضوع روح کو نجات دلانے کے لیے خداوند تعالیٰ کا فضل و
کرم اور اس کی مطلق طاقت ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سنت کے خیالات اور احساسات پر
عیسائی مذہب کا اثر پڑا ہے۔ عیسائی تجربوں کی بعض باتوں میں مشابہت بھی نظر آتی ہے۔ لیکن اس
کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اس نے عیسائی مذہب سے بالواسطہ طور پر کچھ حاصل کیا اور مجموعی طور پر مشابہت
سے اختلافات زیادہ اہم معلوم ہوتے ہیں۔ قدیم ترین کوویوں Kovais میں "تروک کوولی"
بھی ایک ہے۔ یہ ایک قیاسی نظم ہے جس کے چار سو بندوں میں عشق و محبت کی داستان بیان کی گئی
ہے۔ ہر بند میں ایک مخصوص حالت کو بیان کیا گیا ہے۔ مانک واشگر کی نظم مکمل طور پر ذو معنی ہے۔
نظم کا خصوصی موضوع روح کی خدا سے والہانہ محبت ہے۔ بعض لوگوں کو شک ہے کہ اس نظم کا منظوم
کرنے والا مانک واشگر ہی تھا۔ اگر چہ طرز بیان عوام میں مقبول نہ تھا لیکن اس میں بھگتی کی جو شدت
پائی جاتی ہے وہ ترو واشگم کے مصنف کے شایان شان نظر آتی ہے۔ ممکن ہے کہ کاری نانے نار کی
"کاری کوویٔ" اور "متوریار کوویٔ" جن کا ذکر یاپاروں گلم (دسویں صدی) میں کیا گیا ہے، تروک کوولی
سے قبل کی تصنیف ہے۔ یہ کتابیں اس وقت دستیاب نہیں ہیں۔ اسی طرح "پانڈی کوولی" بھی شاید

قبل کی ہی تصنیف ہو، لیکن یہ بھی آج صرف اپنے بے شمار اقتباسات کی شکل میں ہی دستیاب ہے۔
شو نائنے ناروں کے ساتھ ساتھ وشنو الوار بھی ہندو دھرم کے احیاکے لیے کوشاں تھے۔
ان کے بھگتی کے گیتوں کا آخری مجموعہ "نلیر دو یہ پر بندھم" ہے۔ اس مجموعہ میں چار ہزار گیت شامل ہیں۔ پوئے گئی، پوڈم ااور پے (Pey) سب سے قدیم الوار تھے۔ بعد کی روایتوں میں کہا گیا ہے کہ پوڈم الوار کرایکل امائی کا ہم عصر تھا۔ ان سنتوں میں سے ہر ایک کی ایک نمائندہ تصنیف ہے جو ایک سو وینبا ؤں کی ان دادی ہے۔ یہ غیر فرقہ پرست نظریہ؛ جذبۂ پرستش کی پاکیزگی اور انسانیت کے لیے مشہور ہیں۔ اس کے بعد ترومل شائی ہوا جو مہیندر ورمن اوّل کا ہم زمانہ تھا اس کی دو تصنیفات "نان مگنۂ وان داری اور ترو چند ویروتم" قابل غور ہیں ان تصنیفات کا لب و لہجہ پہلے تینوں الواروں کی تصنیفات کے نسبتاً زیادہ مباحثہ انگیز ہے۔ ترم لشائی Tirumalisai کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وشنو سنیاسی ہونے سے پہلے اس نے بدھ مت اور جین دھرم کو اپنایا تھا۔ اس طرح اس کے زمانہ میں مذہب کی حالت اور نظموں کے لب و لہجہ کے راز کا پتہ چلتا ہے۔ ترومنگئی (آٹھویں صدی) نے بہت زیادہ لکھا ہے اور اپنی تحریر میں بے حد متناقشہ پسند بھی تھا۔ مجموعہ میں ایک تہائی حصّہ اسی کا ہے جس کی بنا پر اس کو اونچے درجے کا شاعر اور بھگت تسلیم کیا جانا یقینی ہو جاتا ہے۔ اوّل خصوصیت اور خیالات میں اس کی تصانیف سمبندر سے بہت زیادہ مشابہ ہیں۔ اس نے بدھ اور جین دھرموں اور کسی حد تک شو دھرم پر بھی اعتراض کیے ہیں۔ پیری یالوار Periyalwar اور اس کی بہن آنڈل نے مل کر چھ سو پچاس نظموں کا ایک مجموعہ شائع کرایا۔ بہن نے یہ دعوا کیا ہے کہ شری رنگم کے بھگوان اس کے عاشق ہیں۔ اس کی نظموں میں بھگوان سے قربت حاصل کرنے کی زبردست خواہش پائی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بھگوان نے اسے اپنی بیوی بنانا بھی قبول کر لیا تھا۔ اس کی اور اس کے والد کی نظموں کو شو دھرم کے اصولوں کی شکل میں اولین درجہ دیا جاتا ہے۔ آنڈل کی نظموں میں کرشن کی مختلف لیلاؤں کو انتہائی پر اثر طریقہ پر استعمال کیا گیا ہے تاکہ سننے والوں کے دلوں میں پرستش کا جذبہ پیدا ہو سکے اور ان کہانیوں کی تلمیحات کو مختلف ماحول کے ساتھ بیان کیے جانے کی بنا پر ہی ہندو کے دل میں اس کے لیے ایک کشش پیدا ہوتی ہے چنانچہ آنڈل کا وہ گیت جو وارن ایرم" (ایک ہزار ہاتھی) الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور جس کے اندر خواب میں وشنو کے ساتھ اس کی شادی کا ذکر ہے آج بھی وشنو براہمنوں کے یہاں شادی کے موقع پر گایا جاتا ہے۔ اس کے بعد تروپان اور تونڈرادی پ

پوڈی آتے ہیں۔ ترو پان کی صرف ایک اور دوسرے کی ترومالتی اور تروپلیہ لوچی دو مناجاتیں ہیں۔ آخری مناجات میں یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ مندروں میں دیوتا کے لیے شاہانہ عزت کے ساتھ (راج اوپچار) پرستش کا انتظام ہوتا ہے۔ اس مناجات میں دن نکلنے پر دیوتا کو خواب شیریں سے بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ ترومنگئی، تونڈر ادیپ پوڈی اور کل شیکھر آپس میں ہم زمانہ تھے۔ لیکن یہ مشکوک ہے۔ کل شیکھر نے اپنی نظم میں خود کو کونگر، کوڈال اور کولی کا بادشاہ بتاتا ہے۔ وہ سنسکرت کی ایک قابل غور دیندارانہ نظم "مکند مالا" کا شاعر تھا۔ اس کے علاوہ اس نے تامل زبان میں ایک سو پانچ اشعار بھی کہے ہیں جو وشنوؤں کے تامل سدھانتوں میں پیرومال ترومولی کہے جاتے ہیں۔ ویلال سنت نما لور جسے شٹھ لوک بھی کہتے ہیں۔ اور اس کے براہمن شاگرد مدھر کوی کے نام بعد کے آلوآروں میں آتے ہیں۔ نما لور کا بہت احترام کیا جاتا ہے کیونکہ یہ یقین کیا جاتا ہے کہ ان کے کلام میں اپنشدوں کی فلسفیانہ صداقت ہے۔ ترووائے مولی کے ایک ہزار ایک سو ایک بند کو بہت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ وششٹ ادویت فلسفہ کے بعد میں آنے والے شارحین نے اس کی وضاحت کے ساتھ تفسیر بھی کی ہے۔ تروواشی ریم، ترووریتم اور ترووون ڈاڈی دوسری تصنیفات ہیں جن میں مجموعی طور پر دو سو سے کم بند ہیں۔ ان میں تیس مقدس مقامات کے مندروں کے دیوتاؤں کا ذکر ہے جس میں سے صرف چھ پانڈیہ اور چیر دیش میں پائے جاتے ہیں۔ نما لور ایک یوگی تھا۔ اس کی کتاب "ترووے مولی" اس کے باطنی تجربوں کے قابل اعتماد بیانات سے پُر ہے۔ دوسرے الواروں کے مانند وہ بھی وشنو کے اوتار اور ان کی کامرانیوں کے متعلق غور و خوض کرنے میں مسرت محسوس کرتا ہے۔ اس نے رام اور کرشن کے موضوع کو لے کر خوبصورت پیرایہ میں "مال کتھائیں" کہی ہیں۔ ایک فلسفی اور عارف ہونے کے علاوہ نما لوار کا رتبہ ادبی فن کار کی حیثیت سے بہت بلند ہے۔ ناتھ منی نے جو کہ بعد کے دور کا پہلا اچاریہ اور نما لوار کا شاگرد بھی بتلایا جاتا ہے۔ اپنے استاد سے چار ہزار گیتوں کا پورا سدھانت (مذہبی فنون کا مجموعہ) حاصل کیا۔ دوسرے شاگرد مدھر کوی نے جو خود بھی ایک الوار تھا۔ صرف ایک مناجات اپنے استاد کی تعریف میں لکھی۔ یہ بہت ممکن ہے کہ آخری دو الوار 850 کے بعد بھی جب کہ ہمارا دوسرا دور ختم ہوتا ہے کئی سال تک رہے۔

عام ادب میں بدھ اور جین مصنفین کی تین تصنیفات شامل ہیں "شلپا دیکرم" بے مثل کتاب ہے۔ حالانکہ اس کتاب کے مصنف اور تاریخ تحریر مشکوک ہے۔ بعض لحاظ سے یہ کتاب تمل تامل ادب میں بے نظیر ہے۔ اس میں قدرتی مناظر کی جو تصویر کشی کی گئی ہے اور بحروں کو جس ہوشیاری

کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے اور اس سے جو اثر پیدا کیا گیا ہے۔ وہ کسی اور کتاب میں میسر نہیں ہے۔ کتاب کا موضوع ایک لوک کتھا ہے۔ یہ کوولن کے ایک شہزادے کی کہانی ہے جو سوداگر بھی تھا۔ وہ اپنی بیوی کنا گی سے بے التفاتی برتتا رہا۔ اس نے پوہار کی مشہور رنڈی مادھوی کے عشق میں اپنی ساری دولت گنوا دی۔ بعد میں اس رنڈی کے ساتھ جھگڑا ہوجانے کی بنا پر کوولن اپنی شادی شدہ بیوی کے پاس واپس آتا ہے۔ یہ لوگ اپنی نئی زندگی شروع کرنے کی غرض سے پوہار کو خیرباد کہہ کر مدیورا پہنچ گئے ہیں۔ وہ کنا گی کے زیورات فروخت کرکے ایک نئی زندگی میں قدم رکھتا ہے۔ ان زیورات میں کنا گی کی بیش قیمت پائل (شیلا مبو) خصوصی طور پر قابل ذکر ہے کیونکہ اس کے ہی نام پر نظم کا نام پڑا۔ شاہی سُنار کی سازش کی وجہ سے کوولن پر شک کیا جاتا ہے کہ اس نے محل کی رانی کی پائل چرائی ہے۔ اسے مدیورا کی گلیوں میں راجہ کے افسروں کے ذریعہ قتل کروا دیا جاتا ہے۔ کنا گی کو جب معلوم ہوتا ہے تو وہ اپنی دوسرے پیر کی پائل کو ثبوت کے طور پر اپنے ساتھ لے کر محل کی جانب جھپٹتی ہے اور اپنے خاوند کوولن کو بے گناہ ثابت کر دیتی ہے۔ راجہ کو اپنے غلط انصاف کرنے کا احساس ہوتا ہے اور وہ افسردہ دلی کی بنا پر موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ کنا گی مدیورا شہر کو آگ کے شعلوں میں جھونک کر اپنا بدلہ لیتی ہے۔ اس کے بعد وہ چیر دیش چلی جاتی ہے جہاں اس کا انتقال ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے شوہر سے جنت میں ملتی ہے۔ شینگوٹوون اسے پاکیزگی کی دیوی قرار دیتا ہے۔ اگرچہ داستان میں مافوق الفطرت عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ داستان انسانی جذبات سے لبریز ہے۔ اسلوب بیان بھی بہت پُراثر ہے۔ داستان کے واقعات تامل کے تینوں دیشوں میں رونما ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا مصنف الانگو ادیگل (درویش صفت راجکمار) تھا جسے چیر کے بادشاہ شینگوٹوون کا بھائی بتایا جاتا ہے۔ سنگم عہد کی نظموں میں ایسے کسی بھائی کے بارے میں کوئی پتہ نہیں چلتا۔ یہ راز اسی وقت اور بھی گہرا ہو جاتا ہے جب ہم سنتے ہیں کہ الانگو مدیورا کے ایک اور تاجر شتنار کا ہم عصر تھا۔ شتنار اناج کا بیوپاری اور منی میکلائی کا مصنف بھی تھا۔ یہ بدھ مت سے متعلق نظم ہے جس میں کوولن اور مادھوی کی لڑکی منی میکلائی کی زندگی کی داستان ہے۔ اس کہانی کا خصوصی مقصد دینی ہے۔ دونوں نظموں کی افتتاحیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر نظم دوسری نظم کے شاعر کو پڑھ کر سنائی گئی تھی۔ سنگم کے شعراء میں ایک شاعر شتنار ایک چاٹ نار تھا جس نے آٹھ مجمع الاشعار میں سے چار میں اپنی دس نظمیں دی تھیں۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اس کا رجحان بدھ دھرم کی جانب تھا۔ منی میکلائی اپنی موجودہ شکل میں منطقی خامیوں کی لمبی سی داستان

ہے۔ یہ صاف طور پر پانچویں صدی کی ایک کتاب نیائے پر دلیش پر مبنی ہے جس کا مصنف دیناگ تھا۔
ان دونوں رزمیہ نظموں کی ادبی شکل سنگم ادب کے عہد کی کسی بھی جانی بوجھی تصنیف سے اس قدر مختلف ہے کہ یہ تسلیم کرنا غلط نہ ہوگا کہ اس عہد اور شلپ دیکارم اور منی میکلائی کے عہد کے درمیان کئی صدیوں کا فرق ہے۔

کانگو ویلر کی پیرون گدی (سنسکرت برہت کتھا) ایک دوسری رزمیہ نظم ہے جسے ایک جین شاعر نے لکھا ہے۔ نظم کے کچھ ہی حصے دستیاب ہیں۔ اس میں کوسامبی مشہور و معروف اُدین کے لڑکے نروان دت کے جرأت مندانہ کارناموں کا ذکر ہے۔ یہ نظم بظاہر ایک سنسکرت نظم پر مبنی ہے جو کہ پشاچی بولی میں مشہور نظم گنادھیہ کا ترجمہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ چھٹی صدی کے اخیر میں مغربی گنگ راجہ دوورونیت نے اس نظم کا سنسکرت میں ترجمہ کیا تھا۔ حکایتی نظم کی حیثیت سے پیرن گدی میں غیر معمولی محاسن ہیں اور اسے عوام میں مقبول بھی ہونا چاہیے۔ "ویلے اپتی" اور "کنڈل کیشی" دو اور رزمیہ نظمیں ہیں جو بدھ اور جین دھرم سے متعلق ہیں۔ یہ دونوں نظمیں تامل زبان میں تھیں۔ یہ کسی زمانہ میں بہت مشہور بھی تھیں۔ ان کا شمار پانچ رزمیہ نظموں میں کیا جاتا تھا آج یہ دستیاب نہیں ہیں۔ اس کے بعد کے دور کی جین گرامر یاپرونگلم پر جو شرح لکھی گئی ہے اس میں جین مصنفین کی مختلف گرامروں کے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں جو یقینی طور پر اس ہی زمانہ میں لکھی گئی ہوں گی۔ اسی طرح بدھ گرامر "ویرتولیم" پر جو شرح لکھی گئی ہے اس میں اسی زمانہ میں لکھی ہوئی متعدد نظموں سے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں جو اب دستیاب نہیں ہیں۔

ارئی یانار اہپورول Iraiyanar Ahapporul پر جو شرح لکھی گئی اس کے بارے میں روایت مشہور ہے کہ اسے نکی راؤ نے تحریر کیا۔ یہ اس عہد کے بعد کی مدت میں ہی تصنیف کی گئی ہوگی یہ اس لیے بھی قابل غور ہے کہ اور دوسری شرحوں کے مقابلہ میں سب سے پہلے تصنیف کی گئی ہوگی۔ یہ شرح تامل ادب میں نثر کی ترقی کے سلسلہ میں بھی اہم ہے۔ ان شرحوں کا اسلوب بیان آسان ہونے کی وجہ سے مقبول عام بھی نہیں ہے۔ ان شرحوں کے مصنفین نے اپنی علمیت دکھانے کی کوشش کی ہے اور صرفی صنعت کی بہت کھینچا تانی کی گئی ہے۔ اس طرح ان کے حسن و لطافت میں بھی کمی واقع ہو گئی ہے۔ سب سے پہلی شرح میں اس طرح کی سبھی خامیاں موجود ہیں۔

"متو لایرم" نوسو وینباؤں کی نظم ہوگی جس میں تامل دیش کی تین حکومتوں کے راجاؤں میں سے ہر راجہ کی تعریف میں تین سو اشعار ہوں گے۔ اس کتاب میں اب صرف سو اشعار ہی دستیاب

ہیں۔ یہ اشعار کافی بلند پایہ کے ہیں۔ ان کا مختلف مصنفین نے حوالہ دیا ہے۔ لیکن اس کتاب کے مصنف کے بارے میں کوئی پتہ نہیں چلتا۔ "تگ دور یاتئی رئی" بھی اسی عہد کی دوسری کتاب ہے جو اس وقت دستیاب نہیں ہے۔ اس کتاب کا پتہ بھی اس کے منتشر اقتباسات سے ہی چلتا ہے۔ کتاب کا موضوع چیر شہنشاہ اور تگ دور کے ادی گئی مان کے درمیان جنگ ہے جو سنگم عہد کے مقابلتاً بعد میں ہوئی۔

اخیر میں پلو نندی ورمن سویم کے زمانہ کی دو تصنیفات کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ "نندی کلمبگم" کے مصنف کا نام کا علم نہیں ہے لیکن یہ بہت زیادہ اضافہ کے ساتھ دستیاب ہے۔ یہ مختلف بحروں میں اسی نندی کی ایک نیم تاریخی نظم ہے۔ اس میں پلو خاندان کے آخری عظیم شہنشاہ کے زمانۂ حکومت کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ "پیرون دیوتار" کی کتاب بھارتم کا ایک مختصر حصّہ ہی محفوظ ہے جس کی بنا پر بعض ایسے سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں مل پاتا۔ اس کتاب کے بچے ہوئے حصّے میں اُدیوگ اور بھیشم پَرو اور دو دن پہ دکا ایک حصّہ اور تیرھویں دن کی لڑائی کا بیان شامل ہے۔ اس کتاب میں وینبا ہے اور ان کے درمیان ایک دوسرے کو ملانے والی نثر بھی ہے جس کی وجہ سے یہ تصنیف چمپو کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یہ بھی مشکوک ہے کہ اس کی نثر اور نظم ایک ہی آدمی کے قلم کا نتیجہ ہیں۔ یہ مسئلہ اس واقعہ کی بنا پر اور بھی پیچیدہ بن جاتا ہے۔ جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیرن دیونار نے سنگم عہد میں اس کا تامل زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ موجودہ کتاب میں نظم اور نثر دونوں میں اصل کہانی کو آسان طریقہ پر بیان کیا گیا ہے۔ اس میں خوش بیانی اور دلکشی دونوں ہی موجود ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ نویں صدی میں کسی ایک شخص نے اس کو مکمل طور پر تصنیف کیا ہو۔ اس کا اسلوب بیان ایک زمانہ سے چلی آرہی روایت کے مطابق ہے اور اس کی نثر عالمانہ تفسیر کے طرزِ بیان کی سی ہے۔ اس زمانہ میں نثر کے صرف اسی اسلوب سے لوگوں کی واقفیت تھی۔

چول بادشاہوں کا عہد (1200-850) تامل کی تہذیب کا عہد زرّیں تھا۔ اس عہد میں ادب کی غیر معمولی ترقی ہوئی اور عالموں کی سرپرستی کی گئی۔ ادب میں ہر بند کو مخصوص درجہ حاصل ہوا اور فلسفیانہ مقالوں اور کتابوں میں شیو سدھانت کی وضاحت کی گئی۔ شیو مندروں کو نئے سرے سے تعمیر کیا گیا اور گذشتہ دور کی مناجاتوں کے نمونوں پر نئے شعرا (جن میں ایک شہزادہ بھی شامل تھا) نے اپنے بھگتی کے گیتوں میں ان مندروں کی تعریف کی ہے۔ شیکیر نے

شو دھرم کے انبیاؤں اور اولیاؤں کے سوانح حیات کو تحریر کر کے ایک عظیم پران کی شکل میں معیاری بنایا۔ وشنو کے دیندارانہ ادب اور مذہبی فنون پر تفسیرات بھی کافی تعداد میں وجود میں آئیں۔ جین اور بدھ مصنف سر سبز ہوتے رہے۔ لیکن پچھلے دور کے مقابلہ میں اس وقت ان کی تعداد کم تھی۔ اس عہد کے بے شمار کتبوں میں جن تصنیفات کا ذکر موجود ہے وہ اب دستیاب نہیں ہیں اور نہ ان کے دستیاب ہونے کی کوئی توقع ہی کی جا سکتی ہے۔

عام ادب میں جین سنیاسی، اور شاعر تروتکو دیور کی "جیوک چینامنی" کی تصنیف دسویں صدی میں ہوئی۔ یہ کتاب نویں صدی کے بعد کے عہد کی سنسکرت کی اصلی کتابوں پر مبنی ہے۔ یہ ایک آئیڈیل ہیرو کی کہانی ہے جو جنگ اور امن دونوں کا ہی ماہر تھا اور بہ حیثیت سنت اور دل پسند عاشق یکتائی تھا۔ آہنی شورش سے لبریز جوانی میں جیوک نے بہت جرأت مندانہ کام انجام دیے اور عین جوانی میں وہ ایک بڑی سلطنت کا بادشاہ بن گیا۔ اس کے بعد کچھ سال اس نے اپنی آٹھ رانیوں کے ساتھ تعیش کی زندگی گذاری۔ اس نظم کا دوسرا نام "من نول" **Mane-nol** یعنی "شادیوں کی کتاب" ہے۔ یہ نام اس لیے پڑا کہ جیوک نے اپنی زندگی کے ہر جرأت مندانہ کام کی تکمیل ایک خوشگوار شادی سے کی جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ جیوک کی اس اطمینان کی زندگی میں ایک بہت معمولی واقعہ پیش آتا ہے جس کی بنا پر وہ مضطرب ہو اٹھتا ہے۔ وہ ایک لمحہ کے اندر انسانی زندگی کے کھوکھلے پن کو محسوس کرتا ہے اور اس الجھن سے آزاد ہونے کی سوچتا ہے۔ اس نے تاج و تخت اپنے لڑکے کے سپرد کیا اور خود جنگل میں امن کی تلاش میں چلا جاتا ہے۔ اسے اخیر میں نجات بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ موجودہ نظم میں 3154 بند ہیں جن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ صرف 2700 اصل شاعر کے نتیجہ فکر ہیں۔ دو بند اس کے گرو نے منظوم کیے ہیں۔ حاشیہ نویسی نے گرو کے دونوں بند پر نشان لگا دیا ہے۔ لیکن بہتیرے شاعر کے کلام کی شناخت کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ تروتکو دیور کا کلام محاسن سے بھرا ہوا ہے اور جیسا کہ سبھی جانتے ہیں اس کتاب سے کمبن کو فیضان حاصل ہوا۔ شاعر نے اس نظم کو اس چیلنج کے جواب میں لکھا کہ جین شعرا اگرچہ دیندارانہ ادب کے حلقہ میں برتری حاصل کر چکے ہیں لیکن عاشقانہ نظم میں ان کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ اس نے اپنے گرو کو یہ اطمینان دلایا کہ اس میں اتنی ادبی صلاحیت ہے کہ وہ ایک عاشقانہ نظم تحریر کر کے اپنا دماغی توازن نہیں کھو سکے گا۔ وہ ایک چول شہزادہ پیدا ہوا تھا۔ اس زمانہ کا ایک دوسرا جین مصنف "تولامولی" تھا۔ یہ خوش بیانی میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اس کی کتاب "شولامتی" میں پران

کی ایک جین داستان کو انتہائی طور پر شیریں بحر میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا شمار تامل زبان کی پانچ چھوٹی چھوٹی رزمیہ نظموں میں کیا جاتا ہے۔

کلاڈم کے مصنف کلاّدنار سنگم عہد کے ہمنام مصنف سے جدا سمجھنا چاہیے۔ یہ شاید وہی مصنف ہے جس کا نام شیو دھرم کی گیارھویں کتاب میں آیا ہے۔ کلاڈم ایک جگہ کا نام ہے اور شاید مصنف کی پیدائش یہیں ہوئی تھی۔ کلادنار نے ترو کووئی سے سو اشعار کا انتخاب کیا اور انھیں اپنی کتاب کی بنیاد بتایا۔ اس کتاب میں شو کے چونسٹھ مقدس کھیلوں کا ذکر ہے۔ چونکہ اس نے سنگم عہد کے شعرا کے تخیل اور طرز ادا کو زندہ کرنے کی کوشش کی ہے اس لیے اس کے اسلوب بیان میں روانی نہیں ہے۔ سو ٹکڑوں کی یہ نظم جس کا ہر ٹکڑا عشق کی مخصوص مزاجی کیفیت بیان کرتا ہے اور علمائے فضیلت کی ایک عجیب و غریب مثال بن کر رہ گئی ہے۔ چول دربار کا ملک الشعرا جین گونمار کی کتاب کلنگتو پرنی (Kalingattupparani) بادشاہ کلوتنگ اوّل کے عہد کے اخیر میں لکھی گئی۔ یہ قدیم ترین کتابوں میں سے ہے اور جو دستیاب پرنیوں میں سب سے بہتر ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا فنداد شہ کار ہے جس میں تاریخ اور خیالی افسانوں کی ایک ساتھ آمیزش نہیں کی گئی ہے۔ اس کا طرز بیان سلیس ہے، بحروں میں ہم آہنگی ہے اور جو واقعات پیش کیے گئے ہیں وہ انوکھے ہیں۔ پرنی ایک عمدہ رزمیہ نظم ہوتی ہے جس میں لڑائی کی شان و شوکت اور واقعات کے علاوہ میدان کارزار کی دردناک تفصیلات بھی پیش کی جاتی ہیں۔ کلوتنگ کی کلنگ کی لڑائی کے موضوع کو لے کر اور بھی تصنیفات کی گئیں۔ لیکن جین گوندار کی نظم کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ چول دربار کا ایک اور ملک الشعرا کوتّ یا اوٹا کوتن بھی تھا جو کلوتنگ کے تین جانشینوں (یعنی وکرم چول، کلوتنگ دوم اور راج راجہ) کے زمانہ حکومت میں رہا۔ اس نے انتہائی خوش بیانی کے ساتھ ہر ایک کے لیے اولا لکھی۔ وہ چول دیش میں ایک دیہات ملری میں ایک غریب جولاہے کے گھر میں پیدا ہوا تھا۔ کمبن نے شنکروں کے یہاں ملازمت کی۔ یہ مشہور و معروف مصنف کمبن کے سرپرست۔ پودوئی کے سردار شیڈین کا والا تھا۔ کمبن کے دوسرے سرپرستوں میں گانگیہ اور تربھونی کا سن تھا۔ اس نے "تلایر کووئی" میں گانگیہ کی مدح تحریر کی ہے۔ جب اس کی شہرت بہت بڑھ گئی تو اسے شاہی دربار میں بلایا گیا اور تین مسلسل شہنشاہوں نے اسے ملک الشعرا (کوی چکرورتی) کے خطاب سے سرفراز کیا۔ تین اولاؤں کے علاوہ اس نے وکرم چول کی کلنگ کی لڑائی کے بارے میں ایک

نظم "پلئی تامل" لکھی ۔(اس نظم میں ہیرو کے بچپن کا زمانہ دکھایا گیا ہے)۔ اس کی آخری تصنیف اپنی سلاست، خوبصورت تخیّل اور شیریں نغمے کے لیے مشہور ہے۔ اسی شاعر کی دوسری نظم "تکیا گپیترنی Takkayagapparani اپنی بحر اور اسلوب بیان کی وجہ سے "کلنگتو پرنی" کی نقل ہے۔ اس نظم میں وکش کی قربانی کے روایتی موضوع کو بہت زور قلم کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس نظم کو کلنگتو پرنی کے بعد ہی درجہ حاصل ہے۔ اس ہی شاعر کی دوسری نظم "سرسوتی ین وادی" میں سرسوتی دیوی کی تعریف کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ اور دوسری نظموں مثلاً "ارم بتولا یرم" "ایتو لو یاڈو" اور "ایو لو یاڈو" میں کوئی خصوصیت نہیں پائی جاتی ۔ ان نظموں میں زبردست تخیّل کے ذریعہ روائتیں بیان کی گئی ہیں۔ لیکن نہ تو ان روایتوں کے موجد کو اور نہ شاعر کو ہی قابل تحسین قرار دیا جا سکتا ہے۔ دریائے اریشل کے کنارے واقع موضع کشنور (ضلع تنجور) میں شاعر کی یاد کو زندہ رکھا گیا ہے۔ یہاں سرسوتی کا ایک مندر ہے جس میں بارھویں صدی کے ایک کتبے میں اس بات کا ذکر ہے کہ اوتا کوتم کے پوتے کوی پیرومال عرف اووا ڈاکتا رنے سرسوتی کی مورتی تصنیف کی ۔

کمبن شاعر کتن سے بھی بڑا شاعر تھا۔ کمبن نے تامل میں رامائن یا رام اوتار لکھی ۔ کمبن کلوتنگ سویم کے زمانہ میں ہوا۔ اس کی راما تامل ادب کی سب سے بڑی نظم ہے۔ اگرچہ کمبن نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اس نے والمیکی کے نقش قدم پر ہی یہ کام کیا ہے لیکن اس کی تصنیف کسی حالت میں بھی نہ تو سنسکرت کی اصلی کتاب کا ترجمہ ہے اور نہ اس کی نقل ہی ہے۔ ان بڑے شعرا کی طرح جنھوں نے رام کتھا پر اپنی تصنیفات سے ہندوستان کی مختلف زبانوں کے ادب کو تقویت بخشی ہے۔ کمبن نے بھی اپنے بیان میں اپنے زمانہ اور جگہ دونوں کا رنگ بھرا ہے۔ اس طرح رامائن میں کوشل کے بارے میں بیان کرنے کے سلسلہ میں کمبن درحقیقت چول دیش کے خط و خال بیان کرتا ہے۔ وہ چاند کی روشنی کے اجالے پن کا مقابلہ اپنے سرپرست وینڈائی ٹلور کے شینڈین کی شہرت سے کرتا ہے۔ وہ رام کو سنسکرت زبان کے محاوروں کا ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ تامل زبان کا بھی ماہر دکھاتا ہے۔ وہ بسا اوقات تامل کے رموز شاعری کے تحت اصولوں کے سامنے جھک جاتا ہے۔ مثلاً اس وقت جب کہ رام کے متھلا میں داخل ہونے کے فوراً بعد اس کی ملاقات اتفاقیہ طور پر سیتا سے ہوتی ہے تو وہ پوری وضاحت کے ساتھ ان کے جذبات کا تجزیہ کرتا ہے۔ پھر دوسرے موقع پر جب سیتا کو

ہنومان سے رام کو انگشتری ملتی ہے تو والمیکی تو صرف اشارے کے طور پر سیتا کی مسرت کے بارے میں صرف اتنا ہی کہتے ہیں کہ سیتا کو اتنی مسرت حاصل ہو گی جیسے اسے اس کا خاوند مل گیا ہو۔ کمبن نے اپنی رامائن میں اس واقعہ کو بہت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے وہ کہیں کہیں والمیکی کے مفصل بیان کو اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ مثلاً دشرتھ کے اشو میدھ یگیہ کو وہ بہت مختصر طور پر بیان کرتا ہے۔ کمبن کی زندگی کی تفصیلات کے بارے میں کوئی بات وثوق کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔ اس کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ وہ اوچیر ذات کا تھا اس ذات کے لوگ کالی اور ایسی ہی دیویوں کے مندروں کے پجاری تھے۔ ایسے متفرق اشعار سے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کمبن کا ہی نتیجہ فکر ہیں۔ پتہ چلتا ہے کہ جنوبی ہندوستان کے تمام بڑے بڑے بادشاہوں کے ساتھ جن میں پانڈیہ اور کاکتیہ بھی شامل تھے اس کے تعلقات تھے۔ کمبن کے رامائن میں رام کے ایودھیا واپس لوٹنے اور تاجپوشی ہونے تک کا بیان ہے۔ اس میں اُتر کانڈم کسی دوسرے کا لکھا ہوا ہے۔ رام اوتارم بہت مقبول ہوئی اور آج تک بے حد مقبول کتاب شمار کی جاتی ہے۔ دو بہت معمولی نظمیں "ایرے لو پاڑو" اور "شکو پرندادی" کو بھی کمبن کا ہی بتایا جاتا ہے۔ پہلی نظم میں زراعت کی تعریف کی گئی ہے۔ دوسری نظم شٹ کوپ (نماّلوار) کی تعریف میں شری رنگم کے دیوتا کو خوش کرنے کے لیے لکھی گئی تھی۔ کیونکہ رامائن لکھنے سے قبل اس نے اس دیوتا کی اجازت حاصل کی تھی۔ دیوتا نے شاعر کو اپنے بھگت کی تعریف میں بھی کچھ لکھنے کا حکم دیا تھا۔ "کلوتنگن کووئی" غیر مذہبی ادب کی بہترین کتاب ہے جو چول حکومت کے بعد کے زمانہ میں لکھی گئی۔ یہ کتاب کمار کلوتنگ پر ہے جو بعد میں کلوتنگ سویم کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کتاب کے مصنف کے بارے میں بہت کم واقفیت ہے۔ اس نظم کی خوبی اس کے علاوہ کچھ اور نہیں کہ اس کا ہیرو ایک چول شہنشاہ ہے۔ اس میں دوران جنگ حاصل کی ہوئی اس کی چند کامیابیوں کا ذکر ہے۔

گزشتہ دور (500 سے 850) میں دیندارانہ ادب کی ترقی کے لیے جو سرگرم رجحان پایا جاتا تھا وہ اس دور (1200 — 800) میں بھی شہرت کے ساتھ جاری رہا۔ شو سدھانت کو گیارہ کتابوں میں جس شخص نے ترتیب کیا ہے وہ ماہبی اندر تا مبی تھا۔ یہ شخص دسویں صدی کے اخیر میں اور گیارھویں صدی کے شروع میں ہوا۔ تامبی نے ان سدھانتوں کو اکٹھا کرنے اور پھر ترتیب دینے میں جو حصّہ لیا وہ اماپتی شو آچاریہ کی نظم "شرومرنی..." کاندپوراتم۔

کا موضوع بن گیا (چودھویں صدی) تامبی کی اپنی تصانیف میں ناناسمبندر پر چھ پر بندھ اور اپر پر ایک پر بندھ شامل ہے۔ ان کے علاوہ اس نے "ترولوندار ترووِن وادی" کی بھی تصنیف کی۔ اس کتاب میں تریسٹھ درویشوں کی زندگی کا مختصر طور پر ذکر ہے۔ یہ کتاب سندر موتی کی کتاب "ترولونداتوگی" پر مبنی ہے۔ یہ سب تصنیفات اور نظمیں جو اس نے ونایک اور چیدام برم کی تعریف میں لکھی ہیں۔ شو سدھانت کی گیارھویں کتاب مانی جاتی ہے۔ اس گیارھویں کتاب میں تامبی کا ہمعصر ہینی ناتو پلیئی یار کی بھی جو اس سے عمر میں بڑا تھا۔ پانچ تصانیف شامل ہیں جن میں "چیدام برم کولم (شیاں)" "ترِ عدائی مرو دور" "کاپی پورم" اور "ادری پوڑ" کی شو زیارت گاہوں کا ذکر ہے۔ تامبی سے کچھ پہلے کے مصنفین لیکن جو بہت پہلے کے نہیں تھے۔ ان کی تصانیف شو سدھانت کی نویں کتاب ہے "ترو وشیٹی پا" کہتے ہیں شامل ہیں۔ ایسے نو مصنفین ہیں جن میں پرانتک اول کا لڑکا گینڈا دتیہ بھی شامل ہے۔ انہی مصنفین میں کرو وو ردیون بھی تھا جس نے تین چول مندروں پر گیت لکھے ہیں جو اس کے زمانہ میں بنتے رہے تھے۔ ان کے نام کالندئی کا ادیتہ ایشور تنجور کا راج راجیشور اور گنگئی کونڈ شولا پورم کا گنگئی کونڈ سویشور مندر ہے۔

کلوتنگ دوئیم (1133-1150) کے زمانہ حکومت میں سیکی لار اپنی کتاب "تروونڈار پرانم" یا "پیریہ پرانم" تصنیف کی۔ یہ کتاب تامل کے شو ادب کی تاریخ میں بہت اہم ہے اُماپتی شواچاریہ نے "شیکلر نائے نار پرانم" نامی ایک چھوٹے سے پران میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ شیکلر ویلل ذات کا تھا اور مدراس کے بہت نزدیک کُن رتور میں پیدا ہوا تھا۔ چول بادشاہ کی ملازمت میں داخل ہو کر وہ بہت اونچے مرتبے کو پہنچ گیا اور اس نے اُتم شولا پورائن کا لقب حاصل کیا۔ اس نے ترونا گیشورم (کمبکونم کے نزدیک) مندر کے نمونے پر ایک شو مندر تعمیر کرایا۔ وہ اس مندر کا بہت بھگت تھا۔ یہ واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ "راجہ جیوک چیناتی" کے مطالعہ میں غرق رہتا تھا جس کی وجہ سے شیکلر کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچی۔ اس نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ وہ ایسے بے دین عاشقانہ ادب کا مطالعہ کرنا چھوڑ دے اور سندر موتی اور تامبی اندر تامبی کی تصنیف کردہ شو درویشوں کی زندگی کے بارے میں پڑھے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ وہ اسے ان درویشوں کے بارے میں سمجھائے۔ بادشاہ چونکہ اس موضوع سے بے حد متاثر ہوا اس لیے اس نے خواہش ظاہر کی کہ شیکلر ان درویشوں کے بارے میں بالتفصیل ایک نظم لکھے اور اس کام کی انجام دہی میں مدد دینے کے خیال سے اس نے شیکلر کو بہت زیادہ روپیہ بھی دیا۔ اس کے بعد شیکلر چیدام برم چلا گیا اور مذہبی جذبے

سے مملو ہو کر اس نے مندر کے ہزار ستون والے منڈپ کے نیچے بیٹھ کر پران لکھنا شروع کیا شیکلر سے ایک غیبی آواز نے کہا کہ وہ اپنی تصنیف کو "الیکگم" لفظ سے شروع کرے جب شیکلر اپنی کتاب ختم کر چکا تو چول بادشاہ خود چیدام برم گیا اور ایک دوسری غیبی آواز کے بموجب اس نے ایک سال تک ہر روز پوری توجہ کے ساتھ شیکلر کی نظم کو سنا۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔ اور اسے تامل ادب کا پانچواں وید قرار دیا گیا۔ اس کتاب کو فوراً شو سدھانتوں کی بارھویں کتاب تسلیم کر لیا گیا۔ اس نے تامل دیش میں شو دھرم کے سبھی ماننے والوں کو بے حد متاثر کیا ہے۔ ان کے علاوہ آندھرا اور کرناٹک کے لوگ بھی اس کتاب کے ترجمے یا نقل سے متاثر ہوئے ہیں۔ اس کا شمار تامل ادب کے شاہکاروں میں کیا جاتا ہے۔ یہ چول شہنشاہوں کے دور عظیم اور شو دھرم کے ماننے والوں کے جذبہ عقیدت کی یادگار بھی ہے۔

اس زمانہ میں وشنوؤں کا دینی ادب مخصوص طور پر سنسکرت میں لکھا گیا یہ ممکن ہے کہ آخری دو الوار اس زمانہ میں بھی ہوں لیکن ان کے بعد کے اچاریوں نے سنسکرت میں ہی لکھا۔ ان میں ناتھ متی نے بھگتی کے چار ہزار گیتوں کو مرتب کیا۔ ناتھ متی کے پوتے آل ونڈار یا مین اچاریہ راماننج نے بھی قریب قریب اپنی تمام تصنیفات سنسکرت میں ہی کیں۔ وشنو دھرم کی تربیت جو شو دھرم کی تحریک کے مقابلہ میں عوام کے درمیان کہیں زیادہ مقبول بنائے جانے کے طریقے سے شروع کی گئی تھی۔ اس میں یہ تبدیلی عجیب سی خیال کی جائے گی۔ تامل کے ابتدائی بھگتی گیتوں کے شارحین مثلاً پیلان جس نے "تروو ے موئی" پر اب تک سب سے مختصر شرح تحریر کی ہے اور دوسرے مصنفین مثلاً نامخیار، بھٹی لائی، پیریے واچان اور واڈکو تروروی دیپلائی، جو سبھی جامع شرحوں کے لکھنے والے ہیں، انھوں نے اپنا ایک عجیب وغریب اسلوب بیان اختیار کیا جسے منی پروال (شفاف اور مونگا) کہتے ہیں۔ یہ طرز بیان سنسکرت الفاظ سے بھرا تھا۔ جسے کچھ تعلیم یافتہ لوگوں کے علاوہ اور دوسرے لوگ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ راماننج کی تعریف میں ان کے شاگرد تروود تو امودنار نے جو کتاب راماننج مورن وادی تصنیف کی وہ نمایاں تصنیفات نہیں ہے۔ یہ نظم بہت سادہ دیندارانہ اسلوب میں ہے اس کی اخیر تک بے حد عزت کی جاتی ہے اور ہر روز دعا کے وقت پڑھی جاتی ہے نظم کا خصوصی مقصد صرف یہی ہے کہ گرو کی عنایت کے بغیر نجات حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

دیویندر منی ور کی کتاب "جیو سمبودانی" ایک جین تصنیف ہے جس میں روح کو خطاب

کرتے ہوئے مراقبہ کے بدھ طریقوں کی وضاحت کی گئی ہے اس میں خیالی کہانیاں بھری ہوئی ہیں۔ اور اس میں جو بحر استعمال کی گئی ہے وہ اسی زمانہ کے تامل کے کتبوں کی بحر سے ملتی جلتی ہے۔

تامل زبان کی گرامر کے سلسلے میں علم عروض پر دو مستند کتابیں تصنیف کی گئیں۔ یہ یاپرونگلم ورتی اور یاپرن گلاکری گئی ہیں۔ جن کا مصنف دسویں صدی کے اخیر میں ایک جین سنیاسی امت ساگر ہے۔ ان دونوں کتابوں پر بہت واضح شرحیں ہیں۔ کریگئی پر گنا ساگر نام کے کسی محقق نے شرح تحریر کی۔ یہ شخص بھی جین سنیاسی تھا اور غالباً امت ساگر کا شاگرد تھا۔ یاپرونگلم کا دائرہ بہت وسیع ہے اور تامل کی بحروں کا کوئی بھی پہلو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ کریگئی (سنسکرت میں کرہ یکا) اس کا اختصار ہے۔ امت ساگر "شولامنی" سے اقتباسات پیش کرتا ہے اور بدھومترنے اپنی کتاب "ورے شولیم" میں اس کے اقتباسات پیش کیے ہیں۔ امت ساگر اور بدھومترنے دونوں کو اس زمانہ کے چول بادشاہوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ ان لوگوں کو ہدیۃً کے ساتھ زمینیں بھی دی گئی تھیں۔ بدھومترنے ویرراجیندر کا ذکر کرتے ہوئے اسے تامل کا عظیم ادیب بتایا ہے۔ اس کی تصنیف کلی تری بحریں ہیں اور اس میں تامل اور سنسکرت گرامر کے طریقوں کے امتزاج کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں ایک مقالہ کے پانچوں حصے مثلاً سندھی (الیوتو)، شول، پورل، یاپو، اور النکار (اَنی) شامل ہیں۔ یہ کتاب تامل میں گرامر سے متعلق اصولوں کی تاریخ کے کسی طالب علم کے واسطے مکمل طور پر دلچسپ ہے۔ اس کتاب پر اس کے شاگرد پیرون دیوتار نے ایک شرح تحریر کی ہے۔ "دندیہ لنگارم" مخصوص طور سے صنعتوں کی وضاحت کرتی ہے اور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ یہ دندین کی مشہور کتاب کاویہ درش کے نمونے پر تصنیف کی گئی ہے۔ یہ سوتر (بلیغ) طرز تحریر میں ہے اور کاویہ درش کے نمونے پر اس میں شاعری کاویہ۔ اور صنایع و بدائع کی نوعیت کو دو عنوانات "ارتھ النکار (پورولانی) اور شبد النکار (شولی)" کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ ہر سوتر کے بعد ان کی توضیح اور مثال دیکر سمجھایا گیا ہے۔ اس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ مصنف کے ہی قلم کا نتیجہ ہیں۔ بعض تمثیلی بند" ان پایہ چول" اکلوتنگ دوئم کی تعریف میں ہیں۔ مصنف کا نام اور اس کی زندگی کے حالات دستیاب نہیں ہیں۔ گن ویرپنڈت کی "نیمی ناد" وینبا بحر میں ہے۔ یہ ایک مختصر کتاب ہے جس میں سو اشعار سے بھی کم ہیں۔ اس میں تامل زبان کے املے اور اجزائے کلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس مقالہ کا مصنف کلوتنگ سوئم کے عہد حکومت کا ایک جین تھا جس نے اپنے نام "نیم ناتھ" کے خیال سے کتاب کا نام رکھا۔ یہ جنوبی میلاپور

کا تیر تھنکر تھا۔ اسی مصنف کی دوسری تصنیف "وچ نندی مالئی" (وچ نندی کی مالا) ہے۔ یہ کتاب علم عروض پر ہے اور اس کا نام مصنف کے استاد کے نام پر رکھا گیا ہے۔ اس کو دینا پاٹیال بھی کہتے ہیں۔ سنول (پنچ کتاب) کو پاونندی نے تصنیف کیا یہ بھی ایک جین ماہر گرامر تھا۔ جسے کلوتنگ سوم کے ایک جاگیردار گنگا کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس کتاب میں صرف الوتو اور شول (اجزائے کلام) کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کا پتہ نہیں کہ یہ کتاب صرف یہیں تک تھی یا اس کے آگے بھی۔ لیکن بقیہ حصہ دست یاب نہیں ہے۔ اس کتاب کو اپنی سادگی، اختصار اور جامع ہونے کی وجہ سے تامل گرامر کی تمام ابتدائی کتابوں پر فوقیت حاصل ہے۔ ایک اور جین مصنف اپنافا کی "یوروپورل وینبا مالئی" میں پودم کی ترایوں (حالتوں) کو معقول بنانے کے اصولوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ اور ہر توڑائی کو ایک وینبا کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ یہ کتاب بعض معنوں میں تولکا پیم سے مختلف ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلے کی ایک کتاب "پنیر وپدلم" پر مبنی ہے۔

فرہنگ نویسی کے سلسلہ میں ایک مختصر لغت سگنڈو جس کا نام خود مصنف کے نام پر پنگلم رکھا گیا اس ہی زمانہ کی تصنیف ہے۔ اس کی ترتیب دواکرم سے مختلف ہے جو آٹھویں صدی میں کسی وقت امیر کے شینڈن کے زیر سرپرستی دواکر نے تصنیف کی ہے۔ یہ سب سے قدیم لغت ہے۔ پنگلم کے مصنف کے بارے میں کوئی خاص واقفیت نہیں ہے۔ اس کا نوں میں ذکر کیا گیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیو تھا۔

شیو سدھانت کے فلسفیانہ ادب کی ابتدا اس عہد کے دوران بہت بعد میں ہوئی۔ ترووپالور ائی یاونڈا دیور نے تروونت یار اور ترک لدوور یوند دیور نے ترو کالی رپ ادیار کتابیں لکھیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ موخر الذکر اوّل الذکر کا شاگرد تھا۔ یہ دونوں تصانیف 1148 اور 1178 میں ہوئیں۔ شیو سدھانت پر تصنیف شدہ چودہ کتابوں میں صرف یہی دو تصنیفات ہیں جو شیو دھرم کی مشہور و معروف کتاب میکندار کی شیو۔نان۔ بودم سے پہلے تصنیف کی گئی ہیں۔

تامل ادب کا چوتھا اور آخری دور جس کی جانب ہماری توجہ مبذول ہوتی ہے۔ 1200 سے 1650 کے درمیان ہے۔ اس زمانہ میں فلسفیانہ کتابیں، تفاسیر، پران اور پربندھ تحریر کیے گئے۔ اس ادب کا بیشتر حصہ دوسری تصنیفات پر مبنی ہے۔ یہ ادب بھی معمولی درجہ کا ہے اور اس کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تخلیقی ادب کی جگہ نقل اور تنقید نے لی تھی۔ ملک کی تعلیم میں بیشمار مٹھ نمایاں حصہ لینے لگے تھے۔ ان مٹھوں کے ذریعہ کچھ خشک مکتبی تعلیم کی ہمت افزائی بھی ہوئی۔

اس دور کے بیشتر مصنفین شو یا وشنو دھرم کے ماننے والے تھے۔ گو کہ جین مصنفین نے بھی لکھنا جاری رکھا اگرچہ وجیہ نگر کے شہنشاہ اور جنوب بعید میں مدیورا تک ان کے خراج گذار تیلوگو تھے لیکن انھوں نے اپنی تصانیف زیادہ تر سنسکرت اور تیلوگو زبان میں ہی کیں۔ اس کے باوجود اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس دور میں تامل ادب کی ترقی میں کسی قسم کی رکاوٹ پڑی ہو اور پانڈیوں نے جو پندرھویں صدی سے جنوب بعید میں قایم رہے تامل ادب کی ترقی پر خصوصی توجہ دی۔

اس دور کے ابتدائی حصّے اور تیرھویں صدی کے پہلے نصف حصّہ میں میکانڈر ہوا۔ جس نے اپنی تصنیف شو۔ نان۔ بودم میں شو سدھانت کے اصول پیش کیے ہیں۔ یہ ایک درجن سوتروں کی چھوٹی سی کتاب ہے جو شاید سنسکرت کی اصل کتاب کا ترجمہ ہے۔ مصنف نے اس میں "ورتیکاؤں" کا اضافہ کیا ہے جس میں ہر سوتر کی وضاحت کے ساتھ ساتھ مثالوں کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب کی ترتیب بہت آسان ہے۔ پہلے تین سوتروں میں موجود حقیقی یعنی خدا (پتی) بندھن (پاس) اور آتما (پاسو) کے وجود کی تصدیق کی گئی ہے۔ اگلے تین سوتروں میں اس کی نوعیت اور باہمی تعلقات کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے بعد تین سوتروں میں نجات کے راستے اور آخری تین سوتروں میں ان کی ماہیت کو بیان کیا گیا ہے۔ "ر وید" گاتے ہے اور اس کا درجہ حقیقی "اگم" ہے۔ دیورام اور تروواشگام میں چار شعرا کا گایا ہوا تامل اس دودھ سے نکلا ہوا گھی ہے اور مشہور شہر وینلی کے میکانڈر کی تامل میں تصنیف اسی گھی کا ذائقہ ہے۔ بودم کے بعد شو سدھانت پر دوسری اہم تصنیف شو، نان سشتیار ہے۔ اس کا مصنّف ارونندی ہے۔ اس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ پہلے میکانڈر کے والد کا گرو تھا اور جو بعد میں میکانڈر کا شاگرد ہو گیا۔ یہ پوری کتاب نظم میں لکھی گئی ہے۔ اور ورتم نظم کے اندر سدھانتوں (سوپکم) کو بیان کیا گیا ہے۔ اس میں بھی بودم کی کتاب کی طرح سوتروں کو مرتب کیا گیا ہے۔ کتاب میں بیان سے پہلے مخالف طریقوں (پرپکم) پر پر تنقیدی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے۔ ایسے کم از کم چودہ طریقوں پر جن میں چار بدھمت اور دو جین دھرم کے مکتب خیال سے متعلق ہیں غور کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تامل شو سدھانت پر ایک کلاسکی کتاب ہے۔ اس پر اکثر شرحیں بھی تحریر کی گئی ہیں۔ اس موضوع پر یہ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ اسی مصنف کی ایک اور کتاب "اری پاو۔ ازی پابدوش" ہے۔

کتاب کا نام اس لیے پڑا کہ اس کے بیس اشعار کے پہلے اور دوسرے مصرعہ میں مختلف بحریں استعمال کی گئی ہیں۔ اور یہ استاد اور شاگرد کے درمیان مناظرہ کی شکل میں ہے۔ مصنف کے گرو میکانڈر کا نام ان میں اشعار کے ہر مصرعہ میں آتا ہے۔ من واس گنگ ڈن ہار کی کتاب للن منی ولاکم (ریحانی کی وضاحت) اس سدھانت پر سب سے آسان کتاب ہے۔ اور آگموں کے بنیادی طریقوں کے عین مطابق ہے۔ امایتی شوآچاریہ (تیرھویں صدی کے اخیر اور چودھویں صدی کے شروع میں) نے شو سدھانت کی بقیہ آٹھ کتابیں تصنیف کیں۔ اور اس طرح شو سدھانت شاستروں کی تکمیل ہوئی۔ ان میں سے ایک کتاب شنکرپتی راکرتم 1313 میں تصنیف کی گئی۔ ستیار کے پربکم کی طرح اس کتاب میں دوسرے فرقوں پر اعتراضات کیے گئے ہیں۔ لیکن اس میں اور دوسری کتاب میں یہ فرق ہے کہ اس کتاب میں شو دھرم کی معمولی سے معمولی اختلاف رائے کی صاف جھلک ملتی ہے۔ سولھویں صدی میں ترو۔ وڈی یور کے نان پرکاشرے نے ان دونوں کتابوں پر شرح لکھیں۔ اس نے اپنی جائے پیدائش پر ایک پران بھی تصنیف کیا۔ (1580)

چودھویں صدی کے اخیر میں اور پندرھویں صدی کے شروع میں ادویت کے فلسفہ پر دو مشہور مجمع الاشعار کے مصنف سروپانند دیشیکر اور اس کا شاگرد تتو ورآیار ہوئے۔ اس میں استاد کی تصنیف کا نام "شوپرکاش پیرن دیراتو" ہے۔ اس میں 2824 اشعار ہیں۔ اس کے شاگرد کی تصنیف کا نام "کرون دیراتو" ہے۔ یہ مختصر مجمع الاشعار ہے اور اس میں پہلی کتاب کے نسبتاً آدھے اشعار ہیں۔ تامل دیش میں جس دور کو شو دھرم کا نقرئی عہد کہا جاتا ہے۔ اس کا بیشتر مذہبی اور فلسفیانہ ادب ان ہی دو کتابوں میں محفوظ ہے۔ اگر یہ تصنیفات نہ کی گئی ہوتیں تو یہ ادب تباہ ہو گیا ہوتا۔ تتو ورایار اپنے استاد کے مانند ایک سنیاسی تھا۔ اس نے متعدد دینداراانہ نظمیں اور گیت لکھے۔ ان میں سے کچھ اسلوب کی سادگی کے لیے مشہور ہیں یہ عوام میں بے حد مقبول ہوئے۔ یہ خاص طور پر چھوٹے چھوٹے گیت ہیں۔ یہ گیت نمونہ کے طور پر تسلیم کیے گئے اور بعد میں شعرا نے ان کی تقلید کرتے ہوئے اپنے گیت لکھے نظموں

---

[1] بعض مسودات میں نیری دلکم کے مصنف اوماپتی کی جگہ پر شیامی کے شیرم بل نادگل (چودھویں صدی) کی نگلر بودم کو شامل کیا جاتا ہے۔

میں "پادوشری" "تاتاوِنوون کلم یکم" موہو دیپ پرئی" اور "اناو دے پرئی" ہیں۔ اروں گری ناتھ کی کتاب ترو پوگل عوام میں بے حد مقبول ہوئی۔ اس میں مختلف بحروں میں ایک ہزار تین سو ساٹھ گیت ہیں جنھیں انتہائی عقلمندی کے ساتھ منظوم کیا گیا ہے۔ ان کی نے اور شعر مخصوص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان گیتوں پر سنسکرت زبان کا غلبہ ہے۔ تخیل بہت قوی ہے، ہر گیت سے پتہ چلتا ہے کہ شاعر ہندو دھرم کی مقدس کہانیوں سے بخوبی واقفیت رکھتا ہے۔ اس نے پروڑھ دیورائے کا ذکر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پندرھویں صدی میں تھا۔ اس کی زندگی کے حالات کے بارے میں کئی روائتیں رائج ہوگئیں۔ لیکن گیتوں کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ زمانہ تک ایک عیاش رہا۔ جس کے لیے اسے بعد میں بہت افسوس بھی ہوا۔ اس نے مروگا یا کارتیلیہ کو عظیم ترین دیوتا تسلیم کیا ہے۔ وہ شوسدھانت کے عقیدہ میں یقین کرتا تھا۔ وہ مروگا کی تمام زیارت گاہوں پر بھی گیا۔ پلنی سے اسے مخصوص طور پر لگاؤ تھا جس کا ترو پوگل میں اسے خاص طور پر ذکر بھی کیا ہے۔ بعض اور چھوٹی چھوٹی نظمیں جو مروگا کی تعریف میں کہی گئی ہیں اس میں سے منسوب کی جاتی ہیں۔ مدیورا کے شوپرکاش نے (1489) اروندی کی کتاب اروپاو۔ اروپاہدو اور اماپتی کی کتاب شوپرکاشم پر بیش قیمت شرحیں تحریر کیں۔ وشنو شاعر ہری داس وجیہ نگر کے شہنشاہ کرشن دیورائے کے دربار کی زینت تھا۔ ہری داس نے "اروسیۓ بلکم" لکھی۔ اس کتاب میں اس نے شو دھرم اور وشنو دھرم کے اصولوں کی وضاحت کی ہے۔ ہری داس نے وشنو دھرم کی طرف داری کی ہے۔ چیدام برم کے مٹھ کے رہنے والے شاعر مرے نان سمبندر نے "شو دارو موترم" (1533) تصنیف کی۔ اس کتاب کے بارہ حصوں میں بارہ سو سے زیادہ اشعار ہیں۔ یہ آگیوں پر مبنی ہیں۔ اس میں علم کائنات، مندر اور اس سے متعلق دستور اور دینیات کا ذکر ہے۔ اسی مصنف نے شو سمینری" دشو دھرم کا ملک" لکھی۔ اس میں شو دھرم کے ماننے والوں کے روزمرہ کے مذہبی رسوم کا 727 چھوٹے چھوٹے بندوں ذکروں دینیا میں ذکر کیا گیا ہے۔ تقریباً اسی وقت شواگر کے یوگی عرف شو کولندو دیشی کرنے مکمل شنتیار پر ایک مستند شرح پیش کی۔ اس کے علاوہ مذہبی ریت ورواج، زہد اور دوسرے مذہبی موضوعات پر بھی کتابیں تصنیف کیں۔ اسی زمانہ میں ایک اور مشہور مصنف لکھئی نان پرکاشر ہوا جس نے شو طریق عبادت پر متعدد کتابیں تحریر کیں۔ اس نے ترومالو وادی پہ پران بھی لکھا اور "ترووانا مالئی" پر ایک کووئی بھی تصنیف کی۔ اترکوش منگئی پہ ماشی لامنی سمبندر کا پران مانک واشگر کی زندگی کے حالات کے لیے بہت اہم ہے۔ نرمب الگمیہ دیشی نے شیتو پرانم لکھا۔ یہ کتاب عالموں

کے درمیان اس لیے بے حد مقبول ہوئی کہ اس میں تمام ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو لغات میں کمیاب ہیں اور دوسرے لکھنے والوں کے خزینۂ الفاظ کو مالامال کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس نے "ترو پرانگمری" اور "تروئی یارو پر پران" بھی تصنیف کیے۔ شتیار پر ایک شرح بھی تحریر کی جو بعض معنوں میں اس کے ہم عصر شو اگرے یوگی سے مختلف تھی۔ اس کے متعدد شاگرد تھے جنھوں نے بہت سے چھوٹے چھوٹے پران اور دینیات پر تصنیفات کیں۔ ان میں مشہور و معروف ترو واتور پرانم (1592) بھی شامل ہے۔ تراشاتی ایل وان دیشمیکر (1685) نے بہت سی مذہبی کتابیں مثلاً شیتانت شیکامنی، اینتائی ولکم، اور سمار گیشبار لکھیں۔ ان کے علاوہ "پولی لی ابا ونتی" بھی تصنیف کی جو شو سدھانت پر کے فلسفہ کی آسان نثر میں وضاحت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے ایک وفادار ملازم کی قابلیت میں اضافہ کرنے کے خیال سے اس نے یہ کتاب تصنیف کی۔

ویلور لنگم نایک (تیرھویں صدی کے شروع میں) ترے یور شو پرکاش سوامی کا ہم عصر تھا اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے نایک کی عنایات حاصل کرنے کی غرض سے ویرشو دھرم قبول کرلیا تھا۔ اس نے نایک کو چیدام برم کے مندر میں نٹ راج کی عبادت کو دوبارہ شروع کرنے کے لیے راضی ہوگیا۔ مندر میں عبادت وجیہ نگر کے ویشنو حکمرانوں کے تعصب کی وجہ سے بند ہوگئی تھی۔ اس کی تصنیف "ادویت وینبا" جس میں دوسو اٹھارہ اشعار ہیں اور آگموں پر بالخصوص واتولا پر مبنی ہے۔ شودھرم کے فلسفہ کی وضاحت کرتی ہے۔ اس کی دوسری تصنیفات مثلاً "گن سجاتت رتن مالئی" اور "شت کترئیم" میں ویرشو دھرم کا فلسفہ اور دینیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ تقریباً 1633 میں ضلع تنادلی میں واقع کیتار میں مدیور اکے نایک کے افسر اعلیٰ تروینگلا اتھرنے ایک کتاب لکھی جو بہت اہم تھی۔ اس نے ایک طویل تامل نظم میں ادویت فلسفہ کی وضاحت کی۔ اس طرح اس نے کرشن مصر پر برتری حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کرشن مصر نے سنسکرت کے اپنے مثالی ڈرامے "پربودھ چندر اودے" میں دھرم کے اصولوں کی وضاحت کی ہے۔ یہ نظم جو سنسکرت ڈرامے کے نمونے پر لکھی گئی۔ تامل کی اس نظم کا نام بھی وہی ہے۔ اس کا ایک اور نام "نیانا ولکم" (صحیح واقفیت کی توضیح) بھی ہے۔ اس کتاب میں اڑتالیس باب ہیں اور 2019 اشعار ہیں۔ چونکہ ترو دیگنڈ ایک اعلا افسر تھا اس لیے وہ بہت سے شعرا کا سرپرست بھی تھا۔ "نانا بھرن ولکم" شو فلسفہ پر جدید ترین تصنیفات میں سے ایک ہے۔ یہ ویلیپیل تامبراں (1650) کی کتاب "نانا شتیار" پر شرح ہے۔ تامبراں مشہور و معروف کمارا گورو پرلا کا شاگرد تھا

پیایک جامع بھاشیہ ہے جس میں آگموں میں سے اقتباسات بھرے پڑے ہیں۔ مصنف نے ان آگموں کا تامل زبان میں بھی ترجمہ کیا ہے۔

اس دور میں گذشتہ دور کے مانند وشنو دھرم پر فلسفیانہ اور دیندارانہ ادب کا بیشتر حصہ سنسکرت زبان میں ہی تصنیف کیا گیا۔ بھگوت گیتا، شرحیں، نثری شرحیں، رہسیہ کے علاوہ تامل میں کچھ کتابیں لکھی گئیں۔ اور ان تصنیفات کے بارے میں کوئی مستند تفصیلات کا حاصل کرنا آسان نہیں ہے۔ شرحوں میں منی پروال کا اسلوب بیان اختیار کیا گیا۔ رہسیہ کی اٹھارہ تصنیفات کا مصنف پلائی لوک اچاریہ اس کا شاگرد اور چھوٹا بھائی اگیہ میں وال پرومال نیتار تھا جس نے اور بھی رہسیہ اور دینیات کے اصولوں پر شرحیں تحریر کیں۔ یہ لوگ اس دور میں بہت پہلے تیرھویں صدی کے پہلے دس برس میں رہے ہوں گے۔ ویدانت ویشک نے جو ایک درویش تھا اور سنسکرت کا وافر مصنف بھی تھا تامل زبان میں ایک کوڑی، ہوژمیں مالی، ارتھ پنچکم اور ادوے کل پتو تصنیف کیں۔ اس کے لڑکے اور شاگرد دینار اچاریہ نے اپنے والد اور استاد کی تعریف میں بیس اشعار کی ایک نظم "پلے میں وادی" لکھی۔ اس نے دینیات اور مناظرے سے متعلق بھی کئی کتابیں لکھیں۔ دونوں باپ اور بیٹا مناظرہ کرنے میں ماہر تھے اور اس سلسلہ میں وہ متواتر سفر بھی کرتے رہتے تھے۔ تروائے مولی پلائی (1307) نے پیری یلوار کے گیتوں پر نیز پلائی لوک اچاریہ کے راہسیوں میں سے ایک رہسیہ شری وچن بھوشن پر شرح تحریر کی۔ تروآئے مولی کا شاگرد منوال مہامنی (1370) نے متعدد دینی تعلقات پر نیز رامانج نورن وادی پر شرحیں تحریر کیں۔ وشنو دھرم ماننے والوں کا ایک طبقہ تینگلئی (جنوبی شاخ) اسے بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

اس دور میں ادب کا بیشتر حصہ دینی اور فلسفیانہ ادب کی شکل میں ہے۔ ان میں سے بعض تصنیفات کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اب اس درجہ کی دوسری مشہور کتابوں کا ذکر کیا جائے گا۔ اماتی شو اچاریہ کا کوئل پرانم" اس صنف پرانوں میں قدیم ترین ہے۔ اس میں چیدم برم کے مشہور شو مندر سے متعلق روایات کا ذکر ہے۔ نظم میں رزمیہ نظم کے اسلوب بیان کو اختیار کیا گیا ہے اور ادب میں اس کتاب کو ممتاز درجہ حاصل ہے۔ پران تروملے ناتھن کا چیدام بر پرانم (1508) بھی ہے۔ تروملے ناتھن نے "چوکنا تھر اولا" بھی تحریر کی۔ اس کتاب میں مدیورائے کے دیوتا کی حمد ہے۔ نیلورو براکوی رایر کا "اری چندر پرانم" (1524) اپنے طرز بیان اور موضوع کے خیال سے عوام میں بے حد مقبول ہے۔ اس میں ہرش چندر کی ان آزمائشوں کا ذکر ہے جن سے اسے حق پرست ہونے کی وجہ سے گذرنا پڑا تھا۔ کتاب کے بارہ حصے

اور 1225 سیس اشعار ہیں۔ ان اشعار میں بے حد روانی پائی جاتی ہے۔ اس نظم کے شاعر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ضلع رام ناد کے نیلور میں ایک سنار تھا۔ اس کے بعد مدیورا میں بھگوان شو کے چونسٹھ کھیلوں پر تصنیف کردہ تین عظیم کتابوں کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ انا داری کی کتاب "سندر پانڈیم" مدیورا کے ویر آیا نایک (95-1572) کے جنرل نرودرن رین کی التجا پر تصنیف کی گئی تھی یہ نظم ایک ترجمہ ہے اور کتاب کا نام اصلی سنسکرت نام پر ہی رکھا گیا ہے۔ اس نظم کے دو ہزار اشعار ہی بچ سکے ہیں۔ ایک ہی ترووے یادل نام کی دو اور نظمیں ہیں جن کا موضوع متعدد اختلافات کے ساتھ ایک ہی ہے۔ اس میں چھوٹی نظم کا شاعر پیرم بیرپ پلی یار۔ تامبی ہے۔ اس کو بعض کمزور اسباب کی بنا پر تیرھویں صدی کا بنایا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ بہت بعد میں ہوا ہو۔ دوسری بڑی نظم (جس کا مقصد ان پانڈیہ بادشاہوں کا نام دینا ہے جس کے عہد حکومت میں شو کا ہر کھیل کھیلا گیا) ویڈارنیم کے پران جوتی نے لکھی ہے۔ یہ نظم شاید سترھویں صدی کے شروع میں لکھی گئی ہوگی۔ کچی یاپا شواچاریہ (1625) کی کند پرانم "مت پچھ کمبن کی نظم کے نمونہ پر لکھی گئی۔ یہ نظم سنسکرت کے اسکند پران پر مبنی ہے۔ اس کتاب کا آخری حصہ شاعر کے ایک شاگرد نا نا وروے پنڈارم نے مکمل کیا۔ اس نظم میں تیرہ ہزار اشعار ہیں اور چھبیس ہزار اشعار شاگرد کے بھی شامل ہیں جو نظم کی تکمیل کے لیے لکھے گئے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے استعل پران جو اس دور کے اخیر میں لکھے گئے وہ درج ذیل ہیں۔ ترے یور شویر کاش کے ایک شاگرد نانک کوتر کا "وردھاچل پرانم"۔ کانبئی کومرن 1616 کا "تروو ابخیہ پرانم" اگھوڑ متی ورکے "کمبکوتم"۔ ویدارنیم" اور نروک کا نثر پر تحریر کردہ پران۔ اگھورمتی ودیلئی کا رہنے والا بال برے منیہ کوی رایر نے یل نبت تل برانم (1628) تصنیف کیا۔ تامل زبان میں بھاگوتم کے دو ترجے کیے گئے ہیں۔ ایک تو مدیورا ضلع میں ویبے رور کے ستیوئی چودہ وار نے کیا اور دوسرا اینلی مگر کے وردراج اینگر (1543) نے کیا۔ ان میں پہلا ترجمہ جو پہلے کیا گیا ہے بہتر بھی ہے۔

غیر مذہبی ادب میں وانجی کے پو. ولی کی تصنیف "تانجئ وامن کو وئی کو سب سے پہلا درجہ حاصل ہے۔ نظم کا ہیرو تنجئ کے وانم کے با ے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پانڈیہ کی "آنکھ" تھا جس نے ملئی ناڈو فتح کیا تھا"۔ یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ اس ط مارورمن کل شیکھر (1308-1260) کا ذکر کیا گیا ہو کیونکہ کووئی میں نمبی اہپورل کے اصولوں کا سدوار ذکر کیا گیا ہے جو کل شیکھر کے عہد حکومت میں نارکوی راج نمبی کی تصنیف اور تابع گہ رہے۔ کووئی کے یان ہیرو کی جائے قیام مدیورا کے نزدیک

بھتی یا جدید تجنا گور ہے۔ یوگیڈری کی کتاب نل وینیانل اور دمینتی کی درد بھری کہانی ہے۔اس کتاب کے مصنف کے بارے میں مستند معلومات نہیں ہیں۔ بجز اس کے کہ اسے ملوناڈ میں واقع ملور کے سردار چندرن سو ورکی کی سر پرستی حاصل تھی۔ یہ یقینی طور پر کمبن کے بعد ہوا اور ان قصے کہانیوں پر دعتقاد نہیں کیا جا سکتا جن میں اسے اوٹا کوٹن اور اوُ ویناار کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ ولی پوتورار (1400ء) کی بھارتم ایک قابل نظم ہے جس کے چار ہزار تین سو پچاس اشعار میں مہابھارت کی لڑائی کا ذکر کیا گیا ہے۔ مصنف کا زور بیان اور خوبصورت طرز ادا جس میں سنسکرت کے الفاظ اور محاوروں کی آمیزش سے یہ تصنیف پڑھنے میں بہت دلآویز بن گئی ہے۔ کتاب کے مصنف کو کونگر خاندان کے ورپتی خاندان کی سر پرستی حاصل تھی۔ ولی پوتورار کے ہم عصر دو بھائی تھے جن میں ایک اندھا اور دوسرا لنگڑا تھا۔ ان کو اراتئی پلوار (جوڑواں شاعر) کہتے تھے۔ انھوں نے ایکامر۔ نادر۔ اولا اور دو کلم مکموں کی تصنیف کی۔ اولا میں کاپخی کے شو مندر اور ملّی ناتھن راج نرائن شمبوورائی (1350ء) کا ذکر ہے جو شمالی ارکاٹ اور چنگلے بٹ اضلاع کے نشین گیتی سرداروں میں آخری سردار تھا۔

شری رنگم کے جزیرے میں تردوائی کا کے شو مندر سے متعلق ایک اور اولا کال میگھم نے لکھی۔ اس نے اور بھی مزاحیہ اشعار کہے۔ اس کو گوپیا کے لڑکے سالوترو ملے راج کی جو پندرھویں صدی کے وسط میں وجے نگر حکومت کے تحت چول دیش کا حکمراں تھا سرپرستی حاصل تھی۔ تنجور ضلع کے ایک ویلال شاعر شوا یلاّ پانا ولیر نے جو سولھویں صدی میں (80-1542ء) ہوا تروورار ز پر ایک بہترین کوولّی تصنیف کی جس میں 496 اشعار تھے۔ ان کے علاوہ اس نے تردو نا ملتی ترو ورنجے پورانم کے مندروں پر ارون میسن وادی اور ارو ماچل پورانم کی تصنیفات کیں۔ اس نے ورئی گومی راج پاتا دتار کے ترجمے تامل سوندر یہ لہری پر ایک شرح بھی تحریر کی۔

تقریباً اسی وقت تن کاشی کے پانڈیہ راجہ اتی ویر رام (1564ء) نے نیدادم تصنیف کرکے ادب کی دنیا میں شہرت حاصل کی۔ اس کتاب میں بارہ پدلم اور 1172 اشعار ہیں یہ نظم اعلا طرز ادا کے ساتھ خود رائی سے بھرپور ہے جو جدید نقاد کے لیے خوشگوار نہیں۔۔۔ پنڈتوں کی نگاہ میں اس طرز بیان کو ممتاز درجہ حاصل ہے۔ اس میں بہت سے محاورے اور بہت جذبات موجود ہیں جو قدیم تصنیفات مثلاً کمبن کی راماینم اور جیوکا چینامتی میں پائے جاتے ہیں۔ اسی شاعر نے جو راجہ بھی تھا سنسکرت کی کتابوں سے کاشی کندم اور کورم پرانم ترجمے بھی کیے۔ ان کا اسلوب بیان سلیس ہے اس نے اخلاقیات پر ایک چھوٹی سی کتاب ویردرکئی یا ناروں دگئی تحریر کی۔ یہ کتاب اتنی سلیس

اور آسان ہے کہ بچے بھی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ دراصل یہ کتاب بچوں کے لیے ہی لکھی گئی تھی۔ اس شاہی شاعر کا ایک ہم عصر شری کویراج پلائی Serai Kavaajpillai تھا جس نے راجہ کی درخواست پر کال ہستی کے دیوتا پر" ترکالہی۔ نادر۔ کتلئی۔ کلّت ترئی مالئی کتاب لکھی۔ کویراج پلئی کی دوسری تصانیف مثلاً تروکالہی نادر اولا، تروونا ملے یاروانم، شی پورمروگن اولا، اور رتنا گری ادلا ہیں۔ یہ کل نظمیں اپنے دلکش اسلوب بیان اور مذہبی جذبات سے پُر ہیں۔ اتی ویرراما کا چچازاد بھائی، ورتنگ رام پانڈیہ بھی ادیب تھا۔ اس نے مختلف موضوعات پر اپنی تصنیفات بھی کیں۔ کروتی یعنی تناولی ضلع میں کری ولم وینڈانلور کے شومندر پر اس کی تین انداد میوں Andadis کو خالص ادب میں بہت اونچا درجہ حاصل ہے۔ ان میں ایک اندادی کی دس بحریں ہیں اور اسی بنا پر اسے پدی روپاتن وادی بھی کہتے ہیں۔ دو اندادی اپنی بحروں کی وجہ سے وینباون وادی اور کلی ترئی اندادی کہلاتی ہیں۔ اس کی مذہبی کتاب پیرم اوترکانڈم بارہ ابواب پر مشتمل دینیات پر ایک نظم ہے۔ جس میں مذہبی موضوعات پر 1310 اشعار ہیں۔ اس نے تامل زبان میں عاشقانہ نظم کوکوہ Kukkoha کا بھی ترجمہ کیا۔ اس کتاب کا نام سنسکرت کی اصلی کتاب کے مصنف نام پر رکھا۔ سترھویں صدی کے پہلے نصف میں تروپوونچ کے کندسامی بول دار (1621) نے مقامی شومندر پر ایک اولا اور تروواپتور پر ایک پران تصنیف کیا۔ کند پورانم کا مصنف کچیہ پاشوکا شاگرد اندک کوی ویرراگھو مدالیراور بھی زیادہ مشہور تھا۔ اس نے ایک پران ترک کالک کترام پر اور ایک ادلا" تروواروز" پر لکھا اور اسی طرح کی دوسری تصنیفات بھی کیں۔ اس لیے اپنے حکمرانوں اور سرپرستوں کی تعریف میں بھی کچھ نظمیں لکھیں جو اس وقت دستیاب نہیں ہیں۔ ان تصانیف میں مذکور Seiyur کے وتی نرام منی یپّن Vittinarammaiyappan پر لیئی تامل شری لنکا کے پرراج سنگھن پر ایک ونم اور کائے تار کے حکمران یعنی مادئی تروو ینگڈ ناتھر پر ایک اولا شامل ہیں۔ اس سلسلہ میں مذکورہ بالا سطور میں پربودھ چندرا دویم کا مصنف کی حیثیت سے ذکر کیا جا چکا ہے۔

ترومل نایک کے زمانہ حکومت کے دوسرے مشہور مصنفین میں کمارگروپر اور ترئی منگلم شوپرکاشر شامل ہیں۔ کمارگروپر کی پیدائش شری وکینتم میں ہوئی اور مشی لامنی ویشک نے تمام رسوم کے ساتھ اپنے مذہب میں داخل کیا۔ مشی لامنی ویشک دھرم پور کے مٹھ کے صدر کی حیثیت سے چوتھے نمبر پر تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ شمالی ہندوستان میں گذارا۔

وہ مخالف مذاہب کے لوگوں کے ساتھ جن میں مسلمان بھی شامل تھے۔ مناظرہ کرتے ہوئے جگہ جگہ پھرتے تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے کئی معجزے بھی دکھائے وہ مغل شہنشاہ سے بھی ملے اور ایک مٹھ اور مندر کے لیے انھیں بنارس میں زمین بھی عطیے کے طور پر دی گئی۔ وہ جنم کے گونگے تھے لیکن ترو چیندور کے دیوتا کے کرم سے جب وہ چھ برس کے تھے تو انھیں طاقت گویائی عطا ہوگئی۔ انھوں نے اپنی پہلی نظم کندر کالی وینبا میں اس دیوتا کی حمد بھی کی ہے۔ ان کی دوسری تصنیفات میں درج ذیل کتابیں شامل ہیں۔ اپنی پیدائش کی جگہ کے دیوتا (شو) پر کنک کلم بکم تصنیف کی۔ اس کتاب کو کیلاشم بھی کہتے ہیں۔ مدیورا کی دیوی میناکشی پر پلے تامل اور ارتھمنی مالئی دو کتابیں تصنیف کیں۔ مدیورا کے دیوتا چوکلنگ (شو) اور ان کے کھیل وتفریح کی ستائش پر ایک سو دو بندوں کی ایک نظم مدیورائی کلم بکم لکھی ترو ویرور کے تیاگ راج (شو) پر چالیس بندوں کے چالیس بند کی ایک کتاب ترو ویرورنان متی مالئی تحریر کی۔ ویدالیشورانکوول کے متو کمارسوامی (مروگا) پر ایک پلئی تامل اور کاشی کلم بکم اور دوسری مذہبی تصنیفات کیں۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے علم کی دیوی سرسوتی کی تعریف میں اپنے بنارس کے دوران قیام دس اشعار کی ایک نظم شکل کلا والی مالئی نظم لکھی۔ اس نظم کے لکھنے کا مقصد ہندوستانی زبان میں مہارت حاصل کرنا تھا تاکہ وہ دہلی کے شہنشاہ سے مل کر بات چیت کر سکے۔ انھوں نے چیدامبر چیوتا کووئی بھی تصنیف کی۔ یہ کتاب تامل زبان کے علم عروض سے متعلق ہے۔ اس میں مختلف بحروں کی تعریف مثال کے ساتھ دی گئی ہے۔ انھوں نے اخلاقیات پر ایک سو دو وینباؤں کی ایک کتاب تروملئی نایک کی درخواست پر نیتی نیرٹی ولکم بھی تصنیف کی۔ نایک نے اپنی رہنمائی کے لیے کرال کے نفیس مضمون کا خلاصہ تیار کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

شو پرکاشر کو چونکہ ترومنگلم کے اناملئی ریڈی کی دوستی اور سرپرستی حاصل تھی۔ اس لیے اسے اس سے وابستہ کیا جاتا ہے۔ اس کی پیدائش کانچی پورم میں ہوئی تھی اور تعلیم تناولی کے ویلی یم بلوان کے زیر سایہ ہوتی تھی۔ تناولی آئے اور واپس لوٹنے تک اس نے کچھ وقت اناملئی ریڈی کے ساتھ گذارا۔ دونوں ہی ویر شو میں اعتقاد رکھتے تھے۔ شو پرکاشر کٹر اور متعصب نہ تھا۔ اس کی تیس تصنیفات میں متعدد تصنیفات سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اسے شو سدھانت کے فلسفہ اور تامل شو بھگتیوں کے چار سے اچاریوں اور ان کی تصانیف کی بہ...بی واقفیت تھی۔ اور وہ ان کی عزت بھی کرتا تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مناظرہ کے سلسلہ میں وہ عیسائی

مشینری (یہ یقینی طور پر فادر بیسچی Father Bioschi نہیں ہو سکتا جیسا کہ اکثر کہا جاتا ہے)۔
سے بھی ملا تھا۔ اس نے عیسائی مذہب کے بارے میں ایک بحث طلب کتاب "دشو مدنرا کا تم" بھی
تصنیف کی۔ یہ کتاب اب دست یاب نہیں ہے۔ اس نے نرو چیندور، نرو ینگئی (نروے منگلم کے
نزدیک) "نرو نتا ملئی" اور دوسرے مقامات کے دیوتاؤں پر دیندارانہ نظموں کے علاوہ۔
"پربھو لنگ لیلئی" لکھی جو ویرشو پنتھیوں کے اوتار الم دیو پر کنٹر زبان کی اصلی کتاب کا ترجمہ
ہے۔ الم دیو کو شو کا اوتار مانا جاتا ہے اور ویرشو دھرم والے اس کا بہت احترام کرتے ہیں۔ پربھولنگ
لیلئی ایک طویل نظم ہے جو پچیس ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں 1157 بند ہیں کتاب پر سن
عیسوی 1652 بھی درج ہے۔ اس کی دوسری تصنیفات میں سدھانت شکھامنی (ویرشو
سدھانت پر سنسکرت سے ترجمہ)۔ ویدانت چوڑامنی یہ کتاب شنکر آچاریہ کی کتاب ووِیک
چوڑامنی کے ایک حصہ کا کنٹر زبان کی نقل کا ترجمہ ہے "تاروکا پاری یادی"۔ یہ سنسکرت کتاب
نرک پری بھاشا کا ترجمہ ہے۔ اور نینیری جو چالیس وینباؤں میں اخلاقیات پر ایک مختصر کتاب ہے
شو پرکاشر کا انتقال تیئس سال کی عمر میں ہو گیا اور وہ تازیست غیر شادی شدہ رہا۔

پندرھویں صدی کے پہلے نصف حصہ میں ایک اہم مجمع الاشعار "پرے تیرتو" بتائی جاتی
ہے۔ اس کتاب میں موضوعات اور ترتیب کے لیے کرال کا تتبوع کیا گیا۔ اس میں تامل زبان کی
تمام مطبوعہ کتابوں سے دو ہزار سے زیادہ اشعار جمع کیے گئے ہیں اور کمبن کے بعد کی کسی تصنیف
سے اس میں اشعار شامل نہیں کیے گئے ہیں۔ کتاب کا آخری حصہ جو عاشقانہ ہے دستیاب نہیں ہے
اور صرف پینسٹھ اشعار کا ایک خلاصہ ہی مل سکا ہے۔ اس مجموعہ کے گمنام مولف کو ایسی متعدد
کتابوں کی واقفیت تھی جو اب دست یاب نہیں ہیں۔

اس زمانہ میں گرامر کی کتابوں میں نمبی اہپورل کی کتاب کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس کے
بعد پران جوتی کی کتاب "چیدامبر پٹیال" آتی ہے۔ پران جوتی چیدامبر پورانم کے مصنف
نرو مل ناتھن (1508) کا لڑکا تھا۔ پاٹیل میں بندھوں کی مختلف صورتوں کے اصولوں کی
وضاحت ہے۔ اس موضوع پر ایک اور کتاب "نونیت پاٹیال" ہے جس کا مصنف نونینت ناٹن
(Navnita natan) ہے۔ اس پر ایک بیش قیمت شرح بھی تحریر کی گئی ہے۔ اس کے
بعد صرف ایک حصہ کی شکل میں دست یاب ہے اور وہ بھی گمنام مصنف کی تصنیف آتی ہے جو اڑنے مار
کی کل وَیل یا اہپورل پر مبنی ہے۔ اس کا صرف ایک حصہ کی شکل میں دست یاب اس بیش بہا

تصنیف کے مدیر شری ایس وپاپری نے اس کا نام کل وبارکار گئی رکھا ہے۔ یہ تصنیف اور بالخصوص اس کی شرح اس لیے بے حد بیش قیمت ہیں کہ اس میں بہت کافی تعداد میں قدیم لکھنے والوں اور ان کی تصانیف سے جس کے بارے میں کوئی واقفیت نہیں ہے بے شمار اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔ کوروگئی ہیرومال کو پیرایار (1575) کی کتاب مارن النکارم بجروں سے متعلق ہے۔ ان میں بے شمار قدیم مصنفین کے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔ اور مارن یعنی نمالوار کی ضمناً ستائش کی گئی ہے۔ اس مصنف نے "تروکروگامان میام" بھی لکھی۔ یہ کتاب نمالوار کی جائے پیدائش الوار" تروتناگری" پر ایک مستقل بیان ہے۔ تروویرور کے ویدناتھ دیشی کر کی کتاب الکن ولکم (Ilakkanavilakkam) کی تصنیف سترھویں صدی کے پہلے نصف حصہ میں کی گئی۔ یہ صحیح طور پر کٹیٹ تولکاپیم" کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس میں تولکاپیم" کی طرح تامل گرامر کے مکمل موضوعات لی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کے مصنف نے مادئی ترو ینگڈ ناتھر کے بچوں کو گرامر کی جو تعلیم دی تھی اس کی ہی بنا پر اسے تصنیف کیا گیا ہے۔ اس کا ذکر پہلے ترو ملئی نایک کے تحت کٹیار کے راجہ کی حیثیت سے کیا جا چکا ہے۔ ویلی کرنے بھی کچھ دیندارانہ تصنیفات مثلاً پاشو دیپ پرنی اور ایک ہزار سے زاید اشعار کی جامع کتاب نل روپ پرائم بھی کیں۔

1200 سے 1650 تک کے دور میں متعدد مشہور شارحین ہوئے۔ ان کی تصانیف اتنی اہم ہیں کہ تامل کی مختصراً ادبی تاریخ میں بھی انھیں جگہ حاصل ہو سکتی ہے۔ اگرچہ ان میں ہر ایک کی تاریخ کے بارے میں صحیح پتہ نہیں چل سکتا پھر بھی یہ کہنے کے لیے معقول وجوہ ہیں کہ وہ سب ہم عصر تھے نینول پر مئی لین اتھر Mayilainathar اور ویرولیم پر پیروں دیوتا رکی شرحیں گرامر کی قدیم ترین کتابوں پر ہیں۔ اس کے بعد ہی شلپ وکارم پراڈی یاکو نلار کی شرح کا نام آتا ہے یہ ایک عالمانہ اور فصیح شرح ہے جس میں متعدد قدیم کتابوں سے جامع اور سبق آموز طریقہ پر اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔ یہ کتابیں اب دستیاب نہیں ہیں۔ شینادرے یار کی تولکاپیم کے ستول حصے پر کرل پر پری میل لگر Perimelalager کی شرحیں ہیں۔ کرل پر پری میل لگر کی شرح سب سے بہتر خیال کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس شرح سے قبل وہ نو اور شرحیں لکھ چکا تھا۔ جو بھی صورت ہو بہر کیف پری میل لگر کی شرح عالمانہ ہے اور اپنے اختصار اور سلاست کے لیے مشہور ہے۔ وہ کرل میں مندرج خیالات کا سرچشمہ سنسکرت میں تلاش کر لیتا ہے اور اس تلاش

میں قارئین کی مدد بھی کرتا ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مدیورا کا رہنے والا تھا۔ لیکن وہ پیری یادل کے حاشیہ نویس سے جو اس کا ہمنام تھا، یا مختلف تھا۔ اس کا ہم نام کانچی کا رہنے والا اور وشنو دھرم کا ماننے والا تھا۔ پیر اشر بار اور نچینار کینیر دوسرے عظیم شارحین میں سے تھے۔ پیراشری یارے تولکاپیم اور سنگم عہد کی مجمع الاشعار کرن دوگئی کی کل چار سو نظموں میں سے تین سو اسی کی وضاحت کی۔ موخر الذکر نے کرن دوگئی پر شرح مکمل کی اور تولکاپیم پتو پاتو، کالی توگئی اور جیوک چینتا منی پر شرحیں لکھیں۔ سنگم عہد کی مجمع الاشعار کتابیں مثلاً پُرنانور، پدیرو پتو اور عین گرو نورو پر گمنام شرحیں بھی اسی زمانہ میں کسی وقت تصنیف کی گئی ہوں گی۔ اسی طرح چامندئی دیونایکن کی شرح پرابیو رول ویفبا مالئی بھی اس ہی زمانہ میں تصنیف کی گئی ہوگی۔ ترمینک کو یرایار Tirumenikkoviryar جو تناولی ضلع میں بمقام تینتی رو پرائی Ten-tiepperai میں پیدا ہوا تھا۔ ترو ملتی نایک کا ہم عصر تھا۔ اس نے "مارن التکارم" پر ایک شرح لکھی اور تروکورل۔ تن۔ پورومالئی نام سے نثر میں کرل کا خلاصہ پیش کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے تولکاپیم کا خلاصہ بھی نثر میں پیش کیا تھا لیکن وہ اب دستیاب نہیں ہے۔ یہ شرحیں دو حیثیتوں سے بہت اہم ہیں۔ اوّلاً تامل زبان میں نثر میں صرف یہی دو تصنیفات قابل قدر ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے ذریعہ متعدد مصنفین اور ان کی تصنیفات، نیز تاریخی اور معاشرتی واقعات کا ذکر ملتا ہے جن کی واقفیت کے لیے ہمارے پاس کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔

فرہنگ نویسی کے سلسلہ میں سب سے زیادہ مقبول عام لغت نگنڈو چوڑامنی نے تیار کی۔ یہ منڈل پرش نام کا ایک جینی عالم تھا۔ اس لغت میں وجیہ نگر کے بادشاہ کرشن دیو رائے کا نام خاص طور پر آیا ہے جس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ لغت اس ہی کے عہد حکومت میں تیار کی گئی ہوگی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ بانو راشٹر کوٹ حکمراں تھا۔ وجیہ نگر کا ہی مشہور بادشاہ کرشن دیو رائے ہا تھا۔ یہ لغت دواکرم کے نمونہ پر تیار کی گئی ہے اور سوتروں کے بجائے نظم میں تحریر کی گئی ہے۔ اس کے بعد ہی ویرسنو چیدمبر ریون سیدر Chidambara Rivana Siddar کی تیار کردہ لغت اگرآدی نگندو (1594) کا نام آتا ہے۔ اس لغت میں الفاظ کو پہلی بار حروف تہجی کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے۔ لغت کے پہلے لفظ 'اگرادی' کا مطلب ہی حروف تہجی کی ترتیب ہے۔ اس کے بعد سے اس ہی طریقہ پر لغت تیار کی جانے لگیں۔ اس کے بعد کایادارام نام کے ایک براہمن مصنف کی تصنیف کایادرم (1550) ہے۔ اس کا مارن التکارم میں حوالہ بھی دیا گیا ہے۔

ایک اور شو مصنف گانگی بن Gangeian کی مختصر لغت اریگو نگندو (تیرھویں صدی کے شروع میں) کا نام بھی قابل ذکر ہے۔

تناولی کے تتی لاکرامنیوان نے پرائے چت سموچیم (1633) اور اشوچ ریپکائی نام سے دینی قانون کے کچھ حصوں کو تامل میں پیش کیا۔ جیسا کہ ان کتابوں کے نام سے ظاہر ہے ان میں گناہوں کے کفارے اور موت کی بنا پر گندگی سے نجات پانے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ اس نے نیتی سارم اور نیلیتی روپائی مالئی (Nellaiti ruppani Malai) بھی تصنیف کیں۔ ان میں سب سے زیادہ دل چسپ اس گمنام شاعر کی تصنیف رام ایاین امانئی ہے جس میں تر وملئی نایک کے ایک جنرل کی لڑائیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس درجہ کی بہت کم کتابیں آج دست یاب ہیں۔

کنڑ

جنوبی ہندوستان کی زبانوں میں تامل کے بعد کنڑ کا ادب سب سے پرانا ہے۔ اس کی ابتدا کے بارے میں پتہ نہیں چلتا۔ لیکن ترو پتنگ کی کتاب کو یراج مارگ سے پہلے لازمی طور پر نثر اور نظم دونوں میں کافی ادب کی تخلیق کی گئی ہوگی۔ یہ کنڑ زبان کی علم عروض پر کافی پرانی کتاب ہے جو دست یاب ہے۔ اس کتاب میں کہا گیا ہے کہ کنڑ زبان کا حلقہ دریائے کاویری سے دریائے گوداوری تک پھیلا ہوا تھا اور اس میں شمال کا کافی حصہ شامل تھا جس میں اب مراٹھی زبان بولی جاتی ہے۔ ضلع پولی گری کے ارد گرد کا تمام علاقہ کنڑ زبان کا خالص علاقہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ کویراج مارگ میں کنڑ کے بہترین نثار درونیت کا حوالہ دیا گیا ہے جو غالباً چھٹی صدی کا گنگ بادشاہ ہی ہوگا۔ دوسرا قدیم نثر بن مصنف شری وردھا دیو تھا جو اپنی جائے پیدائش کی بنا پر تمبولور آچاریہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے تتوارتھ مہاراشٹر پر چوڑامنی نام کی ایک شرح لکھی۔ اس شرح میں چھیانوے ہزار اشعار ہیں۔ اس کے شرح کے بارے میں کنڑ زبان کی گرامر کے ماہر بھٹاکانک (1604) کو علم تھا اور وہ اسے کنڑ کی اعلاترین تصنیف قرار دیتا ہے۔ اس ابتدائی زمانہ کا ایک اور مصنف شیام کند آچاریہ (650) تھا۔ کنڑ زبان کے ابتدائی مصنفین کی طرح یہ دونوں آچاریہ بھی جینی تھے۔

کویراج مارگ کے بی جزوی طور پر دنڈن کی کتاب کاویہ درشن پر مبنی ہے۔ راشٹر کوٹا

بادشاہ نرپتنگ اموگھ ورش اول نے اگرچہ فی الواقع اس کتاب کو خود نہیں تصنیف کیا تو بھی اس کے لکھنے کے لیے کسی دوسرے کو لازمی طور پر جوش دلایا ہوگا۔ قدیم ترین کتاب وادورادھین جو اس وقت دستیاب بھی ہے اور جسے صحیح ادب میں شمار بھی کہا جا سکتا ہے، شوکوٹی (900) کی تصنیف ہے۔ یہ نثر میں ہے اور اس میں پرانے جین بزرگوں کی زندگی کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب کنڑ زبان کے قدیم ترین اسلوب میں جسے پوروہل کنڑ کہتے ہیں لکھی گئی ہے۔ اس کے بعد پمپ کا نام آتا ہے جو وینگی کا رہنے والا تھا اور راشٹرکوٹ حکمراں کرشن سویم کے جاگیردار۔ ویملی واڈے اری کیسری دویم کے دربار میں رہتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ پمپ نے اتالیس سال کی کم عمری (941) میں ہی دو نظمیں لکھی تھیں۔ اس کی کتاب آدی پران پہلے جین ترتھنکر کی زندگی کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ دوسری کتاب وکرم ارجن وجے میں مصنف نے مہابھارت کی کہانی کو اپنے ڈھنگ سے بیان کیا ہے۔ اس وجہ سے اس کتاب کو پمپ بھارت بھی کہتے ہیں۔ شاعر نے اپنی اس نظم کا ہیرو ارجن کو بتایا ہے لیکن اسے اپنے سرپرست اری کیسری کی طرح سمجھ کر مہابھارت کی کہانی کے ساتھ ساتھ اپنے زمانہ کے واقعات کی متعدد دلچسپ تفصیلات بھی پیش کی ہیں۔ ادب کے نقاد پمپ کو کنڑ زبان کے ممتاز شعرا میں خیال کرتے ہیں۔ پمپ سے کم عمر ہم عصر پونّن تھا۔ اس کی خاص تصنیف شانتی پران ہے جس میں سولھویں ترتھنکر کی روایتی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اس نے "بھوونئی کارام ابھے ادے" بھی تصنیف کی جو صرف اقتباسات کی شکل میں ہی دستیاب ہے۔ اس کی ایک اور تصنیف "جن اکشر مالے" ہے یہ ایک موشحہ نظم ہے جس میں جنات کی تعریف نظم میں کی گئی ہے۔ اس کے خاندان والوں کا وطن بھی وینگی تھا۔ کرشن سویم نے اسے "ابھے کوی چکرورتی" کا خطاب عطا کیا۔ اس خطاب کا مطلب یہ تھا کہ وہ دو زبانوں یعنی سنسکرت اور کنڑ کا اعلا ترین شاعر تھا۔

کنڑ ادب کو مکمل طور پر آراستہ کر کے پیش کرنے والے تین رتن یعنی پمپ، پونّا اور رنّا ہیں۔ ان میں پمپ اور پونّا کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ تیرا رتن رنّا چالوکیہ راجہ تیلا دویم اور اس کے جانشین کے دربار کی زینت تھا۔ رنّا کی پیدائش 949 میں مدودولل کے ایک چوڑی بیچنے والے کے خاندان میں ہوئی تھی۔ لیکن اس نے ترقی کر کے چالوکیہ دربار میں ملک الشعرا کا رتبہ حاصل کیا اور اسے سونے کا ڈنڈا چوری (Chauri) ہاتھی اور چھتری استعمال کرنے کی عزت بخشی گئی۔ اس کا "اجیت پران" (993) پر ترتھنکر دویم کی زندگی

پمپ بارہ اشواسوں میں ایک چمپو ہے۔ یہ نظم جنرل ناگ ورما کی بیوی استھبے کی درخواست پر لکھی گئی تھی۔ استھبے بہت مذہبی خاتون تھی وہ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد کچھ عرصے تک زندہ بھی رہی۔ اس نے متعدد طریقوں سے جین دھرم کو ترقی دینے کی کوشش کی۔ ساہس بھیم وجے یا "گدایدھ" (982) بھی دس اشواسوں میں ایک چمپو ہے۔ اس میں مہابھارت کی کہانی بالخصوص اخیر میں بھیم اور دریودھن کے درمیان "گدایدھ" پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس تصنیف میں اری وائے ذنک ستیہ شری جس کا سیس بھیم نام دیا گیا ہے اس کی لڑائیوں اور کامیابیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ رانا کی دو اور تصنیفات یعنی "پرشو دام چرت" اور "چکریشور چرت" اب دستیاب نہیں ہیں۔ رن کانڈ نام کی لغت جس کا ہر شعر کوی رتن پر ختم ہوتا ہے غالباً اس ہی کی تصنیف ہے۔

رانا کا ایک ابتدائی سرپرست چاونڈا رائے تھا جو گنگ راجہ راج مل چہارم کا جاگیردار تھا۔ شراون بل گولہ میں گومتیشور کی دیو قامت مورتی قائم کرنے کے صلہ میں راج مل نے اسے رائے کا خطاب عطا کیا تھا۔ اس نے 978 میں "چاونڈ رائے پران" یا ترشٹی لکشن مہاپران تصنیف کیا۔ یہ کنڑ نثر کی قدیم ترین کتابوں میں ہے جو اس وقت دستیاب ہیں۔ اس میں چوبیس ترتھنکروں بارہ چکرورتیوں، نو بل بھدروں، نو نارائنوں اور نو پرتی نارائنوں کے بارے میں روایتوں کا ذکر ہے۔ ناگ ورما اول بھی چاونڈ رائے کا اور دہ تھا اور اس کی طرح وہ بھی اجیت سین کا شاگرد تھا۔ اس کی پیدائش ایک براہمن خاندان میں ہوئی تھی جو یمپ کی طرح وینگی دیش کا باشندہ تھا۔ اس کی کتاب چھیند وم بدھی کو بحروں کا سمندر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب اس نے اپنی بیوی کو خطاب کرتے ہوئے تحریر کی ہے۔ کنڑ میں اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے۔ اس کی تصنیف کرناٹک کادمبری ایک کپو ہے۔ یہ سنسکرت میں بان کی تصنیف کردہ نثر کی کتاب پر مبنی ہے۔ اس کتاب کے اسلوب بیان میں لطافت اور روانی پائی جاتی ہے اور نقادان فن نے اس کی بہت تعریف کی ہے۔

اس کے بعد دوسرا قابل ذکر نام جے سنگھ دوئم جگدیک مل کے براہمن شوو زیر در بیدھ کا ہے۔ اس کی کتاب پنچ تنتر ایک کپو ہے جو واضح طور پر گن ادھیا کی برہت کتھا پر مبنی ہے۔ یہ ایک عالمانہ تصنیف ہے جو پارس یا یکساں الفاظ کی جھنکار سے بھری ہوئی ہے اور جدید ذوق کے لوگوں کو پسند نہیں آسکتی۔ درگا سنگھ اپنے پیش روؤں اور ہم عصر شعرا کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے ہم عصر شعرا میں واچی گوتر کا براہمن چندر راج قابل ذکر ہے۔ اس نے اٹھارہ آدمی کرنوں میں

ایک چمپو" مدن تلک" تصنیف کی۔ اس میں اس نے اپنے سرپرست اور اس کی بیوی کے درمیان عشق و محبت کے موضوع پر گفتگو کے دوران غور کیا ہے۔ مصنف نے اس بات کا دعوا کیا ہے کہ اس نے اپنی اس تصنیف میں جدید ترین پوس کنڑ زبان کا استعمال کیا ہے۔ جے سنگھ اور دہ ایک اور ادویت شو براہمن چاونڈرائے نے "لوک اپکار" (1025) تصنیف کی۔ اس تصنیف میں مختلف موضوعات مثلاً روزمرہ کی زندگی کی رہنمائی کے لیے اصول علم نجوم و فلکیات، بت تراشی، فن تعمیر، شگون، جڑی بوٹیوں اور ان کے استعمال، خوشبوئیں، کھانا پکانے کے طریقہ سمیات اور پانی کے متعلق صحیح اندازہ لگانے وغیرہ کے بارے میں جملہ فنون کی معلومات نظم کے ذریعہ بتائی گئی ہیں۔ ایک جینی براہمن شری دھر آچاریہ نے اپنی کتاب" جاتک تلک" (1049) میں سائنسی موضوعات پر لکھنے کی استطاعت کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ کنڑ زبان میں علوم نجوم پر قدیم ترین کتاب ہے۔ اس کی" کاویہ کوت" (Kavyu Kavita) (بیلس لیٹرس) میں اس کی استطاعت کو ظاہر کرنے والی کتاب "چندر پربھاچرت" اب دستیاب نہیں ہے۔ ادویت ناگ ورم آچاریہ نے چندر چوڑامنی شتک تصنیف کی۔ اس کی سرپرستی گنگ ادے دیتہ کرتا تھا جو بن واسے میں سومیشور دویم کا جاگیردار تھا۔ چندر چوڑامنی میں منیتھا کی آسان بحر میں دنیا ترک کر دینے کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔

دوسرا عظیم مصنف ناگ چندر (1105) تھا۔ یہ ایک دولت مند جینی تھا جس نے بیجاپور میں انیسویں تیرتھنکر کی یادگار کے طور پر مالی ناتھ جن الیہ تعمیر کرایا۔ اس نے ایک کمپو" مالی ناتھ پران" لکھا۔ لیکن ناگ چندر کے لوگ اس کی کتاب" رام چندر چرت" پہان سے جانتے ہیں۔ اس میں سولہ ابواب پر مشتمل ایک کمپو رام کتھا کو جینی ڈھنگ سے بیان کیا گیا ہے۔ رام کی خاص کہانی تیسرے باب سے شروع ہوتی ہے۔ یہ کتاب یمپا کی" بھارت" سے بہتر ثابت ہوئی چنانچہ اس کے مصنف کو ابھی نو (نیا) یمپا کا خطاب ملا۔ اس کتاب میں والمیکی کی کہانی سے بہت زیادہ فرق ہے۔ اس کہانی کے بموجب رام کو جیس ویکشا مل جاتی ہے۔ وہ ایک جینی سنیاسی ہو جاتے ہیں اور اخیر میں انھیں نروان (نجات) حاصل ہو جاتا ہے۔ بارھویں صدی کے پہلے پچیس برس میں برہم شو نے سمے پریکشے اور کیرتی ورمانے گو ویدیا لکھی۔ سمے پریکشے مناظرے سے متعلق ایک جینی کتاب ہے جس میں جین دھرم کو تمام مذاہب سے بہتر بنایا گیا ہے۔ "گو وید" کتاب یشوؤں کی نگہداشت سے متعلق ہے۔ اس کتاب میں

دواؤں کے ساتھ ساتھ ٹونے ٹوٹکے کا بھی ذکر ہے۔ 1145 کے آس پاس کرن پاریہ نے چودہ ابواب میں ایک کمپو "نیمی ناتھ پران" لکھی جس میں بائیسویں تر تھنکر کی سوانح حیات پیش کی گئی ہے۔ اس میں بڑی ہوشیاری سے مہابھارت اور کرشن کی کہانی کو شامل کیا گیا ہے۔ اسی زمانہ میں ناگ ورما دویم نے کنڑ گرامر اور صنائع و بدائع پر پانچ حصوں میں ایک کتاب "کاویہ لوکن" تصنیف کی۔ اس کے اشعار میں سوتروں کو بیان کیا گیا ہے اور انھیں ادب سے مثالیں دے کر سمجھایا گیا ہے۔ گرامر پر ناگ ورما دویم کی دوسری تصنیف "کرناٹک بھارت بھوشن" ہے۔ اس کتاب میں سوتر اور ان کی توضیح دونوں ہی سنسکرت میں ہیں اور مثالیں کنڑ زبان سے لی گئی ہیں۔ ناگ ورما دویم کی تیسری تصنیف "وستو کوش" ہے۔ یہ آٹھ سو گرنتھوں کی نسبتاً ایک مختصر لغت ہے جس میں سنسکرت اور کنڑ کے ہم معنی الفاظ دیے گئے ہیں۔ ناگ ورما جگدیک مل دویم کی ماتحتی میں کٹکو پادھیائے (کیمپ مدرس) تھا۔ جگدیک مل کی موت کے بعد بھی وہ کافی عرصے تک زندہ رہا اور کوی جنن (Janna) (1209) کے معلم کی حیثیت سے بھی اس نے فرائض انجام دیے۔ ونددن کے "کاویہ ورش" پر مبنی "ادے دیتہ النکار" (1150) نامی کتاب جو فن شاعری پر ایک مختصر تصنیف ہے۔ اس کا مصنف ایک چول شہزادہ ادے دیتہ تھا۔

اس ہی زمانہ میں جگدل سومناتھ نامی ایک جین مصنف پوجیہ پاد کی ادویات پر تصنیف "کلیان کارک" کا سنسکرت سے کنڑ میں ترجمہ کیا۔ اس میں جو نسخہ جات درج ہیں وہ قطعی طور پر نباتی غذا کھانے والوں کے لیے اور منشیات سے بری ہیں۔ یووناباگے کے ایک جین مصنف راج آدیتہ (1190) نے ویوہار گنت، چھیتر گنت اور لیلاوتی جیسی مختلف کتابوں میں ریاضی سے متعلق موضوعات کو آسان اشعار میں پیش کرنے میں بڑی مہارت دکھائی ہے۔

ابھی تک جن مصنفین کا ذکر کیا گیا ہے ان میں بیشتر جینی ہی تھے۔ ان کے علاوہ ویرشیو اور وشنو اور مصنفین بھی تھے جنھوں نے بارھویں اور پندرھویں صدی تک سے کنڑ ادب کو متاثر کرنا شروع کیا۔ لیکن ان کا ذکر کرنے سے قبل جین مصنفین کا ذکر ختم کر دینا بہتر ہے۔

متاخر بن ہولیسل بادشاہوں کے دور میں جین مصنفین کی ترقی جاری رہی۔ اور تیرتھنکروں کی سوانح حیات پر پران اور چمپوؤں کی تصنیف ہوتی رہی۔ ویر بلال کے درباری شاعر سینمی چندر نے "لیلاوتی" لکھی۔ یہ خالص عشقیہ افسانہ ہے۔ جس کی جائے وقوع بن واسے ہے۔ یہاں ایک شہزادہ اور ایک شہزادی خواب میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ کافی مدت کے بعد وہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور آئندہ پر مسرت زندگی گذارنے کے لیے ان کی شادی ہو جاتی ہے۔ بلال

کے ایک وزیر کے کہنے پر نیمی چندر نے "نیمی ناتھ پران" لکھنا شروع کیا لیکن اس کی تکمیل سے پہلے ہی اس کا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ یہ کتاب "اردھ نیمی" نیمی کی نامکمل سوانح حیات کے نام سے مشہور ہے۔ جنن (Janna) صرف ایک شاعر ہی نہ تھا۔ وہ ایک وزیر اور مندروں کی تعمیر کرانے والا بھی تھا۔ اس نے یشودھا چرتے" (1209) میں ایک راجہ کی کہانی لکھی ہے جو ماری اما کی خدمت میں دو لڑکوں کی قربانی پیش کرنے والا ہی تھا کہ ان کی کہانی سن کر اس کا ارادہ بدل گیا۔ اس نے ان کی جان بخش دی اور اس کے بعد سے کبھی قربانی نہیں کی۔ اس نے چودھویں تر تھنکر کی زندگی پر اننت ناتھ پران (1230) تصنیف کیا۔ یہ کتاب بلند مرتبہ اور لطیف ہے۔ بندھور ما نامی ایک ویشیہ نے "ہری ونش ابھیودے" اور "جیو سمبودھن" نام کی دو کتابیں لکھیں۔ "جیو سمبودھن" میں روح کو خطاب کرکے اخلاقیات اور نفس کشی پر لکھا گیا ہے۔ شِشو مایان (1232) نے باجے کے ساتھ گائی جانے والی "سانگتیہ" نامی کتاب میں ایک نئے اسلوب کی ابتدا کی جس میں اس نے "انجنا چرت" اور "تر و پر دھن" نام کی دو کتابیں لکھیں۔ تر و پر دھن، پیدائش، بڑھاپے اور موت تینوں دور کے فنا ہونے پر ایک مثالی نظم ہے۔ اندائے کی کتاب "مدن وجے" تقریباً 1235 میں لکھی گئی۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں سنسکرت کے تتسم الفاظ (ایسے الفاظ جو سنسکرت سے کنڑ زبان میں ضم کر لیے گئے ہوں) کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ بعد کے مصنفین نے اس طرز تحریر کو نہیں اپنایا۔ منظوم کہانی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شو نے چندرما کو قید کرلیا۔ اس عشق کے دیوتا نے ناراض ہوکر شو پر تیروں کی بارش کی۔ شو جی نے ناراض ہوکر اسے بددعا دی کہ وہ بھی اپنی محبوبہ سے الگ رہے گا۔ لیکن وہ کسی طرح سے اس بددعا سے بچ کر اپنی محبوبہ سے جاکر مل گیا۔ اس کتاب کے کئی نام ہیں۔ کاون گیلا (کام دیو کی فتح) کبی گر کا دیہ (شعر کا محافظ) اور شو باگن سگ" (رجن کا ماحصل)۔ ملک ارجن (1245) جنن کا سالہ تھا۔ ملک ارجن سنیاسی تھا۔ اس نے ایک مجمع الاسفار کتاب "شکتی سدھارتو" تالیف کی۔ اس کتاب میں اٹھارہ موضوعات پر مختلف کتابوں سے اقتباسات درج کیے گئے ہیں۔ ان میں ابھی تک صرف پندرہ ہی ابواب دستیاب ہیں۔ ملک ارجن کے لڑکے کیشی راج (1260) نے "شبد منی درپن" نام کی کتاب لکھی۔ یہ کنڑ زبان کے گرامر کی ابتدائی کتاب ہے۔ اس میں گرامر کے قواعد کنڈ بحر میں دیے گئے ہیں۔ مصنف نے ہر ایک بحر پر اپنی تفصیل بھی خود ہی پیش کی ہے۔ اس درجے کی اور کتابوں کی طرح یہ بھی ممتاز مصنفین کے الفاظ استعمال کرنے کے طریقے کو بیان کرتی ہے۔

یہ کنڑ زبان کے طلبا کے لیے سائنسی اور تاریخی نقطۂ نگاہ سے بہت اہم ہے۔ کوموڈینڈو Kamu-dendu (1205) نے جین روایت کے مطابق "شت پدی" بحر میں رامائن تصنیف کی۔ اس کتاب پر پمپ نارائن کا جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کافی اثر پڑا ہے۔ ہویسل حکمرانوں کے زمانۂ حکومت میں جو اور تصنیفات کی گئیں وہ درج ذیل ہیں۔ رٹ کوی کی رٹ مالا' پارت سوتر (1300) اس کتاب میں موسم برسات، زلزلے، برق، ستارے اور شگون وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ناگا رج کی پنیہ شرو Punyesarwa (1331) خانگی رہنمائی کے لیے سنسکرت سے ترجمہ کردہ پرانوں کے باون ہیرو افسانہ پیش کیے گئے ہیں۔

وجیہ نگر سلطنت (1336–1650) کے زمانہ میں مختلف مکاتیب خیال کے شیووں اور وشنوؤں کے روز افزوں اثر ہونے کی وجہ سے جینیوں کی حالت کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ پھر بھی جینی مصنفین تیرتھنکروں اور دوسری بزرگ ہستیوں پر لکھتے رہے۔ ہری ہر دوم اور دیو رائے کے وزرا کی سرپرستی میں مدھر (1385) نے دھرم ناتھ پران لکھا۔ اس میں پندرھویں تیرتھنکر اور شرون بیل گول کی گومیشور کی حمد میں ایک مختصر نظم کا ذکر ہے۔ اس نے قدیم جینی شاعروں کی تقلید کرتے ہوئے اپنی نظمیں کہیں۔ ورت ولاس نے "امت گتی" کی سنسکرت کتاب دھرم پریکشا کا کنڑ زبان میں ترجمہ پیش کیا اور شاستر سار لکھی۔ یہ دونوں ہی کتابیں نیم مذہبی ہیں۔ جیون دھاراج کی سوانح حیات مقبول عام موضوع ہونے کی وجہ سے مختلف زمانہ کے تین شعرا مثلاً پیتو گوند کے بھاسکر (1442) تیرکن امبی کی بوم رس (1485) اور تولو دیش کے کومیشور (1500) نے اپنے اپنے ڈھنگ سے شت پدی بحر میں طبع آزمائی کی اور ناگ کمار کی کہانی کو بیان کیا جس نے دولت کو ٹھکرا کر مذہبی زندگی اختیار کر لی تھی۔

دوسرے مقامات کی بہ نسبت جین دھرم کی تولو دیش میں زیادہ ترقی ہوئی۔ چنانچہ 1416 میں کارکیل میں اور 1603 میں امی نور میں دردیو قامت جین مجسمے نصب کیے گئے۔ اس دیش کے چار مصنفین کے نام قابل غور ہیں۔ سب سے پہلا نام حرسوپا کے ابھینو وادی ودیانند کا آتا ہے جس نے وجیہ نگر اور دوسری ریاستوں کے دارالخلافوں میں عام بحث مباحثہ میں جین دھرم کی حمایت میں کئی معرکے فتح کیے تھے۔ اس نے 1533 میں "کاویہ سار" تصنیف کی۔ یہ کتاب مجمع الاشعار ہے اور اس میں 45 مختلف عنوانات ہیں۔ یہ مجموعہ ملک ارجن کی کتاب "شکتی سدھا" کے مانند ہے۔ لیکن افادیت میں اس سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ اس میں 900 سے 1430 کی

کی مدت کے مختلف شعرا کے نام دیے ہوئے ہیں۔ کونکن کے ایک معمولی شہزادے کے دربار کا شاعر شالو (1550) نے سولھا پرواسوں اور ستت پدی بحر میں بھارت کو جینی نقطۂ نظر سے پیش کیا یہ کتاب وشنو مکت خیال کے تحت تقریباً 1510 میں تصنیف شدہ کتاب کرشن رائے بھارت کے جواب کے طور پر لکھی گئی تھی۔ مدلیدرے (Mudalidire) چھترپی زناکرو ونی نے کئی تصانیف کیں۔ اس کی کتاب "ترلوک سار" (1557) میں کائنات سے متعلق جین اصولوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ اپرا جیت شتک میں فلسفہ، اخلاقیات اور ترک دنیا موضوعات پر لکھا ہے۔ "بھارتیشور چرت" میں اس نے پہلے تیرتھنکر کے لڑکے اور روایتی شہنشاہ بھرت کی کہانی لکھی ہے جو بعد میں سنیاسی ہو گیا تھا۔ اس شاعر کے متعدد گیت جینیوں میں آج بھی بہت مقبول ہیں جو ان گل پدکے (بھائیوں کے گیت) نام سے مشہور ہے۔ بمن کی کتاب "جین بھاسکر چرت (1559) میں مراقبہ اور مطالعہ کو رسوم ورواج اور زہد خشک سے بہتر اور نجات کا راستہ بتایا ہے۔

اخیر میں آبیت ورما شاعر کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اس کے زمانے کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ اگرچہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ 1400 کے قرب وجوار میں ہوا تھا۔ اس نے رتن کرن زک کمپو نامی لکھا جو سنسکرت کا ترجمہ تھا۔ اس کمپو میں جینیوں کے تین تین مثلاً صحیح اعتقاد، صحیح علم اور صحیح عمل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کنٹر زبان اور ادب کی ترقی میں جینیوں کے بعد ویرشووں نے کوشش کی۔ انھوں نے مختلف مذہبی کتابیں لکھیں اور نظم کے بجائے نثر میں لکھنے کو ترجیح دی۔ باسو اور اس کے زمانہ کے لکھنے والوں نے (بارھویں صدی) وچن ادب کو جنم دیا۔ اس ادب کے لکھنے والے بہت آسان نثر کے ذریعے جسے عوام بہ آسانی سمجھ سکیں اپنے فرقے کا پروپیگنڈہ کرتے تھے۔ ان میں دو سو سے زاید لکھنے والے ہوتے تھے جس میں بہت سی خواتین بھی شامل تھیں۔ ان میں مہادیوی اکا خواتین مصنفین میں سب سے ممتاز تھیں۔ ایف۔ پی رائس نے ان کی تصنیفات کی خوبیوں اور رہبرانیوں کو درج ذیل طریقہ سے بیان کیا ہے۔ جین ادب مختصر اور اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے چھ تصنیفات کیں۔ ان گرویوں میں پہلے تین پنڈتوں کے نام آتے ہیں۔ جن میں شو لینکا (شو کا باڈی گارڈ) کے نام سے مشہور تھے۔ شری پتی پنڈت اور ملک ارجن پنڈت ارادھیہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ پانچ آچاریہ مثلاً ریبون۔ سدھ یاکو لی پاک کارنیوک آچاریہ

اور کولا پور کا مرولا سدھ، پنڈت ارادھیہ (جن تین پنڈتوں میں سے ایک پنڈت کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے) ایکو رامی تانڈے، اور وشنو یشور آچاریہ بھی تھے۔ یہ سب کے سب یا تو باسو کے ہم عصر تھے یا اس سے کچھ قبل یا بعد میں ہوئے۔

یہ واضح طور پر ایک عبوری دور تھا جس میں کنڑ زبان اور ادب میں بعض اہم تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ لا لفظ دھیرے دھیرے غائب ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ لو لفظ لے لیتا ہے اور ha مخصوص صورتوں میں ha میں بدل جاتا ہے۔ کمپو صنف سخن رفتہ رفتہ ختم ہو جاتا ہے اور شٹ پدی، تری پدی، (بالترتیب چھ اور تین مصرعے) اور رگلے نامی نئی نئی نظمیں جو کنڑ زبان کی ہی تخلیق استعمال میں آنے لگیں۔

وچن کے مصنفین کے علاوہ اب ہمیں لنگایت فرقہ کے مخصوص مصنفین کے بارے میں غور کرنا چاہیے۔ سب سے پہلے ہریشور کا نام آتا ہے۔ اس کی پیدائش بے ودکے ایک کرنیک (محاسب) خاندان میں ہوئی تھی۔ وہ ہویسل راجہ نرسنگھ اوّل (73-1152) کا ہم عصر تھا۔ وہ کچھ عرصے تک ہامپی میں رہا۔ اس کی تصنیفات میں پمپ شتک شامل ہے۔ اس نظم کے اور بے جوڑ پیراگرافوں میں ہوتا تھا جس کے ہر پیراگراف کے اخیر میں شو کا کوئی نہ کوئی مقامی نام ہوتا تھا۔ ان کے طرز بیان میں لطیفہ گوئی کنائے اور مماثلت پائی جاتی تھی۔ یہ مال و دولت پر بے جا غرور، مذہبی رسومات اور کتابی لیاقت کی غیر افادیت، زندگی کی بے اعتباری اور شو دھرم کے ماننے والوں کی روحانی طاقتوں پر زور دیتے تھے۔ یہ لوگ دنیاوی دولت اور عیش و آرام کو ترک کرنے اور سنجیدگی کے ساتھ دنیا سے بے تعلقی کی زندگی بسر کرنے اور شو کے سایہ عاطفت میں پناہ لینے کے لیے تلقین کرتے تھے۔ یہ لوگ شاید ہی کبھی مباحثہ کو ترجیح دیتے ہوں بلکہ قریب قریب ہمیشہ ہی تنبیہہ آمیز دیندارانہ اور توضیحی ہوتے تھے۔ لنگایت فرقے کے آچاریہ اپنے عقیدت مندوں کو ان کے اصولوں سے آج بھی واقفیت دلاتے ہیں۔ بعض وچنوں کا ایک حصہ کال گیان ہے جس میں مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ویرسنت رائے ایک بادشاہ پیدا ہوگا جو کلیان کی تعمیر کرے گا اور لنگایت مذہب کو اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ دوبارہ قائم کرے گا۔ وچنوں میں اکثر اوقات ان کے مصنفین کی لفظی تقاریر بھی دی ہوئی ہوتی ہیں۔

باسو اور اس کے بھتیجے چینا باسو کے علاوہ یہاں دو گر وپوں کا ذکر بہت ضروری ہے۔

ان میں انتہائی طور پر سب باعزت معلم اور مصنفین تھے۔ خود باسو کی سو اشعار میں ہامپی کے ویرو پکش کی تعریف کی گئی ہے۔ اس کی تصنیف "گرجا کلیان" پرانی جین تصنیفات کی طرح ہے۔ یہ ایک کمپو ہے جس میں شو اور پاروتی کی شادی دکھائی گئی ہے۔ اس کی تصنیف "شو گندر گلے گیلو" میں نئے اسکول کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ وہ خود اس نئے اسکول کا بانی تھا۔ اس تصنیف میں قدیم شو دھرم کے تریسٹھ درویشوں کے علاوہ داسو اور دوسرے مریدوں کی زندگی کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ ہریشور کا بھتیجا اور شاگرد بھی راگھوانک تھا۔ یہ بھی ہامپی کا رہنے والا تھا۔ اس نے ہی سب سے پہلے شٹ پدی بحر کا استعمال کیا۔ اس کی کتاب ہریش چندر کاویہ نظم کے لحاظ سے بہت خوبصورت ہے لیکن اس میں دیسی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور گرامر کے اصولوں کی بھی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ لنگایت اولیاؤں کی سوانح حیات اقوال اور کرامات پر جو کتابیں تصنیف کی گئیں ان میں "سومناتھ چرت" اور "سدھ رام پران" شامل ہیں۔ سومناتھ چرت میں پولی گیرے کے سومیہ اور سدھ رام پران میں سون لگے (Sounalage) کے سدھ رام کے سوانح حیات پیش کیے گئے ہیں۔ ہامپی کے ہریشور کی تعریف میں "ہری ہر مہاتو" تصنیف کی گئی ہے اس کی دوسری تصنیفات میں "ویر بیشور چرت" اور "سر بو چرت" شامل ہیں۔ کیرے پدم رس، نرسنگھ اوّل کے ماتحت ایک افسر تھا چونکہ اس نے بیلور تالاب تعمیر کروایا تھا اس لیے اسے "کیرے" کا خطاب عطا کیا گیا تھا۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد اسے دفعتاً وشنو دھرم کے ایک ناصح سے جو تیلوگو براہمن یا شریں تھا ملنے کے لیے بلا گیا۔ مذہبی بحث و مباحثہ کے بعد اس تیلوگو براہمن کو وشنو دھرم ترک کرکے شو دھرم تسلیم کرنا پڑا تھا۔ پدم رس نے استاد اور شاگرد کے درمیان گفتگو کے طور پر "دیکشا بودھ" تصنیف کی۔ یہ تصنیف رگیلے Ragales میں ہے۔ اس میں استاد سنسکرت اشلوکوں کے ذریعہ اپنے شاگرد کو حقیقی مذہب کی تلقین کرتا ہے۔ پدم رس کے ہی ایک خاندان نے "پدم راج پران (1385) تصنیف کیا جس میں اس نے پدم رس کو ہی ہیرو بنایا ہے اگرچہ راگھوانک اور پدم رس دونوں باسو کے ہم عصر تھے لیکن دونوں میں سے کوئی بھی باسو کا ذکر نہیں کرتا ہے۔ پال کوریکی سومناتھ ضلع گوداوری میں بمقام پال کوریکی پیدا ہوا تھا۔ سومناتھ نے تیلوگو اور کنڑ زبان میں ویرشو دھرم پر کئی کتابیں لکھیں۔ روایتوں کے مطابق اس نے دوسرے مذہب والوں بالخصوص وشنووں کے ساتھ منعقد مناظروں میں کامیابی حاصل کی۔ اور آخیر میں کیلاش میں جاکر اسے مکتی (نجات) ملی۔ تو ندریہ (1560) نے بعد میں اس کی زندگی کو موضوع بناکر ایک

پران لکھا۔ وہ باسو کا بڑا مداح تھا اور بھیم کوی (1363) نے اس کے تیلگو زبان کے "باسو پران" کو کنڑ زبان میں اسی نام سے استعمال۔ کنڑ زبان میں سومنا تھ کی مخصوص تصانیف "شلا سمپا رنے" سہر گن نام اور پنچ رتن ہیں۔ ان کے علاوہ اس نے متعدد وگیلوں اور وچنوں کی بھی تصنیف کی۔ غالباً سومنا تھ کے ہم عصر پلی گری کے ایک اور سومنا تھ نے اسی زمانہ میں اخلاقیات پر ایک مقبول عام کتاب سومیشور شتک تصنیف کی۔ دیوکوی (1200) کی "کسماولی" اور سومراج کی "شرنگار سار" اس زمانہ کی دو کتابیں ہیں جن کا موضوع عاشقانہ ہے۔ "کسماولی کا افسانہ نیمی چندر کے لیلا وتی کے افسانہ سے ملتا جلتا ہے" "شرنگار سار" کو ادبھت کا ویہ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کتاب کا ہیرو جیرسوپ کا حکمراں ارجٹ ہے۔

وجے نگر عہد (1336-1650) کے لنگایت ادب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ کا تعلق سماج میں اصلاح کرنے والوں اور بھگتوں کی کہانیوں سے ہے اور دوسرے حصہ میں مذہبی عقیدے کی وضاحت کی گئی ہے۔ ارادھیہ براہمن بھیم کوی نے باسو پران (1369) تصنیف کیا۔ یہ لنگایت فرقہ کے بزرگوں کے سوانح حیات اور ان کے اقوال اور کرامات سے متعلق ایک مقبول عام کتاب ہے۔ یہ شت پدی بحر میں لکھی گئی ہے۔ اس میں باسو کو نندی کا اوتار بتایا گیا ہے جو خاص طور پر ویرشیو دھرم کو اس کرۂ زمین پر دوبارہ قائم کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں ان معجزوں کو بھی بہت وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو باسو نے اپنی زندگی میں دکھائے تھے۔ تقریباً 1500 میں سنگراج نے "مل باسوراج چیرت" لکھی۔ اس کتاب میں باسو کے اٹھاسی معجزے بیان کیے گئے ہیں اور بجّل کے دربار میں اس کے مخالفین کی تفصیلات کا ذکر کیا گیا ہے۔ پربھولنگ یہ کتاب سنگراج پران کے نام سے بھی مشہور ہے۔ جو علاقہ پربھو کے نام سے بھی مشہور ہے یہ بساوا کا شریک اور چامرس کی کتاب پربھولنگ لیلے کا ہیرو تھا۔ چامرس ایک ارادھ براہمن شاعر تھا جو (پرودھا) دیورائے دوئم (46-1429) کے دربار کا شاعر تھا۔ اس کتاب میں پربھولنگ کو گن پتی کا اوتار بتایا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ دنیا سے اس کی بے تعلقی کا امتحان لینے کے لیے پاربتی نے بن واسے کی ایک شہزادی کی شکل اختیار کی تھی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب دیورائے کو پڑھ کر سنائی گئی تھی۔ جس نے اسے تیلگو اور تامل میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ چامرس نے راجہ کی موجودگی میں وشنوؤں کے ساتھ مناظرے کیے۔ وہ کمار ویاس کا مخالف تھا جس نے کنڑ بھارت کی تصنیف کی تھی۔ اس کے سو برس اسے بھی زیادہ بعد میں ویر بکش پنڈت (1584) ہو جس نے چینا باسو پران

لکھا۔اس کتاب کا ہیرو چینا باسو تھا جس کو شو اور ورویشوں کی کل کہانیوں میں شو کا اوتار تسلیم کیا جاتا ہے اور اسے خصوصاً سینلیگو کے سدھ رام کی ہدایت کے لیے اوتار تصور کیا جاتا ہے۔ ویرینت رائے کے ہم عصر وجیہ نگر کے حکمراں وینکٹ پتی رائے کو ایک ہی شخص بتایا گیا ہے۔ وینکٹ پتی رائے نے بعض کتبوں میں خود کو کلیان پور کا مالک لکھا ہے جو کسی طرح حق بجانب قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ان کے علاوہ متعدد آچاریوں اور بزرگوں کے سوانح حیات بھی اسی زمانہ میں تحریر کیے گئے۔ پنڈت ارادھیہ اور ریون سدھ آچاریوں میں بہت زیادہ مقبول تھے چنانچہ انھیں مختلف تصنیفات کا ہیرو بھی بتایا گیا۔

مذہبی عقائد سے متعلق ادب کے سلسلہ میں دیو رائے دوئم کے زمانہ حکومت میں متعدد تصنیفات کی گئیں۔ دیو رائے کے دو بہت جو شیلے وزیر لنگایت دھرم کے ماننے والے تھے۔ ان میں سے ایک لکننا تھا جس نے "شو تتو چینامنی" لکھی۔ یہ کتاب شو دھرم کے اصولوں اور مذہبی رسومات سے متعلق ہے۔ دوسرے جکنار یہ نے صرف نورو ند واستھل (ایک سو ایک موضوعات) نامی کتاب ہی نہیں لکھی بلکہ کمار نیک ناتھ اور مہالنگ دیو جیسے عالموں کی فیاضانہ طور پر سرپرستی بھی کی۔ گرو بساوا اس زمانہ کے ایک مشہور گرو تھے۔ انھوں نے سات تصنیفات یعنی" سپت کاویہ" لکھیں۔ ان میں چھ شٹ پدی بحر میں تھیں اور استاد اور شاگرد کے درمیان گفتگو کے ذریعے شو دھرم کے مختلف اصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔" اور وت گیتے ان کی ساتویں تصنیف ہے جو دنیا سے بے تعلقی کی تعریف میں گیتوں سے بھری ہوئی ہے۔ ان کے علاوہ ایک سو ایک جنگم واعظ تھے جن میں سے مختلف لوگوں نے شو دھرم پر وچن اور کتابیں بھی لکھیں۔ چونکہ لنگایت اور وشنو دھرم کے درمیان زبردست مخالفت تھی اس لیے ہر فرقہ کے ماننے والے اپنی اپنی مذہبی تصانیف کا احترام دکھانے کی غرض سے شہر کی سڑکوں پر منظم جلوس نکالتے تھے۔ اس مخالفت کی وجہ سے آدر سیہ (1595) نے "پر دھرائے چرت" لکھی (1595) اس کتاب میں جلس آریہ نے شو فقرا کی حیات سے متعلق کہانیاں بیان کی ہیں۔ یہ کہانیاں دیو رائے دوئم کو اس خیال سے پڑھ کر سنائی گئی تھیں تاکہ اس کا دماغ بھارت نامی کتاب کے خلاف ہو جائے۔ جو براہمن نقطۂ نظر کے تحت لکھی گئی تھی۔

دیرو پکش (85-1465) کے عہد حکومت کے زمانہ میں ایک مشہور و معروف معلم تونتد سدھیشور Tuntada Siddheswara تھے جو سدھ لنگ یتی بھی کہلاتے تھے۔ انھوں نے کافی عرصہ تک ایک باغ میں شو یوگ کی مشق کی۔ اسی بنا پر انھیں باغ کا تونتد کہا جانے لگا۔

گنیگل کے نزدیک یڈی یور نامی مقام پر انھیں دفن کیا گیا۔ اس جگہ ایک مٹھ اور ایک مندر ان کی سمادھی کی یادگار کے طور پر بنا ہوا ہے۔ تو نتد نے سات سو دچنوں کی ایک کتاب نثر میں لکھی جو "شت استھل گیان امرت نام سے مشہور ہے۔ ان کے بہت سے شاگردوں نے اس قسم کی تصانیف کیں۔ ورکٹ انو نتدار یہ (1560) نے اپنے استاد کی سوانح حیات پر سد ھینشور پران تصنیف کیا۔ نج گُن شو یوگی جو یلندر کے نزدیک کمبھولنگ پہاڑی کے ارد گرد علاقہ کا ایک معمولی حکمراں تھا۔ بعد میں شو یوگی بن گیا۔ یہ زبردست مصنف تھا۔ اس نے تر پدی، سانگتیہ، راگلے بحروں اور نثر میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ اس کی کتابوں میں سنسکرت کتاب "شو یوگ" پرڈ دیپکا پر شرح قابل غور ہے۔ یہ شرح ان لوگوں کے لیے لکھی گئی تھی جو سنسکرت سے نابلد ہیں۔ لیکن نجات کے آرزو مند ہیں۔ اس کی دوسری تصنیف ووِیک چینامنی" بھی بہت اہم ہے۔ یہ سنسکرت الفاظ اور دیر شووں کے بارے میں کہانیوں سے پُر ہیں۔ کرشن دیو رائے (29-1509) کے عہد حکومت میں گبّی کا ملن آریہ نام کا شاعر ہوا۔ اس نے کنڑ اور سنسکرت دونوں ہی زبانوں میں تصنیفات کیں۔ کنڑ زبان میں اس کی مخصوص تصانیف بھاو چینارتن (1513) ستیندر چول کتھے اور ویر شو امرت شامل ہیں۔ چینارتن، نان سمبندر کی ایک تامل تصنیف پر مبنی ہے ستیندر چول کتھے میں شو کے پانچ لفظوں کے منتر کی طاقت جتانے کے لیے چول بادشاہ کی کہانی پیش کی گئی ہے۔ "ویر شو امرت" میں شو کے پچیس کھیلوں اور نئے اور پرانے درویشوں کی سوانح حیات کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ وبرو پاراج (1519) نے چیر مانک حکمراں جو کہ ایک پراتن تھا اس کی سوانح حیات پر سانگتیہ بحر میں ایک کتاب تصنیف کی۔ اس کے لڑکے ویر بھدر راج نے ویر شو کے مذہبی اصول اور اخلاقیات پر پانچ شتک پیش کیے۔ اس عہد کے آخری دنوں سروجن مورتی کا نام آتا ہے۔ اس کی کتاب "سروجن پدا گلو" تری پدی بحر میں نظم کی گئی ہے۔ اس نظم کے تقریباً ایک ہزار اشعار آج بھی زبان زد خاص و عام ہیں۔ جس طرح تیلگو زبان میں دیمن اور مراٹھی زبان میں نام دیو اور تکارام کی کہاوتیں عوام میں بے حد مقبول ہیں اسی طرح مذہب، اخلاقیات اور سماج کے بارے میں سروجن مورتی کے اشعار بھی بہت پسند کیے جاتے ہیں۔ سروجن مورتی نے بھی ان لوگوں کی طرح زندگی میں سچائی کو بت پرستی، مقدس مقامات کی زیارت اور مذہبی رسومات کی ادائیگی پر ترجیح دی ہے۔

دشنو دھرم پر کنڑ زبان میں قدیم ترین اور قابل غور مصنف ایک سمارت براہمن رودر بھٹ

تھا جو ویر بلال (1220-1173) کے عہد حکومت میں تھا۔ اس کی کتاب جگناتھ وجے کرشن کی زندگی پر ایک چمپو ہے۔ اس میں باناسر Banasura کے ساتھ لڑائی تک کا ذکر ہے۔ یہ کتاب وشنو پران پر مبنی ہے۔ مادھو کے جانشینوں میں تیسرے نمبر پر 1281 میں نرہری تیرتھ آتا ہے جس نے وشنو کی مدح میں گیت لکھے۔ کرشن دیورائے کے زمانہ سے کنڑ ادب پر وشنو مت کا اثر پڑنا شروع ہوا۔ سنسکرت کی کلاسیکی کتابوں کے ترجموں کی شکل میں یہ نیا وشنو ادب ہی عہد وسطیٰ سے جدید کنڑ ادب کے داخلے کی اطلاع دیتا ہے۔ نادان اپا نامی ایک براہمن مصنف نے مہابھارت کے پہلے دس پیرودن کا کنڑ میں ترجمہ کیا۔ نارن اپا کو کمار ویاس کا خطاب حاصل تھا۔ دیورائے دوئم کے زمانۂ حکومت میں وہ چامرس کا مدّمقابل تھا۔ اس نے اپنی کتاب گدگ کے دیوتا کو منسوب کی تھی اور اسی وجہ سے وہ گدوگیتا بھارت کہلائی۔ اس کتاب کے بقیہ پردوں کا تمنائے Tummanana نے 1510 میں ترجمہ کیا۔ اس نے کتاب کا نام اپنے سرپرست کے نام پر "کرشن رائے بھارت" رکھا۔ اس کے بعد توروے راماین تصنیف کی گئی۔ اس راماین کا یہ نام اس لیے پڑا کہ یہ ضلع شولاپور کے توروے نامی مقام پر لکھی گئی تھی۔ یہ کنڑ زبان کی پہلی راماین ہے جو براہمنوں کے نقطۂ نظر سے پیش کی گئی ہے۔ اس کا مصنف نرہری تھا جو خود کو کمار والمیکی کہتا تھا۔ اس کے بارے میں تاریخ کا تعین ابھی تک نہیں کیا جا سکا ہے۔ سترھویں صدی میں کسی وقت لکشمیا کی تصنیف "جیمنی مہابھارت" کا ذکر یہاں پر ضروری ہے۔ یہ کتاب بہ ایک روایتی رشی جیمنی کی سنسکرت کی اصلی کتاب کا کنڑ زبان کی شت پدی بحر میں آزاد ترجمہ ہے۔ اس کتاب کی پڑھے لکھے اور جاہل سبھی عزت کرتے ہیں اور اس کا مطالعہ بھی عام ہے۔ کتاب کا موضوع یدھشٹر کے اشومیدھ یگیہ کے گھوڑے کا گھومنا ہے۔ اسی طرح یہ مہابھارت کے اشومیدھ پَرو کا ایک لازمی جزو بن جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک تفصیلات کا تعلق ہے دونوں میں کوئی مطابقت نہیں پائی جاتی ہے۔ چاٹو وٹھل ناتھ نے بھاگوت کا ترجمہ کیا۔ وٹھل ناتھ کو کرشن دیورائے اور اس کے جانشین اچیوت رائے دونوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس نے مہابھارت کے کچھ حصوں کا بھی ترجمہ کیا۔ جس کے پاولوم اور آستک پردوں کی کمار ویاس نے تلخیص کی۔ اس زمانہ میں صرف کنڑ زبان کی ہی نہیں بلکہ سنسکرت، تامل اور تیلگو زبانوں کی بھی ترقی ہوئی۔ کرشن دیورائے اور اچیوت رائے نے صرف وشنوؤں کی ہی نہیں بلکہ لنگایتوں اور جینیوں کی بھی سرپرستی کی۔

اس عہد میں کنڑ زبان کے وشنو ادب کی دوسری شکل میں وہ مقبول عام گیت شامل تھے جنھیں فقیر لوگ راگل بحر میں گایا کرتے تھے۔ ان گانے والوں نے مادھو پاریہ اور ویاس رائے سے فیضان حاصل کیا 1510ء میں جب چیتنیہ نے جنوب کا سفر کیا تو ان لوک گیتوں کی بہت ترقی ہوئی۔ ان گانے والوں میں سب سے قدیم وافر طور پر لکھنے والا مشہور پرندر داس تھا۔ اچیوت رائے کے عہد حکومت میں وجے نگر گیا اور (1564ء) میں ہندار پور میں انتقال کر گیا۔ اس کے تمام گیتوں میں پرندر وٹھل نام استعمال کیا گیا ہے۔ ضلع دھاراواڑ میں کاگی نیل کا کنک داس نامی شخص پرندر کا ہم عصر تھا۔ پرندر کی طرح اس نے بھی سوسلے Sosale میں واقع مادھو متو کے صدر ویاس رائے سے مذہبی زندگی بسر کرنے کے لیے فیضان حاصل ہوا تھا۔ ویاس رائے خود کرشن کی تعریف میں گیت لکھا کرتا تھا۔ کنک داس نے وشنو کی تعریف میں گیت لکھنے کے علاوہ "موہن ترنگنی" لکھی۔ اس کتاب میں اس نے سانگتیہ بحر میں کرشن کی لیلاؤں کو پیش کیا۔ کنک داس نے نل چرت اور "ہری بھگتی سار" دو کتابیں بھی شٹ پدی بحر میں لکھیں۔ ان میں "ہری بھگتی سار" اخلاقیات پر بچوں کے لیے ایک مشہور کتاب ہے۔ کنک داس نے اپنی ایک مختصر نظم رام دھنیہ چرتر میں راگی نام کے ایک غلہ کی تعریف کی ہے۔ یہ کرناٹک کے بہت بڑے حصے کے لوگوں کی مخصوص غذا ہے۔ بعض بیانات کے مطابق کنک داس شکاریوں کی ذات (بیدا) سے تھا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ گڈریا (کردیا) تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی داس (گانے والے فقیر) تھے۔

سترھویں صدی کے شروع کی کچھ تصنیفات کا ذکر کرنے کے بعد کنڑ ادب کے اس مختصر خاکے کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ ان میں بھٹ کلنک دیو کی کتاب کرناٹک شبدانوشاسن (1604) سب سے زیادہ قابل غور ہے۔ یہ کنڑ زبان کی سب سے زیادہ جامع گرامر ہے۔ اس میں سنسکرت کے 592 سوتر اور اسی زبان میں ورتی اور تفسیر دی گئی ہے۔ اس میں پہلے کے مستند عالموں کے حوالے اور اقتباسات دیے گئے ہیں اور کنڑ زبان کی خصوصی تصانیف سے جو اقتباسات پیش کیے گئے ہیں وہ سب اس زبان کے طلبا کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس کتاب کا لکھنے والا ایک جینی تھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ چھ زبانیں جانتا تھا جب گومٹ کی مورتی کے 1612 میں شراون بل گولہ میں دوبارہ قایم کی گئی تو اس کا بیان یہاں کے مقامی شاعر پنچ مان نے اپنی کتاب بھج بلی چرتر Bhujabalicarita پیش کیا ہے۔ (64 — 1614) میں کارکل کی مورتی کو مذہبی کاموں کے لیے زیادہ وقف کیا گیا۔ چنانچہ تولو دیش کے شاعر چندرماتے کارکل اور گومٹ مورتیں

کی تاریخ کو موضوع بنا کر "کارکل گومیٹشور چرترہ" لکھی۔ اس عہد کی دوسری قابل غور تصانیف "بجّل راج چرترہ" اور "جین منی تنیہ" ہیں۔ بجّل راج چرتر میں کلیان نامی مقام پر باسو کی سوانح حیات کو جین ڈھنگ سے بیان کیا گیا ہے۔ "جین منی تنیہ" میں جینیوں کے اخلاقیات سے متعلق نصیحتیں پیش کی گئی ہیں۔

یہاں ان افسانوں کے مجموعوں کا ذکر بھی ضروری ہے جن کی ابھی تک تاریخ نہیں مقرر کی جا سکی ہے۔ لیکن یہ تقریباً سولھویں صدی میں لکھے گئے۔ ان میں بتیس پتلی کتھے، بیتال پنچ ویمستی کتھے، شوک سپتتی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ بیتال پنچ ویمستی کتھے کپوتری پدی اور نثر تینوں اسلوب میں لکھی گئی ہیں۔ "تنالی رام کرشن کتھے" کرشن دیو رائے کے مشہور درباری مسخرے کے قصوں کا مجموعہ ہے۔

تیلوگو

قدیم زمانہ میں تیلوگو دیش کو اکثر تری لنگ کہا جاتا تھا۔ اس سے مراد وہ دیش تھا جو تین لنگوں یعنی کال ہتی، اشری شیلم اور داکشارام سے گھرا ہوا تھا۔ اس دیش اور زبان کے کا کتیہ نام تیلنگ۔ تیلوگو لفظ سے چلایا جا سکتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تیلنگو لفظ تین سے بنا ہے جس کا مطلب شہد ہے یا یہ لفظ تینتو بھتی راسنہ سے بنا ہے۔ تیلوگو زبان کی ابتدا کا پتہ پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کے کتبوں سے چلتا ہے۔ اس زبان کے بنیادی اجزا کا تعلق تامل اور کنٹر زبان سے ہے لیکن شروع سے ہی اس زبان کے ادبی محاوروں کا انحصار سنسکرت زبان پر تھا۔ علم عروض پر اس زبان کی ایک قدیم کتاب "جن اشرے وچن داس" ہے۔ اس کتاب کے کچھ حصے ابھی حال ہی میں دریافت ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس کتاب میں کچھ بحریں ایسی شامل کی گئی ہیں جو خاص طور پر تیلوگو زبان کی ہی ہیں اور جو سنسکرت میں بھی نہیں ملتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ کل کتاب سنسکرت میں ہی ہے۔ اس کتاب کا مصنف غالباً وشنو کندین بادشاہ مادھو ورمن دویم (620 - 580) تھا جس کو جن آشریہ خطاب بھی حاصل تھا۔ اس شاہی خاندان کے کتبے بھی پراکرت اور تیلوگو ملی ہوئی سنسکرت زبان میں ہیں۔

شروع میں تیلوگو اور کنٹر زبان میں بے حد یکسانیت پائی جاتی تھی اور یہ قربت دونوں زبانوں کی ترقی کے بعد بھی کافی عرصے تک قائم رہی۔ کنٹر زبان کے دو عظیم شعرا پمپا اور پونا، تیلوگو

دیش سے آئے تھے اور تیلوگو کا عظیم شاعر شری ناتھ خود کو کرناٹک زبان کا شاعر کہتا تھا۔ ابتدائی تیلوگو شاعری اور نثر کی شکلوں کا پتہ صرف تیلوگو چوڈا اور مشرقی چالوکیوں کے کتبوں سے ہی چلتا ہے۔ جنرل یان ڈورنگ (46-845) کا عطیہ ترقی یافتہ شیش بحر میں ہے۔ بلاشبہ اس زمانہ میں عوام کی زندگی کو متاثر کرنے والا کافی عوامی ادب ہوگا جو ضبط تحریر میں نہیں لایا گیا ہوگا۔ اس طرح کی دیسی تصنیفات میں لامی پتالو (گہوارے کا گیت) میلوکو لو پولو (صبح کا گیت) منگل بار تیلو (تہوار کے جشن کا گیت) کیرتنالو (مذہبی گیت) اور اوڈاپو پاٹلو (فصل کاٹنے کا گیت) شامل رہے ہوں گے۔

کہا جاتا ہے کہ اعلا معیاری کے ادب پر سنسکرت کا زبردست اثر تھا اور یہ مارگ اسلوب میں تھا۔ اس زمرے کی کوئی بھی کتاب گیارھویں صدی سے قبل کی دستیاب نہیں ہے چنانچہ اس قسم کی تصنیفات کی ابتدا اور ابتدائی تاریخ کا پتہ نہیں چل سکتا۔ بعض لوگ مارگ کے جداگانہ وجود کے بارے میں شک کرتے ہیں۔

جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے تیلوگو ادب کی ابتدا راج راج نریندر (61-1019) کے عہد حکومت میں نانیہ کے ذریعہ مہابھارت کے ترجمہ سے ہوئی۔ بادشاہ کے کہنے پر نانیہ نے اس عظیم کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس کی مدد کے لیے ایک شخص نارائن بھٹ تھا۔ یہ خود بھی ایک اچھا شاعر تھا اور اسے بادشاہ سے گراں قدر انعامات ملتے تھے۔ راج راج کے عہد حکومت میں بدامنی رہی اور یہ نہیں معلوم کہ یہ سیاسی بدنظمی نانیہ کے کام میں رخنہ انداز ہوتی بھی یا نہیں وہ صرف دو ہی پروون (ادی اور سبھا) اور تیسرے دن کے کچھ حصّہ کا ترجمہ مکمل کرسکا۔ یہ ترجمہ حرف بحرف نہ تھا اور شاعر نے اپنی قوت تخیل کو آزادانہ طور پر استعمال بھی کیا۔ اس نے بعد کے ترجموں کی رہنمائی کی۔ نانیہ کے ذخیرۂ الفاظ میں سنسکرت الفاظ کی مہارت تھی لیکن وہ پھر بھی مبہم نہیں ہے اس کے پرشکوہ اسلوب بیان کی وجہ سے مہابھارت کا ایک دوسرا مترجم یراپراگنڈہ Yerrapragada اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنے ایک شریف ہاتھی رسعد گنج اسے تشبیہ دی۔ نانیہ شابڈ انو شسنم چینامنی" کا بھی مصنف تھا۔ یہ تیلوگو زبان کی پہلی گرامر تھی۔ اس میں الفاظ اور اس کے استعمال کو معیاری بنا کر زبان کو اصول کے مطابق مرتب کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مصنف کو واگانو شاسن کا خطاب بھی دیا گیا۔

تیلوگو زبان کا مشہور مصنف ویمل واڑ بھیم کوی تھا جو نانیہ سے عمر میں چھوٹا مگر اس

کا ہم عصر تھا۔ روایت کے مطابق اس کا تعلق مشرقی گنگ بادشاہ اننت ورمن چوڈگنگ (1078ء–1148ء) سے تھا۔ اس نے تیلوگو گرامر "کوی جن اشریہ" لکھی۔ اس نے "بھیمیشور پران" بھی تصنیف کیا۔ اس کتاب میں اس نے داکشارام میں واقع بھیمیشور مندر سے متعلق روائتیں پیش کی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے "راگھو پانڈویہ" کتاب بھی لکھی۔ اس کتاب میں اس نے رامائن اور مہابھارت دونوں کی کہانی ساتھ ساتھ بیان کی ہیں۔ یہ کتاب شروع سے اخیر تک ذو معنی ہے۔ اب یہ دست یاب نہیں ہے۔ بھیم کوی کی زندگی اور تصنیفات دونوں کے بارے میں کوئی بات وثوق کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی۔ وہ متعدد قصے کہانیوں اور معجزوں کا مرکز بن گیا ہے۔

بارھویں صدی سے تیلوگو دیش کے رہنے والوں کی مذہبی زندگی میں ویرشو دھرم ایک اہم جزو بن گیا اور فرقہ پرستی زیادہ سے زیادہ عام ہوگئی۔ اس عہد کے شعرا ویرشو دھرم کے حمایتی تھے۔ اور وہ اس کی تبلیغ بھی کرتے تھے۔ ان میں ملک ارجن پنڈت بہت مشہور تھا۔ یہ نئے چوڈ کا استاد تھا۔ اس نے اپنی کتاب شوتتوسارام کے پانچ سو اشعار میں ویرشو دھرم کی وضاحت کی ہے یاک ناڈو کے چوڈ. بلی کالرڑ کا نئے چوڈ ایک تیلوگو چوڈ شہزادہ تھا۔ یہ کمار سمبھو کا مصنف تھا یہ ایک مہاکاویہ ہے جس کا ابھی حال ہی میں پتہ چلا ہے۔ یہ کالی داس اور ادبھت کی اسی موضوع پر سنسکرت تصانیف پر مبنی ہے۔ اس کتاب کی تصنیف میں مصنّف نے شو ادب سے جہاں تک اسے واقفیت تھی امداد حاصل کی۔ نئے چوڈ نے اپنی شاعری میں کنڑ اور تامل کے الفاظ استعمال کیے۔ کنڑ ادب کے ساتھ اس کا رویہ جانبدارانہ تھا۔ اس کا اسلوب بیان عام طور پر مقبول نہ ہوسکا ماہر گرامر اتھروان کا کہنا ہے کہ نئے چوڈ نے مخصوص بحروں کے استعمال سے اپنی موت کو خود ہی دعوت دی۔ پال کوریکی سومناتھ. کاکتیہ پرتاپ رودر دویم (1291–1320) کا ہم عصر تھا۔ سومناتھ کٹر لنگایتی اور سنسکرت کنڑ اور تیلوگو زبانوں کا وافر لکھنے والا تھا۔ وہ ویرشو دھرم کی حمایت میں زبردست پمفلٹ باز اور مناظر تھا۔ تیلوگو زبان میں اس کی مخصوص تصانیف میں "پنڈت رادھیہ چرت" "ڈوی پد باسو پران" "انو بھو سار" شامل ہیں۔ نتھری ناتھ نے اس کی کتاب پنڈت رادھیہ چرت کا استعمال اسی نام کی اپنی کتاب لکھنے کے لیے کیا۔ پدو پری سومناتھ (1510ء) نے تیلوگو بحر میں "باسو پران" لکھا۔ پال کریکی سومناتھ کی سو اشعار کی کتاب "ورشادھیپ شتکم" جو باسو کو مخاطب کرکے لکھی گئی تھی بہت مقبول ہوئی۔

تکنّ (1220–1300) نے جو شاید تیلوگو زبان کا سب سے بڑا شاعر تھا۔ مہابھارت

کتاب کا ترجمہ کرنے کا کام دوبارہ شروع کیا۔ وہ نیلور کے سردار منو ماسدھی کے دربار سے متعلق والا ایک نیوگی براہمن تھا۔ منو سدھی کا کاکتیہ حکمراں گن پتی کا ماتحت تھا۔ تکّن کا دادا وزیر اور شاعر تھا اور تکّن کا والد اور چچازاد بھائی جنگ جو تھے۔ تکّن خود ایک کامیاب درباری اور مدبر تھا ایک بار منو ماسدھی کو اپنا تخت دوبارہ حاصل کرنے کے لیے اس نے گن پتی کی امداد حاصل کی اس نے ایک یگیہ کیا اور سومیاجی کا خطاب حاصل کیا۔ اس نے وراٹ پروسے ترجمہ کرنا شروع کیا کیونکہ وہ اس جگہ سے یہ کام شروع نہیں کرنا چاہتا تھا جہاں پر بدقسمتی سے نانیہ کے کام میں رکاوٹ پڑگئی تھی۔ تکّن نے بقیہ بھارت کا مکمل ترجمہ کیا۔ اس کی حیرت انگیز علمیت اور انتھک فیضان حاصل کرنے کے اسباب کے بارے میں مختلف روائتیں مشہور ہیں۔ اس کی تمہید میں جدت پسندی ہوئی تھی چنانچہ اس کے بعد سے کچھ ایسی روائتیں قائم ہوگئی تھیں جنھیں اس کے جانشینوں نے اپنایا۔ اس نے ناقابل شعرا کی مذمت کی اور حقیقی شعرا کی تعریف بھی کی۔ اس نے ایک خواب پیش کیا جس کے مطابق اس کے دادا نے خواب میں اس کو ہری ہر ناتھ کا یہ پیغام سنایا تھا کہ تکّن اپنی تصنیفات ان کے (ہری ہر ناتھ) نام ہی منسوب کرے۔ اس نے اخیر میں ایک حمد لکھی جس کے آخری لفظ میں حالت اضافی کو استعمال کیا (شنشٹا یننت مولو) پہلی اور آخری خصوصیت ننے چوڈ کی کمار سمبھو میں بھی پائی جاتی ہیں۔ تکّن کے طرز تحریر کی پختگی، تصویر کشی کی عجیب و غریب صلاحیت اور کردار نگاری کی بنا پر اسے کوی بھیم کا خطاب ملا۔ بھارت کا ترجمہ کرنے سے قبل تکّن نے "نروچن اوتر رامائن" لکھی۔ اس میں رام کی تاجپوشی کے بعد کی کہانی کو نظم میں بیان کیا گیا ہے یہ نہیں معلوم کہ کس بنا پر اس نے اس کتاب کے آخری ابواب کو کسی دوسرے شخص کے ذریعہ مکمل کرنے کو چھوڑ دیا۔

نانیہ اور تکّن کے ترجمے کے درمیان بن پروکے بچے ہوئے حصّے کا ایرا پرگڈ (1280 1350) نے ترجمہ کرکے مکمل کیا۔ یہ نیلور ضلع کے گدلور نامی مقام کا رہنے والا نیوگی براہمن تھا۔ اس کا والد شری سوریہ سنسکرت اور تیلگو کا شاعر اور یوگی تھا۔ یرا پرگڈ خود شو کا پرستار تھا اور شمبھوداس کا لقب اختیار کررکھا تھا۔ وہ پرولیا ویم یڈی کے دربار سے منسلک تھا۔ نانیہ کے بدقسمت ترجمے کو مکمل کرنے کے خطرناک نتائج کے خوف سے اس نے بن پروکے اپنے ترجمے کو نانیہ کے سرپرست راج راج نریندر کے نام ہی منسوب کردیا تاکہ یہ نانیہ کا ہی ترجمہ معلوم ہو اس کا یہ بھی بیان تھا کہ تکّن نے اس کے خواب میں بھارت کی تکمیل کی خواہش کا

اظہار کیا تھا۔ اس کی شاعرانہ صلاحیت اس لحاظ سے ظاہر ہوتی ہے کہ اس نے اپنی تصنیف نابنہ کے طرز ادا کے مطابق شروع کی اور آخیر میں غیر محسوس طور پر تکن کا طرز بیان اختیار کر لیا۔ اسے پربندھ پرمیشور کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ اس نے "ہری ونش کا بھی ترجمہ کیا جو بھارت کے آخری حصّہ کی شکل میں ہے اور جس میں اس زبردست لڑائی کے واقعات کی چھان بین کی گئی ہے۔ اس کی دوسری تصنیفات میں رامائن (دستیاب نہیں ہے) اور لکشمی نرسینگھ پران شامل ہیں۔ آخری کتاب کو اہوبل مہاتمیہ بھی کہتے ہیں۔

مہا بھارت کے تینوں مترجمین کو "کوی تریہ" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ان تینوں شعرا کو سب سے زیادہ عزت حاصل ہے۔ بعد کے مصنّفین ان کو نذر عقیدت پیش کر کے ہی اپنی تصنیف کا آغاز کرتے ہیں۔

ناچن سوم شاعر پرا پرگڈ کا ہم عصر تھا۔ اس نے اُتری ہری ونش کتاب لکھی چونکہ وہ پرا پرگڈ کی کامیابی سے مطمئن نہیں تھا اس لیے وہ اس موضوع کے شایانِ شان ایک تصنیف پیش کرنا چاہتا تھا۔ نقّادانِ فن کی رائے ہے کہ ناچن سوم کو اپنے مقصد میں کامیابی بھی حاصل ہوئی۔

تیرھویں اور چودھویں صدی کے دو شعرائے رامائن کا ترجمہ کیا۔ کاکتیہ حکمراں پرتاپ رودر دوئم کے ایک جاگیردار کوی بدھ راج نے دیوی پنت بحر میں "رنگ ناتھ رامائن" پیش کی۔ یہ کتاب بہت زیادہ زبان میں تحریر کی گئی ہے اور نہایت شیریں اور مناسب تشبیہات سے پُر ہے۔ اس نظم سے رنگ ناتھ کا تعلق واضح نہیں ہے۔ یا تو وہ درباری شاعر تھا یا وہ اس بادشاہ کا ممکن ہے اتالیق ہو جس کے نام پر یہ کتاب منسوب کی گئی ہے۔ بدھ راج کے لڑکوں نے اس میں اُتر رامائن کو شامل کر کے اس کتاب کو مکمل کیا۔ ہلّا کی بھاسکر اور اس کے شاگردوں نے کمپو کی شکل میں رامائن کا ایک اور ترجمہ پیش کیا۔ یہ کتاب شاہی نیمار کے نام سے منسوب کی گئی جس کی شخصیت کے بارے میں کوئی بات مستقل طور پر طے نہیں کی جا سکی ہے۔

تکنّ کے ہم عصر شعرا میں کیتن کا نام قابل ذکر ہے کیتن نے دنڈن کی کتاب کا ترجمہ دش کمار چرت کیا اور اسی بنا پر اسے ابھی تو دنڈی کا خطاب عطا ہوا۔ کیتن نے آندھر بھاشا بھوشن نام کی گرامر اور وجنانیشور کی کتاب میتا کشرا کا ترجمہ کیا۔ تکنّ کے ایک شاگرد مارن نے مارکنڈے پران" لکھا جس کی بنیاد پر بعد میں پیڈن نے "متو چرتر" تصنیف کی۔ راج مندری کے منچن نے "کیور باہو چرت" لکھی۔ شت سہتر دیش میں رودر ما دیوی کے چول جاگیردار بدینا نے

ہی زمانہ میں سیاست پر پندرہ ابواب میں "یعنی شاستر مکتاولی" کی مشہور کتاب تحریر کی اور اخلاقیات پر مقبول عام کتاب "شومتی شتک" بھی شاید تحریر کی۔

آئندہ دور کا ذکر کرنے سے قبل ریاضی پر دو کتابوں کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ ان دونوں کتابوں کا سنسکرت سے ترجمہ کیا گیا تھا۔ تیلوگو زبان میں سائنسی موضوع پر سب سے قدیم یہی کتابیں ہیں گنٹور کے نزدیک پاولور کے ایک نیوگی براہمن مالن کا رنام (70 - 1060) نے مہاویر چاریولو کی ایک ریاضی کتاب کا نظم میں ترجمہ کیا۔ اس کتاب میں منجملہ دوسرے ابواب کے علم ریاضی کسر اور اعداد و شمار کے اصولوں پر بھی ابواب شامل ہیں۔ ایلوگنتی پیدنا نے بھاسکر کی لیلاوتی کا ترجمہ کیا اور اپنی تصنیف کا نام "پربے کیرن گنت رکھا۔

بعض لوگوں کی رائے ہے کہ شری ناتھ (1440-1365) تیلوگو زبان کا سب سے بڑا شاعر تھا اور 1350ء کے بعد کے ڈیڑھ سو سال کی مدت کو شری ناتھ کا عہد کہا جا سکتا ہے۔ اس کی ذہانت کی وجہ سے اس کو بہت کم عمر میں ہی بہت سے سرداروں اور بادشاہوں جن میں کونددو کے ریڈیوں راج کونڈ کے ویلماؤں اور وجیہ نگر کے دیورائے دویم کی سرپرستی حاصل ہو گئی تھی۔ وہ ان کے اور ان کے وزرا کے ساتھ برابری سے پیش آتا اور زندگی کا پورا لطف اٹھاتا حالانکہ آخری وقت میں اس کا مفلسی میں انتقال ہوا۔ سنسکرت اور تیلوگو زبان پر مہارت میں کوئی اس کا مقابل نہیں تھا۔ خود کہتا ہے کہ جب وہ لڑکا ہی تھا تو اس نے "مارد تراد چرتر تصنیف کی اور نوجوانی کے زمانہ میں ہی شالی واہن سپت ستی کا ترجمہ کیا۔ بدقسمتی سے یہ دونوں کتابیں اب دستیاب نہیں ہیں۔ شرنگار نیشدھ کے نام سے شری ہرش کی "نیشد کا ویہ کا ترجمہ کیا اس کا شاہکار ہے۔ یہ ایک شاندار اور پرشکوہ م ہے جس میں شری ناتھ کی غیر معمولی ذہانت کی تمام اعلا خصوصیات کو کام میں لایا گیا ہے۔ اس کی دوسری تصانیف پنڈت رادھیہ چرت، شوراتری مہاتیہ ہرولاس، بھیم کھنڈ اور کانتی کھنڈ ہیں۔ آخر الذکر صرف چار کتابیں ہی دستیاب ہیں۔ ان کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شو دھرم کا کٹر کا ماننے والا تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک اور ڈرامہ "کریڑ بھیرامم" بھی لکھا۔ اس ڈرامے سے تیلوگو ادب ایک نئے سمت میں ترقی کرتا ہے اور وتھی ناٹک طرز تحریر کا آغاز ہوتا ہے۔ اس میں ایک شخص وارنگل کی گلیوں میں دوسرے شخص سے اپنے تجربات بیان کرتا ہے جو محض سنتا ہی ہے۔ شرنگار دیپکا نامی نظم کا شاعر یوں تو کمارگری ہے لیکن بعض لوگوں کی رائے ہے کہ یہ شری ناتھ کا ہی نتیجہ فکر ہے۔ ایک مقبول عام رزمیہ نظم "پالناٹو یرچرترم" میں بالناڈ (ضلع گنٹور)

کے تیرھویں اور چودھویں صدی کے جنگ جووں کے کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ بھی شری ناتھ کی ہی تصنیف خیال کی جاتی ہے۔ مختلف موضوعات پر اس کے متفرق اشعار بھی ہیں جو آج بھی عوام میں بے حد مقبول ہیں۔

شری ناتھ کا سالہ بام میر پوتن (70-1400) جو عمر میں اس سے کم تھا لیکن ہر طرح سے اس کے برعکس تھا۔ وہ کڈپا ضلع میں اونٹی مٹ کا رہنے والا یوگی تھا۔ اس نے بھاگوت پران کا ترجمہ کیا۔ پوتن زندگی بھر مفلس رہا اور اسی حالت میں انتقال کر گیا۔ اس نے کسی اسکول میں تعلیم نہیں پائی تھی۔ اس کی شاعری میں جو اس کے جذبۂ پرستش سے متاثر ہے اکثر قواعد کی باریکیوں کو نظرانداز کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پوتن کو ایک جتا نند نام کا یوگی ملا جس کی دعا سے اس میں بھگتی اور شعر وسخن کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس کی بھاگوت اصلی بھاگوت سے زیادہ صحیح ہے۔ اس کی طرز تحریر واضح، زور بیان اور طاقت قصہ گوئی کے ساتھ ساتھ اس کے زبردست روحانی جذبے نے جو اس کے قریب قریب ہر شعر سے عیاں ہے اس کی اس تصنیف کو رامائن اور مہابھارت کے ترجمے سے کہیں زیادہ مقبول بنا دیا ہے۔ ایک کہانی عام ہے کہ جب راؤ سنگ نے پوتن سے اس نظم کو اسے منسوب کرنے کے لیے کہا تو پوتن کو علم کی دیوی سرسوتی خواب میں دکھائی دی اور پوتن سے درخواست کی کہ وہ اپنی نظم کو سنگھو بھوپال کے ہاتھوں میں نہ دے کر اس کی عصمت کی حفاظت کرے۔ اس سلسلہ میں پوتن کی ایک قابل قدر نظم ہے کہا جاتا ہے کہ اس نے یہ نظم دیوی کی درخواست کے جواب میں لکھی تھی۔ بہر صورت پوتن نے اپنی یہ عظیم تصنیف اپنی زندگی میں شائع نہیں کرائی بلکہ میراث کے طور پر وہ اسے اپنے لڑکے ملّن کے لیے چھوڑ گیا۔ بعد میں دیکھا گیا کہ اس نظم کے بعض حصّوں کو دیمک نے کھالیا اور پھر خالی جگہوں کو دوسرے لوگوں نے پُر کیا۔ اس نظم کے کچھ حصّے مثلاً جب کہ وشنو نے گجیندر کو رہائی دلائی اور رکمنی کی شادی کے کچھ ایسے واقعات ہیں جو پڑھے لکھے لوگوں کو بھی پسند آتے ہیں۔ پوتن نے شو کی تعریف میں "ویر بھدر وجے" بھی لکھی۔ یہ کتاب ان گالیوں کی تلافی کے طور پر تحریر کی گئی جو شو کو ان کے دشمنوں نے دکش کے یگیہ کے موقعہ پر دی تھیں اور جنھیں شو نے قلمبند بھی کیا تھا

فلسفیانہ معلم اخلاق ویمن غالباً پندرھویں صدی کے شروع میں تھا اس کے شتک (سو اشعار) سے بچّے اور بوڑھے دونوں ہی بخوبی واقفیت رکھتے ہیں۔ ان اشعار کا مختلف زبانوں میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

روایت کے مطابق پل لماڑی میں ویر بھدرکوی شری ناتھ کا ہم عصر تھا لیکن وہ پوتن سے

بھی عمر میں کم تھا۔ ویر بھدر نے "جیمنی بھارت کا ترجمہ کیا جس میں اصلی بھارت کے اشو میدھ پرو کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ اس نے اس کتاب کو سالوا نرسنگھ Saluva Narsinga کو منسوب کیا۔ شاعر کا دعوا تھا کہ سرسوتی دیوی اس کی ملکہ ہے۔ نرسنگھ کے دربار میں اس نے اپنے اس دعوے کو ثابت کرکے بھی دکھایا۔ اس کی ایک ہی تصنیف شرنگار شکنتلا دستیاب ہے۔ یہ کالی داس کے مشہور ڈرامے کا تیلوگو زبان میں ترجمہ ہے۔ اس کی بقیہ تصانیف کے صرف نام ہی معلوم ہیں۔ اس کے اشعار کی موسیقیت کے بارے میں نقادان فن نے تعریف کی ہے۔

اس عہد کے دوسرے شعرا میں نندی ملیہ Nandi Mallaya اور گھنٹم سنگیہ Ghantam Singaya (1480) اہم ہیں ان دونوں نے مل کر "وار اہا پران" اور پربودھ چندر اُدے لکھیں۔ آخر الذکر کتاب پر بندھ کی شکل میں ہے۔ یہ شری ناتھ کی نیشادھ اور پن کی "پربھدر شکنتلا" کے مقابلے میں سنسکرت کی کتاب سے کہیں زیادہ مطابقت رکھتی ہے۔ "وار اہا پران" جو سنسکرت سے ترجمہ ہے تلوا نرس نایک کے نام منسوب ہے۔ پیرم راجو چکن (1450) نے وکرمارک چرت" تصنیف کی۔ اس میں اجین کے روایتی شہنشاہ سے متعلق کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔ دوسرے قابل غور مصنفین میں "ناچی کیتو پاکھیان" کا مصنف ڈگو پالی دوگیہ (1480) پنچ تنتر کا مصنف دوگینت نارائن (1470) وشنو پران کا مصنف وینل کا انٹی سورن (1460) اور ہریش چندر پاکھیان کا مصنف گورن شامل ہیں۔

کرشن دیورائے کا عہد حکومت جس طرح سیاست، جنگ اور فنون لطیفہ میں زریں عہد مانا جاتا ہے اسی طرح ادبی ترقی میں بھی بے حد اہم شمار کیا جاتا ہے۔ خود بادشاہ بھی غیر معمولی عالم اور شاعر تھا۔ اس نے تیلوگو ادب کی جو ہمت افزائی وہ اس کے انتقال کے بعد بھی کافی مدت تک جاری رہی اس کی قیادت میں سنسکرت سے ترجمہ کا کام تقریبا موقوف ہوگیا اور سنسکرت کے مہاکاویہ کے طریقہ پر کسی روایتی یا تخیلی افسانہ کو لے کر آزاد پربندھ لکھنے کا عام رواج ہوگیا۔ ابتدائی پربندھ طبع زاد ہوتے تھے، ان میں تنوع، جرأت تخیل، لطافت اور طرز تحریر کی خوبی پائی جاتی تھی۔ لیکن کم قابل شعرا کے ہاتھ میں پڑ کر بعد کے جو پربندھ تصنیف کیے گئے وہ رسمی اور بے تنوع تھے۔ ان میں لسانی اصولوں کو تو تسلیم کیا گیا لیکن حقیقی ادب کے معیار پر پورے نہ اتر سکے۔

کرشن دیورائے کی "آمکت مال یدا" یا "وشنو چترتیہ" تیلوگو کی پانچ عظیم رزمیہ نظموں میں شمار کی جاتی ہے۔ یہ نئی تحریک کی پہلی تصنیفوں میں سے ایک ہے اور تیلوگو ادب پر دشمنوں کے

اثر کا پتہ دیتی ہے۔ اس کتاب میں وشنو چیت الوار (بیری یالوار) کی زندگی وشنو دھرم کے فلسفہ پر ان کی توضیح اور ان کی متبنّیٰ لڑکی گودا اور بھگوان رنگ ناتھ کے درمیان عشق و محبت کی داستان بیان کی گئی ہے۔ اسلوب بیان پیچیدہ اور عمیق ہے۔ تشبیہات دور از کار ہیں پھر بھی نظم کا اثر شاندار اور برتر ہے تیلوگو میں شاید ہی ایسی کوئی کتاب ہو۔ جن میں تخیل کی مسلسل روانی زبان میں اپنے پرزور مخارج کی متلاشی نہ ہو۔ یہ زبان اپنی جگہ پر پختہ اور مضبوط ہونے کے باوجود جامع اور مناسب اظہار خیال کے لیے ناکافی ہے۔ انسان کی فطرت میں پوری سوجھ بوجھ اور کسی نہ کسی موثر فقرے سے مقالتہ وہ کیفیت مزاج کا آسانی سے اظہار کرنے میں کرشن دیورائے سے کوئی بہتر نہیں ہے اور کوئی بھی برابر نہیں ہے، وہ کئی سنسکرت کتابوں کا بھی مصنّف تھا۔

وکرمادیتہ کے دربار کے نورتنوں کی طرح کرشن دیورائے کے دربار کے اشت دِگج (چاروں کونوں کے آٹھ ہاتھی) روایتوں میں مشہور ہیں۔ بہرکیف دونوں ہی صورتوں میں ایک بڑے نام کو تاریخی صداقت کے نام پر بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ متعدد بڑے بڑے شعرا کرشن دیورائے کے دربار کی زینت تھے۔ ان میں سب سے قابل غور الاسانی پیڈنا تھا جسے بادشاہ نے آندھرکو پتا پتاناہ (رمامائے تیلوگو شاعری) کا خطاب عطا کیا تھا۔ وہ چوکن تاتیہ کا لڑکا تھا۔ اس کی تربیت اس زمانہ کے وشنو بزرگ شتھ کوپنی کے زیر سایہ ہوئی تھی۔ اس کی خاص تصنیف "سوارو چین شمبھو" یا "منوچرت" تھی اس کی داستان مارکنڈے پران سے لی گئی ہے۔ پرور نام کے ایک کٹر براہمن نے بہشت کی ایک بیوا ورو تھنی **Varuthini** کی محبت کو ٹھکرا دیا۔ ایک گاندھرو کو اس کا علم ہوتا ہے اور وہ پرور کی شکل اختیار کرکے آتا ہے۔ اور اس بیوا کے ساتھ رہنے لگتا ہے۔ ان سے ایک لڑکا سوارو چیش ہوا جس سے دوسرا منو پیدا ہوا کالیداس کے کمار شمبھو کی طرح یہاں بھی ہیرو کے والدین ہی دلچسپی کا مرکز ہیں۔ جن کے نام پر اس کتاب کا نام رکھا گیا ہے۔ پیڈن کی شہرت کا سبب یہ ہے کہ اس نے پرور اور ورو تھنی کے کردار کو کامیابی کے ساتھ پیش کیا اس نے اپنے پیش رو شری ناتھ سے موضوع کی ترقی کے لیے کچھ خصوصیات حاصل کیں اور کنڑ الفاظ کے استعمال کو عاریتاً لیا ہے "منوچرت" کو کرشن دیورائے کو منسوب کیا گیا جس نے ایک مرتبہ پیڈن کی پالکی اٹھانے والوں میں خود کو شامل کرکے اس تصنیف کے لیے تعریف کا اظہار کیا تھا۔ پیڈن اپنے سرپرست کے بعد بھی کافی عرصہ تک زندہ رہا اور اس کی جدائی کو غم کے ساتھ برداشت کرتا رہا۔ کہتے ہیں کہ "اس نے ہری کتھا سار بھی لکھی لیکن وہ۔

اب دستیاب نہیں ہے

کرشن دیو رائے کے دربار کا دوسرا عظیم شاعر نندی تمن تھا۔ اس نے پری جات اپہرن لکھی۔ اس میں شری کرشن کی زندگی کے ایک مشہور واقعہ کو خوبصورت نظم میں بیان کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی تصنیف بادشاہ کو اپنی ایک ملکہ جس سے وہ ناراض ہو گیا تھا منانے کے لیے لکھی گئی تھی۔ بادشاہ کی ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ اس کی ملکہ اس کی تصویر کی جانب پیر کر کے سو گئی تھی۔ نظم میں کرشن کے ذریعہ ستیہ بھاما کو منانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ سین خاص طور پر قابل غور ہے جب کرشن ستیہ بھاما کے پاؤں پر گر گئے تھے اور ستیہ بھاما نے ان کے ٹھوکر رسید کی تھی۔ شاعر اس طرح بادشاہ کو یہ اشارہ دیتا ہے کہ عاشق و معشوق میں کس بڑی حد تک باہمی برتاؤ میں آزادی حاصل ہوتی ہے۔ شاعر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ یہ کہانی اچھی ہے لیکن اس کی صداقت مشکوک ہے۔

بھٹ مورتی جو آگے چل کر رام راج بھوشن کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے کافی طویل اور ممتاز ادبی زندگی گذاری۔ اس کی کتاب "نرس بھوپالیم" صنائع و بدائع سے متعلق ہے۔ اس نے وسوا نا تھ کی کتاب "پرتاپ رودر سیر" کا اتباع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تورا گنتی نرس راجو کو منسوب ہے۔ اس کی کتاب ہریش چندر نلو پاکھیانم ایک ذو معنی نظم ہے اور نل اور ہریش چندر دونوں کے ہی قصے بیان کیے گئے ہیں۔ وہ اپنی کتاب "واسو چرترم" کے لیے مشہور ہے۔ اس کتاب میں ایک معمولی افسانہ کو بہت ہنرمندی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا موضوع شہزادے واسو اور ردیائے شکتی متی اور کولاحل پہاڑ کی شہزادی گریکا کا عقد ہے۔ یہ مہابھارت میں ایک ادنا افسانہ ہے۔ اس کے اشعار کی موسیقیت اور اس کے ضرورت سے زاید بیانات میں اعلا تخیل کو نقادانِ فن نے بہت اہمیت دی ہے۔ یہ نظم تِرومل اوّل کے دور حکومت میں منظوم کی گئی ترومل اول راج رائے کا بھائی تھا۔ یہ کتاب اسی کے نام منسوب ہے۔ اس کا سنسکرت زبان میں بھی ترجمہ کیا گیا۔

کال ہستی کے ایک شو شاعر دھرجتی نے اپنی کتاب "کال ہستی مہاتمیہ" اور اسی زیارت گاہ پر ایک شتک تحریر کر کے کرشن دیو رائے سے تعریف حاصل کی۔ اس کے پوتے کمار دھرجتی نے اپنی کتاب "کرشن دیو رائے وجے" میں شہنشاہ کی تسخیروں کو سلسلہ وار بیان کیا ہے۔ مادیہ گری ملنّ اس زمانہ کا ایک اور درباری شاعر تھا جس کی کتاب "راج شیکھر چرت" کو ندرو

کے گورنر سالوتھا کے بھتیجے ندیتدل آپا کو منسوب ہے۔ یہ ایک مثالی پر بندھ ہے جس میں اونئی کے حکمراں راج شیکھر کی لڑائیاں اور اس کے عشق کی داستان بیان کی گئی ہیں۔ رام راج بھوشن کے ذریعہ اہل راجو رام بھدر کو جو پلّی رام بھدر (بہت سے بچوں والا) کے نام سے مشہور ہے۔ رام راج بھوشن کے وسیلے سے کرشن دیورائے کی سرپرستی حاصل ہوگئی تھی۔ اس نے پران کی متعدد کتھاؤں کے اختصار کو اپنی کتاب "شکل کتھا سار سنگرہ" میں شامل کیا۔ یہ کتاب بادشاہ کے کہنے پر تصنیف کی گئی تھی اس لیے بعد میں گونوری نرس راج کی سرپرستی میں رام کی کتھا کی بنیاد پر "رام ابھیوادے یم" تصنیف کی۔

پنگلی سورنا (تیگلی کرشنا ضلع میں ایک گاؤں ہے) کو اشٹ دگجوں میں مانا جاتا ہے لیکن اس کا زمانہ کرشن دیورائے کے بعد ہے۔ اس کی کتاب "راگھو پانڈیہ" میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ رامائن اور مہابھارت کی کہانی ساتھ ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ اس میں سادگی اور لطافت ہے۔ یہ خوبیاں ایک ایسی تصنیف میں جو زبردستی لکھی گئی ہو مشکل سے پائی جاتی ہیں۔ یہ یقین کیا جاتا ہے کہ بھٹو مورتی (اس کا ذکر کیا جا چکا ہے) نے اپنی کتاب اسی کتاب کو مثال بنا کر لکھی۔ سورن کی کتاب "کلاپڑ نوداپم" پر بندھ کے بجائے منظوم ناول ہے۔ اس کا پلاٹ عطیوں کی ایک خوشگوار کمیڈی ہے اور پڑھنے والے کی توجہ مکمل طور پر الجھائے رکھتی ہے۔ افسانہ میں توجہ کا مرکز کرشن اور ان کا حرم ہے۔ اور اس کا پس منظر انسانی قربانیوں کے خاموش کنایہ کے ساتھ کالی اور اس کے پرستار اور ملیالی جادوگر اپنے جادو کی ہارا اور محبت وعزبت جادو کے ساتھ ہے۔ اس تصنیف کا ایک غور طلب پہلو یہ ہے کہ اس میں سلیس سے قطعی طور پر پرہیز کیا گیا ہے۔ سورن اپنی تصنیف "پربھاوتی پرے دیمنا" کو اپنی بہترین تصنیف کہتا تھا۔ اس میں ایک طبع زاد ناٹک کی شکل میں پران کی ایک کتھا کو پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا موضوع کرشن کے لڑکے پرے دیمنا کے ہاتھوں طاقتور دیتیہ بادشاہ وجرن آبھا Vajranabha کی شکست ہے۔ اس کے بعد شکست خوردہ دیتیہ کی لڑکی پربھاوتی کی شادی پرے دیمنا کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ اس کے کردار جیتے جاگتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی حرکات وسکنات فطری ہیں۔ ان کی بات چیت بھی فطری اور ڈرامے کی اہم صورتیں سنجیدہ اور واضح ہیں۔

بعض لحاظ سے اس عہد کی سب سے زیادہ دل چسپ ہستی تنالی رام کرشن کی تھی جس نے اپنی ادبی زندگی کرشن دیورائے کے زمانہ میں شروع کی اور وینکٹ کے عہد حکومت تک زندہ رہا۔

وہ ایک درباری مسخرے کی شکل میں یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے بہت سے اعلا افسران اور خود بادشاہ کا بھی تمسخر اڑایا ہے۔ لیکن وہ ایک ذہین شاعر بھی تھا۔ اس کی کتاب پان ڈورنگ مہاتمیہ تیلوگو کی پانچ بڑی نظموں میں سے ایک خیال کی جاتی ہے۔ یہ ایک قابل تعریف تصنیف ہے۔ یہ ایک عیاش براہمن کی رواج کی کہانی ہے جسے وشنو کے مندر میں نے یم کے ملازمین کے چنگل سے اس خیال سے رہائی دلائی وہ اتفاق سے پندر یور میں فوت ہوا تھا۔ رام کرشن نے "اوبھٹ آچاریہ چرت" بھی لکھا اور اس کتاب کو کرشن دیو رائے کے ایک افسر کے نام سے منسوب کیا۔ سنکوسال نرسنگھ کوی کا شمار اگرچہ اشٹ دگجوں میں نہیں کیا جاتا ہے لیکن وہ یقینی طور پر اپنے زمانے کا ایک ممتاز شاعر تھا۔ پیڈن نے حسد کی بنا پر اس کی شہنشاہ تک رسائی نہ ہونے دی اور غریب شاعر کو اپنی نظم "کوی کرن رسائن" بازار میں فروخت کرنا پڑی۔ اس کی ایک نظم بادشاہ کی لڑکی موہن انگی کے ذریعہ بادشاہ تک پہنچی۔ نظم کے فن سے متاثر ہو کر بادشاہ نے شاعر کو بلوا بھیجا لیکن وہ پہلے ہی شری رنگم کے لیے روانہ ہو چکا تھا جہاں اس نے اس متبرک مقام کی دیوی کے نام اپنی کتاب منسوب دی۔ اس کتاب میں ایک تخیلی بادشاہ مان دھاتا کی زندگی کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ اس نے اس کتاب کے دیباچہ میں خراب شعرا اور بادشاہوں کی مذمت بھی کی ہے۔

چنتل پودی الآیا نے پودی رادھا ولاس مادھو" اور "وشنو مایا ولاس" تصنیف کیں۔ اوّل الذکر کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ لوگ شاعر کو اس کے نام سے جاننے لگے۔ اس زمانہ کی ایک شاعرہ ملاّ نیچی ذات میں پیدا ہوئی تھی۔ اس نے سلیس اور شائستہ تیلوگو زبان میں رامائن لکھی جو بہت زیادہ مقبول ہوئی۔ کام شالی رودر یہ نے نربن کھشو پاکھیان تصنیف کی جس میں بھگوان شو کو ہرانے والے ایک ذہین جواری کی دل چسپ کہانی بیان کی گئی ہے۔ جواری نے بہشت کی رمبھا کو جوئے میں جیت لیا تھا۔ فتح یاب نرتکش رمبھا کے ساتھ رہنے لگا۔ لیکن اندرا کو یہ بات ناگوار ہوئی اور اس نے ان کو الگ کرنے کی کوشش کی۔ اڈانکی گنگا دھر (1570) نے "پتنی سمورنو پاکھیان" اور پوناگنتی تیل گن نے "یاتی چرتر" لکھیں۔ یہ دونوں کتابیں گولکنڈہ کے سلطان ابراہیم قطب شاہ (83-1550) کے نام منسوب کی گئیں۔ اس ہدیہ کو شعرا نے "ابھادام شوری" کہا ہے۔ وینکٹ ناتھ نے پنچ تنتر کا ترجمہ افسانوں کے اصلی مجموعہ کی طرح نہ کر کے پر بندھ میں کیا۔ پدو پارتی کا باسوپران شودھرم سے

متعلق اس زمانہ کی ایک ہی تصنیف ہے۔ کتاب کا مصنف کٹر ویشنو تھا اور دشنو دھرم کے خلاف اس کی عدم رواداری اس کی تصنیف میں جگہ جگہ نمایاں ہے جو کرشن دیورائے کے متحمل عہد حکومت کے لیے بے محل ہے۔ سارنگ تمبیہ اور چدلو داوملیہ انگ انگ" ویناراین چرتوں کے مصنف تھے۔

اس زمانہ میں سائنسی تصانیف میں منوماہجی بھٹ کی "ہیالکشن شاستر" اور ولبھ آچاریہ کی "لیلاوتی گنت" قابل ذکر ہیں۔ پہلی گھوڑوں اور ان کی تربیت پر طبع آزاد کتاب ہے۔ یہ کتاب کرشن دیورائے کے ونڈ نایک اوپ کمبرائے کے نام منسوب ہیں۔ اس وقت اس کتاب کے کچھ ہی حصے دستیاب ہیں۔ دوسری تصانیف لیلاوتی کا ترجمہ ہے اور راجپوت رائے کے ایک افسر کے نام منسوب کی گئی ہے۔

سترھویں صدی میں وجیہ نگر کی اہمیت میں کمی آگئی اور اس کی جگہ گندی کوٹ، سدھووتم، نیلور، چنجی، تنجور اور مدیورا کے جاگیرداروں نے لے لی۔ سدھووتم۔ (ضلع کڈپا) کے متلی اننت (1590-1610) اور اس کا پوتا دونوں ہی شاعر تھے اور بالترتیب کاکشتھ وجیم اوڈر کمدوتی کلیانم" کے مصنف تھے۔ اسی زمانہ میں ہیم مسانی تمان ایڈو کی درخواست پر نرسی گوپل ملن نے ایک پربندھ" چندربھانو چرترے" لکھا۔ یہ یوں تو دلچسپ ہے لیکن کرشن دیورائے کے زمانہ حکومت کے شہ کاروں کے معیار کا نہیں ہے۔ نیلور مقام بشپ گری تمن کے ترجمہ سے مشہور ہوگیا۔ تمن نے بھرتری ہری کی کتاب "نیتی شتک" کا تیلوگو زبان میں ترجمہ کیا۔ اس نے ہنومان کے کارناموں کا "ممبر کمار وچیتم" میں ذکر کیا ہے۔ اس نے اپنے اردگرد ذہین دوستوں کی ایک جماعت بنا رکھی تھی جس میں مشہور و معروف کنکنتی بھائی باپ راج اور نرسنگھ بھی شامل تھے۔ باپ راج کی "اتر رامائن" کا مقابلہ تیلوگو کی کسی بھی اچھی تصنیف سے کیا جاسکتا ہے۔ اس نے ایک "یکشن گان وشنومایا ولاس" بھی لکھا۔ اس کے بھائی نرسنگھ نے جو مقابلتاً کم مشہور تھا۔ رادھامادھو الیہ کے "وشنومایا ولاس ناٹک" کا دوئی پد بحر میں بے جان سا ترجمہ کیا۔ دھرنی دیوو لام رام منتری نے دس اوتار چرتر تحریر کی۔ یہ اس زمانہ کی ایک قابل تعریف تصنیف ہے۔ لیکن اس میں مصنف نے اپنی قابلیت کے مظاہرہ کی جو کوشش کی ہے اس کی بنا پر یہ کتاب ضرورت سے زیادہ گراں ہوگئی ہے۔ تنجور میں خود رگھوناتھ نایک نے دو دلکش کتابیں "والمیکی چرترم" اور "رامائیم" لکھیں۔ والمیکی چرترم تیلوگو زبان کی نثر میں پہلی اہم کتاب ہے اور دوسری کتاب "رامائیم" ادھوری ہونے کے باوجود رگھوناتھ نایک کی ہنرمندی کا ثبوت ہے۔ وجے راگھو جو رگھوناتھ نایک کا لڑکا تھا مگر اپنے

والد کے مقابلہ میں کم ذہین تھا۔ اس نے بھی نظمیں اور یکش گان لکھے۔ لیکن اس کی شہرت کی خاص وجہ یہی ہے کہ اس نے متعدد شعرا کی سرپرستی کی۔ ان میں چیمکوری دینکٹ کوی بہت مشہور تھا۔ اس کی نظمیں "سارنگ دھر چرترم" اور وجے ولاس میں بالترتیب چترانگی کا اپنے سوتیلے بیٹے کے لیے محبت اور ارجن کی متبرک مقامات کی زیارت اور ناگ کی شہزادی الوچی اور شری کرشن کی ہمشیر سوبھدرا کے ساتھ اس کی شادی کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ وجے ولاس کو بجا طور پر تیلوگو کی ایک عظیم نظم تسلیم کیا جاتا ہے۔ وجے راگھو کی ایک ملکہ رنگاج اماّ نے "منارو داس ولاس" تصنیف کر کے یکش گان کی ترقی میں اضافہ کیا۔ اس نے اپنی تصنیف "منارو داس ولاس" میں عام طور پر ضرورت سے زیادہ کردار پیش کیے ہیں اور بات چیت کے دوران گیت کے بجائے نثر کو جگہ دی ہے۔ جنوبی ارکاٹ کا باشندہ سورم چینا نرائن راجو نے ایک نفیس نظم "کو ولیا سوے چرتر" لکھا۔ یہ ایک دوسرا شاعر ہے جو اپنی انداز دل ربائی اور نکتہ سنجی کے لیے مشہور ہے۔ اخیر میں کدی رپی نے جو رام راج کا چچازاد بھائی اور شری رنگ سویم کا سپہ سالار تھا" شک سپت تتی" لکھی۔ یہ ادبی نقطۂ نظر سے بہترین تصنیف ہے۔ اور اس میں مصنف نے قصہ گوئی کے فن کی تکمیل کی حد تک پہنچا دیا ہے۔

ملیالم

جنوبی ہندوستان کی زبانوں میں آخری زبان ملیالم ہے جس نے الگ اپنے وجود کو برقرار رکھا اور اپنے ایک جداگانہ ادب کی ترقی کی۔ سنگم عہد میں موجودہ ملیالم کا علاقہ تامل زبان بولنے والا علاقہ تھا۔ اگرچہ ماہر صرف و نحو کی رائے ہے کہ پہاڑی علاقہ کی بولی معیاری تامل سے کئی معنی میں مختلف ہے۔ سنگم عہد کے ادب میں بہت سے الفاظ اور محاورے ہیں جو آج بھی ملیالم میں رائج ہیں لیکن تامل میں استعمال نہیں کیے جاتے۔ یہ کوشش کہ ملیالم سنسکرت زبان سے ہی نکلی ہے یا یہ کہ اس زبان کا سنسکرت اور تامل زبان سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ کہ ملیالم ان دونوں زبانوں سے بالکل الگ ہے بیکار ثابت ہوئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عیسائی عہد کی ابتدا سے کیرل میں جو کوڈم تامل کی شکل رائج تھی اس نے صدیوں میں فطری طور پر جو ترقی کی وہی زبان موجودہ ملیالم ہے۔ اس زبان نے بھی کنڑ اور تیلوگو کی طرح سنسکرت سے آزادانہ طور پر الفاظ لیے ہیں۔ اس نے سنسکرت الفاظ کی آواز کو مناسب طور پر ادا کرنے کے خیال سے قدیم وہ بتی لوتو Vatteluttu

طرز تحریر کو ترک کر دیا اور تامل گرنتھ کی بنیاد پر ایک نیا طرز تحریر ایجاد کیا۔ یہ شاید دسویں صدی میں یا اس کے کچھ بعد ہوا۔ ابتدائی کتبوں میں سنسکرت الفاظ کے لیے گرنتھ طرز تحریر اختیار کیا گیا ہے اور بقیہ تامل، ملیالم "وٹیلوتو" طرز تحریر میں ہیں۔

چودھویں صدی کے شروع میں ایک گمنام نظم انوتی سندیشم اس زبان کی قدیم ترین نظم ہے جو دستیاب ہے۔ یہ نظم کالی داس کے میگھ سندیش کے نمونہ پر لکھی گئی ہے اس نظم میں اس پیغام کو بیان کیا گیا ہے جو تروبندرم سے ایک عاشق اپنی محبوبہ کے پاس کوؤن گولور میں روانہ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ان دونوں مقامات کے درمیانی راستہ کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ پیغامبر دوسری نظموں کی طرح کوئی بادل یا پرندہ نہیں ہے بلکہ ایک شہزادہ ہے جس کا نام ادیتیہ ورما ہے۔ پیغامبر سے کہا گیا ہے کہ وہ کوچین کے عظیم حکمراں روی ورمن (کل شیکھر) کی قدمبوسی حاصل کرے۔ اس نظم میں اور بھی ہم عصر حکمرانوں کا ذکر ہے۔ طرز ادا میں سنسکرت الفاظ کی آمیزش ہے اور ملیالم زبان میں بیشتر تصنیفات کی طرح اس کو بھی دراصل منی پر ے ولم اسلوب کہا جا سکتا ہے۔ اسے ملیالم زبان کی ایک انتہائی خوبصورت نظم کہا جا سکتا ہے۔ اسی زمانہ کی دوسری نظم چندراتسو ہے۔ یہ سنسکرت کی بحر میں نظم کی گئی ہے۔ پندرھویں صدی میں لیلا تلکم ایک گرامر ہے۔ جو منی پر ے ولم اسلوب میں لکھی گئی ہے۔

سندیش نام کی نظم سے قبل مختلف طرح کے مقبول عام گیت بھی ملتے ہیں جنھیں پلیا پٹو یا قدیم گیت کہا جاتا ہے۔ اگرچہ موجودہ شکل میں یہ گیت جدید زمانہ کے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن قابل نقادان فن کی رائے کہ ان میں سے بعض گیت تو بہت قدیم ہیں۔ یہ لوک گیت کئی قسم کے تھے۔ مثلاً برہم نپ پٹو جو شادی کے موقع پر گائے جاتے ہیں۔ بھدرکالپ پٹو اور شستاپ پٹو جو دیوتاؤں کی تعریف میں لکھے گئے ہیں۔ یاترکالپ پٹو اور ترووادی ریپ پٹو بھی ہیں جن کے نام اس بنا پر پڑے کہ انھیں مخصوص جشن اور تہواروں کے موقعہ پر گایا جاتا ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان گیتوں کے ساتھ ساتھ رقص بھی ہوتا تھا۔ اسی نوعیت کے لیکن اپنے موضوع کے مسلسل ہونے کے باعث طویل "پٹے لوز پٹو" ہوتے تھے جن کی اب صرف یادہی باقی رہ گئی ہے۔ ان ابتدائی تصانیف میں سنسکرت الفاظ کا کم سے کم استعمال کیا گیا ہے۔ ان ابتدائی نظموں میں زیادہ سلسلہ وار اور حقیقی ادب کے نزدیک "رام چرترم" ہے جو رامائن کے یدھ کانڈ کی کہانی پر ایک طویل اور موزوں نظم ہے یہ یقین کیا جاتا ہے کہ

دسویں اور تیرھویں صدی کے درمیان اس کتاب کی تصنیف تراونکور کے ایک قدیم حکمراں نے کی۔ س کے کچھ عرصے بعد اٹی پلائی اشان نے رام کتھا پ پٹو تصنیف کی۔ ان دونوں تصنیفات میں بحر ور الفاظ کے استعمال سے تامل کا زبردست اثر معلوم ہوتا ہے۔ اسی ابتدائی زمانہ میں کسی گمنام شاعر نے امارت کوٹلیہ لکھی۔ جو کوٹلیہ کے کدتھ شاستر پر ملیالم میں تفسیر ہے۔ اسی میں سنسکرت شرح ہے منگلا کا اتباع کیا گیا ہے اور اس کے پندرہ ادھی کرنوں میں صرف چھ ہی دستیاب ہیں۔

تقریباً تیرھویں صدی سے چکیار کتو کی ترقی سے ادب میں زبردست زور پیدا ہو گیا عوام کے روبرو پیش کرنے کے لیے کوڈمیہ آٹم نام کا ایک رقص جو داستان کے ساتھ چلتا تھا رائج تھا۔ چنانچہ شروع میں ناگانندم اور آچاریہ چوڑامنی کے ڈرامے کودیے آٹم فن کے تحت ہی پیش کیے جاتے تھے۔ چکیار کے ڈراموں کے ذخیرے میں اضافہ کرنے کے لیے سنسکرت سے متاثر ہو کر متعدد چمپو اور پربندھ لکھے گئے جن میں نظم اور نثر دونوں ہی شامل ہوتی تھیں۔ نظم میں سنسکرت کی بحروں کا استعمال کیا گیا اور متن اور خیالات کے لحاظ سے نثر بھی نظم سے مشابہت رکھتی تھی۔ ان تصنیفات کا موضوع روایتی داستانیں اور قصے ہوتے تھے۔ اکثر ان میں خارجی باتیں بھی داخل کردی جاتی تھیں چنانچہ یہ چمپو اس زمانہ کے رسوم و رواج اور شخصیتوں کے تمسخر بھرے ہوتے تھے۔ یہ تصنیفات زیادہ تر نمبودری براہمنوں نے کی ہیں جو سخت بذلہ سنجی اور طنز کی صلاحیت کے لیے مشہور تھے اور جنھوں نے ان تصانیف میں اپنی صلاحیتوں کو مفید مقصد کے لیے استعمال کیا ہے۔ ان میں سے شاید پندرھویں صدی کا پنم نمبودری بہت مشہور تھا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے متعدد چمپو تصنیف کیے ہیں ان میں رامائن چمپو اس کا شہ کار ہے اس کے بعد دوسرا درجہ مل منگلم نمبودری کو حاصل ہے۔ یہ سولھویں صدی کا ایک اچھا شاعر تھا جس میں قوت تخیل اور سلاست زبان دونوں ہی پائی جاتی ہیں۔ اس کی زبردست تصنیف "نیشادھ چمپو" ہے جس میں بعض دلچسپ صورتیں مثلاً نل کا اپنی حکومت سے دست برداری اختیار کرنا اور دمینتی کا اپنے شوہر کی جدائی پر ماتم کرنا بہت موثر انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان صنف اوّل کے لکھنے والوں کے بعد کم صلاحیت اور اتباع کرنے والے آتے ہیں جن میں بھارت چمپو کا مصنف نارائن سب سے زیادہ قابل ذکر ہے۔

اس سلسلہ میں نرانم شعرا کا ذکر کرنا بھی لازمی ہے۔ ان کا نام نرانم اس وجہ سے پڑا کہ یہ وسطی ٹراونکور کے ایک گاؤں نرانم کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے پندرھویں صدی سے ایک

آزاد ملیالم اسلوب بیان کی ترقی کی کوشش کی جو تامل اور سنسکرت کے اثر سے آزاد تھا۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور رامائیم کا لکھنے والا رام پانیکر تھا۔ رامائیم کو عام طور پر کنّاس رامائیم کہتے ہیں جس میں رام کی پوری کہانی بیان کی گئی ہے۔ اس نے بھارت گاتا، ساوتری مہاتیم، برہماند پرانم اور بھاگوتم بھی تصنیف کیں۔ اس کی نظموں میں بہت زور بیان ہے۔ اسی لیے اسے ملیالم کا چوسر بھی کہا جاتا ہے۔ رام پانیکر کے نانا مادھو پانیکر کے ذریعہ گیتا کے ترجمے کا بھی ذکر ضروری ہے۔ تراثم شعرا نے ایک بحر کو بھی مقبول عام بنایا۔ اس بحر کو ان کے ہی نام پر نزالور تم کہتے ہیں۔ لیکن اس کا بھی اصلی نمونہ تامل میں موجود ہے۔

چیروشری نامبوودری (سولھویں صدی کے شروع کا زمانہ) جو کرشن گاتھا کا مصنف تھا کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ اس نے ملیالم کے عہد وسطی کو ختم کرکے ادب کے جدید دور کا آغاز کیا اس کی عظیم تصنیف کا موضوع بھاگوت کے دسویں اسکند میں بیان کردہ شری کرشن کی دلکش کہانی ہے۔ چیروشری کی گاتھا کو نقّادوں نے فن کی ایک شان دار تصنیف کہا ہے۔ یہ اپنی تشبیہات اور ستعاروں اور اپنے مفہوم اور آواز کی ہم آہنگی سے پڑھنے والوں کا دل موہ لیتی ہے۔

چیروشری کے بعد کچھ عرصے تک مقامی گیت اور لوک گیت مثلاً ودکن پاتوکل انجو تمپوران پاٹو، اور اردی کٹی پل پاٹو لکھے گئے۔ ان میں اس زمانہ کے واقعات کو لے کر لوک گیتوں کی قدیم روایات قایم رہیں۔ اس طرح ملیالم ادب کا آغاز ہوا۔ چیروشری کے بعد عظیم لکھنے والا تنکٹ رامانجن اللوتکن ہوا جس نے جدید ملیالم ادب کی تشکیل کی۔ اس کی مخصوص تصنیفات میں "ادھیاتم رامائیم کلی پاٹو" "بھارتم کلی پاتو" ہری نام کرتنم، چنتارتنم (یہ کتاب ادویت ویدانت پر ہے) اور شاید بھاگوتم کلی پاتو، اور دیوی مہاتمیم بھی شامل ہیں۔ اس شاعر نے قریب قریب تمام ہندو روایتی کہانیوں کو اپنی تصنیفات میں شامل کیا ہے اور دو مہاکاویوں اور بھاگوتم کو اپنے ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ اس نے مذہب اور فلسفہ پر بھی طبع آزمائی کی "کلی پاتو" اس کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچی۔ یہ اس کی ہی ذہانت اور قابلیت کا نتیجہ تھا کہ اس نے روزمرّہ کی بول چال کو اعلا ترین ادبی فن کے لیے استعمال کرکے اسے ادبی مرتبہ بخشا۔ ایلوتکن کی تاریخ کے بارے میں ابھی کوئی آخری فیصلہ نہیں کیا جاسکا ہے لیکن اس کا زمانہ سولھویں صدی کے اخیر یا تیرھویں صدی کے شروع میں مقرر کیا جاسکتا ہے۔

آٹ کتھا یا کتھا کلی کا مختصر ذکر کرنا ضروری ہے۔ رقص کے اس ڈرامے کی ابتدا کے بارے

میں کچھ ہی سال قبل یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ دو تین صدیوں سے زیادہ قدیم نہیں ہے۔ لیکن جدید تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ابتدائی آٹا کتھائیں پندرھویں صدی کے اخیر میں تصنیف ہوئیں، اور کوتار کر تمپورن کا ''رامن اٹم'' جو اٹہ تماشوں میں دکھایا جاتا تھا اس وقت تک دستیاب قدیم ترین آٹا کتھا ہے۔ اگرچہ اس کا کوئی واضح ثبوت نہیں ہے پھر بھی اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مصنف سولھویں صدی کا تھا۔ اس قسم کے مقبول عام ادب کی بعد کی تصنیفات اس کتاب کی حدودِ وسعت سے باہر ہیں۔ اس وقت تک تقریباً دو سو کتھائیں فہرست میں داخل کی جا چکی ہیں۔

معاون کتابیں

تامل

ایس سوم سندر دیسی کر :۔ سلکٹیڈ سنچری تامل پوئیٹس (تامل میں) مدراس (1936)

سیونتھ سنچری تامل پوئیٹس (تامل میں۔ مدراس 1936)

ایم سری نواس آئنگر :۔ تامل اسٹیڈیز (مدراس 1914)

ایس و یا پوری پلائی :۔ ہسٹری آف تامل لینگویج اینڈ لٹریچر (مدراس 1956)

کنڑ

آر نرسنگھ آچاریہ :۔ ہسٹری آف کنڑ لٹریچر (میسور 1940)

کرناٹک کوی چرتے (3 جلدیں کنڑ میں بنگلور 1924-1927 اور 1929

تیلوگو

پی اچیوت راؤ :۔ اے ہسٹری آف آندھرا لٹریچر ان دی وجیہ نگر ایمپائر (دو حصے ان تیلوگو۔ راج مہندری اور پتھا پورم 1933 اور 1940)

پی چینچیا اینڈ بھوجنگ راؤ :۔ اے ہسٹری آف تیلوگو لٹریچر (ہیریٹیج آف انڈیا سیریز : کلکتہ 1930)

پی ٹی تاچو :۔ تیلوگو لٹریچر (بمبئی 1944)

گرو جدشری رمیّہ : کوی پرتیمولو (تیلوگو میں - مدراس 1925ء)

کے ویریش لنگم : کوڈلا چرت (3 جلدیں تیلوگو میں - راج مندری 1887ء، 1894 اور 1911)

ملیالم

سی اچیوت مینن :- ایلوت چن اینڈ ہز ایج (مدراس 1940)

پی - گووند پلے :- ہسٹری آف ملیالم لٹریچر (دو جلدیں ملیالم میں ترپوندرم 1889)

ایچ۔ گنڈرٹ :- ملیالم ڈکشنری (منگلور 1872)

پی - کرشنا نائر :- اٹ کتھا آر کتھاکلی - (مدراس 1939)

از - نرائن - پانیکر :- کیرل بھاشا ساہتیہ چرترم - (4 جلدیں - ملیالم زبان میں - ترپوندرم 1927، 1929، 1941، 1944)

ٹی - کے - ویلو - پلے :- ٹراونکور اسٹیٹ مینول جلد اوّل (ترپوندرم 1940)

باب 15

مذہب اور فلسفہ

تمہید۔ مختلف فرقوں کے درمیان ابتدائی زمانہ میں ہم آہنگی۔ بدھ اور جین دھرموں کے خلاف ردِ عمل۔ بھگتی کے مختلف مکاتیب خیال۔ ینار ہالوار۔ کمارل اور شنکر۔ مناور اور بھگتی۔ چولوں کے عہد حکومت میں مدراس۔ رامانج۔ نمبارک۔ مادھو۔ وشنو فرقہ بندی مہاراشٹر کے سنت۔ ولبھ آچاریہ۔ پشو پت فرقہ۔ دکن کے منادر۔ شو سدھانت کا عروج۔ ویر شو دھرم اور آرادھیہ۔ وجے نگر حکومت کے زمانہ میں مندر اور تہوار۔ بدھ مت جین دھرم اور آجیوک۔ اسلام اور عیسائی مذہب۔

روحانی تہذیب کے عام طور پر تمام معاملات کی طرح مذہب کے حلقۂ اثر میں بھی جنوبی ہند شروع میں شمالی ہند کا بہت زیادہ احسان مند رہا۔ لیکن کئی صدیاں گذر جانے پر اس خطّۂ زمین نے اس قرض کو ضرورت سے زیادہ ادا ہی نہیں کر دیا۔ بلکہ اصولاً اور عملاً دونوں طرح مذہب اور فلسفیانہ خیال کے مختلف پہلوؤں کی نمایاں طور پر مدد بھی کی۔ جنوبی ہندوستان کے درویشوں اور بزرگ ہستیوں نے بھگتی کا ایک نیا طریقہ نکالا۔ جس میں خداوند کریم کی بارگاہ میں شدید جذباتی خود سپردگی تھی۔ اس کا ایک عظیم الشان مظاہرہ ادبی تصنیف بھگوت پران میں ہوا یہ بھگتی شمالی ہندوستان میں عیسٰی کے بعد اور بہت پہلے کے مریدوں کی اس پرسکون اور عظیم المرتبت ریاضت سے بالکل مختلف تھی۔ اس کے علاوہ جنوبی ہندوستان میں ہی ویدوں کی تفسیر یعنی میماںسا سے متعلق دو مکاتیب خیال پیدا ہوئے جنہیں کمارل بھٹ اور پربھاکر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ویدانت کے اصلی طریقوں کے بانی شنکر، رامانج اور مادھو

جنوبی ہندوستان کے ہی رہنے والے تھے۔ اس کے علاوہ فلسفہ کا ایک اور نمایاں شعبہ شروع ہوا جسے شوسدھانت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اس کے رائج کرنے والے بھی تامل دیش کے ہی رہنے والے تھے۔ بالآخر ویدوں پر ملک کے اسی حصہ میں ایک سے زیادہ مرتبہ تفسیر کی گئی اور مختلف ویدک مکاتیب خیال کے رسم ورواج کی کتابوں کا مطالعہ بھی مستقل طور پر جاری رہا۔ پچھلے باب میں ان تحریکوں کے ادب پر مجمل طور سے تبصرہ پیش کیا جا چکا ہے اور یہاں ہم ان تحریکوں کی تاریخ کی مخصوص منزلوں کا ذکر کریں گے۔

تقریباً پانچویں صدی تک مختلف مذہبی جماعتوں میں ہم آہنگی اور رواداری پائی جاتی رہی۔ جہاں ایک طرف بڑے پیمانہ پر ویدک یگیہ ہوتے تھے وہیں ان کے ساتھ ساتھ خون اور تاڑی سے قدیم چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں کو نذریں پیش کی جاتی تھیں۔ مقبول عام مشاہیر میں بہت سے دیوتا شامل تھے مثلاً مروگ، شو، وشنو، اندر، کرشن وغیرہ وغیرہ ملک کے مختلف حصّوں میں بدھ اور جین دھرم کے ماننے والوں کی بھی تعداد کافی تھی جو اپنے مذہبی رسوم بغیر کسی پابندی یا رکاوٹ کے ادا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر منی میکلائی کی کہانی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہیروئن کو کانچی میں شو، وشنو، اجیوکا، جین اور سانکھیا ویشیشکا اور لوکایت کے فلسفیانہ طریقہ کے مطالعہ کے لیے مشورہ دیا گیا تھا۔

لیکن بہت جلد ایک عظیم تبدیلی واقع ہوئی۔ بالخصوص تامل دیش میں جہاں پورے ملک میں بدھ اور جین دھرم پھیل جانے کا لوگوں کو ڈر لگنے لگا۔ بہر کیف کسی طرح شو اور وشنو کی پرستش کرنے والوں کو اس بدعت کو روکنے کا خیال دامنگیر ہوا۔ چنانچہ نئے عہد میں جہاں ایک جانب شو اور وشنو کے لیے جذبۂ پرستش میں زبردست اضافہ ہوا۔ وہاں دوسری جانب بدھ اور جین دھرم کے خلاف اعلانیہ طور پر نفرت کا جذبہ پیدا کیا گیا۔ اس عہد میں مختلف فرقوں کے عالم عام مناظرہ کے لیے ایک دوسرے کو للکارتے تھے۔ معجزہ دکھانے میں مقابلے ہوتے تھے اور اذیت رسانی کے ذریعہ اصولوں کی صداقت کا امتحان لیا جاتا تھا۔ خداداد قابلیت رکھنے والے درویش یا کسی اور شخص کی قیادت میں پرستاروں کی جماعتیں راستے بھر گاتے، ناچتے اور مناظرہ کرتے ہوئے ملک کے کا بار بار دورہ کرتے تھے۔ مذہبی جوش وخروش کا یہ جذبہ ساتویں صدی کے شروع میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور نویں صدی کے وسط تک اس جذبہ میں کوئی کمی نہیں آئی۔

بعد کی روایتوں میں تریسٹھ نائے ناروں کے نام گنائے گئے ہیں جو انفرادی واجتماعی طور پر شودھرم کے احیا کے عظیم رہنما تھے۔ ان افراد میں کرائیکل کی ایک خاتون، آدنور کا نندن نامی مہتر اور ان کے علاوہ پلّو فوج کا ایک سپہ سالار سرو تو ندر بھی شامل تھا۔ لیکن ان میں سب سے نمایاں تین عظیم ہستیاں تھیں جن کی مناجا تیں (مذہبی گیت) دیورام میں یکجا کی گئی ہیں۔ ان میں سے تروناؤک کرشو کا سب سے پہلے ہوا۔ یہ تروواموُر کا ایک ویلال تھا اور عام خیال کے مطابق پلّو حکمراں مہیندر ورمن اوّل کا ہم عصر تھا۔ اگرچہ یہ ایک کٹر شو خاندان میں پیدا ہوا تھا لیکن اسے اپنی ابتدائی زندگی میں جین دھرم سے دل چسپی تھی۔ وہ پاٹلی پتر (کڈالور) کی ایک جین خانقاہ میں درویش کی حیثیت سے شامل ہو گیا۔ اس کی بڑی بہن جس کو اس کی تبدیلی مذہب سے سخت تکلیف پہنچی تھی۔ شو سے اس کے راہِ راست پر واپس آنے کے لیے دست بدعا ہوئی۔ اس کی دعا قبول ہو گئی۔ خانقاہ میں اس کے بھائی کا نام دھرم سین تھا۔ وہ پیٹ کے ایک لاعلاج مرض میں مبتلا ہو گیا۔ جب اس کے تمام ساحی علاج کر کے تھک گئے تو وہ اپنی بہن کی مدد کے لیے مجبور ہو گیا۔ اس کی بہن نے بھگوان تروواد یگئی سے دعا مانگی اور وہ صحت مند ہو گیا۔ پاٹلی پتر کے جین درویشوں کو اس کے خانقاہ سے چلے جانے پر بڑی پریشانی ہوئی۔ انھوں نے اس ملک کے پلّو حکمراں مہیندر ورمن سے دھرم سین کے خلاف جا و بیجا شکایات کیں۔ اس کو مختلف طریقے سے اذیت پہنچائی گئی۔ بھگوان شو کی عنایت سے دھرم سین ہر امتحان میں کامیاب ہوا۔ بالآخر مہیندر ورمن کو شودھرم کی برتری کے بارے میں یقین ہو گیا اور اس نے خود شودھرم قبول کر لیا۔ تروناوک کرشو یا اپّر کی زندگی کے بارے میں جو کچھ مذکورہ بالا سطور میں بیان کیا گیا ہے اس میں حقیقت کچھ بھی ہو لیکن ترچناپلی کے ایک کتبے کے شعر سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ مہیندر ورمن پہلے کسی اور مذہب میں یقین کرتا تھا لیکن اس نے بعد میں شودھرم قبول کر لیا تھا۔ بہرکیف یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مہیندر ورمن (جن کا نام سیکیلر کی بیان کردہ کہانی میں شامل نہیں ہے) کے ذریعہ اپّر کو اذیت پہنچانے کا روایتی افسانہ 'مت ولاس' سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اپّر کی اکیاسی سال کی طویل زندگی یاترا میں گذری۔ اس سلسلہ میں وہ متعدد نائے ناروں سے ملا۔ جو اس کے ہم عصر تھے۔ ان میں نان سمبندر درحقیقت قابل ذکر اور عظیم ترین تھا۔

نان سمبندر ضلع تنجور کے شیالی کے کوندنیہ گوتر کا براہمن تھا۔ تامل دیش میں شاید

ہی کوئی ایسا شو مندر ہو جہاں اس براہمن کی پرستش نہ کی جاتی ہو۔ روایت کے مطابق جب وہ تین برس کا تھا تو اسے خود پاروتی کی جانب سے روحانی علم حاصل ہوا۔ اس نے اس واقعہ کو ایک نظم کے ذریعہ اپنے والد کو سنایا۔ باپ اپنے بیٹے کی الوہیت کو فوراً سمجھ گیا اور اسے اپنے کندھے پر بٹھا کر ایک شو مندر سے دوسرے شو مندر کی زیارت کے لیے لے گیا۔ دیوتاؤں نے آخر کار لڑکے کے استعمال کے لیے موتیوں کی ایک پالکی دی۔ اس وقت قریب قریب مکمل پانڈیہ دیش میں جین دھرم پھیل چکا تھا۔ چول دیش کی شہزادی پانڈیوں کی ملکہ اور ایک وزیر کلچری جو شو دھرم کو مانتے تھے، سمبندر کو فوراً پانڈیہ اور ان کے ملک کو جین دھرم کی مضبوط گرفت سے رہائی دلانے کے لیے دعوت دی۔ نان سمبندر مدیورا آیا اور اپنے خلاف جینیوں کی تمام سازشوں کو ناکام بنا دیا۔ جینی مناظرہ میں ہار گئے اور راجہ و رعایا جین دھرم کے بجائے شو دھرم کو ماننے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر آٹھ ہزار جینیوں کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ مدیورا کے مندر میں اس دردناک سانحہ کی یادگار میں آج بھی ایک جشن منایا جاتا ہے۔ اس کی حقیقت ایک ناخوشگوار روایت سے زیادہ نہیں ہے اور اس کا کسی صورت میں بھی تاریخ سے تعلق نہیں ہو سکتا۔ یہ یقین کرنے کا کوئی سبب نہیں ہے کہ زبردست مذہبی کش مکش کے زمانہ میں بھی عدم رواداری اس وحشیانہ مظالم کی حد تک پہنچ گئی ہوگی۔ اس کی شادی سے متعلق افسانے پر بھی یقین نہیں کیا جا سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ جب وہ سولہ برس کا تھا تو اس کی شادی کر دی گئی تھی۔ ابھی شادی کی رسم پورے طور پر ادا بھی نہ ہونے پائی تھی کہ دولہا، دلہن اور پوری بارات الوہیت میں غرق ہو گئی۔ سمبندر نے بدھ دھرم والوں کے ساتھ مناظرے بھی کیے۔ اس نے متعدد زیارت گاہوں کی زیارت بھی کی اور اپنی مختصر زندگی میں سینکڑوں مذہبی گیت گائے۔ وہ تمام درویشوں میں پاکباز تھا۔ اس نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس کی بنا پر اسے پشیمانی اٹھانی پڑتی خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ساتویں صدی کے وسط میں تھا اور پانڈیہ حکمرانوں میں اس کا ہم عصر یا تو مارورمن آوَنی شولامنی تھا۔ یا اس کا پوتا اری کیسری Arikesari مارورمن تھا۔

کچھ عرصے بعد ناوتور کا سندر مورتی ہوا۔ اس کے والدین غریب براہمن تھے۔ بچپن میں وہ اس قدر خوبصورت تھا کہ ایک مقامی سردار نرسنگھ متی یادرائن نے اس کے والدین کی رضامندی سے اس کی پرورش کی۔ جب اس کی ہی ذات کی ایک لڑکی سے اس کی شادی ہونے والی تھی تو یہ شو کی غیبی مداخلت کی بنا پر روک دی گئی کیونکہ بھگوان شو نے اسے اپنا غلام بنانا قبول کر لیا تھا۔

کچھ عرصے بعد سندر موری کا دو خواتین کے ساتھ عشق ہو گیا۔ ان میں ایک ترو ویلور کی رقاصہ تھی اور دوسری ترو وری یور کی شودر لڑکی تھی۔ ان کی باہمی رقابت کو شو نے پیغامبر کا کام کر کے ختم کیا۔ دوسرے نائے ناروں کی طرح سندر کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے متعدد معجزے دکھائے چیر کا حکمراں چیر مان پیر و مل اس کا ہم عصر اور دوست تھا۔ وہ اکثر ملتے رہتے تھے اور دونوں نے بھگوان شو کی جائے قیام کیلاش پربت کا آخری سفر بھی ساتھ ساتھ ہی ختم کیا۔ سندر موتی ایک سفید ہاتھی پر اور چیرمان پیرومل ایک گھوڑے پر سوار تھا۔ شو کے لیے سندر موتی کا جذبہ پرستش دوستانہ تھا اور یہی سبب تھا کہ اسے "تامبیرن تو لن" (خدا دوست کا خطاب دیا گیا تھا۔

سندر کے ایک صدی بعد مانک واشگر ہوا۔ روایت کے مطابق یہ پانڈیہ بادشاہ کا وزیر تھا۔ اسی کے لیے مدیورا کے خاص دیوتا شو نے بہت سے معجزے دکھائے۔ شاید پانڈیوں کا بادشاہ ورگن دو یم اس کا ہم عصر تھا۔ مانک واسگر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے لنکا کے ایک بدھ بھکشو کے ساتھ چیدام برم میں مناظرہ کیا تھا اور اسے بری طرح شکست دی تھی۔ اس کے بھگتی کے گیت ترو واشگام (متبرک لفظ) میں دیے گئے ہیں۔ ترو چرامبلو کو وئی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ بھی اس کی تصنیف ہے۔

سمبندر، اپّر اور سندر موتی کے بھگتی کے گیت مختلف النوع روحانی تجربات کا بیش بہا خزانہ ہیں یہ گیت غار قاز مسرت نیز غایت انبساط کے ترجمان ہیں۔ یہ گیت ان لمحات کا پتہ دیتے ہیں جب خداوند تعالیٰ کے نور سے وہ دیدہ افروز ہوتے ہیں اور کائنات اس کی محبت کی روشنی میں بدل جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ان گیتوں میں اس تاریکی کو بھی منعکس کیا گیا ہے جب بھرپور اندھیرا ہوتا ہے اور چشم بصیرت کے بند رہنے کی وجہ سے نابینا متلاشی خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ مانک واشگر کے گیت کچھ مختلف ہیں۔ یہ جذبات سے لبریز اور درد دل کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کا بھگتی زیادہ واضح ہے اور اس کی ریاضت زیادہ جوش دلانے والی ہے۔ ان میں بعض شعرا زیادہ مناظرہ پسند تھے اور بدھ جین دھرموں کے لیے ان کے دلوں میں کوئی ہمدردی نہ تھی۔

اس تحریک میں وشنو دھرم کے علم برداروں کی نمائندگی بارہ الوار (خداوند تعالیٰ کے اوصاف حمیدہ میں غرق ہونے والے) کرتے ہیں۔ ان کی تاریخ کا تعین مذہبی روایتوں میں کچھ غیر ممکن طور پر کیا گیا ہے۔ یہ یقین کیا جاتا ہے کہ ان میں سے پوئے گئی، پورم اور پے جو بالترتیب

کانچی، ملائی اور میلا پور میں پیدا ہوئے قدیم ترین ہوں گے۔ ایک دل چسپ کہانی میں کہا گیا ہے کہ تینوں درویش بارش سے بچنے کے لیے ایک تنگ کمرے میں جن میں صرف کھڑے ہونے کی ہی گنجائش تھی آکر پناہ لیتے تھے۔ یہیں خود وشنو بھگوان بھی آکر شریک ہو گئے۔ ان ابتدائی درویشوں کا جذبہ پرستش سیدھا اور صاف ہے۔ اس میں فرقہ پرستی کو دخل نہیں ہے۔ اس واقعہ نیز وینیا بھر کے استعمال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت ابتدائی زمانہ میں ہی ہوئے ہوں گے اور کسی بھی حالت میں پانچویں یا چھٹی صدی کے بعد نہیں۔

اس کے بعد ترومَلی سائی ہوا۔ یہ ضلع چنگلی پٹ میں اسی نام کے گاؤں میں پیدا ہوا تھا اور غالباً پلّو حکمراں مہیندر راول کا ہم عصر تھا اور اس سے عمر میں بڑا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پیدائش کے وقت صرف گوشت کا ایک لوتھڑا تھا۔ اس کے والدین نے اسے چھوڑ دیا اور اس کی پرورش ایک شودر نے کی۔ اس نے بدھ، جین اور شودھرم تینوں کا ہی تجزیہ حاصل کیا اور آخیر میں وشنو دھرم کے سنت کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ اس کی نظمیں پہلے تین الواروں کی نظموں کے مقابلہ میں زیادہ مناقشہ پسند ہیں۔ اور یہ اس عہد کی روایت کے لحاظ سے فطری تھا۔

ترومَلی سائی کے بعد یہ درجہ ترومنگئی کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ الواروں میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ ترومنگئی ضلع تنجور کے عالی ناڈو کا ایک معمولی سردار تھا جس کے متعلق روایت مشہور ہے۔ کہ وہ اعلا ذات کے وشنو ڈاکٹر کی لڑکی کا اغوا کر کے اس کے ساتھ شادی کرنے کے لیے راہزن بن گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی لڑکی کی خاطر اس نے اپنا مذہب بھی تبدیل کر دیا۔ اس کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ شری رنگم کے مندر کی از سر نو تعمیر کے لیے اس نے نیگا پٹم کی بدھ خانقاہ سے بھگوان بدھ کا ٹھوس سونے کا مجسمہ چرایا تھا۔ اس کے بھگتی گیتوں میں ویرسنگھ کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آٹھویں صدی کے وسط میں رہا ہوگا۔ لیکن یہ غلط معلوم ہوتا ہے اور اس کی بنا پر شیالی میں اس کی نان سمبندر سے دوستانہ ملاقات کا واقعہ بھی مشکوک ہو جاتا ہے۔ ان کہانیوں میں سے کسی ایک کہانی کو بھی تاریخی صداقت حاصل نہیں ہے۔ لیکن ان کتابوں سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ اس کے شاگرد اس کے بارے میں بعد میں کیا کیا یقین کرنے لگے تھے۔ اس کے بھگتی گیت جو تعداد میں بہت زیادہ ہیں، خوبصورت شاعری کہی جا سکتی ہے۔ ان گیتوں میں بدھ اور جین دھرم

دونوں ہی پر حملے کیے گئے ہیں۔ شیو دھرم کے بارے میں اس کا نظریہ دوستانہ تھا۔ چنانچہ ادبی پہلو اور مذہبی جذبات کے پیش نظر نان سمبندر اور ترومنگئی کے درمیان کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔

آٹھویں صدی کے ختم ہونے کے بعد اور نویں صدی کے شروع ہونے پر ترومنگئی کے بعد بہت سے الوار ہوئے۔ شری ولی پتّور کے ایک براہمن پیری یالوار نے پانڈیہ راجہ شر یمار شری ولبھ (815-62) کے دربار میں ایک مناظرہ میں کامیابی حاصل کی۔ اس مناظرے میں صرف ایک خاتون جس کا نام اندل یا گودئی (سنسکرت گودا) تھا پیریالوار کی لڑکی تھی یا اسے گود لیا گیا تھا۔ اُس نے اپنے انتہائی جذبۂ پرستش میں خواب دیکھا کہ اس کی شادی بھگوان وشنو کے ساتھ ہوگئی ہے۔ اس نے اپنے اس خواب کو بعد میں ایک نظم کی صورت میں بیان کیا۔ وہ صرف اس پر اسرار ازدواجی رشتے کو ہی جانتی تھی۔ اس کی ریاضت کا جذبہ بہت کچھ مانک واشگر کے جذبے سے ملتا جلتا ہے۔ اس کے بھگتی گیت کرشن کی لیلاؤں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اسی زمانہ میں تروپن بھی ہوا۔ یہ ادنا ذات کا گویا تھا۔ اسے شری رنگم کے مندر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ چنانچہ وشنو دھرم کے پیروکاروں میں اسے وہی رتبہ حاصل تھا جو شیو دھرم کے ماننے والوں میں نندن (*Nandan*) کو حاصل تھا۔ ان کے علاوہ تو ندر۔ ادیپ۔ یوڑی (پرستاروں کے پیروں کی خاک) تھا۔ یہ ضلع تنجور کا ایک براہمن تھا۔ اس کا اصلی نام ویزنارائن تھا۔ ترومنگئی کی طرح یہ بھی بدھ اور جین دھرموں کا زبردست مخالف تھا۔

کیرل کا راجہ کل شیکھر دوسرا الوار ہوا۔ یہ سنسکرت اور تامل دونوں زبانوں کا عالم تھا۔ س نے وشنو کے دوسرے مندروں کی طرح چیدم برم اور شرووائی کے مندروں کی تعریف میں گیت لکھے۔ شرووائی کا مندر بلاشبہ ترومنگئی نے قایم کیا تھا۔ اخیر میں نم الوار اور اس کا شاگرد مدھرکوی آتے ہیں۔ نم الوار ضلع تنا ولی میں بمقام الوار ترنگری (جسے شروع میں کروگرو کہتے تھے) ایک ویلال خاندان میں پیدا ہوا تھا اس کا نام مارن تھا۔ جینوئی کی رسم کے بعد اسے ستھ کوپ کہا جانے لگا۔ وہ یوگ کرنے کے لیے پینتیس سال کی عمر میں تارک الدنیا ہوگیا۔ ترومنگئی کے بعد اس کے گیتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ یہ گیت دنیا کے عظیم ترین روشن ضمیر کے عمیق روحانی تجربات اور فلسفیانہ خیالات کے مظہر ہیں۔

یوان چوانگ 1642 میں جب جنوبی ہندوستان آیا تھا تو اس وقت ہندو دھرم کے احیا کی تحریک بہت زوروں پر تھی۔ یوان چوانگ کی نگاہ اس تحریک پر نہیں گئی۔ البتہ مہاراشٹر کے بارے میں لکھتے ہوئے اس نے شو کے پجاریوں کا ذکر کیا ہے جو مستقل طور پر دھونی رمائے رہتے تھے۔ وہ افسوس کے ساتھ کہتا ہے کہ بدھ مت زوال پذیر تھا اور دگمبر جین دھرم نے اس کی جگہ لے لی تھی۔ آئندہ دو صدیوں میں تجدید کی تحریک نے بڑی حد تک کامیابی حاصل کرلی تھی۔ اس تحریک کی کامیابی کا سبب عوام کے درمیان مناظرے بھی تھے جس کی بنا پر بادشاہ اور حکمراں ایک مذہب کو ترک کرکے دوسرا مذہب اختیار کرلیتے تھے۔ یہ امر بہرکیف بہت اہم تھا کہ نائے ناروں اور الواروں نے اپنی پرجوش نظموں میں عوام کی زبان کا استعمال کیا اور اپنے گیتوں کی بہت آسان دھنیں بنائیں جن کی بنا پر عوام انھیں جوش عقیدت کے ساتھ گا بھی سکتے تھے۔

کمارل اور شنکر کی تصانیف کو ہندو دھرم کے اس احیا کا ایک اہم لیکن نسبتاً غیر مقبول پہلو قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ لوگ اسمارت (روایت پرست) تھے۔ انھوں نے کسی ایک فرقہ کو نہیں بلکہ قدیم براہمن دھرم کو جس نے مختلف صدیوں میں ترقی کی تھی دوبارہ مقبول عام بنانے کی کوشش کی۔ انھوں نے مذہب کا یہ اصول پیش کیا کہ جوانی میں ایک شخص کو مذہبی ریت رواج کا پابند رہنا چاہیے اور ضعیفی میں فلسفیانہ طور پر غور و فکر کرنا چاہیے۔ کمارل نے اپنی تصانیف میں اکثر بدھ دھرم پر حملے کیے ہیں۔ روایتوں کی رو سے اس نے مناظرے کے سلسلہ میں دوران سفر بدھ دھرم کے ماننے والوں کو بری طرح بدنام کیا۔ اس نے فلسفہ رسوم پرستی (میماسا) کے ہر پہلو کی توضیح کی۔ شنکر اس سے بڑا مفکر تھا۔ اس کی زندگی کے بارے میں بہت کم وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ شمالی ٹراونکور میں الوے ندی کے کنارے واقع کالاڑی کا نمبودری براہمن تھا۔ یہیں وہ 788 میں پیدا ہوا تھا۔ بچپن میں ہی اس کے والد کا انتقال ہوگیا۔ اس نے سنیاس لے لیا اور گوڑپاد کے شاگرد گووند یوگی کو اپنا گرو بنایا۔ اس نے اپنی تھوڑی سی ہی زندگی میں پورے ہندوستان کی سیر کر ڈالی اور دوران سیاحت وحدت وجود کے نئے فلسفے کی سختی کے ساتھ تشریح کی۔ اس نے اپنے ہر حریف پر جس نے اس کے ساتھ بحث و مباحثہ کیا کامیابی حاصل کی۔ اس نے بدھ بھکشوؤں کی طرح ہندو سنیاسیوں کو از سر نو منظم کیا اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر مٹھ قایم کیے۔

ان میں سنٹری نلیری، دوارکا، بدری ناتھ ،پُری اور کانچی کے مٹھ بہت مشہور ہیں۔ ان کا فلسفہ جس میں ظاہری کثرت اور اختلافات کا سبب فریب (مایا) قرار دیا گیا ہے۔ درحقیقت اپنشدوں سے ہی حاصل کیا گیا ہے لیکن تفصیلات پر غور کرنے کے بعد اس کے فلسفہ پر بدھ دھرم کے مہایانوں کے طرز فکر کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ اس کے باوجود بدھ دھرم کو ہندو دھرم کا خاص دشمن سمجھتا تھا۔ اس کے انتقال (820) کے کچھ عرصے بعد اس کے ایک شاگرد شوسوم نے اس کے اصولوں کی بہت دور سمندر پار کمبوج میں اشاعت کی۔ شنکر کے بارے میں یہ صحیح کہا گیا ہے کہ اس کا مرتبہ دنیا کے مفکرین میں اور بھی زیادہ بلند ہوتا اگر روایت کے لیے اس کا جذبہ احترام اس کی قوت تخلیق میں جو فی الواقع اس میں موجود تھی مانع نہ ہوتا۔

پانڈیوں اور پلوؤں کے عہد حکومت میں ان صوفی شعرا کے کام کو چولوں کے زمانہ میں دوسرے درجے کے شعرا اور مدرسین نے جاری رکھا۔ گذشتہ دور کے تامل زبان میں منظوم شدہ بھگتی گیتوں کو ویدوں کے ہم پلہ تسلیم کیا گیا۔ انھیں دینی کتابوں میں یکجا کر کے مرتب کیا گیا ان گیتوں کو رفتہ رفتہ مندروں کی روزمرّہ کی عبادت میں بلا ناغہ استعمال کیا جانے لگا اور ان کی منظوم کرنے والوں کی بھگوان کے ظاہری اوصاف کی شکل سمجھ کر پرستش کی جانے لگی۔ ملک کی دینی اور معاشرتی زندگی میں مندر کو جو مخصوص اہمیت حاصل ہو چکی تھی۔ وہ ہندو دھرم کے احیا کی تحریک کا براہ راست نتیجہ تھی۔ چول شہنشاہوں کے عہد حکومت میں ان کی وسیع سلطنت کے اندر ہر شہر اور ہر گاؤں میں پتھر کے چھوٹے اور بڑے مندر تعمیر کیے گئے۔ تنجور اور گنگئی کونڈ شولاپورم کے مندر اس نئے عہد کے نمونے تھے اور دوسرے بے شمار مندروں کی طرح اس زمانے کے شعرا نے ان کے متعلق بھگتی گیت تحریر کیے۔

شودھرم کے اصولوں میں بھی ان گیتوں کو اہمیت حاصل ہے۔ انھیں پہلی بار راج راج اوّل کے عہد حکومت میں نمبی آندار نمبی نے مرتب کیا۔ بارھویں صدی تک ان میں برابر اضافہ کیا جاتا رہا۔ اس کے برعکس ناتھ متی نے وشنو دھرم کے اصولوں کو ایک واضح شکل دی۔ ناتھ متی نے اپنی تصانیف میں اس امر پر برابر زور دیا کہ انسان کی اعانت اور رہنمائی کے لیے ایک جیتے جاگتے خدائے مطلق کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ اس نے راہ محبت کے فلسفیانہ جواز کا راستہ بھی دکھایا۔ اس زمانہ کے وشنو دھرم کے آچاریوں میں اس کے پوتے لوندار کا دوسرا نام آتا ہے اسے یمنا آچاریہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس نے ان تمام مقدّس مقامات

کی سیر کی تھی جو کرشن کے عہد طفولیت سے وابستہ تھے۔ وہ اپنی ابتدائی زندگی میں دنیا دار تھا۔ لیکن ناتھ منی کا ایک پیروکار اسے اعلا زندگی میں کھینچ لایا۔ اس نے سنیاس لے لیا اور دینی معلم کی حیثیت سے زندگی گذارنے لگا۔ وہ اپنے اردگرد اپنے شاگردوں کو جمع کر لیتا، انھیں وعظ دیتا کچھ نصیحت کرتا اور مناظرے منظم کرتا۔ اس نے اپنی تحریروں میں جن کا رامانج نے اکثر حوالہ بھی دیا ہے بالاترین روح کی واقعی موجودگی اور انفرادی روح کی دایمی آزادی کا قیام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

رامانج وشنو آچاریوں میں بلاشبہ عظیم ترین تھے۔ وہ گیارھویں صدی کی پہلی چوتھائی میں مدراس کے نزدیک شری پیرم بودور میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی فلسفیانہ تربیت کانچی پورم کے یادو پرکاش کے تحت ہوئی۔ یادو پرکاش شنکر نظریہ کا حامی تھا کہا جاتا ہے کہ یمنا آچاریہ ایک مرتبہ رامانج سے کانچی میں ملے تھے لیکن اس خیال سے کہ نوجوان کی طالب علمی کے زمانہ میں کسی قسم کا رخنہ نہ پڑے وہ شری وشنووں میں اضافہ کی دعا مانگ کر شری رنگم واپس چلے گئے۔ رامانج نے اپنے گرو کی تلقین سے انحراف کیا۔ وہ شری رنگم کے مکتب خیال سے زیادہ متاثر ہوئے یمنا آچاریہ نے انھیں بلوایا لیکن وہ رامانج کے پہنچنے سے قبل انتقال کر گئے۔ رامانج شری رنگم مٹھ کے صدر مقرر کیے گئے۔ اس عہدے پر فائز ہونے کی وجہ سے اسکول اور مندر دونوں ہی ان کی زیر نگرانی آ گئے۔ انھیں وشنو فرقہ کے درمیان معذرت کا درجہ حاصل ہو گیا۔ بہت جلد انھوں نے ایک معلم اور منظم کی حیثیت سے اپنے جوہر دکھائے۔ ان کا روز بروز اثر بڑھتا گیا۔ انھوں نے تقریر اور تحریر دونوں طرح سے شنکر کے مایہ وادی ہر روز مخالفت کی اور اس بات کو ثابت کر دیا کہ اپنشدوں کے ذریعہ وحدت وجود کی تعلیم نہیں دی جاتی۔ اس طرح انھوں نے وششٹ ادویت کا فلسفہ قایم کیا جن میں شخصی خدا کی عبادت اور ویدانت کے فلسفہ کے درمیان توافق پیدا کیا گیا۔ ان کے مطابق "روح وہی عنصر ہے جو خدا ہے اور اسی سے اخراج ہوا ہے۔ روح کی جداگانہ طور پر تخلیق نہیں ہوئی ہے۔ حقیقی مسرت جذب ہونے میں نہیں بلکہ قرب خدا میں ہی حاصل ہو سکتی ہے۔" انھوں نے جہاں کہیں بھی ممکن ہو سکا مندروں کے ریت و رواج کی پابندی میں اصلاح کر کے فرقہ میں اتحاد قایم کرنے کی کوشش کی اگرچہ ان کے پاس اس اصول کی عزت کرنے کے لیے جذبہ موجود تھا کہ ویدوں کا صرف براہمن ہی مطالعہ کر سکتا ہے لیکن الواروں کے مانند ان کی بھی خواہش تھی کہ شودروں اور خارج الذات لوگوں کے درمیان بھی بھگتی کے اصولوں کی

اشاعت کی جائے۔ انھوں نے اس بات کا انتظام کیا کہ بعض اہم مندروں میں ذات اور برادری سے خارج کیے ہوئے لوگوں کو داخلے کا اختیار حاصل ہونا چاہیے۔ اپنے خیالات کی تشہیر کے لیے انھوں نے مکمل ہندوستان کا دورہ کیا۔ ان کے اس شعر کی وجہ سے ہی شمالی ہندوستان میں ان کے فرقہ کا اثر قایم ہوگیا۔

چول حکمراں شو دھرم میں زبردست اعتقاد رکھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے رامانج کا روز افزوں اثر قطعی ناپسند کیا۔ اس سلسلہ میں رامانج اور ان کے مریدوں کو سزائیں دینے کی جو روایتیں مشہور ہیں وہ قابل اعتماد نہیں ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ 1098 میں رامانج کو میسور لوٹ جانا پڑا تھا اور وہ 1122 تک شری رنگم نہیں جاسکتے تھے۔ اسی درمیان رامانج نے ہویسل راجہ وشنو وردھن کو جین دھرم سے اپنے دھرم میں شامل کرلیا اور میل کوٹ میں ایک منظم مٹھ قایم کیا۔ شری رنگم واپس آنے پر رامانج نے اپنا کام جاری رکھا اور 1137 میں انتقال کیا۔ وشنو مندروں میں ان کی پرستش ایک اوتار کی طرح کی جاتی ہے۔

رامانج سے عمر میں کم لیکن ان کا ہم عصر نمبارک تھا۔ یہ ایک عالم بھگوت تیلگو براہمن تھا۔ اس کی پیدائش ضلع بلاری میں بمقام نمبا پور ہوئی۔ اس نے اپنا زیادہ تر وقت شمالی ہندوستان میں برنداین میں گذارا۔ مذہب کے سلسلہ میں اس نے خود فراموشی (پرپتی) کے اصول کو تسلیم کیا اور اس اصول کو عملی طور پر کرشن اور رادھا کی مکمل بھگتی میں منتقل کردیا۔ اس کے نزدیک رادھا صرف کرشن کی محبوبہ ہی نہ تھی بلکہ ایک دائمی رفیق تھی جو ان کے ساتھ بہشت (گولک) میں ہمیشہ رہتی ہے۔ فلسفیانہ نقطۂ نظر سے اس نے یہ تسلیم کیا کہ خدا، روح اور یہ دنیا بالکل ایک ہیں لیکن اس کے باوجود بھی جدا گانہ ہیں۔ ان کی صورت حال کو "بھیدابھید" میں واضح کیا گیا ہے۔ نمبارک نے اس طرح ایک نیا پنتھ قایم کیا جو رامانج کے فرقہ سے مشترک ہونے کے باوجود الگ تھا۔ اس نے اپنے خیالات ویدانت سوتر کی الگ ایک تشریح میں اور ایک دوسری تصنیف سدھانت رتن یا دس اشلوکی میں قلمبند کیا ہے۔

شنکر کے اصولوں کے خلاف مذکورہ بالا فلسفیانہ بحث و مباحثہ شروع کیا اس میں برہم سے الگ دنیا اور روح کی صداقت پر زور دیا گیا ہے۔ اس کی انتہا مادھو کے کثرت وجود میں ہوئی۔ مادھو کی پیدائش شری تیکگری سے چالیس میل مغرب میں واقع جنوبی کنارا ضلع کے اڈپی تعلقہ میں کلیان پور کے ایک براہمن خاندان میں 1200 سے کچھ ہی قبل ہوئی۔ مادھو

نے عین نوجوانی میں سنیاس اختیار کر لیا۔ رامانج کی طرح اس کی ابتدائی تعلیم و تربیت شنکر کے اصولوں پر ہوئی۔ ابھی تربیت ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اس نے شنکر کے اصولوں کو ترک کر کے اپنا نیا دھرم چلایا۔ یہ دھرم مخصوص طور پر بھگوت پران پر مبنی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں جسمانی اذیت برداشت کرنے کی بہت قوت تھی۔ تری وینڈرم میں بمقام شری نگر ایک عالم کے ساتھ مناظرہ میں اسے ناکامی ہوئی اور اس کا کتب خانہ لوٹ لیا گیا۔ اسے پریشان کیا گیا اور مختلف طرح سے اُسے ایذا پہنچائی گئی۔ اس نے شمالی بھارت کا دورہ کیا اور اپنے اس سفر کے دوران وہ ڈاکوؤں، جنگلی جانوروں اور علاقہ کے دشمن سرداروں سے ملا۔ ہردوار میں کچھ عرصے تک قیام کرنے کے بعد وہ ویاس سے بات چیت کے لیے ہمالیہ چلا گیا۔ واپسی پر اس نے ویدانت سوتر پر اپنی تفسیر شائع کرائی۔ اوڈپی میں دوبارہ واپس آنے پر اس نے کرشن کا مندر تعمیر کروایا۔ اس نے اپنا تمام وقت وعظ دینے، تبدیلی مذہب کرانے اور ان لوگوں کو جو ہستی کو فریب نظر سمجھتے ہیں شکست دینے میں صرف کیا۔ اس طرح تقریباً اسی سال تک ایک معروف زندگی کے بعد چھیانوے سال کی عمر میں جب وہ وعظ دے رہا تھا تو اچانک غائب ہو گیا اور اس کے بعد اسے کبھی نہیں دیکھا گیا۔ اسے وایو (ہوا) کا اوتار سمجھا جاتا تھا۔ اس نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ اسے نمائشی دلائل سے نفرت تھی۔ وہ اپنی تلقین کے لیے پران اور بعد کے ادب سے تمثیلات پیش کرتا تھا۔ اس نے یہ تعلیم دی کہ اس کائنات پر خداوند تعالیٰ وشنو اور لکشمی کی شکل میں حکومت کرتے ہیں اور یہ کہ دنیا کی روحیں دائمی طور پر خدا سے الگ ہیں۔ وہ ارواح کے مختلف مراتب میں یقین کرتا تھا۔ بعض روحوں کے بارے میں اسے یقین تھا کہ وہ تاابد نارِ جہنم میں جلتی رہیں گی۔ اسی لیے بعض جدید مفکرین کا خیال ہے کہ اس کے واعظ میں عیسائی مذہب کا اثر تلاش کرنا کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔ بھگوت گیتا کی تعلیم کی طرح اس کے مذہب میں بھی کرشن کی بھگتی کا جذبہ پایا جاتا ہے لیکن وہ رادھا کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور کل اوتاروں کے لیے اس کے پاس احترام کا جذبہ ہے۔ وہ شو کی پرستش کا حامی ہے اور پانچ دیوتاؤں (پنچیہ تن) کو بھی تسلیم کرتا ہے۔

تیرھویں اور چودھویں صدی میں راماننج کے مریدوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ خود فراموشی کے سوال نے اُن میں نفاق پیدا کر دیا۔ ایک فرقہ کا خیال تھا کہ خداوند تعالیٰ کی عنایات حاصل کرنے کے لیے پرستار کا کوشش کرنا فرض ہے۔ دوسرے فرقے کا یقین تھا کہ جب

روح خود فراموشی اختیار کرلیتی ہے تو خداوند کریم کی عنایت و کرم کی بنا پر اسے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ ان میں پہلے مکتب خیال کے ماننے والوں کو ویڈ گلئی (شمالی شاخ) یا عام طور پر مرکٹ کیشور رینائے کہا جاتا تھا۔ اس فقرے کا مطلب یہ تھا "بندر کا بچہ پوری کوشش کے ساتھ اپنی ماں سے چپٹا رہتا ہے" دوسرے مکتب خیال کے ماننے والوں کو تینگلی یا مارجار کیشو رینائے کہا جاتا تھا۔ مارجار کیشو رینائے کا مطلب تھا کہ "بلی اپنے بچے کو منہ میں دبا کر چلتی ہے" ان دونوں مکاتیب خیال میں اختلافات کی اور بھی باتیں پائی جاتی ہیں۔ ان میں ویدگلئی تامل کو اور تینگلئی سنسکرت کو ترجیح دیتے ہیں جنوبی مکتب خیال کا بانی پلئی لوک آچاریہ (پیدائش 1213) تھا۔ وہ اٹھارہ ایسے مکالموں کا مصنف تھا جن کے اصول خواص یا شاگردوں تک ہی محدود تھے۔ مسلمانوں کے حملے کے زمانہ میں اسے شری رنگم کے مورتی کو لے کر بھاگنا پڑا تھا۔ اس کے فرقہ کا ایک ماہر شارح منوال مہامنی (پیدائش 1370) تھا۔ یہ جنوبی شاخ کا زبردست معلم اور مصنف تھا۔ شمالی مکتب خیال کا رہنما ویدانت ویشیکا (پیدائش 1268) تھا۔ اس نے مسلمانوں کے ایک حملے کے وقت خود کو ایک مرتبہ شری رنگم میں متعدد لاشوں کے نیچے چھپا لیا تھا۔ اور طوفان کے زمانہ میں وہ میسور بھاگ گیا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ وہ ایک شاعر، مفکر اور کام کا آدمی تھا۔

بھاگوت پر مبنی وشنو دھرم کی ترقی کے سلسلہ میں ایک اہم بات یہ ہوئی کہ تیرھویں صدی کے اخیر میں اور اس کے بعد متعدد صوفی شعرا بھی ہوئے جن کے گیتوں نے مہاراشٹر کی زندگی میں ایک نئی روح بالکل اسی طرح پھونک دی جس طرح ایک صدی قبل نائے ناروں اور الواروں نے تامل میں اپنے گیتوں کے ذریعے عوام میں جان ڈال دی تھی۔ ان میں سب سے قدیم گیانیشور تھا جو گیان دیو گیایونا کے نام سے مشہور ہے۔ بعض بیانات کے مطابق وہ وشنو سوامی کا شاگرد اور وشنو یت کا قائل تھا۔ اس نے اپنا ایک مذہبی فرقہ بھی چلایا۔ گیانیشور نے بھگوت گیتا پر مراٹھی زبان میں ایک ضخیم کتاب بھی تصنیف کی۔ اس کتاب کا لب و لہجہ ادویت وادی ہے۔ لیکن وہ یوگ پر بہت زور دیتا ہے۔ اس نے بہت بڑی تعداد میں ابھنگ یا مناجاتیں بھی منظوم کیں۔ اس نے جو تحریک شروع کی وہ ایک کے بعد دوسرے صوفی کے ذریعہ تکارام تک جاری رہی۔ تکارام شیواجی کا ہم عصر تھا۔

وشنو دھرم عوام کو متاثر کرنے والی ایک زبردست طاقت بنا رہا۔ زیر مطالعہ ادوار کے

بقیہ حصے میں اصول اور عمل دونوں میں کوئی نمایاں ترقی نہیں ہوئی کبھی کبھی بعض مذہبی فرقے مخصوص طور پر لادھا فرقے کا معیار عاشقانہ زیادتیوں میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ یہ بات ولبھ آچاریہ کے مریدوں کے لیے زیادہ صادق آتی ہے، ولبھ آچاریہ (1479-1531) ایک تیلگو براہمن تھا اور مہاتما چیتنیہ کا ہم عصر تھا۔ وہ بنارس میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے سنسکرت زبان میں متعدد تصنیفات کیں۔ اس میں ویدانت شاستروں پر ایک تفسیر بھی شامل ہے۔ اس نے ایک نیا مذہبی فرقہ "شدھ ادویتا" بھی قایم کیا۔ اس فرقے کے ماننے والے ادراک بھگتی پر ترجیح دیتے ہیں۔ ولبھ آچاریہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے کرشن رائے کے دربار میں ایک عام مباحثے میں سمارت فرقہ کے علما کو شکست دی۔ شدھ ادویت کے آچاریہ مہاراج کہلاتے تھے اور تعیش کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس کے مریدوں کی انتہائی تمنا یہی تھی کہ وہ گوپیاں بن کر کرشن کے ساتھ بہشت میں تا ابد کھیلتے رہیں۔ یہ مقصد عملی صورت اختیار کرنے پر رکیک عاشقانہ زیادتیوں میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ کبھی کبھی مختلف فرقوں میں جھگڑے بھی ہو جاتے تھے جس میں غیر معمولی درندگی کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کے باوجود وشنو دھرم عوام کی زندگی پر ایک خوشگوار اثر ڈالتا رہا۔ وجیہ نگر کے رائے حکمراں وشنو دھرم کے زبردست سرپرست تھے۔ سداشو نے 1556ء میں رام رائے کی درخواست پر رامانج کے مندر اور سری پریم بندر میں واقع ملحقہ اداروں کے اخراجات کے لیے اکتیس گاؤں عطیے کے طور پر دیتے تھے۔ آئیے ایک بار پھر شو دھرم کی تاریخ پر نظر ڈالیں۔ حقیقی بھگتی کے علاوہ جس کی نمائندگی دیورام اور مانک واشگر کرتے تھے۔ شو کے دوسری قسم کے پرستار تھے جن کے اصول اور عمل دونوں ہی مکروہ اور جدید ذوق کے لوگوں کے لیے ناگوار خاطر تھے۔ ان میں پشوپت کپالک اور کالامکھ وغیرہ شامل تھے۔ ساتویں صدی اور اس کے بعد کے کتبوں اور ادب سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ کانچی، اترو وزی پور، بیلپاڑی اور کو دمبولور میں ان لوگوں کی کافی تعداد پائی جاتی تھی۔ کالامکھ لوگوں کا عام طریقہ تھا کہ وہ شمشان گھاٹ کی راکھ کو اپنے جسم پر ملتے تھے۔ انسانی کھوپڑی میں کھانا کھاتے تھے اور اپنے پاس شراب کا برتن رکھتے تھے۔ ان میں سے اگر سب نہیں تو کچھ فرقے نومز ور بنیادی طور پر خاتون کے مقام مخصوص کی پرستش کرنے کے عادی تھے جس کی بنا پر لوگ اکثر شہوت پرستی میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ پلوا اور چول بادشاہوں کے عہد حکومت میں مجسموں اور ادب دونوں میں یہ منظر کہ ایک پرستار نے اپنا سر کاٹ کر دیوی کو پیش کر دیا ہے کئی بار دیکھنے میں آتا ہے۔

دکن میں بادامی کے چالوکیوں اور مانیہ کھیت کے راشٹر کوٹوں کے تحت شو اور وشنو دھرموں کی ترقی ہوئی۔ اگرچہ عوام کا رجحان شو دھرم کی جانب زیادہ تھا۔ بادامی، تپادکل، مہاکوٹ، ایلورا اور دوسرے مقامات پر شاندار مندر تعمیر کرائے گئے۔ گنگا کے کنارے کے علاقے سے شو آچاریہ پروہت کے طور پر بلوائے گئے اور ان مندروں میں روزانہ عبادت کرنے اور کبھی کبھی جشن منانے کے لیے کافی دولت عطیہ کے طور پر دی گئی۔ اس کے علاوہ ویدک یگیہ، روزہ اور خیرات بھی جاری رہی۔ دسویں صدی میں بلاری کے علاقہ میں کا ڑنکیہ کی عبادت نے اتنی شہرت اختیار کر لی تھی کہ اس کو سب سے بڑا دیوتا تسلیم کر کے دو تپو ون وقف کر دیے گئے تھے۔ اس کام کی کامیابی کے سلسلہ میں بنگال سے آئے ہوئے بعض مدرسین کا ہاتھ تھا۔ آندھرا دیش میں بھی جہاں سن عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں بدھ دھرم کو بہت فروغ حاصل ہوا تھا۔ وہاں ہندو دھرم کی تحریک کو بہت زوروں سے شروع کیا گیا۔ کال ہنی، داکشارام اور شری شیلم کے زیادہ مشہور مندروں کے علاوہ بیروا کا مہاسین (کار تکیہ) مندر بیدپور کا ہمکار شنکری مندر اور ربنہ بواڑہ کا بالیشور مندر مخصوص زیارت گاہیں بن گئیں۔ مٹھ قایم کیے گئے۔ جہاں مہنت رہتے تھے جو غریبوں کو مفت کھانا، بیمار کی دیکھ بھال، اور غمزدہ کی دل جوئی کرتے تھے۔ نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے اسکول قایم کیے گئے۔ اس سلسلہ میں ہندوؤں نے بہت زیادہ مدھ اور مٹھ خانقاہیں اپنے استعمال میں لے لیں۔

ہندو مذہب کی ہمیشہ ایسی حیثیت رہی ہے جس میں بڑے بڑے محلات شامل ہوں۔

اس سلسلہ میں عرب ماہر جغرافیہ ال ادریسی کا مندرجہ ذیل بیان جو اس نے اپنے ماقبل مصنفین کے بیانات کی بنا پر بارھویں صدی کی ابتدا میں دیا تھا۔ دسویں صدی سے بارھویں صدی تک کی مدت کے لیے مکمل دکن کے واسطے صحیح ہے ال ادریسی لکھتا ہے کہ ہندوستان کی مخصوص قوموں میں بیالیس فرقے ہیں۔ بعض فرقے خالق کونین پر یقین کرتے ہیں لیکن پیغمبر کو نہیں مانتے بعض فرقے ایسے ہیں جو دونوں کے منکر ہیں۔ بعض فرقے قبروں اور پتھروں کی شافعانہ طاقتوں میں یقین رکھتے ہیں اور بعض فرقے مقدس پتھروں پر گھی اور تیل سے عبادت کرتے ہیں۔ بعض فرقے آتش پرست ہیں اور خود کو آتش کے سپرد بھی کر دیتے ہیں۔ بعض سورج کی پرستش کرتے ہیں، کچھ سانپ کی پرستش کرتے ہیں جنھیں وہ بامبوں میں رکھتے ہیں اور انھیں اچھی خوراک دیتے ہیں۔ وہ لوگ اسے نیک کام تصور کرتے ہیں بعض افراد ایسے بھی ہیں جو کسی قسم کی بھی عبادت کر کے خود کو تکالیف نہیں دینا چاہتے یہ لوگ بات کے منکر ہیں۔

بارھویں اور تیرھویں صدی میں تامل دیش اور دکن میں شودھرم کے اندر دو قابل ذکر ترقیاں ہوئیں۔ ان میں سب سے پہلے آگموں پر مشتمل تامل دیش شوسدھانت کی ترقی ہے۔ سندر مورتی نے سب سے پہلے آگموں کا ذکر کیا ہے اور ترومولر (نویں صدی) کی کتاب "ترومانمدم" پہلی تصنیف ہے جن میں آگموں کے دینیات کا ذکر کیا گیا ہے اگم سے متعلق اصطلاحات مانک واشگر کی تصنیفات میں بھی پائے جاتے ہیں وہ آگموں کا بار بار ذکر کرتا ہے اور اس کا خیال ہے کہ انھیں بھگوان شو نے الہامی طور پر ظاہر کیا ہے۔ مانگ واشگر واضح طور پر ویدانت کا مخالف ہے۔ ویدانت سے اس کا مطلب شنکر کے وحدت وجود سے ہے۔ تامل شو سدھانت کے فلسفہ کی پہلی واضح شکل میکاندیو کی تصنیف سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ وہ ایک متقی و پرہیزگار ویلال تھا اور تیرھویں صدی میں مدراس کی جنوب میں دریائے پینر کے کنارے رہتا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے پران جوتی منی سے تعلیم پائی تھی جو صرف اسی مقصد کے لیے کیلاش پربت سے بھیجا گیا تھا۔ اس کے رورواگم سے سنسکرت کے بارہ سوتروں کا تامل نظم میں شوناں بودم کے ترجمے کو اس فرقے کے ماننے والے بنیادی طور پر اپنی مذہبی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔ اس تصنیف کی بنا پر فلسفیانہ ادب کی تخلیق کے بارے میں پہلے تبصرہ کیا جاچکا ہے۔ بحث و مباحثہ کی بنا پر شوسدھانت فرقہ کے تحت مختلف مکاتب خیال وجود میں آگئے لیکن مذہب کے دوسرے فلسفہ کی طرح اس فرقے نے بھی مخصوص طور پر خدا، مادّہ اور روح کے باہمی تعلق کو مقرر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے مطابق مادہ اور روح خدا کی طرح ابدی ہیں اور قادر مطلق اپنی عنایت وکرم کے ذریعہ روح کو مادے کے بندھن سے رہائی دلانے اور تینوں آلائشوں سے اس کی پاکیزگی برقرار رکھنے کی کوشش میں برابر مصروف ہے جس طرح جسم اور دماغ مل کر ایک شکل اختیار کرلیتے ہیں اسی طرح معبود حقیقی روح ہے۔ اس کا جسم فطرت اور انسان کا عالم امکان ہے۔ وہ دونوں میں کسی ایک سے بھی بالکل یکساں نہیں ہے۔ وہ ان کا نچوڑ بھی نہیں ہے۔ لیکن وہ ان میں رہتا ہے اور وہ اس میں رہتے ہیں۔ ادویت کا مفہوم وحدت نہیں ہے بلکہ لازم و ملزوم ہے۔ اس وحدانیت کو حاصل کرنا روح کا مقصد اعلا ہے۔ یہ گرو یا اتالیق کا فرض ہے کہ وہ روشنی کو داخل ہونے دے۔ لیکن شو تمام روشن خیالی کا منبع ہے۔ مادّی شکل میں تمام لطافت اور ذہانت کے اظہار کا واحد طریقہ ہے اس لیے جذبۂ پرستش سے وابستہ تمام تمناؤں کا مفروض ہے۔ یہ فرقہ ذات پات، ریت رواج میں یقین نہیں کرتا۔ یہ صرف باطنی پرستش پر زور دیتا ہے۔ ایک

مصنف کے مطابق صبر، انصاف اور ذہانت، پرستش کے پھول ہیں۔

ویرشودھرم یا کرناٹک اور تیلگو دیش میں لنگایت فرقہ شودھرم کے ارتقا کی دوسری صورت تھی (یہ فرقہ اٹھائیس شوآگموں پر مبنی تھا) کامیابی کے حکمراں کل چوڑی بجل (1156) کے وزیراعظم باسو کو اس فرقہ کا عام طور پر بانی قرار دیا جاتا ہے۔ روایتوں کے مطابق لنگایت فرقہ بہت قدیم ہے۔ اس کے چلانے والے پانچ راہب مثلاً ایکورام، پنڈت ارادھیا، ریوان سرول اور وشوآرادھیہ تھے۔ ان کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ یہ شنکر کے پانچ سروں سے پیدا ہوئے تھے۔ باسو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اس فرقہ کی صرف تجدید ہی کی۔ لیکن ہم اس حقیقت سے واقف ہیں کہ یہ پانچوں راہبین باسو کے ہم عصر تھے۔ ان میں کچھ تو بڑے اور کچھ عمر میں چھوٹے تھے۔ چنانچہ ویرشودھرم کی ابتدائی تاریخ کسی حد تک اب بھی غیر یقینی ہے بہرکیف اس فرقے کی دو خصوصیات ہیں جن میں ایک تو یہ کہ خانقاہوں کو زبردست اہمیت دی جاتی ہے اور دوسرے اس فرقے کے ماننے والوں کے درمیان قریب قریب مکمل معاشرتی اور مذہبی مساوات پائی جاتی تھی۔ ان دونوں خصوصیات کا سبب جین اور اسلام مذہب کا اثر بتایا جاتا ہے۔ لنگایت فرقے کے ماننے والے شو سب سے افضل تصور کرتے ہیں اور صرف اس ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ کٹر ویرشو کہلاتے ہیں۔ اس فرقے کے ماننے والوں میں سے ہر ایک کو اپنے منتخب گرو کی پرستش کرنا ہوتی تھی۔ اس فرقے کے ماننے والے تامل دیش کے تریسٹھ نائے ناروں کے لیے بھی جنھیں وہ پراتن یا بزرگ ہستیاں تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے لیے بھی اظہار عقیدت کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ بعد میں انہوں نے 77 درویشوں کے لیے بھی عقیدت رکھتے ہیں۔ ان درویشوں میں مانک واشکر، ماسوا اور اس کے خاص خاص شاگرد بھی شامل ہیں۔ لنگایت ادب کے بارے میں پہلے ہی بیان کیا جا چکا ہے۔

تیلگو دیش کے آرادھیہ شو بعض معاملات میں لنگایتوں سے مختلف ہے۔ باسو کے ہم عصر ملک ارجن پنڈت آرادھیہ کو مانتے تھے لیکن باسو کے برخلاف وہ ذات پات اور ویدوں میں یقین کرتے تھے۔ آرادھیہ شودھرم اور لنگایت فرقہ کے درمیان دوستانہ تعلقات تھے۔ چودھویں صدی میں مسلمانوں کے حملوں کا دونوں نے متحد ہوکر مقابلہ کیا اور وجیہ نگر سلطنت کے قیام کا راستہ ہموار کرنے میں دونوں نے مل کر کام کیا۔

وجیہ نگر کے رایوں کے تحت ہر مذہب کی ہمت افزائی کی گئی اور جنوبی ہندوستان

کے زیادہ تر مندروں کی توسیع کی گئی۔ ان میں بڑے بڑے گوپُر، داخلے کے ستون، غلام گردش اور منڈپوں کی شکل میں اضافے کیے گئے۔ شرو ملئی نایک (59-1633) کے تحت مدیورا کے مندر کی طرح بعض مندر نوتے منصوبے کے مطابق قریب قریب دوبارہ تعمیر کیے گئے۔ ان مندروں میں جو جشن ایک خاص مدت کے بعد منائے جاتے تھے ان پر بہت زیادہ دولت نذر و تحائف کی شکل میں حاصل ہوئی تھی۔ ان تہواروں میں سماج کے ہر طبقے کے لوگ جن میں سفری تاجر بھی شامل تھے مندروں کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ وجیہ نگر حکومت کے دارالسلطنت وجیہ نگر شہر میں اکتوبر کے مہینہ میں مہانومی کا (نو دن کا تہوار) جشن منایا جاتا تھا۔ متعدد سیاحوں نے جنھیں یہ جشن دیکھنے کا موقعہ ملا اپنے تاثرات قلمبند کیے ہیں۔ ان لوگوں کے مشاہدات کو دیکھنے کے بعد اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ ایسے تہواروں کے موقعہ پر دیوی کے سامنے بہت بڑی تعداد میں بھینسوں اور بھیڑوں کی قربانی دی جاتی تھی۔ مچھلی پکڑنے کے کانٹے کی نمائش کی جاتی تھی اور اس قسم کے دیگر غیر مناسب رسوم و رواج بھی رائج تھے۔

بدھ مت، جین دھرم اور اچھوت

جنوبی ہندوستان میں بدھ مت کی ابتدائی تاریخ کا ضمناً خاکہ اس کتاب کے شروع میں دیا جا چکا ہے۔ یوان چوانگ نے آندھر پردیش میں جہاں بدھ مت کو عیسیٰؑ کے بعد کئی صدیوں تک ترقی پاتے ہوئے دیکھا وہاں اس نے اس ہی پردیش میں اس کے بتدریج زوال کو بھی دیکھا۔ اس کے چلے جانے کے بعد بدھ دھرم کا اثر بھی کم ہوگیا۔ ہندو دھرم نے اپنے احیا کے بعد مہاتما بدھ کو وشنو کا اوتار مان کر امراوتی میں ان کی پرستش شروع کر دی اور اسی طرح بدھوں کے بہت سے مرکزوں کو ہندوؤں کے مندروں میں تبدیل کر دیا گیا۔ ہندوستانیوں اور مصلحوں کی سرگرمیوں کی بنا پر جن کے بارے میں ہم اس باب میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ تامل دیش سے بدھ دھرم کا اثر بہت تیزی کے ساتھ ختم ہوگیا لیکن اس کے باوجود دیش کے مختلف حصوں میں اس کی صورت حال زندہ درگور کی سی رہی۔ چولوں کے عہد حکومت میں مشرقی ساحل کو بہ مقام نیگا پٹم اور مغربی ساحل پر بمقام شری مول واسم بدھ مت کے ماننے والوں کی بستیاں تھیں۔ مہاتما بدھ کی زندگی کے کچھ واقعات تنجور کے عظیم مندر کے جنگلے کے اندر کھدے

میں سجا کر پیش کرنے کے لیے اہم سمجھے گئے۔ شری لنکا میں ترنکو ملی کے نزدیک پیری یا کولم تالاب کے کنارے واقع قدیم ویلگام وہیرہ کی خانقاہ کو از سر نو تعمیر کیا گیا اور کافی توسیع بھی کی گئی۔ اس کا دوسرا نام راج راج پیرم پلی رکھا گیا۔ اس وہار (خانقاہ) کے علاقہ میں کھدائی کرنے پر ایک اَدَم قد چونے کے پتھر کا بنا ہوا مہاتما بدھ کا مجسّمہ اور کانسے کی بنی ہوئی منقش لیمپ کی چوکی دستیاب ہوئی ہے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ چول بادشاہ شری لنکا میں اپنی رعیت کی دینی فلاح و بہبود میں کافی دلچسپی لیتے تھے۔ ویرراجیندرہ کے زمانہ حکومت میں تامل گرامر کی اہم کتاب ویرشولیم کا مصنف ایک بدھ عالم ہے۔ کانچی پورم مندر کے ایک حصّے کا نام بہت عرصے تک بدھ کانچی۔ یہاں کی ایک خانقاہ کے بدھ بھکشو نے چودھویں صدی میں مشرقی جاوا کے ایک ہندو حکمراں کی تعریف میں گیت تصنیف کیے۔

شمالی مغربی دکن میں بھی نویں صدی کے اخیر تک بدھ خانقاہیں قایم ہوتی رہیں۔ چنانچہ 853 میں بنگال کے ایک بھکشو نے کرشنا گری (کنہیری) میں سنگھ کے استعمال کے لیے ایک مہاوہار تعمیر کرائی اور اس کے لیے سو سونے کے درہم دیے۔ اس کے قرب و جوار میں 877 میں کونکن کے شلاہار حکمرانوں کے ایک وزیر نے بھکشوؤں کے مراقبے کے لیے ایک بڑا کمرہ تعمیر کرایا اس سلسلہ میں مہاتما بدھ کی برابر پرستش کے لیے جو عطیے دے گئے ان کا ذکر بھی اس ہی زمانہ میں اس ہی جگہ پر کیا گیا ہے۔

بہر کیف مجموعی طور پر بدھ مت کے مقابلہ میں جین دھرم کا اثر عوام کی زندگی پر زیادہ تھا۔ بالخصوص کرناٹک اور تامل دیش میں جہاں کنڑ اور تامل ادب میں جین مصنفین نے نمایاں تصنیفات کیں۔ ان مصنفین کا پچھلے باب میں جو ادب سے وابستہ ہے ذکر کیا جا چکا ہے۔ پل کیشن دوئم کے عہد حکومت میں روی کیرتی نے اے ہول میں جو مندر تعمیر کرایا تھا وہ تمام خصوصیات کا مرکز تھا۔ چالوکیوں اور راشٹر کوٹوں کی وسیع حکومتوں کے اندر جین خانقاہیں اور مٹھ برابر بنتے رہے۔ مثال کے طور پر راشٹر کوٹ کے راجہ اموگھ ورش اوّل نے اپنی طویل حکومت کے زمانہ میں کئی بار ایک جین خانقاہ میں قیام کر کے سکون حاصل کیا۔ ابتدائی مغربی گنگ حکمرانوں میں متعدد حکمراں جین دھرم کے ماننے والے تھے۔ جین دھرم والوں کو مشرقی چالوکیوں کی بھی سرپرستی حاصل رہی۔ امّ دوئم (سولھویں صدی کے وسط میں) دو جن آلیہ بنوائے جن کے ساتھ طعام خانے بھی شامل تھے۔ یہاں شرمنوں (جین بھکشوؤں) کے چاروں طبقہ کے

لوگوں کو مفت کھانا کھلایا جاتا تھا۔

بدھ دھرم کے مقابلے میں جین دھرم ہندو دھرم کے زیادہ نزدیک تھا۔ دونوں میں متعدد عام خیالات اور رسوم ورواج یکساں طور پر رائج تھے۔ چنانچہ 812 میں چالوکیہ بادشاہ وِمل دیتہ نے اپنے اوپر سینچر کے خراب اثرات دور کرنے کے خیال سے ایک جین مندر وقف کیا۔ ہندو عطیوں کی طرح جینیوں کے عطیات میں بھی عطیہ پانے والوں پر عطیے کی آمدنی کو عبادت اور تہواروں پر خرچ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ سوداگروں کی با اثر جماعت میں بھی اکثر جینیوں کا ہی بازو مضبوط رہتا تھا۔ وجیہ نگر کی سلطنت کے قیام کے فوراً بعد جینیوں نے بکارائے سے وشنو دھرم کے ماننے والوں کی جانب سے اذیت رسانی کی شکایت کی تھی۔ شہنشاہ نے 1368 میں مداخلت کے بعد حکم دیا کہ دونوں فریق پوری آزادی کے ساتھ اور کسی مداخلت کے بغیر اپنے اپنے مذہب کو مانتے رہیں گے۔ اگرچہ جین دھرم کا اثر بتدریج کم ہو رہا تھا لیکن یہ ملک سے پورے طور پر ختم نہیں ہوا تھا اور گجرات کے بالخصوص کچھ حصوں میں رائج تھا۔

ہندو دھرم کے حلقۂ اثر سے باہر ایک اور فرقہ اجیوک تھا جس کے ماننے والے اور مقامات کے علاوہ صرف جنوبی ہندوستان میں ہی پائے جاتے تھے۔ اس فرقے کی بنیاد گوشال عسکری پتر نے جو مہاتما بدھ اور مہاویر سوامی کا ہم عصر تھا ڈالی تھی۔ اس فرقے کے ماننے والے یہ یقین رکھتے تھے کہ ایک انسان اپنے فرائض کی انجام دہی میں آزاد نہیں ہے ۔موریہ سلطنت کے زمانہ میں اس فرقہ کا شمال میں بہت اثر تھا۔ اشوک اور اس کے جانشین دشرتھ نے اس فرقہ کے ماننے والوں کو کٹے ہوئے پتھروں کے غار پیش کیے تھے۔ یہ لوگ ایک بے رحم نیتی (قسمت) میں یقین کرتے تھے جس کا کسی طرح بھی ایک انسان مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جنوبی ہندوستان کے اجیوک بھکشو زبردست ریاضت میں یقین رکھتے تھے اور غالباً ہندو مذہب اور مہایان بدھوں سے متاثر ہو کر گوشال کو "ناقابل بیان دیوتا" کی شکل میں ماننے لگے تھے۔" آئندہ چل کر ان کا یہ بھی عقیدہ ہو گیا کہ تمام تبدیلیاں اور حرکات فریب (مایا) ہیں اور یہ کہ یہ دنیا حقیقتاً دائمی طور پر غیر متحرک اور جامد ہے"۔ کتبوں سے پتہ چلتا ہے کہ اکثر اوقات ان پر ایک مخصوص محصول نافذ کیا جاتا تھا کم از کم چول بادشاہوں نے تو یہ محصول نافذ ہی کیا تھا۔

اسلام

شمالی ہندوستان کی بہ نسبت جنوبی ہندوستان سے اسلام کا رابطہ بہت زیادہ قدیم ہے۔ خلیفہ عمر کے ایک ماتحت گورنر نے 636ء میں جب ایک فوج تھانا کے لیے روانہ کی تو ایک مسلم جہازی بیڑہ پہلی بار ہندوستان کے سمندر میں داخل ہوا تھا۔ لیکن خلیفہ عمر نے اس کارروائی کو پسند نہیں کیا۔ اس کے فوراً بعد مسلم تاجر ہندوستان آئے اور قدیم ربط وضبط کو جاری رکھتے ہوئے مالابار کے ساحل کے کئی حصّوں میں آباد ہو گئے۔ انھوں نے یہاں کی عورتوں کے ساتھ شادیاں کیں اور ان سے جو بچے پیدا ہوئے وہ ماپیلا (موپلا) کہلائے۔ ہندو حکمرانوں نے ان مسلم تاجروں کی ہمت افزائی کی تاکہ وہ انھیں ان کی گھوڑ سوار فوج کے لیے گھوڑے مہیا کریں س کے علاوہ انھیں اپنے جہازی بیڑے میں بھی مسلمانوں کی ضرورت تھی۔ دسویں صدی کے ایک عرب مصنّف ال اشتخاری Al Istakhri نے جسے ہندوستان کے بارے میں ذاتی معلومات تھیں لکھا ہے کہ راشٹرکوٹ حکومت کے شہروں میں مسلمان بھی تھے اور جمعہ مسجدیں بھی تھیں۔ ایک روایت ہے کہ کیرل کے پیرومل خاندان کے آخری حکمراں چیرامن پیرومل نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن یہ مشکوک ہے۔ چیرامن پیرومل کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ زیارت کے لیے مکّہ بھی گیا تھا اور مکّہ سے ہی اس نے اپنے منتظمین کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کا دل سے خیر مقدم کریں اور ان کے لیے مسجدیں بھی تعمیر کرائیں۔ مسعودی (916ء) اور ابن بطوطہ جیسے سیاحوں نے مغربی ساحل کے کنارے کنارے مسلمانوں اور مسجدوں کے قیام کی تصدیق کی ہے۔ مشرقی ساحل پر بھی مسلمانوں کی بستیاں تھیں۔ جن میں کابل پٹنم اور ناگور کے نام بہت مشہور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ گیارھویں صدی کے شروع میں ترکی کے ناتھاڈولی Nathad-nalla کے ایک سید شہزادے نے ترچناپلی کے نزدیک سرگرمی کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کی۔ یہ شہزادہ ایک تبلیغی جماعت کے ساتھ ہندوستان آیا اور اس نے اپنے آخری دن یہیں ہندوؤں کو مشرف بہ اسلام کرنے میں گذارے۔ ترچناپلی کے ایک مقبرے کو آج بھی اس کا مقبرہ بتایا جاتا ہے۔ ابن بطوطہ کے مطابق ہویسل راجہ بلال سوئم کی فوج میں بیس ہزار مسلمان تھے۔ شمال کی جانب سے مسلمانوں کے حملے، بہمنی سلطنت کا عروج اور وجیہ نگر کی ہندو حکومت کے ساتھ اس کے تعلقات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ سولھویں صدی کے ابتدائی سالوں میں دوارتے باربوسا

کے خیال کے مطابق ملا بار میں موپلوں کی آبادی مجموعی آبادی کا پانچواں حصہ تھی۔ لیکن پرتگالیوں کی آمد نے مسلم طاقت کو بڑھنے سے روک دیا اور عرب تجارت کو بھی ختم کر دیا۔

یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ جنوبی ہندوستان میں ہندو دھرم کے مذہبی خیالات اور رسوم و رواج کو اسلام نے کس حد تک متاثر کیا۔ ہندو مذہب کے احیا کی بعض خصوصیات مثلاً وحدانیت پر زیادہ زور دینا، جذباتی طور پر عبادت کرنا، خود فراموشی اور ریاضت کے سلسلہ میں ایک روحانی معلم کی ضرورت پر خاص توجہ مبذول کرنے کے ساتھ ساتھ ذات پات کے اصولوں کی پابندی میں تساہل اور کم سے کم بعض فرقوں کے رسوم و رواج کی جانب سے بے التفاتی برتنا کسی حد تک اسلام کے اثرات بتائے جاتے ہیں۔ لیکن ہندو دھرم کا داخلی تاریخ سے ان باتوں کی وضاحت ہو جاتی ہے اور یہ کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس کی ترقی میں اسلام کا کچھ بھی سرگرم اثر پڑا ہو۔ بہرحال شاید یہ کوئی اتفاقیہ بات نہیں جو ایلیٹ نے کہی ہے کہ "جب ہندو اسلام مذہب سے واقف ہو گئے تو اسی قدر اصول اور تنظیم کے خیال سے ہر فرقہ خاص کر وشنو دھرم بہت زیادہ ترقی کر گیا"۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں یہاں پر مسلمان کافی تعداد میں تھے اور وہ عام طور پر اپنے مذہبی فرائض کی انجام دہی اور ہندوؤں کو مشرف بہ اسلام کرنے میں پورے طور پر آزاد تھے۔

عیسائی مذہب

عیسیٰؑ کی پہلی صدی میں سینٹ ٹامسن کے ذریعہ جنوبی ہندوستان میں عیسائی مذہب لائے جانے کے بارے میں ایک مستقل مگر مشکوک روایت چلی آ رہی ہے۔ سکندریہ کا یہ تاجر کازمس نے جب 522 میں جنوبی ہندوستان کی سیر کی تو اس نے کویلن میں ایک اور لنکا میں دوسرا گرجا گھر دیکھا۔ یہ دونوں نسطوری گرجا گھر تھے۔ مالابار کے عیسائیوں کو تانبے کی جن تختیوں کے ذریعے عطیے دیے گئے ہیں اور جن میں 774 کی تختی قدیم ترین ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں نے عیسائی مذہب قبول کرنے والے یہاں کے لوگوں کا اجتماع کیا تھا۔ اگرچہ ان لوگوں کی تعداد اس وقت تک کوئی بہت زیادہ نہ تھی لیکن مغربی ممالک مثلاً بغداد، نائن ویہہ Nameveh یوروشلم اور دوسرے مقامات سے عیسائیوں کے تبدیل وطن کرنے کی بنا پر اس برادری کی طاقت میں اضافہ ہو گیا تھا۔

عیسائی برادری کے لوگ سینٹ ٹامس ماؤنٹ میں رہا کرتے تھے۔ لیکن مارکوپولو (1293) سے پہلے ان کے بارے میں کوئی مصدقہ شہادت نہیں ملتی۔ مارکوپولو پہلا شخص ہے جس نے ماؤنٹ پر سینٹ ٹامس کی شہادت کے افسانہ کا ذکر کیا ہے لیکن گرجا ماؤنٹ پر جو مزار بنا ہوا تھا اس کو دیکھنے کے لیے ہندو مسلمان اور عیسائی سبھی لوگ جایا کرتے تھے۔ مارکوپولو نے سینٹ ٹامس کا افسانہ تین سال بعد سنا۔ فرایر اوڈرک نے گرجا گھر کے علاوہ نظاریوں کے تقریباً پندرہ گھر پائے لیکن گرجا گھر مجسموں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک صدی بعد کانٹی نے شہر میں ایک ہزار نظاریوں کے ہونے کا اندازہ لگایا۔ لیکن اس کے باوجود سولھویں صدی کے شروع میں باربوسا نے گرجا گھر کو کھنڈر کی صورت میں پایا اور صرف ایک مسلم فقیر پر اس میں چراغ جلانے کی ذمہ داری تھی۔

عیسائی سیاح عہد وسطی میں اکثر جنوبی ہندوستان میں عیسائیوں کی قلیل تعداد اور ان کی ایذا رسانی کا شکوہ کرتے ہیں۔ فرائر جوڑ ڈینس نے بہت جوش کے ساتھ تحریر کیا کہ ہندوستان میں عیسائی مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے بہت زیادہ امکانات پائے جاتے ہیں۔

عیسائی مذہب کی تبلیغ بہرکیف پرتگالیوں اور سینٹ فرانسس زیویر (1545) کی آمد کے بعد سے شروع ہوئی۔ لیکن نچلے طبقے کے لوگوں کو عیسائی بنانے کے علاوہ ان کی کوششیں بہت زیادہ کامیاب نہیں ہوئیں۔ اتنا ہی نہیں ان کی وجہ سے کیتھولک عیسائیوں اور دوسرے فرقوں کے ماننے والوں کے درمیان جنھوں نے ملک کے مختلف حصوں میں اپنے قدم پہلے سے جما رکھے تھے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے۔ دوسری عیسائی قوموں کی آمد کے بعد مثلاً ڈچ لوگوں کی وجہ سے حالات اور بھی زیادہ خراب ہو گئے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ مذہبی پروپیگنڈہ کو سیاسی مفاد کے لیے استعمال کرنے کی حکمت عملی کی بنا پر وجیہ نگر کے فراخ دل حکمراں اور ان کے ماتحت سردار بھی ناراض ہو گئے۔

نہیں کہا جا سکتا کہ زیر مطالعہ دور میں عیسائی مذہب مجموعی طور عوام کی زندگی پر کوئی معقول اثر بھی ڈال سکا۔

معاون کتابیں

آرکیالوجیکل رپورٹس آف سیلون، 1953، 1954

اے-ایل-باشم :- دی ونڈر دیٹ واز انڈیا (لندن، 1954)

آر-جی-بھنڈارکر :- وشنوازم، شیوازم اینڈ مائنر ریلیجس سسٹمس۔ (اسٹراس برگ 1913)

ایسٹلین کارپنٹر :- تھیزم ان میڈیول انڈیا (لندن 1921)

تاراچند :- انفلوئنس آف اسلام ان انڈین کلچر (الہ آباد 1936)

سر چارلس ایلیٹ :- ہندوازم اینڈ بدھ ازم - جلدیں (لندن 1921)

جے-این-فرقوہر :- این آؤٹ لائن آف دی ریلیجس لٹریچر آف انڈیا- (لندن 1920)

باب 16

فن کاری اور طرزِ تعمیر

شمالی مغربی دکن کے چیتیہ اور وہار۔ اڑیسہ کی جین گپھائیں۔ گوداوری اور کرشنا کے نشیبی علاقوں میں بدھوں کی عبادت گاہیں۔ مغربی دکن (پانچویں صدی میں چٹانوں کا فن تعمیر۔ مصوّری۔ ایہول کے مندر۔ بادامی میں چٹانوں کو کاٹ کر بڑے بڑے کمرے۔ پٹادکل کے مندر۔ مغربی دکن میں چٹانوں کے فن تعمیر کا آخری دور۔
پلّوں کے عہد حکومت میں چٹانوں کا فن تعمیر۔ ساخت کے اعتبار سے مندر۔ چولوں کے ابتدائی مندر۔ راج راج کا عہد۔ سُندروالی شوارم۔ تنجور کا بڑا مندر۔ گنگئی کونڈ شولاپورم۔ چولوں کے عہد حکومت میں فن بت سازی اور کانسے کا کام۔ پانڈیوں کا طرز تعمیر۔ گوپڑ۔ منڈپ۔ جینیوں کی یادگاریں۔
مغربی دکن کے چالوکیہ مندر۔ ہویسلوں کے عہد حکومت میں طرز تعمیر اور فن بت سازی۔ اڑیسہ کا طرز تعمیر۔ مکھ لنگم۔ بھوونیشور۔ پوری۔ کونارک۔ دکنی مندر (گیارھویں اور تیرھویں صدیوں میں)۔ ہیمد پنتی طرز تعمیر۔ وجیہ نگر کا عہد۔ ستون دار منڈپ۔ وٹھل اور ہزارا رام کے مندر۔ غیر مذہبی عمارتیں۔ مدیورا طرز تعمیر۔
بہمنی طرز تعمیر۔ فوجی اور شہری۔ ہندو طرز تعمیر پر اس کا اثر۔

جنوبی ہندوستان کے طرز تعمیر اور فن کا یہ مختصر خاکہ جمالیاتی کم اور تاریخی زیادہ ہے۔ جمالیاتی طور پر کسی شے کی ستائش کے جذبے کا انحصار بہت کچھ انفرادی ذوق پر منحصر ہے۔ چنانچہ نقادِ فن کی ذمہ داری تاریخ کے طالب علم سے مختلف ہے۔ مزید براں فن کاری کے ارتقا کا

تسلسل اور مختلف مقامات اور عہد میں جس مختلف نظریوں سے وہ ترقی پاتا ہے ان کے بارے میں عام طور پر غور کیا جائے گا لیکن ان مسائل کے بالتفصیل مطالعہ کی یہاں کوشش نہیں کی جاسکتی۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہونا چاہیے کہ ہم مختلف مکاتیب خیال اور ان کی تخلیقات کی اہم خصوصیات پر موضوع کے جدید ترین مطالعہ کی روشنی میں ایک عام تبصرہ پیش کریں۔

سب سے قدیم یادگاریں جن کی جانب ہماری توجہ مبذول ہوتی ہے۔ وہ شمالی مغربی دکن کے چینیہ اور وہار ہیں۔ انھیں اکثر غار (گپھائیں) اور غار مندر کہا جاتا ہے۔ یہ نام گمراہ کن ہیں جب کہ ہم کھدائی کے بعد عجیب وغریب دستیاب شدہ چیزوں پر ان کا اطلاق کرتے ہیں۔ جو چیزیں دریافت ہوئی ہیں ان میں بہت سے بڑے اور باقاعدہ منصوبوں کے تحت بنے ہوئے مندر اور خانقاہیں ہیں جنھیں ٹھوس چٹانوں سے غیر معمولی غور و فکر اور صبر و استقامت کے ساتھ چھینی سے کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ پرسی براؤن (ہندوستانی طرز عمل پر جن کی عظیم تصنیف پر یہ بیان مبنی ہے) نے اس کے لیے "چٹان طرز تعمیر" کی اصطلاح تجویز کی ہے جو زیادہ مناسب بھی معلوم ہوتی ہے۔

اس طرح کی تعمیرات میں انجینیرنگ کا کوئی بڑا مسئلہ نہیں درپیش تھا اور اسے بڑے شاندار پیمانہ پر سنگ تراشی کی ہی ایک شاخ سمجھنا چاہیے۔ چینیہ ابتداً ایک مندر یا عبادت گاہ تھی۔ اس کا یہ نام اس وجہ سے پڑا کہ بدھ دھرم کے ابتدائی دور میں عموماً ایک استوپ کی پرستش کی جاتی تھی (چیتیہ) وہار ایک خانقاہ تھی۔ بدھ مت کی ہینیان شاخ نے مہاتما بدھ کو پتھر کے بت کی شکل میں کبھی نہیں پیش کیا۔ ان کی موجودگی کا اشارہ تخت، پائے دان، گدّے اور دوسری علامتوں کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ مہاتما بدھ کا مجسمہ رکھنے کا رواج بعد کے مہایان بدھوں کے زمانہ سے شروع ہوا اور پھر کنہیری اور ناسک جیسے ابتدائی چیتیوں میں مہاتما بدھ کا مجسمہ رکھا گیا۔ چٹانوں کو کاٹ کر ہینیان بدھوں کی خانقاہیں اور مزار سبھی بمبئی پردیش میں ناسک کے گرد دو سو میل کے حلقہ میں واقع ہیں۔ چیتیہ عام طور پر قوسی چھت کا بڑا کمرہ ہوتا تھا جس کا آخری حصہ محرابی ہوتا تھا۔ ستونوں کی دو قطاریں اس کے وسیع وسطی حصہ میں اور دو بغلی راستہ میں پائی جاتی تھیں۔ محراب میں استوپ رہتا تھا۔ اس کو بھی چٹان سے کاٹ کر بنایا جاتا تھا۔ بغلی راستے سے گذر کر محرابی کو پار کرکے استوپ کا طواف کیا جاتا تھا۔ عبادت کے لیے بھکشو وسطی حصہ میں جمع ہوئے تھے۔ وہار کے اندر وسط میں ایک

بڑا کمرہ ہوتا تھا جس میں سامنے کے برآمدے سے داخلے کے لیے ایک دروازہ رہتا تھا۔ اس بڑے کمرے کے چاروں طرف مربع تھا چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں ہوتی تھیں۔ یہ بھی چٹانوں کو کاٹ کر بنائی جاتی تھیں۔ ہر ایک بھکشو کے رہنے کے لیے ایک ایک کوٹھری ہوتی تھی۔ وہاروں کی بہ نسبت فن تعمیر کے نقطۂ نظر سے چیتیہ زیادہ قابل غور ہیں۔ چیتیہ و ہاروں میں بڑی حد تک لکڑی کے ڈھانچہ کے نمونوں پر بنائے جاتے تھے۔ پتھر کی عمارتیں بنانے سے قبل کاریگر لوگ لکڑی کے کام میں اتنے ہوشیار ہو گئے تھے کہ چٹانوں کو کاٹ کر بنائی گئی عمارتوں میں بھی اندر اور باہر دونوں طرف لکڑی کا کام شامل رہتا تھا۔ لیکن چٹانوں کو کاٹ کر جس طرح عمارتیں تیار کی گئی ہیں ان میں پورے طور پر پختہ کاری کا پتہ چلتا ہے۔ بلاشبہ اس فن کو ارتقا کی کئی منزلوں سے گذرنا پڑا لیکن اس کا کوئی پتہ نہیں لگایا جاسکتا۔

عیسیٰ سے قبل پہلی اور دوسری صدی کے آٹھ چیتیہ ہیں اور ان کی ترتیب درج ذیل ہے بھاج، کونڈین، پتال کھورا، اجنتا (نمبر دس) بیدسا، اجنتا (نمبر نو) ناسک اور کارلے۔ ان میں پہلے چار چیتیہ عیسیٰ سے قبل دوسری صدی کے اور بقیہ پہلی صدی کے ہیں۔ جنار میں دو چیتیہ ہال ہیں وہ بھی اسی طرح کے بنے ہوئے ہیں اور ان کا زمانۂ تعمیر بھی وہی ہے جو ناسک کا ہے۔ یہ سلسلہ کینھری (دوسری صدی عیسوی) کے چیتیہ کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ ابتدائی مثالوں میں ستونوں کی قطاریں لکڑی کے کھمبوں کی نقل ہیں۔ یہ ہشت پہلو ہیں۔ ان میں نہ تو سرستون اور نہ کرسی ہے۔ اس کے علاوہ یہ اندر کی جانب کسی قدر جھکے ہوئے ہیں۔ بعد کی مثالوں میں یہ اندر دنی ترچھاپن نہیں پایا جاتا اور ستون اپنی کارنس اور کرسی کے ساتھ زیادہ چوڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کی تعمیر میں کافی ترقی ہوئی اور یہ بالترتیب بنائے گئے ہیں۔ داخلے کے دروازے کے اوپر گھوڑے کی نقل کی طرح محراب کے نیچے کا راستہ جو عمارت کے سامنے کے حصّہ پر چھایا رہتا ہے اس میں بھی اس قسم کی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ بدیسا اور کارلے کے چیتیہ اس ابتدائی عہد کے چیتیوں کی خوبصورت مثالیں ہیں۔ ان عمارتوں کے سامنے کے حصوں اور ستونوں میں کافی اختراعیں کی گئی ہیں۔ بدیسا میں ستونوں کا پایا ''واز'' کی شکل کا ہے اور کارنش پر انسانوں اور جانوروں کی شکلیں بنی ہوئی ہیں۔ ہر ایک ستون پر ایک مرد اور ایک عورت کا مجسمہ ہے۔ ان کے جسم پر کپڑے کم لیکن زیورات زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ جھکے ہوئے جانوروں کی طرف پیر پھیلائے بیٹھے ہوئے ہیں۔ جانوروں میں ایک جانب گھوڑے اور دوسری جانب ہاتھی ہیں۔ مجسموں کا یہ اجتماع غیر معمولی واضح ہے۔ یہ چٹانوں کو کاٹ کر بت سازی

کی شان دار مثالیں ہیں ۔ یہ لازمی طور پر ایک ماہر فن کا ہی کام ہوگا ۔ بڑا کمرہ (ہال) ساڑھے پینتالیس فٹ لمبا اور اکیس فٹ چوڑا ہے ۔ کارلے کا ہال (پلیٹ ۱) سب سے بڑا اور اس سلسلہ میں سب سے بہتر ہے ۔ یہ ایک سو چوبیس فٹ لمبا ۔ ساڑھے چھیالیس فٹ چوڑا اور پینتالیس فٹ اونچا ہے ۔ اس چیتیہ کے سامنے کی منزلیں ہیں ۔ نچلی دیوار میں داخلے کے لیے تین دروازے ہیں ۔ اوپر ایک گیلری ہے جس کے اوپر گھوڑے کی نقل کی طرح بہت بڑی کھڑکی نکلی ہوئی ہے ۔ ان میں ستونوں کی جو قطاریں ہیں ان کی کارشیں بدیسا کے ستونوں کی کارش کی بہ نسبت زیادہ واضح طور پر بنائی گئی ہیں ۔ ان میں آرائشی پٹی اور کارش کا اثر بھی کافی نمایاں ہے ۔ اس کے بعد پتھر کی گنبد دار چھت سے پسلیوں کی طرح لکڑی کی پٹیاں نکلی ہیں جو چھت سے ملی ہوئی ہیں ۔ عمارت کے سامنے کے رخ کے نچلے حصہ میں داخلے کے دروازوں کی درمیانی جگہ کو انسان کے دو مجسموں سے خوبصورت بنایا گیا ہے ۔ یہ مجسمے ٹھوس اور بہت شاندار طریقے پر بنائے گئے ہیں " داخلے کے دروازے سے پیچھے ہٹنے پر چٹان میں سامنے کی جانب بیرونی پھاٹک ہے جس کے کناروں کی دیواروں پر عام طور سے کئی سڑکوں میں عمارتوں کے سامنے کے حصے میں کاری گری کے کئی نمونے دیے ہوئے ہیں ۔ سب سے نچلی منزل بڑے بڑے ساتھیوں پر ٹکی ہوئی ہے ۔ دوسری منزل پہلی منزل کی طرح مورتیوں سے سجی ہوئی ہے " داخلے کے دروازے سے پہلے لکڑی کا ایک پھاٹک تھا ۔ اس سے باہر کی جانب کچھ فاصلے پر دو دھوج استمبھ تھے جس میں سے اب ایک ہی قایم رہ گیا ہے ۔ اس دھوج استمبھ کے سرے پر چار شیر بنے ہوئے ہیں ۔ ان کے اوپر بھی ایک پہیہ بنا ہوا تھا ۔ بیرونی حصہ میں گھوڑے کی نقل کی طرح بنی ہوئی کھڑکی سے سورج کی جو کرنیں چھن کر آتی ہیں ۔ ان کا رخ بدلنے کے لیے جس احتیاط سے کام لیا گیا ہے ۔ اس کی پرسی براؤن نے بہت تعریف کی ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ سورج کی کرنوں کا اثر شاید ہی کہیں اور دیکھنے میں آتا ہو جیسا کہ کارلے میں کھڑکیوں سے چھن کر روشنی ٹھنڈا ماحول پیدا کرتی ہے " کنھیری کا چیتیہ کارلے کے چیتیہ کی زوال پذیر نقل ہے ۔ لیکن قبہ میں تفریباً دو تہائی ہے ۔

وہار میں راہبوں کے مکانات ہیں جو کھدائی کے بعد چیتیوں کے نزدیک سنسان جگہوں میں برآمد ہوئے ہیں ۔ ان مکانوں میں بھکشوؤں کو اپنی مذہبی رسومات کسی انتشار و پریشانی کے بغیر ادا کرنے کی مکمل آزادی تھی ۔ شروع میں وہار بہت چھوٹے پیمانہ پر قایم کیے گئے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان میں بھی ترقی ہوتی گئی ۔ یہاں تک کہ ہر کام کے لیے الگ الگ کمرے

ہونے لگے۔ بھکشوؤں کے لیے الگ چھوٹے چھوٹے کمروں کے علاوہ خوابگاہیں، عام کمرہ، کھانے کا کمرہ وغیرہ ہوتے تھے۔ ضرورت کے لحاظ سے تمام کمرے متصل رہتے تھے۔ اجنتا کی وہار (تصویر نمبری) "ایک سادہ لیکن خاص مثال ہے"۔ اسی طرح کی ایک اور وہار کونڈین میں چیتیہ کے بائیں ہاتھ پائی جاتی ہے۔ ناسک میں اسی طرح کی وہار دیکھی گئی ہے۔۔۔ ان تینوں مثالوں میں یہ وہار سب سے زیادہ آراستہ ہے۔ یہ تینوں ہی مثلاً نہاپان (نمبری آٹھ) گوتمی پتر اور شری یگیہ سن عیسوی کی پہلی صدی کی ہیں۔ ان کے نام کتبوں کی بنا پر دیے گئے۔ ان کے برآمدوں میں ستون ہیں لیکن ان سبھی کے وسطی ہال میں ستون نہیں ہیں۔ اس ہال سے ہی چھوٹے چھوٹے کمروں میں جایا جاسکتا تھا۔ عام طور پر پتھر پر ہی سویا جاتا تھا۔

اڑیسہ میں کٹک کے پاس کھدائی کے بعد خانقاہوں کا ایک اور سلسلہ دریافت ہوا ہے۔ یہ مغربی گھاٹ کی خانقاہوں کے ہی زمانہ میں بنی ہوتی ہیں۔ یہ خانقاہیں بدھ مت والوں کی نہیں بلکہ جین دھرم والوں کی ہیں چٹانوں سے کاٹ کر بنے ہوئے یہ سبھی کمرے کھانڈگری اور اودے گری پہاڑیوں پر واقع ہیں۔ یہ عیسیٰ سے ڈیڑھ سو برس قبل بنائے گئے ہیں۔ مجموعی طور پر جن پینتیس مقامات پر کھدائی کی گئی۔ ان میں صرف نصف مقامات ہی اہم ہیں۔ ان میں سے ایک مقام کھانڈگری بھی ہے۔ ان خانقاہوں کی تعمیر کے لیے بظاہر کوئی باقاعدہ منصوبہ نہیں وضع کیا گیا تھا بلکہ سہولت کے مقام پر تراش کر بنایا گیا تھا اور انھیں ایک دوسرے سے راستوں کے ذریعے ملایا گیا تھا۔ کاریگری کے خیال سے یہ بے تکی اور بھونڈی ہیں۔ اس کا سبب ریتیلے کا کھردراپن ہے۔ مقامی طور پر لوگ انھیں گپھاؤں کے نام سے جانتے ہیں اور ان کے پہلے کسی لفظ کو جوڑ کر انھیں ایک دوسرے سے پہچانا جاتا ہے جیسے ہاتھی گمپھ۔ زیادہ اہم گپھوں میں بتوں کے ذریعہ ایسے مناظر پیش کیے گئے ہیں جو جین روایتوں پر مبنی ہیں لیکن ان کی شناخت ابھی تک نہیں کی جاسکی ہے۔ بت تراشی کا طرز بالکل اصلی اور زوردار ہے۔ رانی اور گنیش گمپھ دونوں ہی دومنزلہ ہیں۔ رانی گمپھ کے صحن کو ایک تھیٹر کی شکل میں استعمال کرنے کے لیے مناسب اسباب ہیں۔ یہاں پانی کے لیے نالیاں بنی ہوئی ہیں۔ گنیش گمپھ میں داخلے کے دروازے کی سیڑھیوں کے دونوں جانب ہاتھی کے مجسمے ہیں۔ چٹانوں کو کاٹ کر بنائے ہوئے ہال میں داخلے کے راستے پر جانوروں کے نبت رکھنے کا خیال یہاں پہلی مرتبہ دکھا گیا ہے۔ یہی آئندہ چل کر ایلورا اور ایلی فینٹا میں (اگرچہ یہاں ہاتھیوں کے بجائے شیر رکھے گئے ہیں) حیرت انگیز طور پر ترقی کر گیا۔

دریائے گوداوری اور کرشنا کے نشیبی حصوں میں متعدد مقامات پر بدھ دھرم کے مقدس مقامات
چٹانوں کو کاٹ کر بنائے ہوئے مکانات جو سب کافی وسیع علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں کے کھنڈرات
پائے جاتے ہیں۔ تقریباً ان تمام مقامات پر کسی قدیم عمارت کی بنیادوں کے نشانات پائے جاتے
ہیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اندھیروں اور ان کے وڈنائے ملک کے ان حصوں میں بدھوں کی کاریگری
کی سرپرستی کی اور چنانچہ اس کاری گری کو عیسیٰ سے تقریباً دوسو برس قبل سے کر 400 تک
برابر فروغ حاصل ہوتا رہا۔ اس علاقے کی یادگاریں۔ بربہت اور سانچی کے قدیم اسکول اور عہد وسطی
کی ہندوکاری گری کے درمیان ایک بیش بہا کڑی قایم کرتی ہیں۔ آندھرا ریاست میں ایک تو مقام
گنتو پلّی (ضلع کرشنا) اور دوسرے شنکرم پہاڑی (ضلع وزیگا پٹم) پر چٹانوں کو کاٹ کر بنائے
ہوئے مکانات دکھائی دیتے ہیں۔ گنتو پلّی کے دائرے نما چھوٹے چیتیہ (عیسیٰ سے دوسو برس قبل)
کا قطر اٹھارہ فٹ ہے اور اس کی پسلیوں دار گنبد نما چھت واضح طور پر کسی قدیم زمانہ کی جھونپڑی کی
نقل ہے۔ یہ مکمل دھانچہ غالباً چیتیہ کے وسیع ہال کی شروعات کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ دروازوں
کے علاوہ اینٹ سے بنے ہوئے چیتیہ کے دو ہال جن میں ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا ہے مختلف جسامت
کے استوپ چٹانوں کو کاٹ کر بنائے ہوئے مکانات اور عمارتوں کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔ یہ
تمام تعمیرات کسی باقاعدہ منصوبے کے تحت نہیں کی گئی ہیں: یہی سبب ہے کہ ان میں بھدّا پن پایا
جاتا ہے۔ شنکرم کی پہاڑی پر جو یادگاریں پائی جاتی ہیں وہ بعد کے زمانہ کی تقریباً 350 کی
ہیں۔ ایک ہی پتھر کے بنے ہوئے متعدد استوپ اور چٹانوں کو کاٹ کر بنائے ہوئے کمرے پہاڑی
کی چوٹی کی موزونیت برقرار رکھتے ہوئے جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک وسیع خانقاہ
کی بنیادیں بھی یہاں کے کھنڈرات میں مخصوص ہیں۔ یہاں کے بعض یک سنگی استوپ اپنی وضع
کے لیے سب سے بڑے استوپوں میں خیال کیے جاتے ہیں۔ ان میں ایک استوپ کی کرڑی کا قطر فیٹ
ہے۔ گنتو پلی کی طرح یہاں کی کاری گری بھی بھدّی اور بے ڈھنگی ہے۔

آندھرے کے دست کاروں کا تکنیکی شعور اور فنّی برتری کا بہترین مظاہرہ مخصوص بناوٹ کی
یادگاروں میں کیا گیا ہے۔ بالخصوص ان استوپوں میں جو ایلورا کے اردگرد 75 میل کے رقبے میں
پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں گولی، جگیہ پیٹ، بھٹی پرولو، گھنٹ شال، امراوتی اور ناگارجنی کونڈ
کے استوپ سب سے زیادہ قابل ذکر ہیں۔ عیسوی صدی کے ابتدائی زمانہ میں بدھ طرز تعمیر اور
بت تراشی کے نمونوں میں شاید ہی کہیں کوئی مقابل ملتا تھا۔ ۱۵ ہیں یادگاروں کے سامنے کے حصے

زیادہ تر سفید سنگ مرمر کے بنے ہوئے تھے اور ان میں کافی ابھری ہوئی نقاشی تھی جس کی بنا پر وہ یادگاریں شاندار دکھائی دیتی تھیں۔ ابتدائی نمونوں میں جیساکہ بھٹی پرولو کے استوپ سے ظاہر ہے کہ وہ ٹھوس بنایا گیا تھا لیکن بعد میں مرکز سے گھیرے کی جانب جانے والی دیواروں کے ذریعہ سامان کے استعمال میں بچت اور پائداری کی غرض سے ایک دوسری میں سے گذرتی ہوئی دیواروں اور پہیے کی تیلیوں کی طرح کا طریقہ نکال لیا گیا۔ اینٹیں بھی بہت بڑی ہوتی تھیں۔ یہ 24 x 18 x 4 کی ہوتی تھیں۔ شروع میں یہ استوپ سانچی کے استوپ کی طرح گول ٹیلے کی طرح تھا لیکن بعد کے نمونوں میں کرسی کو اور اونچا کھڑا کرکے گنبد کو مزید اونچا اٹھادیا گیا ہے۔ پہلے مکمل اینٹوں پر سنگ مرمر نہیں چڑھایا جاتا تھا بلکہ صرف تحتی حصے تک ہی محدود رہتا تھا اور بقیہ حصّے پر استرکاری کرکے سفیدی کردی جاتی تھی۔ کرسی سے چار اہم نقشوں پر مستطیل نمایاں بری حصے نکلے رہتے تھے جس میں سیڑھیاں بنی ہوتی تھیں۔ یہ کرسی سے جلوس نکالنے تک جاتی تھیں۔ باہر کو نکلے ہوئے حصوں کے اوپر چار ٹیلے ستون ہوتے تھے جو دھیانی بدھوں کی علامت تھے۔ انھیں اریک کھمبے (پرستش کرنے کے قابل ستون) کہتے تھے۔ استوپ کی گنبد نما شکل کی مخصوص آرائش کے طور پر باہر کو نکلے ہوئے یہ حصّے ایک قابل تعریف اختراع تھی اور ان کی بنا پر جنوبی طرز تعمیر کو ایک فن کارانہ خصوصیت حاصل ہوئی۔"

امراوتی کا استوپ ان میں سب سے بڑا ہے۔ یہ عیسیٰ سے تقریباً دوسو برس پہلے کا بنا ہوا ہے۔ لیکن عیسیٰ کے بعد ڈیڑھ سو یا دوسو برس کی مدت میں اسے از سر نو تعمیر کیا گیا۔ اس کا گنبد بنیاد کے آرپار 162 فٹ تھا۔ اس کے باہر ایک متحد المرکز کٹہیرہ لگا ہوا تھا جو جلوس نکالنے کے پندرہ فیٹ چوڑے راستے کو گھیرے ہوئے تھا۔ استوپ کا گنبد نوّے سے سو فیٹ تک بلند رہا ہوگا۔ زمین کی سطح سے بیس فٹ بلندی پر دیوار کے حسب معمول چھجّے اور ایک ستون کے علاوہ جلوس نکالنے کا ایک اور اونچا راستہ تھا۔ نشیبی راستے کے چاروں طرف آٹھ فیٹ اونچا ایک جنگلہ تھا اور اس کے اندر کی جانب پتھر کو تراش کر بہت خوبصورت نقاشی کی گئی تھی۔ اس عظیم الشان یادگار کی اس وقت صرف تراشیدہ پتھر کی سلیں اور کٹہیرے کے بچے کھچے حصّے عجائب گھر میں محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔

امراوتی کے بہت قرب و جوار کے متعدد استوپوں کے بتوں کے مانند مہاتما بدھ کی زندگی کے واقعات اور پرستش کے مناظر پیش کرتے ہیں۔ ان میں بہت زیادہ آرائشی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ عورتوں اور جانوروں کے بت سانچی کی روایات کے مطابق ہیں۔ یہ اشوک کے

ہپّوگراف اور اس کا سوار۔ ہمپی

اجنتا۔ غار نمبر ۱۹

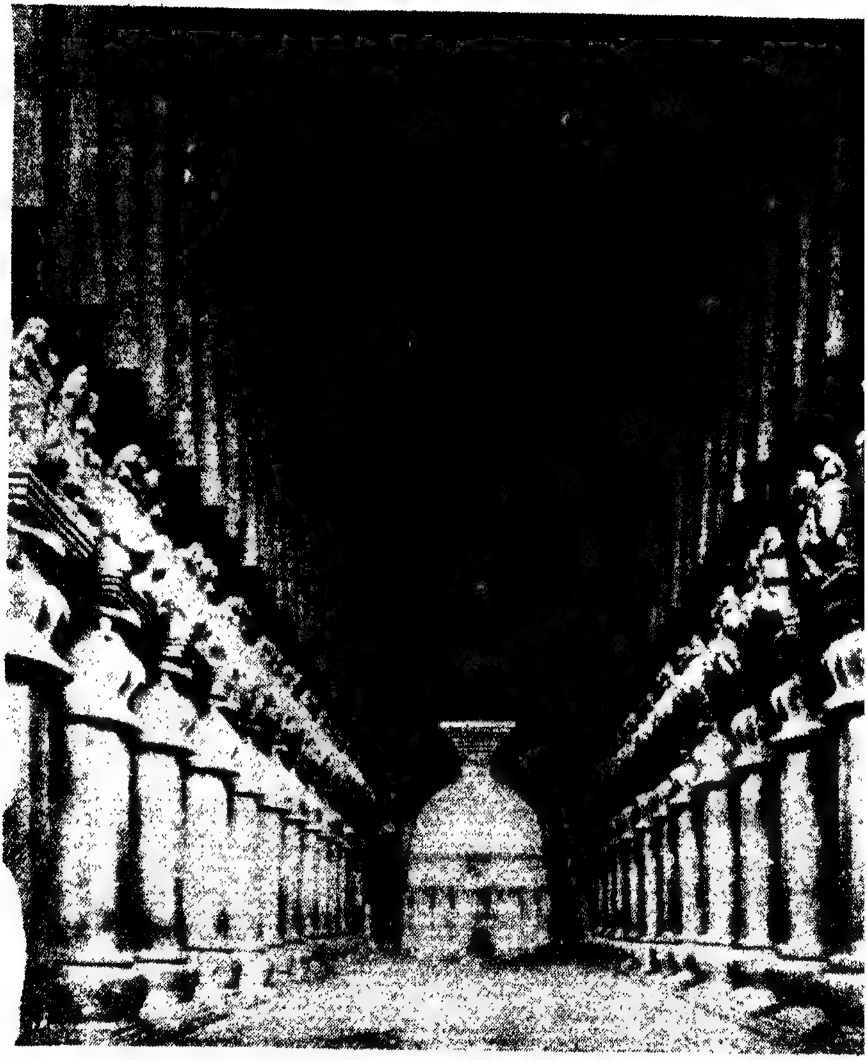

کرلے چیتیہ کا بڑا ہال . اجنتا غار

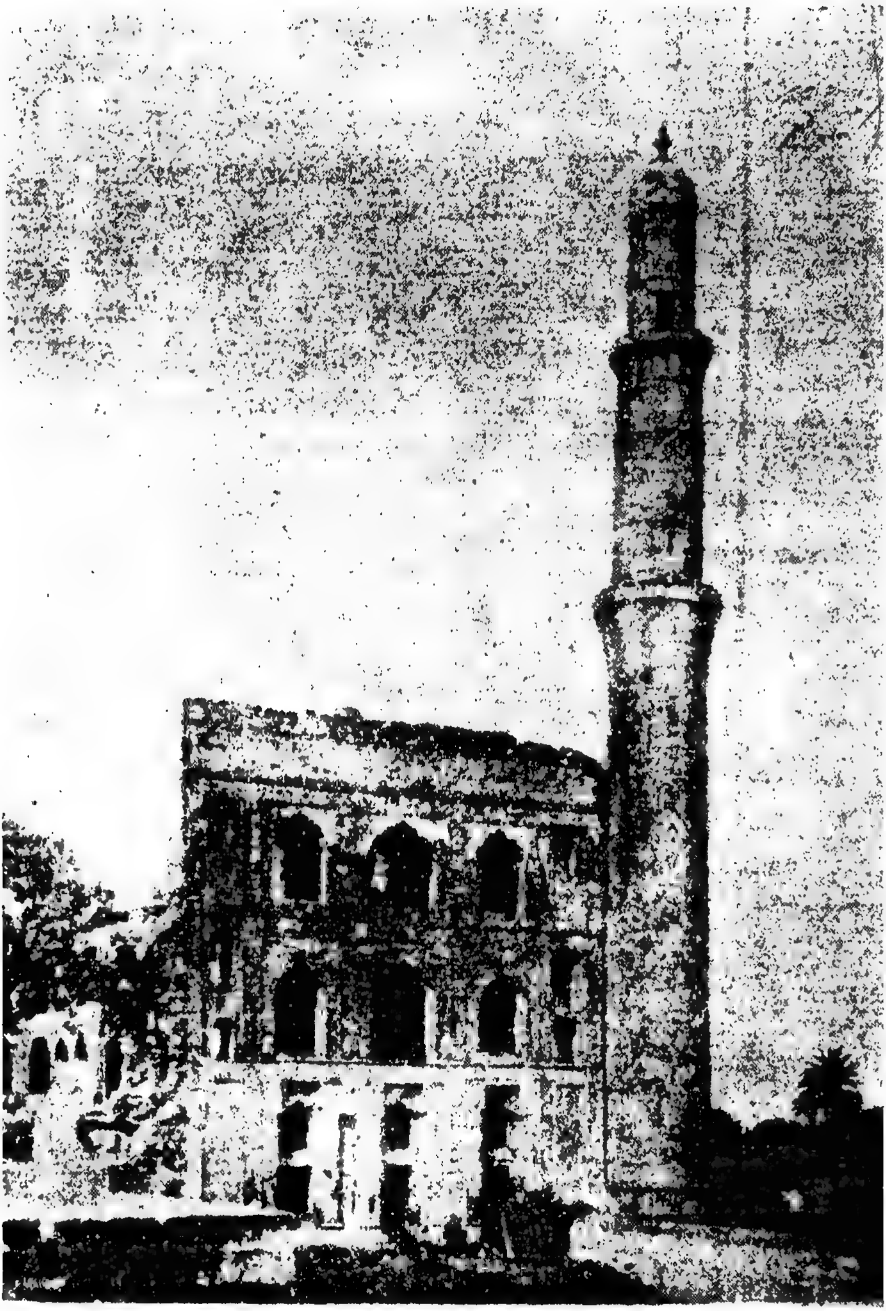

محمود گاوان کا مدرسہ ۔ بیدر

ایلورا - کیلاش مندر

دولت آباد کا قلعہ

زمانہ سے لے کر مامل پورم میں پلّو بت تراشی کے عہد تک ہندوستانی بت تراشی کے فن کی جو خصوصیات پائی جاتی رہی ہیں بالخصوص جانوروں سے متعلق تمام اوصاف تارک حقیقت کے ساتھ ان بتوں میں پائے جاتے ہیں۔ عورتوں سے متعلق جو مناظر پیش کیے گئے ہیں ان میں برہنہ خاتون کے مجسمے کو دیکھ کر ایک پاکیزہ مسرت، مہذب ہوس رانی اور خصوصی تازگی حاصل ہوتی ہے۔ ان مناظر میں بدھ سنتو اور مہاتما بدھ کی موجودگی کو علامتوں کے ذریعہ نہ دکھا کر حقیقی طور پر دکھایا گیا ہے۔ امراوتی کے فن میں اسے ہول اور مامل پورم کے فن سے قبل کے ارشاد ملتے ہیں۔ اس پر رومی اثر کی موجودگی کو تسلیم کرنے کے لیے کافی اسباب موجود ہیں۔ امراوتی فن کا یہ پہلو قدرت کو پس پشت ڈال کر اعلاترین مقصد کو ترقی دینا ہے۔ "یہ حسن اور سکوت کے لیے ایک نیا اصول ہے جو "ہندوستان کے جمالیاتی ذوق کا اعلا معیار ہے"۔ گراوسیٹ کہتا ہے کہ "امراوتی فن کے متعدد مناظر پتھر کی حقیقی تصویروں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ تصویریں مختلف حصوں کی ترتیب کے لحاظ سے مکمل ہیں۔ انھیں کسی بڑے فنکار نے جو مشہور نہیں تھا بنایا ہے"۔ مثال کے طور پر ہاتھی کو قابو میں کرنے کی تمغے نما تصویر (مدراس کے عجائب گھر) (پلیٹ نمبر دو) میں پاگل جانوروں کی وجہ سے پریشانی میں جو اضافہ ہوا تھا اور مہاتما بدھ کے رحم و کرم کے بعد اس جانور کے قابو میں آجانے پر تصویر میں مقابلتاً جو سکوت دکھایا گیا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ ان تصویروں میں متعدد کہانیوں کے جو واقعات پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں چہار دیواری والے شہر، شاہی محلات، تورن اور استوپوں کی تصویریں شامل ہیں۔ ان تصویروں میں پتھر کی ایک سے زیادہ سِل سے بنا ہوا امراوتی کا استوپ دکھایا گیا ہے جب کہ وہ اپنی شان و شوکت کی انتہا پر ہوگا۔

شولاپور ضلع میں ٹیر اور کرشنا ضلع میں واقع چیزارلا نامی مقامات میں اینٹ سے بنے ہوئے بدھوں کے چیتیہ ہال دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ غالباً پانچویں صدی عیسوی میں تعمیر کیے گئے تھے۔ یہ ہال آج تک اس بنا پر بچ سکے ہیں کہ بدھ مت کے زوال کے بعد براہمنوں نے انھیں اپنے مذہب کے لیے استعمال کرنے کے خیال سے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ ہم اس جگہ ٹیر کے تری وکرم مندر اور چیزارلا کے کپوٹیشور مندر کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ دونوں چھوٹی عمارتیں جو تیس فیٹ سے بھی زیادہ لمبی نہیں ہیں آج بدھوں کے بنائے ہوئے مندروں کے بیرونی حصہ کو سمجھنے کا واحد ذریعہ ہیں کیونکہ چٹانوں کو کاٹ کر جو چیتیہ بنائے گئے ہیں۔ ان میں کوئی بیرونی حصہ نہیں ہوتا بلکہ صرف عمارت کا ماہری رخ ہوتا ہے۔

مغربی دکن میں تقریباً پانچویں صدی کے وسط میں مہایان بدھوں کی ہمت افزائی کی بنا پر چٹانوں کو کاٹ کر عمارتیں بنوانے کی تجدید ہوئی۔ اس فن کے خاص مرکز اجنتا، ایلورا اور اورنگ آباد تھے۔ ان کے علاوہ اس علاقہ میں کچھ اور مقامات بھی تھے جو اپنی اہمیت میں کم تھے۔ چیتیوں کی تعمیری خصوصیات میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی۔ ان میں صرف مہاتما بدھ کے مجسمے داخل ہوگئے جو قوی ہیکل ہوتے تھے۔ وہاروں کی بناوٹ میں البتہ کافی تبدیلی ہوگئی۔ ان کے اندرونی حصہ میں چھوٹے چھوٹے کمروں کی جو قطاریں ہوتی تھیں اور جنھیں بھکشوؤں کے آرام کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا وہ اب مہاتما بدھ کے مجسموں کو رکھنے کی وجہ سے مقدس مقامات بن گئے تھے۔ اس طرح وہار ایک پرستش گاہ اور قیام گاہ بھی بن گئی تھی۔

اجنتا کی خانقاہیں ہنسیا کی طرح مڑی ہوئی پہاڑی پر تین میل سے زیادہ رقبے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ خانقاہیں نیچے گھاٹی سے نکلنے والے آبشار کے اوپر جو ایک خوبصورت نالے کی شکل میں بہتا ہے معلق نظر آتی ہیں۔ اس جگہ مختلف رقبوں کے اٹھائیس ہال ہیں اور مغرب سے مشرق کی جانب ان پر سلسلہ وار نمبر پڑے ہوئے ہیں۔ دو چینیہ اور تین وہاریں جن کے نمبر 8 - 9 - 10 - 12 اور 13 ہیں۔ آندھروں کے تحت (دو سو ق۔ م۔ سے دو سو سن عیسوی تک) ابتدائی ہینیانو کے عہد میں تعمیر کی گئیں۔ بقیہ چینیہ اور وہار 450 کے بعد دو برس کے اندر تعمیر کیے گئے۔ ان تعمیرات میں جو بعد میں ہوئیں لکڑی کے ڈھانچہ کی نقل اتارنے کا طریقہ ترک دیا گیا اور چٹانوں کی تراش و خراش میں واقع ترقی ہوئی۔ ان بڑے کمروں کی چھتیں اور دیواریں نقش و نگار سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ ان میں سے بعض تو آج تک اپنی اصلی شکل میں قایم ہیں۔

واکاتک راجاؤں (تقریباً 500) کے عہد حکومت میں دو وہار (نمبر 16 اور 17) ستونوں کے ساتھ (پیچھے کی دیواروں میں حسب معمول چھوٹے چھوٹے کمرے اور مقدس مقامات ہیں) بنائی گئی ہیں۔ ان میں مہاتما بدھ کی "یورپی ڈھنگ" سے بیٹھی ہوئی مورتیاں ہیں (پیر لٹکائے ہوئے)۔ سولہ نمبر کی تصویر میں صناعی کی امتیازی خصوصیات کے ساتھ حیرت انگیز اتصال پایا جاتا ہے۔ لیکن ستر ہ نمبر کی تصویر میں مہاتما بدھ کی زندگی کے واقعات ایک عجیب ڈھنگ سے افسانہ کی شکل میں پیش کیے گئے ہیں۔ انیس نمبر کی تصویر (پلیٹ نمبر 3) اپنے بیرونی نقش و نگار اور بدھ کے بے شمار مجسموں ساتھ مہایان لوگوں کی پتھر پر کاری گری کی زبر دست ترقی کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ یہ تقریباً 550 میں بنائی گئی۔ یہ ابتدائی گروپ اور ساتویں صدی کی وہار طل

کے درمیان رشتہ قایم کرنے والی کڑی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس چیتیہ کے اندر کے ستونوں پر لمبی دھاریاں ہیں اور بہت زیادہ منقش ہیں۔ سرستون کھڑے اور پتیوں کے گچھوں کی طرح ہیں۔ اس کی خاص تصویر "کپل وستو کی واپسی" ہے۔ ایک سے پانچ اور اکیس سے چھبیس تک کی تصویریں سب سے بعد میں (650 —600) بنائی گئیں۔ ایک نمبر کی تصویر میں "بودھی ستو کو نیلے کنول کے ساتھ" پیش کیا گیا ہے۔ دوسری تصویروں میں "نیشبی جاتک" اور فارس والوں کی دعوت شامل ہیں جو حقیقی طور پر بدھ دیوتا 'پنچک' کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اجنتا کے مصوروں کو جسم کے اعضا کو خاص انداز میں رکھنے کی مہارت تھی۔ انھیں ہاتھوں کی قسموں اور انداز اشاروں سے مطلب کا اظہار اور ان کی خوبصورتی کے بارے میں حیرت انگیز حد تک واقفیت تھی۔ ان تصویروں میں بہت سے نسلوں کے لوگوں کو دکھایا گیا ہے۔ ان کی شکل و شباہت اور اعلا ترتیب کا گہرا مطالعہ کیا گیا ہے۔ ان تصویر کو اعلا طرز ادا کی تصویریں بھی کہا جاسکتا ہے۔ بعض تصویروں میں مختلف قسم کی حرکات کی قوت متحرکہ کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ بعض تصویروں میں رنگوں کی ترتیب کے منصوبے بے حد قابل قدر اور دل چسپ ہیں۔ ان میں بے حد تنوع بھی پایا جاتا ہے۔ ایک نقاد فن کا کہنا ہے کہ "جس شخص نے ان تصویروں کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اس کے لیے ان کے بارے میں یہ خیال کرنا بھی ناممکن ہے کہ گپھاؤں کی تصویریں کتنی اعلا درجے کی اور ٹھوس بنی ہوئی ہیں اور سادگی میں کتنی حیرت انگیز اور مذہبی جذبے سے بھرپور رہیں" ان تصویروں میں جو سادگی پائی جاتی ہے۔ وہ قدیم مروجہ روایات فن کے احساس کا نتیجہ ہے اور جیساکہ گراوسیٹ کہتا ہے کہ "اجنتا کی ہر تصویر کا خاص موضوع جداگانہ تجزیہ کے قابل ہے" اجنتا کی مصوری کا طرز ہم سری لنکا کے سیگیریا نامی مقام پر اور کچھ صدیوں بعد ستنا واسل (Sittannavasal) (پدوکوٹی) کی ایک جین گپھاؤں میں، تروملئی پورم (ضلع تناولی) کے غار مندر میں اور تنجور کے عظیم مندر گربھ گرہ کی اندرونی دیواروں پر دیکھ سکتے ہیں۔

بدھوں نے 450 سے 650 کے درمیان بارہ چٹانوں کو کاٹ کر ہال بنا کر ایلورا کے چٹانوں کے طرز تعمیر کی ابتدا کی۔ یہ ہال دو ضمنی گروپوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ ان میں ایک ہال دوسرے ہال کے کچھ ہی بعد بنایا گیا ہے۔ ہر ایک میں عبادت کا کمرہ ہے اور ہر ایک کے ساتھ خانقاہ منسلک ہے۔ بعد والے گروپ میں دو خانقاہیں ہیں جو سہ منزلہ مکان کا واحد نمونہ ہیں۔ خانقاہیں تقریباً پچاس فیٹ اونچی ہیں۔ ان کے سامنے ایک چوڑا صحن ہے۔ ان وہاروں میں

چٹان ۔ طرزِ تعمیر کی فنی مہارت اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گئی ہے ۔ ان میں لکیریں زیادہ سیدھی، ڈرائے زیادہ صحیح اور سطح دوسرے نمونوں کی بہ نسبت زیادہ حقیقی ہیں ۔ بدھ یادگاروں کی کھدائی کے تین گروپ اورنگ آباد شہر کے تقریباً تین میل شمال میں ایک پہاڑی پر پائے جاتے ہیں ۔ ایک گروپ میں چیتیہ اور چار وہار شامل ہیں ۔ یہ سب چھٹی اور ساتویں صدی میں بنائی گئی تھیں ۔ ان وہاروں میں دیوتاؤں اور بھگتوں، مردوں اور عورتوں کی مورتیاں قدآور اور بھاری ہیں ۔ ان میں ابھری ہوئی نقاشی پائی جاتی ہے اور یہ اس زمانہ کے لوگوں کے لباس، زیورات اور سر ڈھکنے کے طریقوں کے جیتے جاگتے نمونے ہیں ۔

بادامی میں چٹانوں کو کاٹ کر ستون دار چار بڑے بڑے کمروں کا ایک گروپ ہے ۔ ان میں تین ہندوؤں کے اور ایک جین دھرم والوں کا ہال ہے ۔ یہ ہال ایک ہی طرح کے بنے ہوئے ہیں ۔ ان میں ہر ایک میں برآمدہ ہے جس میں ستون ہیں اور ایک ستون دار ہال ہے ۔ ان کے علاوہ ایک مربع نما سنیاسی کا حجرہ ہے جو چٹان کو گہرائی میں کاٹ کر بنایا گیا ہے ۔ ان میں تین شجری وشنوؤں کی گپھا ہے جس کی صحیح تاریخ تعمیر 578 ہے ۔ برآمدے میں اننت پر بیٹھے ہوئے وشنو اور ایک نرسنگھ کی ابھری ہوئی نفیس تصویریں ہیں ۔ ان گپھاؤں میں کاری گری کی فنی مہارت بہت اونچے پیمانہ پر دیکھی جاسکتی ہے ۔ ایک اور قابل غور خصوصیت ہے کہ ستون کی آرائشی پٹی پر گن بنے ہوئے ہیں جو بیٹھنے کے مختلف انداز میں ستون کی کرسی پر منبت کاری میں پیش کیے گئے ہیں ۔ ان گپھاؤں کے سامنے کا حصہ بالکل سادہ ہے لیکن اندرونی حصہ میں پوری مہارت دکھائی گئی ہے اور تفصیلات کے بارے میں پوری احتیاط سے کام لیا گیا ہے ۔

جنوبی ہندوستان میں ہندو مندروں کے طرزِ تعمیر کا پتہ اینٹوں سے بنے ہوئے اکشواکو میں ابتدائی مندروں کے کھنڈرات سے چلتا ہے ۔ یہ مندر 1559 میں ناگارجن کونڈ کی کھدائی کے بعد دستیاب ہوئے ہیں ۔ ان مندروں کے مختلف حصوں میں اردھ کے ساتھ مقدس مقامات، اور مہامنڈپ ہیں ۔ نیز بھاگار ۔ گوپٹہ دھوج استمبھ وغیرہ اس ابتدائی زمانہ کی تعمیرات میں بھی ایک محوری لکیر پر بنے ہوئے ہیں ۔ ان مندروں میں سے ایک مندر میں یہ ہوار الیہ ہیں اور مخصوص مقدس مقامات مربع شبت پہلو اور قطر نما منصوبوں کے تحت بنے ہوئے ہیں اور بعد کے ناگرا دراوڑ اور ویسار اطرز تعمیر کی پیش بندی کرتے ہیں ۔ خاص متبرک مقام عام طور پر محرابی ہیں ۔ حالاں کہ ایک یا دو جگہوں پر یہ مربع نما بھی ہیں ۔ اس سے اس بات کا اشارہ

ملتا ہے کہ مندروں کا طرز تعمیر ہر فرقہ کے ماننے والوں میں عام تھا۔ اے ہول اور اس کے قرب وجوار میں مندروں کے مختلف حصوں کا دوسرا دور دکھائی دیتا ہے جو تقریباً 600 سے شروع ہوتا ہے۔ اے ہول مندروں کا شہر ہے۔ یہاں کم سے کم ستر مندر ہیں۔ اے ہول میں جو کام شروع کیا گیا وہ قرب و جوار کے شہر مثلاً بادامی اور پتادکل میں جاری رہا۔ اے ہول میں لادہ خان مندر کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ اسے 450 میں تعمیر کیا گیا ہوگا۔ یہ درحقیقت بہت بعد میں غالباً 620ء میں تعمیر کیا گیا ہوگا۔ نیچی اور سپاٹ چھت والی اس مربع نما عمارت کی ہر دیوار پچاس فیٹ لمبی ہے۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹا مربع نما حجرہ اور چھت کے اوپر بعد میں کسی وقت ایک برساتی بنائی گئی ہے جو سورج کا مندر بن گئی ہے۔ اصلی مندر کے تین حصے دیواروں سے گھرے ہوئے ہیں۔ ان میں دو دیواروں میں پتھر کی کھڑکیاں ہیں جس میں خوبصورت ڈیزائن کے ساتھ سوراخ بنے ہوتے ہیں۔ چوتھی سمت جو عمارت کا مشرقی رخ ہے۔ ایک کھلی ہوئی برساتی ہے جس کے ستونوں پر دریاؤں کی دیویوں کی مورتیاں بنی ہوئی ہیں۔ مندر کے اندرونی حصہ میں ستونوں کا ایک ہال ہے جس میں ایک کے اندر دوسرے ستونوں کی مربع نما قطاریں ہیں۔ مندر کے وسطی حصہ کی خالی جگہ میں نندی کی مورتی ہے۔ دوسرے سرے پر جو حجرہ ہے اس کے بارے میں خیال کیا جائے گا کہ وہ الگ کوئی کمرہ ہوگا۔ لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ اس میں اسی خاص ہال سے ہی ہوکر داخل ہوا جاتا ہے۔ یہ حجرہ اندر کی پچھلی دیوار میں بنا ہوا ہے۔ اس کی پوری بناوٹ مندر کے خیال سے قطعی نافی ہے اور پرسی براؤن کا خیال ہے کہ یہ صرف مجلسی ہال تھا جسے مندر میں تبدیل کر دیا گیا۔ عمارت کے باہری زاویوں پر جو ستون واقع ہیں۔ ان کا گاودم ساخت اور ان کے گتے دار بالائی حصے کی پھیلی ہوئی کرسی جو پھولوں کی نقش ونگار سے آراستہ ہے اور جو خود دیوار گری کو سہارا دیتی ہے" اس کو دیکھ کر" دراوڑ طرز تعمیر" کا پتہ چل سکتا ہے۔ مندر کی چھت بھی کچھ عجیب سی ہے۔ یہاں پتھر کی چپٹی سلیں، پتھر کے لمبے ٹکڑوں سے جڑی ہوئی ہیں۔ پتھر کی سلوں میں خانے بنائے گئے ہیں اور ان میں یہ ٹکڑے پوری طرح پیوست ہیں۔

لادہ خان کے مندر سے بالکل مختلف درگا کا مندر (پلیٹ نمبر 4 الف) ہے۔ یہ بدھ چیتیہ کو براہمن دھرم کے مندر کی شکل میں استعمال میں لانے کا دوسرا تجربہ ہے۔ درگا مندر غالباً آٹھویں صدی میں تعمیر کیا گیا۔ اس کا ڈھانچہ 60 × 36 فیٹ ہے۔ اس عمارت کے

مشرقی حصہ کے سامنے چوبیس فیٹ کا ایک بڑا برآمدہ ہے جس کی وجہ سے اس کی کمل لمبائی چوراسی فیٹ ہو جاتی ہے۔ مندر اپنی آرائش کے ساتھ ایک اونچی کرسی پر بنا ہوا ہے۔ اس کی سپاٹ چھت کی اونچائی زمین سے تیس فیٹ ہے۔ محراب میں گربھ گرہ کے اوپر شکھر ہے اور بھاری دیوار گری والے مربع نما بڑے ستونوں پر پتھر کی ڈھلواں سلوں سے بنی ہوئی چھت کے نیچے ایک برآمدہ ہے جو "پھرے دکشن پتھ" کے کام میں آتا ہے۔

عبادت گھر کے اوپر کا شکھر یا مخروطی مینار شمالی ہندوستان میں عام طور پر خمیدہ خطوط سے محدود ہوتے ہیں۔ لیکن جنوب بعید میں یہ گھٹتے ہوئے مربع نما چبوتروں کی شکل میں اوپر کی جانب بلند ہوتے ہیں۔ دکن میں دونوں ہی طرز تعمیر کو اختیار کیا گیا۔ اکثر اوقات ان دونوں طرز تعمیر کی خصوصیتا کو ملانے کا بھی رجحان پایا جاتا ہے۔ درگا مندر کا شکھر شمالی ہندوستان کے طرز پر بنا ہوا ہے اور غالبًا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔

درگا مندر سے ملتا جلتا ایک اور چھوٹا اور سادا بنا ہوا مندر ہچی ملی گڈی ہے اس مندر کی ایک نئی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے حجروں اور خاص ہال کے درمیان انترال یا ڈیوڑھی پائی جاتی ہے اسے ہوں کے قطعی طور پر ابتدائی مندروں میں میگوتی (634) کا جین مندر ہے جو زمین کے اوپر ڈھانچہ کو کھڑا کر کے تعمیر کیے جانے والے مندروں میں کافی ترقی کا مظہر ہے۔ یہ مندر نا مکمل ہے اور اس کا مقدس مقام پیچھے کی دیوار سے بالکل الگ ہے۔ بادامی کا مال گیتی شوالیہ بھی تقریبًا اسی زمانہ کا بنا ہوا ہے۔ یہ مندر چھوٹا ہے لیکن اس میں تناسب کا خوبصورتی کے ساتھ خیال رکھا گیا ہے۔ یہ بہت شاندار مقام پر واقع ہے۔

بادامی سے تقریبًا دس میل دور پٹا دکل کے مندروں سے چالوکیوں کے طرز تعمیر کی ترقی کے اگلے دور کا پتہ چلتا ہے۔ اس مقام پر دس مندر واقع ہیں۔ ان میں چار شمالی اور چھ جنوبی طرز تعمیر پر بنائے گئے ہیں۔ پاپ ناتھ (680) کا مندر شمالی طرز تعمیر کے مطابق بنایا گیا ہے اور سنگ میشور (725) اور ویروپکش (740) کے مندر جنوبی طرز تعمیر کے مطابق بنائے گئے ہیں۔ یہ سبھی مندر قابل غور ہیں۔ پاپ ناتھ کے مندر کے ڈھانچہ اور اس کے مختلف حصوں میں باہمی ربط چونکہ غیر یقینی ہے اس لیے اس مندر کا منصوبہ اور عمارت کے ہر رخ کی بلندی میں یکساں طور خامیاں نظر آتی ہیں۔ یہ مندر نوے فیٹ لمبا ہے اور اس کی بلندی اس کی لمبائی کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ اس کا مینار جو شمالی طرز کے مطابق بنایا ہے۔ چھوٹا اور پستہ قد ہے۔ اس کا انترال بہت بڑا ہے اور قریب قریب ایک ضمنی ... معلوم

ہوتا ہے۔ بیرونی دیواروں میں چھجے دار طاقوں کو جو ایک دوسرے سے بہت نزدیک ہیں اور شروع سے آخیر تک برابر ایک ہی سے بنے ہوئے ہیں۔ دیکھنے کے بعد متبرک مقام کا گمان ہوتا ہے۔ یہ مندر شمالی اور جنوبی طرز تعمیر کی خصوصیات کو ایک ہی عمارت میں شامل کرنے کی شاید پہلی کوشش ہے جو مکمل طور پرنا کامیاب ثابت ہوتی ہے۔

دکرمادیتہ دوئیم کی ایک ملکہ کا بنوایا ہوا ویروپکش کے مندر کا ڈیزائن اور تعمیر بہت زیادہ ترقی یافتہ اس لیے ہے کہ اس کی تعمیر کے لیے کانچی پورم سے کاری گر لائے گئے تھے۔ انھوں نے کیلاش ناتھ مندر کی نقل کی ہے جو پلووں کے دارالسلطنت میں دسیوں برس پہلے بن چکا تھا۔ ویروپکش کے مندر کے متعلق براون کہتا ہے کہ "مجموعی طور پر یہ مندر دیکھنے میں بہت خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔ اس مندر کا بیرونی حصّہ بہت خوبصورت ہے۔ یہ ایک جامع منصوبے کے تحت تعمیر کیا گیا ہے جو اس بات سے ظاہر ہے کہ اس میں صرف وسطی ڈھانچہ ہی نہیں بلکہ اس کے سامنے نندی کے لیے الگ ایک شہ نشین ہے۔ یہ چاروں طرف دیواروں سے گھری ہوئی ہے اور اس کے اندر ایک بہت موزوں و مناسب دروازے سے داخل ہو جاتا ہے۔ یہ سامنے والی برساتی سے متبرک مقام کے پیچھے تک ایک سو بیس فیٹ لمبا ہے۔ اس کے مختلف حصوں کی جس طرح سوچ سمجھ کر درجہ بندی کی گئی ہے وہ انتہائی خوشگوار ہے۔ پتھر کے کام کی وجہ سے جو بھاری پن پایا جاتا ہے اسے مجموعی کی نسبتی نوعیت اور ان کے تعداد میں اضافہ کر کے کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مندر کے خاص متبرک مقام میں منڈپ سے الگ ہے، طواف کرنے کے لیے راستہ بھی رکھا گیا ہے۔ ستون دار منڈپ کی دیواریں موٹی ہیں اور ان میں باریک سوراخ دار پتھر کی کھڑکیاں ہیں۔ مربع نما شکھر واضح طور پر منزلوں سے بلند ہوتا گیا ہے۔ ہر منزل اپنی جگہ پر کافی بلند ہے۔ دیوار کی بیرونی سطح میں دیواری ستونوں کی وجہ سے متناسب طور پر منقش طاقوں میں منقسم ہے۔ ان طاقوں کے درمیان کافی جگہ چھوٹی ہے۔ جس میں بھاری باری سے کھڑکیاں ہیں۔ طاقوں میں بت رکھے ہوئے ہیں۔ یہ بت ناگوں اور ناگنیوں کے ہیں۔ ان کے علاوہ ان بتوں کے ذریعے رامائن کے مناظر بھی پیش کیے گئے ہیں۔ براؤن کے کہنے کے مطابق بت تراشی کے فن کا چشمہ طرز تعمیر میں مستقل طور پر تادیب کے ساتھ جاری ہے۔ ویروپکش کا مندر ان قدیم کمیاب عمارتوں میں سے ایک ہے جس میں ان افراد کی روحیں اب بھی تھیک رہی ہیں جنھوں نے اس کا نقشہ تیار کیا اور اسے اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیا ہے"۔ سنگیشور کا ہمسایہ مندر جو اس سے کچھ سال قبل تعمیر کیا گیا بہت کچھ اسی طرز کا

بنا ہوا ہے لیکن اس مندر میں منڈپ کھلا ہوا ہے۔

مخصوص ساخت کے مندروں کی تعمیر میں ترقی کا یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہیے کہ چٹانوں کو کاٹ کر عمارتیں بنانے کا فن ہی ختم ہو گیا تھا۔ یہ طرز تعمیر درحقیقت نویں صدی کے آخیر تک جاری رہا۔ اس کا اظہار تین مقامات پر ہوا۔ اولاً ایلورا میں جہاں پر بدھوں کا قبضہ دو سو برس سے بھی زاید مدت تک رہا۔ اس کے بعد بمبئی کے قریب ایلی فینٹا اور سالسٹ کے جزیروں میں۔ اور تیرا مقام جنوب ہند کی چالوکیہ سلطنت تھا۔ ایلورا کے براہمن مندروں کے گروپ میں (یہ پہاڑی کے مغربی حصہ میں آدھے میل سے زیادہ رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔) سولہ مندر شامل ہیں۔ یہ تین یا چار قسموں کے ہیں۔ ان میں جو سب سے زیادہ سادہ مندر ہے اس پر بدھوں کی وہار کا اثر پڑا ہے۔ اس میں صرف ایک ستون والا پھاٹک ہے اور دور ایک حجرہ ہے جو دس اوتار گپھا کا مندر ہے۔ دوسرے قسم کا مندر پہلے مندر سے ملتا جلتا تھا۔ اس میں صرف اتنا فرق تھا کہ مندر کے چاروں طرف ایک راستہ تھا۔ یہی صورت راون کا کھائی اور رامیشور کے مندروں میں پائی جاتی ہے۔ تیسرے قسم کے مندروں میں متبرک مقام ایک صلیب نما ہال کے وسط میں واقع ہے جس میں داخلے کے لیے ایک سے زیادہ دروازے ہیں۔ یہی صورت ایلی فینٹا کے دو منزلیں اور سالسٹ کے جوگیشور مندر میں ہے۔ اخیر میں اس طرز تعمیر کی آخری شکل کیلاش کے مندر میں دکھائی دیتی ہے جو اپنی نوعیت کا تنہا مندر ہے۔ اس مندر کی تعمیر اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ ایک مکمل چٹان کو کاٹ کر کی گئی ہے۔

پہلی قسم کے مندروں میں دس اوتار کا مندر سب سے بڑا ہے اور بہترین مثال پیش کرتا ہے۔ چٹان کو کاٹ کر بنائے گئے دروازے سے ایک کھلے مگر بے ڈھنگے صحن میں داخل ہوا جاتا ہے۔ مرکز میں بالکل الگ متبرک مقام ہے جو نندی منڈپ ہے۔ اس کے بعد مندر کے سامنے کا حصہ ہے جو دو منزلہ ہے۔ یہ منزلیں ایک کے اوپر دوسری مربع نما ستونوں کی قطاروں کی وجہ سے بالکل الگ نظر آتی ہیں۔ ہر ایک منزل پر ستونوں والا ایک ہال ہے۔ یہ ستون عام طور پر مربع نما منشور نلتی ہیں اور ان کے بالائی حصے کی چوکی سطح ہے" لیکن اس طرز تعمیر کا مقصد ہندو دیوتاؤں کی دیو قامت مورتیوں کے لیے ایک ڈھانچہ تیار کرنا تھا۔ یہ مورتیاں ان چاروں طرف کی دیواروں میں دیواری ستونوں کے درمیان متناسب وقفے کے ساتھ بڑے بڑے چوکھٹوں میں سجائی گئی ہیں۔ مندر کے ایک جانب زیادہ تر وشنو اور دوسری جانب شو کی مورتیاں ہیں۔ ان مورتیوں

میں سب سے زیادہ خوبصورت مورتی ہر نیہ کشیپ کی مورت ہے۔

دوسری قسم کے مندروں میں راون کا کھائی اور رامیشور کے دونوں مندر اپنی بناوٹ کے خیال سے بالکل سادہ ہیں۔ راون کا کھائی کے مندر میں یک سنگی حجرے میں داخل ہونے کے دروازے کے دونوں جانب متعدد مورتیاں بنی ہوئی ہیں جن میں دوار پالوں کی دو مورتیاں بھی شامل ہیں۔ مندر کے اندر درگا کی بھی مورتی ہے جو ٹوٹی ہوئی ہے۔ ستون والے ہال کی دیواروں پر دیواری ستونوں کے درمیان طاقوں کے اندر ابھری ہوئی مورتیاں ہیں۔ یہ مورتیاں جنوب میں شیوا ور شمال میں وشنو سے متعلق موضوعات پر مبنی ہوتی ہیں۔ رامیشور مندر کے مرکزی حصہ میں ایک لنگم ہے جس کی حفاظت دیو قامت دوار پال کرتے ہیں۔ رامیشور کا مندر اپنی نقاشی کے لیے مشہور ہے۔ اس کا ہر حصہ منقش ہے۔ ان مورتیوں میں بالخصوص خواتین کی مورتیاں جس طرح تراشی گئی ہیں اس میں ان کے بیٹھنے یا کھڑے ہونے کے انداز دلربائی اور عشرت خیز حسن کا فطری جذبہ موجود ہے۔

ایلورا میں ڈومرلین کا مندر (پلیٹ 6 اے) تیسرے قسم کے مندروں کی واحد مثال ہے۔ مندر میں داخلے کے لیے الگ الگ تین دروازے ہیں۔ ایک دروازہ سامنے کی جانب ہے اور دونوں بازوؤں میں ایک ایک دروازہ ہے۔ یہ مندر اپنے رقبے اور حصوں کی پیمائش کے لحاظ سے تمام مذکورہ بالا قسموں کے مندروں سے بڑا ہے۔ مندر میں تین مختلف سمتوں سے روشنی کے داخل ہونے کا جو انتظام کیا گیا ہے اس کی بنا پر اس مندر کا اندرونی حصہ دوسرے مندروں کی بہ نسبت کہیں زیادہ پر اثر بن جاتا ہے۔ لین کے وسط میں ایک بڑا اور بھاری مقدس مقام ہے۔ اس کے چار دروازے ہیں اور ہر دروازے کے دونوں جانب دو دیو قامت دوار پال ہیں جو اس متبرک مقام کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہاں سیڑھیوں سے چڑھ کر داخل ہوتا ہے۔ "اس متبرک مقام تک لے جانے والا اور جزوی طور پر اسے گھیرے رہنے والا خاص ہال اور ایک نفیس مستطیل نما گیلری ہے جو ایک سو پچاس فیٹ لمبی اور پچاس فیٹ چوڑی ہے۔ اس کے ہر جانب پانچ پانچ ستونوں کی قطاریں ہیں جو مندر کے درمیانی حصہ اور بغلی راستے کو منقسم کرتی ہیں۔ ان میں وہ ستون بھی شامل ہیں جن کے ذریعہ خاص داخلے کا راستہ بنا ہے۔" خاص ہال کے ایک جانب مندر کا عرضی حصہ ہے جس سے ہو کر بغلی دو دروازوں تک جانے کا راستہ ہے۔ ان بغلی دروازوں کی درمیانی چوڑائی اور گہرائی برابر ہیں۔ داخلے کے یہ تینوں دروازے چوڑے اور کھلے والے ہیں۔ ان دروازوں تک سیڑھیوں کے ذریعہ چڑھ کر پہنچا جاتا ہے۔ دروازے کے دونوں جانب چوکی پر شیر بیٹھے ہوئے ہیں جو نگہبانی

کرتے ہیں۔ مندر کے اندرونی ستون بہت بڑے ہیں۔ یہ پایوں پر پانچ فیٹ چوڑے اور پندرہ فیٹ بلند ہیں۔ ان ستونوں کے بالائی حصے تکیہ دار ہیں۔

اس قسم کا دوسرا مندر بمبئی کے نزدیک ایلی فینٹا جزیرے میں ہے۔ یہ مندر ڈومرلین کے مندر سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔ ایلی فینٹا کا مندر کسی قدر چھوٹا (129 X 130 فیٹ) ہے۔ لیکن یہ بت تراشی کے نقطۂ نظر سے بالخصوص ان مورتیوں کے لیے جو مندر کی پچھلی دیوار پر بنی ہوئی ہیں۔ اپنی قسم کے مندروں میں بہتر ہے۔ دیواری ستونوں کے ذریعہ جو تین مربع نما بڑے طاق بن گئے ہیں ان میں ہر طاق میں ایک دیو قامت دوارپال کا مجسمہ ہے۔ اس کے بائیں جانب آرائشی پٹی پر اردھ ناری کی مورتی ہے جو شو کا متناقض الاوصاف روپ ہے، اس کے ٹھیک دائیں جانب پٹی پر شو اور پاروتی کی مورتیاں ہیں۔ درمیانی بڑے طاق میں مشہور دیوقامت تین سروالا نیم مجسمہ ہے۔ (پلیٹ چار بی) اسے ایک زمانہ سے تریمورتی کہا جاتا ہے حالانکہ یہ درحقیقت مہیش کا مجسمہ ہے۔ اس کے بارے میں گرادسیٹ کہتا ہے کہ "اس میں ایک ہی دیوتا کے تین چہروں کے درمیان بغیر کسی کوشش کے ہم آہنگی پیدا کی گئی ہے۔ دنیا کے تمام فنون میں ایک دینی اصول کی مادی نمائندگی کم ہی دیکھنے میں آتی ہوگی جو اس قدر طاقت ور نیز متوازن بھی ہو۔ اتنا ہی نہیں یہ بلاشبہ انسان کے ہاتھوں بنائی ہوئی وجودی خدا کی عظیم الشان شبیہ ہے۔ اس سلسلہ میں روڈن کی شاعرانہ تخیل قابل ذکر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ " یہ چہرہ جس میں باہر کو نکلے ہوئے ہونٹ جو پورے طور پر حواس خمسہ سے متعلق اظہار کر رہے ہیں انبساط کی ایک جھیل کے مانند ہیں جس کے کناروں کے نزدیک نفیس اور پھڑکتے ہوئے نتھنے ہیں"۔ اس میں شک نہیں کہ زندگی کی برتر قوت حیات عالمگیر انبساط کا اضطراب جسے منظم ہم آہنگی کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے اور دوسری تمام طاقتوں کے مقابلے میں احساس برتری اور تمام اشیا میں محیط کل الوہیت کے جانب انبساط کا اسرار اپنی تمام خصوصیات کو برقرار رکھتے ہوئے اتنی سنجیدگی کے ساتھ کہیں اور دیکھنے میں نہیں آتا۔"

اس طرز تعمیر کی تیسری مثال جوگیشور کا مندر ہے جو سالیسٹ میں واقع یہ دوسرے مندروں کے مقابلے میں بڑا ہے اس کا رقبہ سیدھی لکیر میں دو سو پچاس فیٹ ہے۔ اس کے علاوہ اس مندر کی کوئی اور خصوصیت قابل ذکر نہیں ہے۔

ایلورا کا کیلاش مندر آخری قسم کے مندروں کی عجیب و غریب مثال ہے (پلیٹ پانچ

یہ پورا مندر ایک ہی پتھر کا بنا ہوا ہے۔ اس مندر کو راشٹرکوٹ حکمراں کرشن اوّل کے عہد حکومت میں کھود کر نکالا گیا ہے۔ عام منصوبے میں یہ پٹادکل کے ویروپکش مندر سے کسی قدر مشابہت رکھتا ہے حالاں کہ یہ قد و قامت میں دوگنا ہے۔ مندر چار حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ پہلا مندر کا خاص حصہ، دوسرا داخلے کا دروازہ، تیسرے ان دونوں کے درمیان نندی کا مقدس مقام اور چوتھے صحن کے چاروں طرف درختوں سے ڈھکا ہوا راستہ۔ کچھ اور کمرے جو شاید بعد کے بنے ہوئے ہیں صحن کے بغل میں کاٹ کر بنائے گئے ہیں۔ اس کی شمالی دیواریں جسے لنکیشور کہتے ہیں ایک وسیع ستون والا ہال ہے۔ مندر میں داخلہ مغرب کی جانب سے ہوتا ہے۔ وسطی حصہ ایک سو پچاس فیٹ لمبا اور سو فیٹ چوڑا ہے، مکمل مندر کی اونچائی میں جگہ جگہ باہر کی جانب نکلے ہوئے حصے ہیں۔ اس کی اونچی اور ٹھوس کرسی پچیس فیٹ بلند ہے۔ کرسی کے بالائی اور تحتی حصے پر سانچے میں ڈھلی ہوئی چیزیں ہیں۔ بیچ والے سامنے کے حصے میں ہاتھی اور شیر کے شاندار مجسمے ہیں جو دیکھنے میں ایسے نظر آتے ہیں کہ گویا وہ پورے ڈھانچے کو روکے ہوئے ہیں۔ (رابیٹ چوبی) اس سلسلے میں پرسی براؤن کے بیان سے اقتباسات پیش کرنا ہی مناسب ہوگا۔

براؤن کا بیان ہے کہ "خاص مندر اس کرسی پر اونچا کھڑا ہوا ہے جہاں سیڑھیوں کے ذریعہ پہنچا جا سکتا ہے۔ یہ سیڑھیاں مغرب کی جانب ستون والی برساتی تک لے جاتی ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے مندر کا خاکہ تیار کرنے والے بہت بلند اٹھ گئے ہیں۔ جنوبی ہندوستان کے مندروں کی طرح ومان اور منڈپ کو ساتھ ساتھ رکھنے کا جو روایتی طریقہ ہے اس سے اس مندر میں کوئی تبدیلی نہیں پائی جاتی۔ لیکن مندر کے مختلف حصے مثلاً کارنش، دیواری ستون طاق، اور برساتی کو جس ہنرمندی کے ساتھ منظم اور مرتب کیا گیا ہے اس کے بعد مندر کی جو شکل سامنے آتی ہے وہ انتہائی طور پر ماہرانہ دکھائی دیتی، اس سب کے باوجود ایک سہ منزلہ شاندار مینارا ابھرتا ہے۔ اس مینار کا باہر کی جانب نکلا ہوا نوکیلا حصہ ہی سامنے کا حصہ ہے جس کے اوپر ایک برجی بنی ہوئی ہے۔ اس کی مجموعی بلندی پچانوے فیٹ ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں یہاں ومان کی نشست کی چوڑی جگہ کے چاروں طرف چٹان کو کاٹ کر پانچ ضمنی متبرک مقامات بھی بنائے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مقدس مقامات چھوٹے پیمانہ پر اصل مندر کی ہی شاندار شکل ہے۔ ان ضمنی متبرک مقامات کی بھی وہی اہمیت ہے جو اصل مندر کی ہے۔

مندر کے اندرونی حصہ میں ایک کھمبوں والا ہال ہے۔ یہاں سے ایک ڈیوڑھی کے ذریعہ مندر

کے وسطی حصہ میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ یہ بڑا ہال اپنے تمام دوسرے حصوں کے ساتھ بہت متناسب ہے۔ یہ ستر فٹ لمبا اور ۲ ستر فٹ چوڑا ہے۔ اس میں مربع نما سولہ پائے ہیں جو ہر چوتھائی حصے میں چار چار کے گروپ میں کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ نتیجتاً صلیب نما درمیانی راستہ بنانے میں جس کا دماغ پر بہت ہی شاندار اثر پڑتا ہے[1]۔

مندر کے ڈیزائن کے بقیہ حصوں میں دو دھوج استمبھ قابل ذکر ہیں۔ یہ اکیاون فیٹ بلند ہیں اور نندی کے دونوں طرف قایم ہیں۔ یہ فنکاری کے بہترین نمونے ہیں۔ انھیں ستونوں کے طرز تعمیر کے ارتقا میں ایک اہم منزل قرار دیا جا سکتا ہے۔ اخیر میں مکمل مندر کے مختلف حصوں میں مورتیوں کی مناسب آرائش کی بنا پر مندر کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ ان مورتیوں میں قابل ذکر وہ مورتی ہے جس میں راون کو کیلاش پربت اکھاڑتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

ایلورا میں بھی کھدائی کے بعد جین مندروں کے پانچ نمونے دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ غالباً سبھی نویں صدی کے ہیں۔ ان میں سے صرف تین قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے ایک تو کیلاش مندر کی نقل ہے۔ یہ کیلاش مندر کا صرف ایک چوتھائی ہی ہے۔ اسے چھوٹا کیلاش کہتے ہیں۔ دوسرے دو مندر اندر سبھا اور جگناتھ سبھا دو منزلہ ہیں۔ اندر سبھا زیادہ بڑا اور نفیس بنا ہوا ہے۔ ان مندروں کے بالائی حصے میں بت تراشی کے فن کی خصوصیات دیکھی جا سکتی ہیں اس کے علاوہ مندر کے سامنے کا حصہ جس میں چوگوشہ عمارت کے تین کنارے بڑے ہیں اور جو عمارت کے سامنے کے حصہ کی شکل میں دو منزلہ ہے بہتر طور پر نقش و نگار سے مزین اور قابل ذکر ہے۔

مندر کی دوسری منزل جسے رنگ محل کہا جاتا ہے شاید اس وجہ سے کہ اس کے اندرونی حصہ میں کبھی رنگین سجاوٹ تھی۔ اس کی برساتی کی چھت میں اثر کاری کے خشک ہونے سے قبل قلم سے آبی رنگوں میں تصویریں بنائی گئی ہیں جس کے کچھ حصے بچے ہوئے ہیں۔ یہ تصویریں دو زمانوں کی ہیں۔ پہلی مصوری کھدائی کے زمانہ کی ہے۔ چنانچہ یہ غالباً آٹھویں صدی کی ہیں۔ دوسری تصویریں بہت بعد کی ہیں۔ بعد کی پرت پہلی پرت کے کچھ حصوں کو ڈھک لیتی ہے۔ بعد کی پرت پہلی پرت کے مقابلہ میں یقیناً حقیر ہے۔ پہلی تصویریں اجنتا کی مصوری کے طرز سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں جو تصویریں پہچانی جا سکتی ہیں ان میں ایک تصویر میں انسان نما گروڑ کو وشنو اور لکشمی کے ساتھ

---

[1] انڈین آرکیٹیکچر (بدھسٹ اور ہندو)۔ ص 87۔

بادلوں سے گذرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ایک اور تصویر میں ایک سوار سینگ دار شیر کی پیٹھ پر بیٹھا ہوا ہے اور گاندھروؤں کے جوڑے بادلوں میں تیرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ ہاتھیوں کے ساتھ کنول کے تالاب اور مچھلیاں وغیرہ وغیرہ بھی دکھائی گئی ہیں۔ یہ مصوری اجنتا کے فن مصوری سے کافی مختلف ہے۔ چنانچہ اس کی خصوصیات کو دیکھتے ہوئے اس کا تعلق عہد وسطیٰ میں گجرات کی مصوری کے طرز سے قایم کیا جا سکتا ہے۔

پلّو حکمرانوں نے جنوب بعید میں اس خلیج کو جو چٹانوں کو کاٹ کر عمارتیں بنانے اور پتھر کے مندروں کے فن تعمیر میں حایل تھی پُر کرنے کی کوشش کی ہے۔ پلّوؤں کے طرز تعمیر اور فن بت تراشی کو جنوبی ہندوستان کی کاریگری کی تاریخ کا ایک درخشندہ باب خیال کیا جا سکتا ہے۔ اس کا پہلا دور مکمل طور پر چٹانوں کو کاٹ کر عمارتیں بنانے کا ہے۔ اس دور میں دو قسم کی عمارتیں وجود میں آئیں۔ پہلی قسم میں ستون دار منڈپ آئے ہیں جو سبھی مہیندر ورمن اوّل کے عہد حکومت میں تعمیر کیے گئے۔ مہیندر ورمن اوّل نے اپنے عہد حکومت میں ایسے مندروں کی تعمیر کی ہمت افزائی کی جن میں اینٹ، لکڑی، دھات چونے و گارے کا مسالہ استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ دوسری قسم میں پہلی قسم کے مکان اور مندروں کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے منڈپ اور ایک سنگی مندر جو رتھ کہلاتے تھے شامل تھے۔ یہ سب نرسنگھ ورمن اوّل مہامل اور اس کے انتقال کے فوراً بعد اس کے جانشینوں کے زمانہ حکومت میں تعمیر ہوئے۔
مہیندر گروپ کے منڈپ سادہ ستون دار ہال ہیں جن کی پچھلی دیوار کو کاٹ کر ایک یا ایک سے زاید حجرے بنائے گئے ہیں۔ ستونوں کی قطار عمارت کے سامنے کے حصّے کی خصوصیت ہے۔ ہر ایک ستون سات فیٹ بلند ہے۔ ستون کا ایک حصہ مربع نما ہے۔ اور اوپر اور نیچے کی جانب دو فٹ کا کنارہ ہے۔ ستون کے وسط کے تیسرے حصہ میں کونوں کو اس طرح ترچھا بنایا گیا ہے کہ ایک حصہ مثبت پہلو بن گیا ہے۔ بھاری دیوارگیری ستون کے بالائی حصّے کا کام دیتی ہے۔ منڈگ پٹّو اور ترچناپلی کی ابتدائی مثالوں میں ستون کے اوپر کوئی کارنس نہیں پائی جاتی لیکن بعد میں اس کمی کو پورا کرنے کے خیال سے ایک بیلن نما سنٹے کو سانچے میں ڈھال کر جوڑ دیا گیا ہے۔ یہی صورت بیلورام میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس کے اور بھی بعد کی مثالوں میں مثلاً دلاونورمیں بیلن دار کارنس میں ایک نئی آرائش جسے "کودو" کہتے ہیں بنائی گئی ہے جو دراصل بدھ چیتیہ کی کھڑکی کی چھوٹی شکل ہے۔

پلّوؤں کے امتیازی طرز تعمیر کا پتہ ستونوں کی تکمیل سے چلتا ہے۔ ستون کی تختی اور بالائی حصوں میں شیر کے مجسّمے کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ستون کے بالائی حصہ کی آرائش کو اور بھی زیادہ خوبصورت

بنایا گیا ہے۔ اس ترقی کی بنا پر ستون جاذب نظر بن گیا ہے اور دوسرے گروپ کی تعمیرات میں جو مہامل گروپ کے نام سے مشہور ہے شامل کر دیا گیا ہے۔

اندا ولی (ضلع گنتور) میں چٹان کاٹ کر انت سین اور دوسرے غار مندر، نیز دریائے کرشنا کی تحتی وادی میں بیزواڑہ اور مغل راج پور وغیرہ کے یک سنگی مندروں کو مشرقی چالوکیوں کے طرز تعمیر کی ابتدا اور قطعی طور پر مہیندر ورمن کی حکومت کے بعد کے زمانہ کی تعمیرات تسلیم کرنا چاہیے اسی طرح اودے گری کے نزدیک بھیرو کونڈ کے غار مندروں کو جنھیں نیلور اور رکدا پا اضلاع کو الگ کرنے والی پہاڑی کی گھاٹی کے صابن جیسی چٹان کی کھدائی کے بعد حاصل کیا گیا ہے پلّو اور چالوکیہ طرز تعمیر سے مختلف سمجھنا چاہیے۔ یہ مندر بعد میں تعمیر کیے گئے ہوں گے اور انھیں یا تو مشرقی چالوکیوں نے یا اس علاقے کے تیلوگو چوڑوں نے تعمیر کرایا ہوگا۔

مہامل گروپ کی تمام تر مثالیں مامل پورم (مہابلی پورم) کے بندرگاہ شہر میں پائی جاتی ہیں۔ یہ سہتر مدراس کے جنوب میں تیئیس میل دور دریائے پالر کے دہانہ پر واقع ہے۔ عمارتی پتھر (گرینائٹ) کی سو فیٹ بلند پہاڑی کی پتھریلی پرت نے، پلوؤں کی حکومت کے ذہین سنگ تراشوں کی مقصد براری کی۔ یہ پہاڑی شمال سے جنوب تک آدھے میل لمبی اور چوتھائی میل چوڑی ہے اور کچھ دور اور جنوب کے جانب زمین سے ابھری ہوئی ہے۔ مامل پورم ایک معروف بندرگاہ رہا ہوگا۔ یہاں پر شاہی محلات، بازار، گودام اور جہازوں کے قیام کی جگہیں رہی ہوں گی۔ اس مقام کی غیر مذہبی عمارتیں جو جلد تباہ ہو جانے والے سامان سے تعمیر کی گئی ہوں گی اب ختم ہو چکی ہیں۔ لیکن ہال اور مجسمے جو قدرتی جہازوں کو کاٹ کر مذہبی رنگ کے ساتھ بنائے گئے تھے آج بھی باقی ہیں۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ مامل پورم جنوبی ہندوستان کی درآمد و برآمد کی منڈی رہا ہوگا۔ یہیں کی زبردست تہذیب کا اثر رہا ہوگا کہ انڈونیشیا اور ہند چین کی ہندو نوآبادیوں میں مقامی کی مخصوص شکل دی جا سکی ہوگی۔

دریائے پالر کے تازہ پانی کو شہر کے ہر حصہ میں سپلائی کرنے کے لیے ایک باقاعدہ تیار کیے گئے منصوبے کے واضح نشانات پائے جاتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ "گنگا ونرن" (پلیٹ آٹھ) کی کھلی ہوئی مورتی کو ایک عرصے تک "ارجن کا پراشچت" کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ یہ اس زمانہ کے فن بت تراشی سے متعلق تھی۔ یہ انتہائی طور پر بڑی مورتی جو کافی ابھری ہوئی بھی ہے۔ تقریباً تیس گز لمبی اور تیئس فیٹ بلند ہے۔ یہ کھڑی چٹان کے سمندر کے سامنے والے کنارے کو ڈھکے ہوئے ہے۔

چٹان کے بیچ میں ایک قدرتی دراڑ سے ایک آبشار جاری ہے جس میں ناگے اور ناگیاں کھیلتی نظر آتی ہیں۔ یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آبشار کا پانی انتہائی پاکیزہ ہے۔ آبشار کے دونوں جانب دیوتاؤں اور انسانوں اور ہر قسم کے جانوروں کے مجسمے ہیں۔ یہ سبھی پرستش کے جذبے کے تحت دراڑ تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں یا اس کی جانب منھ کیے ہوئے کھڑے ہیں۔ گراؤسٹ لکھتا ہے کہ "ہمارے سامنے ایک بہت بڑی تصویر ہے جو پتھر میں ڈھلی ہوئی ہے۔ یہ تصویر اپنی ترتیب کے لحاظ سے کلاسیکی فن کا شہ کار ہے۔ اس کی قوت رفتار کے خلوص کی بنا پر ساری خلقت کریم النفس پانی کی جانب کشاں کشاں نظر آتی ہے اور قدرت کے لیے اس کی گہری اور صاف ستھری محبت کا پتہ چلتا ہے۔ آبشار کے بائیں جانب ایک چھوٹا سا متبرک مقام ہے جس میں شو کی کھڑے ہوئے انداز میں مورتی ہے۔ اس مندر کے سامنے جھکے ہوئے انداز میں دبلے پتلے بھاگیرتھ کا مجسمہ ہے۔ اوپر کی تصویر میں بھی بھاگیرتھ کو ہاتھ اٹھائے تپسیا کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے جانوروں کے مجسموں میں دائیں جانب عظیم الشان ہاتھی اور ریاضت کیش بلی کا مجسمہ ہے۔ بلی بھاگیرتھ کی تپسیا کے انداز کی نقل کر رہی ہے اور چوہے پورے اطمینان اور اعتماد کے ساتھ اس کے پیروں میں کھیل رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ہرنوں کے ایک جوڑے کا مجسمہ ہے جو" سامنے کی ایک گپھا کے منھ سے قرب وجوار کا منظر دیکھ رہا ہے۔ اس کے بائیں جانب ایک بارہ سنگھے کا جیتا جاگتا مجسمہ ہے جو اپنے پچھلے پیروں سے اپنی تھوتھنی کھجا رہا ہے"۔ یہ سبھی مجسمے اہم اور قابل غور ہیں۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز اور استادانہ مہارت کا پتہ اس مجسمے سے چلتا ہے جس میں نر بندر اپنی مادہ کی جوئیں تلاش کر رہا ہے اور بندریا اپنے دو چھوٹے بچوں کو دودھ پلا رہی ہے"[1]

مامل پورم کی پہاڑی کے مختلف مقامات پر مہامل طرز تعمیر کے مجموعی طور پر دس منڈپ بنے ہوئے ہیں۔ مہندر گپھاؤں کی سادہ تعمیر کے مقابلہ میں ان منڈپوں میں بہت زیادہ ترقی دکھائی دیتی ہے۔ حالاں کہ ان میں کم و بیش وہی عام نوعیت اور تناسب پایا جاتا ہے۔ ساخت کے خیال سے ان میں کوئی بھی بڑا نہیں ہے۔ عام طور پر ان کے سامنے کا حصہ پچیس فیٹ چوڑا، پندرہ سے بیس فیٹ تک بلند (حجرے کو شامل کرتے ہوئے) پچیس فیٹ تک گہرا، نو فیٹ بلند ستون، اور زیادہ سے زیادہ ایک تا دو فیٹ چوڑے ہیں۔ منڈپ کا اندرونی حصہ مستطیل ہے جس کا ہر رخ پانچ تا دس

---

[1] انڈیا از گراؤسٹ (انگریزی ترجمہ) ص- 230-

فیشٹ ہے۔ ستون منڈپ کی مخصوص خصوصیات ہیں۔ ستونوں کی بیلن نما کارنس کے سامنے کا حصّہ کو دو ل سے مزین ہے۔ کارنس کے اوپر ایک منڈیر ہے جس پر دیوتاؤں کی چھوٹی چھوٹی مورتیاں بنی ہوئی ہیں جو باری باری سے لمبی اور چھوٹی ہیں۔ اندرونی حصہ میں دیواری ستونوں اور دیوار پر سانچے میں ڈھلی ہوئی چیزوں کی بنا پر افسانوی موضوعات کے مجسموں کے واسطے ایک مناسب جگہ حاصل ہو جاتی ہے۔ بعض بے حد ترقی یافتہ ستون جو مہشیا سور منڈپ اور وراہا منڈپ کے سامنے کے حصہ میں ہیں خاص طور پر خوبصورت معلوم ہوتے ہیں لیکن مہشا سور منڈپ کے اندرونی ستونوں کی دو قطاریں جن پر شیر کا مجسمہ بنا ہوا ہے۔ یہ دوسرے ستونوں کے نسبتاً زیادہ بہترین ہیں۔ ان ستونوں کی عمودی گہرائی کی لمبی دھاریاں، گردن (تاؤن) کا شاندار حصہ، تربوز (کبھ) نما بالائی حصّہ اور اس کے اوپر کنول (دابٹداں) اور چوڑی چوکی (پلگئی) وغیرہ مل کر پلّو راجاؤں کے زمانہ حکومت میں ستون بنانے کا طرز پیش کرتے ہیں۔ ابھری ہوئی مورتیوں میں درج ذیل قابل ذکر ہیں۔ وراہا گپھا میں سوریہ، درگا اور گج لکشمی کے وراہا اور وامن اوتار اور شاہی گروپ میں سنگھ وشنو اور مہیندر ورمن کے اپنی ملکاؤں کے ساتھ مجسّے شامل ہیں۔ ان مجسموں کا واضح ڈرامائی اثر نیز ان کی شکلوں کا تعین ان کا امتیازی کردار ہے۔ یہی سب کیفیت اس زمانہ کے بنے ہوئے دوسرے ابھرے ہوئے مجسموں میں بھی نمایاں ہے۔ ان دوسرے ابھرے ہوئے مجسموں میں مہیش منڈپ کے اندر اننت سانپ کی پلیٹ پر وشنو کو سوتا ہوا، درگا کی بھینسا راکشس مہیش کے ساتھ لڑائی اور پنچ پانڈو منڈپ میں کرشن کو گوور دھن پہاڑ اٹھاتے ہوئے دکھانا شامل ہیں۔

پانڈیہ دیش میں چٹان کاٹ کر بنائے گئے منڈپوں کی موجودگی کا سرسری طور پر ذکر بھی ضروری ہے۔ ان کی جانب ابھی تک کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی ہے لیکن یہ بلاشبہ پلّو منڈپوں کے ہم عصر تھے اور بہت کچھ اسی طرز پر بنے ہوئے ہیں۔ اس طرز کے منڈپوں کی نمایاں مثال مدبورا کے نزدیک ترپ پرن کندرم کے منڈپ میں دیکھی جا سکتی ہے جس کی دیواروں پر مورتیوں میں بنائے گئے مناظر ہیں۔ یہ منڈپ اچھے قدو قامت والے عہد وسطی کے سبرامنیہ مندر کے پیچھے چھپا ہوا ہے اور اس مندر کے گربھ گرہ کی ضرورت پوری کر رہا ہے۔ چٹانوں کو کاٹ کر بنے ہوئے منڈپوں کے سامنے تعمیر کردہ مندروں کی اور بھی مثالیں ہیں جن کی ہمیں واقفیت ہے۔ مثلاً چنگل پٹ ضلع میں سنگ پیرو مال کوئل کا منڈپ لیکن ابتدائی پانڈیوں کے زمانہ میں چٹان کو کاٹ کر بنایا ہوا سب سے خوبصورت مندر کلگ ملائی Kalugmalai میں ویتوران کوئل کا مندر ہے۔

"بادونیا" اور آدمی کے ساتھ کھڑا ہوا مندر اپنی ہی یادگار ہے۔" یہ اپنے مجسموں اور ان سے متعلق بیانات کے لیے بہت مشہور ہے۔

یک سنگی مندر جنھیں رتھ کہتے ہیں اور جنھیں عام طور پر سات پیگوڈاوں کے نام سے پکارا جاتا ہے اگرچہ بہت کچھ منڈپوں کے طرز پر بنے ہوئے ہیں لیکن واضح طور پر لکڑی کے دینی ڈھانچوں کی نقل ہیں اور ان میں لکڑی کی کاری گری کی تمام تفصیلات عمارتی پتھر میں دکھائی گئی ہیں۔ ان کا اندرونی حصہ نامکمل ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں کبھی استعمال بھی نہیں کیا گیا۔ مجموعی طور پر اس طرح کے آٹھ مندر ہیں۔ جنوبی گروپ کے منڈپ درو پدی، ارجن، بھیم، دھرم راج، اور سہدیو کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ اس گروپ کے تین اور منڈپ شمال اور شمال مغرب میں گنیش، پیداری اور ولی یالن کٹی کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ رتھ مندر عام طور پر معمولی قامت کے ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی بھی بیالیس فیٹ سے زیادہ لمبا پینتیس فیٹ سے زیادہ چوڑا اور چالیس فیٹ سے زیادہ اونچا نہیں ہوتا۔ درو پدی رتھ میں صرف ایک حجرہ ہے۔ یہ ایک چھپر والی جھونپڑی کی نقل ہے۔ اس کی بنیاد کو جانوروں کے مجسّمے مثلاً شیر اور ہاتھی باری باری سے سنبھالے ہوئے ہیں۔ باقی تمام رتھ وہار اور چیتیہ کی نقل ہیں۔ وہار قسم کے رتھ شکل میں مخروط نما ہیں۔ دھرم راج رتھ اس طرز پر اچھی مثال ہے۔ اس کے بیچ میں ایک مربع نما ہال ہے۔ اس کے نیچے ستونوں کا ایک برآمدہ ہے اور اوپر مخروط نما شکھر ہے اس کی کرسی میں ڈھلی ہوئی متعدد چیزیں ہیں اور اس کی برساتیوں میں شیروں کے ستونوں کی وجہ سے اس کے حسن میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ براؤن کہتا ہے کہ "اس طرح کا ڈیزائن صرف مؤثر طور پر بنا کر تیار ہی نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہ خوشگوار شکلوں اور صناعی کی امتیازی خصوصیات کا نمونہ بھی ہے۔ اس کے علاوہ یہ امکانی قوتوں سے بھی معمور ہے۔

بھیم، سہدیو اور گنیش رتھ چیتیہ کی طرح بنے ہوئے ہیں۔ یہ لمبائی میں کم اور چوڑائی میں زیادہ ہیں۔ ان کی دو یا اس سے بھی زیادہ منزلیں ہیں۔ اور نکونے کناروں والی پیپوں نما چھتیں ہیں۔ سہدیو رتھ محراب نما ہے۔ یہ طرز بعد کے بدھوں اور ابتدائی چول مندروں میں اختیار کیا گیا تھا۔ چول مندروں کی شکل کو مخصوص طور پر گج پرسٹھ یا ہاتھی کی پیٹھ کہا جاتا تھا۔ گنیش رتھ میں اس کی لمبائی کی جانب ستون دار ڈیوڑھی سے داخل ہوا جاتا ہے۔ ان رتھوں کی لمبائی کم اور چوڑائی زیادہ چھوٹی ہوتی جانے والی منزلوں پیپے نما چھتوں، کلسوں، اور نوکیلے کناروں کی بنا پر ہی بعد میں گوپروں یا مندروں میں داخل ہونے کے لیے میناروں کا نقشہ تیار کیا گیا ہوگا۔ یہ تمام رتھ

غو مندر ہیں اور ان کے بت یقینی طور پر منڈپوں کے بتوں کی طرح اعلا معیار کے ہیں۔ ان میں انسانوں اور دیوتاؤں کے بت بہت خوبصورت شکلوں میں بنے ہوئے ہیں۔ جانوروں کے مجسمے تو بہترین ہیں۔ ان بتوں میں دیوتاؤں کے چار اور دوار پالوں کے دو ہاتھ دکھائے گئے ہیں۔ بعض نامعلوم اسباب کی بنا پر ان یک سنگی رتھوں کو نامکمل ہی چھوڑ دیا گیا۔ اب ہم پلو طرز تعمیر کے دوسرے دور میں داخل ہوتے ہیں جن میں مکمل طور پر پتھروں میں ہی بنے ڈھانچہ والے مندر ہیں۔

ساخت سے متعلق یہ مندر دو زمروں میں رکھے جا سکتے ہیں۔ پہلا گروپ راج سنگھا (800 — 700) دوسرا نندی ورمن کا گروپ (900 — 800) ہے۔ پہلے گروپ کے مندروں کی چھ مثالیں ہیں۔ تین مامل پورم میں (سمندری ساحل پر ایشور اور مکند) ایک پنیاملی Panamalai (ضلع جنوبی روکاٹ) کیلاش ناتھ کا مندر اور کانچی پورم ویکنٹھ پیرومال کے دو مندر۔ ان میں قدیم ترین ساحلی مندر ہے (پلیٹ آٹھ) اس کی نفیس کاریگری اس بات سے ثابت ہوتی ہے کہ غیر محفوظ رہنے کے باوجود اس نے سمندر کی ہوا اور ریت کے حملوں کو برابر برداشت کیا ہے۔ مندر کی ساخت کا منصوبہ کسی قدر غیر معمولی ہے۔ اس کا مرکزی حصّہ (حجرہ) سمندر رخ ہے اور قریب قریب پانی کے کنارے واقع ہے۔ یہی سبب ہے کہ مندر کے دوسرے حصوں کو پیچھے کی جانب رکھا گیا ہے۔ مرکزی عمارت کو ایک بڑی دیوار گھیرے ہوئے ہے اور کھلے ہوئے صحن میں مغرب کی جانب سے داخلہ ہوتا ہے۔ اس مندر کے متبرک مقام کے مغربی سرے پر دو مزید مقدس مقامات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ بعد کا خیال معلوم ہوتا ہے ان میں سے ایک چھوٹا ومان ہے اور پہلی بار دیکھنے پر یہی اصلی داخلہ معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح مندر میں جو اضافے کیے گئے ہیں ان کی وجہ سے ساحلی مندر اور اس کے دو وِمانوں کی شکل غیر معمولی بن جاتی ہے۔ جو کسی حالت میں بھی ناخوشگوار نہیں ہے۔ اس مندر کی عمارتیں دھرم راج ارتھ کی عمارتوں کے مقابلے میں لازمی طور پر ترقی یافتہ ہیں۔ اس مندر میں اس تبدیلی کے لیے رعایت رکھی گئی ہے جو عام طور پر چٹان کو کاٹ کر صرف پتھر سے ہی تعمیر کیے گئے مندر میں واقع ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ خاص طور پر ومانوں کی تعمیر میں اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ دہار کا خیال ترک کر کے ایک ہلکے لیکن متناسب مینار کو ترقی دی جائے۔ دیواری ستونوں میں شیر کو جو امتیازی خصوصیت حاصل تھی۔ اس میں بھی واضح ترقی ہو گئی تھی۔ براؤن کے کہنے کے مطابق ساحلی مندر میں "کھڑا ہوا انقباضہ شہر جس کے اوپر دراوڑی کارنس ہے ہر ایک

زاویہ سے باہر نکلا ہوا نظر آتا ہے۔ اس شیر کے مجسموں کو پوری عمارت کی نچلی حصہ میں وقفہ کے ساتھ رکھا گیا ہے۔" بیرون احاطے میں نایاب حوض بنے ہوئے ہیں جن میں نالیوں کے ذریعہ پانی آکر گرتا ہے۔ پانی زیادہ ہو جانے پر سمندر میں واپس چلا جاتا ہے احاطہ کرنے والی شاندار دیوار کی منڈیر پر اکثر داں بیٹھے ہوئے بیلوں کے مجسمے ہیں اور باہری حصے کے چاروں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر صاف طور پر ڈھلے ہوئے شیر دار دیواری ستون ہیں۔ مغرب کے بے حد منقش دروازے سے منڈپ میں داخل ہوا جاتا ہے۔ لیکن اس وقت اس کی صرف بنیادیں ہی باقی ہیں۔

شو مندر کے کچھ ہی عرصہ بعد کانچی پورم کا کیلاش ناتھ مندر بنایا گیا ہوگا۔ یہ مندر زیادہ تر راج سنگھ کے عہد حکومت میں تعمیر ہوا ہوگا اگرچہ مندر کی واقعی تکمیل کا شرف اس کے لڑکے مہیندر ورمن اور اس کی ملکہ رنگ پتا کو حاصل ہے۔ مندر کی اصلی شکل میں اس کا متبرک مقام محرولی وماں ہے اور سامنے ایک الگ ستون دار بڑا ہال یا منڈپ ہے۔ مکمل مندر ایک مستطیل نما صحن سے جس کے چاروں طرف اونچی دیوار ہے گھرا ہوا ہے۔ اس دیوار میں چھوٹے چھوٹے حجرے بنے ہوئے ہیں۔ منڈپ اور مقدس مقام کو کئی صدی بعد ایک درمیانی اردھ منڈپ سے ملا دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس کا تمام حسن ختم ہو گیا ہے۔ معاون مقدس مقامات کے علاوہ اس کا خاص مقدس مقام اور وماں دھرم راج رتھ کے طرز کے مطابق تعمیر کیے گئے ہیں۔ معاون مقدس مقامات کی مجموعی تعداد سات ہے۔ یہ مقدس مقام کے ہر زاویہ پر ایک ایک اور ہر آزاد پہلو کے درمیان ایک معاون مقدس مقام بنا ہوا ہے ان کی وجہ سے مندر کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔ پلّو طرز تعمیر کی دل کو موہ لینے والی تمام خصوصیات اس مندر میں یکجا کر دی گئی ہیں۔ احاطہ کرنے والی دیوار کے اندرونی حصہ کے حجروں پر مصوری کے اب بھی نشانات باقی ہیں۔

"برجیوں کے ساتھ دیوار کی منڈیر پر کا ڈیزائن" منڈپ کے مضبوط ستون اور دیواری ستونوں کی کارنس پر شیروں کے مجسموں کی تکرار مندر کے ڈیزائن میں حیرت انگیز طور پر متناسب نظر آتے ہیں۔ ساحلی مندر کے نسبتاً اس مندر میں وماں کو مزید ترقی دی گئی ہے اور یہ اپنی جگہ پر ٹھوس اور بے حد متناسب بنا ہوا ہے۔ مہیندر ورمیشور کے بڑے معاون مندر کے پہلوؤں سے چھوٹے چھوٹے داخلے کے دروازوں کے" یوں خاص مندر کے صحن میں داخل ہوا جاتا ہے۔ داخلے کے یہ دروازے کچھ اس طرح بنائے گئے ہیں کہ گو پورم کے آغاز کا پتہ دیتے ہیں۔ کیلاش ناتھ مندر کے تعمیر کرنے والوں نے سامان کے بارے میں پہلے ہی کافی غور کر لیا تھا۔ انھوں نے بنیاد کے بے گرے نائٹ (عمارتی پتھر) کا انتخاب کیا تاکہ یہ زیادہ بوجھ برداشت کر سکے۔ انھوں نے بالائی منزل میں

ریتیلے پتھر کا استعمال کیا ہے۔ وقت کے ناساز گار تھپیڑوں نے مندر کی جگہ جگہ مرمت کو بہت ضروری بنادیا ہے۔ لیکن مرمت کرانے میں ہوشیاری سے کام نہیں لیا گیا ہے۔

پلوطرز تعمیر کی انتہائی پختہ کاری کی مثال ویکنتھ پیرومال (پلیٹ آٹھ بی) کا مندر ہے — یہ کیلاش ناتھ مندر سے تھوڑا ہی بڑا ہے۔ ویکنتھ پیرومال مندر کے مخصوص حصے مثلاً حجرے، برساتی اور متبرک مقام کوئی الگ عمارتیں نہیں ہیں بلکہ انھیں ڈھانچہ میں بہت خوبصورتی کے ساتھ شامل کردیا گیا ہے۔ مکمل مندر ایک اونچی باہری دیوار سے گھرا ہوا ہے۔ باہری حصہ سادہ مگر امتیازی خصوصیات کے موثر نقش ونگار سے آراستہ کیا گیا ہے۔ اندرونی حصہ میں چلنے کے لیے کھلے ہوئے راستے، حجرے اور شجر دار ستونوں کی قطاریں ہیں۔ یہاں پلوں کی تاریخ کے اہم واقعات کو مجسموں کے ذریعہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ برساتی مربع نما ہے۔ جس کا ہر پہلو ساڑھے اکیس فیٹ ہے۔ برساتی کی چھت آٹھ ستونوں پر ٹکی ہوئی ہے۔ یہاں سے ایک ڈیوڑھی مستطیل نما مرکزی حصہ میں لے جاتی ہے، جس کے اوپر وِمان اٹھا ہوا ہے۔ یہ وِمان منصوبہ کے مطابق مربع نما ہے اس کا ہر پہلو سینتالیس فیٹ ہے اور زمین سے ساٹھ فیٹ بلند ہے یہ چار منزلہ ہے اور ہر منزل کے باہری حصہ کے چاروں طرف راستہ ہے اس کے بالکل بیچ میں ایک اندرونی حصہ ہے اور ایک راستہ ہے جو طواف کرنے کے لیے دو منزلوں کو گھیرے ہوئے ہے۔

ساخت کے اعتبار سے پلووں کے مندروں کے دوسرے گروپ کو نندی ورمن گروپ کہتے ہیں۔ اس گروپ میں زیادہ تر چھوٹے مندر ہیں اور انھیں کسی طرح بھی گذشتہ دور کی کامیابی کی ترقی یافتہ شکل نہیں کہا جاسکتا۔ ان کی خاص مثالیں کانچی پورم میں مکیشور اور متنگیشور کے مندر ہیں جنگلی بت کے نزدیک اورگادام Orgadam میں وادالمیشور کا مندر ہے۔ ارکونم کے نزدیک ترونتی Trutuni میں ورتانیشور اور رینی گنتا کے نزدیک گڈی ملم میں پرمیشور امیشور کے مندر ہیں۔ اس گروپ کے ابتدائی مندر شاید کانچی پورم کے دونوں مندر ہیں۔ ان دونوں مندروں میں سے ہر ایک مندر میں داخلے کے لیے برساتی ہے جس کی چھت دو ستونوں پر ٹکی ہوئی ہے۔ اس گروپ کے بقیہ چار مندر محرابی ہیں اور غالباً مامل پورم کے سہدیو رتھ کے نمونہ پر تعمیر کیے گئے ہیں۔ یہ معمولی مندر پلو طاقت کے زوال کی شہادت دیتے ہیں۔ اس کے باوجود پلووں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ انھوں نے امراوتی کی روایتوں کو برقرار ہی نہیں رکھا بلکہ ترقی بھی دی۔ انھوں نے ان روایتوں کو سمندر پار ملکوں میں بھی پہنچادیا جہاں وقت گزرنے پر بڑی بڑی یادگاریں تعمیر کی گئیں جس کے

سامنے اپنے ملک کے فنِ تعمیر کی کامیاں پھیکی پڑ جاتی ہیں۔

مندروں کی تعمیر کے سلسلہ میں پلّووں کی فنِ تعمیر کی روایات چولوں کو وراثت میں ملیں اور انھوں نے انھیں برقرار بھی رکھا۔ انھوں نے اپنی سلطنت میں بے شمار پتھر کے مندر تعمیر کرائے لیکن دسویں صدی کے اخیر تک ان مندروں کی تعداد کوئی بہت زیادہ بڑی نہیں تھی۔ گیارھویں صدی کے شروع زمانہ میں مندروں کے شاہی ڈیزائن دیکھنے میں آتے ہیں لیکن ان کے برعکس دسویں صدی کے اخیر میں تعمیر شدہ مندروں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی تعمیر میں محدود وسائل اور تعمیر کے سلسلہ میں مقامی طور پر جو ترقی کی گئی اسے کام میں لایا گیا ہے۔ پورک کوٹئی ضلع میں غیر معمولی طور پر بڑی تعداد میں ابتدائی چول مندر پائے جاتے ہیں۔ ان مندروں کی ابھی تک حالت اچھی ہے۔ ان مندروں سے ان تمام مراحل کا بہ خوبی پتہ چلتا ہے۔ جن سے گذر کر بعد کے پلّو طرز تعمیر کو چولوں نے اپنا لیا۔ ان مندروں میں نارتا ملائی میں وجیہ آلیہ چولیشور کا مندر ہماری پہلی توجہ کا مستحق ہے۔ یہ مندر اس عہد کے پہلے چول بادشاہ وجیہ آلیہ کے زمانہ حکومت میں غالباً تعمیر ہوا ہوگا۔ یہ مغرب رخ ہے اور چولوں کے ابتدائی طرز تعمیر کی بہترین مثالوں میں سے ایک ہے۔ اس میں ایک غیر معمولی بات یہ ہے کہ مربع نما پرکار کے اندر ایک قطر نما اندرونی حصّہ ہے۔ اس اندرونی حصّے اور پرا کار کے اوپر ومان بنا ہوا ہے جس کے اوپر بتدریج چھوٹی ہوتی جانے والی چار منزلیں ہیں۔ ان میں تین نچلی منزلیں مربع نما اور سب سے اوپر کی منزل قطر نما ہے۔ اس کے بھی اوپر گیند کی شکل کا ایک شکھر اور سب سے اوپر ایک گول کلش ہے۔ سامنے دیواروں سے گھرا ہوا ایک منڈپ ہے۔ باہری دیواریں منقش دیواری ستونوں سے آراستہ ہیں اور ان میں چول طرز تعمیر کی تمام خصوصیات شامل ہیں۔ دیواروں میں طاق نہیں ہیں اور سب سے اوپر کی بڑھی کارنس کے نیچے بھوتوں کی تصویریں ایک آرائشی پٹی میں کھدی ہوئی ہیں۔ جو کارنس بھی تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کودوں سے مزین ہے جس میں انسان کے سر اور جانوروں کے مجسّمے شامل ہیں۔ یہ آرائش کناروں پر بہت دیدہ زیب ڈیزائنوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ کارنس کے اوپر شیروں (ویالاروں) کی آرائشی پٹّی ہے جو کناروں پر پہنچ کر گھڑیال کے سر کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ چھت کے اوپر کی منڈیر پر چھوٹے چھوٹے مقدس مقامات (پان جرم) ہیں۔ یہ کناروں پر مربع نما اور دوسری جگہوں پر مستطیل نما ہیں۔ وہاں کی نچلی منزلوں پر پان جرموں (مقدس مقامات) کا اعادہ کیا گیا ہے۔ سامنے منڈپ کے ستون اب بھی پلّو طرز میں بنے ہوئے ہیں۔ یہ ستون سب سے نیچے اور سب سے اوپر تو مربع نما اور بیچ میں ثبت پہلو ہیں۔ ان میں جو توڑا نکلا ہوا

ہے اس کی آرائش گول، قدرا ابھری ہوئی سادی اور متوسط پٹیوں سے ہے۔ داخلے کے خاص دروازے کی دیوار پر پھولوں کے خوش نما نقش ونگار بنے ہوتے ہیں۔ اس کے دونوں جانب پانچ فیٹ اونچے طاقوں کے اندر دو دوارپال ہیں جو ایک دوسرے سامنے کھڑے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کے جسم داخلے کے دروازے کی طرف آدھے مڑے ہوئے ہیں اور ایک پیر دوسرے پیر پر رکھا ہوا ہے۔ پلووں کے طرز تعمیر کے مطابق دوارپالوں کے دو ہی ہاتھ دکھائے گئے ہیں۔ خاص مندر کے چاروں طرف کھلے صحن میں چھوٹے چھوٹے سات ضمنی مقدس مقامات ہیں۔ ان سب کے رخ اندر کی جانب ہیں اور سب پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ یہ خاص مندر کی لازمی خصوصیات سے مشابہت رکھتے ہیں خاص مندر کے چاروں طرف سات یا آٹھ ضمنی مقدس مقامات رکھنے کا طریقہ ابتدائی چولوں کے زمانہ کی ہی خصوصیت تھی۔ آدیتہ اوّل کے عہد حکومت میں کنانور (پورک کوٹئی) میں بال سبرامنیہ کا مندر دوسرا مندر ہے جو اسی طرز کا بنا ہوا ہے۔ اس مندر کے متبرک مقامات کی چھتوں کے چاروں کونوں پر اور شکھر کے نچلے مکان میں نندی کی جگہ ہاتھی نے لی ہے کیونکہ ہاتھی سبرامنیہ کی سواری ہے۔

کمبکونم میں ناگیشور کا خوبصورت چھوٹا مندر کم وبیش اسی عہد اور طرز کا بنا ہوا ہے لیکن اس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کی بیرونی دیواروں کی طاقتوں میں بت پائے جاتے ہیں اندرونی حصّہ کے ہر پہلو کے مرکزی طاق میں عام طور پر دیوتاؤں کی مورتیاں ہیں۔ چنانچہ مغرب میں اردھ ناری، شمال میں بر ہما، جنوب دکشن مورتی کے بت رکھے ہوئے ہیں۔ دوسرے طاقوں میں مردوں اور عورتوں کے قدِآدم مجسمے ہیں جو بہت زیادہ ابھرے ہونے کی وجہ سے ٹھوس نظر آتے ہیں۔ ان کا انداز بھی بہت شاندار ہے۔ یہ قطعی طور پر مندر کے عطیہ دینے والوں یا اس زمانہ کے شہزادوں اور شہزادیوں کی تصویریں ہیں۔ اندرونی حصّہ کے دیواری ستونوں کے نیچے عمارت کی کرسی پر چھوٹے چھوٹے مربعوں میں پرانوں کے مناظر کو مورتیوں میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ مورتیاں زیادہ ابھری ہوئی نہیں ہیں اور سوناروں اور لکڑی کے کندہ کاروں کے فن کی یاد تازہ کرتی ہیں۔

مندروں کے طرز تعمیر کے ارتقا کے آئندہ دور کی کامیاب نمائندگی شری نواس نیلور (ضلع ترچناپلی) کے کورنگ ناتھ کا مندر کرتا ہے جو پرانتک اوّل کے عہد حکومت میں تعمیر کیا گیا تھا۔ مندر کا مجموعی رقبہ پچاس فیٹ ہے۔ اندرونی حصّہ مربع نما ہے اور ہر پہلو پچیس فیٹ ہے۔ سامنے کا منڈپ پچیس فیٹ لمبا اور بیس فیٹ چوڑا ایک مستطیل ہے شکھر کی بلندی پچاس

فیٹ ہے۔ اندر کی جانب ایک چھوٹا سا ہال ہے جس میں چار ستون ہیں۔ ایک ڈیوڑھی اور ایک راہمنہ ہے جو اندرونی ہال تک لے جاتا ہے۔ یہ اندرونی ہال بارہ فیٹ کا مربع نما بنا ہوا ہے۔ ہم اس طرح کی دوسری مثالوں میں دیکھ چکے ہیں کہ اوسطاً معمولی قدر کے مندروں کے مختلف حصوں میں عام طور پر سادگی برتی گئی ہے۔ آرائشی تفصیلات سے پرہیز کے سادہ سطحوں کو ترجیح دی گئی ہے۔ ستونوں سے شیروں کے مجسمے غائب ہو گئے حالاں کہ مناسب جگہوں پر بالخصوص آرائشی پٹیوں پر انھیں پیش کیا گیا ہے اندرونی ستون مخصوص طور پر چول طرز تعمیر کے مطابق بنے ہوئے ہیں۔ براؤن کے کہنے کے مطابق "اس میں اور پلو طرز تعمیر کی دو باتوں یعنی ایک تو ستون کی کارنس اور دوسرے اس کے اوپر چوکی میں فرق پایا جاتا ہے۔ ستون کے بالائی حصے میں گلے جیسے شکل کی چیز کو گردہ کر جوڑ دیا گیا ہے۔ یہ ستون کے عمود سے جا کر مل جاتی ہے اور اس طرح عمود کا بالائی حصہ سرستون کا ہی ایک ٹکڑا بن جاتا ہے۔ سرستون کے تحتی حصے میں ایک برتن یا کلش کی شکل کا ایک اور حصہ جڑا ہوتا ہے جہاں تک ستون کے بالائی حصے کے سرگوں کا تعلق ہے اسے مزید چوڑا کر دیا گیا ہے جس کی بنا پر یہ تختی پھول کی شکل (ابدل) کے ساتھ مل کر مندر کی تعمیر کا انتہائی طور پر قابل ذکر حصہ بن جاتا ہے، اندرونی حصے کی دیواروں کے باہری حصے کے وسطی طاقوں پر عام طور سے دیوتاؤں کی مورتیاں ہوتی ہیں۔ ان میں ایک مورتی دکشن مورتی کی ہے جو مندر کے جنوب میں ایک درخت کے نیچے اپنے عبادت گذاروں کے ساتھ بیٹھے دکھائے گئے ہیں۔ مغرب میں کھڑے ہوئے انداز میں وشنو کی مورتی ہے اور شمال میں کھڑے ہوئے انداز میں برہما کی مورتی ہے۔ دوسرے طاقوں میں بھی کھڑے ہوئے بت ہیں جو دوسرے لوگوں کے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ تمام مورتیاں ابھری ہوئی ہیں اور کاری گری کے بہترین نمونے پیش کرتی ہیں۔

کوڈمبالور (پوڈوکوٹئی) میں مورکوٹل کا مندر چولوں کا ابتدائی مندر ہے جو اپنے فن تعمیر، عمارتی نفاست اور اپنی مورتیوں کی خوبصورتی کے لیے قابل ذکر ہے اسے چول بادشاہ پرانتک دوئم کے ایک جاگیردار بھوتی وکرما کیسری نے دسویں صدی کے دوسرے نصف حصہ میں تعمیر کرایا تھا۔ اس مندر میں متعدد مقدس مقامات کے ساتھ ساتھ ایک مرکزی متبرک مقام بھی ہے جو تین وِمانوں سے مل کر بنا ہے۔ اس مندر سے ایک خانقاہ بھی ملحق تھی جس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری کالامکھ کے معلم ملک ارجن پر تھی۔ تینوں مرکزی متبرک مقامات اپنی اپنی کرسی پر اکیس فیٹ کے مربع ہیں۔ یہ ایک دوسرے سے دس فیٹ کی دوری پر واقع ہیں اور شمال سے جنوب کی

جانب ایک لکیر میں مغرب کی سمت رخ کیے ہوئے کھڑے ہیں۔ مرکزی اور جنوبی متبرک مقامات ابھی تک ٹھیک ہیں۔ لیکن شمالی متبرک مقام کی ڈھلی ہوئی کرسی باقی بچ گئی ہے ان میں ہر متبرک مقام کا ایک اٹھارہ فیٹ مربع نما اردھ منڈپ ہے۔ ان تینوں مقدس مقامات کے لیے آٹھ فیٹ کے فاصلہ پر ایک مہامنڈپ ہے جو شمال سے جنوب تک اکیانوے فیٹ اور مشرق سے مغرب تک اکتالیس فیٹ ہے۔ مہامنڈپ کے سامنے دو فیٹ سے بھی کم فاصلہ پر عین وسط میں نندی کا چھوٹا متبرک مقام ہے۔ یہ ایک مربع ہے اور اس کا ہر پہلو گیارہ فیٹ ہے۔ نند کے پاک مقام سے داخلے کے پاس دروازے کے درمیان پانچ فیٹ نو انچ کا مربع نما چبوترہ ہے۔ یہ یانو بالی پتھ یادھوج استمبھ ہے۔ مندر کے چاروں طرف درختوں کے جھنڈ سے ڈھکا ہوا راستہ ہے جس میں پندرہ ذیلی متبرک مقامات بنے ہوئے ہیں۔ یہ اصلی متبرک مقام سے رقبے میں چھوٹے ہیں لیکن اس سے پورے طور پر مماثلت رکھتے ہیں۔ یہ مقامات درج جگہوں پر واقع ہیں۔ ان میں سے دو تو مغربی دیوار کے داخلے کے دونوں جانب ہوئے ہیں۔ چار مقامات شمالی اور جنوبی دیواروں کے اندر کی طرف اور تین اصلی متبرک مقام کے پیچھے مشرقی دیوار پر بنے ہوئے ہیں۔ ان سب کو پتھر کی ایک زبردست دیوار جو تین یا چار فیٹ چوڑی ہے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس دیوار کے مغرب کی جانب داخلے کے لیے گوپر ہے۔ یہ کسی زمانہ میں اچھے قد و قامت کی عمارت ہوگی حالانکہ یہ خاص خاص و مالوں سے چھوٹی ہوگی۔ تحتی دروازہ چار فیٹ چھ انچ چوڑا ہے۔ شمالی مشرقی کونے پر داخلے کے لیے چار فیٹ کا ایک اور دروازہ ہے جہاں سیڑھیوں سے اتر کر دس فٹ قطر کے ایک پتھر کے کٹورے پر پہنچا جاتا ہے۔ تینوں مخصوص متبرک مقام پدم کوشوں کے مانند بنائے گئے ہیں۔ اس کے پائے کے تحتی حصہ ڈھالنے کے بعد پورے کنول کے پھول کی پنکھڑیوں سے مشابہ ہے۔ فن تعمیر کی دوسری خصوصیات بالکل دوسرے مندروں کے مانند ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں ہر چیز خوبصورتی سے بنائی گئی ہے۔ کارنس کے نیچے کنگوں کی آرائشی پٹی خاص طور پر اس وجہ سے دل چسپ بن گئی ہے کہ بت تراشوں نے اپنے بتوں کے انداز ان کے چہرے اور کام کرنے کے طریقوں میں نوعیت پیدا کر دی ہے۔ وہاں کی دیواروں اور پتھر کی سلوں پر شو کے مختلف روپ دکھائے گئے ہیں۔ ان میں اردھ ناری، وینا دھر، دکشن مورتی، گجاری، اندھکا سور سمہار مورتی، کرات مورتی، گنگا دھر، ہری ہر، اما برساون، چندر شیکھر، اور کالاری کے علاوہ چندر، سوریہ، اما، جیشٹھ، سپت ماترکوں اور موہنی کی مورتیاں قابل ذکر ہیں۔

راج راج اوّل اور اس کے لڑکے راجیندر کی ذہانت اور فتوحات کی وجہ سے مندروں کی تعمیر میں بڑی ہمت افزائی ہوئی۔ راج راج اوّل کے زمانہ حکومت کے شروع حصہ میں متعدد مندر جو مذکورہ بالا مندروں کے مقابلہ میں بڑے تھے لیکن پھر بھی اوسط قدو قامت کے تھے۔ اس کی روز افزوں سلطنت کے مختلف حصّوں میں تعمیر ہوئے۔ ان میں سب سے زیادہ شاندار مندر تنا دلی ضلع کے برہم ولیم مقام پر نرو الیشورم کا مندر ہے۔ یہ مندر اپنی مورتیوں کے حسن اور تفصیلات کے لیے اپنا ثانی نہیں رکھتا مندر کا گربھ گرہ مربع نما ہے اور اس کی کرسی کی آرائشی پٹی (پالی) میں دوسری جگہوں کے خلاف جہاں جانوروں کے نیم مجسّمے رکھے گئے ہیں یہاں ان کے پورے قد کے مجسّمے رکھے ہوئے ہیں۔ کارنس کے نیچے گن کی آرائشی پٹی بہت موزوں ہے اس میں رقص یا مسرت کے مختلف انداز میں مجسّمے پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں بعض تو تمسخر کے انداز پیش کرتے ہیں۔ ایسے مجسموں کے چہرے شیر کی طرح ہیں۔ ایسے آدمیوں کے بھی مجسّمے ہیں جن کے پیٹ بہت بڑے دکھائے گئے ہیں۔ چنانچہ رقص تمسخر اور موسیقی کے مختلف انداز بہت ظرافت کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ پوری کارنس میں کدووں کے درمیانی وقفوں میں بیلوں اور پتیوں کے خوشنما نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ کدُو آراستہ محرابیں ہیں جن کے اوپر شیروں کے منہ بنے ہوتے ہیں۔ وماناوں کی پہلی منزل میں مختلف طرح کے خوبصورت مجسّمے ہیں۔ یہ اس عہد کی فن بت تراشی کے مطالعہ کے لیے بہت دِل چسپ کی باعث ہیں۔ جنوب کی جانب وسط میں نٹ راج مورتی ہے اور بائیں جانب ورش ابھارو دھا اور گنگا دھر اور دائیں جانب دیر بھدر اور دیوی کی مورتیاں ہیں۔ مغربی کنارے کے عین وسط میں لنگودبھو اور دائیں اور بائیں پہلو میں وشنو اور برہما کی مورتیاں ہیں۔ بائیں جانب [illegible] ری مورتی اور کیرت مورتی ہیں اور دوسری جانب ایک دکشن مورتی اور اُما سہت کی مورتیاں ہیں۔ شمال کی جانب عین وسط میں گجاری کی مورتی ہے۔ اس کے بالکل دائیں طرف چندیش انوگرہ اور سکھاسن کی مورتی اور بائیں طرف سوما سکند اور ایک اور مورتی ہے جس کی شناخت نہیں ہو سکی ہے۔ اردھ منڈپ کے اوپر اینٹوں کی بنی ہوئی چوڑی منڈیر کی وجہ سے مشرقی کنارہ چھپ گیا ہے۔ ومان کی دوسری منزل میں گربھ گرہ کے باہری حصّہ میں چھوٹی چھوٹی خوبصورت مورتیاں پیش کی گئی ہیں۔ یہ مورتیاں گنوں، بالیوں، اور کارنسوں میں بھی ہیں۔ دوسری منزل کے اوپری حصہ میں لیٹے ہوئے چار بیلوں کے جیتے جاگتے مجسّمے ہیں یہ ہر کونے پر ایک نئے بنے ہوئے ہیں اور اپنا منہ باہر کی جانب

کیے ہوئے ہیں۔ وسط میں گریوا کے ساتھ ایک ہشت پہلو چبوترہ ہے۔ اس کے اوپر ابھری ہوئی آٹھ پسلیوں کا ایک گنبد نما شکھر ہے۔ گریوا کی مخصوص جگہوں پر طاق ہیں جن میں جنوب کی جانب کے طاق میں دیا کھیا دکشن مورتی، مغرب کی جانب طاق میں یوگ نرسنگھ کی مورتی، شمال میں برہما اور مشرق میں اندر کی مورتیاں رکھی ہوئی ہیں۔ بیحد منقش شکھر کے اوپر مہاپدم اور ہٹیکا ہیں اور ان کے اوپر استوپی ہے مندر کے سامنے کا اردھ منڈپ اسی زمانہ کی تعمیر ہے لیکن مہا منڈپ بعد میں غالباً راجیندر اول کے عہد حکومت میں تعمیر کیا گیا ہے۔ دیوی کا متبرک مقام اور بھی بعد کا بنا ہوا ہے۔ یہ غالباً تیرھویں صدی میں بنایا گیا ہوگا۔ نرووادی (ضلع تنجور) میں اترکیلاس کا متبرک مقام، ترچناپلی میں بمقام ترومل واڑی د بندناتھ کا مندر، دادا پورم (ضلع جنوبی ارکاٹ) میں شو اور وشنو کے جوڑواں مندر اور سری لنکا میں بمقام پولونروا شو دیوالیہ نمبر دو کا مندر راج راج کے عہد حکومت میں تعمیر شدہ چھوٹے چھوٹے مندر ہیں جو قابل ذکر ہیں۔ اگرچہ فنّ بت تراشی کے نقطۂ نظر سے ان میں سے کوئی بھی مندر نرودلیشورم کے مندر کے مانند نہیں ہے۔

تنجور اور گنگئی کونڈ شولاپورم کے دونوں شاندار مندروں میں چولوں کے زمانہ میں طرز تعمیر کی پختگی دکھائی دیتی ہے۔ تنجور کا بہترین شو مندر جو تقریباً 1009 (بلیٹ نوس) میں بن کر تیار ہوا۔ راج راج کے کامیاب عہد کی شایان شان یادگار ہے۔ یہ ہندوستان کے مندروں میں سب سے بڑا اور سب سے اونچا مندر ہے۔ یہ جنوبی ہندوستان کے فن تعمیر کے انتہائی عروج پر پہنچ جانے کی بنا پر ایک شہ کار ہے۔ دیواروں سے گھرے ہوئے پانچ سو فیٹ لمبے اور ڈھائی سو فیٹ چوڑے میدان کے بیچ میں ومان اردھ منڈپ، مہا منڈپ اور ان کے سامنے نندی کی بڑی نشستیں سبھی ایک قطار میں بنائے گئے ہیں۔ سامنے مشرق کی جانب داخلے کے لیے گوپُر ہے۔ احاطہ کرنے والی اونچی دیوار کے اندرونی حصّے میں ایک ستونوں والا استنہ ہے جو ان ذیلی متبرک مقامات کو ایک دوسرے سے ملاتا ہے جو مندر کے چاروں کونوں پر اور بیچ میں وقفے کے ساتھ اہم نقطوں پر بنائے گئے ہیں۔ پہلے گوپُر کے سامنے ایک دوسرا گوپُر بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ دوسرے باہری احاطے کے لیے داخلے کا دروازہ ہے۔ مندر کے پورے منصوبے میں نمایاں خصوصیت وہ شاندار ومان ہے جو مغرب میں گربھ گرد سے تقریباً دو سو فیٹ بلند ہے اور قرب و جوار کی تمام چیزوں پر چھایا ہوا ہے۔ اس کی عظمت اور حسن اس وجہ سے اور بھی دوبالا ہو جاتا ہے کہ اس کے حصّوں میں سادگی پائی جاتی ہے۔ ان حصّوں میں اس کی مربع نما عمودی بنیاد لمبا گاؤدم وسطی حصّہ اور سب سے زیادہ اس کی شاندار گنبد نما

کلش" شامل ہے۔ اس کی بنیاد مربع نما ہے جس کا ہر پہلو اٹھائیس فیٹ لمبا ہے اور عمودی شکل میں زمین سے پچاس فیٹ بلند ہے۔ اس کے اوپر مخروطی نما وسطی حصّہ ہے جس میں ایک کے اوپر ایک چھوٹی ہوتی جانے والی تیرہ صفیں ہیں۔ ان میں سب سے اونچی صف نی چوڑائی مندر کی بنیاد کی چوڑائی کی ایک تہائی ہے" اس طرح بنے ہوئے مربع نما پلیٹ فارم کے اوپر ایک برجی ہے جس کا اندرونی خم مندر کی ایک ہی تعمیر کی بنیاد پر جو بے کیفی پیدا کرتی ہے۔ اسے خوشگوار طور پر ختم کر دیتا ہے۔ اس کا پیاز نما گنبد ایک ہلکے مگر ٹھوس گلوب کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اس عظیم مندر کو جس طرح پایۂ تکمیل تک پہنچایا گیا ہے وہ اس کے بہت شایان شان ہے۔" سب سے نچلی عمودی حصّے کو ایک زبردست کارنس کے ذریعے دو حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور وہاں کا صرف یہی حصّہ مسطح ہے جو ان کی نمایاں خصوصیت ہے۔ کارنس کے اوپر اور نیچے کی دیواریں متعدد دیواری ستونوں کے سلسلے اور دوسرے طریقوں سے آراستہ کر کے دیوار کو خوبصورت نیز مناسب خانوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ہر خانہ کے بیچ میں ایک طاق ہے جس میں کسی موضوع پر تراشا ہوا اعلا معیار کا ایک مجسمہ رکھا ہوا ہے گاودم حصّہ کی ایک کے اوپر ایک گھٹتی جانے والی صفوں کی چپٹی لکیریں بنے ہوئے متبرک مقامات کی عمودی لکیروں کو کاٹتی ہوئی گذرتی ہیں اور اس طرح عمارتی تعمیر کا انتہائی خوبصورت تانا بانا بنتی ہیں"۔ اخیر میں گول برجی اور اس کے چاروں پہلوؤں میں طاق عمارت کے بیرون خاکے کے تحتی کو اس مقام پر ختم کر دیتے ہیں جہاں کہ اس کی ضرورت واقع ہوتی ہے"۔

مندر کا اندرونی حصّہ اندر کی جانب سے پینتالیس فیٹ کا ایک مربع ہے۔ اس کے چاروں طرف نو فیٹ کا تنگ طواف کرنے کا راستہ ہے۔ اس کے اندرونی دیواروں پر ابھرتی ہوئی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ یہ تصویر مندر کے سامنے کے حصّے کی تصویروں کے زمانہ کی ہی بنی ہوئی ہیں۔ تنجور کے نایک حکمرانوں نے بعد میں ان تصویروں پر ایک خاص قسم کا رنگ چڑھایا تھا۔ اندرونی حصّے میں ایک بڑا لنگ ہے جسے پہلے راج راجیشور اور اب برہدیشور کہتے ہیں۔ اپنی کرسی کے ساتھ اس لنگ کی اونچائی دونوں منزلوں کو گھیر لیتی ہے۔ اندرونی حصّے کے سامنے ایک عرض حصّہ بھی ہے جس میں داخل ہونے کے لیے شمال اور جنوب کی جانب سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ گربھ گرہ اور اردھ منڈپ کے دونوں طرف کی دیواریں متبرک مقام کی باہری دیواروں کی طرح دیواری ستونوں اور بڑے بڑے طاقوں سے مزین ہیں۔ متبرک مقام کے کمرے میں داخلے کے لیے دوہرے دوارپال طاقوں میں کھڑے ہوئے پہرہ دے رہے ہیں۔ عرضی حصّہ کی چھت کو چار چار پایوں کی دو قطاریں سہارا دیے ہوئے ہیں۔

عرضی حصّے کے سامنے اسی چبوترے پر اردھ منڈپ (یہ بھی ایک دو منزلہ عمارت ہے) ہے جس میں بھی دیواری ستون اور طاق ہیں۔ اس کے بعد مہامنڈپ ہے جس کے بیچ میں ستونوں کی قطاریں اور دونوں جانب بغلی راستے ہیں۔ مہامنڈپ کے سامنے ایک اور عرضی حصّہ ہے جس میں شمال اور جنوب کی جانب سے سیڑھیوں کے ذریعہ داخل ہوا جاتا ہے۔ اس مہامنڈپ کے مقابلے میں چھوٹا منڈپ جس کے سامنے سیڑھیاں ہیں بعد میں بنایا گیا ہے۔ اس کے سامنے کچھ گز کے فاصلہ پر نندی منڈپ ہے جس میں پتھر کی ایک ہی سل سے بنے ہوئے جنوبی ہندوستان کے سب سے بڑے سانڈ ہیں۔ اردھ منڈپ کی باہری دیواروں میں طاق ہیں جس میں دیوی اور دیوتاؤں کی مورتیاں رکھی ہوئی ہیں۔ یہ مورتیوں کے بارے میں معلومات رکھنے والوں اور نقادانِ فن کے لیے دلچسپی کا باعث ہیں۔ یہ مکمل مندر اپنی اونچی بنیاد کے ڈھلے ہوئے حصّوں سے لے کر چوٹی تک کی عمارت کے ٹھوس ہونے کے باوجود متناسب اور ترتیب اعضا کی لطافت کے خیال سے ایک بہت شاندار مثال ہے۔

راج راج کے لڑکے راجیندر کا بنوایا ہوا گنگئی کونڈ شولہ پورم کا مندر اس کے پیشتر تعمیر شدہ مندر سے سبقت لے جانے کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس مندر کے چاروں طرف کسی زمانہ میں جو شہر آباد تھا وہ اب نہیں ہے اور نہ وہ میٹھے پانی کا جھیل ہی باقی رہ گئی ہے جو چولوں کے دارالسلطنت کے قرب وجوار کی کسی زمانہ میں زینت تھی۔ اس وقت یہ مندر بیابان کی خاموش تنہائی میں کھڑا ہوا ہے اور اس کے نزدیک صرف ایک گاؤں کی مٹی کی جھونپڑیاں ہیں۔ تنجور کے مندر کے تقریباً بیس سال بعد اس مندر کی تعمیر بھی اسی ڈھنگ سے کی گئی۔ مندر کے نکھار سے راجیندر کے زمانہ حکومت میں چول سلطنت کی خوشحالی کا پتہ چلتا ہے۔ یہ مندر اپنے منصوبہ میں بہت زیادہ بڑا ہے حالانکہ یہ اتنا بلند نہیں ہے۔ وہاں کی کرسی سو فیٹ کا ایک مربع ہے جو ایک سو چھیاسی فیٹ اونچی ہے۔ مندر ایک مستطیل ہے جس کی لمبائی تین سو چالیس فیٹ اور چوڑائی ایک سو دس فیٹ ہے۔ یہ زبردست دیواروں کے احاطے کے اندر بیچ میں واقع ہے۔ مندر کی حفاظت کے خیال سے دیواروں کو مضبوط بنایا گیا تھا۔ یہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مندر کے جنوب مشرق کے گوشے میں ایک مستحکم اور مشرق میں نسبتاً چھوٹی برج بنی ہوئی ہے۔ مندر کے داخلے کا خاص دروازہ مشرق کی جانب ہے۔ اس کے بعد مہامنڈپ ہے۔ مہامنڈپ ایک پستہ قد عمارت ہے۔ یہ ایک سو پچھتر فیٹ لمبی اور پچانوے فیٹ چوڑی عمارت ہے۔ اس میں ایک سو پچاس سے زاید معمولی ڈیزائن کے ستون ہیں جو چار فیٹ بلند اور مضبوط چبوترے پر قطار میں کھڑے ہوئے ہیں۔ اس فلیٹ فارم کو بیچ میں ایک چوڑے راستے سے تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح ہر بال کے چاروں

طرف ایک تنگ راستہ ہے۔ مہا منڈپ اور متبرک مقام کے درمیان ایک عرضی حصّہ ہے جس کے شمال اور جنوب میں دروازے ہیں ۔ یہ دونوں دروازے کافی دنفہ کے ساتھ بغلی راستہ بناتے ہیں جن پر سیڑھیوں کے ذریعے پہنچا جاتا ہے۔ تنجور کے مندر کے مانند اس مندر کے بھی عرضی حصّہ میں ٹھوس مربّع نما کُل آٹھ ستونوں کی دو قطاریں ہیں۔

اس مندر کے وِمان کو تنجور کے مندر کے وِمان کے مانند بنایا گیا ہے۔ ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ تنجور کی تیرہ صفوں کے خلاف اس مندر کے گاودم وسطی حصہ میں صرف آٹھ ہی صفیں ہیں لیکن سب سے اہم فرق یہ پایا جاتا ہے کہ تنجور کے وِمان کو مضبوط سیدھی لکیروں کے بجائے یہاں پر ٹیڑھی لکیروں کو داخل کیا گیا ہے۔ اس مندر کے مخروطی نما وسطی حصہ کی بناوٹ قدرے پیالہ نما ہے اور کناروں کی لکیریں بھی ٹیڑھی ہونے کی وجہ سے محدب دکھائی دیتی ہیں۔ ان ٹیڑھی لکیروں سے وِمان کے حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے حالانکہ ان کی موجودگی کی وجہ سے عمارت کی شان و شوکت اور مضبوطی میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ تنجور اور گنگئی کونڈ شولہ پورم کے وِمانوں کے متعلق براؤن کی رائے ہے کہ ہر وِمان اپنے خالق کا مکمل خواب عمارتی ساخت کے وسیلے سے پیش کرتا ہے۔ ان میں سے ایک شعوری طور پر طاقت کو اور دوسرا خفیف شعور کے ساتھ حسن و لطافت کو اشاری طرز میں پیش کرتا ہے۔ دونوں ہی مندر روح پر قابو پانے والے جذبۂ الوہیت کے تحت تعمیر کیے گئے ہیں۔

تنجور کے مندر کے مانند اس مندر کی باہری دیواروں کو نقش و نگار اور مجسموں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ لیکن گنگئی کونڈ شولہ پورم کے مندر میں طرزِ آرائش زیادہ پُر تکلف ہے۔ وِمان کے شمال میں چندیشور کا متبرک مقام اسی طرز پر بنی ہوئی ایک چھوٹی عمارت ہے۔ جو اصل مندر کے ساتھ ہی بن کر تیار ہوئی۔ دیوی کا الگ مندر ہے۔ یہ درمیانی قد و قامت کا مندر ہے جس کے وِمان کی تعمیر میں تنجور کے نمونہ پر زیادہ قربت کے ساتھ عمل کیا گیا ہے۔ یہ خاص متبرک مقام کے کچھ ہی عرصہ بعد شاید بنایا گیا ہوگا۔

چولی طرزِ تعمیر ایک صدی تک فروغ پاتا رہا۔ اس طرزِ تعمیر کا اظہار متعدد مندروں میں کیا گیا لیکن ان سب کا ذکر کرنا یہاں ممکن نہیں ہے لیکن دو بڑے مندر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کا تقابل مذکورہ بالا دونوں مندروں سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ داراشورم (ضلع تنجور) کے ایراونیشور اور کمبکونم کے نزدیک، تربھوونم میں کمپ ہریشور کے مندر ہیں۔ ایراونیشور کا مندر اپنی بناوٹ کے لحاظ سے بہت شاندار ہے۔ یہ راج راج دوئم کے عہدِ حکومت میں فنِ تعمیر کی ترقی کا پتہ دیتا ہے۔ کمپ ہریشور

کا مندر کلوتنگ سویم کے زمانہ میں تعمیر ہوا تھا اور آج تک اسی طرح قایم بھی ہے۔ صرف معاون ڈھانچوں کی شکل میں کچھ اضافے بعد میں کیے گئے ہیں۔ ان دونوں مندروں کے طرز تعمیر اور مجسموں کی خصوصیات ان مندروں کے درمیان عام ہیں جو ان سے پہلے تعمیر ہوئے ہیں۔

چولوں کا عہد حکومت پتھر اور کانسے کے مجسموں کے لیے بھی مشہور ہے۔ ان میں متعدد مجسمے شاہکار بھی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ تنجور کے کتبوں میں ان بے شمار کانسی کے مجسموں کا گروپ وار ذکر ہے۔ یہ شودھرم سے متعلق متبرک روایات پیش کرتے ہیں۔ لیکن اب یہ دستیاب نہیں ہیں۔ دنیا کے عجائب گھروں اور جنوبی ہند کے مندروں میں اس زمانہ کے کانسی کے مجسموں کے جو نمونے بچ گئے ہیں ان میں مختلف شکلوں میں برہما سات مائیں، وشنو اور ان کی بیویاں لکشمی (پلیٹ گیارہ) اور بھو دیوی، رام اور سیتا (اپنے خدمتگاروں کے ساتھ) شو درویش (جن میں زیادہ تر سمندر کے مجسمے ملتے ہیں)، کالیہ ناگ پر شیر خوار کرشن کا رقص وغیرہ دوسرے مختلف موضوعات پر تراشے ہوئے مجسمے شامل ہیں۔ ان مجسموں کا تقابل مذکورہ بالا مختلف مکاتیب خیال کے تحت تراشے گئے پتھر کے مجسموں کے ساتھ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ عام طور پر بت تراش ان اصولوں کے تحت کام کرتے تھے جنھیں مجسموں کا حال لکھنے والوں نے وضع کیے تھے۔ یہ اصول ایک لمبے عرصے تک قایم روایات پر مبنی تھے۔ اس کے باوجود گیارھویں اور بارھویں صدی کے بت تراشوں نے آزادانہ طور پر کام کیا۔ اور ان کے مجسموں میں کلاسیکی لطافت، شان و شوکت اور ذوق کامل کا پتہ چلتا ہے۔ یہ فن اپنے کمال کے ساتھ ہم رقص کی۔ دیوتا نٹ راج (پلیٹ دس) کے مختلف مجسموں میں دیکھتے ہیں خواہ تروواسی (پربھامنڈل) کے گرد نورانی ہالہ ہے یا نہیں۔ نٹ راج دنیا کے اس دائرے کو بھرتے بھی ہیں اور اس کے باہر بھی جاتے ہیں اور رقص کے اس شہنشاہ میں ترنم بھی ہے اور انبساط بھی ہے۔ وہ اپنے دائیں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ سے ڈمرو بجاتے ہیں اور تمام مخلوق ان کی ترنم آمیز حرکت سے ان کی جانب کھنچی چلی آتی ہے اور ان کے ساتھ رقص کرنے لگتی ہے۔ ہوا میں لہرائی ہوئی ان کے گیتوں کی روایتی لٹیں اور ہوا میں اڑتا ہوا ان کا شانہ پوش کائنات کی رفتار کی تیزی کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ اور مادے کو اپنی قدیم شکل میں تبدیل کرکے سرمہ بنا دیتا ہے۔ اس کے بائیں ہاتھ میں سے ایک ہاتھ میں آگ ہوتی ہے جو کائنات کے اس چکر کو یا تو جلاکر خاکستر بنا دیتی ہے یا پھر تازہ روح پھونک دیتی ہے۔ دیوتا کا ایک پیر ایک راکشس کو کچل رہا ہے کیونکہ رقص مردہ لاشوں پر ہی کیا جاتا ہے ان کے دائیں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ ہمت بندھانے (ابھئے مدرا) کے انداز میں ہے۔ یہ انداز

اس قدر حقیقی ہے کہ کائناتی نقطۂ نظر سے دیکھنے پر عالمگیر عفریت ذہن کی سفاکی مستقبل کے تولیدی اصول کی شکل میں رحمت وکرم میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کانسی کے ان ایک سے زیادہ مجسموں میں نٹ راج کے چہرے پر ایک واضح مسکراہٹ ہے۔ نٹ راج زندگی اور موت، مسرت و غم ہر صورت میں مسکراتے ہیں یا اگر ہمیں یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ ان کی مسکراہٹ میں ہی زندگی اور مسرت اور غم دونوں ہی شامل ہیں۔ اس اعلا نظریہ سے دیکھنے پر ہر شے اپنی جگہ پر آجاتی ہے اور ہمیں غرض و توضیح اور قابل تسلیم مجبوری کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس جگہ فنکار فلسفیانہ تصور کی تحقیقی طور پر وضاحت کرتا ہے۔ ایک شکل میں ڈھلے ہوئے شعر کا حسن ایک مثالی ترنم سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ نٹ راج کے جو کئی ہاتھ دکھائے گئے ہیں وہ پہلی نظر میں کچھ الجھن میں بھرے معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ ایک اندرونی قانون کے تحت ہیں۔ ان کا ہر بازو اپنے حسن کا ایک نمونہ ہے چنانچہ نٹ راج کا مجسمہ اپنے فرط انبساط میں ایک گراں قدر ہم آہنگی کے ساتھ دلوں کو بے چین کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اس امر پر زور دینے کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ دیوتا کا رقص درحقیقت زندگی اور موت، تخلیق و تخریب کی ایک لیلا ہے جو یک لخت لامتناہی اور لاحاصل ہے۔ ان کے بائیں ہاتھوں میں پہلا ہاتھ ہیجان سا لاپرواہی کے انداز میں گج ہست (ہاتھی کے سونڈ کی طرح ہاتھ) کی طرح لٹکتا رہتا ہے اور آخیر میں جب ہم مجسمے کو اس کی پشت کی جانب سے دیکھتے ہیں تو کیا ہمیں ان کندھوں کی مستعدی نہیں دکھائی دیتی جو دنیا کو ہوا پر اٹھائے ہوئے ہیں اور کیا مشتری کے مجسمے کے دھڑ کی طرح عظمت و جلال نہیں دکھائی دیتا۔ یہ مجسمہ اپنی جگہ ثابت قدمی اور جوہر کے غیر متغیر ہونے کی علامت ہے۔ اور کیا پیروں کی گردش اپنی مضطرب رفتار میں مظہر فطرت کے گرداب کا نشان نہیں ہے؟

پانڈیہ حکمرانوں کے عہد حکومت میں معماروں نے مرکزی متبرک مقام سے اپنی توجہ ہٹا کر مندر کے باہری حصوں کی بناوٹ پر زیادہ زور دیا۔ متبرک مقام کے تقدس کو ظاہر کرنے کے لیے انھوں نے اس کی چہار دیواری میں داخلے کے راستوں کو بلند قامت میناروں کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اب داخلہ انہی میناروں کے دل نشیں پھاٹکوں کے ذریعہ ہوتا تھا۔ اس طرح بڑی تعداد میں گوپُر قایم کیے گئے جن کی بنا پر مجسموں سے آراستہ کرنے کے لیے ایک ذریعہ حاصل ہو گیا۔ عام طور سے گوپُر کی تحتی دونوں منزلیں عمودی ہوتی تھیں اور ٹھوس پتھر کو تراش کر بنائی جاتی تھیں۔ یہ اینٹ اور پتھر سے بنائے گئے مخروطی نما بالائی عمارت کے لیے مضبوط بنیاد ثابت ہوتی تھی۔ ان میں بعض گوپُر اپنے کھڑے ہوئے نشیبی پہلوؤں کے ساتھ خط و خال میں ٹھوس اور بے لوچ ہیں لیکن کچھ گوپُروں

کی بناوٹ قدرے ٹیڑھی اور پیالہ نما ہے جو تیزی کے ساتھ اوپر جاتے ہوئے بڑی شاندار معلوم ہوتی ہے۔ آخر الذکر گوپروں میں پھولوں کی نمائش بہت زیادہ ہے۔ پانڈیوں کے زمانہ میں ستونوں کی شکل میں بھی مزید ترقی ہوئی۔ اب آرائشی کور کے ساتھ ستون کا ایڈل اور بھی نمایاں ہوگیا۔ مورتی کو ڈھال کر للکن کی شکل دے دی گئی اور "پلگئی" کو اور زیادہ چوڑا بنادیا گیا۔ پانڈیہ حکمرانوں نے نئے مندر بنوانے کے بجائے خود کو تعمیر شدہ مندروں کی زیبائش اور باہری منڈپوں، مزید ذیلی متبرک مقامات اور گوپروں کی تعمیر میں مصروف رکھا۔ شری رنگم کے جزیرے پر واقع جمبوکیشور کے مندر کی دوسری چہار دیواری میں پانڈیوں کے زمانہ کے ابتدائی گوپروں کی ایک مثال دیکھنے میں آتی ہے۔ یہ بارھویں صدی کی تعمیرات ہیں لیکن ان میں اب بھی چول طرز تعمیر کی متعدد خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ جمبوکیشور کا مندر پانڈیہ گوپر اور چیدام برم مندر کا مشرقی گوپر بعد کے پانڈیہ طرز تعمیر کی کہیں زیادہ نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ دونوں تیرھویں صدی میں تعمیر کیے گئے تھے۔ پانڈیہ فن تعمیر میں عام طور پر آرائشی تفصیلات میں اضافہ کرکے اور زیادہ دل نشیں اثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ چول طرز تعمیر منضبط پختگی اور "وجیہ نگر کی انتہائی خوبصورت مگر غیر محتاط تعمیرات" کے درمیان عبوری دور کی علامت مانا جاسکتا ہے۔

سراون بیلگولہ میں خصوصی دل چسپی کی دو جین یادگاروں کا ذکر بھی ضروری ہے۔ ان دونوں کو گنگ راج 'راج مل چہارم کے وزیر چامندرائے نے بنوایا تھا۔ ان میں ایک "چامندرائے بساڑی" ہے۔ یہ چندر گری پہاڑی پر بنے ہوئے متعدد جین مندروں میں سب سے بڑا اور خوبصورت مندر ہے۔ اس مندر کے مشرقی رخ جو برساتی ہے اس کو شامل کرتے ہوئے اس کی لمبائی ستر فیٹ اور چوڑائی چھتیس فیٹ ہے۔ یہ مندر اپنی اصل شکل میں 980 میں بن کر تیار ہوا ہوگا جب کہ مندر اپنی موجودہ شکل میں چولوں کے بارھویں صدی کے طرز تعمیر کی مثال ہے۔ دوسری یادگار تیرتھنکر اوّل کے لڑکے گومت کا یک سنگی عظیم الشان مجسمہ ہے جو اندر بیت پہاڑی پر پینسٹھ فیٹ بلند ہے۔ یہ دیو قامت مجسمہ تقریباً 983 میں بنایا گیا ہوگا۔ اس تپسوی کو بالکل برہنہ کھڑے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ تپسوی مراقبے میں غرق ہے دیمک ان کے پیروں سے بلند ہو رہی ہے اور پودے ان کے جسم کے مختلف حصوں سے لپٹے ہوئے ہیں۔ کنارا میں ایک ہی پتھر کی سل سے بنے ہوئے دو مگر قدمیں چھوٹے مجسمے بنائے گئے تھے۔ ان میں سے ایک 1432 میں بمقام کار کیل چالیس فیٹ سے کچھ زیادہ اور دوسرا 1604 میں بمقام اینور تقریباً تیس فیٹ اونچا ہے۔ جنوبی ہند میں جین مندروں

کی ایک عام خصوصیت یہ ہے کہ مندر کے سامنے ڈھلی ہوئی سیڑھیوں کے چوڑی مربع نما بنیاد پر ایک ماں استھبہ کھڑا ہوا ہے۔ یہ ستون اپنے تحتی حصہ میں عام طور پر مربع نما ہے لیکن اوپر گول ہو جاتا ہے۔ اس پر سطحی دھاریاں ہیں جنھیں پہلو سے پٹیاں مقررہ دوری پر کاٹتی ہیں۔ ستون کی کارنس عام طور پر دھاری دار رواز کی شکل کی ہوتی ہے جو چوکی پر بنے ہوئے بالائی حصّہ کو سنبھالتی ہے۔ ہیں چوکی کو ایک خیالی بپھرے ہوئے جانور جس کے سر اور بازو عقاب کے سے اور جسم شیر کا سا تصور کیا جاتا ہے۔ سہارا دیے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض ارادا زطور پر کھڑے ہوئے ستون پچاس فیٹ سے زیادہ بلند ہیں اور فنکاری کے شاندار نمونے ہیں۔

مغربی دکن میں کلیانی کے چالوکیوں کے بنائے ہوئے مندروں میں وہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ جن کا اظہار انتہائی پختہ کاری کے ساتھ میسور میں ہویسلوں کے بنائے ہوئے مندروں میں کیا گیا ہے۔ ان مندروں میں داخلے کے لیے مخصوص دروازہ سامنے سے نہیں بلکہ اکثر پہلو سے ہوتا ہے۔ مندر کی باہری دیواروں کو تعمیری مقصد کے ساتھ معقول اور متناسب حلقوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے جو بہت خوبصورت اور اپنی حد کے اندر ہی دکھائی دیتے ہیں۔ ان مندروں کے و ماں ابتدائی چالوکیوں کے سادے سیڑھیوں دار مندروں اور ہویسلوں کی پاس پاس ڈھلی ہوئی صفوں کے درمیان ایک مصالحت دکھائی دیتی ہے۔ ستون کھراد پر بنائے جاتے تھے جن کے کارنس کے نیچے نکلے ہوئے کنارے چاقو کی دھار کی طرح تیز ہوتے تھے۔ داخلے کے لیے باہر کے پھاٹک اور متبرک مقام کے دروازوں پر بے حد نقش و نگار رہتے ہوتے تھے۔ گدگ کے نزدیک لکنو میں کاشیشور کے مندروں میں نولنگ (نو لنگ) اس طرز کی سب سے قدیم مثالیں ہیں۔ یہ شاید دسویں صدی کے اخیر میں تعمیر کیے گئے تھے، اگرچہ ان مندروں اہول اور پٹادکل کے ابتدائی چالوکیوں کے عہد کے مندروں کی بے شمار مثالیں جو چالوکیہ سلطنت میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں لک کنڈی کا کاشی وشو ویشور مندر اور اٹگی میں مہادیو اور کروتی میں ملک ارجن کے مندر اپنی نوعیت کے مخصوص مندر ہیں جو قابل ذکر ہیں۔

ہویسل مندروں کے بنانے والوں نے ہمیشہ باریک ذرات کا کالا عمارتی پتھر استعمال کیا جبکہ چالوکیوں نے اپنے ابتدائی زمانہ میں ریتیلے پتھروں کے بہت بڑے بڑے ٹکڑوں کو استعمال کیا تھا۔ عمارتی سامان کے استعمال کرنے میں تبدیلی آجانے کی وجہ سے میسور کے مندر کو خوبصورت طریقے پر ختم کر سکے اور مجسمے ادنا سے ادنا تفصیلات کے ساتھ تراشے جانے لگے۔ عام طور پر ہویسلوں کے بنائے

ہوئے مندروں میں ایک مرکزی عمارت ہوتی تھی جو دیواروں سے گھری ہوتی تھی۔ان دیواروں میں متعدد حجرے اور سامنے ایک ستون دار برآمدہ یا درختوں سے ڈھکا ہوا راستہ ہوتا تھا۔اصل عمارت میں ایک مرکزی حصہ ہوتا تھا جس کے سامنے ایک ڈیوڑھی ہوتی تھی جسے "سکھ ناسی" کہتے تھے۔یہ ستون دار ہال کو جسے "نونگ" کہتے تھے ملاتی تھی۔اس کے سامنے اکثر ایک کھلی ہوئی ستون دار شہ نشین ہوتی تھی جسے مکھیہ منڈپ کہتے تھے۔متعدد صورتوں میں ہوئیسل مندر اکہرے نہ ہو کر دوہرے ہوتے تھے۔مندروں کے تمام حصے دو دو کی تعداد میں ہوا کرتے تھے۔حقیقت تو یہ ہے کہ ان میں اکثر تین تین، چار چار اور کبھی کبھی پانچ پانچ حصے ایک سے بنے ہوتے تھے۔ان مندروں کی ایک اور قابل غور خصوصیت یہ تھی کہ متبرک مقام کی باہری دیواریں ستارہ نما ہوتی تھیں۔یہ دیواریں ایک اونچے پلیٹ فارم پر بنائی جاتی تھیں۔ان دیواروں کے پہلو اس عمارت کی لکیروں اور زاویوں کے متوازی ہوتے تھے جس کو یہ سہارا دیتے تھے اور یہ یا تو آگے کی جانب نکلے ہوئے ہوتے تھے یا پیچھے کی طرف ہٹے ہوتے تھے۔پلیٹ فارم مندر کے مقابلے میں زیادہ چوڑا ہے۔مندر کے چاروں طرف طواف کرنے کے لیے سطح زمین چھوڑ دی گئی ہے۔مندر کے اندرونی حصہ میں طواف کرنے کے لیے راستہ چھوڑنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔دیوار کی سطح پر بہت بڑی تعداد میں ایک کے اوپر ایک چپٹی آرائشی پٹیاں ہوتی تھیں۔ومان کی دیواریں تین مسطح حصوں میں بٹی ہوتی تھیں۔جب کہ ستون دار ہال صرف دو ہی حصوں میں بٹا ہوتا تھا۔لیکن ایک چوڑائی اور مسلسل کارنس عمارت کے دونوں حصوں کو متحد رکھتی تھی۔ان دونوں حصوں میں نو یا دس فیٹ اونچے اور تقریباً عمود نما پائے میں (پلیٹ نمبر تیرہ) آرائشی پٹیاں ہوتی تھیں جس میں جانوروں کے متعدد مجسمے بنے ہوتے تھے۔یہ صورت عمارت کے چاروں طرف پائی جاتی تھی۔ان پایوں کی تختی آرائشی پٹی میں عام طور پر ہاتھیوں کا جلوس ہوتا تھا۔اس کے اوپر گھوڑ سواروں کی پٹی ہوتی تھی جس میں تسلسل کے ساتھ پرانوں سے متعلق مناظر متاثر کن انداز میں بے حد تفصیلات کے ساتھ پیش کیے جاتے تھے۔اس کے اوپر یالیوں کی پٹی ہوتی ہے جس کے منھ سے پتیوں کے گچھے نکل رہے ہیں۔سب سے اوپر دوڑتے ہوئے کی پٹی ہے۔ستون دار ہال کا پایہ ایک "آسن" کے ذریعہ اوپر جاکر ختم ہوتا ہے۔اس کے اوپر مقررہ وقفہ کے ساتھ سانچے میں ڈھلی ہوئی چھڑوں کے ساتھ بابری ستون کھڑے ہوئے ہیں۔ان ستونوں کے درمیانی فاصلہ میں سوراخ دار پتھر کی مالیاں ہیں۔

ومان کے تین چپٹے حصے ہال کے دو حصّوں کے مقابلے میں زیادہ آراستہ ہیں۔تہ خانہ حصہ جو ہال کے ساتھ برابر چلا آتا ہے۔بالکل ویسا ہی بنا ہوا ہے اس کے اوپر ہال کے ستونوں اور جالیوں

سے مطابقت رکھنے والی چوڑی جگہ منقش طاقوں سے آراستہ ہے جن میں بتیوں دار چھجوں کے نیچے دیوتاؤں کے مجسمے رکھے ہوئے ہیں۔ ہر ایک مجسمہ کافی دیدہ ریزی کے بعد چھینی کے ذریعہ تراش کر بنایا گیا ہے۔ اکثر ان مجسموں میں بت تراش کے دستخط بھی موجود ہیں) یہ مجسمے بہت کچھ فنکاری کے نمونے ہیں۔ (پلیٹ باہ)
ان تمام مجسموں کا شاندار اثر عمارت کے ستارہ نما ساخت کی بنا پر اور بھی دوبالا ہوجاتا ہے خاص کر جبکہ یہ تراشے ہوئے رتن کے پکو کی طرح ہموار سطح بنائی ہے اور دھوپ چھاؤں کے مختلف اثرات پیش کرتی ہے نیچے مندر کے خاص حصے سے ایک چوڑی کارنس کے ذریعہ جدا کیا ہوا شکھر ستارے کی شکل کو برقرار رکھتا ہے۔ لیکن اس کے عمودی خطوط آرائشی حاشیہ کے متوازن ہوتے ہیں جس کی بنا پر مکمل مینار بتدریج گھٹنے والی صفوں کا ایک باضابطہ سلسلہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ ایک چھوٹے کلش میں جاکر ختم ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چوٹی پر ایک چھتری رکھی ہوئی ہے۔ ان سلسلہ وار صفوں میں سے ہر صف چھوٹے چھوٹے متبرک مقامات اور طاقوں سے مزین ہے۔

ستون اور اس کے بالائی حصے کی بناوٹ اس طرز تعمیر کی دوسری نمایاں خصوصیت ہے یک سنگ ستون کو خراد پر چڑھا کر بہت خوبصورت بنایا گیا ہے۔ اس کا پایہ مربع نما ہی چھوڑ دیا گیا ہے۔ دیوار گیری بھی ایک ہی ٹھوس پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ اس پر پتیاں اور سنہرے حلقے کے ساتھ خوبصورت مجسمے کندہ کیے ہوئے تھے۔ ان مجسموں کو "مدن کئی" کہا جاتا تھا۔ یہ مجسمے ایک اعلا پیمانہ کی صناعی سے اس طرح سنوارے گئے ہیں کہ ان کا تقابل وماں کے طاق کے مجسموں سے کیا جاسکتا ہے۔

ہویسلوں کے مندر اگرچہ بنیادی طور پر جنوبی طرز تعمیر کے ارتقا کا نمونہ ہیں لیکن یہ پتھر پر ہاتھی دانت یا سونار کی کاریگری کے مظہر ہیں (پلیٹ بارہ اور تیرہ) مجسموں کے زیورات، مختلف طریقوں سے سر کو ڈھکنے کے طریقے اور دوسری تفصیلات سے اس زمانہ کی معاشرتی زندگی کے بارے میں بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ سرنگا پٹم سے بیس میل کے فاصلہ پر سومناتھ پور کا کیشو مندر اس طرز تعمیر کی مکمل اور مخصوص مثال ہے۔ اس مندر کا صلیب نما بنا ہوا متبرک مقام تین حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ یہ ستاسی فیٹ لمبا اور تراسی فیٹ چوڑا ہے۔ مندر میں داخلے کے لیے مشرق کی جانب صرف ایک ہی دروازہ ہے۔ متبرک مقام چونسٹھ حجروں سے گھرے ہوئے مستطیل نما احاطے کے اندر ہے۔ مکمل احاطہ دو سو پندرہ فیٹ لمبا اور ایک سو ستر فیٹ چوڑا ہے۔ مندر کے تمام حصوں میں توازن ہے اور اس بڑی حد تک متناسب بنے ہوئے ہیں کہ کوئی بھی حصہ نہ تو بے محل معلوم ہوتا ہے اور نہ آنکھوں کو ہی کھٹکتا ہے۔ حالاں کہ یہ تینوں ستارہ صورت مینار صرف تیس فیٹ بلند ہیں لیکن بقیہ عمارت سے مکمل طور پر مطابقت

رکھتی ہیں۔

بیلور کے مندروں کے گروپ میں مندر زیادہ بڑے اور قدیم طرز کے بنے ہوئے ہیں۔ یہ تقریباً 1117ء میں بنائے گئے ہیں۔ ان مندروں کے بیچ میں چینا کیشو کا مندر واقع ہے اس مندر کی بالائی منزل اب باقی نہیں رہ گئی ہے۔ لیکن یہ اپنی مکمل شکل میں دوسرے مندروں سے حسن و لطافت میں یقیناً سبقت لے جاتا ہوگا۔ اس میں ستونوں والے ہال کے آزاد پہلوؤں کی جانب داخلے کے لیے تین دروازے ہیں" جہاں سیڑھیوں کے ذریعہ پہنچا جاتا ہے۔ اس کے پہلو میں پیگوڈا کی طرح بنا ہوا متبرک مقام ہے۔ یہ فن تعمیر کی ایک کارآمد مثال ہے" سنگ تراش نے سب سے زیادہ توجہ ہال کے مخصوص ستونوں اور طاقوں والی چھت پر مبذول کی ہے۔ ہال بانوے فیٹ لمبا اور اٹھہتر فیٹ چوڑا ہے۔ ستونوں کی مجموعی تعداد چھیالیس ہے۔ مرکز کے چار ستونوں کے علاوہ تمام ستونوں کی بناوٹ میں فرق ہونے کے باعث ان کی پنج رنگی اور پیچیدگی حیرت انگیز ہے۔ ہر ستون پر لازمی طور سے جداگانہ فنکار اور اس کے مددگاروں کی بنی ہوئی کاریگری رہی ہوگی۔ اور اس بنا پر ماہرین فن کے درمیان مقابلے کا جذبہ کارفرما رہا ہوگا۔

ہالے بِڈ Halebid میں ہویسلیشور کا مندر شاید اس طرز تعمیر کی سب سے بڑی کامیابی تھی گو کہ اس کی موجودہ تباہ حالت کو دیکھ کر جس میں اس کی بالائی منزل پوری طور پر گر چکی ہے۔ اس کی اصلی حالت کے بارے میں خیال کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس بڑے مندر کا منصوبہ سرسنگھ اوّل کے ماہر تعمیرات کید روج نے تیار کیا تھا اور یہ مندر امور عامہ کے افسر اعلا کیتمل Ketamella کی زیر نگرانی تعمیر کیا گیا۔ مندر کے دو حصے ہیں جو ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور پہلو بہ پہلو بنے ہوئے ہیں۔ یہ کنارے کے عرضی حصوں کے ذریعہ جڑے ہوئے ہیں۔ ہر ایک کی ایک سو بارہ بارہ فیٹ لمبائی اور سو فیٹ چوڑائی ہے۔ مندر کے باہری حصہ پر بے شمار خوبصورت مجسموں کی وجہ سے یہ مندر دنیا کی سب سے زیادہ قابلِ ذکر یادگار ہے اور اپنے مجسموں کے ذریعے مذہبی جذبات کی ترجمانی کے لیے لاثانی خزانہ بن جاتا ہے"

کلنگ سلطنت (اڑیسہ) میں نویں صدی سے بارویں صدی تک شمالی ہندوستان کے طرز تعمیر پر متعدد مندر تعمیر کیے گئے۔ بھوونیشور میں ان مندروں کا خاص گروپ ہے جس میں چالیس سے زیادہ مندر ہیں۔ اس مندر سے پچاس میل کے اندر اس جگہ کے دو اور بڑے مندر یعنی پُری میں جگناتھ کا مندر اور کونارک میں سورج کا مندر ہے۔ یہ دونوں مندر بہت مشہور ہیں۔ ضلع گنجم کے ساحل پر سکھ لنگم کے جنوب میں مندروں کا ایک چھوٹا گروپ ہے۔ مکھ لنگم میں مندروں کا سلسلہ سب سے قدیم خیال کیا جاتا ہے۔ ان کی تعمیر اگر اور پہلے نہیں تو نویں صدی میں ہوئی ہوگی۔ کیونکہ ان

کی خصوصیات کا تعلق بلاشبہ ابتدائی چالوکیوں کے دکن کے مندروں سے قایم کیا جاسکتا ہے۔اس گروہ کے مندروں کی نمایاں مثال مکوگنگیشور کا مندر ہے جس میں پانچ متبرک مقامات ہیں۔ان میں ایک متبرک مقام بیچ میں اور بقیہ چار چھوٹے چھوٹے متبرک مقامات چاروں کونوں پر ہیں۔مندر کی آرائش میں چالوکیہ اور گپت بادشاہوں کے اثرات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

اڑیسہ کے مندروں میں مقدس مقام (عام طور پر ایک مربع نما عمارت ہوتی ہے) عام طور پر "دے ال" کہلاتا ہے۔اس کے سامنے کے مجلسی ہال کو "جگموہن" کہتے ہیں۔بڑے بڑے مندروں میں دو اور بھی حصے ہوتے ہیں۔ان میں ایک نٹ راج مندر یا رقص کرنے کا کمرہ ہوتا ہے جو جگموہن کے سامنے واقع ہوتا ہے۔دوسرا حصہ بھوگ مندر ہوتا ہے جو نٹ مندر کے سامنے بنا ہوتا ہے۔یہ دونوں حصے ایک ہی خط پر قایم ہوتے ہیں۔یہ دونوں ہال ایک چبوترے پر بنے ہوتے ہیں اور یک منزلہ ہوتے تھے۔نچلی حصہ مکعبی شکل کا ہوتا تھا اور اس کے اوپر مخروطی نما چھت ہوتی تھی۔ان حصوں میں ستون نہیں ہوتے تھے۔بڑے بڑے کمروں میں جہاں مخروطی نما چھت کا بوجھ برداشت کرنے کے لیے کسی سہارے کی ضرورت ہوتی تھی تو وہاں پڑے چھت کی مربع نما شکل کے تحت ہر کونے پر شہتیر کو سہارا دینے کے لیے چار ٹھوس پائے دے دیے جاتے تھے۔اڑیسہ کے مندروں کی ایک یہ بھی خصوصیت ہوتی تھی کہ اندرونی حصہ بالکل سادہ لیکن اس کے برعکس باہری حصہ بے حد منقش ہوتا تھا۔

بھونیشور میں پرشورامیشور اور ویتال دے اُل کے مندروں کی دو ابتدائی مثالیں ہیں جن کی مدت تعمیر 750 سے 900 کے درمیان ہوگی۔یہ دونوں مندر بہت اہم ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے طرز تعمیر کی ابتدا اور اس کی وابستگی کا پتہ چلتا ہے۔پرشورامیشور کے مندر میں ایک "دے اُل اور ایک جگموہن" ہے۔مندر کی کل لمبائی اڑتالیس فیٹ ہے۔دے ال پر بنے ہوئے شکھر کی بلندی چوالیس فیٹ ہے۔ہال نیچا اور مستطیل نما ڈھانچہ ہے جس کی چھت دوہری ہے۔اس کی آتوقیاں سادہ اور بھاری ہیں۔اس کے تینوں کھلے ہوئے حصوں میں ایک ایک دروازہ ہے۔مندر کے وسطی حصہ کی چھت کو جو کناروں کے راستے سے قدرے اونچی ہے سنبھالنے کے لیے اندرونی حصہ میں تین تین ستونوں کی دو قطاریں ہیں۔اصلی "دے ال" پرانا ہو جانے کی وجہ سے گر گیا ہوگا اور بعد میں تعمیر کیا گیا ہوگا جیسا کہ اس کے اور ہال کے جوڑ اور دونوں عمارتوں کی دیواروں مجسموں کی نوعیت میں فرق سے ظاہر ہوتا ہے۔شکھر کی شکل نامکمل ہے۔مغرب کی جانب دروازے کے دونوں طرف پتھر کے جنگلے ہیں جن میں ساز کے ساتھ ناچنے اور گانے والے مردوں

اور عورتوں کے مجسمے ہیں جو بت تراشی کے اچھے نمونے ہیں ۔ عمارت کی تعمیر میں پتھروں کی بڑی بڑی سلوں کو استعمال کیا گیا ہے لیکن ان سلوں کو جوڑنے کے لئے گارے، چونے ، یا کسی اور جوڑنے والی شئے استعمال نہیں کی گئی ہے۔ یہ اور بعض دوسری خصوصیات کی بنا پر اس مندر کا تعلق ایک طرف تو ایہول میں واقع ابتدائی چالوکیوں کے مندروں سے معلوم ہوتا ہے اور دوسری طرف دروازے کے ساتھ ستون اور پھول پتیوں سے ان کی کارنس کی آرائش کے طریقہ سے گپت عہد کے فنّ تعمیر کا اثر معلوم ہوتا ہے ۔

دیئل کے" دے ال" کا شکھر اپنی پیپے نما چھت اس کے جگموہن کے کناروں پر واقع چھوٹے چھوٹے ضمنی متبرک مقامات (جن کی وجہ سے یہ فی الواقع بالکل نیا "پنچائے تن" مقدس مقام بن جاتا ہے) اور تمام حصوں کے لیے قابل ذکر ہے ۔ یہ ایک چھوٹی عمارت ہے جو پیمائش میں اٹھارہ فیٹ لمبی ، پچیس فیٹ چوڑی اور پینتیس فیٹ اونچی ہے ۔ یہ شمالی اور جنوبی ہند کے طرز تعمیر کی خوشگوار آمیزش کا نمونہ ہے ۔

بھوونیشور کی بیرونی حدود میں واقع مکلیشور کا چھوٹا مندر (975) اور بھوونیشور میں واقع لنگ راج (1000) اور پری میں واقع جگناتھ (1100) کے مندر دوسری مدت کے نمونے ہیں مکلیشور کا مندر قدیم طرز تعمیر میں زبردست ترقی کا مظہر ہے ۔ یہ اس علاقہ کے ان چند مندروں میں سے ہے جن میں اندرونی حصہ کو مجسموں سے آراستہ کیا گیا ہے ۔ لنگ راج کا مندر (پلیٹ چودہ) پانچ سو بیس فیٹ لمبے اور چار سو پینسٹھ چوڑے ایک بڑے جو گوشہ مربع نما اور احاطے کے عین وسط میں واقع ہے ۔ اس کے چاروں طرف ایک بلند اور بھاری دیوار احاطہ کیے ہوئے ہے ۔ اندرونی حصہ میں ایک پلیٹ فارم ہے جسے ضرورت واقع ہونے پر دفاع کے لیے استعمال کیا جاسکتا تھا ۔ احاطے کے متعدد چھوٹے چھوٹے مقدس مقامات ہیں ۔ جو مرکزی مندر کے ہم شکل بنے ہوئے ہیں ۔ لنگ راج میں ایک بڑے مندر کے تمام حصے شامل ہیں حالانکہ نٹ مندر اور بھوگ مندر کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے ۔ اس مندر کی امتیازی خصوصیت اس کا عظیم شکھر ہے جو "دے ال" کے اوپر بنا ہوا ہے ۔ یہ شکھر ایک سو پچیس فیٹ بلند ہے اور اپنے حجم کی وجہ سے سارے شہر پر چھایا ہوا ہے ۔ مندر کی بیرونی دیوار کی زیبائش توجہ کھینچ لیتی ہے اور فنکاروں کی زرخیز اختراعوں کا کافی ثبوت فراہم کرتی ہے ۔

پُری میں جگناتھ مندر کی تعمیر تقریباً (1100) میں اننت ورمن چوڈگنگ نے شروع کی لیکن ایک طویل مدت کے بعد ہی مندر کی تکمیل ہو سکی ۔ جگناتھ پری کا مندر بھی لنگ راج مندر

کے منصوبے کے مطابق ہی تعمیر کیا گیا۔ اس مندر کے بھی ایک ہی خط میں چار حصے بنے ہوئے ہیں۔ اس کی انتہائی لمبائی تین سو دس فیٹ اور چوڑائی اسی فیٹ ہے۔ مینار دو سو فیٹ بلند ہے چونکہ یہ مندر ایک ٹیلے پر بنا ہوا ہے اس لیے اس کا اونچا شکھر اپنے قرب و جوار میں کئی میل تک ایک امتیازی نشان کی طرح کھڑا ہوا ہے۔ اپنے مناسب حصوں کے علاوہ یہ لنگ راج کے مندر سے جس کی یہ قریب قریب نقل ہے کوئی بہتر نہیں معلوم ہوتا۔ سمندری ہواؤں کے تھپیڑوں نے اس مندر کی وقتاً فوقتاً مرمت کو لازمی بنا دیا جس کی بنا پر اس کی اصل شکل و شباہت ہی بدل گئی ہے۔ نٹ مندر ایک بڑا مربع ہے جس کا ایک پہلو اسی فیٹ ہے، اس کی چھت سولہ ستونوں کی چار چار کی قطاروں پر ٹکی ہوئی ہے۔ اس کا ستون دار ہال اڑیسہ کے مندروں میں اپنی ایک مثال ہے۔ اصل مندر کے اردگرد کوئی بیس یا چالیس چھوٹے چھوٹے مقدس مقامات ہیں مندروں کا گروپ تین متحد المراکز دیواروں سے گھرا ہوا ہے جنھیں "تین ہار" کہتے ہیں۔ اس کے ہر پہلو کے مرکز میں داخلے کے لیے دروازے ہیں۔ داخلے کے ان دروازوں کی ایک ٹھوس عمارت ہے جس کی چھت مخروطی ہے۔ ان دروازوں کی جنوبی ہند کے گوپُروں سے کوئی مشابہت نہیں پائی جاتی۔

اڑیسہ طرز تعمیر کا بڑا اور آخری عہد (1100 سے 1250) میں اوسط قد و قامت کے متعدد مندر تعمیر کیے گئے۔ یہ مندر اپنی شکل و شباہت اور آرائش کے نقطۂ نظر سے بے حد خوبصورت ہیں۔ بھوونیشور میں کم از کم ایک درجن مندر ایسے ہیں جن میں مندر کے دو ہی ضروری حصے یعنی "دے اُل" اور جگموہن ہی بنے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک مثال اننت واسدیو مندر کی قابل غور ہے جس میں نٹ مندر اور بھوگ مندر کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔ اس طرح مندر کی لمبائی ایک سو پچیس فیٹ چوڑائی چالیس فیٹ ہو جاتی ہے۔ اس کے مینار کی بلندی اڑسٹھ فیٹ ہے چونکہ پوری عمارت ایک ٹھوس چبوترے پر بنی ہوئی ہے اس لیے یہ دیکھنے میں بہت متاثر کن ہے۔ راج رانی کے ایک دوسرے مندر میں "دے اُل" کو مکمل کر دیا گیا ہے لیکن اس کے جگموہن کے نامکمل رہ جانے کے بعد بھی اس زمانہ کے بت تراشوں کے فنی طریقے اختیار کرنے کے بارے میں بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مکمل "دے اُل" اپنے خط و خال اور جھکاؤ اور مینار اپنی زیبائش کی وجہ سے بہت خوبصورت دکھائی دیتا ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ شکھروں کی آرائش کا جو نیا طریقہ شروع کیا گیا اس کی اور زیادہ ترقی وسط ہند کے مندر کھجوراؤ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ راج رانی مندر کا "دے اُل" سامنے بنے ہوئے ہال سے ترچھا بنا ہوا ہے جو اڑیسہ کے مندروں کی ایک غیر معمولی ترتیب معلوم ہوتی ہے۔

کونارک میں سورج کا مندر بلاشبہ اس دور کا عظیم ترین کارنامہ تھا۔ یہ مندر سمندر کے ساحل سے شمال مشرق کی جانب پُری سے تقریباً بیس میل دور واقع ہے۔ اسے راجہ نرسنگھ دیو (63-1238ء) نے بنوایا تھا۔ مندر کے کھنڈروں کا ڈھیر جسے مخروطی شکل کا کالا مندر کہتے ہیں اس علاقہ کا ایک امتیازی نشان بن گیا ہے۔ یہ مشکوک ہے کہ اس مندر کی کبھی تکمیل بھی ہو سکی۔ کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھاری بالائی منزل کے مکمل ہونے سے پہلے ہی اس کی بنیادیں دھنسنے لگی تھیں۔ براؤن کا بیان ہے کہ اس مندر کا تصور ایک غیر معمولی ذہین نے کیا تھا۔ لیکن اس کی تکمیل کے ذرائع اس کی شان وشکوہ کے مقابلے میں کم پڑ گئے۔ ۔ ۔ بہر کیف یہ ایک شاندار ناکامیابی تھی کیونکہ اس کے کھنڈرات کو دیکھ کر دماغ پر بغیر زور دیے اس نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے کہ یہ ہندوستان کے ماہر فن معمار کی عمارتی تعمیر کے سلسلہ میں ایک نفیس ترین کوشش ہے۔" مکمل مندر ایک پہیے دار رتھ کی شکل میں بنایا گیا ہے جسے سورج کے چار گھوڑے کھینچ رہے ہیں۔ بہت بڑے چبوترے کے دونوں جانب تقریباً دس فیٹ اونچے بارہ بڑے بڑے پہیے ہیں اور سامنے کی چوڑی سیڑھیوں کے کنارے جھولوں سے مزین سات گھوڑے ہیں۔ یہ گھوڑے اپنے حد سے زیادہ بھاری بوجھ کو کھینچنے کی کوشش میں اپنے پچھلے دونوں پیر اٹھائے ہوئے ہیں۔ مندر کے سامنے ایک اونچے مربع نما چبوترے پر مخروطی چھت کے ساتھ نٹ مندر الگ ایک عمارت تھی جس میں چھوٹے پیمانہ پر سورج کے مندر کی تمام مخصوص خصوصیات پیش کی گئی ہیں۔ اس کے چاروں طرف متعدد متبرک مقامات اور معاون عمارتیں تھیں۔ یہ سب ایک احاطے کے اندر واقع تھیں۔ احاطہ آٹھ سو پچپن فیٹ لمبا اور پانچ سو چالیس فیٹ چوڑا تھا۔ اس کے تین جانب مخروطی پھاٹک تھے۔ مندر اور اس کی معاون عمارتوں کی دیواروں پر متعدد مجسمے بنے ہوئے ہیں۔ ان میں بعض مجسمے تو غیر معمولی طور پر خوبصورت ہیں لیکن کچھ بے ڈھنگے طور پر عاشقانہ ہیں۔ صرف جگموہن ہی غنیمت حالت میں بچ گیا ہے۔ یہ سو فیٹ مربع نما ہال ہے۔ اس کی سیڑھیوں دار مخروطی نما چھت سو فیٹ بلند ہے۔ معاون عمارتوں میں سب سے زیادہ قابل ذکر عمارت جو احاطے کے جنوبی مغربی حصے میں واقع ہے رامچندر کا مندر ہے۔ متعدد دیو قامت مجسمے جن میں بعض نو بت تراشی کے نمونے ہیں اور عمارت میں مخصوص جگہوں پر رکھنے کے لیے بنائے گئے تھے اس وقت زمین پر ادھر ادھر گرے پڑے ہوئے ہیں۔ (پلیٹ پندرہ)، ان میں دو تو لڑائی کے جوشیلے گھوڑوں کے مجسمے ہیں اور سوربہ اور گنگا کی مورتیاں ہیں۔ اصل مندر کی دیواروں پر جو زیبائش ہے اس میں ہندوستانی دماغ کو جتنے موضوعات

کی بھی واقفیت ہوسکتی تھی ان کی ادنا سے ادنا تفصیلات کو صحیح طریقہ پر پیش کیا گیا ہے۔ اس کی بنیاد کہ جگہ ردّوں سے بنایا ہوا ایک عمودی اور مسطح چوکھٹا ہے جو مل کر حیرت انگیز طور پر دلآویز طور پر تاثر پیدا کرتے ہیں۔

شمالی مغربی دکن میں گیارھویں سے تیرھویں صدی کے درمیان شمالی طرز تعمیر میں کسی قدر تغیر واقع ہوا۔ دکنی طرز کے مطابق تعمیر کردہ مندروں کی سب سے بڑی خصوصیت ان کے شکھر کی بناوٹ ہے، اس شکھر کی تختی کارنس سے لے کر کلش تک ہر کونے پر ایک عمودی زیبائشی پٹی ہوتی ہے۔ ان پٹیوں کی درمیانی جگہ میں شکھر کی چھوٹی چھوٹی ہو بہو شکلیں قطار وار بنی ہوئی ہیں۔ ہر شکھر ایک مناسب کرسی پر ٹکا ہوا ہے۔ مندر کے پہلوؤں میں مکمل عمارت کی مختصر تصویریں آرائش کے خیال سے بنانے کا اصول مندر کے مختلف حصّوں کے لیے بھی اختیار کیا گیا اور عام طور پر نتائج بھی خوش کن برآمد ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے مندروں کے مقدس مقامات پر ان لکیروں کو ترچھا بنایا گیا ہے۔ دیواروں کے نکلے ہوئے حصّوں اور طاقوں کی وجہ سے دیواروں کی تکمیل میں بھی نمایاں تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ بسا اوقات یہ تبدیلی ضرورتاً سے زیادہ بھی معلوم ہوتی ہے۔ مسطح آرائشی حاشیے جن میں چاقو کی دھار جیسا ایک حصہ ہوتا ہے "چھے کنّی" کہتے ہیں۔ دیوار کی سطح کے عمودی اثر کو ختم کر دیتے ہیں۔ ستون عام طور سے خراد پر بنائے جاتے تھے۔ ان میں کنّی دار آرائشی حاشیے ہوتے تھے۔ یہ عروج سے اخیر تک نقش و نگار سے مزین ہوتے تھے۔ اگرچہ ان کے نیچے کا تہائی حصّہ کبھی کبھی سادہ چوکور یہ پہلو بہلو رکی شکل میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ دکنی مندروں میں سب سے بڑا مندر بھی لمبائی میں اسّی فیٹ سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ لیکن یہ عمدہ طریقے پر متناسب ہوتا تھا اور اندرونی حصّے کے یک سنگی ستون کی بلندی مندر کے مختلف حصوں میں تناسب برقرار رکھنے کے لیے اکائی کا کام دیتا تھا۔

بمبئی ضلع کے تھانہ مقام پر واقع امبرناتھ کا مندر اس گروپ کے مندروں میں قدیم ترین اور شاید سب سے خوبصورت مندر ہے۔ یہ مندر تقریباً 1060 میں ایک لمبے اور گہرے تالاب کے کنارے خوشگوار مقام پر تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ مندر حد سے زیادہ مگر دلپذیر ڈیزائن دار پیچیدہ آرائش سے مزین ہے۔ مندر کے دونوں لازمی حصّے محوری خط کے ادھر اُدھر قایم ہو کر نوّے فیٹ لمبا اور پچھتر فیٹ چوڑا ایک پرکشش خاکہ پیش کرتے ہیں۔ عمودی طور پر آگے کو نکلے ہوئے حصّے اور طاق پہلوؤں کو کمزور بنا کر روشنی اور سایہ میں کئی گنا اضافہ کر دیتے ہیں۔ مجلسی ہال کے تینوں کھلے زاویوں کی جانب تین دروازے ہیں۔ چھت کی زاید پٹی اور اس کے سطحی گیند پر بہت عمدہ نقش و نگار بنے ہوئے ہیں لیکن خاص بڑے

کمرے کے ستون بالخصوص ان چار ستونوں پر جو وسطی حصّہ میں ہیں روایتی ڈیزائن اور موضوعات سے متعلق شکلیں بنی ہوئی ہیں۔ خاندیش میں بمقام بال سین ان دوسرے مندروں کے درمیان جو سو سال سے زیادہ مدت میں تعمیر ہوئے ہوں گے۔ امبرناتھ مندر کا چھوٹا مگر خوبصورت نقش ثانی پایا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک مندر تو چٹان کو کاٹ کر بنی ہوئی وہار کی ہو بہو نقل ہے۔ سینار (ضلع ناسک) میں گوندیشور کا مندر (بارھویں صدی کے پہلے نصف حصّہ میں) ایک "پنچایتن" ہے۔ خاص مندر اسی طرز کے بنے ہوئے چار چھوٹے ضمنی مقدس مقامات سے گھرا ہوا ہے۔ یہ تمام مقدس مقامات ایک سو پندرہ فیٹ لمبے اور پچھتر فیٹ چوڑے ایک راستہ اور سیڑھیوں والے چبوترے پر بنے ہوئے ہیں خاص مقدس مقام اس چبوترے کے بیچ میں واقع ہے۔ اس کے سامنے ایک نندی منڈپ ہے اس جگہ کے مجسّمے معیار سے گرے ہوئے ہیں اور بت تراشی میں فنّی مہارت کے زوال کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔

تیرھویں صدی کے نصف اخیر اور چودھویں صدی کے شروع میں متعدد مندر تعمیر کیے گئے جو اپنے بھدّے تناسب اور بیرونی حصہ میں مجسموں کی کمی کی وجہ سے قابل ذکر ہیں۔ عام طور پر ان کے طرز تعمیر کو ہیمد پنتی طرز کہا جاتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہیمادری یا ہیمد پنت دیوگری کے آخری یا دو راجاؤں کا وزیر تھا جو متعدد مذہبی عمارتیں بنوانے کے لیے مشہور ہے۔ اس طرز تعمیر کے مندر صرف دکن تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ مدھیہ پردیش میں برار تک پھیلے ہوئے ہیں۔

وجیہ نگر کے بادشاہوں کے عہد حکومت میں جنوبی ہندوستان کا طرز تعمیر کس حد تک تکمیل کو پہنچ گیا چونکہ اس حکومت کا اصل مقصد بچے کچھے ہندو مذہب کو مسلمانوں کے حملوں سے بچانا اور ترقی دینا تھا اس لیے اس عظیم ذمہ داری کے احساس کے ساتھ ساتھ فنّ تعمیر کی ترقی اور اظہار خیال میں ایک آزادانہ روش کا قیام ہوا۔ اس زمانہ کے مندر اپنی ساخت اور تنظیم کے لحاظ سے بہت محنت کے ساتھ تکمیل کو پہنچائے گئے۔ پرانے مندروں کو بھی بڑھایا گیا۔ ان میں ستون دار ہال نشستیں اور دوسری معاون عمارتوں کو بنوا کر ان میں اضافہ کیا گیا۔ اس میں کلیان منڈپ مخصوص عمارت تھی۔ یہ مندر میں شرق سے داخل ہونے پر صحن کے بائیں جانب تعمیر کی۔ یہ منڈپ منقش ستونوں کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ منڈپ کے بیچ میں ایک اونچا چبوترہ ہے جسے دیوتا اور ان کی اہلیہ کے سالانہ جشن شادی کے موقع پر ان کے خیر مقدم کے لیے بنایا گیا تھا۔ اس زمانہ میں دیوی کے لیے جداگانہ طور پر مندر تعمیر کیے گئے۔ دیوی کے لیے الگ مندر بنانے کا رواج چول حکمرانوں کے آخری زمانہ میں شروع ہوا تھا۔ دوسری خصوصیت نام نہاد ایک ہزار ستون والے منڈپ کی تعمیر تھی۔ اس بڑے کمرے میں

ستونوں کی متعدد قطار میں ہوتی تھیں۔ درحقیقت وجے نگر طرزِ تعمیر کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت ستونوں کی زیبائش میں پیچیدگی اور تنوع پیدا کرنا تھی۔ ستون کی بلی وسطی شگاف بن جاتا ہے جس کے چاروں طرف قد آور دائرہ نما مجسموں کا جھرمٹ ہے۔ ان مجسموں میں نمایاں طور پر اس بھیانک گھوڑے کا مجسمہ تھا جو اپنے پچھلے پیروں پر کھڑا ہوا تھا۔ اور دوسرا بپھرا ہوا سپ کو کی (ایک فرضی اور افسانوی جانور جس کا سر عقاب کا سا اور جسم گھوڑے کی طرح فرض کیا گیا تھا) یا کوئی اور مافوق الفطرت جانور اپنے پچھلے پیروں پر کھڑا ہوتا تھا۔ مکمل ستون اور مجسمے ایک ہی پتھر کی سل کو تراش کر بنائے جاتے تھے۔ (پلیٹ سولہ) اس کے علاوہ ستونوں کی ایک دوسری قسم بھی ہوتی تھی۔ اس طرح کے ستونوں میں وسطی ستونوں کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے ستونوں کا جھرمٹ ہوتا تھا۔ یہ لمبا اور کچھ اس طرح تراش کر کے بنائے جاتے تھے کہ جب ان پر کوئی چیز ماری جاتی تھی تو ہندوستانی موسیقی کے ساتوں سُر بجنے لگتے تھے۔ ستونوں کی آرائش کے اور بھی طریقے تھے۔ لیکن تمام ستونوں میں کارنس کے طور پر دیوارگیری اور اس کے نیچے لٹکن ہوتے تھے جو اس عہد میں تکمیل کو پہنچتے پہنچتے الٹے کنول کے پھول کی کلی کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ پانڈیوں کے عہد حکومت میں داخلے کے لیے بلند مینار یا گوپروں نے جو ترقی کی تھی وہ اس عہد میں بھی جاری رہی۔

وجے نگر طرز تعمیر کے مطابق بنی ہوئی عمارتیں دریائے تنگ بھدرا کے جنوب میں واقع پورے علاقہ میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان کا سب سے زیادہ خوبصورت گروپ جو ان کے طرز کی خصوصیات کو ظاہر کرتا ہے خود تباہ شدہ وجے نگر شہر میں پایا جاتا ہے۔ وٹھل اور ہزارا رام کے مندر اس سلسلہ میں مخصوص مندر ہیں لیکن ان کے علاوہ اور بھی متعدد مندر دلچسپی کا باعث ہیں۔

ان مندروں میں وٹھل مندر بلاشبہ سب سے زیادہ آراستہ ہے۔ اس کی تعمیر اگر پہلے نہیں تو دیو رائے دوم کے عہد حکومت میں شروع ہوئی اور اچیوت رائے کے زمانہ میں بھی جاری رہی۔ اس کی تعمیر مکمل طور پر کبھی ختم نہیں ہوئی۔ یہ پانچسو فیٹ لمبے اور تین سو دس فیٹ چوڑے ایک مستطیل نما چہار دیواری سے گھرا ہوا ہے۔ اندرونی حصوں میں ستونوں کی تین قطاروں کی ایک غلام گردش ہے۔ مندر میں داخل ہونے کے لیے گوپروں کے ساتھ تین راستے ہیں جن میں مشرق اور جنوب کی جانب کا راستہ سب سے اہم ہے۔ خاص مندر بیچ میں بنا ہوا ہے۔ احاطے کے اندر پانچ اور بھی عمارتیں ہیں جو ستون دار ہال کی شکل میں ہیں۔ خاص مندر وٹھل کی شکل میں وشنو کو مخصوص کر دیا ہے۔ یہ ایک لمبی (دو سو تیس فیٹ) اور پستہ قد عمارت مشرق سے مغرب کی جانب بنی ہوئی

ہے۔ اس کی اونچائی صرف پچیس فیٹ ہے۔ اس میں تین مخصوص حصے ہیں۔ پہلا مہا منڈپ جو سامنے کے جانب کھلا ہوا ستون دار بڑا کمرہ ہے۔ دوسرا اردہ منڈپ ہے جو مسقف بڑا کمرہ ہے اور بیچ میں واقع ہے۔ تیسرا گربھ گرہ ہے جو پیچھے کی جانب بنا ہوا ہے۔ مہا منڈپ ایک شاندار عمارت ہے۔ اس کے پہلوؤں کی لمبائی اور چوڑائی سو فیٹ ہے اور اس میں بہت زیادہ طاق بنے ہوئے ہیں۔ یہ پانچ فیٹ اونچے آراستہ چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ اس کی کھلی ہوئی سیڑھیوں کی تین جانب سے ہاتھی نگہبانی کرتے ہیں۔ اس کی ایک اور خصوصیت قابل ذکر یہ ہے کہ اس کی بہت چوڑی اور دوہری مڑی ہوئی اولتی پر اموتیوں سے بنا ہوا ایک لنگورا ہے۔ اندر کی جانب چھپن ستون ہیں اور ہر ستون بارہ فیٹ اونچا ہے، ان ستونوں میں چالیس ستون ہال کے ماہری کناروں کے چاروں طرف راستہ بنانے کے خیال سے کافی وقفہ کے ساتھ قایم کیے گئے ہیں اور بقیہ سولہ ستون وسطی حصہ میں مستطیل نما راستہ بنانے کا کام دیتے ہیں۔ عام طور پر یہ ستون ان سے مختلف ہیں جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہ حیرت ناک طور پر بہت زیادہ آراستہ ہیں اور ان میں کھود کر نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ بقیہ عمارت ایک شکل ہے جو لمبائی میں ایک سو پینتیس فیٹ اور چوڑائی سڑسٹھ فیٹ مستطیل نما ہے۔ اس کی باہری دیواریں دیواری ستونوں، طاقوں اور ان کے چھجّوں سے سجی ہوئی ہیں۔ مہا منڈپ میں شرق کی جانب سے داخلے کے علاوہ اردہ منڈپ کے پہلوؤں میں بھی دو دروازے ہیں" جن میں ہر ایک میں سیڑھیاں اور کسی قدر لمبا چوڑا ایک ستون دار پھاٹک ہے۔" اس کا اندرونی حصہ ایک مربع ہے جس کے پہلو پچپن فیٹ ہیں۔ اس کے بیچ میں ایک مربع نما چبوترہ ہے جس کے چاروں کونوں پر ایک ایک ستون ہے۔ بقیہ ستونوں کو گھیرے کے نزدیک اس طرح سے قایم کیا گیا ہے کہ ایک بغلی راستہ بن جاتا ہے۔ وہاں پچھتر فیٹ لمبا اور بہتر فیٹ چوڑا ہے۔ اس کے اندر باہری صحن کی سطح پر طواف کرنے کے لیے ایک راستہ بنا ہوا ہے۔ اس میں گربھ گرہ اور اردہ منڈپ کو ملانے والی شہ نشین کے دونوں جانب نیچے اترنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ بقیہ عمارت میں کلیان منڈپ اپنے خوبصورت مجسموں کی وجہ سے دوسری عمارتوں کو جیسا کہ امید کی جاسکتی ہے پس پشت ڈال دیتا ہے۔ حالانکہ یہ مہا منڈپ کے آدھے سے کچھ ہی بڑا ہے۔ کلیان منڈپ کے نزدیک اور مہا منڈپ میں داخل ہونے والے خوبصورت دروازے کے سامنے دیوتا کا رتھ ہے۔ متحرک پہیوں کے ساتھ اس کی کرسی اور مخصوص منزل عمارتی پتھر کی ایک ہی ٹھوس سل کو تراش کر بنائی گئی ہے اس کے اوپر اینٹوں سے بنی ہوئی عمارت گر چکی ہے۔ اس عہد کے بنے ہوئے دوسرے مندر مثلاً تاڑ پتری اور ترو ویلور میں

بھی اسی طرح کے پتھر کے رتھ پائے جاتے ہیں۔

برارارم کے مندر کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ اسے غالبًا ویرو پکش دوئم نے تعمیر کرایا۔ یہ وجیہ نگر طرزِ تعمیر کی سنجیدہ مگر مکمل تعمیر مثال ہے۔ خاص مندر کے علاوہ یہاں دیوی کا بھی الگ ایک متبرک مقام ہے۔ ایک کلیان منڈپ اور دوسرے معاون مندر ہیں جنھیں صحن کے چاروں طرف کی چوبیس فیٹ اونچی دیوار احاطہ کیے ہوئے ہے۔ احاطے میں داخل ہونے کے لیے مشرق کی جانب تناسب اور مسطح چھت والا ایک پھاٹک ہے جو مجلسی ہال کی جانب لے جاتا ہے۔ مجلسی ہال ایک مربع ہے اور اس کے چاروں کونوں پر سیاہ پتھر کے چار ستون ہیں۔ یہ ستون غیر معمولی ڈیزائن کے بنے ہوئے ہیں ستون کی بلی میں مکعب نما اور دھاری دار بیلن ایک کے بعد ایک لگے ہوئے ہیں۔ ان پر بے حد نقاشی ہے۔ ہال کے اندر داخل ہونے کے لیے اس کے دونوں جانب دو اور پھاٹک ہیں جو صحن کی جانب لے جاتے ہیں۔ وہاں کی تحتی منزل پتھر کی بنی ہوئی ہے اور مخروط نما بالائی حصّہ اینٹ کا بنا ہوا ہے جو اب بھی بہت زیادہ خستہ حالت میں ہونے کے باوجود شاندار ہے گو کہ اس کی بلندی پچاس فیٹ سے بھی کم ہے۔ مندر کے اندرونی حصّہ کی دیواروں پر ابھری ہوئی تصویریں ہیں جو رامائن کے مناظر پیش کرتی ہیں۔

وجیہ نگر کے قلعہ کے اندر کچھ غیر مذہبی عمارتیں بھی ہیں جن کے تحتی حصّے مسمار کرنے والوں کی تباہی سے بچ گئے ہیں۔ ان عمارتوں پر بھی ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے۔ ان عمارتوں کے تحتی حصوں میں دو حصّے ایسے بھی ہیں جو نسبتًا زیادہ اہم ہیں۔ ان میں ایک راجہ کا دربار ہال ہے اور دوسرا تخت کا چبوترہ ہے۔ اس چبوترے کو اکثر فتح کا گھر بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اسے کرشن دیو رائے نے اپنی اڑیسہ کی تسخیر کے بعد بنوایا تھا۔ ان عمارتوں کو دیکھنے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ غیر ملکی سیاحوں نے شہر کی عمارتوں کی جو تعریف کی ہے وہ مکمل طور پر حق بجانب ہے۔ دونوں ڈھلوان چبوتروں پر ستون دار شہ نشین ہوں گی جن کی مخروط نما چھتیں کئی منزلیں بلند ہوں گی دربار ہال میں سو ستون تھے۔ ہر ایک قطار میں دس دس ستون شامل تھے۔ ان ستونوں کی نشست مربع نما تھی۔ ان کی بلی بیلن نما اور کارنس پر بریکٹ تھے۔ تحتی حصّہ خوبصورت زینوں کے ساتھ تین وسیع مگر بتدریج گھٹتے ہوئے چبوتروں کی شکل میں ایک کے اوپر ایک بنے ہوئے تھے۔ یہ چبوترے ایک چوڑے ابھرے ہوئے آرائشی حاشیہ سے مزیّن تھے جو اس پوری عمارت کی تاریخی نوعیت سے مطابقت رکھتے تھے۔ تخت کا چبوترہ بھی اسی طرح گھٹتی ہوئی تین منزلوں میں ہے۔ اس کا ڈیزائن بھی مربع نما ہے۔ سب سے نیچے والے

چبوترے کا ایک پہلو ایک سو تینیس فیٹ اور سب سے آخری چبوترے کا ایک پہلو اٹھہتّر فیٹ ہے سب سے اوپر والا حصّہ پتھر کے خوبصورت زیبائشی حاشیہ سے آراستہ ہے۔ لیکن اس کے نیچے کے دونوں چبوترے سادے پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ اور ان پر کم ابھری ہوئی مگر خوشگوار طور پر انسانوں اور جانوروں کی شکلوں کی پٹیاں بنی ہوتی ہیں۔

وجیہ نگر سلطنت کے دوسرے حصّے مثلاً ویلور، کمبکونم، کانچی پورم، تاڈ پیتری اور شری رنگم میں اس عہد کے طرز تعمیر کے مطابق بنے ہوئے مندر بجا طور پر مشہور ہیں۔ ویلور کے مندر کا کلیان منڈپ اپنے طرز کی سب سے خوبصورت عمارت خیال کی جاتی ہے۔ اس کا گوپر اس صدی کے طرز تعمیر کا مخصوص نمونہ ہے۔ ورنچی پورم (ضلع شمالی ارکاٹ) کا مارگ سکھیشور مندر بھی اپنے کلیانی منڈپ کی زبردست آرائش کے خیال سے لاجواب ہے۔ کانچی پورم کے ایک امرانتھ اور دروراج کے مندر کا شہ نشینیں غیر معمولی قد و قامت کی بنی ہوئی ہیں۔ ان کے ستونوں پر جو تخیلی مجسّے بنے ہوئے ہیں وہ اپنی نرالی تربیت کی بنا پر آج بھی قابل ذکر ہیں۔ تاڈ پیتری میں رامیشور مندر کے دو گوپروں کے عمودی حصّوں کو جنھیں عام طور پر سادہ ہی چھوڑ دیا جاتا تھا۔ پتھر سے کاٹ کر ور نفیس نقش و نگار سے مزین کرنے کی وجہ سے انوکھا خیال کیا جاتا ہے۔ فرگوسن کہتا ہے کہ "اس طرز تعمیر کی دوسری چیزوں کے مقابلہ میں یہ نقش و نگار جو پتھر پر کھود کر بنائے گئے ہیں خوش ذوقی کا ثبوت ہیں"۔ اخیر میں شری رنگم کے مندر میں نام نہاد "اسپ دربار" یا شیشگری منڈپ میں "غضبناک طور پر لڑتے ہوئے گھوڑوں کی ایک قطار ہے جس میں ہر گھوڑا اپنے اگلے پیروں کو تقریب قریب نو فیٹ تک اونچا اٹھائے ہوئے ہے۔ یہ سب کچھ اس فنّی مہارت کے ساتھ بنائے گئے ہیں کہ پتھر کے بجائے فولاد کا دھوکہ ہوتا ہے"۔ (براؤن)

وجیہ نگر طرز تعمیر کے آخری دور کو مناسب طور پر "مدیورا کا طرز" کہا جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مدیورا کے نایکوں نے اس طرز تعمیر کی بہت ہمت افزائی کی۔ یہ طرز تعمیر کسی حد تک پانڈیوں کے عمارت بنانے کے طریقے کی تجدید اور ترقی تھی جس کے تحت اکثر پرانے بڑے مندروں میں نئے حصّوں کا اضافہ کیا گیا۔ اس سلسلہ میں بیرونی احاطے کی متحد المراکز دیواروں کے ذریعے مزید "پراکاروں" کا بالخصوص ذکر کیا جا سکتا ہے۔ یہ پراکار کی دیواروں کے اہم نکات پر چار گوپر ہوتے تھے۔ یہ مندر کی ملحقہ عمارتوں مثلاً ہزار ستون والے ہال یا مقدس تالاب کا احاطہ کرتے تھے مثال کے طور پر شری رنگم کے مندر میں اس طرح کے سات متحد المراکز مستطیل نما

احاطے ہیں۔ جہاں کہیں بھی ممکن ہوتا تھا ستونوں میں اضافہ کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے ان میں کچھ ستونوں کو بلی پر دیوتاؤں یا عطیہ دینے والوں کے آدم قد سے بھی بڑے مجسمے بنائے جاتے ہیں۔

اس عہد کے زیادہ مشہور مندروں میں مدیورا، شری رنگم اور جمبوکیشور، ترودیلور امیشورم، چیدام برم، تناولی، تروتا ملئی اور شری ولی پتور کے مندر قابل ذکر ہیں۔ ان میں مدیورا کا مندر سب سے زیادہ امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔ اس مندر کی بیشتر عمارات ایک ہی وقت میں تعمیر کی گئیں۔ یہ دوہرا مندر ہے ایک سندریشور اور دوسرا اس کی اہلیہ میناکشی کے لیے وقف ہے۔ یہ دونوں مندر خاص احاطے کے اندر بہت زیادہ جگہ گھیرے ہوئے ہیں۔ ایک بلند دیوار کے اندر ان کا رقبہ آٹھ سو پچاس فیٹ لمبا اور سات سو پچیس فیٹ چوڑا ہے۔ اس کے چاروں پہلوؤں کے وسطی حصہ میں ایک بڑا گوپُر ہوتا تھا۔ مندر میں داخلے کے لیے خاص دروازہ مشرق کی جانب ہے۔ یہ دوسو فیٹ لمبے اور تقریباً سو فیٹ چوڑے ایک راستے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس راستے کے دونوں طرف ستونوں کی قطاریں ہیں۔ یہ راستہ چھوٹے گوپُر کی جانب لے جاتا ہے۔ دوسرے پراکار میں جو مستطیل نما چار سو بیس فیٹ لمبا اور تین سو دس فیٹ چوڑا ہے۔ اس میں داخلے کے لیے مشرق میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ اس مستطیل کے چاروں پہلوؤں کے وسط میں ایک ایک گوپُر ہے جو باہری گوپُر کے مقابلہ میں چھوٹے ہیں۔ دوسرے احاطے کا بیشتر حصہ چھت سے ڈھکا ہوا ہے، صرف شمال میں کچھ حصہ چھت نہ ہونے کی وجہ سے کھلا ہوا ہے۔ اس احاطہ کے اندر دوسو پچاس فیٹ لمبا اور ایک سو ساٹھ فیٹ چوڑا صحن ہے جو چھت سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس صحن میں داخلے کے لیے مشرق کی جانب ایک دروازہ ہے۔ اس دروازے کے باہر ستونوں کا اجتماع ہے، جو کچھ معنوں میں اس مندر کے منصوبہ کا سب سے دل پذیر حصہ ہے۔ آخری احاطے کے اندر خاص مندر ہے۔ حسب دستور اس مندر کے تین حصے ہیں۔ مندر کے مرکزی حصہ کے اوپر شکھر ہے جو اس مندر کے مسطح چھت کے اوپر باہر نکلا ہوا ہے اس احاطے کے اندر تمام راستے اور ہال میں ستونوں کی لمبی لمبی قطاریں ہیں۔ یہ ستون اس عہد کے طرز تعمیر کے مطابق بنے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان سے چاروں طرف کا نظارہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ میناکشی دیوی کا متبرک مقام خود ایک احاطہ ہے جو خاص مندر سے جنوب کی جانب ملا ہوا ہے۔ یہ کسی حد تک اس کے پیچھے واقع ہے لیکن چھوٹے پیمانہ پر خاص مندر کی ہو بہو نقل ہے۔ یہ شکل میں خاص مندر

کا تقریباً آدھا ہے۔ یہ رقبے میں دو سو پچیس فیٹ لمبا اور ایک سو پچاس فیٹ چوڑا ہے۔ اس میں داخلے کے لیے دو گوپُر ہیں۔ ایک گوپُر مشرق کی جانب اور دوسرا اس سے بڑا مغرب کی جانب واقع ہے۔ متصل شو مندر کی طرح یہاں بھی متبرک مقام کی مسطح چھت کے اوپر شکھر نکلا ہوا ہے۔ میناکشی مندر کے سامنے سنہری سوسن کا تالاب ہے۔ (پلیٹ سترہ) یہ تالاب ایک سو پینسٹھ فیٹ لمبا اور ایک سو بیس فیٹ چوڑا ہے۔ تالاب کے چاروں طرف سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں اور ہر پہلو پر ستون دار نشستیں ہیں۔ اس کے پیچھے جنوبی گوپُر ہے جو ایک سو پچاس فیٹ بلند ہے۔ تالاب میں گوپُر کا عکس پڑنے کی وجہ سے تالاب کا حسن اور بھی دلآویز ہو جاتا ہے۔ تالاب کے شمالی مشرقی کونے کے نزدیک ایک اچھے قد و قامت کا گوپُر بنا ہوا ہے جو میناکشی کے مندر میں باہر سے جلوس کے آنے کے راستہ کا پتہ دیتا ہے۔ یہ مندر میں داخل ہونے کے لیے ایک آزاد راستہ بھی ہے۔ باہری پراکار کے شمالی مشرقی کونے پر ہزار ستون والا ہال ہے جو دو سو چالیس فیٹ لمبے اور دو سو فیٹ چوڑے رقبے میں قائم ہے۔ ہال کے سامنے کا حصّہ جو جنوب رخ ہے خاص مندر کی جانب جانے والے ستون دار راستے کے کنارے واقع ہے۔ ستونوں کی ترتیب اس کے اندرونی حصّہ کے متناسب ہے۔ اس کے اندر بھی بیچ میں ایک راستہ ہے جو شمال میں واقع سبھاپتی کے چھوٹے متبرک مقام تک لے جاتا ہے۔ فرگوسن کا بیان ہے کہ "ان ستونوں پر جو مجسمے بنے ہوئے ہیں وہ اس زمرہ کے کسی بھی ہال سے جس کی مجھے واقفیت ہے سبقت لے جاتے ہیں۔" احاطے کے باہر لیکن مشرقی گوپُر کے محوری خط پر جہاں ایک جداگانہ گلی کے ذریعے پہنچا جاتا ہے "پدو منڈپم" واقع ہے جسے "ترو ملئی کی سرائے" بھی کہتے ہیں۔ یہ بغیر چھت کے کھلا ہوا ہال ہے جو پینتیس فیٹ لمبا اور ایک سو پانچ فیٹ چوڑا ہے۔ اسے ستونوں کے چار قطاروں کے ذریعے وسطی حصّے اور دو بغلی راستوں کی صورت میں لمبان میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان تمام ستونوں پر کھود کر بے حد نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ ہال کے وسطی حصہ کی جانب کے ستونوں پر مدیورا کے نایک حکمرانوں کے آدم قد مجسمے بنے ہوئے ہیں۔ ان میں منڈپ کے تعمیر کرنے والے ترو ملئی کا مجسمہ جدید ترین ہے۔

مدیورا کے نایک حکمرانوں نے شری رنگم کے رنگ ناتھ مندر میں جو اضافے کیے ان کی بنا پر یہ مندر جنوبی ہندوستان کے مندروں میں سب سے بڑا مندر بن گیا ہے۔ سب سے باہری پراکار مستطیل نما ہے یہ دو ہزار آٹھ سو اسّی فیٹ لمبا اور دو ہزار چار سو پچھتر فیٹ چوڑا ہے۔ اندرونی حصّے میں کم سے کم چھ پراکار ہیں۔ اس طرح مرکزی متبرک مقام کے چاروں طرف سات متحد المرکز احاطے بن جاتے ہیں۔ باہری تین احاطے مندر کی طرح اس شہر کے بھی حصّے معلوم ہوتے ہیں جو ان کے چاروں طرف

بسا ہوا ہے۔ یہ صرف اپنے کچھ گوپُرم کے لیے ہی قابل ذکر ہے۔ سب سے باہر ہی دیوار کے دو نا مکمل گوپُروں میں سے اگر اس گوپُر کی جو جنوب میں واقع تھا اور جس میں داخلے کے لیے خاص دروازہ تھا۔ منصوبے کے تحت تکمیل ہو جاتی تو اس کی اونچائی تقریباً تین سو فیٹ ہوتی۔ خاص مندر چوتھے صحن سے شروع ہوتا ہے۔ اس صحن کی باہری دیوار 1225 فیٹ لمبی اور 849 فیٹ چوڑی ہے۔ اس میں شمال جنوب اور مشرق کی جانب گوپُر بنے ہوئے ہیں۔ مشرق کی جانب گوپُر بنا ہوا ہے وہ سب سے بہتر اور منصوبہ کے مطابق سب سے بڑا گوپُر ہے۔ اس کے نزدیک چوتھے احاطے کے شمالی مشرقی کونے پر ہزار ستون والا ہال ہے جو پانچ سو فیٹ لمبا اور ایک سو ساٹھ فیٹ چوڑا ہے۔ مشہور و معروف "گھوڑے کا میدان" می اس ہی احاطے میں واقع ہے۔ تیسرے احاطے میں شمال اور جنوب کی جانب گوپُر بنے ہوئے ہیں۔ اس ں جنوبی گوپر۔ جو ستون دار گر ور منڈپ کی جانب کھلتا ہے وہی داخلے کے لیے خاص دروازہ بھی ہے عاطے کے اندر سورج کنڈ اور چندر کنڈ نام کے دو مشہور تالاب ہیں۔ دوسرا احاطہ مقفف ہے۔ اس کے اندر متعدد ستون والے ہال ہیں اور مغرب ی جانب جلوس کے لیے راستہ ہے۔ اس میں داخلے کے لیے شمال اور جنوب کی جانب سے دو دروازے ہیں۔ اس کے بعد سب سے اندر کا احاطہ آتا ہے جو دو سو چالیس فیٹ لمبا اور ایک سو اکیاسی فیٹ چوڑا ہے۔ مقدس مقام ایک گول کمرہ ہے جو ایک مربع نما کمرے کے اندر واقع ہے۔ یہ کمرہ ایک مستطیل نما کمرے سے گھرا ہوا ہے۔ متبرک مقام کا بتہ سپاٹ چھت کے اوپر ابھرے ہوئے طلائی گنبد نما دمان سے چلتا ہے۔

مدورا کے مانند رامیشورم کا مندر بھی اکائی منصوبے کے تحت بنایا گیا ہے۔ یہ مندر اپنے شاندار ستونوں کی قطاروں کے لیے مشہور ہے۔ یہ ستون مندر کے چاروں طرف ہیں۔ اور اسے گھیرے رکھنے کے علاوہ مندر تک پہنچنے کا راستہ بھی بناتے ہیں۔ ان راستوں کی چوڑائی سترہ سے اکیس فیٹ تک ہے یہ ستون تقریباً پچیس فیٹ بلند ہیں اور مجموعی لمبائی تقریباً تین ہزار فیٹ ہے۔

چولوں کے زمانہ حکومت میں کانسی کے مجسموں کو بڑے پیمانہ پر ڈھالنے کی ابتدا ہوئی، اور وجیہ نگر کے بادشاہوں اور ان کے جاگیرداروں کے زمانہ میں بھی اس کی ترقی جاری رہی۔ مجسموں کے موضوعات اور ان کے بنانے کے طریقے بھی پہلے کی ہی طرح قائم رہے۔ لیکن وجیہ نگر بادشاہوں کے زمانہ میں جو بعض آدم قد مجسمے تیار کیے گئے اور جو اس وقت تک بچے بھی ہوئے ہیں قابلِ ذکر ہیں۔ ان مجسموں میں کرشن دیو رائے اور اس کی دو بیویوں کے مجسمے، وینکٹ اوّل اور بعض دوسرے مجسمے جن کی شناخت بھی مشکوک ہے ترو پتی کے مندر میں رکھے ہوئے ہیں۔ اس جگہ

چیدام برم مندر کے شاہی گوپُرہ کے تحتی دروازے کے طاق میں کرشن دیورائے کی شکل سے مشابہ پتھر کا ایک مجسمہ رکھا ہوا ہے جس کا ذکر ضروری ہے۔ اس مندر کو کرشن دیورائے نے 1520ء میں تعمیر کرایا تھا۔

بہمنی سلطنت اور اس کے جانشینوں کے طرز تعمیر کا مختصراً ذکر کرکے ہم اس باب کو ختم کرسکتے ہیں۔ اگرچہ 1347 میں دلّی سے سیاسی تعلقات منقطع ہوچکے تھے لیکن عام طور پر دلّی کے طرز تعمیر کا ہی تتبوع کیا گیا۔ ہندوستان میں مسلم تعمیرات کی کوئی صوبائی وضع اپنے مقامی طرزوں کے بمقابلہ بہمنی سلطنت کی فنکاریوں کے سبب ہی کم متاثر ہوئی۔ لیکن پندرھویں صدی کی ابتدا سے بعض دوسرے اور زیادہ دور کے اثرات اس پر پڑنے لگے۔ بہمنی سلطنت سائنسی علم و ادب اور فنون لطیفہ کی سخاوت کے ساتھ سرپرستی کرتے تھے اور جس طرح ان کی فوج قسمت آزما سپاہیوں کے لیے باعث کشش تھی اسی طرح ان کا دربار بھی شاعروں، ادیبوں اور فنکاروں کو اپنی جانب کھینچتا تھا۔ یورپ کے فوجی اور ایران کے شہری طرز تعمیر کا جس قدر اثر یہاں دیکھنے میں آتا ہے اتنا ہندوستان کے کسی اور اس زمانہ کے طرز تعمیر میں نہیں دکھائی دیتا۔ گلبرگہ کی جامع مسجد ایرانی معماروں کی مہارت کے لیے مشہور ہے۔ دوسری عمارتیں مثلاً دولت آباد کا چاند مینار (1435) اور بیدر میں محمود گوان کا کالج (1472) بھی ایرانی طرز پر بنے ہوئے ہیں اور انھیں لازمی طور پر ایران کے معماروں اور کاریگروں نے ہی بنایا ہوگا۔ دوسری عمارتوں میں بھی ایرانی طرز تعمیر کا اثر جانبدارانہ اور بالواسطہ طور پر دکھائی دیتا ہے پندرھویں صدی کے اخیر میں دکنی طرز تعمیر نے خود کو دوبارہ قایم کیا اور بیجاپور کی عمارتوں میں مسلمانوں سے قبل طرز تعمیر کے زبردست اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس کا اہم سبب یہ ہی ہوسکتا ہے کہ بیجاپور کی عمارتوں کی تعمیر میں زیادہ تر ہندوستانی صنّاعوں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔

دو ہی عمارتیں صرف ایسی ہیں جنھیں یقینی طور پر 1294 سے 1347 کی مدت کا تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ یہ عمارتیں دولت آباد کی جامع مسجد (1315) اور بودھن میں محمد تغلق کے زمانہ حکومت کی بنی ہوئی دیول مسجد ہے۔ لیکن ان دونوں مسجدوں میں ہندو مندروں کے متبرک مقامات کو تبدیل کردیا گیا ہے اور اسلامی فن تعمیر کی تاریخ سے ان کا کوئی واضح رشتہ نہیں قایم کیا جاسکتا اس زمانہ میں دولت آباد کے قلعہ کی طرح دوسرے قلعوں کو مستحکم بنانے کے سلسلہ میں ٹھوس اقدامات کیے گئے لیکن چونکہ فوجی طرز تعمیر کی تاریخ کے بارے میں ابھی تک کوئی معقول مطالعہ نہیں کیا جاسکا ہے اس لیے مختلف زمانہ کی عمارتوں یہاں تک کہ ہندو اور مسلم عمارتوں کے درمیان بھی امتیاز کرنا ایک مشکل ہی امر معلوم ہوتا ہے مثال کے طور پر دولت آباد (پلیٹ اٹھارہ) میں یا دو،

تغلق اور بہمنی تینوں ہی طرز تعمیر مل کر یکجا ہو گئے۔ اندرونی قلعہ چھ سو فیٹ بلند الگ ایک چٹان پر قایم ہے۔ قلعہ کی باہری دیوار کا گھیرا پونے تین میل ہے۔ قلعہ اور باہری دیوار کے درمیان تین اندرونی دیواریں ہیں جن میں گولیاں چلانے کے لیے سوراخ بنے ہوئے ہیں۔ دیواریں دندانے دار ہیں اور ان پر برج بنے ہوئے ہیں ان دیواروں میں مستحکم پھاٹک بھی ہیں۔ ان تمام چیزوں کی ترتیب کچھ اس طرح سے رکھی گئی ہے کہ حملہ آور دشمن پر گولیوں کی زیادہ سے زیادہ بوچھار کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ بیرونی دیوار کے پشتے کے ساتھ چاروں طرف خندق بنی ہوئی ہے چونکہ بہمنی سلطنت خود کو طاقتور دشمنوں سے گھرا ہوا پاتے تھے اس لیے انھوں نے فوجی تعمیرات پر بہت زور دیا ہے۔ ان میں برار کے شمال میں ایلچ پور، گوالگڈھ اور نرنال، ضلع عدیل آباد میں ماہر ریاست پڑا پہاڑ کے سرداروں اور واردھاندی کے اس پار جنگلی قبائل پر نگرانی رکھنے کے کام آتا تھا۔ مغرب میں پر نیدا، نال درگ، پنہالہ اور خود گلبرگہ۔ مرکز میں بیدر، مشرق میں وارنگل اور گولکنڈہ اور جنوبی مغربی کونے میں مدگل اور رائچور کے قلعہ بہت مشہور رہیں۔ ان میں بعض قلعے ہندو راجاؤں سے چھینے گئے تھے لیکن ان کی شکل وشباہت میں اس قدر تبدیلی کر دی گئی تھی کہ ان کی پرانی شکل شاید ہی برقرار رہ گئی ہو مثال کے طور پر رائچور کا قلعہ ایک ہندو سردار نے 1294 میں تعمیر کرایا تھا اور مدگل کسی زمانہ میں مقامی یادو صوبیداروں کی جائے قیام تھی۔ بیدر کے قلعہ کی دیواریں پچاس فیٹ اونچی ہیں اور تین میل کا احاطہ کرتی ہیں۔ اس میں فصلیں، برج اور بیرونی فصلیں ٹھوس طریقہ پر بنائی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ مزید دفاعی اقدامات کے طور پر ٹھوس پتھر کو کاٹ کر شہری خندق بھی بنائی گئی ہے۔

پر نیدا کا قلعہ نسبتاً چھوٹا ہے اور اس کے بارے میں عام روایت ہے کہ اسے محمود گوان نے بنوایا تھا۔ یہ قلعہ اپنی دفاعی استطاعت کے خیال سے غیر معمولی ہے اور فوجی انجینیرنگ کے خیال سے یورپی قلعوں کی نقل ہے۔ یہ بہمنی حکومت میں ترک اور دوسرے غیر ملکیوں کے ملازم ہونے کی بنا پر ہی ممکن ہو سکتا تھا۔ لیکن اس کا طرز تعمیر لازمی طور سے مقامی ہے اور اس میں" خلوص مقصد اور اندرونی جذبہ زیبائش کی باہمی آمیزش پائی جاتی ہے۔" (مارشل)

گلبرگہ اور بیدر ایسے شہر جو دارالسلطنت بھی تھے بہمنی حکمرانوں کی شہری تعمیرات کے مرکز تھے۔ گلبرگہ شہر میں شاہی مقبروں کے دو گروپ ہیں۔ ان میں ایک گروپ تو گلبرگہ قلعہ کے جنوبی پھاٹک کے پاس اور دوسرا شہر کے مشرق کی جانب واقع ہے۔ یہ مقبرے دو طرح کے نمونوں پر بنے ہوئے ہیں" ایک تو اکہرے مقبرے میں جو سادے مربع نما ہیں۔ ان کی بالائی منزل پر فصلیں کونوں پر برجیاں

اور ایک ہی گنبد ہوتا ہے۔ یہ تمام عمارت ایک کم اونچی مربع نما نشست پر قایم ہے" دوہرے مقبرے اکہرے مقبرے کے دو چند ہیں۔ ان مقبروں کی تفصیلات کے سلسلہ میں ایک حکومت سے دوسری حکومت کے درمیان جو تبدیلیاں کی گئی ہیں ان کا بہ خوبی پتہ چلتا ہے۔ بہمنی کے سب سے پہلے سلطان حسن کا مقبرہ دلی کے تغلق طرز تعمیر کی خاص مثال ہے۔ محمد شاہ، مجاہد اور داؤد کے مقبرے بھی اسی طرز پر تعمیر کیے گئے ہیں۔ چودھویں صدی کے اخیر میں غیاث الدین کے مقبرے میں محراب عبادت کے نقش و نگار سے ہندو صناعی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ ایک نسل بعد فیروز شاہ اور اس کے خاندان کے لوگوں کے شاندار مقبرے جو باہر سے ایک سو تین فیٹ لمبے اور چھہتر فیٹ چوڑے ہیں ہند و طرز تعمیر کے بڑھتے ہوئے اثر اور ایرانی طرز آرائش کو ترجیح دینے کا ثبوت ہیں۔ ان مقبروں کے باہر حصوں پر ہندو اثر اور اندرونی نقاشی اور چمکیلی اثر کاری سے ایرانی اثر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ آرائش ایران کی جلد سازی اور کشیدہ کاری کے خوبصورت نمونوں کی یاد دلاتی ہے۔

گلبرگہ میں محمد شاہ نے دو مساجد تعمیر کرائیں۔ ان میں پہلی مسجد جو چھوٹی ہے اب شاہ بازار کی مسجد کہلاتی ہے۔ یہ اپنے سادہ طرز تعمیر کے باوجود پر شکوہ ہے اور دلی کے سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ حکومت میں تغلق طرز تعمیر کے مطابق بنی ہوئی ہے۔ دوسری عمارت مشہور جامع مسجد ہے (1367) یہ قلعہ کے اندر ہی بنی ہوئی ہے۔ اس کے گنبد دبے ہوئے پستہ قد ہیں اور خاص ایرانی طرز کے مطابق داخلے کے لیے تنگ راستے ہیں لیکن ایران کے مقابلے میں ان پر دلی کا اثر زیادہ ہے اس کے مسقف راستے کی پستہ قد محرابیں جو پہلی بار یہاں پر دیکھی جاتی ہیں بعد میں دکنی طرز تعمیر کی مخصوص خصوصیت بن جاتی ہیں۔ اس کے احاطے کی بناوٹ بھی عجیب ہے۔ اس کو کھلا چھوڑنے کے بجائے "یہ محرابوں پر بنے ہوئے ترپیٹھ گنبدوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ کنارے کے مسقف راستے پر بھی ایسے ہی گنبد بنے ہوئے ہیں اور بیرونی دیواروں میں بنی ہوئی کھلی محرابوں کے ذریعے مسجد کے اندرونی حصے میں ہوا اور روشنی آنے کا انتظام ہے" یہ عمارت مجموعی طور پر دو سو سولہ فیٹ لمبی اور ایک سو چھہتر فیٹ چوڑی ہے۔ مسجد کے چاروں کونوں پہ چار خوبصورت گنبد بنے ہوئے ہیں۔ عبادت خانہ کے اوپر مسجد کی مربع نما بالائی منزل کی دیوار پر پانچواں اور بڑا گنبد بنا ہوا ہے۔ یہ گنبد پوری عمارت پر چھایا ہوا ہے۔ پوری مسجد کو اس کی شاندار سادگی اور شان و شوکت کی بنا پر ان عمارتوں کو صف اوّل میں دکھایا جا سکتا ہے جو اس طرز تعمیر کی ترقی پر لازمی طور سے اثر انداز ہوئی ہیں۔

احمد شاہ ولی (1422 سے 1435 تک) کے زمانہ سے بیدر کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ اس

جگہ مقبروں کے دو مختلف گروپ ہیں۔ ایک گروپ میں بعد کے بہمنی سلاطین کے مقبرے شامل ہیں اور دوسرا گروپ برید شاہی خاندان کے سلاطین کے مقابر پر مشتمل ہے۔ بہمنی سلطانوں کے بارہ مقبرے ہیں۔ یہ گلبرگہ کے مقبروں سے ملتے جلتے ہیں اگرچہ یہ لمبائی اور چوڑائی میں گلبرگہ کے مقبروں سے بڑے ہیں۔ ان کے گنبد بھی زیادہ اونچے اور لسقی دار ہیں۔ ان کے سامنے کے حصے میں محرابیں اور چلمن دار کھڑکیاں بھی بہت زیادہ ہیں۔ ان میں احمد شاہ کا مقبرہ سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اس کا اندرونی حصہ ایرانی طرز میں چمکدار رنگوں کی تصویروں سے سجا ہوا ہے اور شنگرفی اور گہرے نیلے رنگ کی زمین پر کوفی خط کی پٹیاں اور دوسرے کتبے بھی طلائی حروف میں لکھے ہوئے ہیں۔ علاؤ الدین احمد شاہ کے زمانہ (1458 – 1436ء) کے دولت آباد میں واقع چاند مینار اور اس کے مقبرے سے جس کے سامنے کارخ مختلف نیلے رنگوں کی میناکاری کی ٹائلوں سے مزین ہے۔ ایرانی اثر کی زیادتی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن بیدر میں محمود گوان کا مدرسہ (1472ء) ایرانی طرز کی سب سے زیادہ قابل ذکر عمارت ہے۔ یہ عمارت سہ منزلہ ہے اور اس کے سامنے کے رخ کے کونوں پر دو بلند مینار ہیں۔ تمام عمارت دو سو پانچ فیٹ لمبی اور ایک سو اسی فیٹ چوڑی ہے۔ اس کے سو فیٹ لمبے اور سو فیٹ چوڑے کھلے صحن کے چاروں طرف بالترتیب ایک مسجد، ایک کتب خانہ، لکچر کے ذریعے تعلیم دینے کے لیے بڑے بڑے کمرے، پروفیسروں کی رہائش کے لیے مکانات اور طلباء کے رہنے کے لیے چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔ عمارت کے سامنے کی جانب داخلے کے دروازے کے دونوں جانب مسجد اور کتب خانہ تھا۔ تعلیم دینے کے لیے ہال (جو تینوں منزلوں کی پوری بلندی تک تھے) دوسرے حصوں کے درمیان واقع تھے۔ پروفیسروں کے کمرے کونے پر تھے۔ پوری عمارت آسائش کے خیال سے مجوزہ منصوبے کے تحت تعمیر کی گئی تھی۔ اس میں ہوا اور روشنی کا معقول انتظام تھا۔ کونے کے مینار چاند مینار کی طرح بنے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان عمارت کے سامنے کا مکمل بیرونی حصہ چمکدار ٹائلوں سے مزین تھا۔ یہ ٹائل خاندانی عظمت کے نمونے تھے۔ ان کے علاوہ آرائشی پٹیاں بھی تھیں جس میں کتاب الٰہی کی آیات تحریر تھیں۔ اس عمارت کا ایران کی کسی بھی عمارت سے جو اس نمونہ پر بنائی گئی ہو مقابلہ کیا جاسکتا تھا۔

بیجاپور کے عادل شاہی بادشاہوں نے بیجاپور شہر کو ہندوستان کے تمام شہروں میں سب سے زیادہ شاندار بنایا۔ اس شہر کو انتظام حکومت کے ایک مستحکم مرکزی شکل میں نیز ایک بڑے شہر کی ضرورت کو پورا کرنے کے خیال سے آباد کیا گیا تھا۔ یہاں صوبائی حکومت کے دارالسلطنت ہونے کی حیثیت سے

تمام چیزیں فراہم کی گئی تھیں۔ چنانچہ شاہی محلات، مساجد، مقبرے، ٹکسال اور داخلے کے لیے دروازے بنے ہوئے تھے۔ ان عمارتوں کی تعمیر میں ایک قسم کا مقامی پتھر استعمال کیا گیا جس کی وجہ سے تمام شہر بے کیف اور اوّل سے اخیر تک ایک ہی انداز میں بنا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ اس زمانہ کے مغلوں کے بنائے ہوئے شہروں سے جو سرخ ریتیلے پتھر اور سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں بالکل برعکس ہیں۔

عادل شاہ اوّل نے تقریباً 1565 میں جامع مسجد کی تعمیر شروع کی۔ یہ ہندوستان کی پہلی اہم عمارت ہے جس سے طرز تعمیر کی ابتدا کا پتہ چلتا ہے " یہ کبھی پورے طور پر مکمل نہیں کی جا سکی اور اب بھی اس میں صحن کے سامنے کے حصّہ کی کمی پائی جاتی" ہے۔ محراب دار عبادت خانہ میں داخل ہونے کے لیے پانچ بغلی راستے ہیں جو ٹھوس کھمبوں پر بنے ہوئے ہیں۔ مسجد کا گنبد بہت شاندار ہے۔ اس عمارت میں آرائش پر بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ اس کی دیواروں پر نفیس آرکاری کی گئی ہے جسے زمانہ نے روغنی بنا دیا ہے۔ لیکن مسجد کا وسطی حصّہ شوخی کے ساتھ رنگین اور سنہری نقاشی سے مزین ہے جو بعد میں کسی وقت کی گئی ہے لیکن جو مسجد کی سادگی کے ساتھ مناسب نہیں ہے۔ سولھویں صدی کے آخری حصہ میں ابراہیم روضہ بن کر تیار ہوا۔ یہ بہت زیادہ آراستہ عمارت ہے اس عمارت کے اندر دیواروں سے گھرے ہوئے احاطے میں ایک بلند چبوترے پر سلطان ابراہیم دویم کا مقبرہ اور مسجد بنی ہوئی ہے۔ ان عمارتوں کا مقابلہ مغلوں کی تعمیر کردہ خوبصورت سے خوبصورت عمارت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ یہ مقبرہ ایک بہت ہی اہم عمارت ہے۔ اس کی فنکارانہ تکمیل اور مقامی کاری گروں کے بنائے ہوئے نقش ونگار کی زیبائش میں کسی طرح کی کسر باقی نہیں رکھی گئی ہے۔

بیجاپور کاری گری کی ہمہ گیری کا اندازہ محمد عادل شاہ کے مقبرے "گول گنبد" سے لگایا جا سکتا ہے۔ گول گنبد (پلیٹ ایس) کے عظیم تناسب اور اس کی وسعت تعمیر کا اندازہ مختصر پیمانہ پر بنے ہوئے مہتر محل کی نازک تفصیلات سے تقابل کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔ گول گنبد بیجاپور شہر کی ایک نمایاں یادگار ہے۔ یہ کاری گری کے کمال کی مثال ہے۔ اس کا گنبد اپنی نوعیت کا سب سے بڑا گنبد ہے۔ اس کا رقبہ اٹھارہ سو مربع فیٹ سے کم نہیں ہے۔ محمدؐ کے عہدِ حکومت (56-1627) میں بیجاپور شہر اپنی عظمت کی انتہا پر پہنچ گیا تھا اور گول گنبد اسی عظمت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس عمارت کے مجوزہ منصوبے میں "ایک مسجد، ایک گذرگاہ،

ماہران موسیقی کی گیلریں، طلبا کی رہائش گاہ اور دوسری عمارتیں جو ایک شاہی مقبرے کے لیے لازمی ہو سکتی ہیں شامل نہیں۔ یہ تمام عمارتیں ایک وسیع احاطے کے اندر ترتیب کے ساتھ شامل ہیں۔ یہ مشکوک ہے کہ منصوبہ کبھی مکمل بھی کیا جا سکا۔ مقبرے کا کمرہ اس وقت تک ایک کمرے کی تعمیر شدہ عمارتوں میں سب سے بڑا ہے "یہ تناسب کے خیال سے عظیم الشان ہے" باہر سے دیکھنے پر گنبد کی بھاری جسامت کے باوجود اس کی نمایاں خصوصیت اس کے ہر کونے پر ابھرے ہوئے ہشت پہلو مینار" اور فصیلوں کے نیچے بھاری دیوارگیریوں والی کارنس ہیں۔ صرف تین دھنسی ہوئی محرابیں دیوار کے درمیانی حصے کو خالی چھوڑ دیتی ہیں اور ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں پر کوئی چیز نامکمل رہ گئی ہے۔ گنبد کو روکنے والی محرابوں کی ترتیب کے ذریعے دیواروں کے مربع نما پہلوؤں سے گنبد کے لیے قطر نما پلیٹ فارم تعمیر کرنے کے مسئلہ کو انتہائی ہوشیاری اور صنعتکارانہ طور پر تلاش کر لیا گیا ہے۔ اس طرح کی تعمیر کی صرف ایک اور مثال کارڈوا میں ملتی ہے جو چھ سو برس قبل ہوئی تھی۔

مہتر محل جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کوئی شاہی محل نہیں ہے بلکہ یہ ایک مسجد کے صحن کے لیے منقش گذرگاہ ہے۔ مہتر محل (1620) ایک شاندار بلند عمارت ہے۔ اس کی بالائی منزل میں ایک مجلسی کمرہ ہے جس کے اوپر ایک نیچی ہموار سطح چھت ہے جو چاروں طرف فصیل دار بڑی بڑی جالی دار دیواروں سے گھری ہوئی ہے۔ ان دیواروں میں باہر کی جانب کھڑکیاں بھی بنی ہوئی ہیں۔ عمارت کے سامنے رخ دونوں کونوں پر دو پتلے مگر منقش مینار بنے ہوئے ہیں۔ لیکن اس عمارت کی نمایاں خصوصیت بالائے خانہ کی باہر کو نکلی ہوئی وہ کھڑکی ہے جو ان میناروں کے درمیان خالی جگہ کو پُر کرتی ہے۔ یہ کھڑکی دیوار سے باہر کی جانب نکلی ہوئی ہے اور ایک دوسرے سے سٹے ہوئے منقش بریکٹوں پر ٹکی ہوئی ہے۔ اس کی اولتی کا چوڑا تختہ پتھر کی آڑے کر لگایا گیا ہے۔ پتھر پر چھینی سے کاٹ کر خوبصورت نقش و نگار بنائے گئے ہیں اور یہ دیکھنے پر بالکل لکڑی کا معلوم ہوتا ہے۔ پوری عمارت نزاکت اور لطافت میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔

ہندو طرز تعمیر کی کچھ غیر مذہبی عمارتیں بھی قابل غور ہیں جن پر اسلامی طرز تعمیر کا اثر بہ نسبتی بتایا جاتا ہے۔ وجیہ نگر کا باغ محل جسے کنول محل بھی کہتے ہیں تقریباً 1575 میں بن کر تیار ہوا۔ اس محل میں جنوبی ہندوستان کے مندروں کے شکھر کے طرز تعمیر پر مخروطی چھتیں

درجہ بندی کے ساتھ بنائی گئی ہیں۔ اس عمارت میں لودھی طرز کے مطابق طاق اور پھول پتیوں سے مزین محرابیں بھی تعمیر کی گئی ہیں چندر گری کے قلعہ کے اندر شاہی محل (ترھویں صدی کے شروع میں تعمیر کیا گیا) میں بھی انہی خصوصیات کو شامل کیا گیا ہے جس کا نتیجہ بہت خوشگوار ثابت ہوا اور محل کے سامنے کا رخ بہت شاندار دکھائی دیتا ہے۔ اس کے برعکس مدیورا میں تروملئی نایک کے محل (1645) میں اسلامی اثر کے علاوہ کچھ یوروپی اثر بھی دیکھنے میں آتا ہے۔ یہ محل اپنی وسیع لمبائی اور چوڑائی کی بنا پر رفیع الشان تو ضرور دکھائی دیتا ہے لیکن اس میں مختلف طرز تعمیر کی جو خصوصیات شامل کی گئی ہیں ان میں اطمینان بخش باہمی ربط کا فقدان ہے۔

معاون کتابیں

پرسی براؤن :۔ انڈین آرکی ٹیکچر جلدیں اوّل دوم (بمبئی۔ کوئی تاریخ نہیں)

کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلدیں تین اور چار (کیمبرج 1937)

اے۔کے۔کمار سوامی :۔ ہسٹری آف انڈین اینڈ انڈونیشین آرٹ (نیویارک 1927)

جے۔ فرگوسن :۔ ہسٹری آف انڈین اینڈ ایسٹرن آرکی ٹیکچر جلدیں ایک اور دو (لندن 1910)

آر۔ گراوسیٹ (مترجم سی۔ اے۔ فلپس) :۔ انڈیا (دی سوی لائیزیشنس آف دی ایسٹ۔ سیریز) (لندن 1932)

: انڈین آرکیولوجی۔ اینول ریویو (آرکی ٹیکچر، سروے آف انڈیا)

جی۔ جو ویو۔ ڈو بریئل :۔ آرکیالوجی دو۔ سود۔ ڈیل انڈے۔ (پیرس 1914)

اے۔ یوریوپ اینڈ پی اکیرمین :۔ اے سروے آف پرشین آرٹ (لندن 1938)

کے۔ آر۔ سری نواسن :۔ آرٹ اینڈ آرکی ٹیکچر ان ساؤتھ انڈیا۔ باب 23 ان موریاز :۔ اینڈ ستواہنس۔ مرتبہ کے۔ اے۔ این۔ شاستری۔ کلکتہ 1957)

:۔ دی پلّو آرکی ٹیکچر آف ساؤتھ انڈیا اینشینٹ انڈیا نمبر (1958)

:۔ کیو ٹیمپلس دی پلّوز (نئی دہلی 1964)

ہماری مطبوعات

جدید سیاسی فکر	سید انوار الحق حقی / ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی	14/25
جدید ہندوستان کے معمار	آئی، سی، ایچ، آر / ڈاکٹر قیام الدین احمد	14/-
جغرافیہ کی ماہیت اور اس کا مقصد	ایس۔ ڈبلیو وولرج / انیس احمد صدیقی	19/-
جدید ہندوستان کے سماجی و سیاسی افکار	ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی	47/-
اورنگ زیب کے عہد میں مغل امراء	محمد اطہر علی / امین الدین	28/-
بادشاہ	میکاولی / ڈاکٹر محمود حسین	14/-
برطانیہ کا دستور اور نظام حکومت	محمد محمود فیض آبادی	36/-
تاریخ آصفی	مرزا ابو طالب / ڈاکٹر ثروت علی	10/-
تاریخ اور سماجیات	عائشہ بیگم	10/50
اسلامی تہذیب و تمدن	عماد الحسن آزاد فاروقی	14/-
اسلامی سماج	ریو بن لیوی / ڈاکٹر مشیر الحق	60/-
اکبر سے اورنگ زیب تک	ڈبلو ایچ مورلینڈ / جمال محمد صدیقی	21/50
البیرونی کے جغرافیائی نظریات	ڈاکٹر حسن عسکری کاظمی	11/-
تاریخ فلسفہ سیاسیات	پروفیسر محمد مجیب	18/-
تاریخ ہندی فلسفہ	ایس۔ این داس گپتا	12/50
تحریک آزادی ہند	ظہور محمد خاں	2/25
تحریک خلافت	قاضی محمد عدیل عباسی	65/-
قدیم ہندوستان میں شودر	ڈاکٹر رام شرن شرما / جمال الدین محمد صدیقی	14/50
مہاتما گاندھی	بی۔ آر۔ نندا / علی جواد زیدی	60/-
مغلیہ سلطنت کا عروج و زوال	ڈاکٹر ریاض احمد خاں شیروانی	37/-
مغل دربار کی گروہ بندیاں اور ان کی سیاست	ڈاکٹر ستیش چندر /	22/-
(دوسری طباعت)	ڈاکٹر قاسم صدیقی	

فسانۂ آزاد (جلد سوم، حصہ اوّل)	رتن ناتھ سرشار / امیر حسن نورانی	67/50
فسانۂ آزاد (جلد سوم، حصہ دوم)	رتن ناتھ سرشار / امیر حسن نورانی	67/50
فسانۂ آزاد (جلد چہارم، حصہ اوّل)	رتن ناتھ سرشار / امیر حسن نورانی	50/-
فسانۂ آزاد (جلد چہارم، حصہ دوم)	رتن ناتھ سرشار / امیر حسن نورانی	50/-
فکر و تحقیق (۱) جنوری تا جون 1989	قومی اردو کونسل	15/-
فکر و تحقیق (۲) جولائی تا دسمبر 1989	قومی اردو کونسل	15/-
فکر و تحقیق (۳) جنوری تا جون 1990	قومی اردو کونسل	15/-
فکر و تحقیق (۴) جولائی تا دسمبر 1990	قومی اردو کونسل	15/-
فکر و تحقیق (۵) جنوری تا جون 1992	قومی اردو کونسل	20/-
فکر و تحقیق (۶) جولائی تا دسمبر 1992	قومی اردو کونسل	20/-
فکر و تحقیق (۷) جنوری تا جون 1997	قومی اردو کونسل	30/-
فکر و تحقیق (۸) جولائی تا دسمبر 1997	قومی اردو کونسل	30/-
آہنگ و عروض	ڈاکٹر کمال احمد صدیقی	18/-
املا نامہ	مرتب: پروفیسر گوپی چند نارنگ	9/-
اردو تصویری لغت	شیاملا کماری / ڈاکٹر علی رفاد فتیحی	30/-
اردو صرف و نحو	ڈاکٹر اقتدار حسین خاں	16/-
اردو افعال	سونیا چرنیکوا	24/-
اردو املا (دوسری طباعت)	رشید حسن خاں	زیر طبع
اردو انسائیکلوپیڈیا (حصہ اوّل)	پروفیسر فضل الرحمٰن	300/-
اردو انسائیکلوپیڈیا (حصہ دوم)	پروفیسر فضل الرحمٰن	450/-
اردو انسائیکلوپیڈیا (حصہ سوم)	پروفیسر فضل الرحمٰن	450/-
اسکول لائبریری	سید حسین رضا رضوی	20/-